

مَلِكًا نَجْمَان

# جہانگیری

April 2014

میں جو خانقاہی نظام قائم کرنا چاہتا ہوں وہ آج کے روایتی نظام سے بہت مختلف ہے۔ یہ ایک زندہ نظام ہوگا، اس میں جتنا زور فکر فرد یعنی روز قیامت اور آخرت پر ہوگا، اتنا ہی زور غم امروز یعنی حالات حاضرہ پر اور امت کے موجودہ مسائل پر ہوگا۔ ترک دنیا کر کے صرف 'ہو حق' کی ضربیں لگانا اسوۂ حسنہ نہیں ہے۔ تصوف پر سب سے بڑا الزام یہی لگایا جاتا ہے کہ اس کے اثر سے ملت دنیاوی مسائل اور کش مکش زندگی سے منہ موڑ کر خانقاہوں میں جا بیٹھی ہے اور ملت کے زوال میں اہم کردار ادا کر رہی ہے۔ ہم جو خانقاہی نظام چاہتے ہیں اس میں دین و دنیا دونوں کو ساتھ لے کر چلیں گے، ظاہری اور باطنی مسائل کے ساتھ امت کے مسائل پر بھی ارتکاز ہوگا۔ لائنس نصیبک من الدنیا کا مطلب بھی یہی ہے کہ آخرت اور دنیاوی زندگی کے درمیان توازن ہو۔

علامہ سید الحق قادری عثمانی

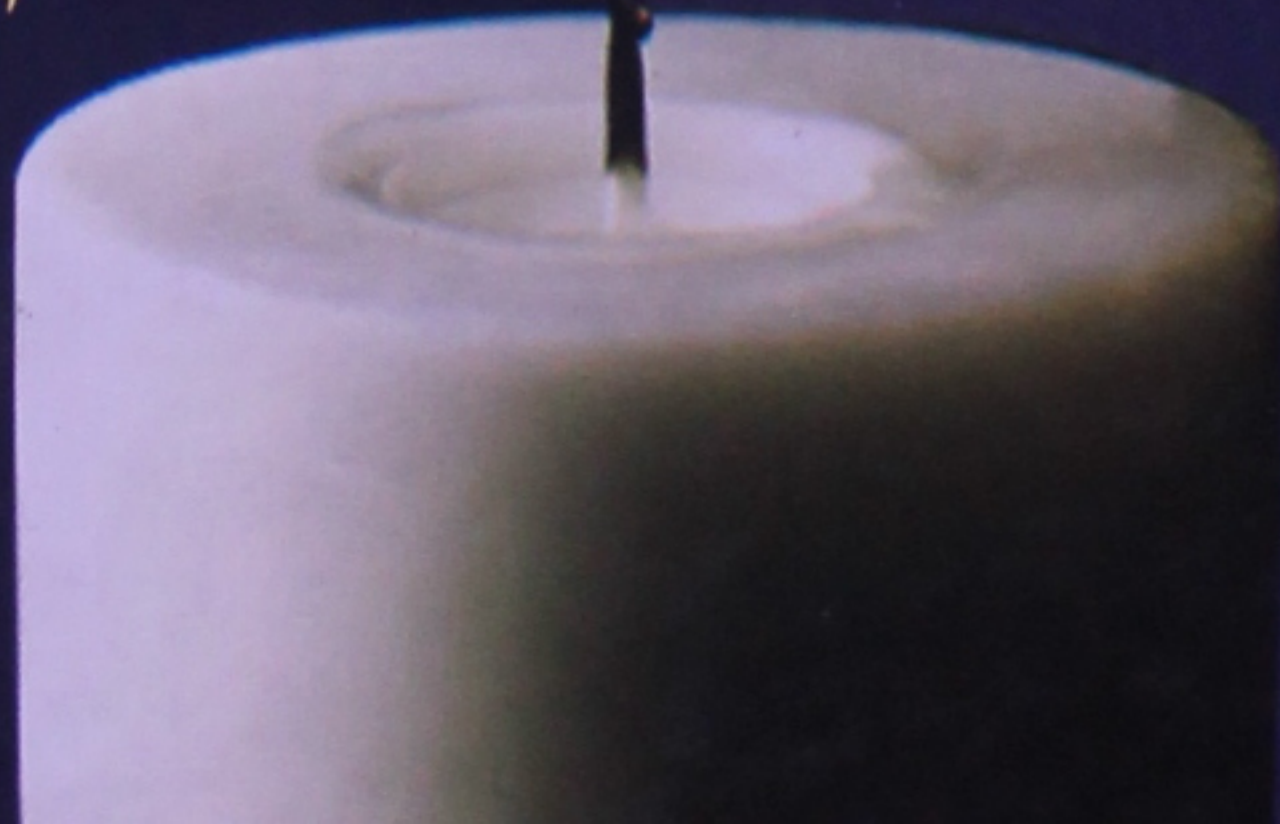
(ذاتی ڈائری کا ایک ورق: ۲۰۰۴ء)

ممتاز ناقد و محقق، شہید بغداد، عالم ربانی  
حضرت علامہ شیخ اسید الحق قادری عثمانی بدایونی  
کی خدمات اور کارنامے پر خصوصی پیش کش

عالم ربانی نمبر

داغِ فراقِ صحبتِ شب کی جلی ہوئی  
اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

دارالسلام







## ملک انجمن

# جہانگیر

گیارہواں دور ۱۳۲ ارواں جام

اپریل ۲۰۱۲ء / جمادی الاخریٰ ۱۴۳۵ھ

”میں کچھ بھی کروں، میرا میدان عمل اور دائرہ کار کچھ بھی ہو، بہر حال میں دو چیزوں سے علیحدگی اختیار نہیں کر سکتا: (۱) مسلکی فکر، یعنی اہل سنت و جماعت پر تعلق (۲) غوث اعظم سے غیر مشروط نسبت غلامی میں تصور بھی نہیں کر سکتا کہ ان دونوں چیزوں سے الگ ہو کر میرا کوئی وجود یا شخص باقی رہ جائے گا۔ دھوبی کا کتا نہ گھر کا رہتا ہے، نہ گھاٹ کا، لہذا میں سوچ بھی نہیں سکتا کہ اپنی اس وابستگی میں ذرا لچک آنے دوں یا ان پر کوئی کپڑا مائز کر لوں۔ ہاں! مگر بے جا تشدد، غلو اور تعلق کے بدلے تعصب کو ترک کیا جاسکتا ہے، بلکہ ترک کرنا ضروری ہے۔ میرا عقیدہ ہے کہ غوث پاک کا قدم تمام اولیا کی گردنوں پر قیامت تک ہے، اس عقیدے سے دست بردار ہونے کو ایک لمحے کے لیے بھی تیار نہیں ہوں، مگر مجھے اس پر اصرار نہیں ہونا چاہیے کہ ہر سلسلے والا اس پر اسی یقین و اذعان کے ساتھ ایمان لائے جس طرح میں لایا ہوں۔ یہ بے جا تشدد اور تعصب و غلو ہے۔“

شیخ اسید الحق محمد عاصم قادری  
ذاتی ڈائری کا ایک ورق: ۲۰۰۳ء

### ضابطہ و دستور

سلسلہ مطبوعات: 28

طبع: شعبان المعظم 1435ھ / جون 2014ء

قیمت: 270 روپے Net



جامع مسجد و محلہ مولانا دروچی، اندرون بھائی گیٹ، لاہور، پنجاب - پاکستان  
0321-9425765 darulislam21@yahoo.com

التعمیر

تاجدار اہل سنت، فنائے غوثیت، جامعہ اسلامیہ کراچی  
حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری عثمانی بدایونی  
(زیب سجادہ: خانقاہ عالیہ قادریہ بدایونی شریف)

کے قلم

جن کی تربیت، توجہات اور مستجاب دعاؤں سے

کراچی، پاکستان





## من شرب كأس من الشراب

الفقيه العالی فضيلة الشيخ العلامة مولانا سيد امین صاحب دارالافتاء  
رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعاً و اجازتاً استقامتاً و جلالاً

قاسيتُ حزنًا ليسَ كالإحزانِ      أبكى دمتَ غمًّا ليسَ من غمِّ  
فلتندب الأعلامَ دُمرًا كجلاءِ      لسي لهذا الخرج من خمرانِ  
كُنْتَ الخليلَ وليسَ كالخللِ      كُنْتَ الفريدَ ليسَ كالفردِ  
ما كُنْتَ بينَ الجمعِ والأخبارِ      إلا بسطًا ليسَ كالبسطِ  
كُنَّا نرى فيكَ العجاسَ كلها      كُنَّا نرى فيكَ المعاليَ كلها  
أبكى ويكسى الكحلَ البصرانِ      ليسَ بكحلٍ كالحلِّ  
وأرى المعاهدَ والقُدورَ من كلِّ      تكبر من العبادِ كالتكبرِ  
مَنْ كَانَ يَمْلَأُ جَمْعَنَا بِكَاؤِهِ      فَكَيْفَ يَمْلَأُ جَمْعَنَا بِكَاؤِهِ  
وَأَسِيدَ حَقِّ كُنْتَ لِنَا      لِنَا كَمَا لِنَا  
أنتَ التَّوَهُدُ بِكُلِّ مَدِينَةٍ      بِكُلِّ مَدِينَةٍ  
فَلِهُنَّ مَنَّا لَمَّا نَمَلْنَا      لَمَّا نَمَلْنَا  
لَوْلَا الرِّيحُ لَمَلْنَا      لَمَلْنَا  
لَا تَعْرِفُ مَا نَمَلْنَا      مَا نَمَلْنَا



## لذت جام شہادت

گم شدہ ہمیشہ بہا، فضیلتہ الشیخ علامہ مولانا اسید الحق محمد عاصم القادری بدایونی علیہ الرحمۃ والرضوان کی یاد میں

میں اس وقت زندگی کے سب سے بڑے غم سے دوچار ہوں اور میری آنکھوں سے خون ٹپک رہا ہے، گویا اب اس غم کا مداوا ناممکن ہے۔  
اس غم کے ساتھ کہ اس عظیم سانحے پر عمر سے تک لوحہ کناں رہیں، کیوں کہ یہ زخم اب بھرتا ہوا نظر نہیں آتا۔  
میں نے اس غم سے املت اور حلقہ احباب میں مفرد و یکتا تھے۔

علامہ امین اور احباب و اغیار سب کے لیے سراپا و فا اور احسان و اخلاص رہے۔

میں نے اس کی ذات میں املت و محبت اور خندہ روئی جیسی تمام اخلاقی خوبیاں نظر آتی تھیں۔

میں نے القادری السیّد میں قیادت و امامت کے لیے مطلوب جملہ اوصاف کے آثار جلوہ گر تھے۔

میں نے اس قدر عالم کو کھو کر میں بھی رو رہا ہوں اور میرے ساتھ ہر شخص رو رہا ہے۔

میں نے اس کی یاد و عمل میں زو پوش ہو جانے والے اس شخص کے غم میں تمام علمی ادارے اور مدارس گریہ کناں ہیں۔

میں نے اس شخصیت امین احباب کو علم وصالان اور دلیل و برہان سے رونق بخشی تھی۔

میں نے اس شخصیت کے رہنے اور یہ شہداء و مصنف تم نے حضرت فخرت عظم جیلانی سے ورثے میں پایا تھا۔

میں نے اس شخصیت کے ساتھ شہادت پر حاضر ہو گئے اور حسین کریمین اور تمام شہداء کے محبوب نظر میں آئے۔

میں نے اس شخصیت کو ہزاروں انسانوں کے لئے جسے جسم میں روح ہوا کرتی ہے۔

میں نے اس شخصیت کے ساتھ شہادت پر حاضر ہو گئے اور حسین کریمین اور تمام شہداء کے محبوب نظر میں آئے۔



# استمداد بحضور غوث الثقلین

کتابخانہ مبارک پبلیکیشنسٹریٹ ۲۰۰۰

قلمی نکتہ  
گونا گونا گونا



کے کدوؤں کا نشان گردن افراد پہ ہے

وہی اقطاب پہ ابدال پہ اوتاد پہ ہے

عبد القادر

عبد القادر

عبد القادر

عبد القادر

چل انھیں کے در دولت پہ لیے چلتے ہیں

آجھے باب اجابت پہ لیے چلتے ہیں

یہ وہی در ہے جسے قبلہ حاجات کہیں

جس کے ہر ذرے کو ہم خارق عادات کہیں

× اور ان کے ہر ذرے میں علم کا مداد یوں کر

× ہے جس میں علاج علم فردا یوں کر

× اور ان کے ہر ذرے میں علم کا مداد یوں کر

× ہے جس میں علاج علم فردا یوں کر



# عالم ربانی کی آخری تحریر

جسے انہوں نے آستانہ غوث اعظم بغداد میں واقع قادری لاہوری کی زیارت کے بعد لاہوری کے معاینہ رجسٹر پر لکھا تھا۔

باسمہ تعالیٰ

لقد سعدت بزيارة المكتبة القادرية بحضرة القادرية الشريفة، وليست زيارتي هذه اول زيارة، وانما تشرفت بزيارتها قبل هذه اكثر من مرة في عقد التسعينيات عند ما كنت ازور بغداد، فهذه المكتبة آن ذاك كانت في منها القديم، و لكنني فوجئت الآن عند ما وجدتها في المبنى الجديد، بارك الله في من ساهم في بنائها وتجهيزها، وجدت المكتبة معمورة بقيم الكتب بما فيها اكثر من الف المخطوطات القديمة والقيمة وآلاف كتب مطبوعة، وهذا ان دل على شيء فهو يدل على ان القائمين باشراف المكتبة وتحسينها هم اصحاب الخبرة ولهم ذوق رفيع، جعلها الله تعالى خادمة و مساعدة للعلم والعلماء رافعة راية العلم والتحقيق والبحث عالية عفاقة، و رزقنا الله تعالى زيارة بعد زيارة لها و لحضرة القادرية المقدسة، و رزقنا الله تعالى بركات سيدي الشيخ القطيب عبد القادر الكيلاني الذي اتسمت المكتبة باسمه . آمين.

اسيد الحق قادری

خادم العلم والعلماء

بالمدرسة القادرية، بمدينة بدايون الشريفة (الهند)

في ۲ / من مارس سنة ۱۳۰۲ھ

باسمہ تعالیٰ

میں آستانہ غوث اعظم میں واقع قادری لاہوری کی زیارت سے مشرف ہوا۔ لاہوری لاہوری میں یہ پہلی بار لاہوری کی زیارت سے مشرف ہوا تھا۔ اس وقت اس لاہوری کی عمارت قدیم تھی، مگر اس مرتبہ اسے نئی عمارت میں دیکھ کر خوش گوار حیرت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اس کی توجہ و تکریم کا راز میں شریک ہوئے والے حضرات پر اپنا خاص فضل فرمائے۔

یہ لاہوری نہایت گراں قدر کتابوں سے مالا مال ہے، اس میں تقریباً ایک ہزار سے زائد قدیم اور قیمتی مخطوطے اور ہزاروں کتابیں موجود ہیں۔ اگر اس سے کوئی بات ثابت ہوتی ہے تو وہ یہ کہ لاہوری کی تحسین و تزئین کاری میں سرگرم حضرات ماہر و تجربہ کار اور باذوق ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس لاہوری سے علم و علماء کی خدمت و تعاون کا کام لے اور اس کے ذریعے علم و تحقیق اور بحث و نظر کا پرچم بلند فرمائے اور مجھے اس کی اور آستانہ غوثیہ کی بار بار حاضری نصیب فرمائے اور ہم سب کو اس لاہوری اور حضرت قطب زماں سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی کی بركات سے بخش فرمائے، جن کے نام سے یہ لاہوری منسوب ہے۔ آمین۔

اسيد الحق قادری (خادم العلم والعلماء)

۲ / مارچ ۲۰۱۳ء

## مشمولات

03	حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری	(نظم)	● مرے بیٹے، مرے بھیا، مرے بابا خدا حافظ
04	مولانا محمد جلال رضا ازہری	(عربی مرثیہ)	● من شرب كأس الشهادة
06	شیخ اسید الحق محمد عاصم قادری	(نظم)	● استمداد بحضور غوث الثقلین
08	شیخ اسید الحق محمد عاصم قادری	(تاثر)	● عالم ربانی کی آخری تحریر
14	خوشتر نورانی	(اداریہ)	● کچھ باتیں

## روداد غم

18	خوشتر نورانی	● مرانگ درو پ بگڑ گیا، مرایا ر مجھ سے پھڑ گیا
25	خوشتر نورانی	● انٹرویو (سانحہ شہادت کی روداد صاحبزادہ مولانا عظیم قادری کی زبانی)

## نالہ درد

عالم ربانی کی شہادت پر اہل خانقاہ کے کلمات رنج و غم

40	امین ملت پروفیسر سید محمد امین قادری	● دنیائے سنیت کا ایک بڑا محقق ہمارے درمیان سے چلا گیا
41	رفیق ملت حضرت سید نجیب حیدر نوری	● خانقاہ برکاتیا اپنے چہیتے اور روحانی فرزند سے محروم ہو گئی
42	مفتی محمد عبید الرحمن رشیدی	● جماعت اہل سنت کا ایک ناقابل تلافی نقصان
43	حضرت سید شاہ فخر الدین اشرف جیلانی	● سنیت کا ناقابل تلافی نقصان
43	شیخ ابوسعید شاہ احسان اللہ محمدی صفوی	● خانقاہ عارفیہ میں ماتم کا ماحول
44	حضرت شاہ محمد ثقلین میاں قادری مجددی	● ایک بے مثال عالم دین کے جانے سے ساری دنیا سو گوار
45	مولانا جلال الدین عبدالمجتبٰی فرنگی محلی	● دل صاحب اولاد سے انصاف طلب ہے؟



- 45 پروفسر سید طلحہ رضوی برق
- 46 مولانا شاہ محمد آیت اللہ قادری
- 47 شیخ علی محمود حربی رفاہی شافعی
- 48 حضرت سید شاہ سیف اللہ صفوی مسندی
- 48 حضرت سید شاہ صداقت علی جیلانی
- 49 حضرت سید تنویر اشرف اشرفی جیلانی
- 49 مولانا سید محمد علی قادری الہاشمی ممشاد پاشا
- 50 حضرت سید شاہ عبداللہ حسین بادشاہ قادری
- 50 شیخ ڈاکٹر انس محمود خلف
- یہ ہولناک خبر دل و دماغ پر بجلی بن کر گری
- دل اب بھی یقین کرنے پر آمادہ نہیں
- علم و ادب کا ایک پہاڑ مسمار ہو گیا
- ایک عجیب حجابی کیفیت پیدا ہو گئی
- علامہ بدایونی کی کمی پوری کرنا جماعت کے لیے بڑا چیلنج
- پوری ملت اسلامیہ کا عظیم نقصان
- علامہ اسید الحق ملت اسلامیہ کا سرمایہ افتخار تھے
- موت اس کی ہے کرے جس کا زمانہ افسوس
- شیخ اسید الحق شریعت و حقیقت کے سچے طالب تھے

## گریہ الم

عالم ربانی کی شہادت پر اہل علم کے کلمات رنج و الم

- 54 مولانا شاہ عبدالحفیظ / مولانا محمد احمد مصباحی
- 55 مولانا محمد الیاس عطار قادری
- 55 ڈاکٹر مفتی مکرم احمد نقشبندی
- 56 مفتی خلیل احمد
- 56 مولانا کوب نورانی اکاڑوی
- 57 مفتی عبدالعلیم ناگ پوری
- 57 ڈاکٹر شکیل اعظمی
- 58 پروفسر غلام یحییٰ انجم
- 59 مفتی محمد خان قادری
- 59 پروفسر محمد اقبال مجددی
- 60 مولانا سید قمر شاہ جہاں پوری
- 60 مولانا شمس الہدیٰ مصباحی
- 61 ڈاکٹر نوشاد عالم چشتی
- 62 مفتی آل مصطفیٰ مصباحی
- 64 مفتی محمد مکرم خان محمود قادری
- 64 مولانا محمد انوار احمد قادری
- مولانا کی ناگہانی رحلت سے سب غم زدہ اور ناامید ہو گئے
- یہ سانحہ دل و دماغ کو ہلا دینے والا ہے
- مولانا کی شہادت ملت کے لیے المیہ
- اہل سنت و جماعت کو بڑی امیدیں وابستہ تھیں
- میرے رب کریم نے انھیں بہت نوازا تھا
- مولانا اسید الحق کی شہادت پوری ملت کا عظیم نقصان
- مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ تھے
- جماعت اہل سنت غم و اندوہ میں ڈوب گئی
- وہ ایک عظیم علمی و روحانی خانوادے کے عظیم فرد تھے
- مولانا کا سانحہ ارتحال عالم اسلام کے لیے المیہ ہے
- علامہ اسید الحق قادری کی رحلت جماعت کا عظیم خسارہ
- مولانا اسید الحق قادری ایک عظیم مفکر و مدبر تھے
- یہ ایک فرد کا نہیں پوری ملت کا غم ہے
- مولانا اسید الحق قادری تاریخ رقم کر گئے
- سنیوں کا ایک عظیم مفکر سے محروم ہو گئی
- مولانا اسید الحق قادری علما کے لیے مینارہ نور تھے

- 65 مفتی محمد حسان رضا عطاری المدنی ● اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خاموش ہے
- 66 پروفیسر سید حسین الحق چشتی ● نئے عہد کا ایک روشن ستارہ غروب ہو گیا
- 66 مولانا محمد منشا تابش قصوری ● یہ صدمہ ناقابل برداشت ہے
- 67 مولانا منظر الاسلام ازہری ● ایسے لوگ صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں
- 68 مولانا سید انور چشتی ● مولانا سید الحق قادری محبوب غوث اعظم ہیں

### پس منظر

- 72 مولانا دلشاد احمد قادری ● خانوادہ عثمانیہ: تعارف و خدمات
- 84 احمد جاوید ● اے سرزمینِ دجلہ و فرات!
- 89 ذیشان احمد مصباحی ● عالم اسلام میں یہ حادثے کیوں ہوتے ہیں؟
- 93 غلام رسول دہلوی ● عالم اسلام میں روحانی اقدار کے علم برداروں کا قتل

### شخص و عکس

- 96 صاحبزادہ مولانا عزام قادری ● آئینہ حیات عالم ربانی
- 99 مولانا سید عادل محمود کلیسی ● ارباب علم و دانش کے اعترافات
- 107 صاحبزادہ مولانا عطیف قادری ● مولانا سید الحق قادری: شخص و عکس
- 119 ڈاکٹر احمد مجتبیٰ صدیقی ● کچھ یادیں کچھ باتیں
- 132 عبدالعلیم قادری ● دس سالہ عملی زندگی کے چند یادگار شب و روز

### اظہار و اعتراف

- 147 حضرت سید محمد اشرف قادری مارہروی ● یہاں سے گزرا ہے ایسے خزانے والا کون!
- 152 مولانا یسین اختر مصباحی ● اہل سنت کے دو جگر پارے
- 161 پروفیسر اختر الواسع ● اس جوان رعنا کو کس کی نظر لگ گئی!
- 162 پروفیسر خواجہ اکرام ● مولانا سید الحق جیسے لوگ صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں
- 164 ڈاکٹر مفتی محمد مکرم احمد نقشبندی ● یہ صدمہ بھلایا نہیں جاسکتا
- 166 مفتی محمد نظام الدین رضوی ● آفتابِ قادریت نصف النہار سے پہلے ہی روپوش
- 168 صاحبزادہ سید و جاہت رسول قادری ● تاریخ ساز کارنامہ انجام دیا



- 169 مولانا عبدالمبین نعمانی ● حلم و تدبر، فکرو فن اور علم و تحقیق کا پیکر
- 172 سید صبیح الدین صبیح رحمانی ● ان کی یاد ہمیشہ دل کا زخم بنی رہے گی
- 173 ڈاکٹر عزیز احسن ● مولانا سید الحق قادری: ایک کثیراللسان نابغہ
- 175 مولانا عبید اللہ خان اعظمی ● علامہ بدایونی کا علم ان کی عمر سے کوسوں آگے تھا
- 177 ڈاکٹر سید علیم اشرف جاسی ● فکری اصالت اور عصری پیش کش کی نادر مثال
- 180 مولانا سید رکن الدین اصدق ● ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہوں جسے
- 182 پروفیسر فاروق احمد صدیقی ● ایک فرد نہیں، ایک تحریک کی موت
- 184 پروفیسر عبدالحمید اکبر ● مثالی عالمانہ انکسار اور صوفیانہ افکار کے حامل
- 186 مولانا صدرالوری مصباحی ● مولانا سید الحق قادری: ایک بے مثال محقق
- 189 مولانا نفیس احمد مصباحی ● ایک انساں میں ہزاروں اہل ہمت کا ثبات
- 196 مولانا مبارک حسین مصباحی ● عزائم اور منصوبوں کے اک جہان کی موت
- 202 ڈاکٹر قمر الہدیٰ فریدی ● علامہ سید الحق قادری ملک و ملت کا سرمایہ تھے
- 204 ڈاکٹر سید سراج اجنبی ● خط بنام اسید خلد تبار
- 207 ڈاکٹر ممتاز احمد سیدی ● بات کرنی مجھے مشکل کبھی ایسی تو نہ تھی
- 212 مولانا فروغ القادری ● لوگ صدیوں میں اتنا کام نہیں کر پاتے
- 214 ڈاکٹر غلام زرقانی ● حیات قابل تبریک اور مہمات قابل صدر شک
- 215 مفتی سید ضیاء الدین نقشبندی ● مولانا سید الحق قادری: اسلاف شناس محقق
- 217 ڈاکٹر سید محمد اشرف اشرفی جیلانی ● علامہ سید الحق قادری نے گہرے نقوش چھوڑے ہیں
- 219 ڈاکٹر عبدالسلام جیلانی ● عالمانہ وقار اور اسلامی شعار کا پیکر جمیل
- 222 ڈاکٹر افضل مصباحی ● بے مثال شہرت و مقبولیت کے مالک
- 224 محمد احمد ترازوی ● ایک ممتاز اسلامی اسکالر
- 226 مولانا نعمان احمد ازہری ● مجلس احباب کا میر
- 228 ارشاد عالم نعمانی ● بڑوں کے لیے فخر عصر اور نسل نو کے لیے خضر عصر
- 231 مفتی ذوالفقار خان نعیمی ● علامہ بدایونی کی علمی سخاوت بے مثال تھی
- 233 مفتی شمشاد حسین رضوی ● خانوادہ عثمانی کے امتیازات و کمالات کا سچا جانشین
- 236 مولانا افروز قادری چہیا کوٹی ● علامہ سید الحق قادری عبقری عصر تھے
- 239 مولانا سید نور الدین اصدق ● علامہ سید الحق قادری کی ذات مجمع البحرین تھی
- 242 مولانا حسن سعید صفوی ● ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم
- 244 مولانا صادق رضا مصباحی ● نسل نو کے سب سے بڑے محسن

## کمالات و امتیازات

- 248 احمد جاوید ● ایک تھامہ تلاش
- 254 مولانا محمد طفیل احمد مصباحی ● مولانا اسید الحق قادری: ایک عظیم محقق
- 257 مفتی مطیع الرحمن مضطر رضوی ● علامہ اسید الحق بدایونی اور امام احمد رضا بریلوی
- 268 مولانا شہباز عالم مصباحی ● مولانا اسید الحق قادری اور جام نور
- 273 سید تالیف حیدر ● کل وقتی شعری مزاج کا جزوقتی شاعر
- 280 سید نورین علی حق ● مولانا اسید الحق قادری کی مکتوب نگاری
- 287 محمد ثاقب رضا قادری ● مولانا اسید الحق قادری: محسن رضویات
- 292 محمد رضا الحسن قادری ● ایسا بھی اک شخص تھا جو ملا نہیں اور پھر دنیا

## علمی آثار

- 305 ارشاد عالم نعمانی ● مولانا اسید الحق قادری اور کتب اسلاف کی تحقیق و اشاعت
- 336 مولانا ضیاء الرحمن علیگی ● مولانا اسید الحق قادری کی تصانیف: ایک تعارف
- 342 مولانا نعیم احمد ثقلینی ازہری ● عالم ربانی کے مقالات و مضامین: ایک تعارف
- 358 پروفیسر یونس آر سکر ● عربی محاورات مع ترجمہ و تعبیرات: ایک مطالعہ
- 361 ڈاکٹر فضل الرحمن شرر مصباحی ● مقدمہ قصیدتان رائعتان پر طائرانہ نظر
- 365 مولانا غلام مصطفیٰ ازہری ● احادیث قدسیہ: ایک جائزہ
- 368 مولانا ابرار رضا مصباحی ● فرزدق تمیمی کا قصیدہ ہمیمہ: ایک جائزہ

## اظہار غم

- 374 ادارہ ● مجالس تعزیت
- 381 ادارہ ● تعزیتی فون / ایس ایم ایس

## حدیث دل

- 385 ادارہ ● عالم ربانی مولانا شیخ اسید الحق قادری کا منتخب کلام
- 397 ادارہ ● عکوس اسناد و اجازات





ہوتا رہتا، پھر اہل قلم کو مضامین لکھوانے کے لیے کم از کم چھ ماہ پہلے دعوت دی جاتی، ان سے بار بار تقاضے کیے جاتے اور پھر اس کی اشاعت کے وسائل کے لیے جدوجہد کا ایک طویل سلسلہ ان سب پر مستزاد۔۔۔ پھر بھی ہم اپنے معیار کے مطابق اس کی اشاعت نہیں کر پاتے۔ زیر نظر نمبر نے خصوصی اشاعت کے حوالے سے میرے اس عملی تجربے کو یکسر غلط ثابت کر دیا۔ اس نمبر کی اشاعت کے تعلق سے نہ کوئی میٹنگ ہوئی، نہ سال بھر پہلے اعلان کا موقع ملا اور نہ ہی اہل قلم کو مضامین لکھنے کی دعوت دی گئی۔ ان سب کے باوجود ۲۰ دنوں کے اندر برصغیر ہندو پاک کے مشاہیر اہل علم و قلم، خانقاہوں کے مشائخ، علما اور محبت کرنے والے احباب نے اس کثرت سے ہمیں اپنے تاثرات اور مضامین لکھ بھیجے کہ انتخاب کرنا مشکل ہو گیا کہ کسے شائع کریں اور کسے نہ کریں۔ ۲۰ دنوں کے اندر کسی نمبر کی اشاعت میں قلمی شمولیت کے اس جوش و خروش کی مثال پیش کرنے سے مذہبی صحافتی تاریخ قاصر ہے۔ ایک ہفتے قبل ہم نے ۳۰۰ صفحات پر نمبر نکالنے کا ارادہ کیا تھا، مگر احساس ہوا کہ اس ضخامت میں بہت سے مشاہیر اہل قلم اور مشائخ کی نگارشات شامل ہونے سے رہ جائیں گی، اس لیے ۳۰۰ صفحات سے بڑھا کر ہم نے ۴۰۰ صفحات کر دیے۔ مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے ۴۰۰ صفحات کے اس ضخیم نمبر میں بھی متعدد مشاہیر کے تاثرات اور مضامین شامل ہونے سے رہ گئے۔ ان کے ساتھ ان احباب اور علما کی تحریریں بھی اس خصوصی شمارے کی زینت نہیں بن سکیں جنہوں نے دل سے شہید بغداد کے لیے اپنی محبت کا اظہار اور ان کی خدمات و کارناموں کا اعتراف کیا تھا۔ ایسی تحریروں کی تعداد بھی ۱۰۰ سے متجاوز ہے۔ وقت ہوتا تو اس نمبر کے لیے ایک ہزار صفحات بھی کم پڑتے۔ یہ نمبر ایک انتخاب ہے جس میں بیشتر معروف اہل قلم، مشاہیر علما اور مشائخ کی تحریریں ہی شامل کی جا رہی ہیں، اس حیثیت سے بھی مذہبی صحافتی دنیا کا یہ ایک منفرد نمبر ہے۔

عالم ربانی کے لیے احباب اور علما کے جذبات کو دیکھتے ہوئے ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ جام نور کے مئی ۲۰۱۴ء کا شمارہ بھی عالم ربانی کے نام منسوب ہوگا اور اس خصوصی اشاعت میں وہ تمام تحریریں شامل کی جائیں گی جو شائع ہونے سے رہ گئیں۔ ہم ایسے تمام اہل قلم، علما اور احباب کے جذبات کی قدر کرتے ہیں اور اس نمبر میں ان کی تحریروں کی عدم شمولیت پر معذرت خواہ ہیں۔

”ممتاز ناقد و محقق نمبر“ کے عنوان سے اس خصوصی اشاعت کا اعلان کیا گیا تھا، مگر حضرت مولانا الیاسین اختر مصباحی صاحب اور دیگر احباب کے مشورے سے اس کا عنوان تبدیل کر کے ”عالم ربانی نمبر“ کر دیا گیا ہے۔

اخیر میں، میں صاحبزادہ مولانا عطیف میاں قادری، صاحبزادہ مولانا اعجاز میاں قادری، حضرت حافظ عبدالقیوم قادری اور مدرسہ قادریہ بدایوں میں ان کی لائق ٹیم کے افراد، خصوصی طور پر عزیز گرامی عبدالعلیم قادری، مولانا شاد احمد قادری اور مولانا مجاہد قادری کا ممنون ہوں۔ ان کے تعاون اور اشتراک کے بغیر اس نمبر کی اشاعت ممکن نہیں تھی۔

میری ٹیم کے سب سے لائق و فائق فرد اور دوست مولانا ذیشان احمد مصباحی اور مولانا ارشاد عالم نعمانی کے احسانات اور گراں قدر تعاون کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔ یہ دونوں حضرات اس نمبر کے لیے دو ہفتوں تک ۲۰-۲۰ گھنٹے میرے ساتھ بے لوث کام کرتے رہے۔ ان کے بغیر اس نمبر کی اشاعت کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہو پاتا۔ میں اپنے دیگر احباب خصوصی طور پر ڈاکٹر احمد مجتبیٰ صدیقی اور سید تالیف حیدر کا بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے مضامین کی فراہمی میں خصوصی دلچسپی کا مظاہرہ کیا۔ میں اپنے دونوں چھوٹے بھائیوں عزیزم کوثر سمنانی اور منظر سجانی کے لیے بھی سراپا سپاس ہوں، جنہوں نے بہت کم وقت میں اسے اشاعت کے مرحلے سے گزار کر آپ تک پہنچانے میں بنیادی کردار ادا کیا۔۔۔ لیجیے! عالم ربانی نمبر آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ مطالعہ کیجیے۔ ایک عبقری وقت کے چلے جانے کا ماتم کیجیے اور اللہ سے اس کا نعم البدل پیدا کرنے کی دعا بھی۔

تو گیا اور ہم تری صورت کو تکتے رہ گئے      غم زدہ روتے، تڑپتے، سر پٹختے رہ گئے

□□□



## قطعه تاریخ شہادت

گرامی دودمان حضرت علامہ اسید الحق قادری بدایونی رحمۃ اللہ علیہ

چہ جائگاہ آمد خبر آہ آہ  
عجب سانحہ فاجعہ بود ایں  
اسید الحق قادری شد شہید  
جواں سال و علامہ بے نظیر  
جہاں سوگوار و فضا ماتی  
مقدر، نصیبہ و قسمت بگو  
الہی بحق بنی فاطمہ  
بہ پس ماندگان و پدر محترم  
ز حق از پیش بخشش و مغفرت  
بہ پاکین غوث الوری یافت جا

دل افسردہ احساس انفاس ہشت  
گرفتہ دل اندوہ چو ستر ضرب ہشت  
فرشتہ صفت بود او در سرشت  
نیامد چنین حاصل از ہیچ کشت  
چہ دیر و حرم صومعہ و کنشت  
چو روز ازل کلک قدرت نوشت  
عطا کن ز رحمت مکان بہشت  
بہر جمیل اجر مولی نوشت  
طلب کرد اسیر بزرگان چشت  
بریں خوب در شک آوازے برق زشت

سرخویش ہاتف جدا کرد و گفت

اسید الحق قادری در بہشت

۱۲۳۵ھ

از: پروفسر سید ظہیر ضوی برق

سجادہ نشین: خانقاہ چشتیہ نظامی، شاہ ٹولی، دانا پور، پٹنہ (بہار)

□□□

(1)

رودادِ غم

# مرارنگ و روپ بگڑ گیا، مرایا ر مجھ سے پھٹ گیا

ایک پھڑنے والے دوست کا مرثیہ، جس کے بغیر زندگی بے رنگ و نور ہو گئی ہے

قیامت سر سے گزرتا، دل پارا پارا ہونا، دل اپنے پہلو میں دھڑکننا بھول جانا، رگوں کا خون منجمد ہو جانا اور ہوش و حواس کھودینا۔ اردو کے یہ تمام محاورے ہم اپنے بچپن سے ہی سنتے اور پڑھتے چلے آ رہے ہیں، لیکن ان کے معانی کا ادراک اور احساس پہلی بار ۴ مارچ کو ہوا، جب میرے بچپن کا یار، میرا غم گسار اور راز دار شہادت سے سرفراز ہو کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مجھ سے رخصت ہو گیا۔

دنیا نے انھیں ممتاز ناقد و محقق، شیخ صاحب، مولانا اسید الحق قادری، ابوالفیض معینی، اسید میاں، اسید صاحب اور نہ جانے کس کس نام اور لقب سے یاد کیا اور ان کے علمی مرتبے، مقناطیسی شخصیت، منفرد قلم، بلند کردار، اعلیٰ ظرفی، مثالی اخلاق اور قابل تقلید انکساری کے گن گان کیے۔ ان کے فقید المثال کارناموں کا اعتراف کیا، اہل سنت کے مذہبی مستقبل کی تعمیر و تشکیل کے لیے ان سے بے پناہ توقعات وابستہ کیں اور بالآخر دنیا سے ان کی ناگہانی رخصتی کو اہل سنت، اہل تصوف اور اہل خانقاہ کا ناقابل تلافی نقصان قرار دے کر ماتم بھی کیا۔ مگر میرے لیے وہ بچپن سے اب تک ”بھیا“ ہی رہے۔ اس ایک مختصر سے لفظ سے انھیں پکارنے میں ان کے علمی مرتبے کا اعتراف بھی تھا، ان کے کارناموں پر غرور بھی، ان کے مشن پر اتر اہٹ بھی، پاس ادب بھی، معاصرانہ شوخی بھی، محبتوں اور قربتوں کی انتہا بھی۔ ان سے محبت کرنے والوں کی کمی نہ تھی، انھوں نے بھی اپنے ملنے والوں سے ہمیشہ اپنائیت کا اظہار کیا اور حسب مراتب ان کا خیال بھی رکھا، کوئی مشفق اور مرلی استاذ کی حیثیت سے ان سے قریب تھا تو کوئی شاگرد کی حیثیت سے انھیں بہت محبوب تھا، بہت سے ان کے دوست بھی تھے جن سے ان کی بے تکلفی تھی، مگر ان رشتوں کی اپنی نزاکتیں اور حدیں تھیں، جن سے تجاوز کرنا انھیں پسند نہیں تھا۔ تاہم اپنے اہل خانہ کے بعد انھوں نے اگر کسی کو اپنی زندگی کا راز دار بنایا، کسی کو اپنی ذاتی اور گھریلو زندگی میں بھی دخل کا حق دیا، کسی سے ہر بات شیئر کی، کسی سے تکلفات کی ساری حدیں ختم کر دیں، کسی کے گھر کو اپنا گھر سمجھا، کسی کی تحریک اور مشن کو اپنی تحریک اور مشن، کسی کی تعریف کو اپنی تعریف، کسی کی برائی اور مخالفت کو اپنی برائی اور مخالفت جانا تو وہ میں تھا۔

۲۰۱۲ء کے عرس قادری کی محفل میں وہ مہمان علما و مشائخ کا تعارف کر رہے تھے، میں مہمان نہیں تھا، اس حیثیت سے خانقاہ میں میں کبھی

حاضر بھی نہیں ہوا، ہمیشہ اپنے آپ کو منتظم اور خادم ہی سمجھا، پھر بھی سبھوں کا تعارف کرانے کے بعد جب ان کی نگاہ مجھ پر پڑی تو کہنے لگے:

”یہ مولانا خوشتر نورانی ہیں، اب میں ان کا کیا تعارف کراؤں! بس اتنا سمجھ لیجیے کہ لوگ جب ان کی تعریف کرتے ہیں تو میری بھی

کرتے ہیں اور جب ان کی برائی ہوتی ہے تو اس میں میں بھی شامل رہتا ہوں۔“

اس وقت ان کے اس مختصر اور جامع تعارف پر پوری محفل مسکرائے بغیر نہ رہ سکی، لیکن اب سوچتا ہوں تو سمجھ میں یہ آتا ہے کہ یہ درحقیقت ہمارے جذباتی رشتے کا بے محابا اعلان تھا کہ ہم دونوں الگ الگ نہیں ہیں، بلکہ ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں۔ انھوں نے مجھ سے اپنی قربتوں کے اظہار میں کبھی تحفظات کا خیال نہیں کیا، یہی وجہ ہے کہ دنیا میں لوگوں کے درمیان ہماری قربتوں کے چرچے زبان زد عام تھے۔ یہاں یہ کہنا فضول اور غیر اہم ہے کہ میری زندگی میں بھی انھیں یہی مقام حاصل تھا۔ ہو سکتا ہے کہ ان کے ہزاروں لاکھوں چاہنے والوں میں بہتوں نے انھیں یہ حیثیت دے رکھی ہو۔ اہمیت کی حامل ان کی وہ مخصوص عنایتیں اور قربتیں تھیں جو صرف میرے حصے میں آئی تھیں، جن پر میں اترا تا تھا، فخر کرتا تھا اور ان کی غیر مشروط دوستی کو اپنی زندگی کا سرمایہ سمجھتا تھا، ورنہ بقول حالی:

غالب نکتہ داں سے کیا نسبت! خاک کو آسماں سے کیا نسبت!



ہر مہینے دو مہینے پر ہماری ملاقاتیں ہوا کرتی تھیں، کبھی وہ دہلی آگئے، کبھی میں بدایوں چلا گیا، کبھی ہم کسی سیمینار یا کانفرنس میں شرکت کے لیے نکل گئے تو کبھی کسی لائبریری میں کتابوں اور حوالوں کی تلاش میں چل دیے۔ ۲۰۰۳ء میں مصر سے ان کی واپسی کے بعد پچھلے دس برسوں میں شاید ہی ایسا کوئی پروگرام، سیمینار، کانفرنس، علمی یا تفریحی سفر ہو جس میں ہم دونوں ساتھ نہ ہوں۔ لوگ ہمیں ایک ساتھ دیکھنے کے اس قدر عادی ہو چکے تھے کہ ہم دونوں کو ایک دوسرے کا ”سایہ“ کہتے تھے۔ ہم دونوں اکثر اس بات پر ہنستے تھے کہ ہم میں سے کوئی ایک کہیں اکیلا چلا جاتا ہے تو اکثر لوگ دوسرے کو پوچھتے ہیں۔ میں کبھی کہیں اکیلا چلا جاؤں تو اکثر لوگ تعجب سے سوال کرتے کہ ”ارے آپ اکیلے! مولانا اسید الحق کہاں ہیں؟“ ایسا ہی ان کے ساتھ بھی ہوتا۔ ابھی چند ماہ پہلے حضرت امین ملت کے صاحب زادے اور ولی عہد حضرت امان میاں کی شادی ہوئی اور احباب کی کثرت اور سہولت کے پیش نظر ویسے کی دو تقریب رکھی گئی، ایک مارہرہ اور دوسری علی گڑھ میں۔ دہلی سے علی گڑھ قریب ہونے کی وجہ سے میں علی گڑھ میں مدعو تھا، جب کہ بھی مارہرہ میں۔ ویسے میں شرکت کے بعد ان کا فون آیا اور بڑی جھنجھلاہٹ سے کہا کہ ”یار! اب ہم ہمیشہ ایک ساتھ ہی کہیں جایا کریں گے“، میں نے پوچھا کہ کیا ہوا، سب خیریت تو ہے؟ اس پر لٹے ہی انہوں نے سوال داغ دیا کہ ”میں پروگرام میں شرکت کروں یا یہی جواب دیتا پھروں کہ خوشتر صاحب کہاں ہیں؟“ — آج آپ کے یوں تنہا چلے جانے کے بعد میرا پورا وجود آپ سے شکوہ کناں ہے: آپ تو کہا کرتے تھے کہ اب ہم ہر جگہ ایک ساتھ ہی جایا کریں گے، پھر آپ مجھے چھوڑ کر کیوں چلے گئے؟ وہ بھی ایسی جگہ اور ایسے سفر پر جہاں سے کوئی لوٹ کر نہیں آتا۔ زندگی بھر آپ مجھے ساتھ لے کر گھومتے رہے اور جب آخری سفر پر نکلے تو کچھ بتائے بغیر خاموشی سے چل دیے؟ کیا یہی حق رفاقت ہے؟ کیا وہاں آپ سے کوئی نہیں پوچھتا کہ آپ کا ناکارہ دوست خوشتر کہاں ہے؟ آپ جاتے، ایک دن سبھوں کو جانا ہے اور ایک دوسرے سے بچھڑ جانا ہے، اس دنیا میں ہمیشہ رہنے کے لیے کوئی نہیں آیا، مگر..... ع

تم جیسے گئے ایسے بھی جاتا نہیں کوئی

سفر بغداد پر جانے سے پندرہ دنوں پہلے ۶ فروری ۲۰۱۲ء کو اپنے سب سے عزیز اور سعادت مند شاگرد عبدالعلیم قادری کو لے کر بھیا دہلی آئے، کیوں کہ انہیں ۸ فروری کو ایک کانفرنس میں شرکت کے لیے جامعہ سعدیہ، کیرلا جانا تھا۔ حسب معمول میرے گھر پر ہی قیام کیا، دوسرے دن ۷ فروری کی صبح کیرلا کے لیے ان کی فلائٹ تھی، رات دیر تک محفل جہی، مذہبی اور مسلکی امور پر خوب گفتگو رہی، مذہب و مسلک کی تعمیر و تشکیل کے لیے کچھ نئے منصوبے زیر غور آئے اور پھر میری زیر تصنیف کتاب ”سید احمد رائے بریلوی اور برٹش گورنمنٹ“ پر دیر تک تبادلہ خیال ہوتا رہا۔ اس کتاب کی تصنیف و اشاعت کے سلسلے میں وہ بہت زیادہ جذباتی تھے، اس پر میں پچھلے دو برسوں سے کام کر رہا تھا اور اب یہ آخری مرحلے میں تھی۔ کتاب کی تمام فصلیں جنہیں میں لکھ چکا تھا، ان کی نظروں سے گزر چکی تھیں۔ گفتگو کے دوران کہنے لگے کہ ”آپ جتنی جلد ہو سکے اسے فائل کیجیے، بغداد شریف سے لوٹنے کے بعد اس کتاب کا اجرا ”انڈیا اسلامک کچھل سینٹر، دہلی“ میں بڑے پیمانے پر کریں گے اور اس میں بڑے محققین اور اہل علم کو مدعو کیا جائے گا۔ میں ان کو دکھانا چاہتا ہوں کہ دیکھو کتاب ایسے لکھی جاتی ہے اور اس موضوع پر تحقیق اس کو کہتے ہیں۔“

دوسرے دن ۷ فروری کی صبح کو وہ کیرلا چلے گئے اور وہاں سے ۹ فروری کی شام کو لوٹ کر دہلی گھر پر آئے، مولانا ذیشان احمد مصباحی بھی ان سے ملاقات کے لیے آگئے، رات کھانے کے بعد دیر تک علمی و فکری مجلس آراستہ رہی اور مختلف مسائل پر بحث و مباحثہ ہوتا رہا۔ دوسرے دن صبح ۱۰ فروری کو مولانا ارشاد عالم نعمانی کی معیت میں ہم دونوں ہمدرد یونیورسٹی کی سینٹرل لائبریری گئے اور پورا دن وہاں کتابوں کے درمیان گزارا۔ لائبریری دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ: ”یار! مجھے ایک بستر اور کھانے کے لیے صبح و شام دو روٹی دے دو اور ایک سال کے لیے مجھے یہاں بند کر دو، یہ ایک سال میری زندگی کے حسین لمحات ہوں گے۔“ شام کو کچھ کتابوں کی خریداری کے لیے ہم لائبریری سے جامع مسجد گئے اور رات کو گھر لوٹ آئے۔ ایک بار پھر باتوں کا دور شروع ہوا، کچھ علمی مسائل میں نے استفسار کیا، کچھ ماضی کے تذکرے ہوئے، کچھ مستقبل کے منصوبے بنے اور کچھ تفریح بھی ہوئی، غرض وہ سب کچھ ہوا، جو ہر ملاقات میں ہوا کرتا تھا۔ وہ اکثر ہنس کر کہتے تھے کہ ”یار! ہمارے پاس گفتگو کے لیے کتنا میٹر ہے، ہماری باتیں ختم ہی

نہیں ہوتیں۔“ کے معلوم تھا کہ دو ٹوٹ کر چاہنے والے دوستوں کی یہ آخری محفل سخن ہے، آخری شب ہے، آخری ملاقات ہے اور آخری دیدار۔ اس کے بعد یہ محفلیں کبھی آراستہ نہیں ہو سکیں گی، وہ اس گھر میں لوٹ کر کبھی نہیں آئیں گے، اس گھر کے بام و دران کے پر نور چہرے کی زیارت کو ترسیں گے، میری یہ بے نور آنکھیں جو انھیں دیکھ کر خوشی سے دمک جایا کرتی تھیں، ہمیشہ کے لیے پتھر جائیں گی، ان کے نفس علم و فکر سے محفل میں جو گرمی ہوا کرتی تھی وہ ہمیشہ کے لیے ٹھنڈی ہو جائے گی۔ ان کے جانے کے بعد احباب پُر سے کے لیے آرہے ہیں، ان کے چھوڑے ہوئے مشن کی تکمیل کے لیے عہد و پیمان ہو رہے ہیں، ان کے تذکروں کی محفلیں سجائی جا رہی ہیں، مگر یہ کیسی ویرانی ہے جو ختم ہونے کا نام نہیں لیتی:

تم نہیں ہو تو مری بزم میں سناٹا ہے      تم بھی خاموش ہو، محفل کی فضا بھی خاموش

ہر مہینے دو مہینے پر ہماری ملاقاتیں ہوا کرتی تھیں اور درمیان میں ملاقاتوں کے بغیر جو دن گزرتے ٹیلی فون اور ایس ایم ایس ان کا تدارک کرتے۔ پچھلے ۱۰ برسوں میں مجھے یاد نہیں ہے کہ کوئی دن ایسا گزرا ہو جب ہم نے دو یا تین بار فون پر بات نہ کی ہو، ہم میں سے کوئی ہندوستان یا ہندوستان سے باہر کسی جگہ ہو، مکانی فاصلے ہماری قربتوں پر کبھی غالب نہیں آسکے۔ فون کالز کی کثرت کو دیکھ کر مولانا ذیشان احمد مزاحاً اکثر مجھ سے کہا کرتے تھے کہ ”مجھے لگتا ہے کہ آپ دونوں اپنے اہل خانہ سے زیادہ ایک دوسرے سے بات کرتے ہیں۔“ ۲۵ فروری کو جب سفر بغداد پر بھیا گئے تو بھی یہی معمول رہا، روزانہ ایک یا دو بار ان سے بات ہوتی۔ شہادت سے صرف پندرہ گھنٹے پہلے ۳ مارچ کو ان کا فون آیا، بہت خوش تھے، چمک رہے تھے، حسب معمول مزاج پرسی کے بعد کہنے لگے کہ ”کیا فون کرنے کی ساری ذمہ داری میں نے ہی لے رکھی ہے؟ اس بے تعلقی اور کنجوسی کا بدلہ لوں گا۔“ پھر میرے بغداد نہ آنے کا شکوہ کیا اور کہا کہ ”آپ آتے تو اور بھی مزہ آتا، آپ کو بہت Miss کر رہا ہوں، آپ کو بھی آنا چاہیے تھا۔“ (دراصل اس سفر میں مجھے بھی ساتھ جانا تھا، مگر میرے پاسپورٹ کی میعاد ختم ہو گئی تھی اور رینول میں وقت لگ رہا تھا، پھر یہ کہ زیر تہذیب کتاب بھی آخری مرحلے میں تھی، اس لیے میں ان کے ساتھ نہیں جاسکا۔) اس کے بعد بتایا کہ ”میں عبد العظیم کو آپ کے پاس بھیج رہا ہوں، کل شام تک وہ آپ کے پاس پہنچ جائے گا، اپنی کتاب کی فائنل پروف ریڈنگ اس سے کروالیں، ۷ مارچ کی صبح کو میں دہلی پہنچوں گا۔“ یہ بھی بتایا کہ ۱۰ مارچ کو بنارس میں حضرت شیخ عبد العظیم آسی غازی پوری کے صد سالہ سیمینار میں شرکت کے لیے ۹ مارچ کا ہم دونوں کا ٹکٹ ہو گیا ہے۔ پھر بغداد کی ہوائی اور وہاں کے مشائخ اور علماء سے ملاقاتوں کا تذکرہ کیا اور بتایا کہ شیخ المشائخ حضرت سید توفیق الگیلانی (جو پچھلے دو برسوں سے مدرس قادری بدایوں میں تشریف لارہے ہیں) سے ملنے کے لیے کل صبح بغداد سے اربیل جا رہا ہوں۔ اور پھر کچھ ادھر ادھر کی باتوں کے بعد فون رکھ دیا۔ کتے پتے کہ یہ آخری بات ہے! اب سوچتا ہوں کہ میری چند گھنٹوں کی بے تعلقی کے جرم میں میرے دوست میرے یار نے ایسا بدلہ لیا ہے اور مجھ سے یوں ناتا توڑا ہے کہ میری زندگی کی ڈور جب تک ٹوٹ نہیں جاتی، قرار نہیں آئے گا۔

فون پر اس گفتگو کے پندرہ گھنٹوں کے بعد ۴ مارچ کو شام ۴ بجے عبد العظیم آ گئے، ہم نے عصر کی نماز ادا کرنے کے بعد کچھ دیر گفتگو کی، اس گفتگو میں بھیا کا ہی تذکرہ ہوتا رہا، اس کے بعد میں نے اپنی کتاب عبد العظیم کے حوالے کی اور خود جام نور کے تازہ شمارے کو فائل کرنے میں لگ گیا۔ تقریباً پونے پانچ بجے ہمارے اور بھیا کے مشترکہ عزیز دوست ڈاکٹر احمد مجتبیٰ صدیقی کا علی گڑھ سے فون آیا، احمد بھائی سے ہمارا کافی بے تکلفانہ رشتہ ہے، میں نے سوچا کہ فون اٹھا کر کہہ دوں کہ احمد بھائی ابھی بہت بڑی ہوں، بعد میں بات ہوگی، فون اٹھانے کے بعد اس سے پہلے کے میں کچھ کہتا، احمد بھائی خلاف معمول نہایت سنجیدگی سے مجھ سے پوچھنے لگے کہ خوشتر صاحب! بغداد شریف میں سب خیریت سے تو ہے؟ میں نے ہنس کر کہا کہ جی ہاں! سب خیریت ہے، آپ اتنے سنجیدہ کیوں ہیں؟ کہنے لگے ابھی میرے ایک رشتہ دار نے بدایوں سے فون کر کے بتایا کہ خانقاہ میں خبر آئی ہے کہ بغداد میں بھیا کو گولی لگ گئی ہے۔ ان کی اس بات پر میں ہنسنے لگا اور عرض کی کہ آپ کو مذاق کے لیے کوئی اور بات نہیں ملی؟ کہنے لگے میں مذاق نہیں کر رہا ہوں، میرے لہجے اور آواز سے آپ محسوس نہیں کر رہے ہیں کہ میں کتنا خوف زدہ ہوں! میرے ہاتھ پیر پھول رہے ہیں، آپ بغداد فون کر کے معلوم کیجیے، ان کی اس سنجیدگی سے میرے بدن میں ایک جھرجھری سی آئی اور گز گئی، میں نے فوراً ان سے کہا کہ آپ فون

رکھے میں ابھی بغداد فون کر کے معلوم کرتا ہوں اور آپ کو بتاتا ہوں۔ میں نے کانپنے ہاتھوں سے بہت عجلت میں بھیا کے نمبر پر بغداد فون کیا، مگر ان کے بجائے ان کے چھوٹے بھائی مولانا عطیف قادری نے فون اٹھایا، میں نے سلام و کلام کے بغیر ان سے پوچھا کہ سب خیریت تو ہے؟ آپ نے بھیا کا فون کیسے اٹھالیا؟ انھوں نے ایک ہی سانس میں جواب دیا کہ ”ابھی کچھ دیر پہلے ارنیل کے راستے میں ہماری کار پر کچھ انتہا پسندوں نے گولیوں سے حملہ کر دیا اور شیخ صاحب شہید ہو گئے۔“ میں زور سے چیخ پڑا، کیا بک رہے ہیں آپ؟ حالاں کہ ادباً میں اس لہجے میں ان سے بات نہیں کرتا۔ انھوں نے روتے ہوئے کہا کہ ”یہ صحیح ہے۔“ میرے ہاتھوں سے فون گر پڑا، پورا بدن اس وحشت ناک خبر سے بری طرح کانپنے لگا اور میں زور زور سے چلانے لگا، میرے پورے گھر میں کہرام مچ گیا۔ کچھ لمحے کے بعد ہی بھیا کے چہیتے بہنوئی سید محمد اکرام رزاقی صاحب کا اورنگ آباد (مہاراشٹر) سے فون آیا، انھوں نے روتے ہوئے چیخ کر پوچھا کہ کیا یہ خبر صحیح ہے؟ میرا ”ہاں“ کہنا تھا کہ وہ دھاڑے مار مار کر رونے لگے، بعد میں پتا چلا کہ ان کا بلیڈ پریشر اتنا ہائی ہو گیا تھا کہ ان کے ایک آنکھ کی باریک رگ پھٹ گئی۔ اکرام بھائی کا فون رکھا ہی تھا کہ احمد بھائی کا دوبارہ فون آ گیا، پھر وہی آہ و بکا اور چیخ و پکار۔ احمد بھائی کا فون رکھا تو حضرت امین ملت کا فون آنے لگا، میں اپنے آپے میں نہیں تھا، بس اتنا یاد ہے کہ کسی نے جھنجھوز کر مجھ سے کہا کہ حضرت کا فون ہے، اٹھائیے! میں نے فون اٹھایا تو حضرت نے نہایت دردناک لہجے میں اس خبر کی تصدیق چاہی، میں پھر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا، حضرت بھی میری اس آہ و بکا میں شریک ہو گئے اور روتے ہوئے بھیا کے کارناموں اور علمی مرتبے کا ذکر کرنے لگے اور مجھ سے عطیف میاں کا نمبر طلب کیا۔ یہ حادثہ ہندوستانی وقت سے تقریباً ساڑھے چار بجے شام وہاں ہوا تھا اور صرف تین گھنٹے کے اندر اندر اس کی خبر پوری دنیا میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی تھی۔ پوری دنیا میں ہماری قربتوں کے چرچے عام تھے، اس لیے دنیا کے گوشے گوشے سے علما، مشائخ اور احباب کے فون آنا شروع ہو گئے۔ رات ۲ بجے تک میرے موبائل کی گھنٹی مسلسل بجتی رہی، احباب تعزیت کے لیے میرے گھر آتے رہے، مگر مجھ پر گویا غشی طاری تھی، میں نہ کسی کا فون ریسیو کر سکا اور نہ ہی کسی سے کچھ کہہ سکا۔

رات یوں ہی آنکھوں میں کٹی، صبح تک ہوش آیا تو خیال آیا کہ مجھے بدایوں جانا چاہیے، دل بے چین تھا اور کسی پل قرار نہیں آ رہا تھا۔ صبح کی پہلی فلائٹ سے اکرام بھائی اپنے اہل خانہ کے ساتھ اورنگ آباد (مہاراشٹر) سے دہلی پہنچ گئے، انھیں لے کر میں اپنی گاڑی سے تقریباً گیارہ بجے بدایوں کے لیے نکل پڑا۔ راستے بھر پوری دنیا سے علما و مشائخ کے مسلسل فون آتے رہے، وہ بے چین تھے، غم زدہ تھے اور حادثے کی تفصیل جاننا چاہتے تھے، مگر میں ابھی ابھی اس حادثے کی خبر دینے اور تعزیتی کلمات سننے کے لیے اپنے آپ کو تیار نہیں کر پا رہا تھا، یہ حادثہ رونما ہو چکا تھا، تاہم دل و دماغ اسے قبول کرنے سے انکار کر رہا تھا۔ اس سے پہلے جب بھی بدایوں جاتا تھا تو دیدہ و دل فرس راہ کیے میرا یا میرا منتظر رہا کرتا تھا، ہر ایک گھنٹے پر ان کا فون آتا تھا کہ ”کہاں پہنچے؟“ ”کبھی شوخی سے کہتے کہ ”کاروان شوق کہاں پہنچا؟“ ”کبھی پوچھتے کہ ”کہاں رکا ہوا ہے قافلہ بہار کا؟“ مگر آج کوئی پوچھنے والا نہیں تھا، بلکہیں بچھائے کوئی انتظار کرنے والا نہیں تھا، سیکڑوں فون تو آرہے تھے، مگر وہ فون نہیں آ رہا تھا جس سے راستے کی مسافتیں اور مکان مٹ جایا کرتی تھیں۔ آج بدایوں کا سفر بہت طویل اور تکلیف دہ ہو گیا تھا۔

مغرب کے بعد ہم بدایوں شہر میں داخل ہوئے تو ایک عجیب ہو کا عالم تھا، پورے شہر کی دکانیں بند تھیں، ماحول پر سناٹا طاری تھا، جیسے پورے شہر میں کرفیو لگ گیا ہو، بعد میں پتا چلا کہ دو دنوں تک پورے ضلع میں ہزاروں گھروں کے چولہے ٹھنڈے پڑے رہے، بہت سے لوگ اس دردناک حادثے کی تاب نہ لا کر ہاسپٹل میں ایڈمٹ ہو گئے، گویا پورا شہر ماتم کدہ بن گیا تھا۔ اس شعر کو میں نے زندگی میں بار بار پڑھا اور سنا تھا کہ:

چھڑا وہ اس ادا سے کہ رُت ہی بدل گئی      اک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

مگر پہلی بار اس کی عملی تفسیر بھی دیکھ رہا تھا۔ خانقاہ پہنچا تو ایسا لگا کہ پورا شہر خانقاہ کے اطراف میں جمع ہو گیا ہے، ارادت مندوں کا ٹھانٹھا مارتا ہوا سمندر خانقاہ کے اس غم کو اپنے سینے میں جذب کرنے کے لیے بے چین تھا۔ اس سے پہلے جب بھی میں آیا کسی نہ کسی جشن یا خوشیوں میں شریک ہونے کے لیے آیا، آج پہلی بار کسی غم میں شرکت کے لیے آیا تھا اور یہ پہاڑ جیسا وزنی غم ایسا تھا کہ ساری خوشیاں اور سارے جشن مل کر بھی اس ایک



غم کا مداوا نہیں کر سکتے تھے۔۔۔ میں خانقاہ کے صدر دروازے سے جیسے ہی داخل ہوا مدرسہ قادریہ کے استاذ مولانا مجاہد قادری مل گئے، مجھے دیکھتے ہی بے تابانہ گلے لگ کر رو پڑے اور کہا کہ ”آج اپنے دوست کو آپ کہاں چھوڑ آئے؟“ ان کے اس جملے نے میرے پورے وجود کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ وہ مجھے لے کر بھیا کے سب سے چھوٹے بھائی مولانا فضل رسول عزام میاں کے پاس گئے، ان کے سینے سے لگ کر میں بے قابو ہو گیا۔

میں دو دنوں تک وہاں رہا، اس بیچ پوری دنیا کے مدارس، خانقاہوں، تحریکوں، تنظیموں اور دیگر ملی و فلاحی اداروں سے کبار علماء، مشائخ، احباب اور متعلقین کے فون آتے رہے، ہر شخص غم و اندوہ میں ڈوبا ہوا تھا اور سبھوں کی زبان پر بس یہی تھا کہ ”حضرت علامہ اسید الحق کی شہادت اہل سنت و جماعت، اہل خانقاہ اور علم و ادب کا بہت بڑا خسارہ ہے، جس کی تلافی دہائیوں تک ممکن نہیں۔“ دنیا کے گوشے گوشے میں تعزیتی مجالس منعقد کی جا رہی تھیں، ایصالِ ثواب کا اہتمام ہو رہا تھا، ہندوستان کی اکثر زبانوں کے اخبارات ان کی شہادت کی خبروں، تعزیتی مجالس کی رپورٹوں اور تعزیتی پیغامات سے بھرے پڑے تھے، ہندوستان کے مشاہیر اہل علم و قلم مضامین لکھ رہے تھے، فیس بک، ٹیویٹرز اور ذاتی بلاگ ماتم کدہ بن گئے تھے اور ہندو بیرون ہند کے متعدد ٹیلی ویژن چینلز ان پر خصوصی پروگرام نشر کر رہے تھے۔۔۔ میں نے اپنی زندگی میں بڑے بڑے مشاہیر علماء و مشائخ کو اس دنیا سے جاتے ہوئے دیکھا، مگر میں نے ان کے جانے کا اس قدر ماتم نہیں دیکھا اور نہ عام لوگوں کو اس قدر روتے بلکتے دیکھا۔ یہ ایسا غم تھا جو اہل سنت اور اہل خانقاہ کا مشترکہ غم بن گیا تھا۔ اس کی بنیادی وجہ یہ بھی تھی کہ ان تمام علمائے اپنی طبعی عمر گزار کر رخت سفر باندھا تھا اور اپنی پوری زندگی جی کر ہم سے علیحدگی اختیار کی تھی۔ لوگ ذہنی طور پر ان کی رخصتی کے لیے تیار تھے۔ لیکن ہمارے بھیا نے تو ابھی عمر کی ۳۸ بہاریں ہی دیکھی تھیں اور اس چھوٹی سی عمر میں دین و مسلک کی سر بلندی کے لیے مختلف شعبوں میں جتنا کام کر دیا تھا، دسیوں لوگ مل کر ۸۰ سال چینی کے بعد بھی نہیں کر سکتے تھے۔ برصغیر کی ہماری مسلکی تاریخ میں اس کی مثال عنقا ہے۔ اس لیے ہندو پاک میں ماتم صرف دنیا سے ان کی رخصتی کا نہیں تھا، ماتم اس بات کا بھی تھا کہ ان کے جانے کے بعد اس دور قحط الرجال میں اب کیا ہوگا؟ کیوں کہ ایسی ہمہ جہت اور ہمہ صفت شخصیت، جسے لغت میں ”نافعہ عصر“ اور ”عبقری دہر“ سے تعبیر کیا جاتا ہے، خال خال پیدا ہوتی ہے۔

بدایوں میں بغداد کی پل پل کی خبریں مل رہی تھیں، مگر عطیف میاں یا حضرت شیخ گرامی (زیب سجادہ خانقاہ قادریہ) سے براہ راست مجھے بات کرنے کی ہمت نہیں ہو پارہی تھی۔ ۶ مارچ کی صبح کو خبر آئی کہ آج بعد نماز عصر احاطہ غوث اعظم میں بھیا کی تدفین ہے اور ۷ مارچ کو چل کر حضرت شیخ عطیف میاں، حافظ عبدالقیوم قادری اور حاجی اقبال کلثمی والا ۸ مارچ کی صبح ۴ بجے دہلی واپس آرہے ہیں۔ میں بھیا کے ماموں جان مولانا سید محمد انور چشتی (پھپھوند شریف) کے ہمراہ ان حضرات کو ریسو کرنے کے لیے ۷ مارچ کی صبح کو دہلی کے لیے نکل گیا۔ ۸ مارچ کی رات ۲ بجے ہم لوگ ایئر پورٹ پہنچ گئے۔ حضرت شیخ کی صحت اور حالت کے پیش نظر مریدین و متوسلین کو ان کی آمد کی خبر نہیں دی گئی تھی، بلکہ انھیں روکا جا رہا تھا، پھر بھی چاہنے والوں کو کون روک سکتا تھا! منع کرنے کے باوجود لوگوں کو کہیں سے اڑتی اڑتی خبر مل گئی اور سیکڑوں لوگوں کا ہجوم ایئر پورٹ پہنچ گیا۔ ہم لوگ ایئر پورٹ کے اندرونی حصے میں چلے گئے۔ کچھ دیر کے بعد بغداد کا یہ مختصر شکتہ دل قافلہ آتا ہوا دکھا۔ حضرت بہت کمزور اور تھکے ہوئے نظر آرہے تھے اور بو جھل قدموں سے چلتے ہوئے باہر تشریف لارہے تھے۔ آنسوؤں سے بھری آنکھوں سے انتہائی کرب اور درد کے آثار نمایاں تھے۔ ان کی حالت اور صحت کا خیال کرتے ہوئے لوگوں کو ضبط سے کام لینے کی تلقین کر دی گئی تھی۔ باہر آتے ہی حضرت نے ایک ایسا جملہ ارشاد فرمایا کہ سارے حاضرین کو ضبط کا یارا نہ رہا اور وہ بلک کر رو پڑے اور حضرت کی حضور غوث اعظم سے بے محابا عقیدت اور ان کی نسبت غلامی پر رشک کرنے لگے۔ حضرت نے گلوگیر لہجے میں آنسوؤں کے ساتھ فرمایا:

”میں اپنی سب سے قیمتی چیز حضور غوثیت مآب میں نذر کر کے آ رہا ہوں، اگر حضور قبول فرمائیں تو میں پوری زندگی اس پر فخر کرتا رہوں گا۔“

حضور غوث اعظم اور ان کے خانوادے سے ایسا عشق اور ایسی عقیدت نہ ہم نے دیکھی اور نہ سنی۔ حضرت کی اس گفتگو کو سن کر میں اپنا غم بھول

گیا۔ میں سوچنے لگا کہ اس دنیا میں سب سے بڑا غم اور سب سے بڑا بوجھ بوزھے باپ کے کاندھوں پر جوان بیٹے کا جنازہ ہوتا ہے اور وہ بھی ایسے بیٹے کا جنازہ جس کے علمی مرتبے، قابل تقلید کارنامے اور اعلیٰ کردار و محاسن پر دنیا رشک کرے، یہ بوجھ کتنا وزنی، کتنا تکلیف دہ اور کتنا درد آگیں ہوگا، اس کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔ مگر ہمارے حضرت کورب مقتدر نے ایسا صبر عطا فرمایا تھا کہ نہ صرف خود کو سنبھالا، بلکہ ہزاروں ارادت مندوں، جان چھڑکنے والوں اور اہل خانہ کو اپنے دامن کرم میں سمیٹ لیا تھا۔ خدا نخواستہ اگر آپ صبر کھو بیٹھتے تو نہ جانے کتنے چاہنے والوں اور جاں نثاروں کے جنازے اٹھتے ہوئے نظر آتے۔

ہماری رفاقت، قرابت اور محبت کا دورانیہ دو چار سال نہیں بلکہ ربع صدی پر محیط ہے، گزرے پچیس برسوں میں میں نے انھیں ”بھیا“ سے لے کر ”شیخ صاحب“ تک اور ”اسیدمیاں“ سے لے کر ”ممتاز ناقد و محقق“ اور ”عالم ربانی“ تک کا سفر طے کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ معاشرت کسی معاصر کے بڑپن کے اظہار میں ہمیشہ مانع ہوتی ہے اور کسی سے قربت اس کی کمزوریوں سے متعارف بھی کراتی ہے۔ مگر مجھے بر ملا یہ کہنے میں کوئی تامل نہیں کہ میں ان سے جتنا قریب ہوتا گیا، ان کی مقناطیسی شخصیت، علمی مراتب، جذبہ دین پروری، انابت الی اللہ، بلند کردار، اعلیٰ ظرفی، حیا، تواضع، انداز تعظیم و تکریم، سخن فہمی، سخن دانی، سخن سنجی، سنجیدہ و متین لب و لہجہ، زندگی کے ساتھ ان کا رویہ اور طرز عمل کا معترف ہوتا چلا گیا۔ وہ اپنے ڈھب کا ایک مثالی شخص تھا، جسے اعلیٰ مقاصد کے حصول کے لیے جدوجہد کرنے والوں کے سامنے ”آئیڈیل“ کی حیثیت سے پیش کیا جاسکتا تھا۔ وہ برصغیر میں رہنے والے ہزاروں علما اور طلبہ کے لیے ”آئیڈیل“ بھی تھے۔ میں نے بھی ہمیشہ انھیں اسی حیثیت سے دیکھا اور ان کی قربتوں کو اپنی زندگی کا انمول سرمایہ سمجھا۔ لوگوں نے ہماری قربتوں کو کئی معانی پہنائے اور ان کے مفروضہ مطالب نکالے، لیکن ہماری یہ قربت اور دوستی دین و مسلک کے حوالے سے امت کی فکری تشکیل نو کے لیے اس مشترکہ سوچ اور ہدف کا نتیجہ تھی جس کے لیے ہم مل کر تگ و دو کر رہے تھے۔

ہاں! اس مشترکہ فکر و عمل کے ساتھ ان کے سر پر ایک اضافی اور بہت بڑی ذمہ داری بھی تھی، اور وہ تھی ”اپنی عظمت رفتہ کی تلاش“ اور اپنے ”بزرگوں کے علمی و فکری قرض سے سبک دوشی۔“ جس کا ادا ہونے کے لیے انھوں نے اپنی زندگی کا سکون و آرام تہج دیا تھا۔ ان کی زبان پر ہر دم اپنا ہی کہا ہوا یہ شعر ہوا کرتا تھا کہ:

اب ایک پل کی بھی فرصت نہیں ہے عاصم کو وہ اپنی عظمت رفتہ تلاش کرتا ہے

یہ شعر نہیں گویا ان کی زندگی کا وظیفہ تھا۔ یہی وظیفہ انھیں ایک لمحے کو بھی سانس لینے کی فرصت نہیں دیتا تھا۔ ہر لمحہ مطالعے میں غرق رہتے، لائبریریوں کی خاک چھانتے، منصوبے بناتے، ان منصوبوں کی تکمیل کے لیے کوشاں رہتے، اپنے ادارے کے طلبہ کو مختلف علوم و فنون پڑھاتے، قرآن و حدیث کا درس دیتے، علمی و فکری موضوعات پر توسیعی خطاب کرتے، عصری اور دینی طلبہ کے لیے سرکلایز کا اہتمام کرتے، تحقیقی و علمی مضامین لکھتے، اچھوتے اور علمی موضوعات پر اعلیٰ درجے کی تحقیقات پیش کرتے، کتابیں لکھتے، اکابر خانوادہ کی سیکڑوں تصنیفات کو از سر نو سلسلہ وار مرتب کرتے، ان کی تخریج کرتے، ان پر بیش قیمت حواشی اور مقدمے لکھتے اور ان کی اشاعت کا سامان کرتے، علمی مباحث میں ناقدین کا علمی جواب دیتے، مختلف علمی و فکری موضوعات پر سیمینارز، کنونشنس اور کانفرنسیز کا انعقاد کرتے، خانقاہ اور مدرسے کی تعمیر و توسیع کے لیے نئے منصوبے عمل میں لاتے اور دنیا بھر میں پھیلی عصری و دینی دانش گاہوں میں ہونے والی علمی مجلسوں اور پروگراموں میں شریک ہوتے۔ گویا دس سال کی مختصر سی مدت میں انھوں نے اتنا اور وہ کچھ کر دکھایا جو، اب ہماری دینی و مسلکی تاریخ کا ایک حصہ بن گیا ہے۔ انہی کاموں نے دنیا بھر میں انھیں وہ مقبولیت اور شہرت بھی عطا کی، جس کے لیے خاصان علم و فن مدتوں ترستے ہیں۔ اپنی ان تمام کاوشوں کو وہ اللہ رب العزت کا فضل و کرم، حضور غوث اعظم سے نسبت غلامی کا فیضان، حضور آل احمد اچھے میاں کی توجہات و عنایات اور اپنے والد و شیخ کی مستجاب دعاؤں اور تعلیم و تربیت کا نتیجہ سمجھتے تھے۔

وہ یہ بھی کہتے تھے کہ دین و مسلک کی اشاعت اور اپنی عظمت رفتہ کی تلاش صرف علمی لیاقت کے اظہار اور بے شمار کارنامے انجام دے کر نہیں ہو سکتی اور نہ محض ان کے ذریعے اپنے بزرگوں کا سچا وارث اور جانشین بنا جاسکتا ہے، اس کی تکمیل بلند کرداری، اعلیٰ اخلاق و محاسن، تواضع اور

انکساری، جذبہ دین پروری، مثبت فکر و عمل، اعلیٰ ظرفی، خلوص و للہیت اور دین داری کے ذریعے ہی ہو سکتی ہے۔ چنانچہ گزرتے وقت کے ساتھ انہوں نے نہ صرف اپنے آپ کو مذکورہ صفات کا حامل بنایا، بلکہ اپنے اعزہ، تلامذہ، مریدین اور احباب کو بھی انہی صفات کا پیکر بننے کی تلقین کرتے۔ نماز پنجگانہ کے ساتھ تلاوت کلام پاک اور اوراد و وظائف کی پابندی کرتے، ہر دم رجوع الی اللہ کی فکر دامن گیر رہتی، ہر چھوٹے بڑے سے جھک کر نہایت عاجزی و انکساری سے ملتے، بڑوں کا حد درجہ احترام کرتے، اپنے سے بڑے عالم و شیخ کی دست بوسی کرنے کی کوئی وجہ تلاش کر لیتے، خانقاہوں میں نہایت ادب و احترام کے ساتھ حاضر ہوتے، شہزادگان مارہرہ کا کہا ماننے اور ان کی جوتیاں سیدھی کرنے کو اپنا شرف سمجھتے، اپنے مخالفین کی بھی بدگوئی کرنے سے پرہیز کرتے، مسلکی اختلافات و تنازعات سے دور و نفور رہتے، اپنے اوپر کی جانے والی جارحانہ و معاندانہ تنقیدوں اور پھکڑپن کا کبھی جواب نہیں دیتے، کسی بھی مسئلے میں تشدد اور غلو نہیں کرتے، کام کرنے والوں کو اپنے سے قریب رکھتے اور ان کے کاموں پر خوش ہوتے، حوصلہ افزائی کرتے اور حتی الامکان ہر طرح کی امداد سے دریغ نہیں کرتے۔

یہ وہ صفات تھیں جو انہیں ورثے میں ملی تھیں اور بہت عزیز تھیں، جنہیں ساری زندگی انہوں نے حرز جاں بنائے رکھا۔ غالباً انہی صفات کا حامل ایک عالم، عالم دین سے "عالم ربانی" بن جاتا ہے۔ ان کے اس طرز عمل کو دیکھ کر میں اکثر ان سے کہتا تھا کہ "آپ نے تو اسی عمر میں مشیخت کی قبائح کو ہٹا لیا ہے۔" جواب میں فرماتے کہ "در اصل انہی صفات کا حامل ایک مسلمان، مومن کامل کہلاتا ہے، تصوف بھی اسی کا نام ہے۔ ہم لوگ دین کے خادم ہیں، اس لیے ہمارا کردار اور طرز عمل بھی ایسا ہی ہونا چاہیے۔" آج یہ اعتراف بھی دنیا پڑھ لے کہ میرے پاس فکر و عمل کی جو کچھ بھی پونجی ہے، اس کی تعمیر و تکمیل میں ان کی صحبتوں اور رفاقتوں کا بہت بڑا حصہ ہے۔ میں ان کی فکر و منصوبے اور عملی زندگی کے لمحے لمحے کا گواہ بن کر جیا اور میں اپنے فکر و عمل کی زمام بھی انہی کو سونپ دی، ایک دوسرے کے بغیر ہم نے عملی زندگی کا تصور ختم کر دیا تھا، ہمارے جذبوں کی شدت نے تمام زمانی اور مکانی فاصلے ختم کر دیے تھے اور ہم نے اپنے آپ کو الگ الگ رکھ کر کبھی نہیں سوچا تھا۔ ہمارا حال تو یہ تھا:

تو اس قدر مجھے اپنے قریب لگتا ہے تجھے الگ سے جو سوچیں عجیب لگتا ہے

ان کے جانے کے بعد اکثر انہیں مخاطب کر کے کہتا ہوں، روتا ہوں، تڑپتا ہوں کہ آپ کے بغیر یہ پہاڑ جیسی زندگی کتنی بے رنگ و نور ہوگی؟ ہم نے ملت کی تعمیر و تکمیل کے لیے جو منصوبے بنائے تھے وہ کیسے پایہ تکمیل کو پہنچیں گے؟ وہ بے شمار کتابیں جنہیں لکھتے لکھتے آپ چلے گئے انہیں اب کون مکمل کرے گا؟ آپ نے اپنی خانقاہ اور اداروں کی تعمیر و توسیع کا جو آغاز کیا تھا، اسے انجام تک کون پہنچائے گا؟ یہ عطیف میاں، یہ عزام میاں، جن کے اچھے کاموں کو دیکھ کر آپ خوشی سے پھولے نہیں سماتے تھے، اب ان کی علمی و فکری رہنمائی کون کرے گا؟ اپنے حضرت کی تنہائی اور صحت کی آپ کو ہمیشہ فکر رہا کرتی تھی، اب ان کا خیال کون رکھے گا؟ یہ عبدالعلیم جسے آپ بے حد چاہتے تھے، اپنے مستقبل کا دست و ہاڑ دیکھتے تھے، اب اس کی تعلیم و تربیت کون کرے گا؟ جب بھی ہم ٹھوکریں کھاتے تھے، ہم سے علمی و فکری لغزشیں ہوتی تھیں، آپ ان کی اصلاح کر دیا کرتے تھے، اب ہم پر یہ الطاف کریمانہ کون کرے گا؟ ہمیں ان سوالوں کے جواب نہیں ملتے ہیں اور دماغ ماؤف ہونے لگتا ہے تو یہ شکوہ زبان پر آ جاتا ہے:

یہ اپنے چاہنے والوں کا حال کرتے ہو! کمال کرتے ہو صاحب کمال کرتے ہو

پھر یہ سوچتا ہوں کہ اس دنیا میں جو آیا ہے اسے ایک دن جانا ہے، آج وہ گئے، کل ہمیں بھی جانا ہے، اس تلخ سچائی سے منہ موڑنا مومن کا شیوہ نہیں ہے۔ اس خیال کے ساتھ ہی شکستہ حوصلے پھر سے جڑنے لگتے ہیں اور سرد ہوتی نبضوں میں پھر سے حرارت پیدا ہو جاتی ہے کہ ہمارے بھیا اس دنیا میں ایک شخص نہیں بلکہ تحریک بن کر رہے ہیں، اسید الحق چلے گئے، مگر تحریک زندہ ہے، خانقاہ پر حضرت شیخ کا سایہ سلامت ہے جن کی نگاہ کیسی اثر نے ہی انہیں زمانے بھر میں آفتاب بنایا تھا، ان کے دو جواں سال، جواں عزم اور اعلیٰ علم و فکر کے حامل بھائی زندہ ہیں، ان کے فیض یافتہ اور تربیت یافتہ تلامذہ کا وجود باقی ہے اور زبان و قلم اور علم و فکر سے لیس احباب کا کارواں موجود ہے۔ ہم سمجھوں کوئل کران کے چھوڑے ہوئے مشن کی تکمیل کرنا ہے اور اس خواب کو شرمندہ تعبیر کرنا ہے، جسے وہ ہمیشہ دیکھا کرتے تھے۔ اللہ ہمارا حامی و ناصر ہو۔ □□□



# غوث اعظم نے شیخ صاحب کو قبول فرمایا

حضرت غوث اعظم سے خالوادہ عثمانی کی نسبت غلامی اور شیخ اسید الحق قادری کی داستان شہادت مولانا عطیف قادری کی زبانی

عالم ربانی شہید بغداد علامہ اسید الحق عاصم قادری علیہ الرحمہ کی شہادت کی خبر برصغیر کی علمی، ادبی، مذہبی اور روحانی حلقوں میں بجلی بن کر گری، سب حیران و ششدر تھے کہ اتنا بڑا سانحہ کیسے ہوا؟ ہر شخص اس حادثے کی تفصیل جاننا چاہتا تھا۔ اس کے لیے میں نے شہید بغداد کے برادر عزیز مولانا عبدالغنی محمد عطیف میاں قادری، جو سانحے کے عینی شاہد ہیں، کا تفصیلی انٹرویو لیا۔ اس انٹرویو میں سانحے کی تفصیلات کے ساتھ شہید بغداد کے آخری روز بغداد کی روداد، خالوادہ عثمانی بدایونی کی غوث اعظم حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ اور ان کی آل سے گہری وابستگی، محبت اور شیفتگی اور خالوادہ عثمانی بدایونی کے روابط کی نوعیت اور تاریخ بھی شامل ہو گئی ہے۔ امید ہے کہ قارئین کے لیے یہ معلومات نئی بھی ہوں گی اور ایمان افروز بھی۔ (خوشتر لورانی)

حضرت بابا فرید کو کچھ اشارہ کیا، وہ اپنی جگہ سے اٹھے اور شاہ عین الحق کا ہاتھ پکڑ کر حضور اچھے میاں کے ہاتھ میں دے دیا۔ یہ خواب دیکھ کر آپ کی آنکھ کھلی اور آپ نے وہیں سے رخت سفر باندھا اور سیدھے مارہرہ شریف حاضر ہوئے اور حضور اچھے میاں کے قدموں پر گر گئے اور مرید ہو گئے اور ایسے مرید ہوئے کہ اپنا وطن بدایوں چھوڑ دیا۔ جب تک شمس مارہرہ اپنی ظاہری حیات کے ساتھ مارہرہ میں رہے، حضرت شاہ عین الحق نے بھی اپنی عمر کا بیشتر حصہ مارہرہ شریف میں گزارا۔ حضور غوث اعظم سے نسبت غلامی کا جو سلسلہ وہاں سے شروع ہوا، اللہ کا شکر ہے کہ وہ آج تک قائم ہے۔ اس میں دو باتیں قابل ذکر ہیں:

پہلی بات تو یہ کہ جس محبت و عقیدت سے حضرت شاہ عین الحق حضور اچھے میاں سے منسلک ہوئے، ان کا دامن تھا ما اور ان کی غلامی کا پڑنے گلے میں ڈالا، ہماری چھ نسلیں گزر گئی ہیں، مگر آج تک وہی محبت، وہی عقیدت اور وہی رشتہ غلامی مارہرہ شریف سے قائم ہے۔ جس طرح حضرت شاہ عین الحق مارہرہ مطہرہ کے بچے بچے کا، خدام کا، جہاز و لگانے والے اور نالی صاف کرنے والے کا ادب کرتے تھے، ویسا ہی ادب آج بھی ہمارے خاندان میں ہے۔ اس میں ہماری کوئی خصوصیت نہیں، یہ شمس مارہرہ کا کرم ہے کہ انہوں نے ہمارے خالوادے کو ایسا پسند کیا کہ آج تک اپنی غلامی میں رکھا ہوا ہے۔

**خوشتر لورانی:** سب سے پہلے تو یہ بتائیے کہ آپ کے خالوادے میں حضرت سیدنا غوث اعظم سے نسبت غلامی کی ابتدا کب سے ہوئی؟  
**مولانا عطیف قادری:** ہمارے جد اعلیٰ حضرت قاضی دانیال قطری جو حضرت خواجہ عثمان ہارونی کے مرید و خلیفہ اور سلطان الہند خواجہ غریب نواز کے پیر بھائی تھے، جب ہندوستان تشریف لائے اسی وقت سے ہی ہمارے خاندان میں بیعت و ارادات اور طریقت و تصوف کا سلسلہ رہا ہے۔ جب افضل العابد حضرت شاہ عین الحق مولانا عبدالجید کا زمانہ آیا، آپ پڑھ کر فارغ ہو گئے، علوم سے فراغت کے بعد بیعت ہونے کے لیے آپ کو شیخ طریقت کی تلاش ہوئی۔ اُس زمانے میں تقریباً پورا بدایوں مارہرہ مطہرہ سے مرید تھا اور مارہرہ میں شمس مارہرہ آل احمد حضور اچھے میاں کا دور تھا، ہمارے خاندان کے اکثر لوگ وہاں سے ہی مرید تھے، اس لیے شاہ عین الحق سے بھی کہا گیا کہ مولانا! تم بھی حضور اچھے میاں سے مرید ہو جاؤ، وہ مارہرہ مطہرہ گئے، لیکن علمی طنطنہ اتنا تھا کہ کوئی نگاہوں میں چٹا ہی نہیں تھا، اس لیے مرید ہوئے بغیر واپس آ گئے اور بدایوں کے مشہور آستانہ ”بڑے سرکار“ میں آ کر قیام کیا، رات میں سو رہے تھے کہ خواب میں آپ نے دیکھا کہ حضور غوث اعظم کا دربار لگا ہوا ہے اور اس میں ایک طرف حضور اچھے میاں بیٹھے ہوئے ہیں، دوسری طرف حضرت بابا فرید گنج شکر بھی بیٹھے ہوئے ہیں، غوث پاک نے

دوسری بات یہ کہ ہمارے خانوادے کو جو نسبت شمس ماربرہ کے ذریعے حضور غوثیت مآب سے ملی ہے وہ بھی ویسی ہی آج تک قائم ہے۔ اس میں برون اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے، جب کہ اس نسبت اور تعلق نے اب تک دو سو سال گزر گئے۔

**خوشتر نورانی:** بغداد شریف جانے کا سلسلہ آپ کے خانوادے میں کب سے شروع ہوا؟

**مولانا عطیہ قادری:** حضرت شاہ عین الحق بیعت ہونے کے بعد زیادہ تر حضور شمس ماربرہ کے پاس ہی رہتے تھے، اس لیے انہیں کہیں جانے کی فرصت ہی نہیں ملی، ان کے بغداد جانے کا ذکر بھی کہیں نہیں ملتا۔ ہمارے خانوادے سے بغداد جانے کی ابتدا ان ہی کے صاحبزادے اور جانشین سیف اللہ المسلمول سیدنا شاہ فضل رسول سے ہوتی ہے۔ "اس التاریخ" میں ذکر ہے کہ ۱۲۷۸ھ / ۱۸۶۱ء میں سیف اللہ المسلمول پہلی بار بغداد شریف حاضر ہوئے، یہ وہ زمانہ تھا جب وہاں کے صاحب سجادہ اور نقیب الاشراف حضرت سید علی انگیلانی تھے۔ سیف اللہ المسلمول کی یہ پہلی حاضری تھی اور خانوادہ غوث اعظم سے کوئی شناسائی نہیں تھی، تاہم وہ شمس ماربرہ کے فیض اور ان کے وسیلے سے وہاں گئے تھے اور غوث پاک کے سچے عاشق بھی تھے، اس لیے وہاں ان پر ایسی نوازشات اور ایسی پذیرائی ہوئی جو بیان سے باہر ہے۔ جب صاحب سجادہ سید علی انگیلانی کو معلوم ہوا کہ ہندوستان سے مولانا فضل رسول آئے ہیں تو آپ اپنی نشست سے اٹھ کر دروازے پر آگئے اور وہاں سے ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ لائے اور اپنے برابر میں اپنی نشست اور سجادے پر بٹھالیا، پھر آپ نے انہیں اپنی خاندانی خلافتیں اور اجازتیں عطا فرمائیں اور یہ بھی کہا کہ مولانا! میں چاہتا ہوں کہ میرے بیٹے سید سلمان انگیلانی کو آپ پڑھائیں اور اجازت دیں۔ حکم کے مطابق سیف اللہ المسلمول نے ولی عہد آستانہ حضور غوث اعظم کو پڑھایا اور اجازت بھی دی۔ پھر تو یہ سلسلہ چل پڑا، اس کے بعد کئی بار سیف اللہ المسلمول بغداد حاضر ہوئے۔ اس کے بعد تاج الفحول سیدنا شاہ عبدالقادر کی متعدد بار حاضری ہوئی، ان کے بعد سرکار صاحب الاقداہ شاہ عبدالمقتدر اپنے زمانے میں حاضر ہوئے رہے، پھر ہمارے دادا مفتی اعظم سلطنت آصفیہ شاہ عبدالقدیر مسلسل جاتے رہے، ان کے بعد میرے والد گرامی تاجدار اہل سنت شیخ عبدالحمید محمد سالم القادری کا اب تک یہی معمول ہے۔

**خوشتر نورانی:** آپ کے اکابر خانوادہ اب تک کتنی بار بغداد کی حاضری سے مشرف ہو چکے ہیں؟

**مولانا عطیہ قادری:** سیف اللہ المسلمول، حضرت تاج الفحول اور سرکار صاحب الاقداہ کے بارے میں کہنا مشکل ہے کہ وہ کتنی مرتبہ بغداد حاضر ہوئے، یہ حضرات متعدد بار گئے۔ مگر حاضری کا یہ ریکارڈ ہمارے دادا مفتی اعظم سلطنت آصفیہ مولانا شاہ عبدالقدیر سے بنا شروع ہوا۔ وہ پینتالیس سال لگا تار بغداد شریف حاضر ہوئے اور ان کے آخری سفروں میں ہمارے والد گرامی بھی ان کے ساتھ تشریف لے گئے۔ ۱۹۶۰ء میں ہمارے دادا حضرت کا وصال ہوا اور اس کے بعد سے ہمارے والد حضرت تاج دار اہل سنت کی حاضری شروع ہوئی ہے، جو الحمد للہ آج تک قائم ہے۔ یہ بھی اعزاز شاید کسی کے پاس نہ ہو کہ ۳۵ سال لگا تار ہمارے دادا کی حاضری اور ان کے وصال سے لے کر اب تک والد ماجد کی حاضری ہوتی رہی ہے۔ پھر ہمارے حضرت والد ماجد کے ساتھ ہم بھائیوں اور دیگر اہل خانہ کو بھی متعدد بار حاضری کا شرف حاصل ہوا ہے۔

**خوشتر نورانی:** حضور غوث اعظم کے خانوادے سے آپ کے خانوادے کے رشتہ محبت کے بارے میں کچھ بتائیں؟

**مولانا عطیہ قادری:** اگر اس سوال کی تفصیل میں جاؤں تو ایک دفتر درکار ہے۔ ہمارے خانوادے کا حضور غوث اعظم کے خانوادے سے تعلقات کا اندازہ آپ اس سے لگا سکتے ہیں کہ جب حضرت سیف اللہ المسلمول پہلی بار ۱۸۶۱ء میں وہاں حاضر ہوئے تو نقیب الاشراف حضرت سید علی انگیلانی ان کے استقبال کے لیے باہر تشریف لے آئے اور ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور ہاتھ پکڑ کر اپنی نشست گاہ پر آئے اور اپنے ساتھ سجادے پر بٹھالا، اپنے صاحب زادے اور ولی عہد کو پڑھوایا اور اجازت دلوائی۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ ایسا تعلق اور ایسا اعزاز ہے کہ شاید ہی کسی دوسرے کو حاصل ہوا ہو۔

جب تاج الفحول کی ۱۲۹۰ ہجری میں پہلی حاضری ہوئی تو اس وقت حضرت سید علی انگیلانی کا انتقال ہو چکا تھا، آپ کے صاحبزادے حضرت سید سلمان انگیلانی صاحب سجادہ اور نقیب الاشراف تھے، جب آپ آستانے میں حاضر ہوئے تو آپ کا دربار لگا ہوا تھا، حضرت تاج الفحول جا کر بیٹھ گئے، آپ نے ادباً سوچا کہ میں دور ہی رہوں مگر جیسے

حضرت سید سلمان انگیلانی کی آپ پر نظر پڑی، آپ نے فرمایا:

”انت ابن فضل رسول؟“

(کیا آپ فضل رسول کے بیٹے ہیں؟)

تاج الخول لکھتے ہیں کہ میں اس سوال پر تھر تھر کانپنے لگا، قریب تھا کہ میں بے ہوش ہو جاتا۔ انہوں نے اپنے پاس بلایا تو میں قدموں پہ گر گیا۔ تاج الخول فرماتے ہیں کہ وہاں آپ نے ایک شعر بھی پڑھا:

فان فضل رسول الله ليس له

حد في عرب عنه ناطق بضم

یہ نوازش اور تعلق کی بات ہے۔ پھر تاج الخول کی حاضریاں ہوتی رہیں، صاحبزادگان اور دیگر خاندان والوں سے خوب جان پہچان ہوتی رہی، جب تاج الخول کے بڑے صاحبزادے حضرت مولانا شاہ عبدالمقتدر پہلی بار تشریف لے گئے تو آپ کو دیکھتے ہی وہاں کے صاحب سجادہ نے کہا کہ ”یہ فضل رسول کے پوتے ہیں، ان کی اور ان کی شکل میں کوئی فرق نہیں ہے، بس یہ کہ ان کی ڈاڑھی ذرا لمبی ہے۔“

حضرت سیف اللہ المسلمول کے بعد سے یہ ہونے لگا کہ جب بھی ہمارے خاندان کا کوئی فرد وہاں جاتا تو چہ چا عام ہو جاتا کہ بدایوں سے شاہ فضل رسول کے خاندان والے آئے ہوئے ہیں، پھر پورے عراق کے علماء و مشائخ اور خانوادہ غوث اعظم کے تمام افراد ملنے آیا کرتے، اپنے گھروں کو لے جاتے اور دعوتیں کرتے۔ یہ سلسلہ چلتا رہا، جب سرکار صاحب الاقتر مولانا شاہ عبدالمقتدر کا وصال ہو گیا اور ان کے بعد ہمارے دادا مفتی اعظم سلطنت آصفیہ مولانا شاہ عبدالقدیر نے مسند سنبالی۔ صاحب سجادہ بننے کے بعد جب آپ تسلسل کے ساتھ بغداد شریف جانے لگے تو عالم یہ ہو گیا کہ خانوادہ غوث اعظم کا ہر فرد آپ کا گرویدہ ہو گیا۔ وہاں کے نقیب الاشراف اور سجادگان آپ سے بے حد محبت فرمانے لگے۔ حد یہ ہو گئی کہ حضور غوث اعظم کی درگاہ پر بیٹھنے والے فقیر، درویش، ملنگ، ماتننے والے، خدام، جاروب کش، حتی کہ درگاہ کے آس پاس کے دکان دار ہمارے دادا سے اتنے واقف، مانوس اور شناسا ہو گئے کہ ہر ایک کی زبان پر ”مولوی عبدالقدیر، مولوی عبدالقدیر“ ہوا کرتا تھا۔ ہمارے دادا کو ”مولوی“ کا خطاب دربار غوث اعظم سے ہی ملا۔ ہندوستان سے جب ہمارے دادا جایا کرتے تو بڑے اہتمام سے جاتے، حضور غوث اعظم کے پورے خاندان سے ان کی شناسائی تھی اور

بچے بچے سے وہ واقف تھے، اس لیے جب جاتے تو خاندان کے جو بچے پڑھ رہے تھے ان کے نام سے ڈائری وغیرہ چھپا کر لے جایا کرتے، ہر شہزادے کے لیے ڈائریوں پر الگ الگ نام لکھوا کر لے جاتے اور سمجھوں کے لیے تحفے تحائف لے جاتے۔ وہاں پہنچ کر آپ تمام خاندان کی بڑی پر تکلف دعوت کیا کرتے۔ خانوادے کے تمام شہزادے بھی فردا فردا اپنے گھروں میں آپ کی دعوت کرتے۔

آپ ہر سال حضور غوث اعظم کے مزار مبارک کے لیے اپنے ساتھ ایک بیش قیمت غلاف تیار کر کے لے جاتے تھے۔ اور یہ شرف بھی مجھے نہیں لگتا کہ کسی اور کو ملا ہو کہ جو غلاف آپ اپنے ساتھ لے جاتے تھے، سال بھر وہی غلاف حضور غوث پاک کے مزار پر چڑھا رہتا تھا، پھر اگلے سال جب جاتے تو نیا غلاف لے کر جاتے، اسے چڑھاتے اور پرانا غلاف اتار کر وہاں جمع کر دیتے۔ یہ سلسلہ ۴۵ برسوں تک چلتا رہا۔ ان کے علم و فضل اور خانوادہ غوث پاک سے اس گہرے تعلق کی وجہ سے بصرہ سے لے کر بغداد تک ہر آدمی آپ کو جانتا تھا، وہاں کے کبار علماء، مشائخ، شعراء، فقہاء، یہاں تک کہ امرا اور وزرا آپ کو جانتے تھے۔

یہاں مجھے ایک واقعہ یاد آرہا ہے، ایک بار ہمارے دادا درگاہ حضور غوث اعظم میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک فوجی جنرل اپنی وردی میں آیا اور اس نے پوچھا: ”مولوی عبدالقدیر کون ہیں؟“ تو لوگ گھبرا گئے کہ ایک فوجی یہاں کیوں آیا ہے، مزید یہ کہ اس وقت ہندوستان کے حالات بھی اچھے نہیں چل رہے تھے، تاہم آپ نے فرمایا کہ ”میں ہوں عبدالقدیر“ یہ سنتے ہی وہ آپ کے قدموں پہ گر پڑا اور کہنے لگا کہ ”میں بہت خواہش مند تھا کہ میں حضور غوث پاک کا مرید ہو جاؤں یا حضور غوث پاک اشارہ فرمادیں کہ فلاں سے مرید ہو جاؤ، چنانچہ مجھے خواب میں حضور غوث پاک نے بشارت دی کہ اگر تم مجھ سے مرید ہونا چاہتے ہو تو مولوی عبدالقدیر سے مرید ہو جاؤ، اس طرح آپ نے اس کو مرید کر لیا۔“

اسی طرح حضرت پیر ابراہیم انگیلانی جو وہاں کے سجادہ نشین اور نقیب الاشراف تھے، ایک بار ان کی طبیعت کافی خراب ہو گئی، اس سفر میں تاج دار اہل سنت بھی شامل تھے، انہوں نے میرے دادا سے فرمایا کہ: ”مولوی! میری طبیعت خراب رہتی ہے، تم اپنے غوث پاک سے کہہ دو کہ میں صحیح ہو جاؤں۔“ اس پر ہمارے دادا رو پڑے اور عرض کی کہ



حضور! ہم تو آپ کے غلام ہیں، آپ ہماری سفارش کیجیے نہ کہ ہم آپ کی سفارش کریں۔“ تو آپ نے فرمایا کہ ”مولوی تم کتنا بھی چھپاؤ مگر میں جانتا ہوں کہ اس وقت روئے زمین پر غوث پاک کی جو نظر تمہارے اوپر ہے وہ کسی پر نہیں ہے۔“

ہمارے دادا جب بھی بغداد حاضر ہوتے تو آستانہ غوث اعظم کے مہمان خانے میں انھیں ٹھہرایا جاتا تھا، وہیں شہزادگان اور سجادگان کے گھر بھی تھے، اکثر یہ ہوتا تھا کہ خانوادے کا کوئی بزرگ آیا، اس نے اپنے پاس بٹھالیا، کبھی کوئی نوجوان آیا، اس نے ہمارے دادا کے ساتھ گفتگو چھیڑ دی، یہاں تک کہ خانوادے کے چھوٹے بچے شام کو سائیکل چلانے کے لیے آتے تو اکثر دیکھا گیا کہ چھوٹا بچہ سائیکل چلا رہا ہے اور پیچھے پیچھے منشی عبدالقدیر اس کی سائیکل پکڑے ہوئے اسے سائیکل چلانا سکھا رہے ہیں یا کھیلتے کھیلتے انہوں نے کہہ دیا کہ مولوی صاحب! یہاں کھڑے ہو جائیے، یہاں ہماری گیند آئے تو اٹھا کر ہمیں دے دیں تو ان بچوں کی دل جوئی کے لیے ان کے ساتھ کھیل رہے ہیں، گویا بڑوں کے ساتھ بچوں میں بھی ان کی مقبولیت تھی۔ کبھی گھریلو باتوں میں بھی انہیں شریک کیا جاتا تھا۔

یہاں یہ بات بھی عرض کر دوں کہ ہمارے پیر و مرشد اور والد گرامی کی پیدائش سے پہلے حضرت سید سالم انگیلانی صاحب سجادہ اور متولی ہوا کرتے تھے۔ انہوں نے ہمارے دادا سے پوچھا کہ: ”مولوی! تمہارے کتنے بیٹے ہیں؟ انہوں نے کہا: ”حضور میرے دو بیٹے ہیں“ تو فرمایا کہ ایک تیسرا بھی ہوگا اور اس کا نام میرے نام پر ”سالم“ رکھنا۔ ہمارے حضرت کا یہ نام بھی غوث پاک کے شہزادے اور ان کے سجادہ نے رکھا ہے۔ اہل خانہ نے حضرت والد ماجد کے کئی نام رکھے، مگر یہ غوث پاک کا کرم ہے کہ وہ پوری دنیا میں ”سالم میاں“ کے نام سے پہچانے گئے۔

ہمارے دادا کے بعد حضرت والد ماجد کا دور آیا، حضرت کی پہلی حاضری تو اپنے والد ماجد کے ساتھ ہوئی تھی، پھر ۱۹۶۲ء میں جب آپ سجادہ بننے کے بعد پہلی مرتبہ بغداد حاضر ہوئے تو حضرت پیر ابراہیم گیلانی کا زمانہ تھا۔ حضرت پیر ابراہیم کا معمول یہ تھا کہ اپنے گھر سے صبح کو درگاہ تشریف لاتے تھے تو سب سے پہلے درگاہ میں حاضری دیتے، اسمائے حسنیٰ کا ورد کرتے، سب کے لیے دعا کرتے، پھر اپنی مسند

پر دیوان خانے میں آکر بیٹھ جاتے تھے۔ جب حضرت والد ماجد بغداد شریف پہنچے تو حضرت پیر سید ابراہیم نے فرمایا کہ: ”سالم! گھر پر آنا“ حضرت نے عرض کی کہ ”حضور میں نے آپ کا گھر دیکھا ہی نہیں ہے، آپ سے تو روزانہ یہاں درگاہ شریف میں ہی ملاقات ہو جاتی ہے۔“ تو آپ نے فرمایا: ”میں اپنے ڈرائیور کو بھیج دوں گا“ دوسرے دن صبح کو حضرت کو ڈرائیور بھیج کر اپنے گھر بلوالیا۔ حضرت پر پیر صاحب کی بے پناہ نوازشات رہیں۔ اپنے ساتھ ناشتہ کراتے، کھانا کھلاتے، گھنٹوں گفتگو کرتے، نماز میں شریک رکھتے۔ اسی سفر میں اپنا پہنا ہوا خرچہ اتار کر ہمارے حضرت کو پہنایا اور اپنے خاندان کی وہ ساری اجازتیں عطا کیں جو ان تک پہنچی تھیں۔

اس کے اگلے ہی دن حضرت والد ماجد پانی کے جہاز سے سوار ہو کر بصرہ کے راستے بمبئی آئے تو اخبار کے ذریعے معلوم ہوا کہ حضرت پیر ابراہیم گیلانی وصال فرما گئے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس زمین پر موجودہ عہد میں حضرت پیر ابراہیم صاحب کا آخری خلیفہ اگر کوئی ہے تو وہ حضور تاج دار اہل سنت ہیں۔ اسی سفر میں آپ نے حضرت والد ماجد سے فرمایا تھا کہ میرے دادا حضور غوث اعظم میرے خواب میں آئے اور انہوں نے فرمایا کہ ”مولوی ہر سال بدایوں سے ہمارے لیے غلاف لاتا تھا، اب اس کا انتقال ہو گیا ہے تو ان کے بیٹے سالم کو میرے مزار سے غلاف اتار کر دے دو کہ میری طرف سے مولوی کے قبر پر چڑھا دے۔“ حضور غوث اعظم کی یہ بے بہا عنایت بھی ہمارے گھر کے حصے میں آئی۔ حضور غوث پاک اور ان کے خانوادے سے اسی گہرے تعلق اور نوازشات کا نتیجہ ہے کہ حضرت والد ماجد ۱۹۶۲ء سے لے کر اب تک ہر سال مسلسل بغداد شریف جا رہے ہیں، درمیان میں استثنائی طور پر حالات کی خرابی کی وجہ سے ایک دو سال نہیں جا پائے، ورنہ ہر سال انھیں حاضری کا شرف حاصل ہوتا ہے۔ اس طرح پچاس سے زائد بار وہ بغداد شریف حاضری دے چکے ہیں۔ وہاں کے لوگ جس طرح ہمارے دادا سے واقف تھے، اسی طرح پورا باب الشیخ حضرت سے واقف ہے۔ جب وہ تشریف لے جاتے ہیں تو ہر شخص کی زبان پر شیخ سالم، شیخ سالم ہوا کرتا ہے۔ حضرت پیر ابراہیم صاحب کے بعد جتنے بھی نقیب الاشراف اور سجادگان ہوئے سب سے حضرت کا گہرا تعلق رہا۔ شہزادگان اور سجادگان ہمارے حضرت کو بے تکلف خطوط لکھتے، آستانے میں تعمیر کے

سلسلے میں انھیں بلائے، کوئی اور کام ہو تو فوراً یاد فرماتے۔ اسی طرح وہاں سے بھی خانوادے کے متعدد افراد اور سجادگان بدایوں تشریف لاتے اور ۵۰ گھر کو عزت بخشے۔ ۱۹۵۶ء میں ہمارے دادا محترم حضرت مفتی عبدالقدیر رحمۃ اللہ علیہ کافی بیمار تھے تو حضرت پیر علاء الدین طاہر گیلانی ان کی عیادت کے لیے تشریف لائے، پورے رمضان قیام فرمایا اور عید کی نماز پڑھ کر تشریف لے گئے۔ ان کے بعد بھی سجادگان تشریف لاتے رہے۔ ۱۹۹۸ء میں حضرت تاج اللہ کا صد سالہ جشن منایا گیا تو نقیب الاشراف حضرت پیر احمد ظفر گیلانی تشریف لائے۔ گویا حضور غوث اعظم اور ان کے خانوادے کی عنایتیں، محبتیں اور تعلقات ہمارے خاندان سے بے پایاں ہیں۔ اب تو ہمارے برادر معظم حضرت شیخ صاحب کو حضور غوث اعظم نے اپنے پاس ہی بلا کر رکھ لیا، تاکہ یہ تعلق اور بھی گہرا ہو۔

**خوشخبر لورانی:** حضرت شیخ اسید الحق قادری رحمۃ اللہ علیہ پر حضور غوث اعظم کی کیا عنایتیں رہی ہیں؟

**مولانا عطیہ قادری:** یہ بہت مشکل سوال آپ نے کیا اور ایک طرح کہا جائے تو آسان بھی ہے۔ حضور غوث اعظم کی ان پر جو عنایتیں رہیں وہ سب پر عیاں ہے۔ اس چھوٹی سی عمر میں ان کی علمی لیاقتیں، مختلف علوم و فنون پر گہری نظر، بے شمار خدمات و کارنامے اور علم و قلم کی عالمی شہرت، صرف کسب کے ذریعے ممکن نہیں۔ حضور اچھے میاں کے ذریعے انھوں نے حضور غوث اعظم سے جو نسبت غلامی پائی تھی، یہ سب کا سب اسی کا فیض اور ان کا کرم تھا۔ اس لیے صرف دس سال کے مختصر عرصے میں انھوں نے اتنے کارنامے انجام دیے، جن کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ بقول حضرت شرف ملت:

”اتنے کم عرصے میں تو لوگ یہ سمجھ پاتے ہیں کہ انھیں کیا کرنا ہے، اس عرصے میں وہ زندگی کے بے شمار کام کر کے چلے گئے۔“

حضور غوث پاک کی غلامی، ان کا کرم اور ان سے تعلق مارہرہ مطہرہ کے توسط سے ہے، اس لیے وہ اکثر کہا کرتے تھے، بلکہ اس بات کو انھوں نے لکھا بھی ہے کہ ”میں جب مارہرہ حاضر ہوتا ہوں تو اپنی تمام تر علم و تحقیق مارہرہ کی حد سے باہر چھوڑ کر آتا ہوں اور مارہرہ میں جب تک بے حیثیت پھرتا رہوں گا، اس وقت تک دنیا میں میری حیثیت بنی رہے گی۔“ دنیا نے اس کا مشاہدہ کھلی آنکھوں سے کیا۔

۱۹۹۲ء میں جب کہ شیخ صاحب حفظ کر چکے تھے اور درس نظامی کا ابتدائی دور تھا، حضرت والد ماجد ان کو ساتھ لے کر بغداد شریف گئے۔ جب وہاں سے لوٹ کر شیخ صاحب آئے تو رنگ بدلا ہوا تھا اور کمسنی میں ہی بزرگی کے آثار دکھنے لگے تھے۔ رقت قلب، بلند اخلاق و کردار، تصوف و للہیت اور علم و فن سے شغف نمایاں ہو گئے تھے۔ پھر ۱۹۹۳ء، اور اس کے بعد ۱۹۹۶ء میں والد ماجد انھیں اپنے ساتھ لے کر بغداد شریف گئے۔ اُس وقت وہاں حضرت سید یوسف الکیلانی صاحب سجادہ تھے۔ ہمارے حضرت نے ان سے عرض کی کہ حضرت! میں یہ چاہتا ہوں کہ فراغت کے بعد میں اپنے بیٹے اسید الحق کو بغداد کے جامعہ صدام میں داخلہ کروادوں۔“ تو آپ نے فرمایا: ”شیخ سالم! جامعہ صدام کی بجائے اسید الحق کو جامعہ ازہر، قاہرہ بھیج دو۔“ گویا غوث پاک کے سجادہ نشین کے کہنے پر ہی شیخ صاحب کو جامعہ ازہر بھیجا گیا۔ عراق میں سارا بغداد اور خود غوث پاک کا پورا خانوادہ حضرت کا جاننے والا تھا اور پھر غوث پاک کے خانوادے کے افراد وہاں بڑے بڑے عہدوں پر فائز بھی تھے، وہاں داخلے اور تعلیم و رہائش میں کافی حد تک سہولتیں تھیں، جب کہ ہمارے والد ماجد کو یہ نہیں معلوم تھا کہ جامعہ ازہر میں کیسے داخلہ ہوتا ہے اور نہ کبھی قاہرہ گئے تھے۔ حضرت کو صرف اتنا معلوم تھا کہ ہندوستان سے جو طلبہ جامعہ ازہر جاتے ہیں وہ یہاں کے الحاق شدہ مدرسوں کی سند لے کر جاتے ہیں، مگر ان کے پاس ایسی کوئی سند بھی نہیں تھی، مگر چونکہ حضور غوث اعظم کے صاحب سجادہ کا حکم تھا کہ ان کا داخلہ جامعہ ازہر میں کراؤ، اس لیے حضرت نے انھیں جامعہ ازہر بھیجنے کا ارادہ فرمایا۔

۱۹۹۸ء میں حضرت تاج اللہ کا صد سالہ جشن منایا گیا تو نقیب الاشراف حضرت پیر احمد ظفر گیلانی تشریف لائے۔ شیخ صاحب نے امام علم و فن حضرت خواجہ مظفر حسین صاحب کی درس گاہ سے درس نظامی کی تکمیل اسی سال کی تھی، اس لیے حضرت احمد ظفر گیلانی سجادہ نشین حضور غوث اعظم نے ہی شیخ صاحب کے سرپرستار فضیلت باندھی۔

شیخ صاحب کی فراغت کے بعد والد ماجد حضرت تاجدار اہل سنت ۱۹۹۹ء میں انھیں اپنے ساتھ لے کر بغداد گئے۔ وہاں انھیں بارگاہ غوث میں پیش کیا اور صاحب سجادہ اور دیگر خانوادے کے افراد سے دعائیں کروائیں اور پھر براہ راست انھیں لے کر بغداد شریف سے قاہرہ بھیج

گئے۔ وہاں جا کر ایسی آسانیاں پیدا ہو گئیں کہ شیخ الازہر نے خود آ کر ہمارے حضرت سے ملاقات کی اور بغیر کسی معادلے اور الحاق کے شیخ صاحب کا وہاں داخلہ ہو گیا۔ پھر مدرسہ قادریہ کا جامعہ ازہر سے الحاق بھی کر دیا گیا۔

وہاں شیخ صاحب نے پانچ سال گزارے اور اپنی پوری تعلیم مکمل کی۔ جامعہ ازہر میں تمام مشائخ، علما اور محدثین سے آپ کے رابطے ہوئے اور ان میں سے کئی حضرات نے آپ کو اجازتیں عطا کیں۔

اب یہ کہ حضور غوث اعظم نے آپ کو اپنے آپ سے اتنا قریب کر لیا کہ آپ کو اپنے جوار میں قیامت تک کے لیے جگہ دے دی ہے۔ شیخ صاحب عرس قادری کی اپنی تقریر میں پورے جوش و جذبے کے ساتھ اشارہ کرتے ہوئے کہا کرتے تھے کہ:

”اس کو نے سے اُس کو نے تک جو روشنی دیکھ رہے ہو، جو بلندیاں دیکھ رہے ہو، جو علمی و اشاعتی کام دیکھ رہے ہو، یہ سب کا سب حضور غوث اعظم اور شمس مارہرہ کا فیض اور انہی کے کرم سے ہے۔“

**خوشتر لورانی:** بغداد شریف میں حضرت شیخ صاحب کی ناگہانی شہادت سے برصغیر ہندو پاک میں کہرام مچ گیا، جہاں ان کے جانے کا لوگوں نے ماتم کیا وہیں لوگ اس شہادت کی تفصیل بھی جاننے کے لیے بھی بے چین ہیں، اس لیے اس حوالے سے چند باتیں آپ سے پوچھوں گا۔ سب سے پہلے تو یہ بتائیے کہ آپ حضرات بغداد کے سفر پر کب روانہ ہوئے اور آپ کے ساتھ کتنے لوگ تھے؟

**مولانا عطیہ قادری:** جیسا کہ میں نے آپ کو بتایا کہ حضرت تاجدار اہل سنت کا بغداد شریف جانے کا ہر سال کا معمول ہے۔ اس سال جانے کی تیاری ہونے لگی تو حضرت نے فرمایا کہ ”اس سال شیخ صاحب بھی ہمارے ساتھ جائیں گے۔“ کیوں کہ کافی سالوں سے شیخ صاحب نہیں گئے تھے۔ اس موقع پر تمام احباب سلسلہ کی یہ خواہش رہتی ہے کہ وہ بھی حضرت کے ساتھ حاضری دیں۔ اس طرح ترجمان قادریت حافظ عبدالقیوم قادری کی نگرانی میں تقریباً چالیس لوگوں کا قافلہ طے ہوا، حضرت اور شیخ صاحب کے ساتھ میں بھی شریک ہو گیا۔

سفر کی ابتدا یوں ہوئی کہ بدایوں سے حضرت اور حافظ عبدالقیوم قادری صاحب کچھ روز پہلے بمبئی چلے گئے۔ میں اور شیخ صاحب ۲۱ فروری ۲۰۱۳ء کو بدایوں سے بمبئی کے لیے روانہ ہوئے، کیوں کہ بمبئی

میں ”جشن قادری“ کے عنوان سے ۲۲ فروری کو احباب سلسلہ نے ایک مرکزی جلسہ رکھا تھا، یہ جلسہ ہر سال ہوا کرتا ہے، یہ اٹھارواں جلسہ تھا۔ اپنی تدریسی، دینی، علمی اور تصنیفی مصروفیات کی وجہ سے شیخ صاحب کسی جلسے میں شریک نہیں ہو پاتے تھے، اس لیے اس بار یہ طے پایا کہ اس جلسے میں شیخ صاحب خطاب فرمائیں گے۔ ورنہ فرماتے تھے کہ میں نے خطابت کا میدان عطیہ میاں کے لیے چھوڑ دیا ہے۔ یہ خبر جیسے ہی پھیلی کہ اس بار شیخ صاحب خطاب کریں گے، کافی تعداد میں علما و ائمہ تشریف لائے۔ ناگ دیوی اسٹریٹ بمبئی میں ”جشن قادری“ منعقد کیا گیا، اس میں شیخ صاحب کی تقریر پاپونے دو گھنٹے تقریر ہوئی۔ یہ ان کی آخری تقریر تھی۔ جس جوش و خروش، درد و کرب اور رنگ و آہنگ میں انھوں نے خطاب کیا وہ ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ دیر رات جلسہ ختم ہونے کے بعد تاجدار اہل سنت نے فرمایا کہ ”میرے خلیفہ اول، میرے ولی عہد، میرے نور نظر اور میرے لخت جگر میرے بدلے آج آپ سے مصافحہ کریں گے اور یہ سمجھ لو کہ جس نے ان سے مصافحہ کر لیا اس نے مجھ سے مصافحہ کر لیا۔“ اس طرح ہزاروں ہزار کے مجمع نے لائن لگا کر شیخ صاحب سے مصافحہ کیا۔ یہ مصافحہ تقریباً ایک گھنٹہ جلسے کے بعد چلتا رہا اور حضرت تاجدار اہل سنت پیچھے ایک کرسی پر بیٹھ گئے۔ قیام گاہ پر آنے کے بعد کئی لوگ آ کر بیٹھ گئے اور کہنے لگے کہ ”آج آپ کی بہت اچھی تقریر ہوئی۔“ تو شیخ صاحب نے کہا: ”یہ نہ کہو کہ اچھی تقریر ہوئی، مجھے پسند نہیں ہے۔“ دوسرے دن ۲۳ فروری کو دھاراوی کے علاقے میں جلسہ تھا، وہاں کے لوگوں نے شیخ صاحب سے خواہش ظاہر کی کہ آپ نے وہاں کرم فرمایا تو دھاراوی کے لوگوں پر بھی کرم فرمائیں۔ مگر خرابی طبیعت کی وجہ سے انھوں نے تقریر نہیں کی، وہاں میرا خطاب ہوا۔ جلسے کے بعد میرا اور شیخ صاحب کا ایک ہی جگہ قیام رہا۔

دوسرے دن ۲۴ فروری کا دن گزار کر ۲۵ فروری کی صبح ۳ بجے ہماری فلائٹ تھی۔ اس سفر میں حضور غوث اعظم کی نایاب کتاب اور ملفوظات کا مجموعہ ”فیوض ربانی“ ان کے مطالعے میں تھی۔ بدایوں سے کار اور پھر ریل میں بھی اسی کتاب کو پڑھتے رہے۔ دوران مطالعہ راستے بھر فرماتے رہے کہ ”یہ کتاب میں ساتھ لے آیا، پڑھ کر دل کی دنیا بدل گئی ہے۔“ اور فرمایا کہ ”میں غوث پاک کے ارشادات اس لیے پڑھتا ہوا جا رہا ہوں، تاکہ براہ راست ان سے فیض لے سکوں۔“ ان کو



ایک گھنٹے مراقب رہتے۔

ایک بار ایسا ہوا کہ عصر کے بعد شیخ صاحب کے قریب میں ہی بیٹھ گیا، پہلے وہ حضور غوث اعظم کی جالی سے دور بیٹھ کر کچھ پڑھتے رہے اس کے بعد چائیک اٹھے اور جالی کے قریب چلے گئے اور دونوں ہاتھوں سے جالی پکڑ لی، ان کی آنکھیں بند تھیں، گویا ان پر رقت طاری تھی۔ فیس بک وغیرہ پر اس لمحے کی تصویر بھی ہے۔ اسی حال میں وہ مغرب تک رہے، پھر مغرب سے عشا تک بھی ان کی یہی کیفیت رہی۔ عشا کے بعد وہ ہوٹل آگئے اور مجھ سے فرمایا کہ: ”آج میں غوث پاک سے فیصلہ کروا کر آیا ہوں۔“ میں نے پوچھا کہ کیسا فیصلہ؟ تو فرمانے لگے۔

”میں مدرسہ قادریہ کی تعمیر جدید اور توسیع کرنا چاہتا ہوں، اب شمار علمی و دینی کام کرنا چاہتا ہوں، مگر کچھ رکاوٹیں آرہی ہیں، یہ رکاوٹیں کیسے دور ہوں گی؟ اس لیے میں نے حضور غوث اعظم سے کہا کہ تم نے سب کچھ آپ سے منسوب کر رکھا ہے، آپ ہی ہماری پہچان ہیں، ہمارا ادارہ، ہماری خانقاہ، ہمارا سب کچھ آپ کے نام سے وابستہ ہے، اگر آپ کرم نہیں فرمائیں گے تو کون کرم فرمائے گا؟ اگر میرا منصوبہ پورا تکمیل تک نہیں پہنچتا ہے تو پھر میں آپ کے نام سے اپنا ادارہ اور اپنی خانقاہ کیوں چلاؤں؟ اب لگتا ہے کہ ان شاء اللہ یہ سب کام ہو جائے گا اور رکاوٹیں بھی دور ہو جائیں گی۔“

شیخ صاحب یہاں سے خانقاہ اور مدرسے کی توسیع کے لیے جدید نقشہ بنا کر لے گئے تھے، اسی طرح اپنے دیگر منصوبے کا خاکہ بھی ساتھ لے کر گئے تھے، جب وہ جالی پکڑ کر مراقب ہوتے تو ان منصوبوں اور نقشے کی فائل ان کی گود میں رکھی ہوتی۔ وہ چاہتے تھے کہ یہ پورا منصوبہ میں غوث پاک کی بارگاہ میں پیش کروں اور ان پر فیصلہ لے کر واپس آؤں، اس لیے وہ گھنٹوں وہاں گزارتے، روتے اور فریاد کرتے۔

رات میں انہوں نے ہمیں یہ بات بتائی اور صبح ہم ناشتہ کرتے تیار بیٹھے تھے کہ اب درگاہ شریف جائیں گے، ہندوستان سے ایک ٹران آتا ہے کہ جو کام برسوں سے رکا ہوا تھا، وہ حل ہو گیا ہے۔ اب آپ لوٹ آئیں۔ میں دوڑتے ہوئے شیخ صاحب کے پاس گیا اور بڑے جوش و جذبے سے یہ خبر ان کو سنائی۔ یہ بہت اہم خبر تھی اور ہم سبھی کے لیے بڑی خوش خبری تھی، مگر شیخ صاحب اسے سن کر چونکے نہیں، بلکہ نہایت اطمینان سے جواب دیا کہ ”یہ تو ہونا ہی تھا، مجھے تو یقین تھا کہ یہ

اس سفر کے لیے ایسی بے چینی تھی کہ بار بار پوچھتے کہ کب سفر شروع ہوگا؟ کتنے بجے کی فلائٹ ہے؟ کب ہم لوگ ایئر پورٹ کے لیے نکلیں گے؟ بہر حال ۲۴ فروری کو دیر رات حضرت کی سرپرستی میں ۴۰ افراد کا ہمارا یہ قافلہ ایئر پورٹ کے لیے نکلا اور عرب امارات کی ازلان سے دہلی کے راستے ۲۵ فروری کی شام کو ہم لوگ بغداد شریف پہنچ گئے۔

**خوشتر لورانی: بغداد پہنچنے کے بعد شیخ صاحب کی مشغولیات اور آپ لوگوں کی سرگرمیاں کیا تھیں؟**

**مولانا عطیہ قادری: وہاں پہنچنے کے بعد ان کی کیفیت کافی بدلی ہوئی تھی۔ ایسا لگ ہی نہیں رہا تھا کہ حضرت تاجدار اہل سنت کے ساتھ ان کا بیٹا آیا ہوا ہے، بلکہ محسوس ہوتا کہ کوئی عقیدت مند مرید ان کے شریک سفر ہے۔ انہوں نے سبھیوں سے کہہ دیا کہ حضرت جو پروگرام جس طرح ترتیب دیں گے، وہ سب کو فالو کرنا پڑے گا۔ جو حضرت کے ساتھ حاضر بارگاہ غوث ہونا چاہتا ہے وہ حضرت کے بتائے ہوئے وقت پر تیار رہے۔ وہاں معمول یہ رہا کہ فجر کی نماز باجماعت ہوٹل میں ہوتی، شیخ صاحب امامت فرماتے۔ اور او دو وظائف اور تلاوت کلام پاک سے فراغت کے بعد چائے وغیرہ پی جاتی، ساڑھے آٹھ بجے تک ناشتہ لگ جاتا، ناشتے کے بعد ہم لوگ آستانہ حضور غوث اعظم کے لیے نکل جاتے اور پھر ظہر کی نماز پڑھ کر ہوٹل واپس آجاتے۔ دوپہر کے کھانے کے بعد کچھ دیر آرام کرتے، پھر شیخ صاحب کی اقتدا میں عصر کی نماز باجماعت ہوتی، اس کے بعد پھر ہم لوگ درگاہ شریف کے لیے نکل جاتے اور وہاں سے عشا کی نماز پڑھ کر واپس آتے۔ درمیان میں کربلا، نجف اور دیگر مقامی زیارتیں بھی ہوتی رہیں۔**

**خوشتر لورانی: بارگاہ غوثیت میں حضرت شیخ صاحب کی حاضری کی کیا کیفیت رہی؟**

**مولانا عطیہ قادری: جیسا کہ میں نے بتایا کہ روزانہ درگاہ حضور غوث اعظم میں حاضری کے لیے ہم لوگوں نے اوقات بنا لیے تھے، پورا قافلہ حضرت تاجدار اہل سنت کے ساتھ وہاں صبح کو حاضر ہوتا اور ظہر کی نماز کے بعد واپس آجاتا، پھر عصر کے بعد جاتا۔ مگر شیخ صاحب کو وہیں رک جاتے، ان کی وجہ سے میں اور کچھ احباب بھی وہیں رک جاتے اور بعد بھی وہ جالی کے سامنے بیٹھے رہتے، تلاوت کرتے، دیوان منقبت پڑھتے، اور او دو وظائف پڑھتے، مثنوی غوثیہ پڑھتے اور ایک**

کا حضور غوث اعظم کی توجہات اور ان کے فیضان سے ہو جائے گا، مگر یہ امید نہیں تھی کہ اتنی جلدی فیصلہ ہو جائے گا۔“

**خوشتر لورانی:** یہ بتائیں کہ بغداد میں شیخ صاحب کی علمی سرگرمیاں کیا تھیں؟

**مولانا عطیہ قادری:** خوشتر صاحب! آپ ان کے سب سے قریبی دوست، بلکہ رازدار رہے ہیں۔ ان سے میری جتنی گفتگو براہ راست ہوتی تھی اس سے زیادہ گفتگو آپ ان سے فون پر کیا کرتے تھے۔ آپ مجھ سے بہتر ان کی عادتوں اور سررمیوں کو جانتے ہیں، آپ کو معلوم ہے کہ اگر ان کو پڑھنے کو کچھ نہ ملے تو انہیں نیند نہیں آتی تھی۔ کہیں بھی جاتے تو انہیں لائبریری اور جدید و قدیم کتابوں کی تلاش رہتی۔ بغداد شریف میں بھی ان کا یہی حال رہا۔ شیخ صاحب کو معلوم تھا کہ درگاہ حضور غوث اعظم کی بہت قدیم اور بڑی لائبریری ہے۔ اس لیے حاضری سے فراغت کے بعد مجھے لے کر لائبریری چلے گئے۔ لائبریری میں داخل ہونے کے بعد بڑے انہماک سے الماریوں میں رکھی کتابوں کو دیکھتے رہے، کچھ کتابوں کی ورق گردانی کرتے رہے اور کچھ کتابوں سے متعلق تفصیل اور حوالے نوٹ کرتے رہے۔ اس کے بعد لائبریرین کے پاس آ کر بیٹھ گئے۔ میں یہ دیکھ کر بہت حیران رہ گیا کہ لائبریرین نے کتب خانے کے نوادرات اور کتابوں کی تفصیل بتانا جا ہی اس سے پہلے شیخ صاحب وہاں موجود کتابوں اور مخطوطوں کی تفصیل بتانے لگے کہ ہاں! آپ کے یہاں یہ یہ کتابیں ہیں اور فلاں فلاں مخطوطہ ہے، علوم حدیث اور تفسیر پر یہ یہ کتابیں نئی آئی ہیں وغیرہ۔ آدھے گھنٹے کے معائنے میں انہوں نے سب کچھ اپنے مطلب کا دیکھ لیا تھا۔ لائبریرین شیخ صاحب سے بہت متاثر ہوا اور بھاگ کر گیا اور رجسٹر لے کر آیا کہ اس پر اپنا تاثر لکھ دیجیے، شیخ صاحب پہلے تو تیار نہیں ہوئے، مگر میرے اصرار کرنے پر فی البدیہہ ایک صفحہ عربی میں لکھا۔ اس تحریر کا عکس میں نے لے لیا ہے، یہ ان کی لکھی ہوئی آخری تحریر ہے۔

اسی طرح جہاں بھی جاتے، وہاں لائبریری کے بارے میں پوچھتے، اگر وہاں لائبریری ہوتی تو پھر کچھ گھنٹے وہاں گزارتے۔ امام اعظم کی درگاہ میں ایک بہت بڑا فقہ حنفی کا سینہ ہے، اسے بھی انہوں نے دیکھا۔ راستے میں چلتے چلتے کوئی مکتبہ دکھ جاتا تو وہیں کتابوں کو دیکھنے اور خریدنے میں لگ جاتے۔ یہاں تک کہ گلی کوچوں اور درگاہوں کے

سامنے چٹائی پر کتابیں رکھ کر کوئی بیچتا ہوا دکھ جاتا تو وہیں کھڑے کھڑے دیر تک کتاب کی ورق گردانی کرتے رہتے۔ ہمارے احباب سلسلہ شیخ صاحب کی اس عادت سے اس قدر آشنا ہو چکے تھے کہ وہ لوگ مجھ سے کہتے تھے: ”اپنے شیخ صاحب جیسا ہم نے کسی کو نہیں دیکھا، انہیں ہم نے خالی بیٹھے ہوئے کبھی نہیں دیکھا، جب دیکھو کسی نہ کسی کتاب کے مطالعے میں مصروف رہتے ہیں۔“ شیخ صاحب مجھ سے کہہ رہے تھے کہ بغداد سے لوٹ کر یہاں کے کتب خانوں کے متعلق ایک تفصیلی مضمون لکھوں گا۔ لکھنے پڑھنے سے انہیں عشق تھا، اسی عشق نے ان سے اتنا کام کروایا کہ آج دنیا حیران ہے۔

**خوشتر لورانی:** بغداد شریف میں شیخ صاحب کی کن علما اور مشائخ سے ملاقاتیں رہیں؟

**مولانا عطیہ قادری:** بغداد شریف میں کافی علما و مشائخ سے ان کی ملاقاتیں ہوئیں، اس کی تفصیل تو وہی بتا سکتے تھے، کچھ لوگوں کے نام مجھے یاد ہیں۔ ان میں دکتور محمد انس، جو جامعہ بغداد میں رئیس الکلیہ ہیں اور آستانہ حضور غوث اعظم کی مسجد کے امام و خطیب بھی ہیں۔ ان سے شیخ صاحب کی علم حدیث پر کافی گفتگو رہی۔ اس گفتگو سے متاثر ہو کر انہوں نے شیخ صاحب کو وہاں کے ایک بڑے محدث شیخ عبداللہ سے ملاقات کرانے کا وقت بھی لے لیا تھا۔

ایک اور عالم دین شیخ علی بن حمود المحرری الرفاعی سے بھی شیخ صاحب کی ملاقات ہوئی، یہ بھی جامعہ بغداد میں استاذ ہیں اور آستانہ حضرت معروف ربی کے نگران بھی ہیں۔ بڑے عالم، محقق اور محدث ہیں۔ انہوں نے شیخ صاحب کو اپنے گھر چائے پر مدعو بھی کیا، حدیث کے موضوع پر ایک کتاب ”الاربعون النبویة“ دی اور اسی پر انہیں اجازت بھی لکھ کر دی۔ جس وقت ان کی شہادت ہوئی، اس وقت یہی کتاب زیر مطالعہ تھی۔ اس کتاب پر شیخ صاحب کے خون کے چھینٹے بھی موجود ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی کئی علما اور محدثین سے ان کی ملاقاتیں رہیں جن کے نام مجھے یاد نہیں ہیں۔

**خوشتر لورانی:** شیخ صاحب کے آخری سفر کے متعلق کچھ بتائیے؟ یہ حادثہ کیسے اور کب ہوا؟

**مولانا عطیہ قادری:** بغداد معلیٰ میں ہماری حاضری ہو چکی تھی اور اب ہم واپسی کی تیاری کر رہے تھے۔ اس لیے پروگرام یہ بنا کہ ہم

کچھ لوگ خانوادہ حضور غوث اعظم کے شہزادے شیخ المشائخ حضرت سید محمد توفیق الگیلانی سے ملاقات کے لیے ”ارنیل“ جائیں گے، جو بغداد سے تقریباً تین سو کلومیٹر کی دوری پر ہے اور بقیہ احباب طریقت بغداد سے براہ راست ہندوستان لوٹ جائیں گے، پھر ہم چند افراد ارنیل سے ہی دینی جائیں گے اور وہاں کچھ دن قیام کر کے انڈیا واپس ہوں گے۔ بغداد سے ارنیل کے راستے میں بہت سے اولیا اور مشائخ آرام فرما ہیں، ان کے مزاروں پر فاتحہ خوانی اور حاضری بھی ہو جائے گی۔ چنانچہ ۲ مارچ کو ہم پانچ لوگوں کا قافلہ، جس میں والد گرامی حضرت تاجدار اہل سنت، حضرت شیخ صاحب، حافظ عبدالقیوم قادری، حاجی اقبال اور میں بذریعہ دین، جو ۱۲ سیٹ کی تھی، صبح ساڑھے گیارہ بجے بغداد سے ارنیل کے لیے نکلے، جب کہ بقیہ تمام احباب طریقت واپسی کے لیے بغداد ایئر پورٹ چلے گئے۔

شیخ صاحب نے فرمایا کہ ”مجھے ۹ مارچ کو خوشتر صاحب کے ساتھ ایک سیمینار میں شرکت کے لیے بنارس جانا ہے، اس لیے میں دینی میں نہیں رکوں گا، دینی سے دہلی کے لیے ۶ مارچ کو میرا ٹکٹ کروادو۔“ ان کے حکم کے مطابق ایسا ہی کیا گیا۔

دین میں حضرت تاجدار اہل سنت کو سب سے آگے ڈرائیور کے پاس والی سیٹ پر بٹھایا گیا، اس کے پیچھے والی سیٹ پر شیخ صاحب اور حافظ عبدالقیوم صاحب ہو گئے، اس سے پیچھے والی سیٹ پر میں اور حاجی اقبال بیٹھ گئے اور اس سے پیچھے جو سیٹ تھی اس کو فولڈ کر کے وہاں پر سامان رکھ دیا گیا۔ اس طرح بغداد سے ہم لوگ روانہ ہوئے، راستے میں حضرت تاجدار اہل سنت بغداد کی گلیوں اور سڑکوں کے بارے میں بتاتے رہے کہ یہ فلاں سڑک ہے، اس پر فلاں بزرگ کا مزار ہے، یہاں سے تھوڑی دور پر جا کر فلاں شہزادے کا گھر ہے۔ بغداد شہر سے جب ہماری گاڑی نکلی تو شیخ صاحب دلائل الخیرات شریف پڑھنے میں مصروف ہو گئے۔ اس کے بعد وہ حدیث کے موضوع پر شیخ علی بن حمود الحربی الرفاعی کی دی ہوئی کتاب ”الاربعون النوویۃ“ کا مطالعہ کرنے لگے۔ ہم لوگ خاموش بیٹھے رہے، کچھ دیر کے بعد ہم لوگوں کو نیند کے جھونکے آنے لگے۔ بغداد شریف سے ۶۵/۷۰ کلومیٹر کی دوری پر ایک علاقہ ”باتوبا“ کہلاتا ہے، وہاں سے کچھ ہی آگے ہم لوگ نکلیں ہوں گے کہ اچانک ہماری گاڑی پر دائیں بائیں دونوں جانب سے فائرنگ

شروع ہو گئی، یہ عراقی وقت سے تقریباً دو سے ڈھائی بجے دوپہر کے آس پاس کا وقت ہوگا اور انڈیا میں شام کے ساڑھے چار سے پانچ بج رہے ہوں گے۔ کچھ لمحے کے لیے تو ہمیں سمجھ میں ہی نہیں آیا کہ کیا ہو رہا ہے، ہم لوگوں نے سمجھا کہ چون کہ گاڑی بہت اسپید سے چل رہی ہے، شاید اس کے انجن میں اسپارکنگ شروع ہو گئی ہے اور یہ چناخ چناخ کی آوازیں اسی سے آرہی ہیں، مگر اگلے ہی لمحے سمجھ میں آیا کہ ہم پر فائرنگ ہو رہی ہے، پھر اچانک حضرت کی آواز آئی ”گلتا ہے فائرنگ ہو رہی ہے، جھک جاؤ“ ہم سب لوگ بہت تیزی سے نیچے جھک گئے۔ اچانک میں نے محسوس کیا کہ گاڑی اور تیزی سے دوڑنے لگی ہے اور ڈرائیور گاڑی کو تھوڑا سا لہرا کر چلا رہا ہے تاکہ گولیوں کی زد سے بچا جاسکے۔ مگر اتنی دیر میں ہماری گاڑی پر سو سے زائد گولیاں آ کر لگ چکی تھیں۔ گاڑی کے پورے شیشے ٹوٹ کر گر چکے تھے، شیشوں کے چھوٹے ٹکڑے اور کرچیاں ہمارے سروں اور جسموں پر لگے ہوئے تھے۔ جب گولیوں کی آوازیں آنا بند ہو گئیں تو جھکے جھکے میں نے دیکھا کہ گاڑی کے فرش پر کافی مقدار میں خون ہے، جو بہہ کر ہماری طرف آرہا تھا۔ خون دیکھ کر میں نے سمجھا کہ حافظ عبدالقیوم صاحب کے پیر میں ٹوٹ کر شیشہ لگ گیا ہے، شیخ صاحب کا اتنا خون نکل نہیں سکتا کیوں کہ وہ اتنے کھیم کھیم نہیں ہیں، جب میں نے اٹھ کر دیکھا تو حافظ عبدالقیوم صاحب کی گود میں شیخ صاحب کا سر تھا اور حافظ صاحب کہہ رہے تھے کہ شیخ صاحب بیہوش ہو گئے ہیں، شیخ صاحب بیہوش ہو گئے ہیں۔

جہاں گولی چلی تھی، اتفاقاً وہاں سے ۶۰/۵۰ میٹر آگے پولس چیک پوسٹ تھی، ڈرائیور تیزی سے گاڑی چلائے جا رہا تھا، آگے جب چیک پوسٹ آگئی تو اس نے گاڑی روکی۔ ہمارے اوسان بحال نہیں تھے، کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا ہوا ہے، ہم نے پولیس والوں سے بتایا کہ ہمارے ساتھ ایسا ایسا ہوا ہے، وہیں ایسبولینس کھڑی تھی، وہ لائی گئی، ہمیں کچھ ہوش نہیں تھا اور نہ اب مجھے یاد ہے کہ ہم گاڑی سے کیسے اترے اور کیسے شیخ صاحب کو ایسبولینس میں رکھا گیا۔

**خوشتر نورانی:** اس وقت آپ لوگوں کو پتہ نہیں چلا تھا کہ شیخ صاحب کو گولی لگ گئی ہے؟

**مولانا عطیہ قادری:** ہاں! یہ تو پتہ چل گیا تھا کہ ان کو سر میں گولی لگ گئی ہے، کیوں کہ گولی کا نشان کسی پردہ رکھ رہا تھا، نشان بتا رہا تھا



کہ انہیں بہت طاقتور گولی لگی ہے اور کپٹی پر ایک طرف سے لگ کر دوسری طرف سے نکل گئی ہے۔ مگر ہمارے وہم و گمان میں نہیں تھا کہ وہ شہید ہو گئے ہیں اور نہ دل اس بات کو ماننے کو تیار تھا۔ ہم لوگ تو یہ سوچ رہے تھے کہ کسی طرح جلدی سے ہاسپٹل پہنچ کر فوراً آپریشن کرائیں گے تو شیخ صاحب صحیح ہو جائیں گے۔

مجھے یہ تو یاد نہیں کہ کیسے شیخ صاحب کو ایمبولینس میں ڈالا گیا اور کتنی دیر لگی، بس اتنا یاد ہے کہ بہت جلدی ہم لوگ ہاسپٹل پہنچ گئے، کیوں کہ ہاسپٹل ہائیوے کے کنارے ہی تھا، مگر بہت چھوٹا تھا۔ وہاں پہنچتے ہی پورا عملہ حرکت میں آ گیا۔ میں حضرت کو بھی سنبھالے ہوئے تھا۔ مجھے یاد ہے کہ ایمبولینس میں حضرت، شیخ صاحب کو مسلسل آوازیں دیتے رہے کہ بھیا! کچھ تو بولو؟ بابا کچھ تو کہو؟ آنکھیں کھولو، آخر تمہیں کیا ہو گیا بابا؟ (حضرت، شیخ صاحب کو پیار سے ”بھیا“ اور ”بابا“ کہتے تھے)

ہاسپٹل والے اسٹریچر پر لٹا کر شیخ صاحب کو اندر لے گئے، میں حضرت کو پکڑ کر ان کے ساتھ رک گیا، حافظ عبد القیوم صاحب شیخ صاحب کو لے کر اندر گئے، وہاں کے ڈاکٹروں نے انہیں دیکھتے ہی کہا: ”یہ تو شہید ہو گئے ہیں“ یہ سنتے ہی عجیب حال ہو گیا، ایسا لگا کہ کسی نے غبارے سے ہوا نکال دی ہو، کھڑے ہو رہے ہیں تو پیر تھر تھر کانپ رہے ہیں، کچھ بولنا چاہ رہے ہیں، مگر آواز نہیں نکل رہی ہے، حضرت کی بھی حالت اور کیفیت ناقابل بیان تھی۔ مگر میں دیکھ رہا تھا کہ عمر کے اس حصے میں جوان بیٹا اور وہ بھی ایسا بیٹا جوان کا ولی عہد ہے، ان کے خواہوں کی تعبیر ہے، ان کی آرزوؤں کا مسکن ہے، اپنے آباؤ اجداد کے علوم و معارف کا وارث و امین ہے، خانقاہوں کے لیے نمونہ عمل ہے اور جماعت اہل سنت کا قیمتی سرمایہ ہے، اس دنیا سے چلا گیا ہے، تاہم حضرت انتہائی صبر و ضبط کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ یہ اللہ والوں کی بات ہے ورنہ ایسے موقعوں پر انسان اپنا آپا کھو بیٹھتا ہے۔

حضرت اور حاجی اقبال کو اور مجھے تو کچھ نہیں ہوا مگر ہمارے حافظ عبد القیوم صاحب زخمی ہو گئے تھے، ایک گولی ان کے ہونٹ کے نیچے داڑھی کے پاس اور دوسری گولی سیدھے ہاتھ کے کندھے پر لگی تھی۔ کلانی اور بازو پر بھی زخم تھے۔ ان کی آنکھ پر بھی زخم تھا، گولی آنکھ کو چھوتے ہوئے نکل گئی تھی اور پوری آنکھ سوچ کر سرخ ہو گئی تھی۔ مگر وہ شیخ صاحب کے غم میں اپنی تکلیف بھول گئے۔ حافظ عبد القیوم صاحب کی ڈاکٹر سے اس

بات پر تکرار ہو رہی تھی کہ شیخ صاحب کو دیکھو، ان کو گولی لگی ہے، مگر اس نے کہا کہ نہیں، آپ کو لگی ہے ”یہ تو شہید ہو گئے“ ڈاکٹر بہت زبردستی پکڑ کر ان کو لایا، ان کے ہونٹ کے نیچے سے چھرے نکالے، چیک اپ کیا تو وہ خطرے سے باہر تھے۔

وہاں ہمارے ساتھ سب سے بڑا مسئلہ زبان اور اجنبیت کا تھا۔ وہ دیہاتی علاقہ تھا جہاں فصیح نہیں بولی جاتی، بلکہ ان کی اپنی مقامی زبان ہے، جو عربی کی بگڑی ہوئی شکل ہے، ہم ان کی زبان سمجھ نہیں پارہے تھے اور نہ وہ ہماری، تھوڑی بہت عربی میں بھی جانتا ہوں مگر مجھے اس وقت کچھ سمجھ میں ہی نہیں آ رہا تھا کہ میں ان سے کیا کہوں؟ کس کو فون کروں؟ کس سے مدد لوں؟ بغداد سے تو ہم اچھی طرح واقف تھے، مگر اس سنسان علاقے سے ہم بالکل بھی شناسا نہیں تھے، ہمیں تو یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ جہاں ہمارے ساتھ یہ حادثہ ہوا وہ کون سی جگہ تھی، بعد میں اس کی تفصیل معلوم ہوئی۔

**خوشتر نورانی:** جب آپ لوگوں کو یقین ہو گیا کہ شیخ صاحب شہید ہو چکے ہیں تو پھر آپ لوگوں نے کیا کیا؟

**مولانا عطیہ قادری:** سچ پوچھیے تو ہمیں اب بھی یقین نہیں آ رہا تھا کہ شیخ صاحب شہید ہو گئے ہیں، ہمیں لگ رہا تھا کہ یہ چھوٹا ہاسپٹل ہے اس لیے یہ ایسا کہہ رہے ہیں۔ اس لیے حافظ عبد القیوم صاحب نے مجھ سے کہا کہ درگاہ شریف فون کیجیے اور ان سے کہیے کہ ہیلی کاپٹر والی ایمبولینس لے کر آئیں، شیخ صاحب کا ہم بغداد شریف کے کسی بڑے ہاسپٹل میں علاج کرائیں گے۔ میں نے اور حافظ صاحب نے فوراً ٹور آپریٹر امین بھائی کو فون کیا، وہ بہت جلدی سے پورے گروپ کے ساتھ بغداد شریف ایئر پورٹ پر تھے، بلکہ ان کو بورڈنگ پاس وغیرہ بھی مل چکا تھا، ہم نے ان سے کہا کہ تم کسی بھی حال میں ایئر پورٹ سے باہر نکلو اور درگاہ شریف پہنچو، یہاں بہت سنگین مسئلہ ہو گیا ہے۔ بورڈنگ ہونے کے بعد باہر نکلنا ممکن نہیں تھا، مگر حضور غوث پاک کا کرم تھا کہ وہ ساری سیکورٹی سے نکل گئے، ایئر پورٹ کے سارے ذمہ داران ان کے ساتھ ہو گئے، ان کا سامان ہوائی جہاز سے نکالا گیا اور اس طرح وہ درگاہ شریف پہنچ گئے۔ مگر جب تک یہ یقین ہو چکا تھا کہ اب ہمارے شیخ صاحب ہمارے درمیان نہیں ہیں۔ یہ خبر جب بغداد پہنچی تو غوث پاک کا پورا خانوادہ زار و قطار رونے لگا اور سب لوگ جمع ہو گئے، درگاہ کا ہر خادم

یہاں تک کہ جو بھیک مانگنے والے ملنگ ہیں وہ تک رونے لگے اور ایک عجیب سا ناچھا گیا اور ہر شخص کی زبان پر یہی تھا کہ شیخ سالم کالڑ کا شہید ہو گیا۔ صاحب سجادہ حضرت پیر سید عبدالرحمن گیلانی نے ضروری کارروائی کے لیے فوراً احکامات جاری کیے اور مسلسل ہمارے رابطے میں رہے۔

اتنے میں وہاں پر کچھ پولس والے قانونی کارروائی مکمل کرنے کے لیے آگئے اور ایک ایسوی لینس میں شیخ صاحب کے جسد خاکی کو لیا اور ہمیں ساتھ لے کر ایک پولس چھاؤنی میں آگئے۔ وہاں کے انچارج نے ہم سے تفصیل معلوم کی اور اسے ایک کاغذ پر لکھ لیا اور ہم سے کہا کہ ہم بڑے شرم سار ہیں کہ ہم آپ کی کوئی مدد نہیں کر پائے، پھر ہم سے پوچھا کہ آپ لوگ کیا چاہتے ہیں؟ تو ہم نے کہا: ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہم بغداد شریف حضور غوث پاک کی درگاہ چلے جائیں تو اس نے کہا: ٹھیک ہے اس نے گاڑی منگائی، ہم سب لوگوں کو اس میں بٹھالا اور کہا کہ آپ لوگ بغداد جائیے، ہم اس شہید کو ہسپتال بھیج رہے ہیں، صبح ہم ان کو لے کر بغداد شریف آجائیں گے۔ شیخ صاحب کے جسد مبارک کو چھوڑ کر جانے کا دل نہیں چاہ رہا تھا، مگر ہم وہاں کے قانون سے مجبور تھے۔

ہم لوگ جب درگاہ شریف پہنچے تو حضرت پیر سید عبدالرحمن نے سب انتظام کر رکھے تھے اور ہمارے قیام و طعام اور تمام تر سہولیات کے لیے سب کو آرڈر جاری کر دیے تھے۔ انہوں نے حکومت کو خط بھی لکھ دیا تھا کہ سب کچھ صحیح طریقے سے ہو۔ درگاہ شریف میں ایک عجیب عالم تھا، ایسا بالکل نہیں لگ رہا تھا کہ ہم اپنے وطن میں نہیں ہیں۔ بدایوں میں جس طرح لوگ ہم سے تعزیت کرتے، ہمیں سنبھالتے، ہمارا خیال کرتے، بالکل اسی طرح لوگ ہم سے سلوک کر رہے تھے۔ ہر آدمی حضرت کو سنبھال رہا ہے، مجھے سنبھال رہا ہے، دعائیں کر رہا ہے حضرت پیر سید عبدالرحمن ہر ہر منٹ کی خبر لے رہے ہیں۔ وہاں سے لوٹتے ہی حضرت سیدھے حضور غوث پاک کی درگاہ کے اندر گئے اور جالی پکڑ کر صرف اتنا کہا کہ:

”آپ کا شکر یہ حضور، آپ نے میرے لڑکے کو گود لے لیا۔“

اور یہ کہہ کر چلے آئے۔ حضرت نے یہ بھی فرمایا کہ ”آج میں سمجھا کہ حضور غوث پاک کی نظر میں شیخ صاحب کا مقام مجھ سے بھی اعلیٰ ہے۔“ پھر اس کے بعد ضروری کارروائیاں شروع ہو گئیں۔

حضور سیدنا غوث پاک، ان کے خانوادے اور ان کے خدام

کے احسانات تو ہم پر ہیں ہی۔ ان کے علاوہ یہاں میں ایک شخصیت کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں، جنہوں نے ہم پر بہت احسانات کیے، وہ ہیں محترم عبدالحمین سبحانی۔ یہ ہندوستان کے ہی رہنے والے ہیں، مگر انہوں نے جامعہ صدام (بغداد) سے تعلیم حاصل کی اور اب تجارت کی غرض سے وہیں مقیم ہیں۔ انہیں جب خبر ہوئی تو شام کو ہی وہ درگاہ معلیٰ پہنچ گئے اور آنے سے پہلے ہی ہندوستانی سفارت خانے کو فون کر دیا اور حادثے کی تفصیل بتاتے ہوئے کہا کہ آپ فوراً اس پرائیکشن لیجیے، یہ ہندوستان کے بہت معزز ترین لوگ ہیں۔ سفارت خانے سے موصوف کے اچھے تعلقات تھے، اس لیے ہندوستانی سفیر مسٹر ریڈی کا میرے پاس فون آیا، انہوں نے تفصیل معلوم کی اور کہا کہ ”میں کہیں باہر جا رہا ہوں، اس لیے اپنے سیکریٹری مسٹر اشوک کو آپ کے پاس بھیج رہا ہوں، آپ بالکل فکر نہ کریں، انہوں نے یہ بھی بتایا کہ اس طرح کے حادثے میں نعرش ملنے میں وقت لگ جاتا ہے، اس لیے آپ اس کے لیے تیار رہیں، مگر ہم پوری کوشش کریں گے بہت جلد آپ کو نعرش مل جائے۔“ میں نے ان سے پوچھا کہ کتنا وقت لگے گا؟ تو انہوں نے بتایا کہ کم سے کم ایک ہفتہ اور زیادہ سے زیادہ تین ماہ۔ یہ سن کر ہم پریشان ہو گئے۔ وہاں کچھ لوگوں نے مجھ سے کہا کہ آپ کے وزراء سے تعلقات ہیں، آپ ہندوستان میں کسی منسٹری کو فون کیجیے، میں نے کہا کہ بچپن سے اب تک یہی سنتے اور پڑھتے چلے آئے ہیں کہ:

کیوں سائل بغدادی، ہو غیر سے فریادی

منگتے شہ جیلاں کے ہوتے نہیں ہرجائی

اور اب وقت پڑا تو در بدر دوسروں کے دروازے کھٹکھٹائیں؟ یہ کام حضور غوث پاک کے حوالے ہے، انہی کی سر زمین میں ہیں، وہ ان شاء اللہ مایوس نہیں کریں گے۔ اس سلسلے میں سبحانی صاحب نے بہت اہم رول ادا کیا، رات دیر تک بیٹھے، صبح جب سفیر کا سیکریٹری آیا تو ان کے ساتھ آئے، ہر جگہ انہوں نے ہماری ترجمانی کی، ہمارے ساتھ رہے، دوڑ دھوپ کرتے رہے، ان کی وجہ سے بہت ہمت رہی۔

ان کے علاوہ حضور غوث پاک کا پورا خانوادہ اور خدام اس کام میں لگ گئے، ان سبھوں کی کوششوں سے ہمارے شیخ صاحب کی نعرش ہمیں بہت جلد ۶ مارچ کو دوپہر تک مل گئی۔ شیخ صاحب کی میت کو لے کر ہم درگاہ شریف آگئے، درگاہ میں صاحب سجادہ حضرت پیر سید عبد

الرحمن گیلانی صاحب کی سخت ہدایت تھی کہ تدفین کے تعلق سے جیسا شیخ سالم چاہیں، ویسا ہی کرو۔

**خوشتر نورانی:** شیخ صاحب کی تدفین کے عوالے سے کچھ بتائیں؟ حضور غوث اعظم کے جوار میں جگہ کیسے ملی؟

**مولانا عطیہ قادری:** خوشتر صاحب! ایسا نہیں ہے کہ ہم لوگوں نے صاحب سجادہ حضرت پیر سید عبدالرحمن گیلانی سے وہاں تدفین کے لیے گزارش کی، بلکہ ہمارے حضرت والد ماجد نے جیسے ہی انھیں اس حادثے کی اطلاع دی، پیر صاحب نے فرمایا کہ ”تم فکر مت کرو، ہم ان کی آخری آرام گاہ اپنے خاندان کے مخصوص قبرستان میں بنائیں گے۔“ ہمیں تو وہم و گمان بھی نہیں تھا کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضور غوث پاک کے آستانے کے احاطے کے اندر جس قبرستان میں خانوادے کے شہزادے، متولیان اور سجادگان ہی مدفون ہیں وہاں شیخ صاحب کی آخری آرام گاہ بنے گی۔ اتنا بڑا اعزاز صرف انہی کے حصے میں آیا۔

درۂ شریف میں میت کو غسل دینے کا کمرہ ہے، وہاں شیخ صاحب کو غسل دیا گیا، بڑا نورانی چہرہ تھا، لگ ہی نہیں رہا تھا کہ انھیں گولی لگی ہے، بس ایسا لگ رہا تھا کہ گہری نیند سوری ہے، ہیں اور ابھی اٹھاؤ گے تو اٹھ جاؤ گے۔ ۵۵ گھنٹے بغلش ریفریجریٹر میں رکھی رہی، مگر اس کے باوجود جب غسل دے رہے تھے تو جسم بالکل تروتازہ لگ رہا تھا۔ غسل کے بعد جنازے کو تیار کیا گیا، حضور غوث پاک کی درگاہ کا خادم مخصوص عطر لے کر آیا جو عطر حضور غوث پاک کے مزار شریف پر لگایا جاتا ہے وہ ان کو لگایا گیا۔ اتفاق سے حیدرآباد سے کچھ لوگ زیارت کے لیے آئے ہوئے تھے، ان میں مولانا سید شفیع پاشا قادری حیدرآبادی برادر سجادہ حضرت لاابالی، کرنول اور بہت سے احباب اس موقع پر موجود تھے۔

پھر جنازہ لا کر اس مقام پر رکھ دیا گیا جہاں رکھ کر جنازے کی نماز پڑھائی جاتی ہے۔ اس وقت حضرت تاج دار اہل سنت نے درگاہ کے خادم سے فرمایا کہ ”میں یہ چاہتا ہوں کہ جب نماز ہو جائے اور ہم تدفین کے لیے جائیں تو اسید الحق کا جنازہ غوث اعظم کے قدموں میں پائنتی لے جا کر رکھ دوں۔“ یہ سن کر وہ گھبرا گئے، کیوں کہ وہاں ایسا ہوتا ہی نہیں ہے اور آج تک کسی صاحب سجادہ کے جنازے کو بھی اندر نہیں لے جایا گیا۔ خادم نے کہا کہ یہ اس کے اختیار سے باہر کا معاملہ ہے، پھر یہ بات حضرت نے درگاہ کے منیجر سے کہی تو انھوں نے فوراً جواب دیا کہ

”آپ جیسا چاہتے ہیں، کریں، آپ کو کسی چیز کے لیے منع نہیں ہے۔“ اس کے لیے ہمیں خاص ہدایتیں دی گئی ہیں۔

۶ مارچ ۲۰۱۲ء کو حضور تاج دار اہل سنت نے عصر کے بعد درگاہ شریف میں شیخ صاحب کی نماز جنازہ پڑھائی۔ جنازے میں بغداد کے علما، مشائخ، درگاہ شریف کے سارے خدام، خانوادے کے شہزادگان اور سیکڑوں حاضرین موجود تھے۔ جنازہ تیار کرنے سے پہلے ایسا لگ رہا تھا کہ ایک میت ہمارے ساتھ ہے، مگر جب جنازہ تیار کر کے نماز پڑھنے کے لیے لائے تو ایسا لگ رہا تھا جیسے کسی دولہا کو لے کر جا رہے ہیں اور ہمارے بدایوں میں ایک رواج یہ بھی ہے کہ دولہا بنانے کے بعد دو رکعت شکرانے کی نفل مسجد میں لے جا کر پڑھائی جاتی ہے اور اس کے بعد بارات روانہ ہو جاتی ہے۔ بالکل ایسا ہی لگ رہا تھا۔ نماز جنازہ کے بعد جنازہ اٹھا کر پائنتی کی طرف سے ہم لوگ درگاہ شریف کے اندر داخل ہوئے، اس وقت درگاہ سے سب کو باہر نکال دیا گیا، اس کے بعد شیخ صاحب کو حضور غوث پاک کے قدموں میں لے جا کر رکھا گیا اور پھر سلام پڑھا گیا:

میرے پیران پیر سلام علیک  
اے میرے دستگیر سلام علیک

پھر وہاں سے اٹھا کر دوسرے دروازے سے باہر لے گئے اور پھر قبرستان کی طرف آئے، قبرستان درگاہ کے احاطے میں ہے اور حضور غوث پاک کے گنبد کے بالکل پیچھے ہے۔ گنبد اور قبرستان کے درمیان صرف ایک دیوار کا فاصلہ ہے۔ قبرستان میں جنازہ رکھا گیا، قبر تیار تھی میں قبر میں اترا اور میرے ساتھ قبرستان کا خادم بھی قبر میں اترا، ہم لوگوں نے شیخ صاحب کو قبر میں رکھا۔ اس موقع پر حضرت نے فرمایا کہ شجرہ نہیں ہے، ورنہ اسے قبر میں رکھ دیا جاتا، اس پر میں نے کہا کہ:

”شجرہ میں بتیس صفحے ہیں اور یہ دس قدم کی دوری پر ہے، بتیس صفحوں کی کیا زحمت کریں گے؟ دس قدم پہ وہی موجود ہیں، ان کے قدم کا سایہ ہے، جب سورج نکلتا ہے تو گنبد کا سایہ شیخ صاحب کی قبر پر پڑتا ہے۔“ خیر جنازہ قبر میں اتارا گیا اور مٹی وغیرہ دی گئی پھر اس کے بعد فاتحہ ہوئی، تلقین ہوئی، اور سورہ یٰسین وغیرہ پڑھی گئی جو وہاں کا معمول ہے۔ اور حضرت پیر سید ابراہیم الگیلانی رضی اللہ عنہ کے مزار پر جو چادر پچھلے ایک سال سے تھی، اسے اتار کر خادم نے دی اور وہ شیخ صاحب کی



سنت و جماعت کو جو نقصان پہنچا ہے وہ ناقابل تلافی ہے۔ یہ بہت ہی صبر آزما اور مشکل گھڑی ہے۔ آپ سے ان کو بڑی محبت اور توقعات تھیں، ہم جاننا چاہیں گے کہ خانقاہ قادریہ کی تشکیل نو کا جو خواب انہوں نے دیکھا تھا، وہ کس طرح مکمل ہوگا اور آپ کے عزائم کیا ہیں؟

**مولانا عطیہ قادری:** دیکھیے! یہ وقت تو ایسا نہیں ہے کہ میں کچھ

بیان کروں؟ اس صدمے سے ابھی ہم سب ابھر نہیں پائے ہیں، آپ کی بھی ابھی یہی حالت ہے۔ یہاں صرف اتنا کہنا چاہوں گا کہ ہماری خانقاہ یا ہم لوگوں نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ ہم اپنے بل بوتے پر کھڑے ہیں، ہم نے ہمیشہ یہی کہا کہ ہم اللہ کے فضل، حضور شمس مارہرہ اور حضور غوث اعظم کے بل بوتے پر ہیں۔ شیخ صاحب اکثر یہ شعر انہی دونوں بزرگوں کی طرف اشارہ کر کے پڑھا کرتے تھے:

پورے قد سے جو کھڑا ہوں یہ عنایت ہے تری

مجھ کو جھکنے نہیں دیتا ہے سہارا تیرا

حضور غوث اعظم اور حضور شمس مارہرہ کی نظر اور عنایات رہیں گی تو ان شاء اللہ شیخ صاحب کا چھوڑا ہوا مشن جاری رہے گا۔

رہا میرا معاملہ تو میں خاک کا ایک ذرہ ہوں اور وہ ایک درخشاں و تابندہ علم کا سوزج تھے، مگر جو بھی خانقاہ کے عزائم اور اس کا مشن ہے، میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ وہ رکے گا نہیں۔ خواہ وہ تصنیف و تالیف کا ہو یا تحقیق و اشاعت کا یا پھر تعمیر و تشکیل کا۔ شیخ صاحب نے ایک اچھی ٹیم بنائی ہے، وہ ٹیم یہاں موجود ہے۔ میں اسی ٹیم کا حصہ ہوں، ان شاء اللہ یہ سلسلہ جاری و ساری رہے گا۔

شیخ صاحب کی کمی تو ہم پوری نہیں کر سکتے، مگر ہمارے اکابر اور مرشدان مارہرہ کی نگاہ رہی، جیسا کہ ہمیشہ رہی ہے تو یہ مرحلہ شوق بھی طے ہوتا رہے گا۔ آپ خود کہتے ہیں کہ شیخ صاحب ایک شخصیت نہیں، بلکہ تحریک تھے، ان شاء اللہ وہ تحریک زندہ رہے گی۔ ہم نے عہد کیا ہے کہ ہر سال ہم بغداد شریف جاتے ہیں تو غوث پاک کے لیے چادر لے جاتے ہیں، مگر ہم اپنے شیخ صاحب کے لیے ہر سال کم از کم دس کتابیں لے جایا کریں گے۔ وہ علم و فن کے شیدائی تھے اور اپنی عظمت رفتہ کی بازیابی کے خواہاں تھے، یقیناً ان کی روح اس سے خوش ہوگی۔

**خوشتر لورانی:** آپ کا بے حد شکر ہے۔

□□□

یہاں میں یہ عرض کر دوں کہ آپ کے جنازے پر وہاں کے علماء و مشائخ سے ملاقات ہوئی تو وہ حیرت کا اظہار کر رہے تھے کہ شیخ صاحب کو یہاں کیسے جگہ مل گئی! وہاں کے مشائخ تمنا کرتے ہیں کہ یہاں دفن کے لیے جگہ مل جائے مگر انہیں نہیں ملتی۔ وہ لوگ کہنے لگے کہ یہ شہید نہیں بھی ہوتے تو ان کے لیے اس مٹی میں دفن ہونا کافی ہوتا۔

اب میں یہاں ایک بات عرض کرنا چاہتا ہوں کہ شیخ صاحب کو مجھ سے زیادہ آپ جانتے ہیں، زندگی میں ان کو ان کے کارناموں کی وجہ سے شیخ صاحب کو ہر لقب مل چکا تھا۔ وہ مدرسے میں پڑھاتے تھے، اس لیے مدرس تھے، وہ کتابیں لکھتے تھے، اس لیے مصنف تھے، وہ بے مثل خطاب کرتے تھے، اس لیے خطیب تھے، وہ یہاں ہمیشہ نماز پڑھاتے تھے، اس لیے امام تھے، وہ پرہیزگار اور دین دار تھے، اس لیے مفتی تھے، حدیث اور تفسیر پر ان کی گہری نظر تھی، اس لیے محدث اور مفسر تھے۔ اسی طرح وہ حافظ تھے، قاری تھے، شاعر تھے، متکلم تھے اور مفتی تھے۔ بس ایک لقب باقی رہ گیا تھا، شہادت سے سرفراز ہو کر وہ 'شہید' بھی ہو گئے۔

**خوشتر لورانی:** کیا شہید بغداد پر ہونے والا یہ حملہ منصوبہ بند تھا؟

**مولانا عطیہ قادری:** مجھے نہیں لگتا کہ یہ حملہ کسی خاص پلاننگ

کے تحت ہونے والا حملہ تھا، واقعہ یہ ہے کہ ایسے سانحے عراق میں ہر دن پیش آتے رہتے ہیں، خود اسی شام کا واقعہ ہے کہ ایک پولس چوکی پر حملہ کر کے دہشت گردوں نے ۹ پولس والوں کو شہید کر دیا۔ معاملہ یہ ہے کہ عالم اسلام کے دیگر ممالک کی طرح مسلکی منافرت وہاں بھی اپنی انتہا پر ہے اور حکومتی نظام مستحکم نہ ہونے کے سبب یہ مسلکی منافرت وہاں قتل و غارت کی صورت اختیار کر گئی ہے، بلکہ بعض دفعہ اس طرح کے حادثات میں کہیں نہ کہیں پولس کی سازش بھی شامل ہوتی ہے۔ خود اس سانحے کے حوالے سے ہمارے بعض احباب کو اس کا خدشہ ہے۔ خلاصہ یہ کہ ہمارے اندازے کے مطابق شیخ صاحب کو جان بوجھ کر نشانہ نہیں بنایا گیا ہے، حقیقت کیا ہے یہ تو اللہ ہی کو معلوم ہے۔ ویسے اس معاملے کو کرید کر کیا فائدہ؟ جو ہونا تھا وہ تو ہو چکا ہے۔ بس دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ عالم اسلام پر خاص فضل و کرم فرمائے اور مسلمانوں کو تدبیر، علم، بصیرت اور شعور عطا کرے اور انہیں پر امن زندگی کی توفیق بخشے۔

**خوشتر لورانی:** ان کی شہادت سے خصوصاً خانقاہ قادریہ اور عموماً اہل

## مجلس فقہ و تصوف کا شہر یار وہی

اذن ہوگر تو میں اک قصہ جاں کاہ لکھوں  
دل غمناک سے اٹھتی ہوئی اک آہ لکھوں

صف ماتم ہے کبھی، ہاے وہ کیا دور ہوے  
بڑا دل کش، بڑا پر کیف، بڑا اُجلا تھا  
مسکرا بھی نہ سکی ہاے کہ مرجھا ہی گئی  
اُس کی خوش بو میں مہکتی رہیں ملکوں ملکوں  
علم و حکمت کی ہر اک شاخ پہ اُس کا حق تھا  
وہ مدرس بھی، مصنف بھی، مدبر بھی تھا  
ناقد باصر و ممتاز محقق بھی تھا  
اہل سنت کا وہ اک قافلہ سالار بھی تھا  
پیکر خلقِ حسین، حامل تقویٰ بھی تھا  
مجلس فقہ و تصوف کا شہر یار وہی  
اُس کی تقریر سے بے ڈھنگوں کو جینا آجائے  
ہاں، اُسے کشتی ملت کا تمہاں کہیے  
خضر راہی جماعت کا ہنر ہو جس میں  
جس سے نسلوں کو ضیاء ملتی وہ مشعل نہ رہی  
ظلمتیں چھانٹ کے رکھ دیں وہ اُجالے نہ رہے  
اے مرے غوث اُسے آپ نے بھی اپنایا  
بخت کے مارے بے چاروں کا بھلا کیا ہوگا!  
ملتمس ہم بھی ہیں یوں آپ سے صد عجز و نیاز

درد سے خامہ و احساس کبھی چور ہوے  
پردہ عام پہ اک نقش ابھی اُبھرا تھا  
اک کلی ایسی کھلی اپنے شجر سے تو سہی  
اُس کے انوار برستے رہے ساون بھاڈوں  
وہ کوئی اور نہیں، میرا اُسید الحق تھا  
وہ محدث بھی تھا، حافظ بھی، مفسر بھی تھا  
نازش شعر و ادب، بزم کی رونق بھی تھا  
جو ولی عہد و ولی زادہ و معمار بھی تھا  
جو مزکنی و مجتبیٰ و مصطفیٰ بھی تھا  
محفل علم و عمل میں تھا ضیا بار وہی  
اُس کی تحریر سے باطل کو پسینہ آجائے  
اہل سنت و جماعت کی اُسے جاں کہیے  
رہ گیا کون کہ دم ختم ہو، اثر ہو جس میں  
ہاے افسوس جماعت میں وہ ہل چل نہ رہی  
ایسے بے لوٹ، خدا ترس جیالے نہ رہے  
کل جماعت کا جو تھا سب سے گراں سرمایہ  
ہم سے بے نور چراغوں کا تو اب کیا ہوگا!  
پچھڑے محمود کو کیا چاہیے، بس اُس کا ایاز

غوثِ اعظم بننے بے سروسامان مددے

قبلہ دیں مددے کعبہ ایمان مددے

محمد افروز قادری چریاکوٹی

دلاص یونیورسٹی، کیپ ٹاؤن (افریقہ)

(۲)

---

**خَالَةُ دُرْد**

---



# نالہ درد

## عالم ربانی کی شہادت پر اہل خانقاہ کے کلمات رنج و غم

شہید بغداد، عالم ربانی مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری رحمۃ اللہ علیہ کی اچانک شہادت سے ملک و بیرون ملک ارباب علم و فکر اور اصحاب شریعت و طریقت کی مجلسوں میں ماتم کا سماں بندھ گیا۔ خانقاہ قادریہ بدایوں اور دفتر ماہنامہ جام نور دہلی میں ہر طرف سے تعزیتی فون، ای میل، ایس ایم ایس اور خطوط آنے لگے، ان میں سے مشائخ کی چند منتخب تحریریں یہاں حاضر کی جاتی ہیں۔ (ادارہ)

**دنیا نے سنیت کا ایک بڑا محقق ہمارے درمیان سے چلا گیا**

### امین ملت پروفیسر سید محمد امین میاں قادری برکاتی

سجادہ نشین: خانقاہ برکاتیہ، مارہرہ مطہرہ، ایٹہ (یوپی)

۴ مارچ ۲۰۱۳ء یہ ایسی تاریخ ہے جو تا عمر یاد رہے گی۔ میں اپنے چیک اپ کے لیے دہلی میں تھا۔ شام کو عزیزم احمد مجتبیٰ صدیقی کا فون علی گڑھ سے آیا، وہ بہت شدت سے رو رہے تھے، بمشکل انہوں نے یہ اطلاع دی کہ بغداد شریف کے پاس ”بھیا“ دہشت گردوں کا شکار ہو گئے۔ میں نے پوچھا کہ اسید میاں بخیر ہیں؟ تو احمد نے بتایا کہ یہ ابھی تک معلوم نہیں ہوا۔ مجھے دہلی میں رات گزارنا مشکل ہو گیا، مختلف ممالک سے فون کر کے اسید میاں کے بارے میں معلوم کرنا اور دعا کرتا جاتا تھا کہ سامنے سے جواب آجائے کہ اسید میاں زخمی ہیں اور ایک آدھ ہفتے میں صحت یاب ہو جائیں گے، مگر افسوس کہ ہر جگہ سے شہادت کی ہی اطلاع ملی۔ سارے مناظر آنکھوں کے سامنے گھومنے لگے، جب بھی ملاقات ہوتی تو فوراً قدم بوسی کے لیے جھک جاتے، میں باہیں پکڑ کر اٹھاتا اور اپنی کبیدگی کا اظہار کرتا تو جواب ملتا کہ حضرت ہمارے موروثی حق سے محروم نہ کریں۔

شمس مارہرہ سیدنا ابوالفضل شمس الدین آل احمد اچھے میاں قدس سرہ العزیز کے بہت چہیتے خلیفہ حضرت شاہ عین الحق مولانا عبد الجید قادری برکاتی آل احمدی کے باغ کے شگفتہ پھول اس راہ پر چل دیے جس پر آگے پیچھے سب کو جانا ہے۔ فارسی والا خوب کہہ گیا:

اے تماشا گاہ عالم روئے تو کجا بہر تماشا می روی

حضرت مولانا عبدالغنی علیہ الرحمہ سے مولانا عین الحق عبد الجید علیہ الرحمہ نے فرمایا ”ہمیں ایک مرشد کامل سے بیعت ہوتا ہے“ مولانا عبدالغنی صاحب، حضور اچھے میاں کے مرید و خلیفہ تھے، انہوں نے کہا چلو ہم اپنے پیر و مرشد سے ملا لائیں۔ دونوں مارہرہ مطہرہ حاضر ہوئے، کچھ دیر قیام کیا، مولانا عبدالغنی علیہ الرحمہ نے پوچھا کہ بتائیے آپ کا کیا ارادہ ہے؟ مولانا عین الحق عبد الجید بدایونی نے کہا ”صاحب یہاں بھی اونچی دکان اور پھیکا پکوان ہے۔ ہمیں اب مرید نہیں ہونا۔“ رات کو سرکار غوث اعظم کی زیارت ہوئی، سرکار نے مولانا عبد الجید کا ہاتھ پکڑ کے شمس مارہرہ کے ہاتھ میں دے دیا، اب تو حضرت کا یہ عالم تھا کہ جلد از جلد مرشد سے ملاقات ہو۔ خیر ملاقات ہوئی تو سرکار اچھے میاں نے فرمایا کہ مولوی صاحب ہمارے پاس کیا رکھا ہے، یہاں تو اونچی دکان پھیکا پکوان ہے۔ مولانا عبد الجید صاحب حضور اچھے میاں سے لپٹ گئے، مرید کر کے خلافت عطا فرمائی اب تو یہ حال کہ مولانا، مرشد برحق کے قدموں سے دور جانا گوارا نہیں کر رہے ہیں۔ مرشد حکم دیتے کہ تم پر بوسی کے حقوق بھی ہیں، جاؤ مدینہ الاولیاء بدایوں شریف۔ چند روز بعد حضور اچھے میاں دیکھتے ہیں کہ مولانا بدایوں سے واپس آگئے اور قدم بوسی کر رہے ہیں۔

حضرت مولانا فضل رسول بدایونی علیہ الرحمہ اپنے وقت کے بڑے عالم تھے اور وہابیہ کا پہلا رد تحریری طور پر انہوں نے ہی کیا ہے۔ ان کے

فرزند حضور تاج الفحول مولانا شاہ عبدالقادر بدایونی علیہ الرحمہ جن سے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے نہایت عقیدت مندانہ تعلقات تھے، انہوں نے دیوبندیوں اور اس دور کے فتنے ”ندوہ“ کا زور دار رد کیا۔ والد ماجد حضور احسن العلما نے بہت سے واقعات بتائے جو میرے سینے میں محفوظ ہیں۔ فاضل بریلوی اپنے مشہور قصیدے میں لکھتے ہیں:

ندوی گھبراتے ہیں کہ دوہی تو ہیں اسد احمد رضا محبت رسول

اور وہ مشہور شعر:

میں بھی دیکھوں جو تو نے دیکھا ہے روز سعی صفا محبت رسول

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر علیہ الرحمہ میرے مرشد تاج العلما سید شاہ اولاد رسول محمد میاں علیہ الرحمہ کے استاذ معظم تھے۔ اسید میاں اسی خاندان کے چشم و چراغ تھے، خاندانی علم، خواجہ علم و فن حضرت خواجہ مظفر حسین کی شاگردی اور ازہر شریف کا قیام، گویا سونے پہ سہاگا۔ ان کی میت، اسپتال سے دو دن بعد ملی اور ان کو سرکار غوث اعظم کے خاندانی قبرستان میں جگہ ملی اور وہ بھی اس جگہ جہاں کئی دن پہلے اسید میاں فاتحہ خوانی کر رہے تھے۔ ہم چاروں بھائی ایک ساتھ کہیں نہیں جا پاتے، مگر یہاں یہ معاملہ تھا کہ اس شخص سے تعزیت کرنے کے لیے بدایوں شریف ہم سب کو جانا ہے اور اس شخص کو سلی دینا ہے جو ایک دن قبل دنیا کا بہت بڑا وزن اپنے کاندھوں پر رکھ کر آخری منزل پہنچا چکا ہے۔ واقعی جو ان بیٹے کا جنازہ بوڑھے باپ کے کاندھوں پر دنیا کا سب سے بڑا بوجھ ہے، برادر بجاں برابر سید محمد اشرف، سید محمد افضل، سید نجیب حیدر برخوردار سید محمد امان، سید محمد عثمان، سید حسن حیدر، مولوی محلہ، حضرت سالم میاں صاحب کے گھر پہنچے۔ واقعی سالم میاں صاحب صبر و استقامت کا پہاڑ بنے ہوئے اس غم کو اندر ہی اندر پی رہے تھے۔ سالم میاں صاحب کو ہم سب کے جانے سے بڑی ہمت ملی، لیکن یہ غم تو وہ ہے جو ساری عمر بھلایا نہیں جاسکتا:

دے صورتیں الہی کس دیس بستیاں ہیں اب جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترستیاں ہیں

دنیاے سنیت کا ایک بڑا محقق، مصنف، نقاد، مؤلف ہمارے درمیان سے چلا گیا:

مت سہل انہیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

یہ میرے دلی تاثرات ہیں جو فی البدیہہ تحریر کیے ہیں، اللہ تعالیٰ پورے خانوادے کو صبر جمیل کامل عطا فرمائے، اسید میاں کی والدہ ماجدہ اور بیگم (جو ہماری بھتیجی بھی ہیں) عطیف میاں، عزام میاں کو وہ قوت عطا فرمائے جو اس کی شان کے مطابق ہو:

جان کر منجملہ خاصان میخانہ مجھے مدتوں رویا کریں گے جام و پیانہ مجھے

اللہ بس باقی ہوس۔ و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین۔

□□□

**خانقاہ برکاتیہ اپنے چہیتے اور روحانی فرزند سے محروم ہو گئی**

**رفیق ملت حضرت سید نجیب حیدر نوری**

سجادہ نشین: مسند نوریہ، خانقاہ برکاتیہ، مارہرہ مطہرہ، ایٹہ (یوپی)

میں کیا لکھوں اور کیسے لکھوں سمجھ کام نہیں کر رہی، بس آنکھوں میں اسید میاں کی تصویر گھوم رہی ہے، ان کا مسکراتا ہوا باادب چہرہ میرے خیالوں میں ہے، پہلے میں انہیں ”بھیا“ ہی کہتا تھا لیکن ملاقاتوں کے بعد دل چاہا کہ شیخ صاحب ہی پکاروں کیونکہ یہ لفظ ان پر چلتا تھا اور وہ اس کے اہل بھی تھے۔ ہم سے محبت کرتے اور ہمارے اپنے بچوں کی طرح ہماری عزت بھی۔ کبھی بھی کوئی کام ہم نے شیخ صاحب سے کہا یا احمد میاں کے ذریعہ کہلویا تو منع کا تو کوئی سوال ہی نہیں بس فوراً لبیک کہتے ہوئے نظر آتے۔ ان کی شہادت نے ہم سب کو ہلا کر رکھ دیا، ایسا لگا کہ کوئی زلزلہ سا

آ گیا۔ نہ دل یہ بات تسلیم کرتا تھا نہ دماغ کہ کل تک ہنسنے، بولنے، کہنا ماننے والا شریف النفس عالم دین اور مارہرہ کا چاہنے والا ہمیں چھوڑ کر اس طرح اچانک چلا جائے گا۔

میری ان سے ملاقاتیں تو بہت نہیں ہوئیں لیکن پتا نہیں کیوں ان سے بہت محبت ہو گئی تھی جس کا احساس ان کے وصال کے بعد ہوا، میں اب بھی اچانک بیٹھے بیٹھے آبدیدہ ہو جاتا ہوں کہ کیسا کام کا آدمی ہم نے گنوا دیا، اللہ کے حکم کے آگے چارہ نہیں لیکن دل ہے کہ اس کو قرار نہیں آتا ہے۔ جب بھی میں بدایوں شریف حاضر ہوتا تو ان کی خوشی کا ٹھکانہ نہیں رہتا تھا، اپنے آبا کی کرسی پر مجھے بٹھا کر اپنے مدرسے کے بچوں کو لائسن میں لگوا کر مجھ سے مصافحہ کرواتے اور دور کھڑے مسکراتے رہتے۔ مارہرہ آتے تو ۲ یا ۳ گھنٹے کے لیے ہوائی گھوڑے پر سوار ہو کر نہیں آتے بلکہ باقاعدہ دو دن قیام کرتے، عطیف میاں بھی ساتھ ہوتے۔ ان کے لیے امی کے گھر کا کمرہ مخصوص تھا، ان کے قیام مارہرہ میں نے ہمیشہ ان کو بہت خوش دیکھا جیسے کہ وہ اپنے گھر میں ہوں۔ آخری ملاقات عرس قاسمی پر ہوئی تھی میں عزیز میاں احمد میاں کے ہمراہ شیخ المشائخ سید محمد توفیق الگیلانی کے استقبال کے لیے بیرون مارہرہ حاضر ہوا، اور وہ شیخ المشائخ کے ہمراہ آئے میں نے محسوس کیا مجھے وہاں استقبال میں دیکھ کر وہ بہت جذباتی ہو رہے تھے اور خوش بھی۔

اسید میاں خاندان عثمانیہ کے چشم و چراغ بھی تھے اور ہمارے خاندان کے بے حد لاڈلے اور چہیتے روحانی فرزند بھی تھے۔ وہ خانقاہ برکاتیہ کے ان چند مخلصین میں تھے جو قول و عمل سے برکاتی مشن کو تقویت پہنچاتے ہیں۔ میں نے ان کو کئی مرتبہ خواب میں دیکھا اور ہر بار ایسا دیکھا کہ وہ کہیں نہ کہیں خانقاہ کی ہمدردی میں کھڑے ہیں۔ حضرت شیخ سالم میاں صاحب دامت برکاتہم کا یہ غم ہم سب بھائیوں نے ذاتی غم کی حیثیت سے لیا، میں نے اپنے برادر محترم سید محمد افضل میاں کی آنکھ میں بڑے بڑے گریلو غموں میں بھی آنسو نہ دیکھے لیکن جب وہ بدایوں حاضر ہوئے تو حضرت سالم میاں صاحب سے مل کر وہ بھی آنسوؤں پہ قابو نہ پاسکے۔ شیخ صاحب غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے سچے عاشق تھے اسی لیے غوث اعظم نے اپنے رب سے انہیں اپنے شہر کے لیے مانگ لیا۔ باقی رہے نام اللہ کا۔ ہم سب ان کی علمی، دینی، مذہبی اور روحانی خدمات کے کل بھی قائل تھے، آج بھی ہیں اور مستقبل میں بھی رہیں گے۔ شمس مارہرہ کی نگاہ کرم کل بھی خانقاہ قادریہ پر خاص تھی اور ان شاء اللہ ہمیشہ رہے گی۔ امید ہے اسید میاں کے بعد عطیف میاں اور عزام میاں اس عثمانی قادری وراثت کو چار چاند لگائیں گے اور اپنے والد ماجد کو سرخرو کریں گے۔

میں دعا کرتا ہوں اللہ رب العزت بہ طفیل سید عالم ﷺ ہمارے عزیز روحانی بیٹے مولانا اسید الحق قادری برکاتی رحمۃ اللہ علیہ کی قبر مبارک پر اپنے نور کی تجلیاں فرمائے اور ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، ان کے چھوڑے ہوئے مشن کو پورا فرمائے، حضرت شیخ سالم میاں صاحب اور تمام پسماندگان کو صبر جمیل کامل عطا فرمائے، آمین۔

□□□

### جماعت اہل سنت کا ایک ناقابل تلافی نقصان

#### ملتی محمد عید الرحمن رشیدی

سجادہ نشین: خانقاہ عالیہ رشیدیہ، جون پور شریف (یوپی)

عزیزی مولوی ابرار رضا مصباحی سلمہ کی زبانی معلوم ہوا کہ عزیز گرامی مولانا اسید الحق قادری بدایونی عراق میں شہید کر دیے گئے۔ پل بھر کے لیے مجھے یقین نہیں ہوا، مگر قدرت الہی کے آگے کس کی چلی ہے؟

اذا جاء اجلهم لا يستقدمون ساعة ولا يستأخرون۔ (جب کسی کی موت آتی ہے تو نہ پل بھر پہلے آتی ہے اور نہ پل بھر دیر سے) مولانا اسید الحق غفر اللہ لہ نے جس جوش اور ولولے سے اپنے اکابر و اسلاف کی علمی و دینی خدمات کو منظر عام پہ لانے اور نوجوان علما کے اندر تحقیقی ذوق اور مزاج پیدا کرنے کا سلسلہ شروع کیا تھا، وہ قابل رشک اور لائق صد تحسین تھا اور اہل علم و دانش کے نزدیک بھی ان کی قدر و اہمیت



تھی اور ملی و مذہبی امور کی بہتر انجام دہی کے لیے مستقبل میں ان سے بڑی امیدیں وابستہ تھیں۔ چنانچہ مولانا کا جانا جہاں اہل خانہ اور احباب و متعلقین کے لیے عظیم دکھ کا سبب ہے وہیں جماعت اہل سنت کا بھی ایک ناقابل تلافی نقصان ہے، نیز یہ مقام شکر ہے کہ وہ دنیا میں رہے تو انعام الہی کے ساتھ، دنیا سے گئے تو انعام الہی کے ساتھ اور دو گز زمیں پائی بھی تو انعام الہی کے ساتھ:

ایں سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

آپ اس وقت جس قدر سخت آزمائش میں ہیں، اس سے نکلنا بڑا مشکل ہے، لیکن صبر و ضبط کے سہارے اس بحرِ غم کے موج پر بھی قابو پایا جاسکتا ہے: فصبر جمیل واللہ المستعان۔ (صبر بہتر ہے اور اللہ ہی مددگار ہے) اللہم ہب لنا ولکم الصبر الجمیل۔

(مکتوب بنام: حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری)

□□□

### سنیت کا ناقابل تلافی نقصان

#### حضرت سید شاہ نواز الدین اشرف جیلانی

سجادہ نشین: آستانہ اشرفیہ، درگاہ کچھوچھو شریف بسکھاری، ضلع امبیڈ کرنگر

اخبار کے ذریعے معلوم ہوا کہ مولانا سید الحق کو شہید کر دیا گیا، جس کا بے حد افسوس ہے۔ میں آپ کے غم میں برابر کا شریک ہوں۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ مولانا کے انتقال سے سنیت کا ناقابل تلافی نقصان ہوا۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجے کو بلند کرے اور پسماندگان کو صبر و استقامت کی توفیق فرمائے۔ آمین۔ (مکتوب بنام: حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری)

□□□

### خانقاہ عارفیہ میں ماتم کا ماحول

#### شیخ ابوسعید شاہ احسان اللہ محمدی منوی

سجادہ نشین: خانقاہ عارفیہ، سید سراواں، الہ آباد (یوپی)

شہید بغداد مولانا سید الحق عاصم قادری میرے دل سے قریب تھے۔ موجودہ علما میں جن کو میں بہت زیادہ پسند کرتا تھا، ان میں وہ ایک نمایاں حیثیت کے مالک تھے۔ اللہ کے فیصلے پر مجال دم زدن نہیں، لیکن بشری تقاضے کے سبب ان کے جانے کا بڑا افسوس رہا۔ ان سے مجھے بڑی امیدیں وابستہ تھیں۔ میں نے ان کے اندر علمی گہرائی کے ساتھ ادب اور تقویٰ بھی پایا۔ مولانا مرحوم و مغفور ہماری خانقاہ میں کئی بار تشریف لائے تھے۔ مجھے ان کی تحریر بھی پسند تھی اور تقریر بھی، ان کا ظاہری حسن بھی مجھے پسند تھا اور ان کے باطنی کمالات بھی قابل تحسین تھے۔ میں نے انہیں قال و حال کا جامع پایا جو موجودہ علما میں عام طور پر مفقود نظر آتا ہے۔

فقیر سے ملاقات کے دوران موصوف نے کئی بار اس کا اظہار کیا تھا کہ کئی الجھنیں ایسی ہیں جن کا ازالہ تحقیق و مطالعے سے اب ممکن نظر نہیں آتا، ان کے لیے فقط دعائیں درکار ہیں۔ میں ان کے لیے آں موصوف سے ذاتی ملاقات چاہتا تھا، لیکن افسوس کہ اس کے لیے موقع نہیں مل سکا اور آئندہ ملنا ناممکن ہو گیا۔ مولانا سید الحق قادری فقیر سے بڑی محبت فرمایا کرتے تھے۔ بڑے ادب اور سلیقے سے ملتے۔ ان کی دعوت پر بدایوں بھی حاضر ہوا اور ان کے حسن نظم و ضبط کو دیکھ کر ان کی تعریف کیے بغیر نہیں رہ سکا۔ سال گزشتہ شمس مارہرہ حضرت اچھے میاں مارہروی کا دو سو سالہ جشن منایا تو اس میں بھی فقیر کو مدعو کیا تھا۔ میں اپنی مصروفیات کی وجہ سے حاضر نہیں ہو سکا تھا، لیکن میں اس قرض کی ادائیگی کے لیے اپنے طور پر خانقاہ

قادریہ میں حاضر ہونے کا جلد ہی ارادہ رکھتا تھا۔ اس سلسلے میں میں نے مولانا ذیشان مصباحی سے بھی گفتگو کی تھی۔ لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا:

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

مولانا اسید الحق قادری شہید کے لائق و فائق قابل احترام والد بزرگوار حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری مدظلہ العالی اور ان کے صاحب زادگان اہل خانہ اور مولانا شہید مرحوم کی اہلیہ پر غم کا جو پہاڑ ٹوٹا ہے، اس کا ہمیں بخوبی اندازہ ہے۔ اللہ کریم سے ان کے لیے صبر جمیل کے لیے دعا گو ہوں۔ ان کے لیے یہ پہلو صبر کا باعث ہوگا کہ مولانا نے اپنی مختصر زندگی میں وہ کام کر دیا جو دوسرے لوگ زندگی بھر میں کرتے ہیں۔ انہوں نے کام کے خطوط بھی متعین کر دیے ہیں، مجھے امید ہے کہ حضرت سالم میاں صاحب کے دیگر صاحبزادگان ان خطوط پر اپنا مشن جاری رکھیں گے۔ کہتے ہیں کہ صبر و شکر سے ایمان کی تکمیل ہوتی ہے۔ مولانا اسید الحق شہید کی زندگی خانوادہ عثمانی بدایوں کے لیے شکر کا عنوان تھی اور مولانا کی شہادت ان کے لیے صبر کا عنوان۔ مولانا اسید الحق قادری سے خانقاہ عارفیہ کا دو طرفہ تعلق تھا۔ ان کی وفات سے خانقاہ میں ایک ماتم کا ماحول بن گیا تھا۔ دوسرے دن ایصالِ ثواب کی محفل منعقد ہوئی جس میں جامعہ عارفیہ کے استاذ مولانا ضیاء الرحمن علیہ نے خطاب کیا۔ یہ محفل آہ و بکا کی محفل میں تبدیل ہو گئی۔ فقیہ کے ساتھ فقیر کے اہل خانہ اور فرزندوں کو بھی شدید غم لاحق ہوا۔ بڑے بیٹے عزیزم مولانا حسن سعید مصر سے بارہا فون کرتے رہے اور اظہارِ رنج و ام کرتے رہے۔ ان کا بطور خاص مولانا شہید سے بڑا گہرا قلبی تعلق تھا۔ حسن نے ایک دن مجھے فون پر بتایا کہ انہیں حضرت طفیل احمد شمیمی صاحب کا یہ شعر بار بار یاد آ رہا ہے:

کیسے بھولوں کہ اختیار نہیں پھر وہ بے اختیار یاد آیا

اس کے بعد بار بار میری زبان پر بھی یہ شعر آیا، لیکن رضا بر قضا مومن کا شیوہ ہونا چاہیے اور ہر مومن کو یہ یقین رکھنا چاہیے کہ ہماری یہ زندگی عارضی ہے، ہماری اصل زندگی اس کے بعد شروع ہوتی ہے۔ مولانا شہید تیاری کے ساتھ دوسری دنیا میں قدم رکھ چکے ہیں، ہمیں بھی بلا تاخیر اپنی تیاری شروع کر دینی چاہیے۔ حضرت سالم میاں صاحب قبلہ اور ان کے اہل خانہ کی تعزیت کے لیے دل پریشان رہا۔ بغداد سے ان کے آنے کے بعد سوچا کہ چند دن گزر جائیں تب حاضر ہوتے ہیں۔ اساتذہ جامعہ عارفیہ کے ساتھ ۱۸ مارچ کو سفر کی تیاری بھی شروع ہو گئی تھی، پھر اچانک بعض ناگزیر مصروفیات کے سبب رک گیا۔ ان شاء اللہ عرس چہلم میں ۱۲ اپریل ۲۰۱۳ء کو حاضر ہوں گا۔ آخر میں پھر مولانا شہید کی مغفرت اور رفع درجات اور ان کے اہل خانہ کے لیے صبر جمیل کی دعا کرتا ہوں۔

□□□

ایک بے مثال عالم دین کے جانے سے ساری دنیا سو گوار

حضرت شاہ محمد تقی مہدی

سجادہ نشین: خانقاہ شرافتیہ، بریلی (یوپی)

حضرت علامہ اسید الحق شیخ صاحب ان خوش نصیب انسانوں میں سے ہیں جن کو اللہ رب العزت نے ہر نعمت عظمیٰ سے نوازا تھا۔ حسب نسب، عزت، عظمت، بصیرت، خداداد لیاقت و سعادت، کیا ہے جس سے علامہ کا دامن خالی ہو؟ رہی شہادت وہ بھی ایک ایسی شے ہے جس کا ذکر قرآن کریم میں انعام یافتگان کی فہرست میں نمایاں ہے اور شہادت بھی ایسی کہ شیخ صاحب کے مورث اعلیٰ سیدنا عثمان غنی ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اتباع و سنت کے تحت بلوائیوں اور دہشت گردوں کے ہاتھوں ہوئی۔ شیخ صاحب نسبت قادریت سے کامل طور پر معمور تھے جیسی تو

پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

علامہ اسید الحق شیخ صاحب علیہ الرحمہ کے پاس کچھ نہیں ہوتا تو بھی صرف بغداد مقدس میں موت ہی ان کی فضیلت کے لیے کافی تھی۔ چہ

جائے کہ مدفن احاطہ غوث الثقلین میں دائمی قربت کی سند لیے ہوئے ہے۔ اہل سنت ان کی موت پر اگر رشک کریں بجائے اور زیب دیتا ہے۔ حضور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو دار فانی سے جاتے جاتے بھی اپنے پاس بلایا اور جالیوں تک قریب کر کے تجلیات ربانی کی جو بارش آپ کے روضہ اقدس پر ہو رہی ہے اس میں شرا برفرما دیا۔ شیخ صاحب نے کم عمری میں وہ کر دکھایا جس سے اہل سنت کے دل باغ باغ، اور حاسدین کے کلیجے داغدار ہو گئے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ علامہ کو علمی کاوشوں کا اجر عظیم عطا کرے، آمین۔ ان کے جانے سے ساری دنیا سوگ منارہی ہے اور رنج و غم کا اظہار کر رہی ہے۔ خدا رحمت کرے اس عالم پاکیزہ طینت پر۔ شیخ صاحب کی وفات اہل سنت و جماعت کے لیے حزن و ملال کا باعث ہے۔ رب کریم علامہ کے والدین ماجدین، برادران و دیگر اہل خانہ کو صبر جمیل عطا فرمائے اور مرضی مولا میں راضی رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ہم سب اہل آستانہ شرافتہ علامہ کے پس ماندگان کے غم میں شریک ہیں۔

□□□

### دل صاحب اولاد سے انصاف طلب ہے ؟

مولانا جلال الدین عبدالستین فرنگی محلی

۲۳ فرنگی محل لکھنؤ (یوپی)

اس حادثہ جانکاہ کی خبر اخبار سے معلوم ہوئی۔ کیا عرض کروں ”دل صاحب اولاد سے انصاف طلب ہے“؟ اسید میاں کو تو شہادت کا مرتبہ حاصل ہوا اور جس متبرک جگہ ہیں اس کا کیا کہنا!

دفن ہوں گے ترے کوچے میں خوشی ہے اس کی

آج اترائے ہوئے پھرتے ہیں مرنے والے

اللہ تعالیٰ ان کے طفیل میں ہم سب کی مغفرت فرمائے، آمین۔ (مکتوب بنام: حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری)

□□□

### یہ ہول ناک خبر دل و دماغ پر بجلی بن کر گری

پروفیسر سید طلحہ رضوی برق

سجادہ نشین: خانقاہ نظامیہ، دانا پور، پٹنہ (بہار)

آہ صد آہ! اس ہولناک خبر نے دل و دماغ پر کیا بجلی گرائی کہ عزیز گرامی قدر، فاضل بے نظیر جوان اعنی اسید الحق قادری اب ہمارے درمیان نہ رہے۔ وا اسفا! کہ وہ اتنی قلیل عمر لے کے آئے تھے، انا اللہ وانا الیہ راجعون۔ اس پیرانہ سالی میں آپ پر کیا گزری ہوگی، سوچ کے دل ٹوٹتا ہے۔ میں کن الفاظ میں آپ کو پرسہ دوں اور تعزیت کروں؟ رب تعالیٰ آپ کو صبر کی طاقت دے:

سر ایں نکتہ مگر شمع بر آرد بزباں ورنہ پروانہ ندارد بسخن پروائے

۲۰۰۸ء میں حج میں ان سے ملاقاتیں ہوتی رہیں، مدینہ طیبہ میں وہ کس والہانہ شیفٹنگی سے ملتے تھے۔ آہ! اب یہ یادیں ہی یادیں رہیں، دست

بہ دعا ہوں کہ اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔

یہاں خانقاہ شریف میں بھی قرآن خوانی ہوئی اور فاتحہ و قل سے ایصال ثواب کیا گیا۔ میں گنہگار عمر کی آخری منزل میں ہوں، امراض کا شکار کمزور ہونا تو اس بمشکل لکھا پڑھا جاتا ہے۔ کہیں زیادہ آنا جانا بھی نہیں ہوتا۔ محترمی حضرت عبدالقیوم راجی صاحب کا بھی فون آیا تھا دل تھام کے باتیں



کر سکا۔ افسوس اللہ تعالیٰ مجھے مرحوم و مغفور کے چہلم شریف میں شرکت نصیب فرمائے، بصورت دیگر سراپا معذرت ہوں۔

(مکتوب نام: حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری/۱۲ مارچ ۲۰۱۳ء)

□□□

## دل اب بھی یقین کرنے پر آمادہ نہیں

### مولانا شاہ محمد آیت اللہ قادری

سجادہ نشین: خانقاہ مجیبیہ، پھلواری شریف، پٹنہ (بہار)

حادثہ جانکاہ یعنی آنجناب کی معیت اور برادر اصغر عطیف میاں قادری و دیگر احباب کی شمولیت میں بارگاہ غوثیت مآب رضی اللہ عنہ کی حاضری کے بعد حضرت شیخ محمد توفیق گیلانی سے ملاقات کی غرض سے جاتے ہوئے، اربل کردستان عراق میں ایک دہشت گردانہ حملے کی زد میں برادر شاہ اسید الحق عاصم قادری تغمد اللہ بغفرانہ و اعلیٰ درجاتہ کی شہادت کی اندوہناک خبر بذریعہ روزنامہ ”انقلاب“ معلوم ہوئی۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔ اللہم اجونی فی مصیبتی و اخلف لی خیراً منها

انتقال کی دلخراش و جگر سوز خبر سے قلبی صدمہ ہوا، ذہن و دماغ پر حزن و ملال کی ایک ناقابل بیان کیفیت چھا گئی۔ اب تک نہ جانے کتنی بار اس حادثہ جانکاہ کی خبر پڑھ چکا ہوں، مگر دل اب بھی یقین کرنے پر آمادہ نہیں کہ جو کچھ ہوا وہ واقعی ہو چکا ہے، مگر مشیت ایزدی اور قضا و قدر کے فیصلے پر سوائے یقین کرنے کے چارہ ہی کیا ہے۔ ہم مجبور بندے کیا کر سکتے ہیں۔ یہ تو ایسا اندوہناک صدمہ ہے جس کی غم انگیزی الفاظ میں بیان نہیں کی جاسکتی، بس آنسوؤں کی دبی ہوئی آہوں کے ساتھ ایک بار پھر بندگی و بیچارگی کا اقرار کرتے ہیں کہ بیشک ہم سب اللہ ہی کے لیے ہیں، اسی کی امانت ہیں اور منزل مقصود بھی وہی ہے، جانا وہیں ہے۔

شاہ اسید الحق صاحب کی ہمہ جہت شخصیت، قلیل مدت میں ان کے عظیم علمی و تحقیقی کارنامے، خانقاہ میں ان کی تشریف آوری، کچھ دیر خانقاہ میں قیام، ناچیز سے ملاقات، مزاج میں سادگی، اخلاق میں بلندی، اخلاص و للہیت، پھر تعلقات، مراسلت اور مکاتبت، یہ سب یادیں ذہن و دماغ میں گردش کر رہی تھیں اور قلب و روح کو مضطرب کیے ہوئے تھیں۔ بالآخر حال معلوم کرنے اور تعزیت کی سنت پر عمل کرنے کے لیے فون سے رابطہ کیا تو مولانا مجاہد صاحب نے آپ کے چھوٹے صاحبزادے سلمہ سے بات کرائی، فرط غم کی وجہ سے تعزیتی کلمات بھی زبان سے ادا نہیں ہو رہے تھے، بمشکل تمام چند الفاظ لرزتی زبان سے نکل پائے تھے جو ایسی گراں بار مصیبت کی تعزیت کے لیے کالمعدوم کی حیثیت رکھتے تھے، کیونکہ برادر شاہ اسید الحق صاحب کی وفات کا غم ایسا شدید ہے جس کے لیے دنیا بھر کے تعزیتی کلمات ناکافی ہیں۔

جواں سال فرزند، پیکر علم و فضل، جن میں صلاحیت و صالحیت بدرجہ اتم موجود ہوں، جو اپنے اسلاف کرام کے صوری و معنوی کمالات کی مکمل تصویر ہو، اس طرح دہشت گردانہ حملے میں ان کی شہادت آپ کے لیے کتنے غم و اندوہ، رنج و ملال اور قلق و اضطراب کا باعث ہوگا، ہمیں اس کا اچھی طرح اندازہ ہے۔

گر پیر نود سالہ بمیرد مجھے نیست  
این ماتم سخت است کہ گویند جواں مرد

مگر صبر و تسلیم و رضا روز اول سے ہی عظیم المرتبت ہستیوں کا شیوہ رہا ہے، اس غمزدہ ماحول میں آپ نے بھی صبر کے وسیع سرمایہ سے ضرور مدد لی ہوگی، اللہ تعالیٰ اس پیرانہ سالی میں آپ کو یہ بار غم اٹھانے اور برداشت کرنے کی قوت و استطاعت عطا فرمائے۔ انہیں اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ و التسلیم کے طفیل اپنی بے پایاں رحمتوں سے سرفراز کرے اور پیران سلاسل قادریہ کے ساتھ محشور فرمائے۔ آمین

شاہ اسید الحق تھاروشن قادریت کا چراغ  
حسرتا! باد اجل سے ناگہاں وہ بجھ گیا

باج دے کے جان کی، وہ شاہ جیلاں کا ہوا

راس اس کو آگنی بغداد کی آب و ہوا

۱۲۳۵ھ = ۶-۱۲۳۱

منکسر، خندہ جبیں حفظ مدارج کا لحاظ  
تھافراق اس در سے اس کو کیسا آیت ناگوار  
علم و دانش سے طبیعت کو تھا اک فطری لگاؤ  
اپنے حسن خلق سے ہر دل میں وہ گھر کر گیا  
جا کے پائے نازش غوث الوری میں سو گیا  
نکتہ رس تھا ذہن اس کا فہم تھا معنی رسا

روح پر اس کی رہے باران رحمت صبح و شام

مہبط انوار یا رب! اس کی تربت کو بنا

(مکتوب بنام: حضرت شیخ عبد الحمید محمد سالم قادری)

□□□

### علم و ادب کا ایک پہاڑ مسمار ہو گیا

#### شیخ علی حمود حربی رفاعی شافعی

خطیب و امام: مسجد حضرت معروف کرخی، بغداد (عراق)

الحمد لله الذي لا يحمد على مكروه سواه والصلوة والسلام على سيدنا ومولانا محمد وعلى آله وصحبه  
اجمعين - قال تعالى ولا تحسبن الذين قتلوا في سبيل الله امواتا بل احياء عند ربهم يرزقون  
اما بعد: فقد التقيت باخي الحبيب الصالح اسيد الحق قادري يوم الجمعة في مسجد قطب العارفين و امام  
الواصلين سيدى عبد القادر الجيلانى وعند ما رأيته و كأنى اعرفه منذ زمن بعيد و ذلك تصديقا لقول الحبيب المصطفى  
ﷺ (الارواح جنود مجنودة و ما تعارف منها ائتلف و ما تناكر منها اختلف) رواه البخارى -

زارنى مع اصحابه الى حضرة سيدنا معروف الكرخى قدس سره و قمنا بالزيارة و ذكرنا الله تعالى و بعدها زارنى  
فى بيتى و اعطيته الاجازة لما رأيته اهلاً للعلم و من اهل الصلاح و التقوى و جدته جيلاً عالياً من العلم و الادب و صاحب  
سلوك منهج قوي متادباً بآداب اهل الطريقة لا سيما سيدنا و مولانا عبد القادر الجيلانى قدس سره و وجدته الشيخ اسيد  
الشهيد منور القلب و العقل -

اسأل الله تعالى ان يخلف على امة الحبيب ﷺ رجالاتاً و علماء مثل الشيخ اسيد الشهيد و ان يلهم اباہ الصالح  
الشيخ المربى الشيخ سالم الصبر و السلوان و ان يجمعنا مع الشهيد فى مستقر الرحمة -  
وهنيئاً لك يا اسيد الشهادة و هنيئاً لك الدفن بقرب قطب العارفين عبد القادر الجيلانى قدس سره و هنيئاً لك  
محبة الصالحين لك و داعياً ايها الشهيد و داعياً ايها العالم و داعياً ايها الصالح طبت حياً و ميتاً  
كتبه بقلمه و قاله بضمه

الشيخ على حمود الحربى الرفاعى الشافعى

الامام و الخطيب بجامع سيدنا معروف الكرخى قدس سره، العراق (بغداد)

ترجمہ: تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں کس ای کی وہ ذات ہے جس کی تکلیف کے وقت بھی حمد کی جاتی ہے اور ہمارے آقا و مولا حضرت محمد ﷺ،

ان کی آل اور تمام اصحاب پر درود و سلام نازل ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے جائیں انہیں ہرگز مردہ گمان نہ کرو، بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے رب کے پاس انہیں رزق دیا جاتا ہے۔“ میں نے اپنے نیک اور محبوب بھائی اسید الحق قادری سے بروز جمعہ حضرت قطب العارفین امام الواصلین شیخ عبدالقادر جیلانی کی مسجد میں ملاقات کی تھی، جس وقت میں نے ان کو دیکھا تو مجھے ایسا لگا کہ گویا میں انہیں عرصہ دراز سے جانتا ہوں۔ بالکل حضور ﷺ کے اس قول کے بہ مصداق: (دنیا میں آنے سے پہلے) روحوں کے جھنڈا لگ لگ تھے، تو جو وہاں پر ایک دوسرے کو پہچانتی تھیں، یہاں بھی ایک دوسرے سے محبت کرتی ہیں اور جو وہاں غیر تھیں یہاں بھی جدا جدا رہتی ہیں۔ (رواہ البخاری)

مولانا موصوف نے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ بارگاہ حضرت معروف کرخی میں مجھ سے ملاقات کی اور پھر ہم نے حضرت معروف کرخی کی زیارت کی۔ زیارت کرنے کے بعد وہ میرے گھر تشریف لائے تو میں نے ان کو عالم اور صالح و متقی پا کر اجازت حدیث دے دی۔ میں نے شیخ اسید الحق شہید کو علم و ادب کا بڑا پہاڑ، منہج تویم کا سالک، اہل طریقت خاص طور سے شیخ عبدالقادر جیلانی کے ادب و آداب سے آراستہ اور روشن دل و دماغ کا مالک پایا۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اپنے حبیب کی امت میں شیخ اسید الحق شہید کی طرح علما اور مردان حق کو وارث بنائے اور ان کے نیک و صالح، شیخ و مربی والد گرامی شیخ سالم قادری کو صبر و ضبط عطا فرمائے اور ہمیں اسید الحق شہید کے ساتھ مقام رحمت میں جمع فرمائے۔ اے اسید الحق! تمہیں شہادت مبارک ہو، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے قرب میں دفن ہونا مبارک ہو، تمہیں صالحین سے اپنی محبت مبارک ہو۔ الوداع الوداع اے شہید! اے عالم! اے صالح! تمہاری زندگی اور موت دونوں بہتر رہیں۔

□□□

### ایک عجیب حجابی کیفیت پیدا ہو گئی

#### حضرت سید شاہ سیف اللہ صفوی مسدی

سجادہ نشین: آستانہ مسدیہ، میاں بزار، صفی پور، اناؤ (یوپی)  
بندہ ناچیز کو جب حضرت علامہ شیخ اسید الحق قادری علیہ الرحمہ کی شہادت کی خبر ملی اور تحقیق آپ سے بھی بذریعہ موبائل کاشف احوال ہوا تو دل میں ایک عجیب حجابی کیفیت پیدا ہو گئی، کیونکہ موصوف کے علوم و فنون سے فقیر آگاہ تھا، ایک طرف جہاں حضرت العلام کی شہادت پر طول تھا، وہیں دوسری طرف ان کے اس قدر نصیب پر نازاں بھی تھا کہ ایک تو شہادت کے جام سے سرفراز ہوئے اور دوسری بارگاہ غوث الوری میں تدفین۔ اللہ ان کے درجات بلند فرمائے اور اپنے قرب خاص میں جگہ عنایت فرمائے۔ دعا گو ہوں کہ اللہ تمام خواص و عوام، مریدین، متوسلین، معتقدین کو صبر جمیل عطا فرمائے اور اس صبر جمیل پر ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ (مکتوب بنام: حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری)

□□□

### علامہ بدایونی کی کمی پوری کرنا جماعت کے لیے بڑا چیلنج

#### حضرت سید شاہ صدقات علی جیلانی

سجادہ نشین: آستانہ عالیہ قادریہ، ناگور شریف (راجستھان)  
حضرت علامہ اسید الحق قادری رحمۃ اللہ علیہ کے وصال پر ملال کی خبر سن کر دلی رنج ہوا۔ حضرت کا وصال واقعی اہل سنت و جماعت کا عظیم خسارہ ہے۔ حضرت سے میری پہلی ملاقات میرے زمانہ طالب علمی میں ہوئی، جب میں بدایوں شریف آپ کی درسگاہ میں حصول درس کے لیے حاضر ہوا تھا اور دوسری ملاقات سنہ ۱۹۹۸ء میں حضرت تاج الفحول مولانا شاہ عبدالقادر قادری بدایونی علیہ الرحمہ کے صد سالہ عرس مبارک کے موقع پر



ہوئی تھی۔ حضرت علامہ بااخلاق، منسا اور نہایت خوش خلق تھے، میری آپ سے اکثر انٹرنیٹ کے ذریعے سے بھی بات چیت ہوا کرتی تھی۔ حضرت بہترین محقق، مفکر، معلم، محدث، ناقد اور مصنف تھے کہ جن کی کمی کو پورا کرنا بلاشبہ اہل سنت و جماعت کے لیے بڑا چیلنج ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت علامہ کو شہادت کا مرتبہ عطا فرمایا اور آپ کی تدفین بھی ایک مقدس مقام بارگاہ سرکار سید محی الدین عبدالقادر جیلانی غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے احاطہ مبارک میں ہوئی جو خود میں بلند مرتبہ ہونے کی ایک علامت ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ سے میری دعا ہے کہ حضرت علامہ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور آپ کے درجات بلند فرمائے اور آپ کے والدین، احباب و متوسلین و معتقدین کو صبر عطا فرمائے، آمین۔

(مکتوب بنام: حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری)

□□□

### پوری ملت اسلامیہ کا عظیم نقصان

#### حضرت سید تنویر اشرف اشرفی جیلانی

سجادہ نشین: خانقاہ امیر ملت، کچھوچھو شریف، ضلع امبیڈ کرنگر (یوپی)

عزیز القدر حضرت علامہ و مولانا سید الحق علیہ الرحمۃ والرضوان کی شہادت نے دل کو بے چین کر دیا۔ موت العالم موت العالم کے مصداق حضرت علامہ کی شہادت سے نہ صرف خانوادہ بدایوں بلکہ پوری ملت اسلامیہ کا عظیم نقصان ہوا۔ پورے خانوادہ اشرفیہ اور میری طرف سے دعا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ مرحوم کو اپنی جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور آپ سب کو صبر جمیل عطا فرمائے، آمین۔

(مکتوب بنام: حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری)

□□□

### علامہ اسید الحق ملت اسلامیہ کا سرمایہ افتخار تھے

#### مولانا سید محمد علی قادری الہاشمی معاد پاشا

سجادہ نشین: خانقاہ قادریہ حمادیہ، حیدرآباد (دکن)

دلی عہد خانقاہ عالیہ قادریہ بدایوں شریف علامہ اسید الحق عاصم میاں قادری الازہری رحمہ اللہ اہل سنت کے عظیم مفکر، محقق، عربی اور اردو ادب پر یکساں عبور رکھنے والے بہترین اسکالر اور خانقاہی نظام کے روح رواں تھے۔ وہ خانقاہی نظام کو ایک فعال علمی اور تربیتی کردار کا حامل دیکھنے کی تمنا رکھتے تھے۔ علامہ کی شخصیت پوری ملت اسلامیہ کے لیے بالعموم اور مسلک اہل سنت کے لیے بالخصوص سرمایہ افتخار تھی، جو اب جہان رنگ و بو میں باقی نہیں رہے۔ سرزمین عراق پر دہشت گردوں کے حملے میں ہوئی ان کی شہادت سے صرف آپ اور دیگر افراد خانوادہ، وابستگان خانقاہ عالیہ قادریہ بدایوں شریف ہی نہیں بلکہ تمام خانقاہیں اور جمیع اہل سنت سوگوار ہیں۔ جن ظالموں نے ان پر بہیمانہ حملہ کیا انہوں نے امت کو ایک گراں قدر عالم دین کی شخصیت سے محروم کر کے ناقابل تلافی نقصان پہنچایا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں شہادت کے عظیم مقام پر سرفراز اور سرکار غوث پاک رضی اللہ عنہ کے قدموں میں جگہ عطا فرماتے ہوئے ان کے لیے ابدی نعمتوں کے دروازے کھول دیے۔

دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے جوار رحمت میں مقامات عالیہ عطا فرمائے اور آپ کو، دیگر افراد خاندان، متوسلین و معتقدین کو صبر جمیل اور اجر جزیل عطا فرمائے، آمین۔ (مکتوب بنام: حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری)

□□□

## موت اس کی ہے کرے جس کا زمانہ افسوس

حضرت سید شاہ عبداللہ حسین بادشاہ قادری

سجادہ نشین: درگاہ حضرت سید شاہ عبداللطیف قادری

لاہالی، کرنول (آندھرا پردیش)

حضرت مولانا محمد اسید الحق عاصم القادری کا سانحہ ارتحال قوم و ملت کا ناقابل تلافی نقصان ہے۔ بالخصوص اہل خانقاہ اور سنی کا زکوٰۃ اس نوجوان محقق صوفی عالم دین کی شہادت سے جو نقصان ہوا وہ ناقابل بیان ہے۔ مرنا تو سبھی کو ہے، اس عاشقِ غوث نے کوچہ جاناں میں اپنی جان، جان آفریں کے سپرد کر کے اپنی انمٹ محبتوں کا ثبوت دیا ہے۔ یہ شہادت قابل رشک ہے، اس لیے بھی کہ جگہ پائی تو غوث پاک کے قدموں میں، گل اٹھیں گے تو ہرے جھنڈے کے سائے میں اٹھیں گے، یہ قابلِ صدر رشک ہے۔ اس سعادت بزور بازو نیست اللہ تعالیٰ حضرت سالم میاں قبلہ اور اہل خانقاہ و اہل سلسلہ کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

موت اس کی ہے کرے جس کا زمانہ افسوس یوں تو دنیا میں سبھی آئے ہیں مرنے کے لیے

(مکتوب بنام: حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری)

□□□

## شیخ اسید الحق شریعت و حقیقت کے سچے طالب تھے

شیخ ڈاکٹر انس محمود خلف

امام و خطیب: جامع الشیخ عبدالقادر البیلانی، بغداد (عراق)

رئیس قسم الحدیث: الجامعة العراقية، بغداد

السید والد اسید الحق و اخوانہ المحترمین! السلام علیکم ورحمة اللہ و بركاتہ۔

اعزى نفسى اولا و اعزى کم ثانيا، و نقول کما قال سيدنا محمد ﷺ عند موت ابنه: "ان العين لتدمع و ان القلب

ليحزن و انا على فراقك يا ابراهيم لمحزونون و لا نقول الا ما يرضى ربنا۔" اسال اللہ ان يكون شافعا لكم يوم القيامة

قبل وفاة الشيخ اسيد الحق، طلب منى اجازة فى حديث النبى ﷺ و علومه، و لله الحمد و المنة، حصلت له اجازة

فى احاديث النبى ﷺ بسند متصل الى رسول اللہ ﷺ و اجازة عامة فى علم حديث النبى ﷺ من علماء بغداد۔

و تكريما لروح اسيد الحق الطاهرة احببت ان ازور كلية القادرية بنفسى و اقدم هذه الاجازة له اولا و لمن يخلفه

من بعده ثانيا، لاننى كنت تكلمت معه قبل وفاته فى تبادل العلم و المعرفة بين بغداد و اهل العلم و كلية القادرية

للحديث النبوى، فيا حبذا نحدد يوما للزيارة۔ و لكم جزيل الشكر۔

شیخ اسید الحق کے والد گرامی و برادران! السلام علیکم ورحمة اللہ و بركاتہ

سب سے پہلے میں خود اپنے آپ کو دلا سہ دیتا ہوں اور پھر آپ لوگوں کی خدمت میں کلمات تعزیت پیش کرتا ہوں۔ اس وقت ہماری زبان پہ

وہی ہے جو ہمارے آقائے کریم جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنے صاحبزادے کے وصال پر فرمایا تھا: "یقیناً آنکھیں نم ہیں، دل رنجور ہے اور اے

ابراہیم! ہم تمہاری فرقت پر بے حد غمزدہ ہیں، لیکن ہم صرف وہی بات کہیں گے جس میں ہمارے رب کی رضا ہوگا۔" میں دعا گو ہوں کہ اللہ کریم

مرحوم کو قیامت کے دن آپ لوگوں کا شفیع بنائے۔

وفات سے قبل شیخ اسید الحق نے مجھ سے حدیث اور علوم حدیث کی اجازت طلب کی تھی، جب کہ اللہ کا شکر و احسان ہے کہ علمائے بغداد کی طرف سے متصل سند کے ساتھ انھیں حدیث اور علوم حدیث کی اجازت حاصل تھی۔ میری خواہش ہے کہ شیخ اسید الحق کی پاک روح کی تکریم میں دارالعلوم قادریہ میں خود حاضر آؤں اور یہ اجازت سب سے پہلے انھیں اور پھر ان کے جانشینوں کو پیش کروں، کیوں کہ ان کی وفات سے قبل بغداد کے اہل علم اور دارالعلوم قادریہ کے درمیان علمی تبادلے کے سلسلے میں ان سے ہماری گفتگو بھی ہوئی تھی۔ باقی شکر و عنایت!

(۲)

الحمد لله الذي لا يحمد على مكروه سواه، والصلاة والسلام على سيدنا محمد ﷺ.

و بعد! 'يقول الله تعالى: "من المؤمنين رجال صدقوا ما عاهدوا الله عليه فمنهم من قضى نحبه ومنهم من ينتظر وما بدلوا تبديلا۔" لقد تلقينا نبأ استشهاد اخينا وحبينا الشيخ اسيد الحق ببالغ الحزن والاسى، وقد عم هذا الحزن جميع محبي الشيخ الغوث سيدنا الكيلاني قدس سره۔ لقد تعرفت على الشيخ الفقيه رحمة الله عليه في حضرة سيدنا الغوث قدس سره فكان رجلا مثالا للادب والتقوى والصلاح، محبا للصالحين والعلماء، كان من طلاب الحقيقة والعلم، ترى عليه سمات الصالحين وعلامات اهل الله تعالى الاولياء۔

الفقيه السعيد اختاره الله ليكون شهيدا و كانت شهادته في بلد سيدنا الكيلاني قدس سره، اراد ان يشارك بلد سيدنا الكيلاني همومهم والامهم فتحمل ما تحملوا، هذا الرجل صدق في حبه لسيدنا الكيلاني قدس سره، فضحى باغلى ما يملك و هي نفسه في سبيل ذلك، فدفن بجوار حبيبه سيدنا الكيلاني، المكان الذي دفن فيه يتمناه علماء و رؤساء و وزراء فلا يحصلون عليه۔ اقول لحبيبي اسيد الحق والاسى يقطع قلبي، طبت حيا و ميتا يا اسيد الحق، كما قول لوالديه و اخوانه و اهل بيته و احبابه لنا و لكم الله و احسن الله عزائكم، و اسأل الله ان يجمعنا في مستقر رحمته، انه يجمع المحبين۔

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں کہ اسی کی وہ ذات ہے جس کی تکلیف کے وقت بھی حمد کی جاتی ہے اور سلام و رحمت نازل ہو ہمارے آقا جناب محمد رسول اللہ ﷺ پر۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "بعض لوگ وہ ہیں جنہوں نے اللہ سے کیے ہوئے اپنے وعدے کو سچا کر دکھایا۔ ان میں بعض وہ ہیں جو موت کو گلے لگا چکے اور بعض اس کے ابھی منتظر ہیں اور انہوں نے اللہ سے کیے ہوئے وعدے کو کچھ بھی نہیں بدلا۔"

ہمارے عزیز، محبت گرامی شیخ اسید الحق کی شہادت کی خبر بڑے غم و اندوہ کے ساتھ موصول ہوئی اور یہ غم حضرت غوث اعظم جیلانی قدس سرہ کے تمام محبین کا غم بن گیا۔ مجھے شیخ مرحوم رحمۃ اللہ علیہ سے پہلی شناسائی بارگاہ غوث اعظم میں ہوئی تھی۔ وہ ادب، تقویٰ اور شرافت میں ایک مثالی انسان تھے، علما اور صلحا سے انہیں گہری محبت تھی، شریعت اور حقیقت کے سچے طالب تھے اور صالحین و اہل اللہ کی علامتیں ان کی پیشانی سے ظاہر تھیں۔ سعادت مند مرحوم کو اللہ تعالیٰ نے مقام شہادت کے لیے جن لیا اور حضرت غوث اعظم کے شہر میں وہ شہید ہو گئے۔ وہ غوث اعظم کے شہر والوں کے رنج و غم کو بانٹنا چاہتے تھے، اس لیے انہوں نے بھی اسی غم کو گلے لگا لیا جس سے اس شہر کے لوگ دوچار ہیں۔ انہوں نے حضرت غوث اعظم جیلانی قدس سرہ کی محبت کو سچا کر دکھایا اور اس کے لیے اپنا سب سے قیمتی سرمایہ یعنی اپنی جان تک کو قربان کر دیا، جس کے صلے میں انہیں حضرت غوث اعظم کے قرب میں جگہ ملی۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں دفن ہونے کے لیے بڑے بڑے علما، رؤسا اور وزرا تمنائیں کیا کرتے ہیں اور نامراد رہتے ہیں۔

ایسے عالم میں کہ غم سے میرادل پھنسا جا رہا ہے، میں اپنے دوست اسید الحق سے گویا ہوں کہ اے اسید الحق! تمہاری زندگی اور موت دونوں قابل رشک ہیں۔ اس موقع پر میں ان کے والدین، ان کے برادران، اہل خانہ اور احباب سے یہی کہوں گا کہ ہم سب کا آسرا صرف اللہ کی ذات ہے۔ میں اللہ دعا گو ہوں کہ وہ ہم سب کو اپنے جوار رحمت میں جمع فرمائے۔ وہی محبت کرنے والوں کو جمع فرمانے والا ہے۔ □□□



# اہل علم و دانش سے خصوصی گزارش

## مکاتیب علامہ ارشد القادری کی تدوین و ترتیب کا آغاز

قائد اہل سنت رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری رحمۃ اللہ علیہ کے خطوط کی تدوین و ترتیب کے کام کا آغاز ہو چکا ہے۔ تمام علما، مشائخ، اہل دانش، تنظیموں، تحریکوں، مدرسوں کے ذمہ داران اور دیگر متوسلین سے گزارش کی جاتی ہے کہ جن کے پاس بھی حضرت قائد اہل سنت کے خطوط موجود ہوں وہ براہ کرم ان کی فوٹو کاپی کروا کر بذریعہ ڈاک یا اسکیمن کر کے بذریعہ ای میل درج ذیل پتے / ای میل آئی ڈی پر اولین فرصت میں بھیج دیں۔

**نوٹ:** وہ حضرات جن سے حضرت قائد اہل سنت کی مراسلت رہی اور اب وہ اس دنیا میں نہیں رہے، ان کے صاحب زادگان اور متوسلین سے التماس ہے کہ وہ اس درخواست پر خصوصی توجہ فرمائیں اور مرحومین کے ریکارڈ فائل سے حضرت قائد اہل سنت کے خطوط بھیج کر اس اہم علمی کام میں تعاون فرمائیں۔

امیدوار کرم

خوشتر نورانی

**Jaam-e-Noor Monthly**

**422, Matia Mahal, Jama Masjid, Delhi-110006**

**email: jaamenoor@gmail.com**

**Mob: 09871094760**

(۳)

گريه السم

# گریہ الم

## عالم ربانی کی شہادت پر اہل علم کے کلمات رنج و غم

شہید بغداد، عالم ربانی مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری رحمۃ اللہ علیہ کی اچانک شہادت سے ملک و بیرون ملک ارباب علم و فکر اور اصحاب شریعت و طریقت کی مجلسوں میں ماتم کا سماں بندھ گیا۔ خانقاہ قادریہ بدایوں اور دفتر ماہنامہ جام نور دہلی میں ہر طرف سے تعزیتی فون، ای میل، ایس ایم ایس اور خطوط آنے لگے، ان میں سے علما کی چند منتخب تحریریں یہاں حاضر کی جاتی ہیں۔ (ادارہ)

مولانا کی ناگہانی رحلت سے سب غم زدہ اور ناامید ہو گئے

مولانا شاہ عبداللطیف (سربراہ اعلیٰ)

مولانا محمد احمد مصباحی (صدر المدرسین)

مفتی محمد نظام الدین رضوی (صدر: شعبہ ائلا)

الجامعۃ الاشرقیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ (یو پی)

جو بھی دنیا میں آیا ہے اسے یہاں سے جانا ہے، مگر کچھ موتیں ایسی ہوتی ہیں کہ بندہ حیرت زدہ رہ جاتا ہے کہ الہی! کیا سے کیا ہو گیا۔ عزیز گرامی مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری کا ناگہانی سانحہ ایسا ہی ہے۔ زمانہ طالب علمی ہی سے ان کا علمی شغف، سنجیدہ فکر اور متوازن سلوک اقران اور اصاغر و اکابر کے درمیان معروف تھا۔ جامعہ ازہر سے واپسی کے بعد تعلیم و تبلیغ، تصنیف و اشاعت، حسن تنظیم و انتظام وغیرہ میں ان کے انہماک کے ثمرات بڑے حوصلہ افزا تھے۔ سبھی مخلصین کو ان کی ذات سے طویل عرصے تک ہمہ جہت اور دور رس خدمات کی امیدیں وابستہ تھیں، مگر ان کی ناگہانی رحلت کے باعث سبھی سخت غم زدہ اور بالکل ناامید ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

پھر بھی یہ سوچ کر دل کو کچھ تسلی ہوتی ہے کہ عموماً لوگ جتنا کام ایک لمبی عمر میں کر پاتے ہیں، آس عزیز نے تقریباً دس سال میں کر لیے۔

دوسرے یہ کہ انہوں نے شہادت کی موت پائی جس کی آرزو ہزار افراد ہزار بار کرتے ہیں، مگر وہ ان کا مقدر نہیں ہوتی۔

تیسرے یہ کہ انھیں سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جو ارکرم ملا جو صرف اپنی تمنا اور سعی و تدبیر سے نہیں ملتا، جب تک حسن قسمت کی یادری نہ ہو۔ اس موقع سے محدث اعظم حضرت مولانا سید محمد کچھو چھوی علیہ الرحمہ کا یہ شعر بار بار یاد آتا ہے:

موت آئے تو در پاک نبی پر سید  
ورنہ تھوڑی سی زمیں ہوشہ سمنوں کے قریب

شہ جیلاں کا مقام و مرتبہ، شہ سمنوں اور پیش تر اولیا قبل و بعد سے بلا نزاع بہت ارفع و اعلیٰ ہے۔ ان کا قرب اگر ہزار دعا و التجا کے بعد بھی ملے تو نصیب کی ارجمندی میں کلام نہیں، مگر آں موصوف کو شاید یہ قرب بے التجا بطنائے خاص نصیب ہوا، فیالہ نصیب! سانحہ بہت عظیم ہے اور والدین، اعزہ اقربا، اہل سلسلہ اور اہل محبت کے لیے غم و الم کا کوہ گراں، مگر رب تعالیٰ نے اپنے کرم سے اس حادثے میں غم و الم کے ساتھ کچھ صبر و شکر کا بھی سامان پیدا فرما دیا ہے، اس لیے امید ہے کہ سبھی حضرات مرضی مولانا پر راضی ہو کر اپنی عالی ہمتی اور کمال بندگی کا ثبوت دیں گے۔

(مکتوب بنام: حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری/۲۲ مارچ ۲۰۱۳ء)

□□□

### مولانا محمد الیاس عطار قادری

امیر تحریک "دعوتِ اسلامی" کراچی (پاکستان)

ایک اخباری تراشے کے ذریعے مجھے یہ روح فرسا خبر موصول ہوئی کہ خانقاہ قادریہ بدایوں شریف کے چشم و چراغ حضرت علامہ اسید الحق محمد عاصم قادری ازہری زیارت مقامات مقدسہ کے لیے قافلے کے ساتھ عراق شریف پہنچے اور کردستان کی راجدھانی "ارہل" جاتے ہوئے راستے میں شہید کر دیے گئے۔ زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ قبلہ مولانا خوشتر نورانی صاحب اور شہید مولانا اسید الحق قادری ازہری پاکستان کے دورے پر تشریف لائے تھے اور اس دوران گنہگار کے غریب خانے "بیت الفنا" پر بھی ورود مسعود فرمایا، خصوصاً مولانا اسید الحق شہید مرحوم و مغفور کے نقوش آج بھی مسلسل میری نگاہوں میں گھوم رہے ہیں اور ان کی خوش گفتاری و سخن آرائی کانوں میں رس گھول رہی ہے۔ مولانا خوشتر نورانی صاحب نے بھی ماشاء اللہ بہت شفقتوں کا مظاہرہ فرمایا۔ آپ حضرات بزرگوں کی اولاد ہیں، اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرمائے۔

بہر حال عہد شباب میں مرحوم کی اس طرح اچانک وفات واقعی دل و دماغ کو ہلا دینے والی ہے اور اس کا صدمہ آپ حضرات ہی زیادہ سمجھ سکتے ہیں، کیونکہ میں نے محسوس کیا ہے کہ قبلہ مولانا خوشتر نورانی صاحب نے عظیم دوست گنوا دیا اور حضرت مولانا سالم میاں قادری صاحب جوان بیٹے کے سہارے سے محروم ہو گئے۔ موت کا صدمہ باپ سے زیادہ کسے ہو سکتا ہے؟ خدائے رحمن و رحیم عزوجل ان کو غریقِ رحمت فرمائے، مرحوم کی بے حساب مغفرت کرے، ان کے صغیرہ کبیرہ گناہ معاف فرمائے اور جملہ لواحقین کو صبر جمیل پر اجر جزیل عطا فرمائے۔ میں مرحوم کے اعزہ و اقربا، دوست و احباب اور تمام سوگواروں سے تعزیت کرتا ہوں۔

میں نے اس خبر میں یہ بھی پڑھا کہ مرحوم کا زیارت مقامات مقدسہ کے سلسلے میں ہفتے یا عشرے کا جدول تھا اور چھ مارچ کو آپ کی اپنے وطن ہند میں واپسی تھی، مگر ان کی حیات مبارکہ کی گھڑیاں وہیں پوری ہو گئیں، جہاں ان کی وفات لکھی تھی۔ موت اٹل ہے جو مقررہ وقت اور مقام پر ضرور آئے گی مگر ذوق افزا بات یہ ہے کہ جسے بعد وفات حضورِ غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جوار میں جگہ نصیب ہو جائے وہ کتنا سعادت مند ہے۔ الحمد للہ عزوجل شہید اہل سنت کو بھی یہ شرف حاصل ہوا۔ یقیناً آپ ان خوش نصیب لوگوں میں سے ہیں جن کے بدن میں بغدادِ معلیٰ کی مٹی ہے۔

(اقتباس از مکتوب بنام: حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری / خوشتر نورانی / ۱۱ مارچ ۲۰۱۳ء)

□□□

### مولانا کی شہادت ملت کے لیے المیہ ہے

### ڈاکٹر منشی محمد کرم احمد نقشبندی

شاہی امام: مسجد فتح پوری، دہلی

شہید بغداد، فدائے غوثِ اعظم، برادرِ مکرم مولانا اسید الحق قادری بدایونی رحمۃ اللہ علیہ کی المناک شہادت کی خبر سے بہت صدمہ ہوا، جو بیان سے باہر ہے۔ یقیناً یہ ایک عظیم المیہ ہے۔ لہ ما اخذ ولہ ما اعطی۔ انا لله وانا الیہ راجعون جب ہم لوگوں کو اتنا صدمہ ہے تو آپ کو اور اہل خاندان کو کتنا صدمہ ہوگا۔ آپ کا صدمہ مثالی ہے اور اللہ کے خاص بندوں کی یہی علامت ہے کہ وہ مولیٰ تعالیٰ کے ہر فیصلے پر صابر و راضی رہتے ہیں۔ انما یوفی الصابرون اجرہم بغير حساب۔ دعا ہے کہ پروردگار عالم اپنے حبیب سرور کائنات ﷺ کے طفیل مولانا مرحوم کو جنت الفردوس میں درجات عالیہ سے سرفراز فرما کر اپنی رحمت کاملہ سے نوازے اور سب پسماندگان و اہل



خاندان کو صبر جمیل عطا فرمائے، نیز خانقاہ عالیہ قادریہ کے سب ہی متوسلین و عقیدت مندان نیز جماعت اہل سنت کے ہر محبت کو بھی صبر جمیل عطا فرمائے۔  
مرحوم کی شہادت کی خبر ملتے ہی فتح پوری میں قرآن خوانی کر کے ایصالِ ثواب کیا گیا۔ جمعرات کو مدرسہ مظہر العلوم (لونی) میں احقر کی سرپرستی میں قرآن خوانی کر کے ایصالِ ثواب کیا گیا اور بعد عشا شاہی مسجد فتح پوری میں ختم خواجگان کی محفل کے بعد خصوصی طور پر ایصالِ ثواب کیا گیا۔ بعد نماز جمعہ شاہی مسجد فتح پوری میں ہزاروں نمازیوں نے مرحوم کے لیے ایصالِ ثواب کیا۔ ۱۱ جمادی الاولیٰ صبح گیارہ بجے جامعہ اسلامیہ مدرسہ مظہر العلوم میں اور بعد نماز عشا شاہی مسجد فتح پوری کی گیارہویں شریف کی ماہانہ محفل میں مولانا مرحوم کے لیے خصوصیت کے ساتھ ایصالِ ثواب کیا گیا اور احقر کے مریدین و متوسلین نے گھروں میں بھی قرآن خوانی اور کلمہ شریف پڑھ کر ایصالِ ثواب کیا اور کرار ہے ہیں۔

مولانا اسید الحق شہادت کے عظیم منصب پر فائز ہو کر بارگاہِ غوثِ اعظم میں ابدی حاضری سے مشرف ہوئے، دنیا میں بھی وہ ہر ایک کے محبوب اور معظّم بن کر رہے۔ ان کی علمی خدمات جلیلہ ان کے لیے صدقہ جاریہ اور جماعت اہل سنت کے لیے گراں قدر سرمایہ ہیں۔ اگر عمر وفا کرتی تو بلاشبہ وہ جماعت کے نادر المثال عالم اور عظیم محقق ہوتے۔ ان کی شہادت ملت کے لیے المیہ ہے۔ برادر م مولانا عطف میاں سلمہ، محترم مولانا عزام میاں سلمہ اور سب اہل خانہ کی خدمت میں احقر تعزیت پیش کرتا ہے۔ (مکتوب بنام: حضرت شیخ عبد الحمید محمد سالم قادری)

□□□

### اہل سنت و جماعت کو بڑی امیدیں وابستہ تھیں

#### ملحق خلیل احمد

شیخ الجامعہ: جامعہ نظامیہ، حیدرآباد (دکن)

مجھے اخبارات کے ذریعے آپ کے جواں سال فرزند مولانا اسید الحق عامم القادری کے ایک ناگہانی حادثے میں انتقال کی خبر ملی، جس پر مجھے بے حد ملال ہوا، اظہار تعزیت کے لیے میں نے فون کے ذریعے رابطے کی کوشش کی، تاہم آپ سے رابطہ نہ ہو سکا، البتہ آپ کے برادر زادے سے بات ہوئی۔ عامم میاں سے اہل سنت و جماعت کو بڑی امیدیں وابستہ تھیں، ان کی علمی خدمات لائق قدر اور قابل تحسین تھیں۔

قضا و قدر کے آگے انسان مجبور ہے، سر تسلیم خم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں، تاہم اس افسوسناک واقعہ میں یہ سعادت مضمّن تھی کہ عامم میاں نے جام شہادت نوش کیا اور حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کے قدموں میں ان کی ابدی آرام گاہ بنی، میں آپ کے غم میں برابر کا شریک ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین (مکتوب بنام: حضرت شیخ عبد الحمید محمد سالم قادری)

□□□

### میرے رب کریم نے انہیں بہت نوازا تھا

#### مولانا کوکب نورانی اداکڑوی

سولجر بازار، کراچی (پاکستان)

حرف و لفظ برتنے کا ہنر جب سے سیکھا ہے، پڑھنے، بولنے اور لکھنے کا مشغل جاری ہے۔ تیکھے اور تلخ موضوعات بھی مشکل نہ لگے۔ مگر کبھی کبھی یوں لگتا ہے جیسے کچھ آتا ہی نہیں، کچھ لکھا جاتا ہی نہیں، انگلیاں اٹھنے سے لگتی ہیں۔ ایسے ہی کچھ اس وقت احوال ہیں۔ آپ کے ساتھ اسید میاں سے دہلی ایئر پورٹ پر پہلی ملاقات سے ممبئی میں آخری ملاقات کا دورانیہ تین سے چار برس کا رہا ہوگا۔ دو مرتبہ وہ کراچی میں ملنے آئے۔ اجنبی ہونے کا گمان کیا، پہلی ملاقات ہی میں وہ دل کے قریب ہو گئے تھے۔ نستعلیق کہوں یا ہیرا، سعادت مندی چہرے سے ہوید اتھی۔ دیکھنے میں ہانکے لگے اور

جانچنے میں گویا سمندر، علم و عمل کے پیکر جمیل، میرے رب کریم نے انھیں بہت نوازا تھا۔ انھیں کتنی عقیدت و محبت تھی وہ آپ سے مخفی نہیں۔ وہ یوں اچانک داغ مفارقت دے جائیں گے، صدے کا اظہار نہیں کر پاؤں گا۔ اللہ کریم انھیں اعلیٰ درجات عطا فرمائے، آمین۔

آہ جدا عاشق غوث پاک      زبدۂ عماد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

۱۴۳۵ھ

۲۰۱۴ء

□□□

## مولانا سید الحق کی شہادت پوری ملت کا عظیم نقصان

مفتی عبدالعلیم

امیر: دعوت اسلامی ہند، ناگ پور (مہاراشٹر)

۴ مارچ کی شام میں اچانک خانقاہ قادریہ بدایوں شریف کے زبیب سجادہ حضرت مولانا سالم القادری کے لائق فرزند ممتاز محقق و نقاد مولانا سید الحق عاصم القادری کی شہادت کی خبر ملی تو ذرا بھی یقین نہیں آیا کہ ابھی جو اس سال علالت کی بھی کوئی خبر نہیں۔ پھر اچانک یہ اندوہ ناک خبر ممبئی سے مفتی یحییٰ رضانے فون کے ذریعے دیا۔ تفصیلی حالات معلوم ہونے پر دیر تک سکتہ رہا اور بے ساختہ زبان پر استرجاع جاری ہوا۔

موت برحق ہے، اس کا وقت متعین ہے۔ مولانا سید الحق بڑی مختصر عمر لے کر میدان علم و عمل میں آئے تھے۔ ان کی دینی، ملی، مذہبی، علمی، قلمی خدمات کے پیش نظر ملت اسلامیہ بہت سی امیدیں وابستہ کر بیٹھی تھی۔ مذہب و مسلک اور خانقاہ بدایوں کے بزرگوں کی علمی و دینی خدمات کی ترویج و اشاعت کے قابل تعریف اقدام پر ارباب علم و قلم دیر تک رفاقت کے خواہاں تھے۔ ان کی شہادت پوری ملت کا عظیم خسران و نقصان ہے۔ فکر و قلم کا جادو ابھی جو بن پر ہی تھا کہ کفن پوش ہو کر تہہ خاک ہو گیا۔ آج ہی ایک خواب دیکھا: آپ سر راہ اداس بیٹھے ہیں اور گیند نما کوئی چیز سامنے رکھی ہے۔ میں نے اس کی تعبیر یہ نکالی کہ آپ کا شریک سفر آپ سے رخصت ہو گیا اور آپ ایک اچھے رفیق سے محروم ہو گئے۔ مولیٰ تعالیٰ ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔ خانقاہ قادریہ بدایوں شریف کے سجادہ نشین و افراد خاندان کے ساتھ ساتھ تمام وابستگان سلسلہ کے لیے کڑی آزمائش کی گھڑی ہے۔ ہم ان کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔ اللہ قادر و مقتدر ان کے والد بزرگوار و پسماندگان نیز تمام متعلقین کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے اور انہی کے خاندان میں کوئی ”اسید ثانی“ پیدا ہو، جو اس خلا کو پر کر دے۔ آمین۔ (مکتوب ہنام: خوشتر نورانی / ۸ مارچ ۲۰۱۴ء)

□□□

مدتوں روپا کریں گے جام و پیمانہ تجھے

ڈاکٹر کلیل اعظمی

محلہ کریم الدین پور، گھوسی، سو (یو پی)

جان کر مجملہ خاصان میخانہ تجھے      مدتوں روپا کریں گے جام و پیمانہ تجھے

مورخہ ۴ مارچ ۲۰۱۴ء کی شام کو دیار غوث اعظم رضی اللہ عنہ میں مولانا سید الحق قادری بدایونی کی شہادت کی خبر سے اہل علم و فن میں غم و اندوہ کا طوفان برپا ہو گیا۔ جیسے ہی مجھے اس حادثہ فاجعہ کی اطلاع ملی، ایک سکتہ سا طاری ہو گیا۔ بہت دیر تک خود کو سنبھال نہ سکا۔ پھر جب حواس قدرے بجا ہوئے تو مرحوم (جنہیں مرحوم لکھتے ہوئے کلیجہ منہ کو آتا ہے) سے دیرینہ دوستانہ تعلقات کی یادیں تازہ ہونے لگیں۔

وہ نہ صرف ایک قلمی دوست تھے، بلکہ حق دوستی ادا کرنے کے جملہ تقاضوں سے بخوبی واقف تھے۔ موبائل کے ذریعے برابر رابطہ قائم رکھتے،

خیر و عافیت معلوم کرتے اور مختلف علمی و ادبی مسائل پر تبادلہ خیالات کرتے۔

عبد حاضر میں نوجوان طبقہ علما میں اپنا ایک منفرد اور نمایاں مقام رکھتے تھے۔ علوم دینیہ سے شغف رکھنے والے جدید اسکالرس کے لیے آئیڈیل تھے۔ ایک مایہ ناز قلم کار، ایک صاحب طرز ادیب، ایک سنجیدہ تنقید نگار، ایک بالغ نظر محقق، ایک لائق و فائق مدرس و خطیب، ایک خوش فکر و خوش گو شاعر جو کبھی ابوالفیض معینی کے روپ میں اور کبھی اسید الحق عاصم القادری کے رنگ میں اپنے علمی و تحقیقی جواہر پاروں سے دنیائے علم و ادب کو بہرہ ور کرتے رہے۔ گفتگو میں شرافت و ذہانت، لہجے میں حلاوت و لطافت، شخصیت میں جاذبیت و مقناطیسیت اور اس پر مستزاد خاندانی وجاہت و نجابت..... ع

ایسا کہاں سے لائیں کہ تجھ سا کہیں جسے

ایسے عالی ظرف و خوش خصال کہ اختلاف رائے رکھنے والوں اور حرف گیری کرنے والوں کی تلخ کلامی و تلخ نوائی کا جواب بھی کبھی جارحیت، تلخپخت اور معیار ادب و شرافت سے گر کر نہیں دیا۔ طرز تحریر شستہ و شگفتہ، لطیف رنگ ظرافت، پیچیدہ و ادق علمی مسائل کی تسہیل و تفہیم موصوف کی امتیازی شان تھی۔ سچ ہے..... ع بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ و در پیدا

مولانا موصوف نے کئی بار مولانا خوشتر نورانی کے ساتھ غریب خانے کو بھی شرف بخشا، دلچسپ صحبتیں رہیں، علمی و ادبی مسائل زیر بحث رہے۔ آخری بار ۱۹ مئی ۲۰۱۱ء کو میرے جشن (جشن تکلیل اعظمی) میں مولانا خوشتر نورانی کے ہمراہ شریک ہوئے اور ازراہ خلوص و محبت اپنی اور اراکین جام نور کی جانب سے توصیف نامہ اور خوش نما قیمتی شال پیش کی۔

ابھی ۱۰ مارچ ۲۰۱۳ء کو حضرت آسی سیمینار بنارس میں شرکت فرما کر مولانا خوشتر نورانی کے ساتھ ملاقات کے لیے گھوسی تشریف لانے والے تھے۔ لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا: اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

رب کریم و قدیر مرحوم کی مغفرت فرمائے، درجات بلند فرمائے اور جملہ پسماندگان و متعلقین کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔

ایں دعا ازمن و از جملہ جہاں آمین باد

□□□

جماعت اہل سنت غم و اندوہ میں خوب گنی

پروفیسر غلام محیٰ اعظم

صدر: شعبہ علوم اسلامی، جامعہ ہمدرد، نئی دہلی

جاتے ہوئے کہتے ہو قیامت کو ملیں گے کیا خوب! قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور

تغزیت نامہ لکھتے وقت میرے ہاتھ کانپ رہے ہیں کہ کس طرح ایک نوجوان، وفا شعار، ہوشیار، صاحب کردار، متمحل و بردبار، محبت و مہربان، میدان تصنیف و تالیف کا شہسوار، چھوٹوں پر شفیق اور بڑوں کی عظمت کا پاسدار، علم و عمل کی دولت سے سرشار، فرزند ارجمند کی شہادت کے زخموں کو کھریا جائے۔ رب کی مشیت کے سامنے کسی کا چارہ نہیں، اللہ تعالیٰ کے ہر فعل و عمل میں کوئی نہ کوئی حکمت ضرور ہوتی ہے، فعل الحکیم لا یخلو عن الحکمة جس تک بندے کی رسائی نہیں ہو پاتی، اس میں بندہ اضطراب و بے چینی کا شکار ہو جاتا ہے۔ حضرت مولانا اسید الحق قادری کی شہادت سے جو صدمہ آپ کو اور آپ کے خاندان کے کو پہنچا ہوگا اس کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔ ہم تو صرف اتنا جانتے ہیں کہ مولانا موصوف کی رحلت سے دنیائے سنیت غم و اندوہ اور رنج و الم میں ڈوب گئی، شہادت کی خبر ملتے ہی میری آنکھوں سے بے ساختہ آنسو نکل پڑے اور تھوڑی دیر کے لیے میں سکتے میں آ گیا اور مجھ جیسے نہ جانے کتنے لوگوں کے دلوں پر اس قسم کی کیفیت طاری ہوئی ہوگی، کیوں کہ مرحوم کا تعلق اس طبقہ علما و مشائخ سے تھا جو اپنی

ایک ہی ملاقات میں لوگوں کو گرویدہ بنا لیتے تھے۔

حضرت مولانا اسید الحق قادری ذی علم تھے، انہوں نے اپنی کم عمری ہی میں اتنا کچھ کر دیا تھا جسے عملی جامہ پہنانے کے لیے ایک مدت درکار ہوتی ہے۔ جس برق رفتاری سے ان کا قلم چل رہا تھا، وہ بلاشبہ ملت اسلامیہ بطور خاص اہل سنت و جماعت کے لیے سرمایہ افتخار تھا۔ سادہ اسلوب میں مدلل گفتگو کرنے کے عادی تھے، جس موضوع پر قلم اٹھاتے اس کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کرتے۔ افسوس صد افسوس! خانقاہ قادریہ کا یہ تابندہ چشم و چراغ، خانوادہ قادریہ بغداد کے آغوش میں یہ پیغام دے کر ابدی نیند سو گیا.....

مرا نہیں ہوں غم نبی میں لباس ہستی بدل گیا ہے

(مکتوب بنام: حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری / ۱۳ مارچ ۲۰۱۳ء)

□□□

## وہ ایک عظیم علمی و روحانی خانوادے کے عظیم فرد تھے

### مفتی محمد خان قادری

شیخ الجامعہ: جامعہ اسلامیہ، لاہور (پاکستان)

حضرت صاحبزادہ اسید الحق رحمہ اللہ کی شہادت کے حوالے سے علم ہوا تو اس خبر نے سو گوار کر دیا۔ وہ ایک عظیم علمی اور روحانی خانوادے کے عظیم فرد تھے، ان کی بعض علمی اور تحقیقی کاوشیں راقم کی نظر سے گزری ہیں۔ انہوں نے ہندوستان میں ہی تعلیم حاصل نہیں کی، بلکہ جامعہ الازہر سے بھی اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے دینی درسگاہوں اور خانقاہوں سے وابستہ افراد کے لیے ایک روشن مثال قائم کی۔ آج اگر ہمارے علما اور مشائخ کے صاحبزادے علامہ اسید الحق رحمہ اللہ کے نقش قدم پر چل پڑیں تو ایک عظیم علمی اور روحانی انقلاب برپا ہو سکتا ہے۔

ایسے عظیم بیٹے کی رحلت پر ہم آپ کو کن الفاظ سے تعزیت پیش کریں؟ آپ خود ایک عظیم علمی و روحانی گھرانے کے چشم و چراغ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت ہے کہ انہیں شہادت کی موت اور حضور غوث اعظم کے قدموں میں آرام گاہ نصیب ہوئی۔ ہم دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ، جملہ اہل خانہ اور وابستگان کو صبر جمیل اور اجر جزیل عطا فرمائے۔ اعظم اللہ اجرکم فی ابنکم و متعکم بالصحة والعافية و حول العمر فی خدمة الدين۔

(مکتوب بنام: حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری)

□□□

## مولانا کا سانحہ ارتحال عالم اسلام کے لیے المیہ ہے

### پروفیسر محمد اقبال مجددی

سابق صدر: شعبہ تاریخ، اسلامیہ کالج، لاہور (پاکستان)

مولانا کی شہادت کا سانحہ واقعی نہ صرف پاک و ہند بلکہ عالم اسلام کے لیے ایک بڑا المیہ ہے، موصوف نے اپنے اجداد کرام کی طرح خود کو درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کے لیے وقف کر دیا تھا۔ بہت کم عمری سے لکھنا شروع کیا، جوانی میں ہی کل ۳۹ سال کی عمر میں بغداد شریف کے دہشت گردی کے ماحول کی نذر ہو گئے۔ حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے مزار مبارک کی زیارت کے لیے گئے اور ذوق و وجدان کی پُر کیف حالت میں دنیا سے رخصت ہو گئے۔

ہندوستان پر برطانوی حکومت کے دور میں جس طرح علما کو اختلافی مسائل میں الجھا کر ان کو اصل مقصد حیات سے ہٹا کر ایک دوسرے



خلاف کر دیا گیا اور اسلام کے بنیادی عقائد سے ان کی توجہ اختلافی امور میں لگا کر انہیں ملت اسلامیہ کی تعمیر و ترقی کی بجائے تخریب کی دلدل میں پھنسا دیا، اسلام میں ان گنت غیر اصل مسائل پیدا کر کے انہیں تقلید، عدم تقلید، ختم نبوت، مسلم معاشرے میں مقام نبوت کی قدر و منزلت کو گرانے اور مسلمہ عقائد میں شکوک و شبہات پیدا کر دینے کی کوشش کی تاکہ یہ آپس میں الجھ کر اتنے کمزور اور بے حیثیت ہو جائیں کہ حکومتی معاملات میں مداخلت نہ کر سکیں۔ یوں تو فرنگی محل (لکھنؤ)، خیر آباد، بدایوں اور بریلی ہندوستان کے محض شہر ہیں لیکن وہاں کے علمائے فقہ حنفی کا جس طرح دفاع کیا اس سے نہ صرف برصغیر میں فقہ حنفی کو بقا ملی بلکہ اسلام کے اصل عقائد کی بنیادیں متزلزل ہونے سے پوری طرح بچ گئیں۔ ایسے میں بدایوں کے ایک بہت ہی باوقار خانوادہ عثمانی نے علما کو اس طرف متوجہ کیا اور ہندوستان میں پروان چڑھتی ہوئی وہابیت و نجدیت کے عقائد فاسدہ سے آگاہ کیا۔ بدایوں کے حضرت مولانا فضل رسول اور ان کے خانوادہ حوزہ علمیہ نے عقائد حقہ اہل سنت کی بھرپور تحریری تائید کی۔ ہمارے دور میں اس عظیم خاندان کے ایک دانشمند ستارے حضرت اسید الحق محمد عاصم قادری عثمانی بدایونی تھے جن کی گراں بہا کتب اب ہمارے لیے نہ صرف سرمایہ افتخار ہوں گی بلکہ رہنمائی کا ذریعہ بھی بنیں گی۔ رب کریم اس شہید مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں خاص مقام عطا فرمائے۔ آمین۔

□□□

### علامہ اسید الحق قادری کی رحلت جماعت کا عظیم خسارہ

#### مولانا سید قمر شاہ جہانپوری

قاضی شہر کانپور (یوپی)

۴ مارچ ۲۰۱۴ء بروز منگل کی شب آپ کے مرید خاص جناب زاہد بھائی نے فون پر اطلاع دی کہ بغداد شریف میں میرے محسن، ولی عہد خانقاہ قادری شہید ہو گئے۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔ یہ خبر سن کر گھر کے سبھی افراد پوری رات حضرت کے لیے دعائے مغفرت اور آپ لوگوں کے لیے معجزہ میل کی دعا کرتے رہے۔ ہر طرف مایوسی چھا گئی۔

حضرت علامہ اسید الحق عاصم القادری کی رحلت اہل سنت و جماعت کا ایک عظیم خسارہ ہے۔ وہ نہ صرف ایک عظیم علمی خانوادے کے روشن چشم و چراغ بلکہ اس کے علمی امین و وارث تھے اور ایک عظیم اسلامی اسکالر تھے۔ پروردگار عالم اپنے محبوب سرکار مدینہ اور غوث اعظم کے صدقہ و طفیل انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ شہر کانپور کے تمام مدارس و خانقاہوں میں مسلسل تعزیتی و دعائیہ جلسے ہو رہے ہیں۔ احقر نے بھی شہر کے علما، ادبا، شعرا اور سماجی شخصیات کی موجودگی میں تعزیتی جلسے کا انعقاد کر کے ایصال ثواب کیا۔ میں بذات خود اور شہر کے تمام اہل سنت و جماعت کے علما اور آپ سے بے پناہ محبت کرنے والے آپ کے ساتھ ہیں اور آپ کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔

□□□

### مولانا اسید الحق قادری ایک عظیم مفکر و مدبر تھے

#### مولانا شمس الہدیٰ مصباحی

استاذ، الجامعۃ الاشرافیہ مبارک پور، اعظم گڑھ (یوپی)

شہید قادری محبت مکرم حضرت مولانا اسید الحق قادری رحمہ اللہ تعالیٰ ایک متواضع، منکسر المزاج، پختہ قلم کار، ٹھوس صلاحیت کے مالک اور جماعتی درد رکھنے والے عظیم مفکر و مدبر تھے۔ خدا تعالیٰ نے شہید قادری کے قلم میں بے شمار برکتیں ودیعت فرمادی تھیں کہ چند ہی سال کے اندر سو سے زائد کتب پر ان کے قلم سیال نے کام کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے منصفہ شہود پر جلوہ بار ہو گئیں۔

میں نے انھیں اس وقت بہت قریب سے دیکھا جب ۲۰۰۰ء میں الجامعۃ الاشرافیہ کا جامعہ ازہر قاہرہ سے رابطے کی خاطر میرا دورہ ہوا۔ سب مولانا موصوف رحمہ اللہ تعالیٰ کو خبر ہوئی تو بڑی لگن کے ساتھ حضرت مولانا محمد نعمان ازہری کی معیت میں میرے اہداف کی تکمیل میں جئے رتبہ، رئیس الاذہر اور شیخ الاذہر سے ملاقات کے لیے ایک وفد کی تشکیل میں پیش پیش رہے اور گرامی قدر ڈاکٹر حازم محفوظ، استاذ جامعہ ازہر کی مساعی جمیدہ بھی ناقابل فراموش ہیں۔ جامعہ اشرافیہ کے ازہر شریف سے معادلے کی درخواست جامعہ میں عربی ادب کی تعلیم کے لیے ازہر سے استاذین فرمائیں۔ جامعہ کے فضلا کے ازہر میں داخلے کا معاملہ اور کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن کی توثیق وغیرہ وغیرہ کئی امور پر مشتمل درخواست رئیس الاذہر کو پیش کی گئیں اور اس کی خبر وہاں ”صوت الاذہر“ اور ”الجمہوریہ“ وغیرہ اخبار میں شائع ہوئی۔ وہاں ”مدینۃ البعث“ میں برصغیر کے ازہری طلبہ کے ساتھ میری ایک اہم میٹنگ ہوئی، اسکندریہ و طنطا وغیرہ کا بھی دورہ رہا اور حضرت شہید قادری میرے ساتھ ہرموڑ پر پوری دلچسپی کے ساتھ ہرموڑم عمل رہے۔ حتیٰ کہ ہوائی اڈہ پر الوداع کہنے کو بھی موجود رہے۔ بڑے خلیق، مفسر، علمی وقار، فاضلانہ کردار و گفتار۔ حضرت موصوف کی شہادت سے جماعت میں ایک بڑا خلا پیدا ہو گیا ہے۔ خدا عزوجل اپنے کرم خاص سے اس خلا کو پر فرمائے اور جماعت اہل سنت کو حضرت شہید قادری رحمہ اللہ تعالیٰ کا نعم البدل عطا فرمائے اور جو اررحمت میں جگہ مرحمت فرمائے۔ اہل خانہ اور احباب کو صبر و شکر کی توفیق بخشے، آمین۔

□□□

یہ ایک فرد کا نہیں پوری ملت کا غم ہے

## ڈاکٹر نوشاد عالم چشتی

مدیر اعزازی ماہنامہ ماہ نور، دہلی

فخر علم و تحقیق حضرت مولانا اُسید الحق عاصم القادری کی زندگی میرے لیے ایک کھلی ہوئی کتاب کی طرح ہے۔ ان کی کتاب حیات کو بڑے قریب سے دیکھنے، سننے، پڑھنے کا موقع ملا بلکہ وہ تو میرے قریبی دوستوں میں سے تھے، جماعتی مسائل پر تبادلہ خیال، امت کی اصلاح اور روح و قلم کی پرورش میں میں ہر قدم پر ان کے ساتھ رہا، وہ ہمارے حلقہ احباب میں سب سے محترم، قابلِ قدر بلکہ سرمایہ افتخار تھے۔ قدرت کی فیاضی نے انھیں بہت سے انعامات سے نوازا رکھا تھا۔ بعض لوگ ایسی شخصیت کے دُنیا سے چلے جانے کے بعد اس کی صلاحیتوں کا اعتراف کرتے ہیں لیکن اللہ کے اس بندے کی خوبیوں کا مجھے شروع ہی سے اعتراف تھا، یہی وجہ ہے کہ میں اس عبقری وقت، نیک سیرت انسان کا دل سے احترام کرتا تھا۔ بلاشبہ وہ اپنے اسلاف کی سچی تصویر تھے، ان کی علمی روایتوں اور تہذیبی شرافت کے وارثِ کامل تھے، اپنے گونا گوں کمالات اور خوبیوں کے باعث اگر ایک طرف اپنے ہم عقروں پر سبقت لے گئے تو دوسری جانب اکابرِ علمی شخصیات کی نگاہ توجہ و التفات کا مرکز بن گئے تھے۔ ذَلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْہِ مَن یَّشَآءُ۔

علمی دُنیا میں جہاں وہ درس و تدریس کے اعلیٰ علمی عہدے صدر مدرس اور شیخ الحدیث کے منصب پر فائز تھے تو دوسری جانب قرطاس و قلم کے میدان میں بھی اپنی بلند پایہ علمی خدمات کا مظاہرہ کیا، درجنوں تحقیقی موضوعات پر علمی اسلوب میں کتابیں تصنیف فرمائیں۔

علم کے لیے عجب و خود نمائی اور خود ستائی ایک ایسی دیمک ہے جو کہ اسے کھوکھلا اور بے جان کر دیتی ہے اور عاجزی، انکساری و فروتنی ایسے جامع اوصاف ہیں کہ اسے بامِ عروج تک پہنچا دیتے ہیں۔ بحمد اللہ مولانا اُسید الحق قادری، ابوبنی جن کے سر پر اپنے اسلاف و اکابر کی دعاؤں کا ساہبان تانا ہوا تھا وہ اس موذی و مہلک مرض سے ہمیشہ محفوظ رہے۔ ان کی شخصیت یقیناً امت مسلمہ کے لیے بے مثال نعمت، انمول جوہر اور سرمایہ افتخار تھی، وہ اختلاف و مخالفت سے بے نیاز ہو کر اپنی علمی، تحریکی اور تبلیغی و دعوتی مشن میں لگے رہے۔ یہی وجہ ہے کہ عمر عزیز کے نہایت قلیل عرصے میں انھوں نے علم و فن کی جو بے نظیر خدمت انجام دی ہر شخص کے بس کی بات نہیں۔ جانے کو تو وہ چلے گئے لیکن پوری امت مسلمہ آج ان کے غم میں

سر اپا غمزدہ بنی ہوئی ہے۔ ایسے ہی حضرات کے بارے میں علامہ اقبال نے کہا ہے:

جہاں میں اہل ایمان صورتِ خورشید جیتے ہیں

ان کے اچانک سانحہ ارتحال سے علم و تحقیق کی دنیا میں جو عظیم خلا پیدا ہو گیا ہے شاید ایک طویل مدت تک پورا نہ ہو سکے۔ ان کا وصال ملتِ اسلامیہ ہند ہی کے لیے نہیں بلکہ عالمِ اسلام کے لیے ایک اعصاب شکن صدمہ اور مسلم امت کے لیے اس صدی کا سب سے بڑا علمی خسارہ ہے۔ پوری ملتِ اسلامیہ ان کے غم میں سوگوازی ہے، کیونکہ یہ محض ایک فرد کا غم نہیں، بلکہ یہ پوری ملت اور جماعت کا غم ہے۔

ان کا سانحہ ارتحال اگر طبعی ہوتا تو ہم کچھ دیر کے لیے صبر کر لیتے لیکن وہ تشددِ دین کی دہشت گردی کے شکار ہوئے ہیں۔ ان کی شہادت پر پوری ملتِ اسلامیہ شدتِ غم سے چیخ پڑی ہے۔ ان کی بارگاہ میں ملتِ اسلامیہ کا سب سے بڑا خراجِ عقیدت ہمارے نزدیک یہ ہے کہ ان کے یومِ شہادت ۳۴ مارچ کو ہر سال بطور ”یومِ انسدادِ دہشت گردی“ کے منایا جائے۔ یہ ان کی روح کے لیے سب سے اہم خراجِ عقیدت ہوگا، کیونکہ وہ علمی و فکری انقلاب کے ساتھ اتحادِ امت کے بھی سفیر تھے۔

آپ کے اچانک سانحہ ارتحال پر گرامی قدر مولانا سید ابوالحسن اشرفی اور محبتِ گرامی سید ظفر اقبال اشرفی (یو کے) نے راقم الحروف سے گہرے رنج و غم اور صدمے کا اظہار کیا۔ میں ذاتی طور سے علامہ کی شہادت پر ان کے محترم والد گرامی حضرت مولانا شیخ عبدالحمید سالم القادری اور ان کے عزیز بھائی مولانا عبدالغنی عطیف قادری کی خدمت میں، جن کی نگاہوں کے سامنے یہ شہادت ہوئی، اظہارِ تعزیت کرتے ہوئے اللہ رب العزت کی بارگاہ میں دعا گو ہوں کہ وہ ان کے پسماندگان اور جملہ احباب و اعزہ خصوصاً ان کی اہلیہ و اہل خانہ کو صبر جمیل عطا فرمائے اور خانوادہ قادریہ کو ان کا صحیح نعم البدل عطا فرمائے، آمین۔

□□□

## مولانا اسید الحق قادری تاریخِ رقم کر گئے

### ملتی آل مصطفیٰ مصباحی

جامعہ امجدیہ رضویہ، گھوسی، منو (یو پی)

یہ معلوم کر کے بڑا رنج و غم لاحق ہوا کہ محبتِ مکرم مولانا اسید الحق عاصم القادری دلی عہد آستانہ عالیہ قادریہ بدایوں، بغداد شریف میں ایک دہشت گردانہ حملے میں شہید ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مولانا موصوف کا اچانک وصال کر جانا نہ صرف خانقاہ قادریہ بدایوں کا نقصان ہے، بلکہ یہ قوم و ملت کا بھی بڑا نقصان ہے اور سیت کا عظیم خسارہ۔ مولیٰ تعالیٰ انہیں جو رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور آپ تمامی حضرات خصوصاً صاحبِ سجادہ خانقاہ قادریہ بدایوں کو صبر جمیل عطا کرے۔

مولانا مرحوم دنیا سے چلے گئے مگر اپنے ساتھ کچھ ایسی خوبیاں بھی لے گئے جو اب ان کے معاصرین میں نظر نہیں آتیں، وہ اس خانوادے سے تعلق رکھتے تھے، جن کے آباؤ اجداد نے دین و سیت کی خدمت کے حوالے سے عظیم و تاریخی کارنامہ انجام دیا ہے، وہ خود اس حوالے سے ایک تاریخ رقم کر گئے، وہ کئی بار گھوسی آئے، اپنے زمانہ طالب علمی میں تو متعدد بار اپنے استاذ امام علم و فن حضرت خواجہ مظفر حسین صاحب کے ہمراہ کئی بار جامعہ امجدیہ آئے، زیادہ تر اس فقیر کے یہاں قیام رہتا اور دیر رات تک علمی و فنی موضوعات پر بحثیں ہوتیں۔

مولانا نے ذہانت خداداد پائی تھی، اس لیے وہ بھی بحثوں میں دل جمعی سے شریک ہوتے، وہ خواجہ صاحب کے تلمیذ رشید نہیں، ارشد تھے، ان کے عہد طالب علمی کی ان ملاقاتوں نے ایک دوسرے کی قدر دانی اور محبت پر ہمیں کیا اور کم عمر ہونے کے باوجود ایک اچھے دوست بن گئے، جب وہ جامع از ہر مصر گئے تو خیر و خیر، علمی مشاغل اور وہاں کے حالات پر مشتمل خطوط بھی ارسال کرتے رہے، جب مجھے ”الاشباہ والنظائر“ لاہور مجیم حنفی کامل

اور رسائل ابن عابدین (شامی) کی ضرورت پڑی تو انہوں نے مصر سے ایک مولانا صاحب کے بدست بھیجا، جس سے کتاب کی تعلیم و تدریس اور فقہی مسائل کے حل میں بڑی مدد ملی، ان کے علاوہ درجنوں کتب و رسائل جو تاج الفحول اکیڈمی کی مطبوعات ہیں انہوں نے بھیجے۔ کئی بار مدرسہ قادریہ بدایوں کی قدیم لائبریری سے چند نایاب کتابوں کے مطالعے کی ضرورت پڑی تو انہوں نے وہ کتابیں بھیجیں۔

جب مسئلہ ”کفایت“ پر ملک کے کثیر الاشاعتی اردو روز نامہ ”راشتر یہ سہارا“ اخبار میں میرے خلاف وہابیوں کے بیانات شائع ہوئے تو جوابی مضمون و بیان کو شائع کروانے میں انہوں نے اپنی کوشش صرف کی، جس سے متعدد اخبار میں وہابیوں کے خلاف میرا جوابی مضمون شائع ہوا۔ وہ حضرت سیف اللہ المسلمول و حضرت تاج الفحول و دیگر بزرگوں کے اعراس کے موقع پر بڑے خلوص سے دعوت نامے بھیجتے، مگر میں اپنی عدیم الفرستی کے باعث شریک نہیں ہو پاتا، کم ہی تقریبات میں شرکت ہو سکی، جشن صد سالہ حضرت تاج الفحول کے موقع پر انہوں نے بحیثیت خطیب اور سیمینار میں بحیثیت مضمون نگار مدعو کیا، کئی احباب بھی ساتھ تھے اور شرکت ہوئی، اس سال عرس قادری کی دعوت تو بڑے اصرار سے دی، جس میں حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شہزادے حضرت سید محمد توفیق گیلانی مدظلہ العالی بھی تشریف فرما تھے، شاید زیادہ اصرار اس لیے تھا کہ اب آئندہ خاص اُن کی جانب سے دعوت کا سلسلہ بند ہو جائے گا۔ اس بار اتفاق ایسا ہوا کہ مارہرہ مطہرہ کا عرس مبارک بھی انہی ایام میں تھا، اس طرح مختصر وقت میں دونوں عرسوں میں حاضری کی سعادت حاصل ہوئی۔

وہ ایک اچھے قلم کار بھی تھے، متعدد موضوعات پر ان کے مقالات و مضامین قارئین سے داد تحسین وصول کر چکے ہیں۔ اعلیٰ حضرت، مجددین و ملت امام احمد رضا قدس سرہ پر بھی انہوں نے گراں قدر مضامین و علمی مقالات لکھے، ابھی حال میں اعلیٰ حضرت کے دو قصیدے ”قصیدتان راجحان“ جو سیف اللہ المسلمول علامہ شاہ فضل رسول بدایوںی قدس سرہ کی مدح میں کہے گئے ہیں، اس کی ایک نئی عربی شرح کا علمی و بدعی تنقیدی جائزہ لیا، جو ماہنامہ جام نور میں قسط وار شائع ہو چکا ہے۔

وہ ایک عمدہ ناقد بھی تھے، ”خامہ تلاشی“ کے عنوان سے ماہنامہ ”جام نور“ میں ان کی علمی و ادبی و لسانی تنقیدیں ان کے ایک اچھا ناقد ہونے کا پتہ بتاتی ہیں۔ وہ ایک اچھے محقق بھی تھے اور مصنف بھی اور باصلاحیت مدرس بھی۔ انہوں نے مدرسہ عالیہ قادریہ کے نظام تعلیم و تربیت میں کافی خوش گوار تبدیلی پیدا کی، جس سے یہ ادارہ اپنی عظمت رفتہ کی بازیابی کے لیے پھر سے پایہ رکاب ہو گیا۔ وہ اپنے عزیزوں، دوستوں اور بزرگوں کا خاص خیال رکھتے تھے، اہل سنت کے مابین ہونے والے اختلاف سے اپنے کو دور و نفور رکھنے کی کوشش کرتے، سنی خانقاہوں اور ان کے ارباب حل و عقد کا احترام کرتے، علماء و صلحا کی تعظیم و تکریم میں حتی المقدور کمی نہیں ہونے دیتے۔ اب جب کہ وہ بغداد معلیٰ میں ایک دہشت گردانہ حملے میں شہید ہو گئے، تو ان کی یاد کچھو کے لگاتی ہے، ان کے دینی و علمی کارنامے یاد آتے ہیں، ماضی کی علمی مجلسیں نگاہوں کے سامنے پھرنے لگتی ہیں، البتہ یہ سن کر اطمینان و خوشی ہوتی ہے کہ اپنے دوستوں، عزیزوں اور بزرگوں کو اچانک چھوڑ کر جدا ہونے والے اس عالم دین کو حضور غوث الثقلین، تاج دار بغداد، سیدنا شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جوار کرم میں دفن ہونا نصیب ہوا ہے، جو ان کے مغفور اور جنتی ہونے کی واضح علامت ہے۔ غالباً رب کریم نے ان کی علمی و دینی خدمات، ان کے خلوص، ان کی محبت اور بزرگوں سے عقیدت و احترام خصوصاً نسبت قادریت کی پختگی کی وجہ سے انہیں یہ سعادت عطا فرمائی ہے، استاد فن میر کا یہ شعر رہ کر یاد آتا ہے:

مرگ مجنوں پہ عقل گم ہے میر کیا دوانے نے موت پائی ہے

ان کی علمی و دینی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے، میں انہیں ان الفاظ میں دعا دیتا ہوں جن الفاظ میں اعلیٰ حضرت مجددین و ملت علیہ الرحمہ نے ان کے جدا مجد حضرت سیف اللہ المسلمول کو اپنے قصیدے میں دعا دی تھی:

اللہ یجزیہ الجنان کما بنی للبدین قصر اجید الارکان

□□□



### مفتی محمد کرم خان محمود قادری

چیف ایڈیٹر: ماہنامہ جہان محمود، کراچی (پاکستان)

ہزاروں سال نرس اپنی بے نوری پہ روتی ہے بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

ابھی کچھ ہی دنوں کی بات ہے جب مولانا اسید الحق قادری رحمۃ اللہ علیہ ہمارے درمیان موجود تھے۔ ان کی تقریروں، تحریروں سے ہم پاکستان میں بیٹھ کر مستفید ہوا کرتے تھے۔ گاہے گاہے سوشل میڈیا نیٹ ورک کے ذریعے اور براہ راست فون پر ان سے بات ہو جایا کرتی تھی، لیکن ہائے افسوس! اب ہم ان کی اعلیٰ فکر، بالا سوچ اور سیت کے لیے ان کی درد مندانہ تڑپ سے محروم ہو گئے۔ اس وقت سیت کو جس اعلیٰ فکر کی ضرورت تھی وہ اعلیٰ فکر مولانا اسید الحق قادری بدایونی رحمۃ اللہ علیہ کی صورت میں ہمارے سامنے موجود تھی۔

مگر افسوس کہ آج سیت ایک عظیم مفکر سے محروم ہو گئی۔ جس سانچے سے آپ اور پوری اہل سنت گزری اور گزر رہی ہے اس کو بھلانا شاید اتنا آسان نہیں۔ لیکن اللہ رب العالمین کو شاید یہی منظور تھا۔ علامہ کے لیے دل کی گہرائیوں سے دعا نکل رہی ہے کہ مولیٰ تعالیٰ مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرما کر لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے اور بالخصوص مولانا اسید الحق قادری بدایونی علیہ الرحمۃ کو جو محبت و الفت آپ سے تھی اور آپ کو جو محبت و الفت ان سے تھی اس پر میں صمیم قلب سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین (مکتوب بنام: خوشتر نورانی)

□□□

### مولانا اسید الحق قادری علما کے لیے مینارۂ نور تھے

#### مولانا محمد انوار احمد قادری

نائب شیخ التفسیر: جامعہ نظامیہ و ایڈیٹر مذہبی سپلیمنٹ روزنامہ "اعتماد" حیدرآباد (دکن)

آں محترم کے عزیز القدر فرزند اور اہل سنت کے ذی وقار محقق مولانا اسید الحق عاصم القادری کو شہر بغداد کے قریب دہشت گردانہ حملے میں شہید کیے جانے کی خبر نے بالخصوص علمائے اہل سنت کو غمزدہ کر دیا۔ برصغیر میں مولانا اسید الحق علمائے اہل سنت کے نوجوان طبقے کے لیے مشعل راہ اور مینارۂ نور کی حیثیت تھے۔ انہوں نے علم و فضل اور نقد و تحقیق کی نئی گرہیں کھولیں، علما کی نئی نسل کو ماضی کے ساتھ ساتھ مستقبل پر نظر رکھنے کا ہنر سکھایا، ان کی تحریروں نے بعض جزئی امور میں اہل سنت کی روایتی سوچ سے باہر آنے کا مودبانہ سلیقہ دیا۔ ۲۰۱۱ء میں اپنے دورہ حیدرآباد کے موقع پر جامعہ نظامیہ تشریف لائے تھے، اس وقت احقر کو موصوف سے ملاقات اور بعض تحقیقی امور میں گفتگو کا موقع ملا تھا، وہ جامعہ نظامیہ اور اس کی علمی سرگرمیوں کو از حد پسند کرتے تھے اور شیخ الاسلام حضرت انوار اللہ فاروقی علیہ الرحمہ اور علمائے جامعہ نظامیہ کی تصانیف کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

بارگاہِ غوثیت سے تعلق خاطر آپ کے خانوادے کا طرہ امتیاز ہے، چنانچہ احقر کا یہ احساس ہے کہ حضور پیران پیر علیہ الرحمہ نے مولانا اسید الحق عاصم القادری کو اپنے "ابدی قرب" سے سرفراز کر کے نہ صرف ان کو اور خانقاہ قادریہ بدایونی شریف کو اپنی رضا و خوشنودی کی سند عطا کی ہے، بلکہ حضرت غوث اعظم دہلی علیہ الرحمہ سے محبت رکھنے والے ہند کے تمام علما و مشائخ پر لطف و کرم کی بارش فرمائی ہے۔ اس موقع پر میں شہید بغداد کے جمیع افراد خاندان اور رفیق خاص مولانا خوشتر نورانی صاحب سے بھی اظہار تعزیت کرتا ہوں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو صبر جمیل عطا فرمائے اور مولانا محمد عبدالغنی عطیف میاں کی اپنے برادر کلاں کے مشن کو آگے بڑھانے میں مدد فرمائے۔ (مکتوب بنام: حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری)

□□□

## مفتی محمد حسان رضا عطاری المدنی

دارالافتا کenz الایمان، بابر چوک، کراچی (پاکستان)

محبت محترم اور شفیق رہنما حضرت مولانا اسید الحق عاصم القادری بدایونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی شہادت کے دن عشا کے بعد مجھ سے کسی نے فون پر معلوم کیا کہ یہ بات صحیح ہے کہ اسید الحق صاحب کو شہید کر دیا گیا ہے، اور اس کے sms چلائے جا رہے ہیں؟ حقیقت حال معلوم نہ ہونے کی وجہ سے میں نے انکار کیا اور کہا ایسے sms ہمارے یہاں ہند کے دیگر علما کے لیے پہلے بھی چلائے جا چکے ہیں۔ لیکن فون بند کرنے کے بعد دل پر ایک عجیب سی بے چینی طاری ہو گئی، میں نے مولانا حسین مدنی کو فون کیا کہ کیا خبر صحیح ہے؟ جب انہوں نے بتایا کہ یہ خبر درست ہے تو بس ایسا لگا کہ سینے میں دل دھڑکنا بھول گیا ہو، دل بار بار اس خبر کی تردید کرتا رہا اور میں صبح تک بار بار اللہ تعالیٰ سے اس کے پیاروں کے صدقے ان کی عافیت کے لیے دعا مانگتا رہا، لیکن صبح کنفرم ہو گیا کہ وہ شہید ہو چکے ہیں۔ یہ خبر ایسی تھی جس نے دل کو بہت اداس کر دیا۔

میں جام نور کا ابتدا میں قاری نہیں تھا، ایک بار کسی نے پڑھنے کے لیے دیا تو مولانا اسید الحق اور بعض دیگر کی احادیث پر تحقیقات اور مباحث نظر سے گزرے جو بے حد پسند آئے، مجھے علوم حدیث سے شغف ہے، حضرت کے کئی مضامین پڑھے تو ان کا فون نمبر حاصل کر کے ان سے رابطہ کیا، سلام و دعا اور تعارف کے بعد فن حدیث کے حوالے سے کچھ سوالات ذہن میں تھے جو ان سے کیے، اتنی بڑی شخصیت ہونے کے باوجود بڑی شفقت و محبت کے ساتھ جوابات دیے، یوں ان سے تعلق ہو گیا اور فون ای میلز وغیرہ کے ذریعے رابطہ شروع ہو گیا، خاص طور پر تفسیر حدیث میں ان سے کئی معاملات میں رہنمائی ملتی رہتی تھی، ہند سے ہمارے لیے کتابوں کا حصول مشکل ہوتا ہے لیکن حضرت سے جب تذکرہ کیا حتیٰ الوسع وہ کتابیں بھجوادیا کرتے تھے۔ صحیح البہاری کی تحقیق کے دوران بھی کئی مقامات پر رہنمائی فرمائی اور آخر میں بڑی شفقت فرماتے ہوئے ایک علمی اور تحقیقی مقدمہ بزبان عربی اس پر تحریر فرمایا۔

حضرت دو بار پاکستان تشریف لے کر آئے، دونوں بار اس ناچیز کے غریب خانے پر تشریف لائے۔ پہلی بار پاکستان آئے تو ان کے ساتھ مختلف لائبریریز، مکتبوں پر جانے اور علما سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا اور کئی باتیں اس حوالے سے بھی ان سے سیکھنے کے لیے ملیں، ان کا علمی شغف مزید ظاہر ہوا، نایاب کتابوں کی تلاش کرتے رہتے تھے، پھر اس حوالے سے جو معلومات ہوئیں ان کے بارے میں بتاتے تھے۔ علما کی بارگاہ میں حاضری کا ادب، بعد میں ملاقات کے دوران ان کے اچھے انداز میں تعریف اور بہت باتیں ان میں دیکھنے کو ملیں۔ میں نے ان سے ملاقات میں جہاں اور بہت سی خوبیاں پائیں وہیں انہیں میں نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان محدث بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور ان کے خانوادہ کا محبت بھی پایا۔ مجھ سے خود انہوں نے ارشاد فرمایا کہ ہندوستان میں ایک سے بڑھ کر ایک عالم گزرے ہیں لیکن تین عالم ایسے ہیں جن کی نظیر نہیں: شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، مولانا عبدالحی فرنگی محلی لکھنوی، اور اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ پھر خود فرمایا کہ میری ایک عالم دین (جو ہند کے مشہور و معروف محقق ہیں) سے بحث ہوئی وہ مولانا عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو اعلیٰ حضرت پر ترجیح دیتے تھے، لیکن میں نے کئی دہائیوں کے ساتھ یہ ثابت کیا کہ اعلیٰ حضرت ان سے کئی درجہ بڑے عالم دین ہیں۔

ماہنامہ جام نور میں حضرت کی ”خامہ تلاشی“ نے پاک و ہند میں جو دھوم مچائی تھی وہ بیان کرنے کی حاجت نہیں، جب یہ بات سامنے آئی کہ خامہ تلاشی کوئی اور نہیں بلکہ خود مولانا اسید الحق ہیں تو میں نے انہیں فون پر کہا کہ مجھے جہاں اس پر خوشگوار حیرت ہوئی وہیں دکھ بھی ہوا۔ انہوں نے حیرت سے مجھ سے پوچھا: دکھ کس بات کا؟ میں نے عرض کی کہ جب ”خامہ تلاشی“ پڑھتے تھے اور آپ کے مضامین پڑھتے تھے تو خوشی یہ ہوتی تھی کہ ہماری جماعت میں دو ایسے زبردست عالم دین موجود ہیں جو کثیر علوم میں غایت مہارت رکھتے ہیں، لیکن اب معلوم ہوا کہ یہ دونوں تو ایک ہی ہیں۔

اب ہمارے پاس تو ایک ہی ایسا عالم رہا۔ اس پر حضرت ہنس دیے۔

لیکن آہ! اب وہ ایک بھی ہمارے پاس نہ رہے اور ہمیں افسردہ اور رنجیدہ چھوڑ کر چل دیے۔ جب بھی ان کی یاد آتی ہے تو دل پر ایک اداسی چھا جاتی ہے۔ ان کے لیے بذات خود تو یہ باعث سعادت ہے کہ شہادت کا رتبہ پایا اور مزارِ غوثِ الوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے احاطے میں مدفون ہوئے جو یقیناً ہر سنی صحیح العقیدہ کے لیے سعادت کی معراج ہے۔ لیکن ہم ان کی ذات سے محروم ہو چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور جنت میں اعلیٰ درجات اور جنت الفردوس میں اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا قرب عطا فرمائے، ان کے لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے اور صبر جمیل پر اجر جزیل عطا فرمائے۔ اور ان کے طلبہ اور متعلقین کو ان کے مشن کو جاری و ساری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

□□□

**نئے عہد کا ایک روشن ستارہ غروب ہو گیا**

**پروفیسر سید حسین الحق چشتی**

صدر: شعبہ اردو، گلدھ یونیورسٹی، بودھ گیا (بہار)

مولانا اسید الحق کی شہادت سے دل بیٹھ گیا۔ میں نے تو ضیاء الحق کی خبر پر جو پہلا اور فوری تاثر پوسٹ کیا کہ اہل سنت کا ذیشان، کشادہ دل اور کشادہ دماغ نسل کا روشن ستارہ غروب ہو گیا۔ اس میں یہ اضافہ کرنا چاہتا ہوں کہ مولانا اسید الحق شہید خود تو ستارہ تھے ہی انہوں نے اور مولانا خوشتر نورانی نے ستاروں کی ایک انجمن سجالی تھی اور اس روشن انجمن کا آسمان جام نور تھا (اور ہے اور اللہ قیامت تک اسے قائم رکھے)۔ مولانا اسید الحق شہید اور ان کی ٹیم نے جس طرز فکر اور طرز سخن کی طرح ڈالی ہے اور شمع جلائی ہے، بزرگوں، دوستوں اور عزیزوں کی لوگم نہ ہو، اس کا خیال رکھیں۔

□□□

**یہ صدمہ ناقابل برداشت ہے**

**مولانا محمد غلام شاہ قسوری**

استاذ: جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور (پاکستان)

یہ افسوس ناک خبر ملی کہ آپ کے صاحبزادہ مولانا علامہ اسید الحق عاصم القادری بدایونی علیہ الرحمہ بغداد شریف میں جام شہادت نوش فرما گئے ہیں۔ مرحوم بلاشبہ ”موت العالم موت العالم“ کے مصداق ٹھہرے۔ نیز متعدد شہادتوں کے جامع، مسافرت میں وصال، اولیائے کرام کی زیارت، بے وطنی میں کوچ، و من ینخرج من بیتہ مهاجراً الی اللہ و رسولہ ثم یدرکہ الموت فقد وقع اجرہ علی اللہ، مرحوم کا سفر تو من اولہ الی آخرہ، اللہ تعالیٰ اور رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رضا و خوشنودی سے ہی عبارت تھی، سو انہیں جو ان غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ میں شہادت کی صورت میں ہمیشہ کی سعادت نصیب ہوئی۔

تاہم فطرتاً ان کی فرقت و جدائی اور پھر آخری وقت چہرہ تک نہ دیکھنا، والدہ، بہن، بھائیوں، اور اہل سنت کے لیے عظیم صدمہ ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کو اس ناقابل بیان زخم پر اپنے کرم کام مرہم رکھے، اور دیگر اہل خانہ کو برداشت کی توفیق مرحمت فرمائے۔ حضرت صاحبزادہ مولانا اسید الحق قادری علیہ الرحمہ کے علمی و قلمی کارناموں سے بندہ اچھی طرح متعارف ہے۔ مجموعہ ”رسائل فضل رسول“ کا ترجمہ، تخریج و ترتیب نے برصغیر پاک و ہند میں خوب شہرت پائی اور اہل علم و قلم نے خوب داد دی، ان رسائل کی اشاعت صاحبزادہ صاحب کا ناقابل فراموش اور عظیم المثل کارنامہ ہے جو آپ کی حسنت میں ہمیشہ اضافہ کرتا رہے گا۔

باپ سے بیٹا تھوڑی مدت کے لیے جدا ہو جائے تو آنکھیں جواب دے جاتی ہیں، مگر صبر و استقامت کے مراحل طے کرتے ہوئے جیسے ہی ملاقات کی بشارت ملتی ہے تو وہی آنکھیں روشن ہو جاتی ہیں۔ مگر جس بیٹے کے لیے دار فانی میں دوبارہ ملاقات کا تصور تک نہ رہے اس باپ کے درد و الم اور حزن و غم کی کیفیت کیا ہوگی؟ یہ تو وہی جانے جسے ایسی دردناک صورت کا سامنا کرنا پڑ رہا ہو۔ حضرت علامہ اسید الحق قادری علیہ الرحمہ غوث اعظم رضی اللہ عنہ پر قربان ہو کر شہادت عظمیٰ سے سرخرو ہو گئے۔ بیشک یہ شہادت بہت بڑی سعادت ہے۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کے صدقے میں آپ کو یہ صدمہ برداشت کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور مرحوم کو جو رحمت میں جگہ مرحمت فرمائے، آمین۔

(مکتوب بنام: حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری)

□□□

## ایسے لوگ صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں

### مولانا مظہر الاسلام ازہری

ڈاکٹر: لیبج انسٹی ٹیوٹ، نارٹھ کیرولینا (امریکہ)

۲۴ مارچ ۲۰۱۳ء امریکی وقت کے مطابق صبح کے ساڑھے نو بج رہے تھے۔ ہندوستان سے رفیق محترم مولانا حافظ تنویر قادری کا فون آیا، مگر میں فون رسیو نہیں کر سکا اور پھر میں نے مولانا کو ڈائل کیا۔ مولانا معمول کے خلاف پریشان لگ رہے تھے، ان کی آواز میں کپکپاہٹ تھی۔ میں نے ان سے پوچھا سب ٹھیک تو ہے؟ جواب نفی میں تھا اور ساتھ ہی انھوں نے بتایا کہ ایک اڑتی ہوئی خبر آ رہی ہے کہ اپنے شیخ صاحب بغداد میں شہید ہو گئے، خبر مصدقہ نہیں ہے، آپ پتہ کیجیے۔

یہ خبر ایسی نہیں تھی کہ یقین کر لیا جائے، اس لیے میں الجھتا رہا، خبر کی تحقیق کا فوراً کوئی اور ذریعہ بھی نہیں تھا۔ ہندوستان سے متعلق جب بھی کسی طرح کا مسئلہ پیش آتا تو میں عام طور پر شیخ صاحب کو ہی فون کرتا تھا، اب چوں کہ یہ خبر انہی سے متعلق تھی، اس لیے کس سے تحقیق کرتا؟ لہذا میں نے اپنے دوست مولانا خوشتر نورانی کو فون کیا، گھنٹی مسلسل بجتی رہی مگر انھوں نے فون نہیں رسیو کیا، کچھ دیر بعد دوبارہ انہیں فون لگایا تو ان کا موبائل سوئچ آف تھا۔ اب میرے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ بالآخر مدرسہ قادریہ بدایوں فون کیا، شیخ صاحب کے چھوٹے بھائی صاحبزادہ عزام میاں نے فون اٹھایا، فون اٹھاتے ہی وہ زار زار رونے لگے، میں سمجھ گیا اب کسی تصدیق کی ضرورت نہیں تھی۔

اسی افراتفری میں میں نے ان سے مولانا عطیف قادری سے بغداد شریف میں رابطے کے لیے نمبر مانگا، انہوں نے مجھے نمبر دے دیا۔ میں نے ہمت کر کے صاحبزادہ عطیف میاں کو بغداد شریف فون لگایا، مولانا نے فون اٹھاتے ہی کہا: شیخ صاحب ایک دہشت گردانہ حادثے میں شہید ہو گئے۔ اس وقت جو میری کیفیت ہوئی، اس کو بیان کرنے سے قاصر ہوں۔

کچھ دیر کے بعد امریکہ میں موجود علمائے کرام کے فون آنے لگے، ہر شخص اس خبر پر سکتے میں تھا۔ کتابوں میں پڑھا ہے کہ خبر متواتر میں شکوک و شبہات نہیں ہوتے، مگر یہ ایسی متواتر خبر ہے کہ آج بھی دل اس کی تصدیق کرنے کو تیار نہیں کہ ایک چلتا پھرتا نیک طینت انسان، عروج و کمال کی بلندیاں جس کے زیر نگیں ہو رہی ہوں اور جس کا چرچا چہار دانگ عالم میں یکساں بج رہا ہو اور جس کے علم و فضل، تقویٰ و طہارت اور جس کے آداب و اخلاق کا سورج نصف النہار پر پہنچنے کے بعد اچانک غروب ہو جائے گا۔

میرے ان سے کس قدر گہرے تعلقات تھے اور علمی مراسم تھے ان سب کا بیان یہاں مشکل ہے، اس وقت میرا قلم اتنا کوتاہ اور الفاظ اتنے محدود ہیں کہ میں اپنے جذبات کو تحریر کا لباس پہنانے سے بھی قاصر ہوں۔ بس متنہی کا ایک شعر لکھ کر آگے بڑھنے کی کوشش کرتا ہوں:

من للمحافل والجمافل والسری  
فقدت بفقدك نیراً لا یطلع



مولائے قدیر تاجدار اہل سنت حضرت مولانا شاہ سالم میاں قادری مدظلہ العالی، ان کے اہل خانہ، مولانا عبدالغنی عطیف قادری، مولانا عزام میاں قادری اور تمام متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

حضرت علامہ شیخ اسید الحق قادری کا فن تفسیر میں اختصاص تھا اور اس پر گہری نظر بھی، جس پر ان کی اہم کتاب ”قرآن کریم کی سائنسی تفسیر“ شاہد ہے۔ علم تفسیر کے ساتھ علم حدیث پر بھی ان کی بڑی گہری نظر تھی، پچھلے دس برسوں میں تو اتر کے ساتھ حدیث کے موضوع پر ان کے بے شمار تحقیقی مقالات اور کتابیں اس کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

اسی طرح عقیدہ، کلام، فقہ اور تصوف سے متعلق ان کے تحقیقی شہ پاروں پر اگر نظر ڈالی جائے تو علم حدیث پر ان کی وسعت کا پتہ چلتا ہے۔ فن تفسیر میں اختصاص کے باوجود علم عم حدیث پر ان کا زیادہ کام ہے۔ اپنی علمی زندگی کا آغاز بیک وقت انہوں نے مختلف موضوعات پر تحقیقی مقالے، مضامین اور تصنیفی کام سے کیا۔ جستجو اور تحقیق ان کی فطرت میں شامل تھی۔ وہ جب بھی کسی کتاب کو پڑھتے تو بڑی گہری اور باریک نظروں سے پڑھتے اور اس پر ان کے ایرادات، افادات یا تبصرے ضرور ہوتے۔ دوران مطالعہ اہم نکات کی طرف ان کی توجہ رہتی۔ علم حدیث سے انہیں عشق کی حد تک لگاؤ تھا اور جو علم حدیث پر کسی طرح کا بھی کام کرنا اس کی وہ ضرورت تعریف کرتے اور اپنے ازہری تحقیق و تنقید کی روشنی میں دلچسپی کے ساتھ اس تحریر کا مطالعہ بھی کرتے۔

ایسی شخصیات اللہ تعالیٰ کو بڑی پیاری ہوتی ہیں۔ رب قدیر وقتے وقتے سے ایسی شخصیات کو بھیجتا ہے جو پوری طرح اپنے مشن اور اپنے کام سے آگاہ ہوتی ہیں۔ انہیں اس بات کا بخوبی علم ہوتا ہے کہ ”کم وقت میں کام زیادہ“ کرنا ہے۔ علامہ اسید الحق قادری کی زندگی کا سفر بھی ہنگامی انداز سے جاری رہا۔ بحیثیت ناقد، محقق، ادیب، محدث، مفسر اور ماہر لسانیات انہوں نے بے شمار کام یادگار چھوڑے ہیں جو ہم سمجھوں گے لیے مشعل راہ ہیں۔ رب قدیر ان کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، آمین۔

□□□

### مولانا اسید الحق قادری محبوب غوث اعظم ہیں

#### مولانا اسید نور چشتی

بانی: جامعہ صدیہ، پھپھوند شریف، ضلع اوریا (یوپی)

زبدۂ انجمن جناب ایڈیٹر صاحب ماہ نامہ جام نور دہلی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ المسجود دو برکاتہ

۱۴۳۵ھ

۱۴۳۵ھ

خیریت موجود عافیت محمول اصلاد قطعاً کاتر جمان ماہ نامہ جام نور دہلی کے یادگاری ”ممتاز ناقد و محقق“ نمبر

۱۴۳۵ھ

۲۰۱۴ء

۲۰۱۴ء

میں اشاعت کے لئے تحفہ مادہ ہائے شہادت محسن العصر ماہ تابندہ غوث لخت جگر اصفا متواضع پاک دامن

۱۴۳۵ھ

۱۴۳۵ھ

۲۰۱۴ء

۱۴۳۵ھ

۱۴۳۵ھ

اعلیٰ مقام خندہ لب منکر المزاج ماہ ہند شہید بغداد محبوب غوث قطب الحقیقین اعنی اسید الحق محمد عاصم قادری بدایونی

۱۴۳۵ھ

۲۰۱۴ء

۱۴۳۵ھ

۱۴۳۵ھ

عرف والی قوم جناب محمد سالم میاں صاحب قبلہ زید مدارج ابن محبت مولیٰ عالی جناب شیخ عبدالحمید

۱۴۳۵ھ

۱۴۳۵ھ

صاحب سجادہ آستانہ عالیہ قادریہ مولوی محلہ بلدہ آباد بدایوں شریف  
پیدائش ہرذلعزیز تیسری ربع الثانی

۲۰۱۳ء

۲۰۱۳ء

سن فروزاں تیرہ سو پچانوے ہجری  
مطابق چھ مئی سن انعام انیس سو پچتر عیسوی  
روز عالم افروز منگل ایک بجے رات

۱۴۳۵ھ

۱۴۳۵ھ

۱۴۳۵ھ

شہادت فرزند بلند نصیب دو جمادی الاولیٰ  
سن چودہ سو پچتیس ہجری دن سہ شنبہ ہے

۱۴۳۵ھ

۱۴۳۵ھ

مطابق چار مارچ سن انقلاب زدہ دو ہزار چودہ عیسوی بنویس  
بالیقین کل عمر اڑتیس سال نو ماہ ستائیس یوم

۱۴۳۵ھ

۲۰۱۳ء

قال القوی الباسط الا الذین آمنوا و عملوا الصلحت  
قال بار من صار بالعلم حیا لم یمت ابدا

۲۰۱۳ء

۱۴۳۵ھ

صاحب حسن و جاہ مولانا اسید الحق المعروف ”شیخ صاحب“  
لایق فایق صدر المدرسین مدرسہ عالیہ قادریہ مولوی محلہ بدایوں

۲۰۱۳ء

۲۰۱۳ء

شہید حکمی محبت سعید عزیز مولانا اسید الحق قادری بدایونی  
عالم ربانی اسید الحق عثمانی بدایونی جان داد

۱۴۳۵ھ

۱۴۳۵ھ

امیر قیامت عزیز اسید الحق قادری  
طیب مزاج صاحب ”حدیث افتراق امت“ چل بسا

۱۴۳۵ھ

۲۰۱۳ء

انسوس پاک و صاف مصنف ”احادیث قدسیہ“ چلا گیا  
عارف حق مصنف ”اسلام جہاد اور دہشت گردی“

۱۴۳۵ھ

۲۰۱۳ء

بھیا کی کتاب ”اسلام ایک تعارف“ دکھائیے  
”قرآن کی سائنسی تفسیر“ نامحدود ہائے مصنف ”تحقیق و تفہیم“

۱۴۳۵ھ

۱۴۳۵ھ

۱۴۳۵ھ

دندان شکن ”خامہ تلاشی“ کا جواب نہیں  
صاحب ”خیر ابادیات“ چل بے  
صد آہ مظلوم شہید

۲۰۱۳ء

۱۴۳۵ھ

۱۴۳۵ھ

آہ فخر خاندان قادری کہاں گیا  
وہ پاک باطن دیار غوث میں سو گیا

۲۰۱۳ء

۲۰۱۳ء

### در صنعت زبردینہ

آہ محبوب تاج الخول بدایوں

عالم اہل سنت صاحب

ممتاز عزیز الخلاق

۱۴۳۵ھ

۱۴۳۵ھ

۲۰۱۳ء

□□□

سنی صحافت اور دینی لٹریچر کے احیاء کے لیے سنگ میل

ملت کے اجتماعی شعور کو بیدار کرنے کی طرف ایک نچیدہ قدم

لاہور

مجلد

# حجۃ الاسلام

مدیر: محمد رضا احسن قادری

- \* نظریاتی تخریب کاری، غیر علمی مزاج اور فکری تحکم کے خلاف مستحکم مجاذ
- \* حساس موضوعات اور گنجلک معاملات پر نباض اہل قلم کی تحریرات سے بھرپور
- \* نامور شخصیات اسلام کی خدمات کے اعتراف میں خصوصی نمبرز
- \* عالم اسلام میں انقلاب برپا کرنے والی ہستیوں اور تحریروں کے تعارف و اشاعت کا مرجع
- \* امت کے داخلی و خارجی مسائل کے موزوں حل کی تلاش میں پرعزم

دارالاسلام، جامع مسجد و محلہ مولانا روحی، اندرون بھائی گیٹ، لاہور، پنجاب، پاکستان

(۴)

---

**پس منظر**

---



## خانوادہ عثمانیہ: تعارف و خدمات

تاج الفحول مولانا شاہ عبدالقادر بدایونی (م: ۱۳۱۹ھ)  
 سرکار صاحب الاقدار مولانا شاہ عبدالمتقدر قادری (م: ۱۳۳۳ھ)  
 مفتی اعظم سلطنت آصفیہ مولانا عبدالقدیر قادری (م: ۱۳۷۹ھ)  
 مجاہد آزادی مولانا عبدالماجد قادری بدایونی (م: ۱۳۵۰ھ)  
 مجاہد ملت مولانا عبدالحمید قادری (م: ۱۳۹۰ھ)  
 مولانا عبدالہادی قادری بدایونی (م: ۱۳۱۵ھ)  
 یہ اپنے اپنے عہد کی وہ شخصیات ہیں کہ برصغیر ہندوپاک کی علمی و روحانی، قومی و ملی، دعوتی و تبلیغی اور جماعتی تاریخ ان کے ذکر کے بغیر مکمل نہیں کی جاسکتی۔

### خانوادہ عثمانیہ کے مورث اعلیٰ کی ہندوستان میں آمد:

خانوادہ عثمانیہ کے مورث اعلیٰ، حضرت دانیال قطری علیہ الرحمہ ہیں۔ یہ ۵۹۹ھ/۳-۱۲۰۲ھ میں قطر سے ترک وطن کر کے سلطان شمس الدین التمش کے لشکر کے ساتھ ہندوستان تشریف لائے، ابتداً لاہور میں سکونت پذیر ہوئے، پھر سلطان کے مسلسل اصرار پر بدایوں تشریف لائے، حکومت کی جانب سے عہدہ قضا تفتویض کیا گیا، آپ تادم حیات اس عہدہ جلیلہ پر فائز رہے۔ آپ حکومت شمس کے دائرے میں قاضی القضاة کے نام سے مشہور ہوئے حضرت دانیال قطری حضرت خواجہ عثمان ہارونی کے مرید و خلیفہ اور سلطان الہند حضرت خواجہ غریب نواز کے برادر طریقت تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ظاہری علوم کے ساتھ ساتھ باطنی فضل و کمال سے بھی نوازا۔ ایک زمانہ آپ کے ظاہری و باطنی فیوض سے مستفیض ہوا۔ ۶۱۸ھ میں آپ کا وصال ہوا، پیر مکہ کے جوار میں آپ کی آخری آرام گاہ ہے۔ آپ کے بعد آپ کی نسل میں ایک سے بڑھ کر ایک علم و فضل، تقویٰ و طہارت، تصوف و روحانیت کا امام پیدا ہوا اور اس نے قوم کی دینی و ملی قیادت و رہنمائی فرمائی۔  
 خانوادہ عثمانیہ کے بزرگوں کے مفصل حالات جاننے کے لیے

**خانوادہ** قادریہ عثمانیہ برصغیر ہندوپاک کا وہ ممتاز و منفرد خانوادہ ہے جس کی دینی و مذہبی، قومی و ملی، مسلکی و مشربی، اور تبلیغی و اصلاحی خدمات کی تاریخ آٹھ صدیوں پر محیط ہے، ان آٹھ سو سالہ تاریخ کے ہر دور میں اس خانوادے کے افراد نے ہر محاذ پر دین و سنیت کی قیادت فرماتے ہوئے احقاق حق اور ابطال باطل کا اہم فریضہ انجام دیا، ناموس رسالت کی حفاظت و صیانت کے لیے جن علمائے کرام نے تحریراً تقریراً اور عملاً کلیدی کردار ادا کیا، اگر ان کی فہرست تیار کی جائے تو اس خانوادہ عثمانیہ کے افراد کا شمار صرف اول میں ہوگا۔ اس خانوادہ میں درس و تدریس، قضا و افتاء، علم و فضل، تقویٰ و طہارت، تصوف و روحانیت خاندانی ورثے کے طور پر نسل بعد نسل منتقل ہوتی رہی ہے۔ بجز اللہ خانوادہ قادریہ عثمانیہ کے جیالوں نے اپنے اسلاف کی علمی و روحانی میراث کی نہ یہ کہ صرف حفاظت کی بلکہ اس میں شب و روز اضافہ ہی کیا ہے اور ہنوز یہ سلسلہ جاری و ساری ہے.....

ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

تاریخ کے مختلف ادوار میں اس خانوادے میں علماء، فضلاء، اہل اللہ، شریعت و طریقت کے علمبردار، ادبا، شعرا اور قومی قائد پیدا ہوتے رہے اور انہوں نے اپنے اپنے دور میں اسلام و سنیت کی ترویج و اشاعت، نیز قوم و مذہب کی خدمات میں کلیدی کردار ادا کیا۔ اس خاندان میں گذشتہ دو صدیوں میں جو جلیل القدر اور عظیم المرتبت شخصیات پیدا ہوئیں ہیں، ان میں مندرجہ ذیل حضرات کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

بحرالعلوم ملا محمد علی عثمانی تلمیذ ملا قاضی مبارک (م: ۱۲۷۹ھ)  
 سیدنا شاہ عین الحق مولانا عبدالجید بدایونی (م: ۱۲۶۳ھ)  
 سیف اللہ السلول شاہ فضل رسول قادری بدایونی (م: ۱۲۸۹ھ)  
 مجاہد آزادی مولانا فیض احمد عثمانی بدایونی (منفرد: ۱۲۷۳ھ)  
 مولانا نور احمد عثمانی تلمیذ علامہ فضل حق خیر آبادی (م: ۱۳۰۱ھ)

مندرجہ ذیل کتابوں کی طرف رجوع کیا جائے:

- (۱) اکل التاریخ: مولانا یعقوب حسین ضیاء القادری، مطبوعہ ۲۰۱۳ء
- (۲) طوابع الانوار (تذکرہ فضل رسول) مولانا انوار الحق عثمانی، مطبوعہ ۲۰۰۸ء
- (۳) تاج الفحول حیات و خدمات: مفتی عبدالحکیم نوری، مطبوعہ ۱۹۹۸ء
- (۴) تذکار محبوب: مولانا عبدالرحیم قادری بدایونی، مطبوعہ ۲۰۰۷ء
- (۵) احوال و مقامات: مولانا محمد عبدالہادی القادری، مطبوعہ ۲۰۰۹ء
- (۶) سیف اللہ المسلمول کا علمی مقام: عبدالعلیم قادری، مطبوعہ ۲۰۱۲ء
- (۷) تذکرہ خانوادہ قادریہ: عبدالعلیم قادری مجیدی، مطبوعہ ۲۰۱۳ء
- (۸) اکابر بدایوں: مولانا احمد حسین قادری گنوری، مطبوعہ ۲۰۱۳ء
- (۹) مولانا فیض احمد بدایونی: پروفیسر محمد ایوب قادری، مطبوعہ ۲۰۰۷ء

### خانقاہ قادریہ کا قیام:

خانوادہ عثمانیہ میں علم و فضل، درس و تدریس، تصوف و سلوک کا سلسلہ حضرت قاضی دانیال قطری کے عہد مبارک سے ہی چلا آ رہا ہے، اس خاندان کے مشائخ نے مخلوق خدا کے دلوں کا تزکیہ و تصفیہ کر کے ان کا رشتہ اپنے معبود حقیقی سے مضبوط کیا، خود پرستی کی بیماری میں مبتلا انسان کو خدا پرستی کا راستہ دکھایا، امیر و غریب اور اپنے پرانے سب سے یکساں سلوک اور بلا تفریق مذہب خلق خدا کو فیض رسانی کا سبق دیا۔ اس خاندان عثمانی کے دیگر افراد کے ساتھ شاہ عین الحق عبدالمجید قدس سرہ العزیز قطب زماں قبلہ جسم و جاں سید ابوالفضل آل احمد اچھے میاں مارہروی قدس سرہ کے دامن کرم سے منسلک ہوئے، پیر کامل نے جوہر قابل کو اپنی نظر کیمیا اثر سے رشک جہاں بنا دیا۔ حضرت شاہ عین الحق عبدالمجید شمس مارہرہ حضور اچھے میاں کے چہیتے مرید و خلیفہ تھے۔ حضرت سید ابوالفضل آل احمد اچھے میاں کے وصال کے بعد شاہ عین الحق عبدالمجید قادری بدایوں تشریف لائے اور ۱۲۳۵ھ میں آپ نے خانقاہ قادریہ کی بنیاد رکھی، جہاں سے قادری و برکاتی فیوض و برکات جاری و ساری ہوئے اور رشد و ہدایت کا آغاز ہوا۔ آج خانقاہ قادریہ کے قیام کو دو سو سال مکمل ہو گئے۔ ان دو صدیوں میں یہاں کے مشائخ و صوفیہ نے دعوت و تبلیغ، رشد و ہدایت، تزکیہ و تصفیہ کے میدانوں میں کارہائے نمایاں انجام دیے اور آج بھی یہ خانقاہ اپنے بزرگوں کے مسلک و مشرب پر مضبوطی سے قائم رہتے ہوئے دین و سنیت کی قابل قدر خدمات انجام

دے رہی ہے۔

زیر نظر مقالہ میں میں نے خانوادہ قادریہ میں تیرہویں اور چودھویں صدی ہجری میں پیدا ہوئی ان شخصیات کی دینی و مذہبی اور ادبی و اصلاحی خدمات کا سرسری خاکہ پیش کرنے کی سعی کی ہے جنہوں نے اپنے اپنے عہد میں درس و تدریس، دعوت و تبلیغ، قضا و افتاء، اصلاح و ارشاد، تزکیہ و تصفیہ کے ذریعے اسلام و سنیت کی خدمات انجام دیں۔

### (۱) بحر العلوم ملا محمد علی عثمانی تلمیذ قاضی مبارک (م: ۱۲۷۹ھ)

آپ کی ولادت ۱۱۳۴ھ/۲۲-۲۱-۱۷۷۱ء میں ہوئی۔ آپ نے اپنے زمانے کے ممتاز علما سے تحصیل علم کی۔ اس دور میں علامہ قاضی مبارک گوپاموی کا آفتاب علم و فضل نصف النہار پر تھا۔ آپ نے ان کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا۔ آپ انتہائی ذہین و فطین تھے اور طلب علم کا بے حد شوق رکھتے تھے، آپ کی ذہانت و فطانت دیکھ کر علامہ قاضی مبارک نے انتہائی لگن اور شفقت و محبت سے پڑھایا اور آپ کی خاطر ایک نایاب کتاب تحریر فرمائی جو علمی حلقوں میں ”حاشیہ قاضی مبارک“ کے نام سے متعارف ہے۔ یہ سلم العلوم کی شرح ہے۔ آپ نے اپنے ظاہری و باطنی فیوض سے صد ہا بندگان خدا کو سیراب کیا، حضرت دانیال قطری رحمۃ اللہ علیہ کا قائم کردہ ”مدرسہ معزنیہ“ کا نام ”مدرسہ محمدیہ“ رکھا جو آج زمانے میں ”مدرسہ قادریہ“ کے نام سے مشہور و معروف ہے۔ آپ کا خاص میدان درس و تدریس رہا، سیکڑوں تشنگان علوم دینیہ نے اس دریائے ناپیدا کنار سے اپنی علمی پیاس بجھائی۔ ۲۵ رجب الثانی ۱۱۹۷ھ/۱۷۸۳ء میں یہ علم و فضل کا آفتاب ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا۔ آپ کی آخری آرام گاہ شہر لکھنؤ میں عید گاہ کے پاس ہے۔

### (۲) مولانا شاہ عین الحق عبدالمجید قادری بدایونی (م: ۱۲۶۳ھ)

آپ حضرت مولانا شاہ عبدالحمید قادری عثمانی (م: ۱۲۳۳ھ) کے بڑے صاحبزادے تھے، ۲۹ رمضان المبارک ۱۱۷۷ھ کو پیدا ہوئے، ’ظہور اللہ‘ سے سن ولادت برآمد ہوتی ہے۔ مولانا محمد علی عثمانی، مولانا مفتی شاہ عبدالغنی اور دیگر علمائے کرام سے تعلیمی مراحل طے کیے پھر لکھنؤ جا کر مولانا ذوالفقار علی دہلوی سے علوم اسلامیہ کی تکمیل کی۔ حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کا غیبی اشارہ پا کر قبلہ جسم و جاں سید ابوالفضل آل احمد اچھے میاں مارہروی کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے اور

### (۳) سیف اللہ المسلمول شاہ فضل رسول قادری (م: ۱۲۸۹ھ)

آدمی کسی ایک میدان میں اپنی خوابیدہ صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر کارہائے نمایاں انجام دے سکتا ہے لیکن بیک وقت مختلف میدانوں میں اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوانا ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہے۔ حضرت سیف اللہ المسلمول کی حیات مبارکہ کا یہی پہلو سب سے زیادہ نمایاں ہے کہ آپ کی خدمات کا دائرہ کسی ایک میدان تک محدود نہیں، بلکہ شریعت و طریقت، اصلاح قوم و ملت، قضا و افتاء، تصنیف و تالیف وغیرہ ہر میدان میں آپ نے کلیدی کردار ادا کیا۔ آپ مختلف علوم و فنون پر یکساں قدرت رکھتے تھے۔ تفسیر و حدیث، منطق و فلسفہ، عقائد و کلام، زبان و ادب، شعر و سخن، طب و حکمت، فنون لطیفہ وغیرہ علوم متداولہ کی مسند امامت پر مجتہدانہ شان کے ساتھ جلوہ بار نظر آتے ہیں۔ اس خداداد صلاحیت و استعداد کی بنا پر آپ نے اپنے معاصرین علما پر ممتاز و نمایاں مقام حاصل کیا، غرض یہ کہ آپ کی ذات ہر زاویہ سے اس قدر مکمل و جامع ہے کہ ایسی جامعیت صدیوں میں کسی کسی میں نظر آتی ہے:

مدت کے بعد ہوتے ہیں پیدا کہیں وہ لوگ

مٹتے نہیں ہیں دہر سے جن کے نشاں کبھی

آپ کی ولادت ماہ صفر المظفر ۱۲۱۳ھ/ ۱۷۹۸ء میں ہوئی، آپ کا تاریخی نام ”ظہور محمدی“ ہے۔ حضور اچھے میاں نے آپ کا نام ”فضل رسول“ رکھا۔ ابتدائی تعلیم اپنے جد امجد مولانا شاہ عبدالحمید قادری سے حاصل کی، گیارہ برس کی عمر میں آپ لکھنؤ تشریف لے گئے، وہاں اپنے وقت کے جید عالم ملا نور الحق فرنگی محلی (م: ۱۲۳۸ھ) سے جملہ علوم متداولہ میں دسترس حاصل کی۔ محض چودہ سال کی عمر میں تمام علوم و فنون سے فارغ ہو گئے، پھر حضور اچھے میاں کے حکم سے علم طب کی تحصیل کے لیے حکیم بہر علی موہانی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا، تکمیل علوم کے بعد اپنے والد اور مرشد برحق شاہ عین الحق عبدالحمید قادری بدایونی قدس سرہ کے حکم سے اپنے آبائی ”مدرسہ محمدیہ“ کو ”مدرسہ قادریہ“ کے نام سے موسوم کر کے درس و تدریس میں مصروف ہوئے۔ آپ متعدد بار زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوئے۔

آپ کو غوث اعظم کی ذات سے دیوانگی کی حد تک محبت و الفت تھی، ۱۲۷۸ھ میں جب بغداد شریف آستانہ غوث اعظم پر حاضر ہوئے

اجازت و خلافت سے نوازے گئے نیز آپ کی بارگاہ سے ”عین الحق“ کا خطاب پایا۔ ۱۲۵۶ھ میں حرمین شریفین کی حاضری سے مشرف ہوئے۔ آپ کو اپنے مرشد برحق حضور شمس مارہرہ ابو الفضل آل احمد مارہروی سے انتہائی والہانہ محبت تھی اور آپ کی جدائی ایک لمحے کو بھی گوارا نہیں تھی، یہی وجہ تھی کہ جب تک حضور شمس مارہرہ طاہری حیات میں رہے آپ شب و روز ان کی خدمت میں حاضر رہے، ان کے وصال کے بعد آپ نے بدایوں میں مستقل سکونت اختیار کر لی اور یہاں ”خانقاہ قادریہ“ کی بنیاد رکھی، ایک زمانے نے آپ سے فیض پایا۔ ۱۲۶۳ھ میں واصل الی الحق ہوئے اور درگاہ قادری بدایوں میں آسودہ خاک ہوئے۔

قطب زماں شمس مارہرہ حضرت ابو الفضل آل احمد اچھے میاں نے حضرت شاہ عین الحق عبدالحمید قادری کے تعلق سے ارشاد فرمایا:

”درویش باید کہ ظاہر ش چوں ابی حنیفہ باشد و باطنش چوں منصور و ایس معنی بجز مولوی عبدالحمید در دیگرے ندیدہ ام۔“

(اکمل التاریخ، ص: ۹۹، از مولانا محمد یعقوب ضیاء القادری)

(درویش کو چاہیے کہ اس کا ظاہر امام اعظم ابوحنیفہ کی طرح ہو اور باطن حضرت منصور کی طرح اور یہ بات سوائے مولوی عبدالحمید کے کسی دوسرے میں نہیں دیکھی۔)

ایک موقع پر حضور اچھے میاں نے اپنے چہیتے مرید و خلیفہ کے متعلق فرمایا:

”اگر روز قیامت خداوند کریم کی جناب سے سوال کیا گیا کہ ہماری بارگاہ کے لیے کیا تحفہ لائے ہو؟ تو میں مولوی عبدالحمید کو پیش کر دوں گا۔“

آپ کا اکثر وقت عبادت و ریاضت، مجاہدہ و مراقبہ، اوراد و وظائف، دعوت و تبلیغ اور وابستگی سلسلہ کی اصلاح و ارشاد میں صرف ہوتا تھا، اس کے ساتھ ہی آپ نے قلمی طور پر بھی دین متین کی خدمت انجام دی، آپ کی قابل ذکر تصنیفات یہ ہیں۔

(۱) مواہب اللسان شرح فارسی جواہر اللسان

(۲) محافل الانوار فی احوال سیدالابرار

(۳) ہدایۃ الاسلام در ردیۃ فرقتہ اسماعیلیہ وہابیہ

توقیف الاشراف حضرت سید علی گیلانی قدس سرہ بنفس نفیس دروازے پر تشریف لائے اور اپنی مسند مبارک پر اپنے پہلو میں بٹھایا، حضور غوث اعظم کی آپ پر بے حد نظر کرم تھی، آپ عین بیداری میں حضور غوث اعظم جیلانی کے دیدار سے مشرف ہوئے۔ آپ اپنے والد محترم کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے، آپ کو ان سے سلسلہ قادریہ کے علاوہ سلسلہ چشتیہ، سہروردیہ، نقشبندیہ اور ابو العلائیہ میں اجازت و خلافت حاصل تھی، کبھی آپ پر جذب کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی، اس حالت میں اکثر وقت تنہائی میں جنگلوں میں گزار دیتے تھے۔ قدرت نے آپ کو قلمی صلاحیتوں سے بھی نوازا تھا، آپ نے مختلف موضوعات پر متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ آپ کے دور میں بعض لوگ محمد بن عبدالوہاب کے افکار و نظریات سے متاثر ہوئے تو ان کے اسلامی فکر سے متصادم افکار و نظریات کی تردید کرتے ہوئے متعدد تاریخی اور علمی کتابیں تصنیف فرمائیں۔ مذکورہ تحریک کے رد و ابطال میں ان کتابوں کو اولیت حاصل ہے۔ آپ نے ان منحرف جماعتوں کے خلاف جو بھی کتابیں تصنیف کیں، اس کا حکم بارگاہ الہی سے ملا تھا۔ چنانچہ مولانا یعقوب قادری ”اکمل التاریخ“ میں لکھتے ہیں:

”ایک دن قاضی مولوی شمس الاسلام عباسی مرحوم جو آپ کے والد کے مخصوص مریدوں میں تھے، عیادت کے لیے حاضر تھے حضرت اقدس نے ارشاد فرمایا کہ قاضی صاحب بمقتضائے ’واما بنعمة ربك فحدث‘ آج آپ سے کہتا ہوں کہ دربار نبوت سے فرقہ وہابیہ نجدیہ کے لیے مامور کیا گیا تھا، الحمد للہ بتائید ایزدی اس فرقہ باطلہ اور اس کی ذریعات اسماعیلیہ و اسحاقیہ کا رد پوری طور پر ہو چکا۔ دربار رسالت میں سعی قبول ہو چکی اور میرے دل میں اب کوئی آرزو باقی نہ رہی، عنقریب اس جہاں فانی سے جانے والا ہوں۔“

آپ نے اعتقادات، درسیات، علم کلام، فقہ و تصوف اور طب میں متعدد کتابیں تصنیف کیں:

- (۱) سیف الجبار: (۲) المعتقد المعتقد: (۳) فوز المؤمنین بشفاعۃ الشافعیین: (عقیدہ شفاعت) طبع جدید ۲۰۰۹ء (۴) البوارق المحمدیہ: (۵) اکمال فی بحث شد الرحال (زیارت روضہ رسول) طبع جدید

۲۰۰۹ء: (۶) احقاق الحق و ابطال الباطل طبع جدید ۲۰۰۷ء (۷) تصحیح المسائل (۸) تلخیص الحق: (۹) شرح نصوص الحکم: (۱۰) رسالہ طریقت (۱۱) فصل الخطاب، طبع جدید ۲۰۰۹ء (۱۲) مولود منظوم (اردو) طبع جدید دسمبر ۲۰۰۹ء: (۱۳) حرز معظم (فارسی) طبع جدید ۲۰۰۹ء (۱۴) اختیاتی مسائل پر تاریخی فتویٰ طبع جدید ستمبر ۲۰۰۹ء (۱۵) رسالہ در سلوک (۱۶) تثبیت القدیمین (۱۷) حاشیہ میر زاہد بر رسالہ قطبیہ: (۱۸) حاشیہ میر زاہد بر ملا جلال (۱۹) طب الغریب (۲۰) شرح احادیث ملقطہ ابواب صحیح مسلم۔

آپ کے تلامذہ کا سلسلہ بہت وسیع ہے جن میں چند کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

- (۱) تاج النحول شاہ عبدالقادر بدایونی (م ۱۳۱۹ھ / ۱۹۰۱ء)
- (۲) مولانا شاہ محی الدین بن شاہ فضل رسول قادری (م ۱۲۷۰ھ)
- (۳) مجاہد آزادی مولانا فیض احمد بدایونی (مفقود: ۱۲۷۴ھ)
- (۴) قاضی القضاة مفتی اسد اللہ خاں الہ بادی (م ۱۳۰۰ھ)
- (۵) مولانا عنایت رسول چریا کوٹی
- (۶) مولانا شاہ احمد سعید دہلوی (م ۱۳۷۷ھ)
- (۷) مولانا کرامت علی جوہری (م ۱۲۹۰ھ)
- (۸) مولانا عبدالقادر حیدر آبادی (م ۱۳۲۹ھ)
- (۹) مولانا سید اشفاق حسین (م ۱۳۲۸ھ)
- (۱۰) مولانا خرم علی بلہوڑی (م ۱۲۷۳ھ)

آپ شعر و سخن سے بھی ذوق رکھتے تھے اور ”مست“ تخلص فرماتے تھے۔ ۲۰۰۹ء میں تاج النحول اکیڈمی آپ کے کلام کا مجموعہ ”مولود منظوم“ کے نام سے شائع کر چکی ہے۔ ۲ جمادی الاخریٰ ۱۲۸۹ھ میں آپ نے اس دنیائے فانی سے رحلت فرمائی۔ درگاہ قادری بدایوں شریف میں آپ کی آخری آرام گاہ مرجع خلائق ہے۔

(۳) مولانا فیض احمد عثمانی بدایونی (مفقود: ۱۲۷۴ھ)

مجاہد آزادی مولانا فیض احمد عثمانی بدایونی (ولادت ۱۲۲۳ھ / ۱۸۰۸ء) بن مولانا حکیم غلام احمد خانوادہ قادریہ کے چشم و چراغ تھے۔ ۱۲۲۳ھ / ۱۸۰۸ء میں پیدا ہوئے، جملہ علوم متداولہ اپنے ماموں حضرت سیف اللہ المسلمول شاہ فضل رسول قادری سے حاصل کیے، پندرہ سال



کے قلیل عرصے میں فارغ التحصیل ہوئے، اپنے نانا مولانا شاہ عین الحق عبد المجید بدایونی کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے۔ آگرہ میں سررشتہ دار ہو گئے۔ درس و تدریس سے شغف رکھتے تھے، اس لیے دوران ملازمت درس و تدریس کا سلسلہ جاری رہا، طلبہ اور فقرا سے بے حد محبت کرتے، شعر و سخن کا اعلیٰ ذوق رکھتے تھے، ”رُسوا“ تخلص تھا۔

عربی، فارسی اور اردو تینوں زبانوں میں فکر سخن کیا کرتے تھے حضرت غوث اعظم کی ذات بابرکت سے بے پناہ محبت تھی۔ غوث پاک کی ذات سے اس قلبی وارفتگی پر آپ کا عربی دیوان ”ہدیہ قادریہ“ شاہد عدل ہے، اس دیوان میں حضرت غوث اعظم کے مناقب میں ایک ہزار ایک سو گیارہ اشعار ہیں۔ یہ دیوان سرکار صاحب الاقدار حضرت مولانا عبدالمقتدر قادری بدایونی کے مقدمے اور حاشیہ کے ساتھ ۱۳۰۳ھ/ ۱۸۸۶ء میں شائع ہو چکا ہے۔ آپ کا عقد مسنون سیف اللہ المسلمول کی صاحبزادی سے ہوا، جن سے مولانا سراج الحق قادری تولد ہوئے۔

انگریزوں کے خلاف علامہ فضل حق خیرآبادی نے فتویٰ جہاد دیا اس پر اکابر اہل سنت نے دستخط فرمائے۔ اس فتویٰ جہاد پر مجاہد آزادی مولانا فیض احمد بدایونی کے بھی دستخط ہیں۔ جنگ آزادی میں عملاً آپ نے شرکت کی، ترک ملازمت کر کے آگرہ میں آپ نے مجاہدین آزادی کی قیادت و سرپرستی فرمائی، آپ کو تصنیف و تالیف سے بھی شغف تھا، آپ کی اکثر کتابیں زمانہ غدر میں حوادث کی نذر ہو گئیں، جو کتابیں دستیاب ہو سکیں ان میں تعلیم الجاہل، شرح ہدایۃ الحکمت، شرح صدرا، التعليقات علی نصوص الفارابی، ہدیہ قادریہ اور المقامۃ البغدادیہ قابل ذکر ہیں۔ ۱۸۵۷ء جنگ آزادی کے ہنگامے میں آپ مفقود ہو گئے، بہت تلاش کیا گیا، لیکن کوئی سراغ نہیں ملا، غالب گمان ہے انگریزوں نے آپ کو شہید کر دیا۔

(۵) مولانا نور احمد عثمانی تلمیذ علامہ فضل حق خیرآبادی (م ۱۳۰۱ھ) حضرت مولانا نور احمد عثمانی بدایونی بن مولانا محمد شفیع عثمانی اس خانوادے کی ایک لائق و فائق شخصیت تھی۔ ۱۳ جمادی الاخریٰ ۱۲۳۰ھ/ ۱۸۱۵ء میں پیدا ہوئے۔ علوم عقلی و نقلی کی تحصیل حضرت مولانا فیض احمد قادری بدایونی سے کی۔ بعض اعلیٰ کتابیں استاذ مطلق علامہ فضل حق خیرآبادی سے پڑھیں، ذہانت و فطانت ورثے میں پائی تھی۔ حضرت

شاہ عین الحق عبدالمجید قادری بدایونی کے مرید تھے، درس و تدریس سے طبعی شغف تھا۔ تادم حیات درس دیتے رہے اور سیکڑوں تشنگان علوم آپ کے بحر علم سے فیض یاب ہوئے۔ غریب، یتیم اور بیواؤں کا خاص خیال رکھتے تھے۔ آپ کے تلامذہ کی ایک طویل فہرست ہے، جس میں بعض مشاہیر مندرجہ ذیل ہیں:

- (۱) تاج اللہ محب رسول مولانا شاہ عبدالقادر قادری بدایونی
- (۲) مولانا نازح حسین قادری عثمانی (۳) مولانا سراج احمد قادری (۴)
- مولانا مصاحب علی روسائے محلہ مولوی ٹولہ (۵) مولانا طاہر الدین (۶)
- مولانا نجم الدین سنبلہلی (۷) مولانا امین الدین خیرآبادی (۸) مولانا اکبر شاہ ولایتی۔

ان کے علاوہ پنجاب، کابل، فارس و عراق میں آپ سے فیض یاب ہونے والے طلبہ کی تعداد بے شمار ہے۔

”تحفہ فیض“ میں حضرت تاج اللہ محب لکھتے ہیں:

”عمی و استاذی مولانا نور احمد بدایونی کی نظیر دیکھنے میں نہ آئی، بلاشبہ آپ وحید عصر اور یکتائے زمانہ تھے۔ طلبہ کی تعلیم و تدریس اور غربا کی اعانت کے علاوہ شب و روز میں آپ کو کوئی اور کام مرغوب نہ تھا، آپ کے تلامذہ کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے۔“

یہ علم و فضل کا آفتاب ۱۳۰۱ھ/ ۱۸۸۳ء میں غروب ہو گیا۔

(۶) تاج اللہ مولانا شاہ عبدالقادر قادری (م ۱۳۱۹ھ) تیرہویں صدی ہجری کے اجلہ علما میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ اپنے زمانے میں مرجع علما، کاروان سنیہ کے علمبردار اور قافلہ تصوف و سلوک کے سالار تھے۔ آپ کی محبت سنیہ کی علامت و شناخت سمجھی جاتی تھی۔ اپنے وقت کے بڑے بڑے جید علما آپ کی علمی عظمت کے معترف تھے اور آپ کو اپنا امام و رہنما تسلیم کرتے تھے۔ آپ کی ولادت ۱۱۷۱ھ/ ۱۷۵۳ء میں ہوئی، حضور غوث پاک کے باطنی اشارہ پر آپ کا نام ”عبدالقادر“ رکھا گیا، تاریخی نام ”مظہر حق“ اور لقب ”شیخ الاسلام فی الہند“ ہے۔ چار سال کی عمر میں آپ کے جد امجد شاہ عین الحق عبدالمجید قادری بدایونی نے رسم بسم اللہ خوانی کرائی۔ تعلیم کے ابتدائی مراحل جد محترم اور والد گرامی حضرت سیف اللہ المسلمول شاہ فضل رسول قادری عثمانی کے زیر سایہ طے کیے۔ معقول و منقول کی

اعلیٰ تعلیم استاذ العلماء علامہ نور احمد قادری عثمانی اور استاذ مطلق علامہ فضل حق خیر آبادی سے حاصل کی۔ اپنے والد گرامی کے زیر نگرانی سلوک کے منازل طے کیے۔ تصوف و سلوک کی منزلیں طے کرنے کے بعد اجازت و خلافت سے نوازے گئے۔

آپ نے متعدد بار حج کیا۔ پہلی بار ۱۲۷۹ھ میں زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوئے۔ اس سفر میں سند المحدثین سیدنا الشیخ جمال حنفی مکی سے درس حدیث لیا، پھر شیخ جمال حنفی مکی علیہ الرحمہ نے اجازت و سند سے نوازا۔ حضور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی الفت و محبت ورنے میں ملی تھی جو آپ کی رگ و پے میں مثل خون سرایت کیے ہوئی تھی۔ درحقیقت آپ فنا فی الغوث کے مقام پر فائز تھے، اس پر غوث اعظم کی شان میں آپ کے چار عظیم الشان دیوان شاہد عدل ہیں، اسی محبت کا نتیجہ تھا کہ صفا و مروہ پر عالم بیداری میں غوث پاک نے اپنے دیدار سے مشرف فرمایا۔ عربی، اردو اور فارسی تینوں زبانوں میں آپ نے فکر سخن کیا اور ”فقیر“ مخلص فرماتے تھے۔

استاذ مطلق علامہ فضل حق خیر آبادی آپ کی شان میں فرماتے ہیں: ”صاحب قوت قدسیہ ہر زمانے میں ظاہر نہیں ہوتے۔ وقت اور عصر ابعداً پیدا ہوتے ہیں۔ اگر اس زمانے میں کسی کا وجود مانا جائے تو آپ کی طرف اشارہ کر کے فرماتے کہ یہ ہیں۔“

ایک دیگر موقع پر آپ نے فرمایا:

”ان (تاج الفحول) کے ذہن کی جودت و سلاست ابو الفضل اور فیض کے اذہان ثاقبہ کی جودت کو مات کرتی ہے۔“

علامہ عبدالحق خیر آبادی، مولانا ہدایت اللہ خاں رامپوری، مولانا فیض الحسن سہارنپوری اور تاج الفحول شاہ عبدالقادر قادری بدایونی، یہ چاروں حضرات علامہ فضل حق خیر آبادی کی درس گاہ کے علمی ستون سمجھے جاتے تھے۔ علامہ عبدالحق خیر آبادی ان علمی ستونوں کا درجہ اور طبعی رجحان متعین کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

”ہر سہ اصحاب کسی خاص فن میں یکتائے عصر اور وحید روزگار ہیں، مگر حضرت تاج الفحول کا تجر اور جامعیت جملہ علوم و فنون میں ہے۔“

(اکمل التاریخ: مولانا یعقوب حسین ضیاء القادری، ص ۳۳۰)  
نور العارفین سیدنا شاہ ابوالحسن احمد نوری مارہروی قدس سرہ نے آپ کے بارے میں فرمایا:

”ہمارے دور میں سنیت کی شناخت محبت مولانا عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ ہے۔ ہرگز کوئی بد مذہب ان سے محبت نہ رکھے گا۔“

(تذکرہ نوری: غلام شہر قادری، ص ۱۲۹)

احقاق حق اور ابطال باطل کا جذبہ اپنے والد گرامی حضور سیف اللہ المسلمول سے ورثے میں ملا۔ آپ کے دور میں بد عقیدگی، گمراہی اور گمراہ گری کے جتنے فتنے اٹھے آپ نے تقریر و تحریر سے اس کا قلع قمع کیا اور ہر فتنے کا دندان شکن جواب دے کر مسلک حق کی حفاظت و سیانت کا عظیم فریضہ انجام دیا۔

عربی، فارسی اور اردو تینوں زبانوں میں آپ کی تصانیف کا ذخیرہ موجود ہے جن میں سے بہت سی کتابیں طبع ہو چکی ہیں اور بعض ہنوز غیر مطبوعہ ہیں، جو ان شاء اللہ جدید تخریج و تحقیق اور تحشیے کے ساتھ منظر عام پر آئیں گی۔ حضرت تاج الفحول کی تصانیف میں چند کے اسماء یہ ہیں:

- (۱) الکلام السدید (عربی) (۲) احسن الکلام فی تحقیق عقائد الاسلام (عربی) (۳) حقیقۃ الشفاعۃ علی طریق اہل السنۃ والجماعۃ در رد مولوی نذیر حسین دہلوی (۴) تحفہ فیض (فارسی) (۵) مناصبہ فی تحقیق مسائل المصالح (عربی) (۶) تذکرہ مشائخ قادریہ (قلمی) (۷) شفا السائل تحقیق المسائل (۸) سیف الاسلام علی المناع لعمیل المولد والقیام (فارسی) (۹) ہدایت الاسلام (در رد و انقض) (۱۰) دیوان نعت عربی (۱۱) دیوان نعت و منقبت (اردو، فارسی)

ساری عمر درس و تدریس، تصنیف و تالیف، رشد و ہدایت اور احقاق حق کا مقدس فریضہ انجام دیا۔ معاصرین نے آپ کو اپنے زمانے میں ”امام اہل سنت“ اور ”معیار سنیت“ قرار دیا۔ آپ کی درس گاہ سے ایک عالم نے فیض حاصل کیا۔ تلامذہ میں یہ چند نام نمایاں ہیں:

- (۱) سید شاہ ابوالقاسم حاجی اسماعیل حسن مارہروی (۱۳۳۰ھ)
- (۲) سرکار صاحب الاقدا مولانا عبدالقادر قادری (۱۳۳۳ھ)
- (۳) حافظ بخاری مولانا شاہ عبدالصمد سہوانی (۱۳۲۳ھ)
- (۴) استاذ الاساتذہ علامہ محبت احمد قادری بدایونی (۱۳۳۱ھ)

(۵) استاذ العلماء مفتی عزیز احمد قادری آنولوی ثم لاہوری

(۶) حضرت مولانا عمر الدین ہزاروی (۱۳۳۹ھ)

(۷) حضرت مولانا فضل مجید قادری فاروقی بدایونی (۱۳۲۵ھ)

(۸) مولانا مفتی حافظ بخش قادری آنولوی (۱۳۳۹ھ)

(۹) مولانا محمد حسن سنبھلی (۱۳۰۵ھ)

۱۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۱۹ھ / ۱۹۰۱ء میں آپ کا وصال ہوا۔ درگاہ قادری بدایوں میں اپنے والد ماجد سیف اللہ المسلمول سیدنا شاہ فضل رسول قادری قدس سرہ کے پہلو میں دفن ہیں۔

آپ کے تفصیلی حالات معلوم کرنے کے لیے دیکھئے:

(۱) اکمل التاریخ: مولانا ضیاء القادری بدایونی، مطبوعہ ۲۰۱۳ء

(۲) تاج الفحول حیات و خدمات: مفتی عبدالحکیم نوری، ۱۹۹۸ء

(۳) ماہنامہ مظہر حق کا ”تاج الفحول نمبر“: ۱۹۹۸ء

(۴) حیات تاج الفحول: مولانا محمد شہاب الدین رضوی ۲۰۰۷ء

(۷) سرکار صاحب الاقدار مطبع الرسول مولانا شاہ عبدالمقدر

قادری بدایونی: (م ۱۳۳۳ھ)

آپ تاج الفحول محبت رسول مولانا عبد القادر قادری بدایونی قدس سرہ کے بڑے صاحبزادے تھے۔ ۱۱ جمادی الاخریٰ ۱۲۸۳ھ / ۱۸۶۶ء بروز پیر پیدا ہوئے۔ آپ کے جد امجد حضرت سیف اللہ المسلمول نے ”مطبع الرسول محمد عبدالمقدر“ نام رکھا۔ تاریخی نام ”غلام پیر“ اور لقب ”سرکار صاحب الاقدار“ ہے۔ مولانا حکیم سراج الحق قادری علیہ الرحمہ نے رسم تسمیہ خوانی ادا فرمائی، بچپن سے بزرگی کے آثار ہویدا تھے۔ مکمل تعلیم استاذ الاساتذہ مولانا نور احمد قادری اور تاج الفحول شاہ عبد القادر قادری بدایونی کے زیر سایہ ہوئی۔ اپنے والد گرامی تاج الفحول محبت رسول مولانا عبد القادر قادری بدایونی علیہ الرحمہ کے مرید و خلیفہ تھے۔ ۲ مرتبہ حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہوئے، ایک مرتبہ بغداد معلیٰ حضور غوث اعظم کی درگاہ پر حاضری ہوئی۔

تاج الفحول شاہ عبد القادر قادری بدایونی اکثر فرمایا کرتے تھے:

”مولانا صاحب میرے شاگرد اور مرید ہیں، لیکن ان کی شان

یہ ہے کہ کاش! میں ان کا مرید ہوتا۔“

جمادی الاخریٰ ۱۳۱۹ھ میں علمائے کرام اور مشائخ کی موجودگی

میں رسم سجادگی ادا ہوئی۔ نور العارفین شاہ ابوالحسن احمد نوری قدس سرہ نے خرقہ مبارک پہنایا اور نذر پیش کی۔ انتہائی منکسر المزاج، عابد و زاہد تھے۔ بچپن سے ہی طبیعت زہد و تقویٰ کی طرف مائل تھی، درس و تدریس سے خاص شغل تھا، بڑے انہماک اور توجہ سے آپ درس دیا کرتے تھے، کبھی کبھی تو ایک مسئلے پر دو تین دن تک بحث ہوتی رہتی تھی۔ آپ سے اکثر و بیش تر خوارق عادات بھی صادر ہوتے رہتے تھے۔

مولانا یعقوب حسین ضیاء القادری بدایونی آپ کے بارے میں اپنے مشاہدات ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”خدا جانتا ہے کہ جو شان اس نورانی صورت (سرکار صاحب الاقدار) میں دیکھی آج تک دیکھنے میں نہ آئی۔ متقدمین کے مجاہدہ و ریاض، تصرفات و کرامات و خوارق عادات کانوں سے سنے تھے یہاں روزمرہ اشاروں کنایوں میں ان تصرفات و خوارق کی جلوہ نمائی دیکھتے ہیں۔ اوقات شبانہ روز کو دیکھ کر نگاہیں چشم سخن گو میں کہتی ہیں کہ اللہ اکبر اس گئے گزرے زمانے میں بھی ایسے باخدا موجود ہیں جن کی زندگی کا کوئی لمحہ، کوئی ساعت، کوئی آن یاد الہی سے خالی نہیں۔ اس عظمت و منزلت خداداد پر شان تو واضح اور رنگ انکساری دیکھنے والے دیکھتے ہیں، جاننے والے جانتے ہیں۔“ (ص: ۳۲۷)

عبادت و ریاضت، درس و تدریس اور دیگر دینی مشاغل کی بنا پر تصنیف و تالیف کی جانب زیادہ توجہ مبذول نہ کر سکے۔ ایک ضخیم تفسیر ”تفسیر ابن عباس“ کا ترجمہ آپ کے قلم سے معرض وجود میں آیا۔ آپ سے اکتساب فیض کرنے والے تلامذہ کی فہرست طویل ہے، جن میں چھ اسامندرجہ ذیل ہیں:

(۱) مفتی اعظم شاہ عاشق الرسول محمد عبد القادر قادری (۲) مجاہد آزادی مولانا عبدالمجید قادری بدایونی (۳) تاج العلماء سید اولاد رسول محمد میاں مارہروی (۴) حضرت سید ارتضا حسین پیر میاں مارہروی (۵) حضرت سید حسین احمد میاں شاہجہانپوری (۶) محدث اعظم ہند مولانا سید محمد اشرفی البیلانی (۷) مفتی حسین احمد، مفتی ریاست پھاسو (۹) مولانا مفتی حبیب الرحمن قادری بدایونی (۱۰) مولانا مفتی ابراہیم قادری بدایونی ابن استاذ العلماء مولانا محبت احمد قادری (۱۱) مولانا



درس دیا، آپ سے اکتساب فیض کرنے والے طلبہ کی تعداد کثیر ہے۔ ان میں درج ذیل حضرات قابل ذکر ہیں:

(۱) شہزادہ گرامی حضرت سید عادل الگیلانی بغدادی (۲) مولانا فیض الحسن دہلوی (۳) مولانا عبدالحامد قادری بدایونی (۴) مولانا حیرت بدایونی (۵) مولانا عبدالبہادی ہادی القادری (استاذ شعبہ عربی عثمانیہ یونیورسٹی، حیدرآباد) (۶) تاجدار اہل سنت مولانا شاہ عبدالحمید محمد سالم القادری (زیب سجادہ آستانہ عالیہ قادریہ، بدایوں شریف)

اپنے برادر اکبر سرکار صاحب الاقتدار مولانا شاہ عبدالمقتدر قادری کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے۔ ۱۳۳۳ھ میں سرکار صاحب الاقتدار نے اجازت و خلافت سے نوازا۔ آپ نے دوبار حرمین شریفین کی حاضری کا شرف حاصل کیا اور بغداد شریف کی حاضری تو ہر سال کا معمول تھا، اس کے علاوہ شام، فلسطین اور ایران کا دورہ کیا۔ آپ کو مسجد حرام، مسجد نبوی، مسجد اقصیٰ اور مسجد غوث اعظم (بغداد شریف) میں جمعہ کی نماز پڑھانے کا شرف حاصل ہوا۔

محبت غوث اعظم خانوادہ قادریہ کا سرمایہ افتخار ہے، حضرت شاہ عین الحق عبدالحمید قادری سے لے کر تاج ہنوز ہر بزرگ میں محبت غوث اعظم کی جلوہ گری نظر آتی ہے۔ یہی عقیدت و محبت خانوادہ عثمانیہ کا طرہ امتیاز ہے۔ حضرت عاشق الرسول کو ۴۵ مرتبہ بغداد شریف کی حاضری کا شرف حاصل ہوا جو ایک محبت غوث کے لیے بہت بڑی سعادت کی بات ہے۔ ایک سال بیماری کی وجہ بغداد شریف حاضر نہیں ہو سکے تو صاحب سجادہ آستانہ غوث اعظم حضرت سید طاہر علاء الدین گیلانی کے خواب میں غوث اعظم تشریف لائے اور فرمایا کہ ”تم بندوستان جاؤ مولوی عبد القدیر بدایونی علالت کی وجہ سے اس سال ہماری بارگاہ میں حاضر نہیں ہو سکے ان کی عیادت کرو۔“ چنانچہ ماہ رمضان المبارک ۱۳۷۵ھ مطابق فروری ۱۹۵۶ء شہزادہ غوث اعظم بدایوں تشریف لائے اور آپ کی عیادت کر کے غوث پاک کا سلام پہنچایا، اتنا ہی نہیں بلکہ جب حضرت عاشق الرسول کا وصال ہو گیا اور آپ کے جانشین تاجدار اہل سنت شیخ عبدالحمید سالم القادری (زیب سجادہ آستانہ عالیہ قادریہ بدایوں) بارگاہ غوثیت میں حاضر ہوئے تو نقیب الاشراف سید پیر ابراہیم گیلانی (جو اس وقت آستانہ قادریہ بغداد شریف کے صاحب سجادہ تھے) نے غوث

سید عبد الوہاب حیدرآبادی (۱۲) مولانا حافظ عبدالحمید قادری آنولوی (۱۳) مولانا حبیب الہی مارہروی (۱۴) مولانا حکیم عبدالشکور، پٹنہ۔

ان کے علاوہ ہزار ہا تشنگان علوم نبویہ نے اس علم کے بحرِ خار سے اپنی علمی پیاس بجھائی۔ طوالت کی بنا پر ان کے اسما حذف کیے جاتے ہیں۔ ۲۵ محرم الحرام ۱۳۳۳ھ کو نماز فجر میں بحالت سجدہ واصل الی الحق ہوئے۔ عید گاہ شمس میں آپ کے برادر صغیر حضرت عاشق الرسول مولانا عبد القدیر قادری نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی، درگاہ قادریہ میں اپنے والد گرامی حضرت تاج الفحول کے پہلو میں آسودہ خاک ہوئے۔

### (۸) عاشق الرسول مولانا عبد القدیر قادری بدایونی (۱۳۷۹ھ)

آپ کی ولادت ۱۱ شوال المکرم ۱۳۱۱ھ کو مولوی ٹولہ، بدایوں میں ہوئی۔ آپ کی ولادت سے ۲۸ سال قبل آپ کے جد امجد سیف اللہ المسلمول شاہ فضل رسول بدایونی قدس سرہ نے آپ کی پیدائش کی بشارت دی اور ”عبد القدیر“ نام تجویز فرمایا نیز ایک تعویذ دیا کہ ولادت کے بعد ان کے گلے میں ڈال دیا جائے۔ چنانچہ اسی نام پر عقیقہ ہوا، بعد میں حضرت تاج الفحول نے ”عاشق الرسول“ کا اضافہ فرمایا، لہذا آپ کا پورا نام ”عاشق الرسول عبد القدیر“ ہو گیا، اس نام میں ”محمد“ بڑھانے سے سنہ تاریخ ۱۳۱۱ھ برآمد ہوتی ہے۔

جب آپ کی عمر ۸ سال کی ہوئی تو والد محترم حضرت تاج الفحول کا وصال ہو گیا، برادر اکبر و پیر و مرشد سرکار صاحب الاقتدار شاہ مطیع الرسول عبدالمقتدر قادری بدایونی کے زیر سایہ پرورش پائی، ابتدائی تعلیم مدرسہ قادریہ کے مختلف اساتذہ سے حاصل کی، علامہ محبت احمد قادری، مولانا حافظ بخش قادری سے متوسطات کی تعلیم حاصل کی، پھر سرکار صاحب الاقتدار سے تکمیل کی۔ انتہائی زیرک و فطین تھے۔ اسی وجہ سے طبعاً معقولات سے زیادہ شغف تھا۔ معقولات کی قدیم کتابیں پڑھنے کے لیے آپ نے ٹونک اور رامپور کا سفر کیا۔ علامہ عبدالحق خیرآبادی کے شاگرد حکیم برکات احمد ٹونکی اور علامہ سید عبدالعزیز رامپوری سے معقول کی قدیم کتابیں پڑھیں، دوران طالب علمی سے ہی تدریس کا شوق رہا، ٹونک اور رامپور میں بھی طلبہ ساتھ گئے اور خالی اوقات میں آپ انہیں درس دیا کرتے تھے۔ رامپور سے واپسی پر باقاعدہ مدرسہ قادریہ میں مسند تدریس پر متمکن ہوئے اور پورے انہماک اور لگن کے ساتھ آپ نے



پاک کے مزار مبارک کا غلاف حضرت تاجدار اہل سنت کو عطا کیا اور فرمایا کہ میرے جد اعلیٰ حضرت غوث اعظم نے (خواب میں) مجھے حکم دیا کہ مولوی عبدالقدیر ہر سال بدایوں سے میرے مزار کے لیے غلاف لایا کرتے تھے، اب ان کا انتقال ہو گیا ہے، چنانچہ ہماری طرف سے یہ غلاف ان کے مزار کے لیے بھیج دو۔

شعری ذوق اور موزوں طبیعت آپ نے وراثت میں پائی تھی، آپ نے غزل، قطعہ، رباعی قصیدہ اور مثنوی تمام اصناف سخن کو برتا، قدر تخلص فرماتے تھے۔ آپ کا زیادہ تر کلام نعت و مناقب پر مشتمل ہے۔ آپ کا یہ قطعہ زبان زد خاص و عام ہے:

دید اک حقیقت تھی ہجر اک فسانہ تھا  
ہم تھے جب مدینے میں وہ بھی کیا زمانہ تھا  
یاد ہے فقط اتنا ہم تھے اور جدے تھے  
آگے بے خودی جانے کس کا آستانہ تھا

جب ملک میں ملی اور قومی تحریکات کا آغاز ہوا تو حضرت عاشق الرسول نے تمام اہم تحریکوں میں حصہ لیا۔ ترک گمراہی، تحریک خلافت، خدام کعبہ، مسئلہ فلسطین اور بزم صوفیہ جیسی تحریکات میں اہم کردار ادا کیا۔ آپ نے ان قومی و ملی تحریکات میں قوم و ملت کی قیادت اور رہنمائی فرمائی۔ بہت سی قومی و ملی کانفرنسیں آپ کی صدارت میں منعقد ہوئیں، جن میں آپ نے خطبہ صدارت پڑھا اور اپنی سیاسی و ملی بصیرت کا ثبوت دیا۔ ۲۰۰۸ء میں تاج اللہ لکھنؤ نے ”خطبات صدارت“ کے نام سے آپ کے ان تین خطبات کو شائع کیا جو آپ نے قومی و ملی کانفرنس میں بحیثیت صدر دیئے۔

آپ سلطنت آصفیہ، ریاست حیدرآباد کی عدالت عالیہ میں مفتی اعظم کے عہدے پر فائز رہے۔ ۱۹۳۶ء سے سقوط حیدرآباد تک مفتی اعظم ریاست حیدرآباد کے عظیم منصب پر متمکن رہے۔

۳ شوال المکرم ۱۳۷۹ھ / ۱۹۶۰ء کو بروز جمعرات آپ کا وصال ہوا۔ آپ کے جسد خاکی کو درگاہ قادری میں آپ کے مرشد برحق سرکار صاحب الاقتدار شاہ عبدالمقتدر قادری بدایوںی کے پہلو میں سپرد خاک کیا گیا۔ آپ کے بعد آپ کے چھوٹے صاحبزادے حضرت شیخ عبدالحمید محمد قادری دامت برکاتہم القدسیہ سجادہ نشین ہوئے جو آج بھی

اپنے فیوض و برکات سے ایک عالم کو فیض یاب فرما رہے ہیں۔

(۹) مولانا حکیم محمد عبدالقیوم شہید قادری بدایونی (م ۱۳۱۸ھ)

آپ کی ولادت شوال المکرم ۱۲۸۳ھ میں ہوئی۔ جد محترم سیف اللہ المسلمول نے ”محمد عبدالقیوم“ نام تجویز فرمایا ”ذاکر رسول اللہ“ سے تاریخ ولادت برآمد ہوتی ہے۔ جد محترم سیف اللہ المسلمول کے زیر سایہ پرورش پائی، ابتدائی تعلیم مدرسہ قادریہ کے لائق و فائق اساتذہ سے حاصل کی۔ فن کی اعلیٰ کتابیں تاج اللہ لکھنؤ مولانا شاہ عبدالقادر قادری بدایونی سے پڑھیں۔ فن طب اولاً مولانا سراج الحق قادری عثمانی سے حاصل کی پھر اس میں مہارت تامہ حاصل کرنے کے لیے آپ دہلی تشریف لے گئے اور وہاں حاذق الملک ابوسعید حکیم عبدالمجید خاں کے سامنے زانوائے تلمذتہ کیا اور فن طب میں کمال کو پہنچے۔

نور العارفین سید ابوالحسین احمد نوری مارہروی قدس سرہ کے دامن کرم سے وابستہ ہوئے اور آپ ہی نے اجازت و خلافت سے نوازا۔ حضرت تاج اللہ لکھنؤ نے بھی آپ کو تمام سلاسل کی اجازت و خلافت عطا فرمائی۔ فراغت علوم کے بعد آپ نے باقاعدہ درس و تدریس کا آغاز کیا نیز لوگوں کا جسمانی علاج بھی کیا۔ غربا پروری، خدمت خلق اور حاجت مندوں کی حاجت روائی آپ کے اوصاف میں تھے۔

اسلام و سنیت کی اشاعت و ترویج کے لیے حضرت تاج اللہ لکھنؤ کی سرپرستی میں ”جامع مسجد شمس“ میں آپ نے ایک عظیم ادارہ قائم کیا جس نے زمانے میں ”مدرسہ شمس“ کے نام سے شہرت پائی، آپ کے وصال کے بعد آپ کے صاحبزادے مولانا عبدالماجد قادری بدایونی نے اس مدرسہ کو ایک پر شکوہ عمارت میں منتقل فرمایا اور اس کا نام تبدیل کر کے ”شمس العلوم“ رکھا۔ ایک زمانے تک اس مدرسے نے علوم دینیہ کی خدمات انجام دیں۔ مدرسہ اہل سنت پٹنہ کے سالانہ اجلاس میں شرکت کی غرض سے حضرت تاج اللہ لکھنؤ کے ہمراہ پٹنہ تشریف لے جا رہے تھے، فجر کی نماز کے لیے ریل سے اترے اسی اثنا میں ریل چل دی آپ نے دوڑ کر سوار ہونا چاہا، پاؤں پھسلا اور آپ پلیٹ فارم کے نیچے گر گئے، ریل روکی گئی اور آپ کو ریل کے پہیوں سے بدقت نکالا گیا، کسی طرح پٹنہ پہنچے علاج شروع ہوا، مگر آپ اس سے جانبر نہ ہو سکے۔ آخر کار ۱۴ رجب ۱۳۱۸ھ میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ مولانا سید امین

الدین فردوسی نے نماز جنازہ پڑھائی، بذریعہ ریل آپ کے جسد مبارک کو بدایوں لایا گیا اور درگاہ قادری میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ آپ نے ۳۵ رسالہ کی مختصر عمر میں گونا گوں مصروفیات کے باوجود تصنیف و تالیف کے میدان میں بھی قابل قدر ذخیرہ چھوڑا، جن میں سے چند کتابیں درج ذیل ہیں:

- (۱) رسالہ فضائل الشہور (۲) رسالہ بیان شفاعت (۳) رسالہ بیان غربت اسلام (۴) سطور فی رد ہفوات ارباب دارالندوہ (۵) رسالہ احکام و اسرار صلاۃ (۶) رسالہ سماع اموات (۷) رسالہ تدابیر معالجات (۸) رسالہ علم عروض (۹) شرح سبعمعلقہ (۱۰) اسلامی ناول (۱۰) مجاہد آزادی مولانا عبدالماجد قادری بدایونی (م ۱۳۵۰ھ)

مولانا عبدالماجد قادری خانوادہ عثمانیہ کے چشم و چراغ تھے، ان کی ولادت ۳ شعبان المعظم ۱۳۰۴ھ/ ۱۸۸۷ء میں مولوی محلہ، بدایوں میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم مولانا مفتی ابراہیم اور مولانا عبدالمجید مقتدری آنولوی سے حاصل کی، درس نظامی کی اعلیٰ کتابیں استاذ العلماء مولانا محبت احمد قادری بدایونی سے پڑھیں اور تکمیل حضرت مولانا عبدالمقتدر قادری سے فرمائی۔ دو سال دہلی میں رہ کر حکیم غلام رضا خاں سے فن طب کی تکمیل کی، آپ کو بیعت و خلافت تاج الفحول مولانا عبدالقادر قادری بدایونی کے بڑے صاحبزادے سرکار صاحب الاقدار مولانا شاہ عبدالمقتدر قادری سے حاصل تھی۔ ۱۸۹۹ء میں آپ کے والد مولانا عبدالقیوم شہید نے جامع مسجد شمس بدایوں میں مدرسہ شمس کی بنیاد رکھی اور اس نے عروج و ترقی کے منازل طے کیے پھر رفتہ رفتہ یہ مدرسہ زبوں حالی کا شکار ہو گیا، مولانا عبدالماجد بدایونی نے از سر نو اس کی آبیاری کی اور ۳ ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ/ ۱۹۱۷ء میں ایک عمارت تعمیر کروائی اور مدرسہ شمس کا نام ”شمس العلوم“ رکھ کر اس عمارت میں مدرسے کو منتقل کر دیا۔ مدرسے کی عمارت کے قریب ہی ایک عمدہ دارالاقامہ قائم کیا، پروفیسر ایوب قادری مدرسے کی نشاۃ ثانیہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

”جلد ہی مدرسہ شمس العلوم نے ملک کی دینی درسگاہوں میں ایک ممتاز مقام حاصل کر لیا۔ ملک کے مختلف حصوں اور علاقوں سے طلبہ تحصیل علم کے لیے آنے لگے، لائق اور محنتی علماء حیثیت مدرسین اور اساتذہ مدرسہ سے وابستہ ہو گئے، دستار بندی کے

موقع پر نہایت شاندار جلسے منعقد ہوتے، ان جلسوں میں تمام ہندوستان کے ممتاز اور مشہور علماء شریک ہوتے۔“

(مجلہ بدایوں، کراچی مئی ۱۹۹۶ء ص: ۴۸)

آپ نے مدرسے میں ایک عظیم الشان لائبریری قائم کی، مذہب و مسلک کی اشاعت کے لیے مدرسے کے زیر انتظام ”مطبع قادری“ کے نام سے پریس لگوایا اور وہاں سے علمائے اہل سنت کی تحقیقی و علمی اور دعوتی و اصلاحی کتابیں اور رسالے شائع کیے۔ مولانا ایک معروف ملی قائد بھی تھے، آپ نے اپنے دور میں اٹھی ہر قومی و ملی اور سیاسی تحریک میں حصہ لیا اور کلیدی کردار ادا کیا، جس میں خلافت کمیٹی (۱۹۱۹ء) مجلس خدام کعبہ (۱۹۱۲ء) جمعیت العلماء (۱۹۱۹ء) تحریک تنظیم (۱۹۲۳ء) مسلم کانفرنس (۱۹۱۹ء) تحریک ترک موالات (۱۹۲۰ء) ان کے علاوہ دیگر ملی و قومی اور سیاسی کانفرنسوں میں اہم رول ادا کیا۔ پروفیسر ایوب قادری قومی و ملی خدمات کے تعلق سے رقمطراز ہیں:

”مولانا عبدالماجد نہایت ذہین عالم اور بے مثال مقرر تھے، انہوں نے تحریک خدام کعبہ، خلافت کمیٹی، مسلم کانفرنس اور جمعیت العلماء سب میں حصہ لیا، وہ علی برادران کے دست راست تھے، انہوں نے تمام ملک کو چھان مارا اور ملک کی سیاسی بیداری میں نمایاں کردار ادا کیا۔ برصغیر کی سیاست میں ان کا نمایاں حصہ رہا ہے، انہوں نے شدھی اور سنگٹھن کے زمانے میں آگرہ اور بھرت پور کے علاقہ میں ایک جماعت بھیجی، ان کے بعض متوسلین نے آگرہ میں ڈیرے جمادیے اور ایک رسالہ نکالا“

(مقالہ: ”عہد برطانیہ میں علمائے بدایوں کے سیاسی رجحانات“

مجلہ بدایوں، کراچی، شمارہ جنوری ۱۹۹۴ء)

آپ کی صدارت میں قومی و ملی بے شمار کانفرنسیں منعقد ہوئیں جن میں مولانا عبدالباری فرنگی محلی، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا محمد علی جوہر جیسے قد آور قومی قائد موجود رہے، آپ کی صدارت میں منعقد ہونے والی بے شمار کانفرنسوں میں سے چند درج ذیل ہیں:

- (۱) خلافت کانفرنس ناگ پور ۱۹۲۰ء (۲) خلافت کانفرنس بمبئی ۱۹۲۱ء (۳) خلافت کانفرنس کلکتہ (۴) بہار ڈویژنل خلافت کانفرنس پٹنہ ۱۳۳۹ھ (۵) خلافت کانفرنس ضلع بیلگام کرناٹک ۱۳۳۹ھ (۶) اجلاس

جمعیتہ علماء صوبہ راجستھان ۱۳۲۲ھ (۷) اجلاس خلافت کمیٹی بسلسلہ افتتاح شعبہ تبلیغ میرٹھ ۱۳۳۸ھ

مولانا عبدالماجد قادری عثمانی ایک فعال و متحرک اور سیماب صفت شخص تھے۔ آپ کی وسیع تر خدمات اور قائدانہ حیثیت ان مناصب سے بھی سمجھ میں آتی ہے جن کو اپنی زندگی میں آپ نے زینت بخشی، مثلاً:

(۱) مہتمم: مدرسہ شمس العلوم بدایوں (۲) مدیر اعلیٰ: ماہنامہ شمس العلوم بدایوں (۳) ناظم: جمعیتہ علمائے ہند صوبہ متحدہ (۴) رکن: مرکزی مجلس خلافت (۵) رکن: مجلس عاملہ مسلم کانفرنس (۶) صدر: خلافت تحقیقاتی کمیشن (۷) رکن: وفد خلافت برائے حجاز (۸) رکن: انجمن خدام کعبہ (۹) رکن انڈین نیشنل کانگریس (۱۰) بانی دارالتصنیف بدایوں (۱۱) بانی دسر پرست: عثمانی پریس بدایوں (۱۲) بانی مہتمم مطبع قادری (۱۳) بانی درکن: جمعیتہ علمائے ہند کانپور (۱۴) صدر: جمعیتہ تبلیغ الاسلام صوبہ آگرہ۔

ان تمام تر مصروفیات کے ساتھ ہی مولانا عبدالماجد قادری کو تالیف و تصنیف سے بھی خاصا شغف تھا۔ آپ نے مذہبیات، درسیات اور سیاسیات ہر موضوع پر قلم اٹھایا اور تصنیفات کا ایک قابل قدر ذخیرہ چھوڑا جن میں مندرجہ ذیل کتابیں قابل ذکر ہیں:

(۱) خلاصۃ المنطق (۲) خلاصۃ العقائد (۳) القول السدید (۴) جذبات الصداقت (۵) فلاح دارین (۶) خلافت نبویہ (۷) فصل الخطاب (۸) درس خلافت (۹) تنظیمی مقالات (۱۰) الاظہار (۱۱) خلافت الیہ (۱۲) قسطنطنیہ (۱۳) عورت اور قرآن (۱۴) فتویٰ جواز عرس۔

مولانا ایک نباض اور بالغ نظر خطیب بھی تھے۔ ان کا خطاب سامعین پر جادو کی طرح اثر انداز ہوتا تھا، مجلس میلاد ہو، عرس کی محفل، یا بزم مناظرہ ہو یا سیاسی جلسہ یا کوئی قومی کانفرنس ہر جگہ آپ کی خطابت کی دھمک سنائی دیتی تھی۔ مولانا ضیاء القادری لکھتے ہیں:

” (آپ کا) وعظ عجب روح پرور معلومات سے پر، جذبات براہین سے گونجنے والا ہوتا تھا۔ ہندوستان میں آپ عدیم النظیر واعظ، اور خطیب اعظم تھے۔“ (تذکرہ ماجد: ص ۷۳)

۳ شعبان ۱۳۵۰ھ / دسمبر ۱۹۳۱ء کو آپ نے وفات پائی، درگاہ قادری میں آپ کی آخری آرام گاہ ہے۔

آپ کی حیات و خدمات کا تفصیلی مطالعہ ”تذکرہ ماجد“ (مرتبہ: شیخ اسید الحق قادری) میں کیا جاسکتا ہے۔

(۱۱) مجاہد ملت مولانا عبدالماجد قادری بدایونی، صدر جمعیتہ علمائے پاکستان (۱۳۹۴ھ)

مولانا عبدالماجد قادری بدایونی (ولادت ۱۳۱۸ھ / ۱۹۰۰ء) بن مولانا عبدالقیوم قادری، ایک جید عالم، شعلہ بیان خطیب، ملی قائد، مصنف اور صاحب طرز شاعر تھے۔ آپ کی تعلیم مدرسہ قادریہ بدایوں، مدرسہ شمس العلوم بدایوں اور مدرسہ کانپور میں ہوئی، آپ کے اساتذہ میں مطبع الرسول مولانا شاہ عبدالقادر قادری، عاشق الرسول مولانا عبدالقدیر قادری، استاذ العلبا مولانا محبت احمد قادری، مولانا مفتی محمد ابراہیم قادری اور مولانا مشتاق احمد قادری کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔

سرکار صاحب الاقتدار شاہ عبدالقادر قادری بدایونی کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے اور عاشق الرسول شاہ عبدالقدیر قادری بدایونی نے اجازت و خلافت سے نوازا۔ آپ نے اپنی عملی زندگی کی ابتدا مدرسہ شمس العلوم کے نائب مہتمم کی حیثیت سے کی، مسلسل تین سال مکمل انہماک کے ساتھ مدرسہ شمس العلوم بدایوں میں درس دیا، پھر اپنے بڑے بھائی مجاہد آزادی مولانا عبدالماجد قادری کے ساتھ قومی و ملی تحریکات سے وابستہ ہوئے۔ مسلم لیگ میں شامل ہو کر قیام پاکستان کی جدوجہد میں شریک رہے۔ تقسیم ہند کے بعد پاکستان چلے گئے۔ جمعیتہ علمائے پاکستان کے صدر بنائے گئے، مختلف مذہبی اور سیاسی موضوعات پر ۲۰ سے زیادہ کتابیں تصنیف کیں، پاکستان میں دین و مسلک کی اشاعت و ترویج کی غرض سے جامعہ تعلیمات اسلامیہ قائم فرمایا۔

۱۳۹۰ھ / ۱۹۷۰ء میں آپ کا وصال ہوا، نماز جنازہ سرکار کلاں حضرت سید شاہ مختار شرف اشرفی جیلانی نے پڑھائی اور اپنے قائم کردہ ادارہ ”جامعہ تعلیمات اسلامیہ“ کراچی میں مدفون ہوئے۔ چند سال پہلے حکومت پاکستان نے قیام پاکستان کے لیے آپ کی خدمات کے اعتراف میں ڈاک ٹکٹ جاری کیا۔

دینی و مذہبی اور قومی و سیاسی مصروفیات کے ساتھ ہی آپ نے تصنیف و تالیف کے میدان میں بھی اپنی صلاحیتوں کے نقوش چھوڑے جو دینی و ملی اور سیاسی موضوعات پر مشتمل ہیں۔ ان میں سے مندرجہ ذیل



کتابوں کے اسما درج ذیل ہیں:

[۱۳] حضرت تاجدار اہل سنت شیخ عبدالحمید محمد سالم القادری

(زیب سجادہ خانقاہ عالیہ قادریہ بدایوں شریف)

آپ کی ولادت باسعادت ۲۶ شعبان المعظم ۱۳۵۸ھ / اکتوبر ۱۹۳۹ء میں حیدرآباد دکن میں ہوئی۔ محض آٹھ سال کی عمر میں حافظ عبدالوحید قادری مقتدری سے قرآن کریم حفظ کیا۔ اپنے آبائی مدرسہ قادریہ میں مفتی ابراہیم فریدی سمستی پوری اور مفتی اقبال حسن قادری سے علم کی تحصیل کی۔ بعض کتابیں اپنے والد گرامی حضرت عاشق الرسول شاہ عبدالقدیر قادری مفتی اعظم حیدرآباد سے پڑھیں۔

اپنے والد محترم کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے اور ۱۳۷۷ھ میں عرس قادری کے مبارک موقع پر خلافت سے نوازے گئے۔ ۶ شوال المکرم / ۱۹۶۰ء میں مسند سجادگی کو زینت بخشی، اس وقت سے آج تک اپنے اکابر کے مسلک پر مضبوطی سے قائم رہتے ہوئے رشد و ہدایت، اصلاح و ارشاد و ابستگان سلسلہ کی دینی اور روحانی اور سلسلہ قادریہ کے فروغ کے لیے آپ کی مساعی جمیلہ اور خدمات محتاج بیان نہیں۔ آپ کے عہد زریں میں خانقاہ قادریہ نے تبلیغی، اشاعتی اور تعمیری میدانوں میں نمایاں ترقی کی۔ کتب خانہ قادریہ کی جدید کاری، مدرسہ قادریہ کی نشاۃ ثانیہ اور خانقاہ قادریہ میں جدید عمارتوں کی تعمیر، یہ سب ایسی خدمات ہیں جو خانقاہ قادریہ کی تاریخ میں سنہرے حروف سے لکھی جائیں گی۔

قوم و ملت کی فلاح و ترقی، مسلک اہل سنت کی نشر و اشاعت، احباب سلسلہ کی تعلیم و تربیت اور مشرب قادریت کا فروغ آپ کی حیات مبارکہ کا مشن ہے۔ آپ کی تبلیغی و دعوتی اور اصلاحی خدمات کی تاریخ نصف صدی پر محیط ہے۔ آپ کی شخصیت میں شریعت و طریقت کا حسین امتزاج پایا جاتا ہے۔ اعلیٰ ظرفی، توازن و اعتدال، صبر و تحمل اور عنفوان و درگزر آپ کے اعلیٰ ترین اوصاف ہیں۔ ایک مصری عالم کی کتاب کا ترجمہ ”محبت و برکت اور زیارت“ کے نام سے کیا۔ نعت و مناقب کے تین مجموعے ”نوائے سروش“ (۱۹۹۲ء)، ”معراج تخیل“ (۱۹۹۸ء) اور ”مدینے میں“ (۲۰۰۸ء) تاج الفحول اکیڈمی سے شائع ہو چکے ہیں۔ نعت و مناقب کا ایک ضخیم مجموعہ ابھی زیر ترتیب ہے۔

□□□

☆ استاذ: مدرسہ قادریہ، مولوی محلہ، بدایوں (یوپی)

(۱) تصحیح العقائد (۲) نظام عمل (۳) الجواب المشکور (۴) اسلام کا زراعتی نظام (۵) اسلام کا معاشی نظام (۶) انتخابات کے ضروری پہلو (۷) حرمت سود (۸) فلسفہ عبادات اسلامی (۹) دعوت عمل (۱۰) جذبات حامد (۱۱) مشیر الحجاج (۱۲) سفر نامہ ممالک عربیہ و ایران۔

(۱۲) مولانا عبدالہادی القادری بدایونی (م ۱۴۱۵ھ)

آپ حضرت عاشق الرسول شاہ عبدالقدیر قادری علیہ الرحمہ کے سب سے بڑے صاحبزادے، حضرت تاج الفحول مولانا شاہ عبدالقادر قادری بدایونی کے پوتے اور حضرت تاجدار اہل سنت شیخ عبدالحمید محمد سالم القادری (زیب سجادہ خانقاہ عالیہ قادریہ بدایوں) کے برادر اکبر تھے۔ ۱۳۳۱ھ / ۱۹۱۳ء کو بدایوں میں ولادت ہوئی۔ تعلیمی مراحل اپنے آبائی مدرسہ قادریہ میں حضرت مفتی حبیب الرحمن قادری بدایونی اور مولانا عزیز احمد قادری سے حاصل کی۔ سرکار صاحب الاقترار مولانا عبدالقادر قادری قدس سرہ کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے۔ والد گرامی کے وصال کے بعد اپنے برادر اصغر حضرت تاجدار اہل سنت کے ہاتھ پر تجدید بیعت کی۔ عربی، فارسی، اردو تینوں زبانوں کے قادر الکلام شاعر تھے۔ نعت و مناقب کے دو مجموعے ”نغمہ قدسی اساس“ اور ”خرابات“ اور بہاریہ شاعری کا ایک مجموعہ ”خمیازہ حیات“ شائع ہو چکے۔ ۱۳۹۱ھ / ۱۹۷۱ء میں حج و زیارت کی سعادت حاصل کی۔ مدرسہ قادریہ، جامعہ عثمانیہ حیدرآباد اور نظام کالج حیدرآباد میں ادب عربی کے استاذ رہے۔ ۱۹۷۸ء میں نظام کالج حیدرآباد کے شعبہ عربی میں ”استاذ ادبیات عربی“ کے عہدے سے سبکدوش ہوئے۔ نظام کالج کی ملازمت کے دوران ”الاشعۃ“ نام سے ایک میگزین کا اجرا کیا۔ یہ بیک وقت عربی اور اردو دونوں زبانوں میں شائع ہوتا تھا۔ اردو، عربی، فارسی میں آپ کی شعری اور نثری نگارشات کا ایک مجموعہ ”باقیات ہادی“ کے نام سے تاج الفحول اکیڈمی سے شائع ہو چکا ہے۔ اردو مقالات آپ اپنے اصلی نام سے اور عربی نثر و نغمہ ”صاحب القلم الاحمر“ اور ”الاستاذ الاموی“ کے قلمی نام سے شائع ہوا کرتی تھی۔ ۱۱ محرم الحرام ۱۴۱۵ھ / ۱۹۹۴ء میں آپ کا وصال ہوا اور درگاہ قادری میں پر دو خاک ہوئے۔



# اے سرزمین دجلہ و فرات!

شہید بغداد علامہ اسید الحق محمد عاصم قادری بدایونی کی شہادت پر آنسوؤں سے لکھی گئی ایک تحریر

مولانا خوشتر نورانی! سلام و رحمت..... علامہ اسید الحق محمد عاصم قادری بدایونی کی شہادت وہ صدمہ جانکاہ ہے جو ہمیں بہت دنوں تک بے چین رکھے گا۔ یہ ہر اس شخص کا خسارہ عظیم اور ناقابل تلافی نقصان ہے جس پر اس کریم ابن کریم کا ظل ہما کسی نہ کسی صورت سایہ فگن تھا۔ جس نے بھی اسے کبھی دیکھا سنا اور پڑھا ہوگا، اس طائر جنت آشیانی کو کبھی بھلا نہیں سکتا، اس کے چہرے کے نور اور ہونٹوں کے تبسم میں دلوں کے اندر اتر جانے کی جو بے پناہ قوت تھی، وہ کسی اور میں کہاں نظر آتی ہے! وہ علم و دانش کا ایک بحرِ خار بھی تھا اور ایک بے مثال خطیب و واعظ بھی لیکن اس کی باتوں میں نہ فلسفے کی خشکی کبھی دیکھی، نہ خطابت کا بھکڑو پن کبھی جھلکا۔ بے تکلف دوستوں کی محفل میں بھی کبھی کوئی ہلکی بات زبان پر نہ آتی تھی۔ شہید بغداد جن کے بھیا تھے، جن کے شیخ صاحب تھے اور جن کے اسید میاں تھے، ان کے صدمے کو سمجھ پانا کسی غیر کے لیے ممکن ہی نہیں ہے۔ خود آپ اور جام نور کے ساتھ علامہ مرحوم کا جو قلبی تعلق تھا اور ان کی ناگہانی رحلت سے جو صدمہ آپ کو اور جام نور کے مشن کو پہنچا ہے، وہ محتاج بیان نہیں ہے:

جاتے ہوئے کہتے ہو قیامت کو ملیں گے کیا خوب! قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور

قیامت کی اس گھڑی میں اپنے اندر نہ تو تعزیت پیش کرنے کا حوصلہ پاتا ہوں، نہ صبر کی تلقین کا پارا ہے۔ حسب حکم جام نور کے ”عالم ربانی نمبر“ کے لیے ”خامہ تلاشی“ کے حوالے سے کچھ لکھنے کی سعی کر رہا ہوں، حاضر کروں گا۔ فی الحال آپ کے ملاحظہ کے لیے ”اے سرزمین دجلہ و فرات“ ضروری ترمیم و اضافے کے ساتھ بھیج رہا ہوں۔ شاید آپ کو پسند آئے اور ”جام نور“ میں جگہ پالے۔ والسلام (محمد حماد)

دنیاؤں میں مگن، اہل علم علمی مویشگانیوں کے شوق میں سرگرداں۔ ۶۵۶ ہجری (۱۲۵۸ء) محرم کا آخری عشرہ تھا۔ تاتاری بغداد میں داخل ہوئے اور ایسا قتل عام کیا کہ مورخ کا قلم صفحہ قرطاس پر لانے کی ہمت نہیں پاتا تھا۔ چالیس دن تک شہر کے باشندوں کا قتل عام ہوتا رہا، نہ عورتیں بچیں نہ بچے، نہ بوڑھوں پر کسی نے ترس کھایا، نہ بیماروں پر، نہ مساجد میں اماں ملی، نہ خانقاہیں محفوظ رہیں۔ سوائے ان مٹھی بھر لوگوں کے جنہوں نے چند وزیروں اور رئیسوں کے گھروں میں پناہ لے لی تھی کسی کے لیے کہیں کوئی پناہ نہیں تھی۔

ہلاکو نے بغداد کا محاصرہ کیا تو عباسی خلیفہ مستعصم باللہ کے وزیر ابن علقمی اور ملا نصیر الدین طوسی نے خلیفہ پر اس سے مذاکرات کے لیے زور ڈالا۔ چنانچہ خلیفہ سات سو سواروں کے ساتھ ہلاکو کے پاس روانہ ہوا جن میں بغداد کے بڑے بڑے علما، فقہا، وزرا اور معتدین دولت شامل تھے۔ جب کہ خود علقمی اور طوسی در پردہ ہلاکو کی پناہ میں جا چکا تھا۔

یہ تیرہویں صدی عیسوی کا بغداد تھا، عباسیوں کا دار الخلافہ، دنیا کے حسین ترین شہروں میں سے ایک، ترقی و خوشحالی میں اپنی مثال آپ۔ دنیا اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ اس شہر کے گلی کوچوں میں موجود تھی۔ بازار کی رونقیں ایسی کہ اہل دنیا کے دل اس کی طرف کھینچے چلے جاتے، مدارس اور خانقاہیں شائقین علم سے کھچا کھچ بھری ہوئیں۔ عالم اسلام کا مرکز بغداد جس کے دیکھنے والے کہہ سکتے تھے کہ اس کے شباب پر کبھی زوال نہیں آئے گا۔ لیکن زوال آیا اور ایسے دردناک واقعات دلرزہ خیز مناظر کے ساتھ آیا کہ تاریخ کی آنکھیں سات صدیوں سے ان پر خون کے آنسو روئیں اور بار بار یاد دلاتی ہیں کہ کسی قوم کی شوکت پر اس وقت تک زوال نہیں آتا، جب تک وہ قوم خود اپنی عظمتوں کی دشمن نہیں ہو جاتی اور اس کے افراد خود ایک دوسرے کے خون کے پیاسے نہ بن جاتے۔

بغداد کا ہر طبقہ اپنی اپنی دنیا میں مست و خوش تھا۔ حکمران محلوں میں خوش تھے، تاجر بازاروں میں مصروف، اہل صنعت و حرفت اپنی اپنی

سے چالیس پچاس لاکھیں نہ نکالتی ہو۔ برسوں بیت گئے یہ شہر، یہ گاؤں اور یہ گلی کوچے اپنے مسیحاؤں کے انتظار میں ہیں۔

منگل (۴ مارچ ۲۰۱۳ء) کی شام بغداد سے میرے عزیز دوست اور معروف ادیب و محقق پیرزادہ علامہ اسید الحق محمد عاصم قادری بدایونی کی شہادت کی خبر آئی تو ایک ساتھ تاریخ کے انگنت زخم برے ہو گئے۔ وہ بغداد سے اربل کی طرف جا رہے تھے۔ ابھی منزل کی نصف راہ طے کی تھی، دوپہر کا وقت تھا اور ان کی کارشارع سلیمانہ پر دوڑ رہی تھی کہ اس قافلے پر بندوق برداروں کے ایک گروہ نے اندھا دھند فائرنگ کر دی۔ وہ زخموں کی تاب نہ لاسکے اور پھر وہیں سرکار غوث اعظم سیدنا شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی کے قدموں میں پیوند خاک ہو گئے۔ آہ! سرزمین ہند کا ایک درخشندہ ستارہ بغداد میں غروب ہو گیا۔ ہندوستان اور عراق میں بڑی گہری مماثلتیں ہیں۔ عراق کو دجلہ و فرات اسی طرح شمالاً و جنوباً مغرب سے مشرق کو بانٹتی ہیں جس طرح وطن عزیز کو گنگا جمنہ الگ الگ خطوں اور سرسبز و شاداب میدانی علاقوں میں تقسیم کرتی ہیں۔ ہمارے دو آب کی طرح دجلہ و فرات کا دو آب بھی دنیا کا زرخیز ترین خطہ ہے۔ یہ دنیا کی قدیم ترین تہذیبوں کی سرزمین ہے۔ میسوپطامیہ (سامرہ اور بابل) کی تہذیبیں دجلہ و فرات کی ان ہی وادیوں میں پروان چڑھیں۔ سرزمین گنگ و جمن پر اسلام آیا تو یہ بغداد سے ہوتا ہوا آیا تھا۔ یہ اسلام کی عظمتوں کا وہی ابر تھا جو چنگیز و ہلاکو کی تباہ کی ہوئی دولت عباسیہ کی راکھ سے اٹھا تھا۔ جنید و بایزید اور رازی و غزالی کے جانشینوں کے قافلے ساتھ لایا تھا۔ اس لیے ہمارے دینی مراکز کے بغداد سے گہرے اور براہ راست رشتے ہیں۔ بدایوں تو ویسے بھی ہندوستان میں اسلام کے اولین مراکز میں سے ایک ہے اور بدایوں کے خانوادہ عثمانی کے مورث اعلیٰ قاضی دانیال قطری بدایوں کے پہلے قاضی تھے، وہ قطب الدین ایک کی فوج میں شمس الدین التمش کے ساتھ یہاں آئے تھے۔ ان کا سلسلہ علم یقیناً بغداد کے جامعہ نظامیہ اور جامعہ مستنصریہ سے ملتا ہوگا۔ روحانیت کا مضبوط رشتہ تو محتاج بیان ہی نہیں۔ خود شہید اسید الحق عثمانی عرب و عجم میں علمی و روحانی رشتے کی ایک تازہ اور بڑی مضبوط و تابندہ کڑی تھی۔ انہوں نے بغداد اور ازہر کے علمی سرچشموں سے براہ راست کسب فیض کیا تھا۔ ابھی تو ان کے علم و دانش کی کلیاں کھلنا شروع ہی

خلیفہ اور ہلاکو میں مذاکرات ہوئے۔ ایک مرحلے پر ہلاکو مان گیا اور بعض شرائط کے ساتھ واپس جانے پر راضی ہو گیا، لیکن پھر عین اسی وقت ان وزیروں اور مشیروں نے جو خلافت بنو عباس کے خلاف ہلاکو کی پناہ لے چکے تھے، اس کے کان بھرے اور ایسے حالات پیدا کر دیے کہ مذاکرات ناکام ہو گئے۔ خلیفہ کے ساتھ ان تمام علما، فقہاء، امرا اور وزیروں کو قتل کر دیا گیا جو مذاکرات کے لیے آئے تھے۔ مستعصم کو قالین میں لپیٹ کر گھوڑوں سے روندوایا گیا۔ ہلاکو خلیفہ کے محل سے عورتوں اور بچوں کو پکڑواتا اور ایک ایک کر کے ان کو بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح کراتا۔ سروں کے مینار چنوا دیے، گلیوں اور سڑکوں پر خون کے دریا بہ گئے، مدرسے، خانقاہیں، مساجد اور کتب خانے تاراج و ویران کر دیے گئے۔ دجلہ کی موجوں نے انسانوں کے خون اور کتابوں کی سیاہی سے اپنا رنگ کھو دیا۔ لیکن تاریخ کے اوراق گواہ ہیں کہ یہ الف لیلوی شہر اپنی راکھ سے پھر اٹھ کھڑا ہوا۔ اسلام کے سچے داعیوں اور اللہ کے مخلص بندوں کی جماعتیں انھیں جن کی آنکھوں کے نور اور سینوں کے گداز کی بدولت کعبے کو صنم خانوں سے پاسباں مل گئے۔

اکیسویں صدی کی دہلیز پر تاریخ ایک بار پھر دوہرائی گئی۔ یہ صدام حسین کا عراق و بغداد تھا۔ موصل سے بصرہ تک ترقی و خوشحالی کی نئی مثال، دجلہ و فرات کی سرزمین سونے اگل رہی تھی۔ بڑے بڑے ڈیم اور ان سے نکلنے والی نہریں صحراؤں اور ریگستان تک کو گلزار بنا رہی تھیں۔ بازاروں میں رونقیں ایسی کہ پیرس اور لندن کے بازاروں کی چمک دمک کو مات دیں، تعلیم گا ہیں، درگا ہیں، آستانے اور خانقاہیں آباد تھیں، بازاروں اور گلی کوچوں سے عالیشان ہوٹلوں اور محلوں تک کہیں کوئی خوف و دہشت نہ تھی۔ بین الاقوامی بازاروں میں جس کرنسی کی قیمت سب سے زیادہ تھی وہ عراقی دینار تھا۔ عرب ملکوں کے پڑھے لکھے اور روشن خیال نوجوانوں کی آرزوؤں کی جنت تھا یہ ملک، لیکن پھر اسے وقت کے ہلاکو کی نظریں لگ گئیں۔ موصل سے بصرہ تک ساری سرزمین دجلہ و فرات تہہ و بالا کی گئی، بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی۔ اب یہاں نہ گاؤں کی کلیاں محفوظ ہیں نہ شہر کی شاہراہیں۔ جن ندیوں کا پانی کل تک آب حیات تھا وہی دجلہ و فرات اب دنیا کی آلودہ ترین ندیوں میں سرفہرست ہیں۔ کوئی دن ایسا نہیں جاتا جب بغداد کی پولیس دجلہ

ہوئی تھیں کہ سرزمین عراق پر قابض نفرت و دہشت نے اس گوہر تابدار کو ہم سے چھین لیا۔ ہم ایک اسید کے چھن جانے سے اتنے بے چین، مضمحل، مغموم اور سوگوار ہیں، اتنی تکلیفوں اور ایسے درد و کرب میں مبتلا ہیں جن کو الفاظ دینا مشکل ہے تو سمجھ سکتے ہیں کہ خود سرزمین دجلہ و فرات آج کتنی بے چین و مضطرب ہوگی، جس سے ہر دن کئی اسید چھینے جا رہے ہیں۔ تصور کر سکتے ہیں کہ پچھلی ڈیڑھ دو دہائیوں میں تشدد کی وبا اور نسلی و مسلکی منافرتوں کی لہر ملت مظلوم سے کتنے لعل و گہر چھین چکی ہے۔ آہ! اے سرزمین دجلہ و فرات تیرے سینوں میں کتنے داغ جل رہے اور کتنے زخم سلگ رہے ہیں؟

(۲)

ایک عہد وسطیٰ کا وہ بغداد تھا جب جن جن کر اس کے لعل و گہر قتل کیے گئے، اس کے بازاروں کو لوٹا، محلوں کو تاراج اور دانش گاہوں کو تباہ کیا گیا اور ایک یہ اکیسویں صدی کی سرزمین دجلہ و فرات ہے جب دنیا کی قدیم ترین تہذیبوں کا یہ گہوارہ تشدد کی دھرتی، خوف و دہشت کی آماجگاہ اور قتل و غارت کی جانی ہوئی ہے۔ دونوں میں اگر کوئی فرق ہے تو صرف اتنا کہ آج کے اس لہو لہان عراق کی تباہی کا سہرا کسی چنگیز و ہلا کو اور ان کی وحشی قوموں کے سر نہیں، دنیا کی مہذب اور ترقی یافتہ کہلانے والی قوموں اور ان کے سربراہان مملکت کے سر ہے۔ بے شک اس بار بھی اس ملک اور اس معاشرے کی تباہی میں اس کے کئی ابنِ علقمی اور بہت سے ملاطوسی کا ہاتھ ہے۔ اس بار بھی اس کے مستعصم کی غلطیاں اور کمزوریاں، آپسی رنجشیں اور غداریاں دشمنوں کو یہاں لائیں۔ تب بھی خونی بھیڑیوں کو اس کی دولت و خوشحالی یہاں لائی تھی اور اس بار بھی اس کی تیل کی دولت نے یہاں انسانوں کے خون کو اریزاں کیا۔ مہاشائیں اور بھی ہیں لیکن جو باتیں سب سے زیادہ دلوں کو سالتیں اور دماغوں پر ہتھوڑے برساتی ہیں، وہ تشدد کی یہی اندھی گلیاں ہیں جن کا لقمہ ہر دن کئی اسید الحق بن رہے ہیں۔ نہ قاتل آگاہ ہیں کہ مقتول کون ہے اور نہ مقتول جانتے ہیں کہ قاتل کون ہے؟ ان ظالموں کو کیا خبر کہ ان کے بندوق کی گولیاں کس کا خون پی رہی ہیں اور اس ناپاک چکر میں جس کا انجام خون ہی خون ہے ان کو کس ابنِ صباح نے ڈالا ہے اور اس کے مقاصد کیا ہیں۔ منافرتوں کا یہ ناسور جو آج سرزمین عراق پر ابل رہا ہے،

یہ اندھے تشدد کے جھکڑ جو دنیا کے عرب کے بیشتر حصوں میں چل رہے ہیں اور یہ لاج حاصل انتقام در انتقام کی آگ جس نے دوست دشمن، اپنے پرانے، اجنبی اور مسافر تک کی تمیز اٹھادی ہے، بے شک تاریخ کا ایک سانحہ عظیم ہے، لیکن اس سے بھی زیادہ بڑا سانحہ یہ ہے کہ ان پر بند باندھنے والے اب بھی نہیں لٹھتے، ان کا رخ موڑنے والوں نے اب تک کمر ہمت نہیں باندھی، دلوں میں بہتے دریائے سادہ کے شعلوں کو بجھانے والوں کی جماعتیں کہاں ہیں، کوئی جنید و بایزید تو اٹھتا جو رہنوں کو رہن باندیتا، کوئی عبدالقادر تو ہوتا جس کے ہاتھ پر ڈاکوؤں کا سردار احمد بدوی تائب ہو جاتا۔ افسوس! احمد بدوی تو آج یہاں انگنت ہیں، قدم قدم پر انسانیت کی گھات میں ہیں لیکن عبدالقادر ایک نہیں۔ پردہ غیب میں کیا اب کوئی محی الدین نہیں؟ کوئی تو اٹھتا جو دلوں سے نفرتوں کو نکال دیتا، تشدد کی آتش سوزاں پر محبت و اخوت کا آب کوثر ڈال دیتا، انسانوں کے خون کے پیاسے انسانوں کو احترام آدمیت کا سبق دے جاتا، کوئی تو ہوتا جس کے سینے کا سوز اور آنکھوں کا نور نفرتوں کے خرمن میں آگ لگا دیتا، کسی کا نالہ رسا تو بھٹکے ہوئے آہوؤں کو پھر سوئے حرم لے جاتا۔

عراق دریاؤں، جھیلوں اور نہروں کی سرزمین ہے۔ اس کو دو بڑی ندیاں، درجنوں نہریں، متعدد قدرتی اور مصنوعی جھیلیں سیراب کرتی ہیں، ان ہی ندیوں، جھیلوں اور نہروں کی بدولت عراق نے برسوں کی جان لیوا پابندیوں کا مقابلہ کیا اور یہاں اس دوران غذائی اجناس، پھلوں اور میووں کی قلت نہیں ہوئی۔ آپ اگر ترکی سے عراق میں داخل ہوں تو شمال مغرب سے ایک دریا بھی آپ کے ساتھ جنوب مشرق کو بڑھ رہا ہے۔ یہ دجلہ یا دریائے نجر ہے۔ اس مقدس دریا کا ذکر انجیل میں بھی دو مقامات پر ملتا ہے۔ اسی کے کنارے موصل، نکریت، سامرہ، بلاد، بغداد، الکوت، الامارہ اور القرن جیسے چھوٹے بڑے تاریخی شہر آباد ہیں۔ اسی کی شاخیں مشرق میں اربل، کرکک اور سلیمانہ کو بھی سیراب کرتی ہیں۔ کرکک عراق کا مشہور آئل فیلڈ ہے جب کہ اربل کردستان کا دار الحکومت اور سلیمانہ اس خطہ کا دوسرا بڑا شہر اور صوبہ کا صدر مقام۔ تیل کی دولت سے مالامال یہی خطہ آج عراق کا مخدوش ترین خطہ ہے۔ شام سے عراق میں داخل ہوں تو ایک دوسرا دریا آپ کا ساتھ دیتا ہے۔ یہ ہے دریائے فرات۔ یہ بھی شمال مغرب سے جنوب مشرق کو جاتا ہے۔



لیں کہ ہم نے کتنے بند باندھے ہیں، کتنی رکاوٹیں کھڑی کی ہیں، کن کن طرح اپنے دریا کو آپ ہی کوزہ اور نہر کو جوہڑ بنا لیا ہے۔ جانا تو اس دنیا سے ایک دن سب کو ہے۔ شہید بغداد بھی اپنے چاہنے والوں کو روتا بلکتا چھوڑ کر چلے گئے لیکن وہ ایک بڑا گہرا گھاؤ اور بہت ہی دور رس پیغام دے گئے۔

اس جوان مرگ عالم و محقق کی موت کا ماتم ہے تو اس لیے نہیں کہ وہ ملک کی ایک سب سے بڑی خانقاہ کا پیرزادہ تھا۔ پیرزادے تو اور بھی ہیں لیکن اسید الحق اس پر قانع نہیں تھا، وہ تصوف نظری و علمی کا غواص بھی تھا اور علم تزکیہ و سلوک کا شناور بھی، زبان و ادب اور تاریخ پر بھی اس کی نگاہ تھی، جدید علوم و فنون، سائنس اور ریاضی سے بھی گہرا لگاؤ رکھتا تھا۔ ایک دو باتیں نہیں ہیں جو اسے اپنے ہم عصروں میں ممتاز بناتی تھیں۔ اگنت باتیں ہیں جن کا رہ کر خیال آتا ہے۔ اس فرق کے ساتھ کہ نہ تو یہ نو جوان اپنے اجداد کی روایات کا باغی تھا اور نہ اس کی کوئی سیاسی دلچسپیاں تھیں، یہ اپنے عہد کا ابوالکلام آزاد تھا جس کے مطالعے کی وسعت اور فکر و نظر کی گہرائی و گیرائی اسی عمر میں اچھے اچھوں کو حیران کر دیتی تھی، لیکن پندار علم تھا کہ ہرگز چھلکتا نہ تھا، سادگی اور سادگی بھی حیران کن تھی۔ اس میں دریا کی وسعتیں بھی تھیں اور صحرا کی پیاس بھی، نہروں کی روانی بھی تھی اور جھیل کی گہرائی بھی۔ وہ ایک ایسی خانقاہ کے صاحب سجادہ کے چشم و چراغ تھے جس کے ارادت مندوں کی تعداد لاکھوں میں ہے اور برعظیم ہندو پاک ہی نہیں دنیا کے دوسرے مختلف ملکوں میں بھی ہے۔ ایک کامیاب و خوشحال زندگی گزارنے کے لیے اتنا ہی کافی تھا۔ پھر وہ حافظ قرآن اور فاضل درس نظامی بھی تھا لیکن اس نے اسی پر قناعت نہیں کیا، ایک پیاس تھی جو اسے کہاں کہاں لیے پھرتی تھی اور ایک درد تھا جو اسے کیسا بے چین رکھتا تھا، اس کا ثبوت اس کی وہ تحریریں ہیں جو رسائل و جرائد میں شائع ہوتی رہیں اور جو کتابی صورت میں منظر عام پر آتی رہیں۔ کبھی یہ نو جوان پیرزادہ پھپھوند کی خانقاہ میں مخطوطات کو کھنگال رہا ہے، کبھی رامپور کی رضالا بھیری میں اور اوراق پارینہ سے علم کے موتی چن رہا ہے، کبھی، بہار شریف، پھلواری شریف اور پٹنہ کی خانقاہوں اور کتب خانوں کا سفر کرتا ہے تو کبھی لکھنؤ، دہلی، بمبئی اور حیدرآباد کے علمی مراکز میں سرگرداں ہے۔ یہی پیاس اسے مصر اور بغداد میں بھی ایک در سے دوسرے در اور ایک مرکز سے دوسرے مرکز میں لیے لیے پھرتی رہی۔

اس سے نکلنے والی نہریں صحرائے عراق و شام کے بہت بڑے حصے کو سیراب کرتی ہیں۔ اسی کے کنارے عنا، رمادی، کوفہ، کربلا، حلہ، نجف، ساموہ اور نصیر یہ آباد ہیں۔ یہ دونوں ندیاں خلیج عرب میں گرنے سے پہلے قرن کے مقام پر آپس میں مل جاتی ہیں اور پھر ان کے شط العرب (خلیج) میں سما جانے سے پہلے ان کے آپس میں ملنے سے بننے والے آبائے شط العرب کے کنارے بصرہ آباد ہے۔ یہ ندیاں اور یہ شہر تقریباً وہی نقشہ پیش کرتی ہیں جو ہماری جمنائے کنارے دہلی، آگرہ اور الہ آباد اور گنگا کے ساتھ کانپور، بنارس، پٹنہ اور پھر خلیج بنگال کے ساحل پر کلکتہ جیسے شہر پیش کرتے ہیں جہاں گنگا اور اس کی معاون ندیاں بحر ہند میں سما جاتی ہیں۔ دجلہ و فرات اپنی معاون ندیوں، نہروں اور جھیلوں کے ساتھ عراق کے مختلف جغرافیائی خطوں اور علاقوں کو تشکیل دیتی ہیں۔ ندیوں کی فطرت سیراب کرنا ہے، یہ بلا امتیاز سب کو سیراب کرتی ہیں، یہ جہاں پیاس اور ڈھلان دیکھتی ہیں ادھر کو بہہ جاتی ہیں، پانی بارش کا ہو یا چشمے اور جھرنوں کا سب کو ساتھ لے کر چلتی ہیں، یہ نہیں دیکھتیں کہ ان میں آکر ملنے والا پانی چشمے کا ہے یا نالے کا، بارش کا ہے یا پہاڑ کا، وہ کدھر سے اور کہاں سے آرہا ہے۔ ان کی اسی خوبی نے ان کی وادیوں کو تاریخ انسانی کی اولین تہذیبوں کا گہوارہ بنایا اور ان کی آغوش میں دنیا کی عظیم قومیں پروان چڑھیں۔ یہ ہمارے سندھ اور مگدھ کی تہذیبیں ہوں یا سامرہ اور بابل کی۔ عہد وسطی کے بصرہ، کوفہ، بغداد اور دمشق و قاہرہ کی چمک دمک ہو یا دہلی اور لاہور کی شان و شوکت، سب ان کی مرہون منت ہیں۔ ندیاں اور نہریں علاقے اور خطے بناتی بھی ہیں، ان کو سیراب بھی کرتی ہیں ان کو آپس میں ملاتی بھی ہیں (بلاشبہ انسانوں اور قوموں کو بھی ان کی یہی خوبیاں عظیم بناتی ہیں) لیکن آج عراق میں یہی خطے اور علاقے لوگوں کو بانٹنے اور ایک دوسرے کے خون کا پیاسا بنانے کے کام آرہے ہیں۔ اب مشرب و مسلک بھی ایک ہی دریا کی نہریں نہیں رہیں، یہ خون کی نہریں بن چکی ہیں جو ناقابل عبور ہیں۔

انسان اپنے اندر بھی ایک دریا ہے۔ پھیلے تو وسعت کو نین میں سمان سکے اور سٹے تو صرف ایک مشت خاک۔ خدا قلب سلیم دے تو یہ دریا ہے سب کو سیراب کرے گا، ساری نہریں اس میں سما جائیں گی ورنہ اس دجلہ کی موجوں پر بھی لاشیں تیرتی ہیں۔ ذرا ہم اپنے اندر جھانکیں اور جائزہ



## بقیہ: عالم اسلام میں روحانی اقدار کے علم برداروں کا نکل

ہمیں امید واثق ہے کہ رب قدیر نے اپنی بارگاہ ذوالجلال میں اپنے اس بندہ مومن کے قلمی ولسانی جہاد کی مقبولیت کا مظاہرہ فرمانے کے لیے اسے اپنے اولیائے کرام کی سرزمین پر شہادت اور روحانی رشد و ہدایت اور ولایت کے سرچشمہ شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی قبر انور کے جلو میں تدفین سے سرفراز کیا ہے۔ درحقیقت مولانا اسید الحق قادری نے اولیاء اللہ کے مزارات پر حاضری کی نیت سے ہی عراق کا سفر کیا تھا۔ اسے نصیبہ کی فیروز مندی نہیں تو اور کیا کہا جائے کہ انہیں مزار غوث پاک کے احاطے میں انہیں روحانی اجداد کے درمیان سپرد خاک کیا گیا۔ عالم اسلام میں صوفیائے کرام کی روحانی وراثتوں کے امین، حامل و پاسدار علمائے اہل سنت کے بہیمانہ قتل کے اس قسم کے واقعات سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ جو لوگ مذہب یا کسی مذہبی عقیدے کے نام پر دنیا کے کسی بھی گوشے میں دہشت گردی میں ملوث ہیں، انہیں صوفی ازم سے کسی بھی قسم کی نظریاتی حمایت حاصل نہیں ہے۔ دہشت گردی کا اسلام کے روحانی و خانقاہی نظام سے قطعی کوئی تعلق نہیں ہے۔ بالخصوص ہندوستان میں تمام تر خانقاہی اقدار و روایات کی بنیاد امن، عالم، انسانیت، نوازی، آفاقی اخوت و بھائی چارگی، معاشرتی فلاح، سماجی نیکساری اور مذہبی رواداری پر ہے۔

ایک ایسے وقت میں جب اسلام کے بنیادی تصورات اور خوبصورت مذہبی معتقدات کا سلفی دوہائی انتہا پسند طبقہ (جو اب مرکزی دھارے میں شامل سنی مسلمان ہونے کا جھوٹا دعویٰ کرنے لگا ہے) غلط استعمال کر رہا ہے اور ان کی خود ساختہ اور بے بنیاد تشریح رائج کرنے پر تلا ہوا ہے، انسانیت اور امن کے خیر خواہوں کو اسلام کی روحانی تعبیر سے متعارف کرانے کی از حد ضرورت ہے، کیوں کہ دنیا بھر میں اہل تصوف ہی حقیقی اسلام کی ترجمانی کر رہے ہیں جو کہ امن پسند، یکشیریت پسند اور اعتدال پسند ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلم ممالک میں اسلام پسندی کی نام نہاد تعبیر کے ساتھ پیر پسر رہے دہشت گردانہ نظریات کے شکار تمام تر فرقوں اور جماعتوں کے بیچ صرف اصحاب تصوف اور علمائے اہل سنت ہی ہیں۔ □□

☆ جنک پوری، نئی دہلی grdehlavi@gmail.com

اپنے اس آخری سفر کے دوران بھی جس کی یادیں ان کے چاہنے والوں کو بہت دنوں تک رلائیں گی، وہ بغداد کے علما و مشائخ، دینی و علمی مراکز اور کتب خانوں میں علم و فضل کے گہرہائے مراد جن رہا تھا۔ وہ ہر دریا، ہر نہر اور ہر چشمے سے پینا چاہتا تھا۔ کبھی امام ابوحنیفہ کے روضے کی جالیوں سے لگا ہے تو کبھی شیخ ابو بکر شبلی کی بارگاہ سے کسب فیض کر رہا ہے، کبھی امام غزالی کے آستانے پر مراقب ہے تو کبھی صحابی رسول حضرت سلمان (رضی اللہ عنہ) کے روضے پر سراپا نیاز اور شیخ عبدالقادر جیلانی کے قدموں میں تو وہ بیوند خاک ہی ہو گیا۔ صحیح معنوں میں وہ ہمارے زمانے کا مجمع البحرین تھا۔ جام نور کے صفحات پر اس کی خامہ تلاشی جن کے مطالعہ رہی ہے ان کو بہت دنوں تک یہ یقین نہیں آیا کہ یہ کسی ایک شخص کے قلم کا جوہر ہے۔ خواہ مدیر سے کوئی فروگزاشت ہوئی ہو، خواہ کسی عالم فاضل مضمون نگار یا مبصر نے کوئی غلطی کی ہو، غلطی چاہے وہ تذکیر و تانیث کی ہو یا الفاظ اور محارے کے برتاؤ کی، قرآن و حدیث کا کوئی نکتہ ہو، سائنس یا فلسفہ کی تعبیرات ہوں، یا منظومات میں کوئی عروسی یا لسانی عیب ہو، خامہ تلاش کی نگاہ التفات سے کوئی بیخ نہیں سکتا تھا، سب کے سب حیران تھے کہ کوئی ایک شخص اتنے علوم و فنون اور ان کے اتنے شعبوں کا ایسا جامع کیسے ہو سکتا ہے۔ اس کی کتاب 'قرآن کریم کی سائنسی تفسیر ایک تنقیدی مطالعہ' پڑھ جائیں اندازہ ہوتا ہے کہ جدید و قدیم سائنس اور فلسفے پر اس کی کتنی گہری نگاہ تھی، حدیث افتراق امت پر اس کی تحقیق کا مطالعہ کریں حیران رہ جائیں گے کہ اللہ نے اس نوجوان کو علم کی دولت سے کیسا نوازا تھا اور اس کے اندر دریا کو دریا سے ملانے اور نہروں کو نہروں سے جوڑنے کی کیسی تڑپ تھی۔ 'خیر آبادیات' کے مضامین دیکھ جائیں، نگاہوں کو خیرہ کرتے ہیں کہ حق کی جستجو کا کیسا جذبہ صادق تھا جو اسے بے چین رکھتا تھا۔ کاش! یہ تڑپ ان میں بھی منتقل ہو جائے جن کا در شہید اسید الحق قادری کو بے چین رکھتا تھا، کاش! ان کے خون کے ایک ایک قطرہ سے ایک انقلاب جنم لے اور دلوں کی دنیا کو زیروزیر کر دے، کاش! سرزمین و جلد و فرات پھر کوئی کروٹ لے اور امن و اخوت کی فصلیں پھر یہاں لہلہا اٹھیں۔

اسے بسا آرزو کہ خاک شدہ

☆ انچارج ایڈیٹر: روزنامہ انقلاب، پٹنہ (بہار)

# عالم اسلام میں یہ حادثے کیوں ہوتے ہیں؟

**ایک تاریک شام:** ۳ مارچ ۲۰۱۳ء کی شام میری زندگی کی سیاہ ترین شام تھی۔ بعد نماز مغرب میں دارالعلم دہلی کی برکاتی لائبریری میں بیٹھ کر اپنے ریسرچ ورک سے متعلق وضاحتی کتابیات (Annotative Bibliography) لکھنے کے لیے قلم اٹھایا ہی تھا کہ میرے موبائل پر رنگ ہونا شروع ہوا۔ میں نے بے پروائی سے فون اٹھایا۔ دوسری طرف مولانا رفعت رضا نوری تھے۔ وہ بلا تمہید گویا ہوئے: ”کیا مولانا اسیدالحق کے ساتھ کوئی حادثہ پیش آیا ہے؟“ ان کے اس سادے جملے میں بے پناہ سنجیدگی تھی۔ میں نے کہا کیا بکواس کر رہے ہیں؟ یہ کہتے ہوئے میں قادری مسجد کے صحن کی طرف بھاگا۔ میں نے کہا کہ میں ابھی خوشتر صاحب کو فون کرتا ہوں۔ خوشتر صاحب کو فون کیا، ہیل بجتی رہی، مگر انھوں نے فون ریسپونڈ نہیں کیا۔ مجھے یقین ہو گیا کہ حادثہ بڑا ہے۔ ”اب کس کو فون کروں؟“ میں نے اپنے آپ سے پوچھا۔ ذہن پر زور ڈالا تو حضرت سید اختر چشتی مدظلہ العالی زیب سجادہ آستانہ چشتیہ صمدیہ پھپھوند شریف کا خیال آیا۔ میں نے فوراً انہیں کال لگائی۔ وہ زار و قطار زور رہے تھے۔ انھوں نے روتے ہوئے کہا: ”شیخ صاحب بغداد میں شہید ہو گئے اور میں بدایوں کے لیے گھر سے نکل چکا ہوں۔“ ان کا فون رکھا کہ مرشد گرامی حضرت داعی اسلام شیخ ابوسعید شاہ احسان اللہ محمدی صفوی مدظلہ العالی کا فون آ گیا۔ آپ نے فرمایا کہ ”مصر سے حسن کا فون آیا تھا۔ وہ کہہ رہے تھے کہ مولانا اسیدالحق کے ساتھ کوئی سانحہ پیش آیا ہے۔ کیا خبر ہے؟“ میں حضرت سے صرف اتنا کہہ سکا کہ شاید خبر صحیح ہے۔ حضرت نے تفصیل جاننا چاہی۔ میری حالت غیر ہو چکی تھی۔ میں ایک لفظ نہیں بول سکا۔ ادھر آنسوؤں کی قطار تھی۔ ادھر اظہار رنج و الم، تلقین صبر اور دعائے مغفرت۔ میں نے اپنے دوست سید تالیف حیدر سے کہا کہ مولانا اشرف الکوثر کو فون کر کے بتائیے اور یہ بھی بتائیے کہ ہم لوگ خوشتر صاحب کے پاس شاہین باغ نکل رہے ہیں، آپ چلنا چاہیں تو فوراً بللہ ہاؤس پہنچیں۔

بللہ ہاؤس سے ہم تینوں شاہین باغ کے لیے روانہ ہوئے۔ ہماری کوشش تھی کہ جلد سے جلد خوشتر صاحب کے پاس پہنچیں۔ ایک انجانی کشش ہمیں کھینچے لے جا رہی تھی۔ عجیب ذہنی کیفیت تھی۔ ایک لمحے میں خبر کی صداقت کا یقین ہوتا اور دوسرے ہی لمحے اسی درجے میں اس کے جھوٹ ہونے کا یقین ہو جاتا۔ راستے میں مصر سے مولانا حسن سعید اور علی گڑھ سے ڈاکٹر نوشاد عالم چشتی کے فون آئے۔ میں نے انہیں بتایا کہ میں خوشتر صاحب سے ملنے کے بعد ہی بتا پاؤں گا کہ سانحے کی نوعیت اور خبر کی حیثیت کیا ہے۔

خوشتر صاحب کے گھر پہنچے۔ وہ سراپا حزن و ملال بنے بیٹھے تھے۔ دیکھتے ہی پھٹ پڑے اور ہمیں اب یقین ہو گیا۔ ساکت و ششدر ہم لوگ گھنٹوں بیٹھے رہے۔ اس وقت پھر مجھے یک گونہ شک ہو چکا تھا۔ میں خوشتر صاحب کی زبان سے سنا چاہتا تھا، کیوں کہ مجھے خبروں کی حالت معلوم ہے۔ میں جانتا ہوں کہ ایک واقعہ کس طرح خبر سے افواہ میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ ”کیا عطیف میاں سے آپ کی بات ہوئی؟“ میں نے خوشتر صاحب سے پوچھا ”جی! میری بات ہوئی۔ انھوں نے بتایا کہ شیخ صاحب شہید ہو گئے۔“ اس صراحت کے بعد اب میرے لیے تاویل کے سارے راستے بند ہو چکے تھے۔ رات کے تقریباً دو بجے ہم لوگ اپنی قیام گاہ پر آئے۔

آج ۲۵ مارچ ہے۔ حضرت مولانا اسیدالحق جن کو اب مجھے رحمۃ اللہ علیہ لکھنا پڑ رہا ہے، کی شہادت ہوئے آج ۲۱ دن ہو گئے۔ گذشتہ ۲۱ دنوں میں میں اس شہید بغداد کے لیے کتنی بار چھپ کر اور کھل کر رویا ہوں یہ میرا رب ہی جانتا ہے۔ میری زندگی کا یہ پہلا حادثہ تھا جس کا مجھے اتنا غم ہوا۔ یہ پہلی موت تھی جس پر میں اتنا رویا اور یہ پہلا سانحہ تھا جب تعزیت کے سارے الفاظ، اظہار غم کے سارے شعری مصرعے بامعنی اور بے معنی لگے۔ خانقاہ عالیہ عارفیہ سید سراواں جہاں میں رہتا

ہوں، کئی بار وہاں ایسا لگا جیسے یہ حادثہ اسی خانقاہ کا ہو۔ میں نے اپنے احباب سے یہ بات کئی بار کہی کہ میں خود کو سنگ دل سمجھتا تھا کہ اب تک کسی کی موت پر رو دیا نہیں تھا اور اگر مولانا اسید الحق کی جگہ میرے باپ کی بھی موت ہوئی ہوتی تو شاید مجھے اتنا رنج نہیں ہوتا۔ میری اب تک کی زندگی کا یہ سب سے بڑا غم ہے۔ کیوں ہے؟ اس کے متعدد اسباب ہیں، بعض وہ ہیں جن کو میں جانتا ہوں اور بعض وہ ہیں جن کو نہیں جانتا یا شاید ان کی تعبیر سے قاصر ہوں۔

**یہ حادثہ ہردن کا ہے:** حضرت مولانا اسید الحق شہید، جو میرے دوست بھی تھے اور بہت سے معاملات میں میرے لیے آئیڈیل بھی، ان کی شہادت کے دن سے اب تک میں غم ناک بھی ہوں اور غضب ناک بھی۔ غم ناک ہونے کی وجہ تو ظاہر ہے، غضب ناک اس لیے ہوں کہ جو واقعہ آج ہمارے سامنے پیش آیا ہے اس قسم کے درجنوں واقعات ہردن عالم اسلام میں پیش آرہے ہیں۔ ہم آج پریشان اس لیے ہیں کہ یہ واقعہ ہمارے کسی اپنے کے ساتھ پیش آیا ہے۔ اس سے اندازہ کیجیے کہ ہردن عالم اسلام کے مختلف خطوں میں کتنے ماتم کدے برپا ہوتے ہیں، کتنی بے گناہ جانیں تلف ہوتی ہیں، کتنے بچے یتیم اور کتنی عورتیں بیوہ ہوتی ہیں، مسلمانوں کی آنکھوں سے کتنے خواب چھین لیے جاتے ہیں اور مستقبل کی کتنی امیدیں ٹوٹ جاتی ہیں۔ شہید مرحوم نے آج سے تقریباً دس سال پہلے قاہرہ میں کسی عید کے دن ”نالہ درد“ کے عنوان سے عالم اسلام کا جو مرثیہ لکھا تھا آج وہ خود ان کا مرثیہ بن گیا ہے۔ بعض اشعار آپ بھی دیکھیں:

مجھے سے احباب یہ کہتے ہیں قصیدہ لکھو  
عید کا دن ہے مسرت کا ترانہ لکھو  
مگر افسوس میں کس دل سے کروں یار کی بات  
کس زباں سے میں کروں زلف طرح دار کی بات  
مجھ کو آتا ہے فلسطین کے بچوں کا خیال  
ان کے سینوں میں اترتے ہوئے نیزوں کا خیال  
تو جواں بیٹوں کو روتی ہوئی ماؤں کا خیال  
خون سے بھیگی ہوئی ان کی برداؤں کا خیال  
غرب اردن کے شہیدوں کا خیال آتا ہے

کبھی غزہ کے قیدیوں کا خیال آتا ہے  
میرے بغداد پہ چھائے ہیں قضا کے بادل  
ظلم کے جور کے وحشت کے جفا کے بادل  
میرے گجرات میں انسانوں کے کٹتے ہوئے سر  
بے کسوں مفلسوں مجبوروں کے کٹتے ہوئے سر  
میرے کشمیر سے رونے کی صدا آتی ہے  
میرے قندھار سے آواز بکا آتی ہے  
میرے کابل میں مکانوں سے دھواں اٹھتا ہے  
میرے شیشان کی گلیوں میں لہو بہتا ہے

عالم اسلام کی جس ناگفتہ بہ صورت حال کا مرثیہ آج سے دس سال قبل شہید مرحوم نے لکھا تھا افسوس صد افسوس وہ اسی ناگفتہ بہ صورت حال کا خود بھی شکار ہو گئے۔ القدر خیرہ و شرہ من اللہ پر مجھے یقین ہے، لیکن میری مجبوری یہ ہے کہ میں عالم اسباب میں ہوں اور میرے خالق و مالک کی طرف سے اچھے اسباب تلاش کرنے اور برے اسباب سے بچنے کا حکم ہے۔ میں بیس للانسان الاماسعی کے سامنے بھی جہیں خمیدہ ہوں۔ اس لیے میرا ایمان واقعات کے ظاہری اسباب پر غور کرنے کی اجازت بلکہ حکم دیتا ہے۔ ہمیں جاننا چاہیے کہ عالم اسلام کی یہ کس پرسی کیوں ہے؟ کیوں میرے اسید کی طرح ہزاروں قیمتی جانیں ہر روز تلف ہو رہی ہیں، پاکستان سے لے کر بنگلہ دیش تک، افغانستان سے عراق تک اور اب مصر، لیبیا، شام اور مشرق وسطیٰ کے دیگر ممالک تک خوف و خون کا ماحول کیوں ہے؟ خون مسلم کی اس ارزانی کا ذمہ دار کون ہے؟ صہیونیت ہے، مسیحیت ہے، ہندو تو ہے، اسلام مخالف قوتیں ہیں، مغرب کی ریشہ دوانیاں ہیں، مخالفین اسلام کی سازشیں ہیں۔ یہ ہیں وہ اسباب جن سے عالم اسلام تباہ و برباد ہو رہا ہے اور یہ ہے ہم مسلمانوں کا جواب۔ لیکن اس سوال کا جواب کون دے گا کہ مسلمان اپنے مخالفین کی سازشوں کا اس تسلسل سے شکار کیوں ہو رہے ہیں؟ اگر مذکورہ جواب درست ہے تو مسلمان امریکا، یہودی اور سنگھ پر یوار کی سازشوں سے خود کو بچانے میں ناکام کیوں ہیں؟

**دو باتیں:** میری نظر میں اس کی دو وجہیں ہیں۔ ان وجوہ کو جاننے سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ ہمیں اپنی مصیبت کو دور کرنے کے لیے



اپنی حالت کو درست کرنا چاہیے، اپنے دشمنوں اور مخالفوں کا شکوہ نہیں کرنا چاہیے اور نہ کسی ایسی صبح کا انتظار کرنا چاہیے جب ہمارے سارے دشمن ہمارے خلاف سازش کرنا چھوڑ دیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یتوبوا واما بانفسہم۔ (رعد: ۱۱)

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی

نہ ہو جس کو خیال خود اپنی حالت کے بدلنے کا

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہماری حالت بدلے تو خود ہمیں اپنی حالت کو بدلنے کی فکر، پھر تدبیر اور پھر عمل کرنا ہوگا۔ اس حوالے سے دو باتیں بہت اہم اور قابل توجہ ہیں۔ ان میں سے ایک سیاسی ہے اور ایک مسلکی۔

**(الف) صحرائے عرب کے خون ریز، جنگ جو اور غیر مہذب ماحول میں ۵۷۰ء کو اللہ کے آخری پیغمبر جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ افروز ہوئے۔ آپ نے اپنے حسن نظام اور حسن اخلاق سے بہت جلد پورے عرب کو مسخر کر لیا۔**

آپ صلی اللہ علیہ وسلم چالیس سالوں تک ایک مثالی انسان بن کر زندہ رہے۔ اس عرصے میں شہر مکہ نے آپ کو امین و صادق کے بطور تسلیم کر لیا۔ ۴۰ رسالوں کے بعد آپ نے اعلان نبوت کیا۔ پھر کیا تھا ہر طرف سے مخالفتوں کا طوفان امنڈ پڑا۔ ۱۳ رسالوں تک آپ نہایت مظلومی کی حالت میں دعوت حق و صداقت دیتے رہے۔ پھر آپ نے مدینہ ہجرت فرمائی جہاں انصار و مہاجرین کے درمیان رشتہ مواخات قائم کیا۔ یہود مدینہ کے ساتھ معاہدے کیے، جہاد و قتال فرمایا، صلح حدیبیہ کی اور آخر میں آپ نے مکہ فتح کر لیا اور مدینے میں ایک اسلامی ریاست قائم کر دی جو ایک مثالی خدائی نظام حکومت پر مشتمل تھی۔

۶۳ رسال کی عمر میں آپ اپنے رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔ آپ کے بعد آپ کے طریق و منہاج پر ۳۰ رسالوں تک خلافت قائم رہی جسے خلافت راشدہ کا عہد کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیش گوئی کے مطابق کتوں کی طرح لڑنے والی بادشاہت قائم ہو گئی۔

(الخلافۃ بعدی ثلاثون سنۃ ثم تکون ملکاً  
عضوئاً۔ رواہ احمد و الحاکم و الترمذی و غیرہم۔)  
مسلم دنیا پر بادشاہت کے تقریباً ۱۴۰۰ سال گزر گئے۔ اس عہد

میں بعض حکومتیں بہت ہی مثالی اور قابل تحسین رہی ہیں جب کہ بعض نہایت ظالمانہ اور قابل نفرت۔ لیکن خلافت راشدہ کا دور پورے طور پر شاید پھر کبھی نہیں آیا۔ اسی طرح مسلمانوں کی بادشاہتیں بعض اندازوں کے مطابق رومی، ایرانی اور یورپی بادشاہتوں سے بہتر تھیں۔

چوہویں تا سترہویں صدی تک یورپ میں نشاۃ ثانیہ کا دور تھا۔ اس نشاۃ ثانیہ میں یورپ بہت کچھ پایا اور بہت کچھ کھویا۔ نشاۃ ثانیہ کی حصول یابیوں میں جمہوریت بھی شامل ہے۔ اس کے مطابق نظام حکومت میں عوام کو دخل مانا گیا ہے اور انہیں حکمرانوں کے انتخاب کا حق دیا گیا ہے۔ موجودہ عہد میں جب کہ ماضی کے بہ نسبت عوام بڑی حد تک باشعور ہو چکے ہیں وہ صد فی صد غلامی اور بادشاہی جبر تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ جمہوری حکومت تعلیم یافتہ اور باشعور افراد کے لیے موزوں حکومت ہے۔ آج نظر اٹھا کر دیکھیے دنیا کے تمام باشعور، تعلیم یافتہ اور ترقی یافتہ ملکوں کا نظام حکومت جمہوری ہے۔

اس کے برعکس عالم اسلام میں یا تو بادشاہی نظام ہے یا ناقص و بدامن جمہوریت، گذشتہ سو ڈیڑھ سو سالوں سے عالم اسلام میں بھی نشاۃ ثانیہ کی فکر کام کر رہی ہے، لیکن افسوس کہ یہ فکر اب تک کوئی صحیح اور کامیاب منہج تلاش نہیں کر سکی ہے۔ نتیجے کے طور پر مسلمان افراط و تفریط کا شکار ہیں۔ یا تو وہ خلافت راشدہ قائم کرنے کے درپے ہیں یا جابرانہ شخصی حکومتوں کے حامی ہیں۔ خلافت راشدہ کے قیام کی خواہش ایک اچھی تمنا ہے جس کا حصول موجودہ ماحول میں ممکن نظر نہیں آتا، جب کہ جمہوریت اپنی تمام تر برائیوں کے ساتھ شہنشاہیت اور شخصی جابرانہ حکومتوں سے درجوں بہتر ہے، مگر مسلمان جمہوریت کے لیے تیار نہیں ہیں۔ ایک طبقہ وہ ہے جو اسے شرک اور بے دینی کہتا ہے اور اس کے بالمقابل پوری طاقت و قوت کے ساتھ خلافت راشدہ لانے کے درپے ہے۔ وہ اس کے لیے ہر طرح کے تشدد اور خون ریزی کا قائل ہے۔ اس طبقے کو اس بات کا ادراک نہیں ہے کہ اس کے اس طرز عمل سے ملکی اور عالمی سطح پر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کس قدر نفرت کا ماحول بن رہا ہے۔ اس روش سے اسلام کی خدمت نہیں اسلام کی بدنامی ہو رہی ہے۔ اسلام کی دعوت میں رکاوٹ اور مسلمانوں کی زندگی میں دشواریاں پیدا ہو رہی ہیں۔ جمہوریت کو قبول کرنے کے لیے مسلمانوں کا جو ذہن تیار ہے،



وہ جمہوری تقاضوں کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ پاکستان کی ناقص جمہوریت اور مصر کی تازہ حکومت ہمارے سامنے مثال ہیں۔ مسلم عوام کا حال یہ ہے کہ، جس کے پیچھے خواص کا ہاتھ بھی ہے، زبانی طور پر جمہوریت کو تسلیم کرتے ہوئے بھی وہ فوراً قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں انھیں عوامی جمہوریت اور عوامی بدظنی میں فرق کا ادراک نہیں ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ مسلمان صرف بادشاہت کے جبر میں جی سکتے ہیں۔ انہیں جب بھی جمہوریت کی آزادی ملتی ہے، ہر شخص حکومت اپنے ہاتھ میں لینے کے لیے بے تاب نظر آتا ہے۔ عالمی سطح پر مسلمانوں کی بد حالی، زوال، تباہی اور قتل و غارت کی یہ بڑی وجہ ہے۔ اس کی اصلاح کے لیے ضروری ہے کہ مسلمان جلد سے جلد اپنی ذہنیت تبدیل کریں۔ وہ حقائق کا سامنا کریں اور مفروضات میں جینا چھوڑ دیں۔

(ب) اسلامی تاریخ کی ابتدائی صدیوں میں ہی مسلکی گروہ بندیوں کا آغاز ہو چکا تھا۔ بعض فرقے بہت شدت پسند، قتل و خون کے خوگر اور تکفیر و تہلیل میں عجلت پسند تھے۔ اہل سنت کا نشان امتیاز یہ ہے کہ یہ ہر دور میں مسلمانوں کا بڑا گروہ رہا اور یہ گروہ ہمیشہ ہر معاملے میں وسطیت اور اعتدال پسندی کا خواہاں رہا۔ اہل سنت و جماعت اصول عقائد و مسائل میں اتفاق کے ساتھ فروعیات میں توسع پر گامزن رہے۔ فقہ حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی کا وجود اس کا واضح ثبوت ہے۔ علمائے اہل سنت ہر دور میں تکفیر سے حتی الوسع گریز کرتے رہے۔ امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ ان تشدد پسندوں کو بھی مسلمان سمجھتے تھے جو شدت کے ساتھ آپ کی تکفیر کیا کرتے تھے۔ (مصنف ابن شیبہ، کتاب الجمل، ماذکرنی الخوارج) اسی طرح وہ دوسروں کے لیے افہام و تفہیم اور دعوت و اصلاح کا رویہ اپناتے تھے۔ بحیرہ قوت دوسروں پر اپنا موقف مسلط نہیں کرتے تھے۔

آج عالم اسلام کی عجیب صورت حال ہے۔ مسلکی اختلافی مسائل میں طاقت کا استعمال عام ہے۔ اسی طرح فقہی اختلافات کو بھی ناقابل برداشت جرم سمجھا جا رہا ہے بلکہ فقہی اختلافات کو مسلکی اختلافات کی شکل دی جا رہی ہے اور مسلکی اختلافات پیدا ہونے پر ایک دوسرے کے خلاف طاقت و قوت کا استعمال ہو رہا ہے۔ اس سے مسلمان آپس میں اس طرح سے باہم دست و گریباں ہو چکے ہیں کہ اگر ان کا کوئی دوسرا دشمن نہ ہو جب بھی وہ آپس میں ہی ایک دوسرے کو ختم کرنے کے لیے

کافی ہیں۔ عالم اسلام میں سیاسی مسائل میں حد سے زیادہ شدت پسندی کے پیچھے بھی مسلکی شدت پسندی کے عناصر کار فرما ہیں۔ شیعہ سنی اختلاف، وہابی صوفی اختلاف، دیوبندی بریلوی اختلاف، بلکہ ہر گروپ میں جو داخلی اختلافات ہیں، ان میں سے ہر اختلاف قتل و غارت کا عنوان بن چکا ہے۔ اگر بغداد جل رہا ہے، مصر میں گولیاں چل رہی ہیں، افغانستان سے دھواں اٹھ رہا ہے، لیبیا اور شام سے چیخیں سنائی دے رہی ہیں تو اس کے پیچھے امریکا، برطانیہ، اسرائیل اور دیگر خارجی طاقتیں ہی کار فرما نہیں ہیں، اس کی تہہ میں انتہائی سطح کی وہ مسلکی نفرت بھی ہے جو اپنے ہر مسلک مخالف کے قتل و خون کے جواز کا فتویٰ دیتی ہے۔ کاش مسلمان اس نقطے پر سوچتے، اہل علم و دانش، ارباب سیاست و اقتدار اور صاحبان فقہ و فتاویٰ اس پہلو پر غور کرتے، تاکہ داخلی سطح پر مسلمانوں کی تباہی و بربادی کے جو عناصر تھے، وہ کم ہوتے رہے خارجی عناصر تو وہ تو رہیں گے ہی اور ان سے ہمارا حکیمانہ جہاد تو جاری ہی رہے گا۔

**آہ شہید بغداد:** میرے دوست، میرے مشفق، میرے کرم فرما مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری ۳۱ مارچ کو بغداد میں اچانک حادثے کا شکار ہو گئے۔ وہ بغداد سے باہر اربیل جا رہے تھے۔ یکا یک آپ کی کار پر دونوں طرف سے اندھا دھند گولیاں چلنے لگیں، ایک گولی آپ کے سر میں لگی اور اسی کے ساتھ آپ اپنے رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔ یہ گولیاں چلانے والے کون تھے؟ شیخ صاحب سے ان کی کیا دشمنی تھی؟ دیار غیر میں ایک زائر پر اچانک گولیاں کیوں چلیں؟ یہ اب تک ایک معمہ بنا ہوا ہے، بعض احباب کا اندازہ ہے کہ اس کے پیچھے بھی وہی مسلکی نفرت اور گروہی تشدد پسندی ہے جس کے مطابق ہر مسلک مخالف کی جان لینا کار ثواب ہے۔ کسی کی شکل و صورت اور آؤ بھاؤ سے اگر یہ معلوم ہو جائے کہ وہ ہمارے مسلک کا مخالف ہے تو بس اتنی سی بات ہمارے ہاتھوں اس کی موت کے جواز کو ثابت کر دیتی ہے۔

الغرض مسلکی انتہا پسندی اور سیاسی عدم توازن یہ وہ دو بلیادی عناصر ہیں جن کی وجہ سے آج پورا عالم اسلام شعلوں کی نذر ہے۔ افسوس ملت کے عظیم مفکر، محقق اور معمار مولانا اسید الحق عاصم قادری بھی انہی شعلوں کی نذر ہو گئے۔ فہل من بصیر؟ □□□

✽ استاذ: جامعہ عارفیہ، سید سراواں، کوشامی، الہ آباد (یوپی)

# عالم اسلام میں روحانی اقدار کے علم برداروں کا قتل

عراق میں مولانا اسیدالحق قادری پر دہشت گردانہ حملہ اور دیگر مسلم ممالک میں نامور علمائے اہل سنت کے بہیمانہ قتل کا پس منظر

عیاں ہے۔ موصوف زندگی بھر احسان و سلوک اور تصوف و روحانیت پر مبنی اسلامی معتقدات کی عصری انداز میں ترسیل و تبلیغ کرتے رہے۔ صوفی فکر و مزاج کے حامل اس عبقری عالم دین کو سلفی دہشت گردوں نے اس وقت خودکش حملے سے اڑا دیا جب وہ اپنے شاگردوں کو شام کے شہر دمشق کے مرکزی ضلع مزارا میں واقع مسجد جامع الایمان میں ایک مذہبی و روحانی درس دے رہے تھے۔ اس واقعے کی خبر مشہور عربی و بین الاقوامی چینل الجزیرہ ٹی وی نے جس ہیڈ لائن کے ساتھ نشر کی وہ قابل توجہ ہے: البوطلی عالم شہرہ الدین و قتلته السیاسة یعنی شیخ البوطلی، جسے دین نے مشہور کیا اور سیاست نے مقول۔

جدید خوارج، سلفی، وہابی اور اس فکر کے دیگر مذہبی انتہا پسندوں کے ذریعے روحانیت پسند اور تصوف و احسان سے نظریاتی وابستگی رکھنے والے علمائے اہل سنت پر خودکش بم حملے اور ان کا سرعام دردناک قتل آج تک بلا کسی عالمی مزاحمت کے جاری ہے۔ اس ضمن میں ہمارے لیے انتہائی شخصی رنج و الم، ملی درد اور جماعتی قلق کا باعث یہ ہے کہ مولانا اسید الحق عاصم قادری بدایونی، جو عصر حاضر میں مجھ جیسے بہت سے طالب علموں کے لیے علمی دانشوری اور روحانی شیفتگی کی تحریک کا سرچشمہ تھے، اس سال ۲۰۱۳ مارچ کو عراق کے شہر بغداد میں اس وقت ایک دہشت گردانہ حملے میں شہید ہو گئے جب وہ صوفیہ کرام، فقہائے اسلام اور اولیائے عظام کے مزارات کی زیارت کے لیے وہاں تشریف لے گئے تھے۔

جدید دور کے تبحر عالم دین مولانا اسید الحق عاصم القادری، جو شیخ صاحب کے نام سے بھی مشہور تھے، علمی کروفر، صوفی فکر و نظر اور قلندرانہ مزاج کے حامل ایک ماہر فقیہ، باکمال روحانی شاعر، محقق و ناقد، کثیر التصانیف قلم کار، سماجی مفکر اور ان سب پر مستزاد ایک عظیم انسان تھے۔ وہ ہندوستان کے صوفیہ کرام اور عظیم مسلم مذہبی و روحانی اساطین کی اقدار و روایات کے امین و پاس دار تھے۔ انہی کے نقوش قدم پر چلتے

براہ راست موضوع سے متعلق گفتگو شروع کرنے سے قبل میں انتہا پسندوں کے ہاتھوں علمائے اہل سنت کے بہیمانہ قتل کے دو شرم ناک واقعات کا ذکر کرنا چاہوں گا:

(۱) مفتی سرفراز احمد نعیمی، پاکستان کے ایک سنی المسلمک اور صوفی المشرّب عالم دین تھے، جنہیں اعتدال پسندانہ اسلامی نظریات کی حمایت اور پاکستان میں دہشت گردانہ سرگرمیوں کی زبردست مخالفت کے لیے جانا جاتا تھا۔ ۱۲ جون ۲۰۰۹ء کو انہیں اس وقت ایک خودکش بم دھماکے میں شہید کر دیا گیا، جب وہ پاکستان کے شہر لاہور کی ایک مسجد میں نماز جمعہ کے بعد اپنے ادارے جامعہ نعیمیہ میں لوگوں سے ملاقات کر رہے تھے۔ اس خودکش بم حملے کا نشانہ بنائے جانے سے قبل انہوں نے تحریک طالبان کے دہشت پسند نظریہ سازوں اور ان کی سرگرمیوں کو غیر اسلامی قرار دیا تھا۔

(۲) سنی و صوفی نقطہ نظر کے حامل، تقلید فقہی کے شہرت یافتہ حامی و مبلغ اور عالمی سطح کے ایک بلند پایہ اسلامی محقق شیخ رمضان البوطلی رحمہ اللہ علیہ جنہیں عام طور پر معتدل اسلامی اسکالر کے طور پر جانا جاتا تھا، انہوں نے اپنی بے لاگ تحریروں اور بے باک مذہبی خطابات کے ذریعے اسلامی معتقدات و مسلمات کی خود ساختہ سلفی تشریحات کو کھلے طور پر چیلنج کیا تھا۔ سلفیوں کی فکری انتہا پسندی اور دور جدید میں اس کی تباہ کاریوں کی وضاحت کرتے ہوئے سلفی آئیڈیولوجی کی تردید میں انہوں نے بروقت انتہائی اہمیت کی حامل ایک کتاب السلفی مرحلہ زمانی مبارك و ليس مذهباً اسلامياً (السلفی ایک مبارک عہد ہے، نہ کہ کوئی مکتب فکر) تصنیف کی۔ اسی طرح انہوں نے مختلف مسلم ممالک میں سرگرم عمل مذہبی انتہا پسندوں کی عسکریت پسندانہ اور سیاسی نظریات اور تشددانہ سرگرمیوں کی نظریاتی طور پر زبردست تردید کی تھی، جیسا کہ ان کی ایک کتاب الجہاد فی الاسلام (۱۹۹۳ء) سے

ہوئے وہ انسانی فلاح و بہبود اور قیام امن کے لیے سماجی سرگرمیوں میں شبانہ روز مصروف عمل تھے۔ زبردست علمی طمطراق کے باوصف مرحوم حد درجہ منکسر المزاجی، جذبہ سلوک، روحانی معرفت اور تصوف کی طرف اپنے گہرے میلان کے لیے مقبول خاص و عام تھے۔ وہ سرزمین ہند کی فقید المثال علمی و روحانی شخصیت کے حامل ایک نامور اور ابھرتے ہوئے جواں سال محقق و ناقد بھی تھے جن کے نقد و نظر کی مقبولیت عالم اسلام اور بالخصوص ہندوپاک میں روز افزوں تھی۔ محض ۳۹ سال کی مختصر سی عمر میں مولانا اسیدالحق قادری شہید نے آسمان علم و فکر کی جن بلندیوں کو چھویا تھا، ان تک ادنی رسائی کے لیے بھی ایک عرصہ دراز درکار ہے۔ اعلیٰ پیمانے پر ہندوستانی سماج کی فلاح و بہبود کے لیے اپنی بے لوث خدمات اور انتھک کوششوں کی وجہ سے بھی مولانا بدایونی اپنی خانقاہ کی روشن تاریخ کا ایک لازوال باب بن کر ہمارے دلوں میں ہمیشہ جلوہ گر رہیں گے۔

مولانا قادری بدایونی کا موقف تھا کہ ہندوستان جیسے ایک متعدد الثقافات اور کثیر المذاہب ملک میں مسلمانوں کو ایک ایسے نظام حیات کی ضرورت ہے جس سے مسلمان اس ثقافتی تنوع اور مذہبی تعدد کے باوجود اپنی غیر معمولی اہمیت اور انفرادی افادیت کو بحیثیت قوم دوسروں کو محسوس کرا سکیں۔ ان کا یہ یقین تھا کہ گذشتہ صدیوں کی طرح آج بھی تعلیمات تصوف نہ صرف قوم مسلم بلکہ ہندو، سکھ اور عیسائی اقوام کو بھی فائدہ بہم پہنچا سکتی ہیں اور ہندوستانی معاشرے کو امن و سکون، مذہبی رواداری اور محبت و ہم آہنگی کا ایک بے مثال گہوارہ بنا سکتی ہیں۔ اسی لیے انہوں نے زندگی بھر اس امر پر زور دیا کہ اسلام کی روحانی بنیادوں کو مضبوط کیا جائے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے یوم ولادت پر ”شانتی سمیلن“ کے عنوان سے مولانا قادری کے زیر انتظام اور خانقاہ قادریہ بدایونی کے زیر اہتمام منعقد کیا گیا۔ ایک تاریخی، عہد ساز اور عظیم الشان اجلاس جماعتی سطح پر ہندوستان میں بین المذاہب ڈائیلاگ کی طرف ایک خوش گوار اقدام تھا جو ملک کی خانقاہی تاریخ میں انٹنیشنل نقش چھوڑ گیا ہے۔ اس تاریخی کانفرنس میں مولانا اسیدالحق قادری نے ملک کے نامور علمائے کرام اور دانشوران اہل سنت کو دیگر سماجی و مذہبی رہنماؤں کے ساتھ بین المذاہب مکالمہ اور امن عالم کے فروغ کے لیے پہلی مرتبہ یکجا مجتمع

کیا، مثلاً معروف عالم دین مولانا یسین اختر مصباحی، مولانا خوشتر نورانی، ڈاکٹر خوجہ اکرام ڈائریکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی، اردو اور ہندی کے مشہور شاعر بیگل اتساہی و دیگر۔ اس کانفرنس میں مذکورہ بلند پایہ سنی شخصیات نے غیر مسلم قائدین اور مذہبی رہنماؤں مثلاً ہندو رہنما سوامی اگنی ویش، ڈائریکٹر، کمیشن برائے مذہبی ہم آہنگی، دہلی Commission of Religious Harmony, Delhi اور سر ڈی تھامس، پنڈت انیل شاستری اور سردار گر میت وغیرہ اور مختلف مذاہب کی نمائندہ علمی و سماجی شخصیات کے ساتھ ہم آواز ہو کر ایک اسلامی اسٹیج سے دہشت گردی کی وبا کو مٹانے اور امن و شانتی کے قیام کے لیے یکجہتی کا مظاہرہ کیا۔ مولانا قادری کی اس عظیم کوشش نے عملی طور پر یہ ثابت کر دیا کہ اسلام کے روحانی نظام پر مبنی ہندوستانی خانقاہوں نے ہر دور میں پر امن کوششوں اور بے لوث انسانیت نواز خدمات کے ذریعے ہی اسلام کی تبلیغ و اشاعت کی، جس کی تابندہ مثال بدایونی کی سرزمین پر خانقاہ عالیہ قادریہ ہے۔

مولانا اسیدالحق قادری کی شہادت سے قبل ۱۰ فروری کو نئی دہلی میں جب وہ عراق کے سفر کی روانگی میں مصروف تھے، راقم السطور کو ان سے ایک علمی نشست میں ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ اس مجلس میں میں نے مولانا بدایونی کی عبقری شخصیت کا اس وقت بنظر غائر اور قریب سے خاموش مطالعہ کیا جب مولانا کی گفتگو کا محور ہماری مذہبی و جماعتی مجالس کی دیرینہ روایات سے ہٹ کر خالص علمی، ملی اور دعوتی تھا۔ اس نشست کے اختتام پر مولانا نے مجھ سے ایک شخصی گفتگو کے دوران کوہ ہمالہ کی طرح بلند اپنے ان دعوتی عزائم کا اظہار کیا جو اگر واقعی مجسم حقیقت ہو جاتے تو جدید دور میں ملت اسلامیہ کی تاریخ کی روش ہی بدل جاتی۔

مولانا اسیدالحق قادری نے اپنی پوری زندگی اسلام کی پر امن تعلیمات کے فروغ، شدت پسندانہ اور دہشت گردانہ نظریات کی تردید اور اپنے بیش بہا علوم و فنون اور دیگر وسائل و ذرائع کو اسلام، روحانیت اور خلق خدا کی خدمت عام کے لیے صرف کر دیا تھا۔ وہ اپنی ان مومنانہ سرگرمیوں کی وجہ سے ایک حقیقی مجاہد کی تصویر تھے۔ اسلام کی تاریخ شہادت شاہد ہے کہ راہ حق و فاقا مجاہد ہمیشہ شہید ہوا ہے۔

بقیہ صفحہ 88 پر ملاحظہ کریں

(۵)

---

**شخص و عکس**

---



# آئینہ حیات عالم ربانی

نام:	اسید الحق محمد عاصم قادری
عرفیت:	شیخ صاحب
لقاب:	ممتاز ناقد و محقق، عالم ربانی، شہید بغداد
سنہ ولادت:	۲۳ ربیع الثانی ۱۳۹۵ھ / ۶ مئی ۱۹۷۵ء
مقام ولادت:	مولوی محلہ، بدایوں (یوپی)
والد گرامی:	حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم القادری
جد محترم:	مفتی اعظم سلطنت آصفیہ مولانا شاہ عبدالقدیر قادری ابن تاج الفحول مولانا شاہ عبدالقادر قادری ابن سیف اللہ المسلمول مولانا شاہ فضل رسول قادری بدایونی
بیعت و خلافت:	تاجدار اہل سنت حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم القادری سے بیعت و خلافت نیز وارث پنجتن حضرت سید شاہ یحییٰ حسن قادری برکاتی علیہ الرحمہ سے خلافت ہمراہ سیدہ سائرہ قادری (بنت سید محمد نصیر مرحوم، سہوانی ٹولہ، بریلی) ۱۵ اگست ۲۰۰۳ء حفظ قرآن کریم (مدرسہ قادریہ بدایوں) از ۱۹۸۶ء تا ۱۹۸۹ء درس نظامی کی تحصیل (مدرسہ قادریہ، بدایوں) از ۱۹۹۰ء تا ۱۹۹۳ء فاضل درس نظامی (دارالعلوم نور الحق، چرہ، محمد پور، فیض آباد) از ۱۹۹۳ء تا ۱۹۹۷ء الاجازۃ العالیہ، شعبہ تفسیر و علوم قرآن، جامعۃ الازہر الشریف، قاہرہ، مصر، از ۱۹۹۹ء تا ۲۰۰۳ء تخصص فی الاقفا، دارالافتاء المصریۃ قاہرہ، مصر از ۲۰۰۳ء تا ۲۰۰۳ء ایم اے (علوم اسلامیہ)، جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی، از ۲۰۰۸ء تا ۲۰۰۹ء
شادی:	
ابتدائی تعلیم:	
اعلیٰ تعلیم:	
اساتذہ:	تاجدار اہل سنت شیخ عبدالحمید محمد سالم القادری، امام علم و فن علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی، مولانا رحمت اللہ صدیقی، فقیہ انفس مفتی مطیع الرحمن مظفر رضوی، حافظ وقاری کریم اللہ قادری، ڈاکٹر علی جمعہ (مفتی جمہوریہ مصر)، پروفیسر علامہ عبدالحی فرماوی، پروفیسر علامہ جمعہ عبدالقادر، پروفیسر علامہ محمود عبدالخالق جلوہ، پروفیسر علامہ سعید محمد صالح صوابی، پروفیسر علامہ سید المسیر، پروفیسر علامہ طہ حبیبی، پروفیسر علامہ عبدالمعطی بیوی
اجازت حدیث:	والد محترم تاجدار اہل سنت حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم القادری (صاحب سجادہ آستانہ قادریہ بدایوں)، ڈاکٹر علی جمعہ (مفتی جمہوریہ مصر)، شیخ القراء، نجم الفقہاء شیخ محمد صلاح الدین التجانی (شیخ القراءت، مصر)، شیخ علی بن حمود الحرابی الرفاعی (خطیب و امام آستانہ حضرت معروف کرخی و استاذ بغداد یونیورسٹی)، شیخ محمد ابراہیم عبدالباعث (محدث اسکندریہ، مصر)
تدریس:	مدرسہ قادریہ، بدایوں میں از ۲۰۰۳ء تا ۲۰۱۳ء

## خصوصی علامہ:

صاحبزادہ مولانا عطیف قادری، مولانا عزام قادری، مولانا سید عادل محمود کلہسی (صاحب سجادہ خانقاہ کلیمہ، کٹرہ)، مفتی دلشاد احمد قادری، مولانا مجاہد قادری، مولانا خالد قادری، مولانا عاصم قادری، عبدالعلیم قادری

## مناصب:

شیخ الحدیث	(مدرسہ قادریہ بدایوں)
نائب قاضی	(ضلع بدایوں)
ڈائریکٹر	(الازہر انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز بدایوں)
ممبر	(عربی پینل، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، حکومت ہند، نئی دہلی)
صدر	(الازہر ایجوکیشن ہیومن ویلفیئر سوسائٹی، بدایوں)
سرپرست	(الازہر فاؤنڈیشن، مہاراشٹر)
ٹرنٹی	(نیو ایچ میڈیا اینڈ ریسرچ سینٹر، نئی دہلی)

## خدمات:

مدرسہ قادریہ اور کتب خانہ قادریہ کی نشاۃ ثانیہ، درگاہ قادری مجیدی کی تعمیر و توسیع، مولانا عبدالماجد پبلک لائبریری بدایوں کا قیام، دینی و عصری طلبہ کے لیے سالانہ سمر کلاسیس کا انعقاد، دروس قرآن و حدیث، جامع مسجد کشمی میں جمعہ کی خطابت و امامت، فری ہیلتھ کمپ کا انعقاد، اکابر و اسلاف کی کتابوں کی تحقیق و ترتیب اور اشاعت، تصنیف و تالیف اور درس و تدریس۔

## لیکچرز و خطاب:

ہندوستان کے مختلف گوشے میں تقریباً ۱۵۰ موضوعات پر ۳۵۰ سے زائد خصوصی لیکچرز اور خطاب کیا۔

## دینی و علمی موضوعات پر ۵۰ سے زائد "کیو ٹی وی" پاکستان، "ای ٹی وی" اور مختلف مقامی چینلز کے پروگرام میں شرکت

ہفتہ واری محافل فہم دین، دس روزہ محافل فہم سیرت، فہم قرآن ہفتہ، تعلیمی و تربیتی ورکشاپ، تعلیمی و تربیتی کمپ برائے خواتین، روحانی تربیتی کمپ، علامہ فضل حق خیر آبادی کنونشن وغیرہ

## طبی پروگرام اور انعقاد:

تقریباً ساٹھ سے زائد علمی و تحقیقی مقالات

## علمی خدمات:

## تصانیف:

قرآن کریم کی سائنسی تفسیر	۲۰۰۸ء
حدیث افتراق امت: تحقیقی مطالعے کی روشنی میں	۲۰۰۸ء
احادیث قدسیہ	۲۰۰۹ء
خامہ تلاشی (تنقیدی مضامین)	۲۰۰۹ء
اسلام: ایک تعارف	۲۰۱۱ء
عربی محاورات مع ترجمہ و تعبیرات	۲۰۱۱ء
خیر آبادیات	۲۰۱۱ء
تذکرہ شمس مارہرہ	۲۰۱۳ء
فرزدق تہمی کا قصیدہ مہمیہ: ایک تحقیقی مطالعہ	۲۰۱۳ء

## کالم نگاری:

## ترتیب و تقدیم:

ماہنامہ جام نور دہلی میں اپریل ۲۰۰۵ء سے دسمبر ۲۰۰۶ء تک "خامہ تلاشی" کے عنوان سے یادگار علمی و تنقیدی کالم لکھا۔

- (۱) مولانا فیض احمد بدایونی، دسمبر ۲۰۰۷ء (۲) تذکرہ ماجد، جولائی ۲۰۰۸ء (۳) خطبات صدارت، اکتوبر ۲۰۰۸ء (۴) مثنوی غوثیہ، نومبر ۲۰۰۸ء (۵) ملت اسلامیہ کا ماضی، حال، مستقبل، نومبر ۲۰۰۸ء (۶) مولود منظوم مع انتخاب نعت و مناقب، دسمبر ۲۰۰۹ء (۷) احوال و مقامات، دسمبر ۲۰۰۹ء (۸) باقیات ہادی، دسمبر ۲۰۰۹ء (۹) مفتی لطف بدایونی شخصیت اور شاعری

اگست ۲۰۱۰ء (۱۰) نگارشات محبت احمد، اگست ۲۰۱۰ء (۱۱) تذکرہ نوری، مئی ۲۰۱۳ء (۱۲) اکمل التاريخ، جولائی ۲۰۱۳ء (۱۳) قصیدتان رائعتان، اکتوبر ۲۰۱۳ء

ترجمہ، تخریج، تحقیق:

(۱) احقاق حق، جنوری ۲۰۰۷ء (۲) عقیدہ شفاعت، جنوری ۲۰۰۸ء (۳) مناصحة فی تحقیق مسائل المصافحة جنوری ۲۰۰۸ء (۴) تذکرہ فضل رسول، جنوری ۲۰۰۸ء (۵) الکلام السدید فی تحریر الامانید، نومبر ۲۰۰۸ء (۶) اکمال فی بحث شد الرحال، ستمبر ۲۰۰۹ء (۷) حرز معظم، ستمبر ۲۰۰۹ء (۸) اختلافی مسائل پر تاریخی فتویٰ، ستمبر ۲۰۰۹ء (۹) رد و انقض، ستمبر ۲۰۰۹ء (۱۰) فصل الخطاب، ستمبر ۲۰۰۹ء

دیگر مانی قلمی کام:

(۱) احکام قبور، جنوری ۲۰۰۸ء (۲) مردے سنتے ہیں، نومبر ۲۰۰۸ء (۳) مضامین شہید، نومبر ۲۰۰۸ء (۴) عرس کی شرعی حیثیت، نومبر ۲۰۰۸ء (۵) فلاح دارین، نومبر ۲۰۰۸ء (۶) عقائد اہل سنت، نومبر ۲۰۰۸ء (۷) ریاض القرات، نومبر ۲۰۰۸ء (۸) شارحہ الصدور فی احکام القبور، ستمبر ۲۰۰۹ء (۹) عظمت غوث اعظم، ستمبر ۲۰۱۰ء (۱۰) خواجہ غلام نظام الدین، دسمبر ۲۰۱۱ء (۱۱) احسن الکلام فی تحقیق عقائد الاسلام، مئی ۲۰۱۲ء (۱۲) وہابی تحریک، مئی ۲۰۱۲ء (۱۳) شمس الایمان، مئی ۲۰۱۲ء (۱۴) شیخ ابن تیمیہ کے عقائد و افکار، ستمبر ۲۰۱۲ء (۱۵) تذکرہ خانوادہ قادریہ، ستمبر ۲۰۱۲ء (۱۶) قصیدہ بانٹ سعاد، نومبر ۲۰۱۲ء (۱۷) اسلام میں محبت الہی کا تصور، ۲۰۱۲ء (۱۸) اظہار و اعتراف، ۲۰۱۲ء (۱۹) سیف اللہ المسلمول کا علمی مقام، ۲۰۱۲ء (۲۰) الجواب المشکور، مارچ ۲۰۱۳ء (۲۱) مسئلہ قیام تعظیسی، مارچ ۲۰۱۳ء (۲۲) برکات مارہرہ، اکتوبر ۲۰۱۳ء

سراج:

پہلا سراج مئی ۱۹۹۳ء / ۱۴۱۳ھ  
دوسرا سراج نومبر ۲۰۰۸ء / ۱۴۲۹ھ  
پہلا عمرہ اکتوبر ۱۹۹۲ء / جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ  
دوسرا عمرہ اگست ۱۹۹۶ء / صفر ۱۴۱۷ھ  
تیسرا عمرہ مئی ۲۰۱۲ء / جمادی الاخریٰ ۱۴۳۳ھ  
پہلی مرتبہ ۱۹۹۲ء / ۱۴۱۳ھ

سربلندان:

دوسری مرتبہ ۱۹۹۳ء / ۱۴۱۳ھ  
تیسری مرتبہ ۱۹۹۶ء / ۱۴۱۷ھ  
چوتھی مرتبہ ۱۹۹۹ء / ۱۴۲۰ھ  
پانچویں اور آخری مرتبہ ۲۰۱۳ء / ۱۴۳۵ھ

اعزازات:

”نشان تاج العلماء“ اور مبلغ ۲۱۰۰۰ روپے  
”علامہ فضل حق خیر آبادی ریسرچ ایوارڈ“  
”ہدیہ سپاس“  
”ہدیہ سپاس“  
(من جانب: خانقاہ برکاتیہ، مارہرہ مظہرہ)  
(من جانب: مینائی ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر ٹرسٹ، لکھنؤ)  
(روٹیری انٹرنیشنل، انڈیا)  
(ای ٹی وی اردو، حیدرآباد)

شہادت:

۲ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ / ۳ مارچ ۲۰۱۳ء بروز منگل

تدفین:

۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ / ۶ مارچ ۲۰۱۳ء بروز جمعرات، بمقام احاطہ غوث اعظم بغداد معلیٰ، جس میں نقیب الاشراف،

متولیان و صاحب سجادگان ہی کی تدفین ہوتی ہے۔ □□□

# ارباب علم و دانش کے اعترافات

علم و فن کا چراغ روشن کرنے والا ماہر عالم دین

امین ملت پروفیسر سید محمد امین قادری برکاتی

سجادہ نشین: خانقاہ برکاتیہ، مارہرہ مطہرہ، ایٹہ (یوپی)

اپنے اکابر علماء اور مشائخ عظام کی تصنیفات کی دوبارہ اشاعت جدید پیرایہ کے ساتھ کرنے کی سعی عزیزی مولانا سید الحق قادری صاحب کر رہے ہیں اور یہ بڑی سعادت مندی کی بات ہے کہ انہوں نے اب تک تقریباً ۸۰ کتابیں اپنے خاندانی بزرگوں اور مشائخ کی شائع کی ہیں اور مستقبل میں بھی ان سے بہت سے تخلیقی اور تحقیقی کاموں کی توقعات ہیں۔ (تحقیق التراویح: ص: ۱۱، تاج الخمول اکیڈمی، ۲۰۱۲ء)



اردو کے ایک بڑے ادیب نے لکھا تھا کہ ”جب کوئی تصنیف منصفہ شہود پر آتی ہے تو گویا ایک چراغ روشن ہوتا ہے“ میں اس میں یہ اضافہ کروں گا کہ یہ چراغ مادی چراغوں کی طرح کبھی بجھتا نہیں ہے، بلکہ ہمیشہ اپنی روشنی سے علمی ذوق رکھنے والوں کی رہنمائی کرتا رہتا ہے۔ عزیزم مولانا سید الحق قادری برکاتی بدایونی ایسے چراغ روشن کرنے میں سرگرداں، ماہر اور کامیاب ہیں۔ (قصیدتان رائعتان، ص: ۷، تاج الخمول اکیڈمی، ۲۰۱۳ء)



گویائی اور خاموشی سے فتنوں کی سرکوبی کرنے والا محقق

حضرت سید محمد اشرف مارہروی

چیف انکم ٹیکس کمشنر: کولکاتا (بنگال)

آزادی کے بعد کے دور میں مذہبی صحافت میں تنقید و تبصرے کی روایت تو یقیناً ملتی ہے لیکن جام نور کے صفحات میں مستقل کالم کے طور پر عزیز گرامی قدر مولانا سید الحق محمد عاصم قادری کی ”خامہ تلاشی“ نے قارئین کے دل میں جیسی جگہ بنائی، اس کی مثال عنقا ہے..... ”خامہ تلاشی“ کے قبول عام میں جن عناصر نے حصہ لیا وہ ہر کس و نا کس کے بس میں نہیں ہیں۔ گہرا علم، وسیع معلومات، سخن فہمی، عمدہ نثر کا استعمال، صحت زبان، منطقی طریقہ کار، طنز کا شائستہ انداز، ظریفانہ ذوق، بے باکی (گستاخی نہیں)، احساس توازن، پاس اعتدال، ”خیال خاطر ب احباب“ اور..... ظرف نگاہ۔ یہ آخری بات کسی کسی کو نصیب ہوتی ہے۔ سنجیدہ، متین اور علمی تحریر کے افق پر ظرافت کی رو پہلی چمک نے ان کالموں کو یادگار بنا دیا ہے۔

(فلیپ: خامہ تلاشی، تاج الخمول اکیڈمی، ۲۰۰۹ء)



(”تذکرہ نوری“ کو) بنانے سنوارنے کا کام عزیز گرامی قدر مولانا سید الحق قادری کے اُن ہاتھوں سے ہوا ہے جو باتوں اور معاملات کو الجھاتے نہیں بلکہ درج درج معاملات کو سلجھانا اپنی خاندانی ذمہ داری سمجھتے ہیں۔ وہ فتنوں اور فتنہ پردروں سے دور و نفور ہیں اور خالص علمی انداز تحقیق



کے تحت کتب ہائے قدیمہ کو دل پذیر اور عقدہ کشا حواشی اور دیگر معلومات کے اضافوں کے ساتھ منظر عام پر لارہے ہیں۔ یہ کام ان کے ہاتھوں تو اتر کے ساتھ ہو رہا ہے اور اس طرح اپنے علمی خانوادے اور خانقاہ کی نشاۃ ثانیہ کے کام میں اپنے والد گرامی کی سرپرستی میں ہمہ وقت مصروف ہیں۔ ان کا انداز تحریر اور متن ایسا ہوتا ہے کہ ان کے لکھے سے کسی اپنے کو جراحت نہیں پہنچتی۔ میرا ذاتی مشاہدہ ہے کہ تحریری فتنوں کی سرکوبی میں اس نوجوان عالم دین اور معروف و قدیم خانقاہ کے فردِ متین نے قلم کا ہتھیار بھی استعمال کیا ہے اور مومنانہ فراست کے پیش نظر خاموشی کا انداز بھی اختیار کیا ہے..... کچھ نہ کہنا بھی اک انداز بیاں ہوتا ہے (تذکرہ نوری، ص: ۱۵، ۱۶، تاج المآل اکیڈمی، بدایوں، طبع جدید: ۲۰۱۳ء)

□□□

### خیرآبادیات کا مرکز اب بدایوں ہو گیا ہے

#### مولانا حکیم سید محمود احمد برکاتی

برکات اکیڈمی، کراچی (پاکستان)

آپ نے ”خیرآبادیات“ لکھ کر ایک موضوع اختراع فرمایا ہے، اور بہت سے گم نام، کم نام اور نام دشہرت سے بے نیاز بلکہ گریزاں فضلا کے محاسن کردار کے نادر اور مستند واقعات کو ترتیب دے کر ایک گل دستہ بنا دیا ہے، میں نے کئی باذوق حضرات کو مطالعے کے لیے دی، وہ بہت متاثر ہوئے۔ ہمارے اکابر کی علم دوستی، طالب علم دوستی، کتاب دوستی اور طلبہ پر شفقت وغیرہ نے بہت متاثر کیا۔

اندازہ ہوا کہ خیرآبادیات کا مرکز اب ٹونک، راپور وغیرہ سے ”بدایوں“ منتقل ہو گیا ہے اور آپ جیسے جواں سال اور جواں بخت حضرات کی رہنمائی میں یہ کاروانِ فضل و کمال دوبارہ سرگرم سفر ہوگا۔ (مکتوب بنام: مولانا شیخ اسید الحق قادری، ۲۰۱۱ء)

□□□

### مولانا اسید الحق کو عربی واردوزبانوں کا چھا ذوق ہے

#### مولانا سید محمد راجحی عدوی

ناظم: ندوۃ العلماء، لکھنؤ (یوپی)

محترم جناب اسید الحق قادری صاحب نے عربی محاوروں کی اردو کے مماثل محاوروں میں ادائیگی خاصی حد تک کی ہے اور پیش نظر کتاب میں اچھی مثالیں پیش کی ہیں، اس سے دونوں زبانوں کے محاورات سے اپنی فنی واقفیت کا ثبوت دیا ہے اور اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ ان کو دونوں زبانوں کا اچھا ذوق حاصل ہے، اس کو دیکھتے ہوئے عربی اور اردو ادب کی تعلیم اور تعلیم کا کام کرنے والوں کے لیے یہ کتاب قابل قدر ہوگئی ہے۔

(مکتوب بنام: مولانا شیخ اسید الحق قادری، ۳۰ نومبر ۲۰۱۱ء)

□□□

### عربی محاورات ایک حوالے کی کتاب ہے

#### پروفیسر شمس الرحمن قاروقی

ماہنامہ شب خون، ۳۱۳ ررانی منڈی، الہ آباد (یوپی)

آپ کی کتاب ”عربی محاورات مع ترجمہ و تعبیرات“ ملی، شکر یہ۔ میں نے یہ کتاب جگہ جگہ سے دیکھی اور اسے بہت خوب پایا۔ ظاہر ہے کہ ایسی

کتاب حوالے کے لیے سرہانے رکھی جانی چاہیے۔ آج کے نام نہاد زبان دان حضرات زبان کے ساتھ جو سلوک کر رہے ہیں اس سے مایوسی ہوتی ہے۔ ضروری ہے کہ مستند روزمرہ اور محاورات کو محفوظ رکھا جائے۔ اس کتاب کا قیمتی حصہ یقیناً محاورات پر مبنی حصہ ہے۔ کتاب کا مقدمہ بہت دلچسپ اور معلوماتی ہے، اگرچہ بعض جگہ اختلاف کی بھی گنجائش ہے۔ (مکتوب بنام: مولانا شیخ اسید الحق قادری، ۲۷ دسمبر ۲۰۱۲ء)

□□□

### ابوالفیض معینی کی وسعت نظر اور صلاحیتوں کا معترف ہوں

#### مولانا محمد احمد مصباحی

صدر المدرسین: الجامعة الاشرافیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ (یوپی)

مولیٰ تعالیٰ ان (مولانا اسید الحق قادری) کے درجات بلند فرمائے اور ہم میں ان کے امثال زیادہ فرمائے..... میں معینی صاحب (مولانا اسید الحق قادری) کی علمی وسعت نظر اور گونا گوں صلاحیتوں کا عام قارئین سے کچھ زیادہ ہی معترف ہوں، اور ان کی اس خوبی کو بھی، بنظر استحسان دیکھتا ہوں کہ نوجوان اہل قلم کی ہمت افزائی اور رہنمائی کے لیے ان کی تحریروں کو خاص توجہ دے کر اپنی مدح و تنقید کا نشانہ بناتے ہیں بلکہ تنقید کم، تعریف، اصلاح اور حوصلہ افزائی زیادہ ہوتی ہے، تاکہ اس زمانہ قحط الرجال میں جو چند افراد قرطاس و قلم سے وابستہ ہوئے ہیں آئندہ بھی وابستہ رہیں، ساتھ ہی ان کی تحریروں میں پختگی اور جلا بھی پیدا ہو۔ (مکتوب بنام: خوشتر نورانی: مؤرخہ ۲۵ شعبان ۱۴۲۷ھ، ۱۹ اگست ۲۰۰۶ء)

□□□

### عربی محاورات کی تشریح و تطبیق قابل تعریف کام

#### ڈاکٹر سعید الاظمی عدوی

مدیر ماہنامہ البعث الاسلامی، لکھنؤ

جناب کا ارسال فرمودہ ہدیہ شمیمہ ”عربی محاورات مع ترجمہ و تعبیرات“ ملا۔ سب سے پہلے میں آپ کی اس بندہ نوازی کے لیے شکر گزار ہوں کہ آپ نے اپنے ذوق عربیت سے مجھے فائدہ پہنچایا۔ کتاب کے اکثر حصے کو بغور پڑھنے اور مطالعہ کرنے کی توفیق ہوئی، مقام شکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے قابل تعریف کام کرایا اور عربی محاورات کی تشریح و تطبیق کا ایک اچھا کام آپ نے کیا۔ یوں تو علم خواہ کسی زبان کا ہو اور خاص طور سے عربی زبان کا علم تو ایک بحرِ خار ہے جس کے ساحل تک پہنچنا آسان نہیں ہے۔ (مکتوب بنام: مولانا شیخ اسید الحق قادری، ۲۴ نومبر ۲۰۱۱ء)

□□□

### بدایوں کی علمی روایت کو از سر نوزندہ کر دیا

#### پروفیسر سعید حنیف احمد نقوی

سابق صدر شعبہ اردو، بنارس ہندو یونیورسٹی، بنارس

قیام بدایوں کے دوران آپ کی بھجوائی ہوئی کتابیں مل گئی تھیں۔ اس عنایت خاص کے لیے ممنون ہوں، رفتہ رفتہ کبھی کتابیں پڑھ ڈالیں۔ جی خوش ہوا کہ آپ بدایوں کی علمی روایت کو از سر نوزندہ کرنے میں مصروف ہیں، ورنہ عرصے سے اس قسم کے موضوعات پر کتابوں کی تصنیف و اشاعت کا سلسلہ بند تھا۔ (مکتوب بنام: مولانا شیخ اسید الحق قادری، ۷ دسمبر ۲۰۱۱ء)

## مولانا سیدالحق کے اندر علم نافع کی تحصیل کا بڑا جذبہ دیکھا

### ڈاکٹر عصام عیدھی ابوخریبہ

استاذ: شعبہ نحو، صرف، عروض، کلیہ "دارالعلوم" جامعہ قاہرہ (مصر)

سیدالحق سے روابط و تعلقات کے دوران میں نے ان کے اندر علم نافع کی تحصیل کے لیے بڑا شوق و جذبہ دیکھا، یہی ان لوگوں کا طریقہ ہے جو علوم تفسیر، حدیث اور فقہ کو اس جذبے کے تحت حاصل کرتے ہیں کہ ان کی صلاحیتیں کامل ہوں، مطالعہ وسیع ہو اور غلطیاں کم ہوں۔

(عربی محاورات: ص: ۱۳/۱۲، تاج اللؤلؤ اکیڈمی، ۲۰۱۱ء)

□□□

## مولانا سیدالحق ماہر لسانیات عالم و محقق

### پروفیسر محمد مصطفیٰ شریف

صدر: شعبہ عربی، عثمانیہ یونیورسٹی، حیدرآباد (دکن)

زیر نظر کتاب [عربی محاورات مع ترجمہ و تعبیرات] ایک ایسے ہی عالم کے نوک قلم سے معرض وجود میں آئی ہے جو الحمد للہ بہ یک وقت دونوں زبانوں پر گہری نظر رکھتے ہیں، مزید یہ کہ وہ صوفی بھی ہیں عالم بھی، ادیب بھی ہیں ناقد بھی، مترجم بھی ہیں مولف بھی اور ماہر لسانیات بھی، اردو نے تو انہی کے خانوادوں میں انگریزیاں لی ہیں، عربی ادب کی آخری پناہ گاہ (جامع ازہر) میں ان کا قیام اور وہاں کے عبقری اساتذہ سے ان کا استفادہ اس پر مستزاد۔

مولانا موصوف سے میری پہلی ملاقات شعبہ عربی جامعہ عثمانیہ میں ہوئی، نورانی تبسم چہرہ اور انداز تکلم ان کی خاندانی اور ذاتی علمی وجاہت کی گواہی دے رہا تھا، عربی زبان اور بالخصوص محاورات کے سلسلے میں ان کی گفتگو سے اندازہ ہوا کہ وہ صرف سیدالحق ہی نہیں، بلکہ "اسدالادب" بھی ہیں اللہم زد فزد۔ (تقریظ عربی محاورات: ص: ۱۲، تاج اللؤلؤ اکیڈمی، ۲۰۱۱ء)

□□□

## علوم متداولہ پر گہری نظر رکھنے والا فکرم کار

### ڈاکٹر فضل الرحمن شرر مصباحی

سابق استاذ: طبیہ کالج، قرول باغ، نئی دہلی

خامہ تلاش کی بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ علوم متداولہ پر گہری نظر رکھتے ہیں، اسلوب تحریر بڑا دل پذیر ہے، شعر و ادب کے تعلق سے وہ جو بات و ثوق سے کہہ سکتے ہیں جس کے لیے ان کے پاس ٹھوس دلائل ہیں اکثر اسے بھی وہ اپنی فہم ناقص کے حوالے کر دیتے ہیں، یوں مخاطب یا مشارالیدہ کی اصلاح بھی ہو جاتی ہے، قارئین رسالہ کی معلومات میں اضافہ بھی ہوتا ہے اور بدگمانی بھی راہ نہیں پاتی۔ یہ وصف خاص جسے میں خامہ تلاش کا بڑا کپن کہتا ہوں صرف تعلیم حاصل کر لینے سے نہیں پیدا ہوتا بلکہ یہ اس خانقاہی نظام تربیت کا ثمرہ ہے جہاں سے آدمی انسان بن کر اور مستر شدا اور مرشد بن کر نکلتا ہے۔ (ماہنامہ جام نور دہلی، شمارہ مارچ ۲۰۱۱ء)

□□□

### ڈاکٹر ایم ایم محمد ایم ایم

صدر: شعبہ اردو، جامعہ ازہر (مصر)

برادر عزیز اسید الحق محمد عاصم قادری سے تعارف حاصل ہوا، جو اتر پردیش کے ایک شہر بدایوں سے نسبت رکھتے ہیں، اس شہر نے بے شمار علماء، شعر اور ادبا پیدا کیے ہیں جن پر برصغیر ہندو پاک کے لوگ بجا طور پر فخر کرتے ہیں۔ ہم امید کرتے ہیں کہ اسید الحق بھی انہی علماء کی صف میں شامل ہوں گے۔ خاص کر جب کہ انہوں نے جامعہ ازہر شریف میں کلیہ اصول الدین کے شعبہ تفسیر سے فراغت حاصل کی ہے، اور پھر کامل ایک سال گہرا مطالعہ کرنے کے بعد مصری دارالافتا سے اجازت افتا بھی حاصل کی ہے۔ (تقریظ عربی محاورات: جس: ۱۱/۹، تاج اللؤلؤ اکیڈمی، ۲۰۱۱ء)

□□□

### عربی محاورات اپنے موضوع پر بڑی وقیع اور شاہ کار ہے

### مولانا محمد و شتی ندوی

استاذ: کلیة اللغة العربية و آدابها، ندوة العلماء، لکھنؤ

باعث تحریر یہ ہے کہ استاذی و شتی حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی (حفظہ اللہ درعاہ) ناظم ندوة العلماء کے پاس میں نے آپ کی شاہ کار تصنیف ”عربی محاورات“ دیکھی جو اپنے موضوع پر بڑی وقیع اور پراز معلومات ہے، حضرت نے بھی آپ کی کتاب کو سراہا ہے اور مقدمہ املا کرانے کے دوران مجھ سے کئی بار فرمایا کہ ”یہ کتاب شائقین عربی زبان و ادب کے لیے بڑی مفید ہے“، اس لیے خیال ہوا کہ اگر اس اہم اور مفید کتاب کے چند نسخے اور آجائیں تو اساتذہ اور طلبہ کے لیے استفادہ آسان ہو جائے گا اور حضرت کا بھی یہی خیال ہے۔

(مکتوب بنام: مولانا شیخ اسید الحق قادری، ۱۲ دسمبر ۲۰۱۱ء)

□□□

### مولانا سید الحق قادری نئی نسل کے نمائندہ عالم اور قلم کار

### ڈاکٹر سید سلیم اشرف جانی

استاذ: شعبہ عربی، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

عزیز القدر مولانا سید الحق نئی نسل کے نمائندہ عالم اور قلم کار ہیں جن کی تصنیفات میں قدیم صالح اور جدید نافع کا خوبصورت امتزاج ملتا ہے، انہیں علمی و تحقیقی کاموں کا شوق بھی ہے اور سلیقہ بھی۔ اس سے پہلے بھی ان کی کئی علمی کاوشیں منظر عام پر آ کر اہل علم سے داد و تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ فکر میں اصالت، پیش کش میں عصرت اور اصول تحقیق کی رعایت کے ساتھ ساتھ زبان کی سلاست ان کی تحریر کے نمایاں اوصاف ہیں۔ ”عربی محاورات“ ان کے اہم قلم کا نیا پڑاؤ ہے اور اس بار اس نے بے حد سنگلاخ اور پُر خطر زمین پر دوڑ لگائی ہے۔ میں یہ تو نہیں کہتا کہ یہ کام اپنے موضوع پر حرف آخر ہے بلکہ اس موضوع پر اور شاید زبان و ادب کے کسی بھی موضوع پر حرف آخر کی گنجائش ہی نہیں ہوتی ہے، لیکن یہ بات پورے وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ یہ اب تک کا سب سے جامع اور تحقیقی کام ہے۔ (تلیپ عربی محاورات: تاج اللؤلؤ اکیڈمی، ۲۰۱۱ء)

□□□



مولانا سید الحق قادری: نہایت متوازن، سنجیدہ اور کڑھی مونی شخصیت

ڈاکٹر سید امین اشرف

سابق استاذ: شعبہ انگریزی، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ  
غالباً دو سال قبل کچھو کچھ شریف میں آپ سے نیاز حاصل ہوا تھا۔ نہایت متوازن، سنجیدہ اور کڑھی مونی شخصیت، خدا نے گویائی کے جوہر سے بھی مالا مال کیا ہے۔ مضمون (کیا موجودہ تصوف خالص اسلامی ہے؟) سبحان اللہ نہایت جامع اور بغایت ژرف نگاہی سے لکھا ہوا ہے..... ع  
اللہ کرے زور قلم اور زیادہ!

(مکتوب بنام: مولانا شیخ اسید الحق قادری، ۳ ستمبر ۲۰۰۷ء)

□□□

’خیر آبادیات‘ علمی دیانت و امانت اور جدید اصول تحقیق پر مبنی کتاب

ڈاکٹر سلیمہ سہول

اسٹنٹ پروفیسر، بین الاقوامی اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد (پاکستان)  
خیال تھا کہ علامہ محمد فضل حق خیر آبادی کی وفات کے ڈیڑھ سو سال مکمل ہونے پر ’’خیر آبادیات‘‘ از مولانا اسید الحق قادری بدایونی مدرسہ بدایوں کی اپنے واجب سے عہدہ برآ ہونے کی محض ایک عقیدت مندانہ کوشش ہوگی۔ مگر مطالعہ کتاب جس قدر بڑھتا گیا، احساسات و خیالات بدلتے گئے اور فضل حق پسندوں سے میرا شکوہ و گلہ کم اور غصہ ٹھنڈا پڑتا چلا گیا۔

’’خیر آبادیات‘‘ علمی دیانت و امانت اور جدید اصول تحقیق پر مبنی پر خلوص، مفید، معلومات افزا کاوش ہے۔ اس کتاب سے علامہ فضل حق کے علم و فضل کے باب کی بدایونی فصل مکمل ہوئی اور علمی حقائق کے گرد مخالفین فضل حق کے پیدا کردہ شکوک و شبہات کا ازالہ اور وقت کی گرد صاف ہوئی، جو علمی ذخائر کے امین و محافظ مدرسہ بدایوں ہی سے ممکن تھا۔ (خیر آبادیات، ص: ۱۷، تاج اللہ لکچر، اکیڈمی، بدایوں، ۲۰۱۱ء)

□□□

مولانا سید الحق اپنے اجداد کے سچے وارث و امین

مولانا سلیمین اختر مصباحی

بانی و صدر دارالعلم، ڈاکٹر نگر، نئی دہلی  
چشم و چراغ خانوادہ عثمانیہ بدایوں صاحبزادہ گرامی قدر مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری بدایونی مرتب ’’مجموعہ رسائل فضل رسول‘‘ ہماری پوری جماعت اہل سنت کی طرف سے شکریہ کے مستحق ہیں کہ وہ اپنے آبا و اجداد اور جماعت اہل سنت کے اکابر و اسلاف کی کتب و رسائل کو بڑی محنت و عرق ریزی اور تحقیق و تخریج و تفسیر و ترجمہ کے ساتھ تاج اللہ لکچر اکیڈمی بدایوں کے ذریعے منظر عام پر لا رہے ہیں۔

عزیز موصوف علم و حلم، فکر، فہم اور اخلاقی محاسن کے اعتبار سے اپنے آبا و اجداد کے وارث و امین اور سچے جانشین ہیں۔ انہیں جو کام کرنا چاہیے اسے بہ حسن و خوبی انجام دے رہے ہیں۔ ان کے عزائم اور حوصلوں کی داد دی جانی چاہیے کہ وہ اس وقت خیر الخلف الخیر السلف ہیں۔

(مقدمہ مجموعہ رسائل فضل رسول، ص: ۷۱، رضا اکیڈمی ممبئی، ۲۰۱۰ء)



”خیرآبادیات“ بدایونی ”فریضہ“ اور خیرآبادی ”حق“ کی ادائیگی کا ایک باوقار روحانی و علمی امتزاج اور احسان شناسی کا پُر خلوص نمونہ ہے۔ ساتھ ہی دنیاے علم و تحقیق میں ”خیرآبادیات“ کے عنوان سے ایک وسیع تاریخی دستاویز کا اضافہ بھی، جس کی ترتیب و پیش کش کا اعزاز صاحب زادہ عالی قدر عزیز گرامی مولانا سیدالحق قادری بدایونی کو حاصل ہے اور وہ اس اعزاز کے صحیح مستحق بھی ہیں۔ گویا: حق بحق دارر سید۔

(خیرآبادیات: ص: ۱۶، تاج الخول اکیڈمی بدایوں، ۲۰۱۱ء)



**مولانا سیدالحق نے سائنسی تفسیر پر بہت اچھی اور متوازن بحث کی ہے**

**مولانا محمد رضی الاسلام مدنی**

ادارہ تحقیقات اسلامی، علی گڑھ

کئی ماہ قبل آں جناب کی کتاب ”قرآن کریم کی سائنسی تفسیر“ موصول ہوئی تھی اور میں نے وصول کا خط بھی لکھ دیا تھا۔ یہ کتاب موجودہ دور کے بہت اہم موضوع سے بحث کرتی ہے۔ آپ نے موضوع کا بھرپور تعارف کرایا ہے اور بہت اچھی اور متوازن بحث کی ہے۔

(مکتوب بنام: مولانا شیخ سیدالحق قادری، ۱۳ دسمبر ۲۰۰۸ء)



**مولانا سیدالحق نے اپنی علمی قابلیت اور اعتدال پسندی کو منوالیا ہے**

**پیدمصحیح رحمانی**

مدیر: ”نعت رنگ“ کراچی (پاکستان)

”خامہ تلاشی“ جام نور کا دلچسپ سلسلہ ہے، جس طرح ”نعت رنگ“ کو مولانا کوکب نورانی مل گئے جو اس کے مشمولات کا تنقیدی جائزہ شریعت کی روشنی میں لیتے ہیں، اسی طرح آپ کو ابوالفیض معینی صاحب مل گئے ہیں جو گزشتہ شمارے کا تنقیدی جائزہ پیش کرتے ہیں۔ یہ کام بہت دشوار ہے لیکن انہوں نے اپنی تحریر کو متوازن رکھ کر اپنی علمی قابلیت اور اعتدال پسندی کو منوالیا ہے۔ (ماہ نامہ جام نور، شمارہ اکتوبر ۲۰۰۶ء)



**مولانا سیدالحق اردو اور عربی زبان و ادب کے عالم و عارف**

**پروفیسر فاروق احمد صدیقی**

سابق پروفیسر و صدر شعبہ اردو، بہار یونیورسٹی مظفر پور (بہار)

مولانا سیدالحق قادری اردو اور عربی زبان و ادب کے عالم و عارف کی حیثیت سے اپنے ہم عصروں میں یگانہ و ممتاز ہیں یعنی وہ مجمع البحرین ہیں اور یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ وہ اردو کے بڑے عالم ہیں یا عربی کے۔ موضوع بڑا خشک اور بے رس تھا، مگر انہوں نے شگفتگی زبان و بیان سے آراستہ کر کے اس کو بے حد آسان اور حلاوت بخش بنا دیا ہے۔

محاورہ مخصوص تقاضوں، رسموں اور موقعوں کے مطابق لفظوں کو بدلے ہوئے سیاق و سباق میں بدلے ہوئے معنوں کے ساتھ استعمال کرنے

کا نام ہے۔ ہرزبان میں محاورات کی ایک دنیا ہوتی ہے جو موقع محل سے بات چیت یا عبارت میں اپنی جھلک دکھاتی ہے۔ مولانا موصوف نے عربی زبان کو اہل زبان کی طرح اس کی روح میں ڈوب کر اپنی دسترس میں کر لیا ہے۔ عربی محاورات کو اردو والوں سے روشناس کرانا اس قدرت تامہ کا مظہر ہے۔ انہوں نے عربی ادب کے بحر ناپیدا کنار میں غواصی کر کے جو ڈرہائے آبدار نکالے ہیں ان کی آب و تاب میں بہر دور کی آنے کا اندیشہ نہیں۔ عربی مدارس اور عصری دانش گاہوں کے طلبہ و طالبات اس گراں مایہ سرمایہ محاورات سے ہمیشہ مستفید ہوتے رہیں گے۔

(مکتوب بنام: مولانا شیخ اسید الحق قادری، ۱۴ دسمبر ۲۰۰۸ء)



مولانا اسید الحق قادری اسلامیات کے ممتاز اسکالر، اردو زبان و ادب کے ادانشاس اور جدید تنقید و تحقیق کے مزاج اور سمت و رفتار سے واقف قلم کار کی حیثیت سے ہندو پاک کے علمی و ادبی حلقوں میں اپنی پہچان بنا چکے ہیں اور یہ بڑی بات ہے۔ ان کی تحریروں میں گہرائی، تازگی اور تنوع کا احساس ہوتا ہے۔ اس لیے عام قارئین کے علاوہ خاصان علم و ادب بھی ان کے ہر جملے کو چبا چبا کر پڑھتے ہیں اور محفوظ و مستفید ہوتے ہیں۔



### مولانا اسید الحق جامعہ ازہر کے ایک ممتاز فاضل

#### ڈاکٹر کلیل اعظمی

کریم الدین پور، گھوسی، ضلع سوا (یوپی)

مولانا اسید الحق صاحب جامعہ ازہر کے ممتاز فاضل ہیں۔ تحقیقی و تنقیدی مزاج رکھتے ہیں۔ ان کا طرز تحریر بے حد شستہ و شگفتہ ہوتا ہے۔ اپنی تحریروں کو پیچیدہ اور گنجلک نہیں ہونے دیتے۔ تنقیدی اسلوب بھی تلخی و جارحیت سے پاک، خوشگوار، سنجیدہ اور متوازن ہوتا ہے، کہیں کہیں طنز و مزاح کی کیفیت ہوتی ہے، لیکن انتہائی لطیف اور نازک۔ مولانا نے وقت کی ایک اہم ضرورت کو محسوس کیا اور علمی و فنی حیثیت سے موضوع احادیث پر کلام کیا۔ بیان حدیث میں بے احتیاطی و بے راہ روی اور تساہل پسندی کے سدباب کی کوشش کی اور ذہن و فکر کے جمود و تعطل کو ختم کرنے کی ترغیب دی۔ امید کہ مقررین و واعظین احتیاط سے کام لیں گے اور بلا تحقیق روایتوں کے بیان کرنے سے گریز کریں گے۔

(ماہنامہ جام نور دہلی، شمارہ نومبر ۲۰۱۰ء)



### مولانا اسید الحق اپنے اسلاف پر فخر نہیں کرتے، اسلاف کا کام کرتے ہیں

#### ڈاکٹر سید سراج اعظمی

استاذ شعبہ اردو، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

لائق اخلاف اپنے اسلاف کے کارناموں پر صرف فخر نہیں کرتے بلکہ انہیں روشناس خلق کرانے کا اہتمام بھی کرتے ہیں، قابل مبارک باد ہیں عزیز گرامی قدر اسید میاں صاحب کہ انہوں نے اس نیک کام کا بیڑا اٹھایا اور علوم عقلی و نقلی، ادب و شاعری اور مسائل فقہی سے متعلق اپنے خانوادے کے بزرگوں کی تحریریں شائع کرنے کا اہتمام کیا ہے۔ (مقدمہ خمیازہ حیات: ص: ۸، تاج الحول اکیڈمی بدایوں، ۲۰۰۹ء)



## مولانا اسید الحق قادری: شخص و عکس

**نسب:** شیخ صاحب کا سلسلہ نسب خلیفہ سوم حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملتا ہے، جب کہ والدہ کی طرف سے امام حسین ابن علی تک پہنچتا ہے۔ آپ کی والدہ حضرت سید محمد اکبر چشتی قدس سرہ (آستانہ صمدیہ، پھپھوند شریف) کی صاحبزادی ہیں۔

شیخ صاحب کا پدری شجرہ نسب یہ ہے:

شیخ اسید الحق محمد عاصم القادری ابن شیخ عبد الحمید محمد سالم القادری ابن مفتی عبد القدیر قادری ابن مولانا تاج الخول عبد القادر بدایونی ابن سیف اللہ المسلمول فضل رسول قادری ابن شاہ عین الحق مولانا عبد الحمید قادری بدایونی ابن مولانا عبد الحمید قادری بدایونی ابن مولانا محمد سعید ابن مولانا محمد شریف ابن مولانا محمد شفیع ابن شیخ مصطفیٰ ابن مولانا عبد الغفور ابن مولانا شیخ عزیز اللہ ابن مولانا مفتی کریم الدین ابن قاضی القضاة مولانا حمید الدین معروف بہ شیخ محمد ابن مولانا شیخ معروف ابن مولانا شیخ مودود ابن مولانا عبد الشکور ابن مولانا شیخ محمد راجی ابن مولانا قاضی القضاة سعد الدین ابن مولانا قاضی القضاة شمس الحق ملقب بہ قاضی رکن الدین ابن قاضی القضاة مولانا شیخ دانیال قطری ابن مولانا حاجی شہید ابن مولانا ابراہیم ابن مولانا محمد اسحاق ابن مولانا عبد الکریم ابن مولانا محمد شریف ابن مولانا نور اللہ ابن مولانا عبد الحق ابن مولانا محمد فردوس ابن مولانا انیس محمد ابن مولانا محمد رافع ابن مولانا عبد الکریم ابن مولانا عبد الرحیم ابن مولانا عبد الرحمن ابن مولانا سیدنا ابوسعید حضرت آبان ابن سیدنا مولانا امیر المؤمنین کامل الحیاء والایمان جامع القرآن حضرت ذوالنورین عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہم ورحمۃ اللہ علیہم۔

حضرت شیخ صاحب اور سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ کے درمیان ۳۶ واسطے ہیں۔

**ولادت:** شیخ محترم کی ولادت ۲۳ ربیع الثانی ۱۳۹۵ھ/۶ مئی ۱۹۷۵ء کو مولوی محلہ بدایوں میں ہوئی۔

**ہمارے** ”مولوی بھائی“ اور ہمارے ”شیخ صاحب“، ممتاز ناقد و محقق، عالم ربانی مولانا شیخ اسید الحق محمد عاصم قادری بدایونی کی حیات و خدمات بہت وسیع موضوع ہے۔ چند صفحات میں ان کا احاطہ کرنا ممکن نہیں ہے۔ شیخ صاحب کی سادہ زندگی میں قدرت نے اتنے رنگ بھرے ہوں گے یہ سوچا بھی نہیں تھا، بظاہر سادہ لباس اور سفید ٹوپی لگانے والا یہ نوجوان اپنی زیست کے خاکے میں اتنے رنگ رکھتا تھا، یہ اب سمجھ میں آیا، جب ہم ان کے سوانحی خاکے کو ترتیب دے رہے ہیں۔

شیخ صاحب کی پوری زندگی علم و تحقیق، فکر و قلم، مطالعہ اور درس و تدریس سے عبارت تھی۔ جس شوق و جذبے سے انھوں نے علم حاصل کیا اسی انداز سے مسند درس و تدریس کو زینت بخشی اور علم و قلم کے گوہر آب دار لٹائے اور صرف ۱۰ ارسال کی عملی زندگی میں وہ کارہائے نمایاں انجام دیے کہ آج زمانہ ان کی رفعتوں اور کارناموں کے اعتراف میں رطب اللسان ہے۔ علم و فن کی وہ کون سی شاخ ہے اور میدان فکر و تحقیق کا وہ کون سا گوشہ ہے جس میں انھوں نے اپنی جولانیت اور لیاقت کا مظاہرہ نہیں کیا۔ اس کم عمری میں انھوں نے جو علمی نقوش چھوڑے ہیں، وہ رہتی دنیا تک یاد کیے جاتے رہیں گے اور دنیا سے ان کی اتنی جلد رخصتی پر اہل علم و عرفان کے درمیان ماتم ہوتا رہے گا۔

ذیل میں ان کی پوری حیات و خدمات کا اجمالی خاکہ پیش کیا جا رہا، جس سے ان کی ذاتی شخصیت سے متعارف ہونے میں مدد ملے گی اور مستقبل میں ان کی ذات یا خدمات پر کام کرنے والوں کے لیے یہ سطور رہنمائی کا ذریعہ بنیں گی۔

**نام:** شیخ صاحب کا پورا نام اسید الحق محمد عاصم القادری ہے۔ والد ماجد انھیں پیار سے ’بھیا‘ اور ’بابا‘ کہا کرتے تھے، گھر کے چھوٹے ”مولوی بھائی“ اور ارادت مند، متوسلین و متعلقین ”شیخ صاحب“۔ مؤخر الذکر عرفیت کو کافی شہرت ملی۔



**تعلیم:** شیخ صاحب نے جس ماحول میں آنکھ کھولی وہ بہت علمی اور روحانی ماحول تھا۔ خانوادہ عثمانیہ بدایوں کی آٹھ سو سالہ تاریخ اپنے علمی اور روحانی ماحول کو ثابت کرنے کے لیے کسی دلیل کی محتاج نہیں۔ خاندانی روایت کے اعتبار سے چار سال کی عمر میں ۱۱ شوال ۱۳۹۹ھ بموقع عرس قادری شیخ صاحب کی تسمیہ خوانی ہوئی اور حضرت اقدس کی سرپرستی میں شیخ صاحب کے تایا حضرت مولانا عبدالہادی قادری قدس سرہ نے آپ کو قاعدہ بغدادی کا باضابطہ پہلا سبق دیا۔ یہاں باضابطہ لکھنا اس لیے ضروری ہے کہ تسمیہ خوانی سے پہلے والدین نے آپ کو سورہ فاتحہ، سورہ اخلاص، کلمہ طیبہ، درود شریف یاد کروادیے تھے اور خانوادہ قادریہ بدایوں شریف کے بچوں کو ان مذکورہ چیزوں کے علاوہ دو نام بہت تاکید سے پرائے جاتے ہیں: (۱) قطب ربانی محبوب سبحانی غوث اعظم سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ، (۲) غوث زماں، شمس مارہرہ، قبضہ جسم و جاں، فخر خاندان برکاتیہ ابوالفضل آل احمد حضور اچھے میاں صاحب رضی اللہ عنہ۔

**ابتدائی تعلیم:** گھر کی تعلیم کے علاوہ شیخ صاحب نے جامع مسجد شمس بدایوں کے قریب واقع ”قادری جنت نشاں اسکول“ میں تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد ”مشن انگلش اسکول“ بدایوں میں زیر تعلیم رہے۔

**حفظ قرآن:** شیخ صاحب نے شوال ۱۹۸۶ء میں ”مدرسہ عالیہ قادریہ“ میں حفظ قرآن کی ابتدا کی۔ مدرسہ قادریہ میں اس وقت شعبہ حفظ و قراءت کے استاذ حضرت قاری کریم اللہ موجود تھے۔ ۱۹۸۹ء میں آپ نے حفظ قرآن مکمل کیا۔ دوران حفظ قرآن آپ نے اُردو لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا۔ آپ کو اُردو مدرسہ قادریہ کے ایک استاذ مولانا حافظ نور محمد صاحب قبلہ علیہ الرحمہ نے پڑھائی۔

**درس نظامی کی ابتدا:** شیخ صاحب نے حفظ قرآن سے فراغت کے بعد شوال ۱۹۹۰ء میں مدرسہ عالیہ قادریہ میں درس نظامی کی ابتدا کی۔ اس وقت مدرسہ قادریہ میں ہندوستان کے ممتاز اساتذہ تدریسی خدمات انجام دے رہے تھے، جن میں امام علم و فن حضرت خواجہ مظفر حسین رضوی، مولانا شیخ رحمت اللہ قادری، مفتی مطیع الرحمن مضطر پورنوی، مولانا نیاز احمد قادری، مولانا مفتی شہید عالم رضوی اور مفتی انفاس الحسن چشتی شامل ہیں۔ ۱۹۹۳ء تک آپ مدرسہ قادریہ بدایوں میں تعلیم حاصل کرتے

رہے۔ حضرت خواجہ صاحب کے متعلق یہ بات بہت مشہور تھی کہ وہ کسی مدرسے میں زیادہ نہیں رکتے اور یہ بات صحیح بھی تھی۔ چنانچہ ۶ سال مدرسہ قادریہ میں پڑھانے کے بعد (جو اس وقت تک خواجہ صاحب کی کسی مدرسے میں قیام کی سب سے طویل مدت تھی) آپ بدایوں سے فیض آباد تشریف لے گئے۔ اس کے بعد ۱۹۹۴ء میں شیخ صاحب کو آپ کے والد ماجد نے امام علم و فن حضرت خواجہ مظفر حسین رضوی کے پاس تعلیم حاصل کرنے کے لیے فیض آباد بھیج دیا۔

۱۹۹۷ء میں درس نظامی آپ نے مکمل کیا اور بدایوں تشریف لے آئے۔ ۲۲ اکتوبر ۱۹۹۸ء میں جشن صد سالہ اعلیٰ حضرت تاج الفجر کے موقع پر صاحب سجادہ بغداد شریف حضرت پیر سید احمد ظفر گیلانی (متولی و سجادہ درگاہ غوث اعظم بغداد شریف) کے مبارک ہاتھوں سے شیخ صاحب کو دستار فضیلت سے نوازا گیا۔

**اہل تعلیم:** یکم ستمبر ۱۹۹۹ء بروز بدھ شیخ صاحب بدایوں سے روانہ ہوئے اور بغداد معلیٰ حاضری دیتے ہوئے قاہرہ تشریف لے گئے۔ یہاں اس بات کا ذکر ضروری ہے کہ شیخ صاحب کے والد ماجد آپ کو اعلیٰ تعلیم کے لیے بغداد شریف بھیجنا چاہتے تھے۔ جب ۱۹۹۶ء میں بغداد شریف حاضر ہوئے تو وہاں اس وقت غوث اعظم کی درگاہ کے صاحب سجادہ پیر سید یوسف الگیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ میں اسید الحق کو بغداد بھیجنا چاہتا ہوں۔ اس پر پیر سید یوسف الگیلانی نے فرمایا کہ اسید الحق کو جامعہ ازہر قاہرہ بھیجو۔ آپ کے حکم پر شیخ صاحب جامعہ ازہر قاہرہ تشریف لے گئے۔

جامعہ ازہر میں کلیہ اصول الدین کے شعبہ تفسیر و علوم قرآن میں داخلہ لیا اور جون ۲۰۰۳ء میں فراغت حاصل کی۔ شیخ صاحب نے ”کلیہ اصول الدین“ سے فراغت کے بعد اگست ۲۰۰۳ء تا جولائی ۲۰۰۴ء دارالافتاء المصریہ میں تربیت افتا کا کورس کیا۔ مصر سے واپسی کے بعد ۲۰۰۸ء، ۲۰۰۹ء میں جامعہ طیبہ اسلامیہ، نئی دہلی سے علوم اسلامیہ میں ایم۔ اے کیا۔

**اساتذہ:** شیخ صاحب کے سب سے پہلے اور سب سے اہم استاذ آپ کے والد گرامی صاحب سجادہ خانقاہ عالیہ قادریہ بدایوں شریف ہیں، جن کی تعلیم و تربیت نے شیخ صاحب کو ایک عالم سے ”عالم ربانی“

بنادیا۔ شیخ صاحب نے اخلاق و کردار، تواضع و انکساری، صبر و شکر، توکل و قناعت، غفور و درگزر اور تصوف و سلوک کے تمام درس اپنے والد گرامی شیخ طریقت، مربی و رہنما حضرت اقدس الشیخ عبدالحمید محمد سالم القادری (سجادہ نشین خانقاہ قادریہ بدایوں شریف) سے حاصل کیے۔ اس کے بعد شیخ صاحب کے قابل ذکر اساتذہ میں امام علم و فن حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی (متوفی ۲۰۱۳ء)، حضرت مولانا رحمت اللہ قادری (شیخ الحدیث مدرسہ عربیہ مدینۃ العلوم، بھدوہی)، حضرت علامہ مفتی محمد مطیع الرحمن مظفر پورنوی، حضرت مفتی انفاس الحسن چشتی (شیخ الحدیث جامعہ صمدیہ پھپھوند شریف)، حافظ نور محمد قادری (متوفی ۲۰۱۳ء سابق مدرس مدرسہ قادریہ)، حافظ وقاری کریم اللہ قادری (متوفی ۲۰۰۸ء)، پروفیسر علامہ عبدالرحمن فرماوی، پروفیسر علامہ جمعہ عبدالقادر، پروفیسر علامہ محمود عبدالخالق حلوی، پروفیسر علامہ سعید محمد صالح صوابی، پروفیسر علامہ سید المسیر، پروفیسر علامہ طہ حیثی، پروفیسر علامہ عبدالعظی بیوی کے اسما شامل ہیں۔ ان کے علاوہ تربیت افتا کا ایک سالہ کورس آپ نے مصری دارالافتا میں سابق مفتی اعظم مصر ڈاکٹر شیخ علی جمعد کی خدمت میں مکمل کیا۔

**شادی خاتن آبادی:** ابھی شیخ صاحب مصر میں موجود تھے کہ بدایوں سے آپ کے والد ماجد کا فون پہنچا کہ ہم نے تمہاری شادی طے کر دی ہے۔ ۱۵ اگست ۲۰۰۲ء بروز اتوار سہوانی ٹولہ بریلی کے ایک سید گھرانے میں سیدہ سائرہ قادری بنت سید محمد نصیر مرحوم سے آپ کا عقد مسنون ہوا۔ شادی کی تقریب میں بہت سے علماء و مشائخ شریک رہے۔ بالخصوص آپ کے استاذ محترم امام علم و فن حضرت خواجہ مظفر حسین رضوی اور آپ کے دوست و احباب بالخصوص مولانا خوشتر نورانی، مولانا منظر الاسلام ازہری اور مولانا نعمان ازہری وغیرہ نے شرکت فرمائی۔

**پہلا سفر حج:** حضرت اقدس والد محترم کے ہمراہ پہلی مرتبہ مئی ۱۹۹۲ء/۱۴۱۳ھ میں حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے گئے۔

**دوسرا سفر حج:** نومبر ۲۰۰۸ء/۱۴۲۹ھ اپنی اہلیہ کے ہمراہ حج و زیارت مدینہ منورہ سے مشرف ہوئے۔ اس سفر میں آپ کے ساتھ ہمیشی سے جناب اشتیاق پٹنی ابن جناب اسحاق پٹنی بھی تھے۔

**پہلا سفر عمرہ:** جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ/ اکتوبر ۱۹۹۲ء میں حضرت اقدس والد محترم کے ہمراہ پہلی بار عمرے کی سعادت حاصل کی۔

**دوسرا عمرہ:** صفر ۱۴۱۷ھ/۱۹۹۶ء میں حضرت اقدس والد محترم کے ہمراہ دوسری مرتبہ عمرے کی سعادت حاصل کی۔ اس سفر میں آپ کے ساتھ ہمیشی سے حاجی اقبال اور دیگر احباب سلسلہ موجود تھے۔

**تیسرا عمرہ:** مئی ۲۰۱۲ء/ جمادی الآخریٰ ۱۴۳۳ھ میں تیسری مرتبہ عمرے کی سعادت حاصل کی۔ اس سفر میں آپ کی اہلیہ آپ کے ساتھ تھیں۔

**سفر بغداد معلیٰ:** بغداد معلیٰ کی حاضری خانوادہ قادریہ بدایوں کے قدیم معمولات میں شامل ہے۔ اس خانوادے کی بارگاہِ غوث اعظم میں حاضری اور مقبولیت ایسا امتیاز ہے جو کسی دوسری جگہ دیکھنے میں نہیں آتا۔ خانوادہ قادریہ بدایوں شریف اور خانوادہ گیلانیہ بغداد شریف کے مراسم بہت گہرے اور پائے ہیں۔ پرنس دو سو برسوں سے خانوادہ عثمانیہ کی بغداد معلیٰ کی مسلسل حاضری اور اس سلسلے سے اس خانوادہ گیلانیہ کے متعدد فرزندوں اور سجادگان کا خانقاہ قادریہ میں ورود مسعود، ان کے درمیان اہل بیت کے روابط کی کھلی دلیل ہے۔ اسی سلسلہ محبت اور غوث اعظم سے نسبت غلامی کے اظہار کے لیے شیخ صاحب نے اپنے اسلاف کی طرح متعدد بار بغداد حاضری دی۔

شیخ صاحب پہلی مرتبہ ۱۴۱۳ھ/۱۹۹۲ء میں حاضر ہوئے۔ دوسری مرتبہ ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۳ء میں، تیسری حاضری ۱۴۱۷ھ/۱۹۹۶ء میں، چوتھی حاضری ۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء میں اور پانچویں اور آخری حاضری ۱۴۳۵ھ/۲۰۱۴ء میں ہوئی۔ یہ تمام سفر بغداد حضرت اقدس والد گرامی کے ہمراہ ہوئے۔ آخری سفر بغداد جس میں حضرت شیخ صاحب جام شہادت سے سرفراز ہوئے اور ہم ان کی رفاقت سے محروم ہوئے، راقم السطور بھی آپ کا ہم سفر تھا۔

**بیعت و اجازت:** اہل طریقت پر یہ حقیقت واضح ہے کہ بزرگوں سے اکتساب فیض کے لیے کسی شیخ کامل کے دست حق پرست پر بیعت کرنا کتنا ضروری ہے۔ شیخ صاحب کا خانوادہ صدیوں سے مئے کشان شراب معرفت کو جام آل احمدی اور صہبائے قادریت پلا رہا ہے۔ شیخ صاحب کی تشنگی جب اپنے کمال کو پہنچی تو اپنے والد گرامی شیخ طریقت الشاہ عبدالحمید محمد سالم القادری سجادہ نشین خانقاہ عالیہ قادریہ بدایوں شریف سے ۱۳ نومبر بروز جمعرات ۲۰۰۸ء کو سلسلہ قادریہ میں بیعت ہو گئے۔ پیر و مرشد نے آپ کو تمام سلسلوں کی اجازت و خلافت سے

سرفراز فرمایا اور اپنا ولی عہد مقرر کیا۔ اس کے علاوہ آپ کو وارث پنجتن سیدنا شاہ سید یحییٰ حسن مارہروی (متوفی: ۲۰۱۱ء، سجادہ نشین آستانہ عالیہ قادریہ برکاتیہ مارہرہ شریف) سے بھی خلافت و اجازت کا شرف حاصل تھا۔

**اجازت حدیث:** شیخ صاحب کو متعدد مشائخ سے روایت حدیث کی اجازت حاصل تھی۔ ان شیوخ کے اسماء یہ ہیں:

- (۱) والد محترم تاجدار اہل سنت حضرت الشیخ عبدالحمید محمد سالم القادری (صاحب سجادہ آستانہ عالیہ قادریہ بدایوں شریف)
- (۲) ذاکر علی جمعد (سابق مفتی جمہوریہ مصر)
- (۳) شیخ القرا، نجم الفقہاء الشیخ محمد صلاح الدین التجانی (مصر)
- (۴) الشیخ محمد ابراہیم عبدالباعث (محدث اسکندریہ، مصر)
- (۵) الشیخ علی بن جمود المحرری الرفاعی (خطیب و امام آستانہ حضرت معروف کرخی و استاذ بغداد یونیورسٹی)
- (۶) شیخ محمد ابراہیم الحسینی الکتانی (مصر)

**مدرسہ عالیہ قادریہ کی نفاذ ثانیہ:** مدرسہ عالیہ قادریہ بدایوں شریف کی تاریخ یوں تو صدیوں پر بکھری ہوئی ہے اور فرزند ان مدرسہ عالیہ قادریہ کی خدمات اپنی مادر علمی کے وقار اور عظمت و شوکت کی گواہ ہیں۔ لیکن شیخ صاحب جب قاہرہ سے واپس آئے اور اپنی عملی زندگی کا آغاز کیا تو انہوں نے اپنی دیگر اصلاحی اور تعمیری کاموں کے ساتھ مدرسہ قادریہ کی نشاۃ ثانیہ کی طرف بھی متوجہ ہوئے۔ آپ نے از سر نو مدرسے کا خاکہ بنایا، اصول وضع کیے، نصاب و نظام بنایا اور مدرسہ قادریہ کا آغاز نو کیا۔

شیخ صاحب نے اپنے احباب سلسلہ سے کہا: مجھے چندہ نہیں چاہیے، تم اپنے بیٹے کو میرے پاس پڑھنے کے لیے بھیجو۔ اس طرح بالکل ابتدا سے تعلیم کا آغاز ہوا۔ شیخ صاحب شروع میں فرماتے تھے کہ ابھی مدرسہ نہیں کھلا ہے، مدرسہ تو ۸ سال کے بعد کھلے گا، ابھی تو میں اپنی ”ثیم“ تیار کر رہا ہوں۔ جب یہ طلبہ فارغ ہوں گے تب باقاعدہ مدرسے کا آغاز کیا جائے گا۔ یہی وجہ رہی کہ مدرسے میں داخلے کا اعلان عام نہیں کیا گیا۔ شیخ صاحب صرف جماعت اعدادیہ اور اولیٰ ہی میں داخلہ لیا کرتے تھے۔ اس طرح ہر سال ایک جماعت کا اضافہ ہوتا گیا۔ یعنی جب شیخ صاحب نے درس دینا شروع کیا تو صرف جماعت اعدادیہ ہی تھی۔ اگلے سال جب یہی طلبہ جماعت اولیٰ میں آگئے تو پھر جماعت اعدادیہ میں

نئے داخلے لیے گئے اور پھر اگلے سال اولیٰ والے طلبہ ثانیہ میں اور اعدادیہ والے اولیٰ میں آگئے۔ پھر جماعت اعدادیہ میں نئے داخلے لیے گئے۔ اس طرح پہلا ”بیچ“ ۲۰۱۱ء میں فارغ ہوا۔ شیخ صاحب کے ساتھ مولانا انور سہیل قادری، مولانا نبی رضا قادری، مولانا دلشاد احمد قادری، مولانا مجاہد قادری اور مولانا اقبال قادری اور ۲۰۰۸ء سے راقم الحروف نے تدریسی خدمات انجام دیں۔

شیخ صاحب نے مدرسہ قادریہ کے تعلیمی نصاب میں کچھ تبدیلیاں بھی فرمائی تھیں، مثلاً جماعت ثانیہ میں تاج الفحول کا رسالہ احسن الکلام فی تحقیق عقائد الاسلام پڑھانا شروع کیا اور بعد میں یہ خدمت راقم الحروف کے حصے میں آئی اور جماعت ثالثہ کو مدخل الی اصول الحدیث اور جماعت رابعہ کو تفسیر آیات احکام پڑھانا شروع کی اور اسی طرح بہت سی مثالیں ہیں۔

**تدریسی خدمات:** استاذ محترم امام علم و فن حضرت خواجہ مظفر حسین رضوی فرماتے تھے کہ ”سمجھنا آسان ہے سمجھانا مشکل اور دونوں کی صلاحیتیں جدا ہیں۔ کوئی ضروری نہیں کہ اگر کوئی شخص بہت قابل اور وسیع المطالعہ ہے تو وہ تدریسی خدمات بھی انجام دے اور آخر میں مسکرا کر فرماتے کہ پڑھنا تو سیکھا جاسکتا ہے مگر پڑھانا نہیں سیکھا جاسکتا، یہ تو خداداد صلاحیت ہوتی ہے۔“

یہی خداداد صلاحیت شیخ صاحب کے درس میں دکھائی دیتی تھی۔ آپ نے مصر جانے سے پہلے بھی مدرسہ قادریہ میں درس و تدریس کو زینت بخشی تھی۔ جنوری ۱۹۹۹ء سے اگست ۱۹۹۹ء تک آٹھ ماہ درس دیا اور مصر سے آنے کے بعد ۳ دسمبر ۲۰۰۲ء سے ۲۰ فروری ۲۰۱۳ء تک مسلسل درس دیا، جن کتابوں کا درس شیخ صاحب دیا کرتے تھے ان میں سے چند حسب ذیل ہیں:

- (۱) صور من حياة الصحابة، (۲) وحی القلم، (۳) العبرات، (۴) اقتنا بین قرنین، (۵) شرح عقائد، (۶) مرقات، (۷) شرح تہذیب، (۸) اصول التفسیر و مناہج، (۹) الدخیل فی التفسیر، (۱۰) مدخل الی اصول التفسیر: مرتبہ شیخ صاحب (۱۱) تفسیر آیات الاحکام، (۱۲) موطا امام محمد، (۱۳) اصول الحدیث، (۱۴) صحیح بخاری، (۱۵) صحیح مسلم، (۱۶) جامع ترمذی، (۱۷) الرفع والتکمیل، (۱۸) تیسیر علوم

طور پر وابستہ ہیں۔ لیکن شیخ صاحب کی زندگی دیکھیے تو حیرت ہوتی ہے کہ وہ ایک مکمل مدرس، باضابطہ منتظم اور ایک خطیب و واعظ ہونے کے ساتھ ساتھ ہمیشہ علمی و تحقیقی کام سے بھی جڑے رہے۔ ہندوپاک کے معیاری رسائل میں آپ کے علمی اور تحقیقی مضامین وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہتے۔ ان رسائل میں ماہ نامہ جام نور سر فہرست ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ مولانا خوشتر نورانی صاحب نے ہی اپنی دوستی کے حق کو استعمال کرتے ہوئے شیخ صاحب کو رسائل کے لیے مضامین لکھنے پر راضی کیا تو غلط نہ ہوگا۔ اسی پر بس نہیں مدیر اعلیٰ مولانا خوشتر نورانی نے جام نور میں ایک مفرد کالم ”خامہ تلاشی“ کے عنوان سے جاری کرنے کا ارادہ کیا۔ خامہ تلاشی کے لیے ”خامہ تلاش“ کی ضرورت تھی۔ اس کے لیے مدیر اعلیٰ کی نظر انتخاب حضرت شیخ صاحب پر ہی جا کر رکی۔ مولانا خوشتر نورانی فرماتے ہیں:

”میں نے سوچا، مذہبی ادب میں نقد و نظر تلوار کی دھار پر چلنے کا فن ہے، اس کے لیے بصیرت، ظرافت، اور گہری نظر کے ساتھ جملہ علوم متداولہ اور زبان و بیان پر درک ہونا چاہیے اور اس دور قحط الرجال میں بظاہر ایسی صفتوں پر مشتمل شخصیت کا ملنا ناممکن نہیں تو بے حد مشکل ضرور ہے۔ اس تعلق سے میں نے بہت غور و فکر کیا، لیکن حیرت ہے کہ جب جب غور کرتا تو گھوم پھر کر ایک ہی شخص ذہن کی اسکرین پر جم جاتا، وہ شخص کوئی اور نہیں اسید الحق تھے۔“ (خامہ تلاشی ص ۸/۹)

خامہ تلاشی کا آغاز اپریل ۲۰۰۵ء کے شمارے سے ہوا اور یہ سلسلہ دسمبر ۲۰۰۶ء تک جاری رہا۔ ہمیں یاد ہے کہ استاذ محترم امام علم و فن فرماتے تھے کہ ”خامہ تلاشی کسی ایک انسان کی کاوش نہیں بلکہ اس کالم کو پوری ٹیم مل کر تحریر کرتی ہے اور اس ٹیم میں کوئی علم حدیث کا ماہر ہے تو کوئی علم تفسیر کا، کوئی تاریخ کا اور کوئی شعر و ادب کا۔“ اسی طرح لمبی فہرست گنوانے کے بعد فرماتے کہ ”خوشتر نے بڑی محنت سے یہ ٹیم بنائی ہے۔“ مگر حقیقت یہ تھی کہ مدرسہ قادریہ کی بوسیدہ چٹائی پر بیٹھا ہوا ایک نوجوان صرف ایک دن میں اور کبھی کبھی ایک نشست میں خامہ تلاشی لکھ دیا کرتا تھا.....

ایں سعادت بزرگوار و نیست

الحدیث، (۱۹) اللالی الحسان فی علوم القرآن، (۲۰) قصیدتان رائعتان، (۲۱) قصیدہ بانٹ سعاد، (۲۲) قصیدہ بردہ، (۲۳) المعتقد المعتقد، (۲۴) مشکوٰۃ شریف، (۲۵) تفسیر بیضاوی، (۲۶) مراح الارواح، (۲۷) شرح مآۃ عامل، (۲۸) نخبۃ الفکر۔

**تلامذہ:** شیخ صاحب فرمایا کرتے تھے کہ ”میں اپنے مدرسے کے لیے اپنی ٹیم تیار کر رہا ہوں“ انھوں نے یہ ٹیم تیار بھی کر دی۔ آپ سے بہت سے طلبہ نے استفادہ کیا، مگر آپ کے چند مخصوص تلامذہ کے نام ہم یہاں تحریر کر رہے ہیں جو آپ کی تیار کردہ ٹیم کا حصہ ہیں:

- (۱) برادر عزیز مولانا فضل رسول محمد عزام میاں قادری (مہتمم مدرسہ عالیہ قادریہ، بدایوں شریف)
- (۲) مولانا سید عادل محمود کلیسی (سجادہ نشین خانقاہ کلیمیہ، کٹرہ، شاہجہان پور)
- (۳) مولانا مفتی دلشاد احمد قادری (مدرس مدرسہ عالیہ قادریہ، بدایوں شریف)
- (۴) مولانا مجاہد قادری (مدرس مدرسہ عالیہ قادریہ، بدایوں شریف)
- (۵) مولانا خالد قادری مجیدی (مدرس مدرسہ عالیہ قادریہ، بدایوں شریف)
- (۶) مولانا محمد عاصم قادری مجیدی (مدرس مدرسہ عالیہ قادریہ، بدایوں شریف)
- (۷) مولانا مبشر قادری مجیدی (مولانا محمد رضوان قادری مجیدی)
- (۸) مولانا محمد بدر عالم قادری مجیدی
- (۹) مولانا انور قادری مجیدی
- (۱۰) مولانا کاشف نہاد قادری مجیدی
- (۱۱) مولانا عبد العظیم قادری مجیدی
- (۱۲) راقم الحروف

**طلعی خدمات:** درس و تدریس (اگر باقاعدہ ہو تو) اپنے آپ میں اتنا بڑا کام ہے کہ اس کے بعد کوئی دوسرا کام کرنا بہت مشکل ہے۔ ہماری اس بات کو وہ اساتذہ بہتر طور پر سمجھ سکتے ہیں جو کسی ادارے سے تدریسی



دسمبر ۲۰۰۹ء میں خامہ تلاشی کی تمام قسطوں کو ایک کتابی شکل دے دی گئی، جو ادارہ فکر اسلامی دہلی سے شائع ہوئی۔ خامہ تلاشی کے بعد جام نور کے شمارہ جنوری ۲۰۰۷ء میں ایک نیا کالم شروع کیا گیا جو "تعاقب" کے عنوان سے شائع ہوا۔ مصروفیت کی وجہ سے یہ کالم فروری ۲۰۰۷ء تک ہی جاری رہا۔ اس کالم میں ہندوستان بھر میں شائع ہونے والے تمام رسائل پر نظر کی جاتی اور حسن و قبح کو سامنے لایا جاتا۔ شیخ صاحب چونکہ اکابر بدایوں کی تصنیفات کو از سر نو شائع کرنا چاہتے تھے اس وجہ سے فرصت نہیں ملی اور یہ کالم بند کرنا پڑا۔ اب تو یہ جام نور کے مدیر اعلیٰ خوشتر نورانی صاحب ہی بتائیں گے کہ شیخ صاحب کی معذرت کرنے کے بعد یا تو اس کالم کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی یا کوئی اور لکھنے والا نہیں ملا؟ شیخ صاحب کے تحقیقی مضامین ان کی علمی خدمات کا جیتا جاگتا ثبوت ہیں۔ تفصیل کا موقع نہیں اس لیے صرف چند مضامین کا ذکر کر رہا ہوں:

(۱) عربی، اردو محاورات کا تقابلی جائزہ: جام نور جولائی ۲۰۰۴ء

(۲) مصنف ابن ابی شیبہ اور فقہ حنفی: جام نور ستمبر ۲۰۰۴ء

(۳) ہم نامی کا مغالطہ: جام نور اگست ۲۰۰۴ء

(۴) عصر حاضر میں مطالعہ سیرت کی معنویت، اہمیت اور جہت (۵) نزول کے اعتبار سے قرآن کریم کی آخری آیت: جام نور

اکتوبر ۲۰۰۵ء

(۶) متن حدیث کی بازیافت: جام نور نومبر ۲۰۰۵ء

(۷) حدیث عمامہ پر ایک شبہ اور اس کا ازالہ: جام نور دسمبر ۲۰۰۶ء

(۸) ائمہ مجتہدین پر ترک حدیث کا الزام: جام نور اپریل ۲۰۰۶ء

(۹) فقہ حنفی اور عمل بالحدیث: جام نور اپریل ۲۰۰۷ء

(۱۰) کیا موجودہ تصوف خالص اسلامی ہے؟ صاحب نظر کی

تحقیق پر صاحب دل کی تنقید: جام نور جون، جولائی ۲۰۰۷ء

(۱۱) تحفظ توحید کے نام پر کتب اسلاف میں تحریف: جام نور

دسمبر ۲۰۰۷ء

(۱۲) کشف الظنون عن اسامی الکتب و الفنون، ایک تحقیقی

مطالعہ: جام نور جون ۲۰۰۸ء

(۱۳) مطبع اہل سنت و جماعت، تاریخی پس منظر اور اشاعتی

مات: جام نور مئی ۲۰۰۹ء

(۱۴) تشہد کے مسئلے میں ایک مغالطے کا تحقیقی جائزہ: جام نور

مارچ ۲۰۰۹ء

(۱۵) شمس مارہرہ اور رسالہ آداب السالکین: جام نور جون ۲۰۱۰ء

(۱۶) تقریروں میں موضوع روایات ایک لمحہ فکریہ: جام نور

اکتوبر، نومبر ۲۰۱۰ء

(۱۷) فضل حق، فضل رسول اور آزرودہ: جام نور دسمبر ۲۰۱۰ء

(۱۸) امام زین العابدین کی شان میں فرزدق تمیمی کا قصیدہ

میمیہ: جام نور اگست ۲۰۱۲ء

(۱۹) خانوادہ قادریہ اور خانوادہ علیمیہ کے روابط: جام نور اکتوبر،

نومبر ۲۰۱۲ء

(۲۰) قصیدہ بانس سعادت تحقیقی مطالعے کی روشنی میں: جام نور

فروری ۲۰۱۳ء

(۲۱) ڈاکٹر رشید عبیدی کی شرح ایک تنقیدی مطالعہ: جام نور

نومبر، دسمبر ۲۰۱۳ء

اس کے علاوہ درجنوں علمی اور تحقیقی مضامین مختلف رسائل و جرائد میں شائع ہو چکے ہیں۔ شیخ صاحب نے اکابر کی کتابوں کو جدید انداز میں ترجمہ، تخریج، تسہیل، حاشیہ اور مقدمے کے ساتھ شائع کیا۔ شیخ صاحب کی ان علمی خدمات کو اہل علم کبھی فراموش نہیں کر سکتے۔ بغیر کسی تبصرے کے ہم یہاں ان کتابوں کی فہرست پیش کر رہے ہیں:

**ترجمہ، تخریج، تحقیق (عربی سے):**

(۱) مناصحہ فی تحقیق مسائل المصالح: تاج الفحول مولانا عبدالقادر

بدایونی (مطبوعہ محرم ۱۴۱۹ھ / جنوری ۲۰۰۸ء)

(۲) الکلام السدید فی تحریر الاسانید: تاج الفحول مولانا عبدالقادر

بدایونی (نومبر ۲۰۰۸ء)

**ترجمہ، تخریج، تحقیق (فارسی سے):**

(۳) احقاق حق: سیف اللہ المسلمول مولانا فضل رسول بدایونی

(مطبوعہ جنوری ۲۰۰۷ء)

(۴) اکمال فی بحث شد الرحال (جدید نام زیارت روضہ رسول):

سیف اللہ المسلمول مولانا فضل رسول بدایونی (مطبوعہ ستمبر ۲۰۰۹ء)

(۵) حرز معظم: سیف اللہ المسلمول مولانا فضل رسول بدایونی

(مطبوعہ ستمبر ۲۰۰۹ء)

(۶) اختلافی مسائل پر تاریخی فتویٰ: سیف اللہ المسلمول مولانا فضل رسول بدایونی (مطبوعہ شوال ۱۴۳۰ھ/ ستمبر ۲۰۰۹ء)

(۷) رد و انقض: تاج الفحول مولانا عبدالقادر بدایونی (مطبوعہ ستمبر ۲۰۰۹ء)

ترتیب حضرت سید شاہ حسین حیدر برکاتی مارہروی  
ترتیب و تقدیم:

(۸) خطبات صدارت: مولانا مفتی عبدالقادر بدایونی (مطبوعہ اکتوبر ۲۰۰۸ء)

(۹) مثنوی غوثیہ: مولانا مفتی عبدالقادر بدایونی (مطبوعہ نومبر ۲۰۰۸ء)

(۱۰) مولانا فیض احمد بدایونی: پروفیسر محمد ایوب قادری (مطبوعہ دسمبر ۲۰۰۸ء)

(۱۱) ملت اسلامیہ کا ماضی، حال، مستقبل: مولانا حکیم عبدالقیوم شہید قادری بدایونی (مطبوعہ نومبر ۲۰۰۸ء)

(۱۲) نگارشات محبت احمد: مولانا محبت احمد قادری بدایونی (مطبوعہ اگست ۲۰۱۰ء)

(۱۳) باقیات ہادی: مولانا عبدالہادی قادری بدایونی (مطبوعہ دسمبر ۲۰۰۹ء)

(۱۴) احوال و مقامات: مولانا عبدالہادی قادری بدایونی (مطبوعہ دسمبر ۲۰۰۹ء)

(۱۵) مولود منظوم، سیف اللہ المسلمول کے فارسی اور اردو نعتیہ و منقبتیہ کلام کا انتخاب: (مطبوعہ دسمبر ۲۰۰۹ء)

تسہیل و تخریج:

(۱۶) فوز المؤمنین بشفاعۃ الشافعیین (عقیدہ شفاعت): سیف اللہ المسلمول مولانا شاہ فضل رسول بدایونی (مطبوعہ جنوری ۲۰۰۸ء)

(۱۷) طوابع الانوار (تذکرہ فضل رسول): مولانا انوار الحق عثمانی (مطبوعہ جنوری ۲۰۰۸ء)

(۱۸) فصل الخطاب: سیف اللہ المسلمول مولانا شاہ فضل رسول

(مطبوعہ ستمبر ۲۰۰۹ء)

ان کے علاوہ تقریباً ۵۰ کتابیں شیخ صاحب نے اپنے تلامذہ سے ترجمہ، تخریج و تسہیل کروا کے شائع کیں۔

شیخ صاحب کی علمی خدمات میں ایک بہت اہم اور تاریخی تحریر قصیدتان رائعتان (مطبوعہ تاج الفحول اکیڈمی ۲۰۱۳ء) کا مقدمہ ہے۔ اس کو دیکھ کر ہر صاحب علم و نظر شیخ صاحب کی وسعت علمی، دقت نظر اور تحقیقی اسلوب کا قائل ہوگا۔

**تصنیفی خدمات:** آپ نے ایک درجن سے زائد مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کتابیں تصنیف فرمائیں اور آپ کا قلم ہر کتاب پر داد تحقیق دیتا ہوا اپنی منزل کی طرف گامزن رہا۔ جس تیزی سے آپ کا قلم چل رہا تھا ایسا لگتا تھا کہ اگر شیخ صاحب دس سال اور رہ جاتے تو تقریباً ۵۰ علمی اور تحقیقی کتابوں کے مصنف ہوتے۔ یاد رہے کہ شیخ صاحب اپنی کتابوں کے علاوہ اکابر خانوادہ قادریہ کی ۸۰ سے زائد کتابیں شائع کر چکے ہیں جن کی تسہیل، تخریج، ترجمہ، مقدمہ، حاشیہ، ترتیب شیخ صاحب کے قلم کی احسان مند ہے۔ شیخ صاحب کبھی کبھی فرماتے تھے کہ ”ابھی تو میں اپنے اکابر کا قرض اتار رہا ہوں۔ ابھی میں نے لکھنا شروع نہیں کیا“ اس کے باوجود ان کی نوک خامہ سے درج ذیل کتابیں منصف شہود پر آ کر ارباب علم و دانش سے داد تحسین و آفریں حاصل کر چکی ہیں۔

(۱) حدیث افتراق امت تحقیقی مطالعے کی روشنی میں:

(طبع اول نومبر ۲۰۰۸ء/ طبع ثانی مئی ۲۰۰۹ء)

(۲) قرآن کریم کی سائنسی تفسیر:

(طبع اول جنوری ۲۰۰۸ء/ طبع ثانی مئی ۲۰۰۹ء)

(۳) احادیث قدسیہ:

(طبع اول نومبر ۲۰۰۸ء/ طبع ثانی مئی ۲۰۰۹ء)

(۴) قصیدہ فرزدق تسمی ایک تحقیقی مطالعہ:

(مطبوعہ اکتوبر ۲۰۱۳ء)

(۵) تذکرہ شمس مارہرہ: (مطبوعہ اکتوبر ۲۰۱۳ء)

(۶) خیر آبادیات: (مطبوعہ ۲۰۱۱ء)

(۷) عربی محاورات: (طبع اول ۲۰۱۱ء/ طبع ثانی ۲۰۱۲ء)

(۸) اسلام، جہاد اور دہشت گردی

(۹) اسلام اور خدمت خلق

(۱۰) اسلام ایک تعارف: انگلش، اردو، مراٹھی

(۱۱) خامہ تلاشی

(۱۲) وارثین انبیا: غیر مطبوعہ

(۱۳) افہام و تفہیم: غیر مطبوعہ

**اشاعتی خدمات:** حضرت اقدس صاحب سجادہ خانقاہ قادریہ بدایوں

شریف نے ۱۹۸۳ء میں خانقاہ قادریہ کا اشاعتی ادارہ ”مظہر حق“ قائم کیا۔ ۱۹۹۱ء میں اسی ادارے کا نام بدل کر ”تاج الفحول اکیڈمی“ کر دیا گیا۔ اس وقت سے آج تک یہ ادارہ نشر و اشاعت کے ذریعے دینی خدمات انجام دے رہا ہے۔

شیخ صاحب نے اس ادارے کے زیر اہتمام ایک ماہانہ رسالہ ”مظہر حق“ کے نام سے جاری کیا۔ یہ ماہنامہ ۱۹۹۷ء سے ۲۰۰۵ء تک شائع ہوتا رہا۔ اس کے علاوہ بہت ساری کتب اس ادارے سے شائع ہوتی رہیں جن میں یہ چند کتابیں قابل ذکر ہیں:

(۱) محبت، برکت اور زیارت:

حضرت اقدس الشیخ عبدالحمید محمد سالم القادری بدایونی

(۲) آئینہ مقالات:

مرتبہ ڈاکٹر شاداب ذکی بدایونی (مطبوعہ ۱۹۹۸ء)

(۳) اکابر بدایوں: مولانا احمد حسین قادری گنوری

(۴) تاج الفحول حیات و خدمات: مفتی عبدالکلیم نوری مصباحی

(۵) دیوان تاج الفحول: تاج الفحول مولانا شاہ عبدالقادر بدایونی

(۶) معراج تخیل مجموعہ نعت و منقبت:

حضرت اقدس الشیخ عبدالحمید محمد سالم القادری بدایونی

(۷) اختلاف علی و معاویہ:

تاج الفحول مولانا شاہ عبدالقادر قادری بدایونی

شیخ صاحب نے مصر سے واپس آنے کے بعد پہلی کتاب ”احقاق

حق“ (تصنیف سیف اللہ المسلمول مولانا شاہ فضل رسول قادری بدایونی)

کو ترجمہ، تخریج، تحقیق کے ساتھ جنوری ۲۰۰۷ء میں شائع کیا۔ پھر تو ایسا

لگنے لگا کہ مدرسہ قادریہ میں کتابوں کی بارش ہونے لگی اور نومبر ۲۰۱۳ء

تک ۱۰۷ کتابیں شائع ہو گئیں۔

**کتب خانہ قادریہ کی نفاذ ثانیہ خانوادہ عثمانیہ کی تاریخ ہندوستان**

ن میں تقریباً آٹھ سو سال پرانی ہے اور اس خانوادے کو آج خانوادہ قادری

یہ بدایوں کے نام سے جانا جاتا ہے۔ غرض کہ جتنی پرانی تاریخ مدرسہ قادری

یہ کی ہے اتنی ہی کتب خانہ قادریہ کی۔ یہ کتب خانہ اپنے مخطوطات کی

تعداد کے اعتبار سے بہت قیمتی ہے۔ قادری فقیروں کا یہ کتب خانہ مخطوطات

کے اعتبار سے کسی نواب یا کسی بادشاہ کے کتب خانے سے کم نہیں۔

۱۹۳۶ء میں جب عاشق الرسول مولانا عبدالقدیر قادری بدایونی قدس

سرہ ریاست حیدرآباد میں مفتی اعظم کے عہدے پر فائز ہوئے تو آپ

کی غیر موجودگی میں کتب خانہ قادری کی دیکھ بھال نہ ہو سکی۔ سقوط حیدر

آباد کے بعد جب آپ بدایوں واپس تشریف لائے اور کتب خانے کی

حالت دیکھی تو آپ کو بہت گہرا صدمہ پہنچا۔ نہ ہی فہرست کا پتہ تھا اور نہ

ہی کتابیں سلیقے سے رکھی ہوئی تھیں اور نادر و نایاب کتابوں کا کافی ذخیرہ

کتب خانے کی الماری سے نکل کر گردش ایام کے حوالے ہو گیا تھا۔

آپ کے وصال فرمانے کے بعد آپ کے جانشین و وارث حضرت الشیخ

عبدالحمید محمد سالم القادری بدایونی مدظلہ العالی نے کتابوں کی فہرست

مرتب کی جو آج بھی موجود ہے۔ تنہائی اور عظیم ذمہ داری نے اس سے

زیادہ کی مہلت نہ دی۔

۱۹۹۵ء میں شیخ صاحب فیض آباد سے بدایوں تشریف لائے

ہوئے تھے۔ اسی دوران پہلی بار آپ نے ارادہ کیا کہ کتب خانے کی

حالت کو سدھارا جائے۔ یہیں سے کتب خانے کی صفائی، سٹھرائی اور

بوسیدہ کتابوں کی جلد سازی کا کام شروع ہوا۔ چھٹی ختم ہوئی اور شیخ

صاحب کتابوں کی کسی حد تک مرہم پٹی کر کے واپس فیض آباد چلے گئے۔

۲۰۰۳ء میں قاہرہ سے واپسی کے بعد کتب خانے کا کام پھر سے شروع

ہوا۔ نئی کتابوں کے نمبر ترتیب دیے گئے اور جن پرانی کتابوں کی جلد

خراب ہو گئی تھی ان کو دوبارہ جلد سازی کے لیے نکالا گیا۔ شیخ صاحب

کتابوں کے معاملے میں بہت محتاط ہو گئے تھے۔ اس لیے جلد ساز کو

مدرسے میں بلا کر اپنے سامنے جلد سازی کراتے تھے۔ کتب خانے کا

کام جنگی پیمانے پر ہو رہا تھا اور ہر معاملے میں حضرت اقدس کی سرپرستی

اور توجہ حاصل تھی۔ اس لیے کسی کام میں دشواری نہیں آئی۔ ۲۰۰۶ء اور

۲۰۰۷ء میں دن رات کی محنت نے کتب خانے کو پھر سے زندہ کر دیا۔

اب وہ وقت آ گیا تھا کہ کتب خانہ قادری بدایوں شریف اپنی تمام تر علمی وراثتوں کے ساتھ محققین کو دعوت مطالعہ دے۔ ۲۳ اکتوبر بروز بدھ ۲۰۰۷ء بعد مغرب حضرت اقدس کے دست حق پرست سے کتب خانہ قادری کا افتتاح ہوا۔

### کتب خانے کی نشاۃ ثانیہ میں شیخ صاحب کے رفائے کار:

- (۱) مولانا ارشاد قادری (مرحوم)
- (۲) جناب سید اکرام احمد رزاقی (اورنگ آباد، مہاراشٹر)
- (۳) برادر عزیز مولانا فضل رسول محمد عزام قادری
- (۴) مولانا دلشاد احمد قادری
- (۵) مولانا خالد قادری مجیدی
- (۶) مولانا عاصم اقبال قادری مجیدی
- (۷) حافظ گلزار خاں قادری
- (۸) حافظ مبین قادری
- (۹) جناب محمد تنویر خاں قادری
- (۱۰) حافظ محمد عالم خاں قادری
- (۱۱) مولانا اقبال قادری
- (۱۲) محمد اشفاق حمیدی
- (۱۳) جناب تسنیم حسن قادری
- (۱۴) عفتان حق قادری
- (۱۵) انیس قادری (کارپینٹر)
- (۱۶) لالو (جلد ساز)
- (۱۷) راقم الحروف عطیف قادری

### کتب خانہ مدرسہ شمس العلوم گھنٹہ گھر بدایوں کی نشاۃ ثانیہ:

مجاہد آزادی مولانا عبدالماجد بدایونی (متوفی: ۱۳۵۰ھ/۱۹۳۱ء) کے عظیم کارناموں میں سے ایک مدرسہ شمس العلوم، گھنٹہ گھر، بدایوں کی عظیم الشان عمارت بھی ہے۔ واضح رہے کہ مدرسہ شمس العلوم مولانا عبدالماجد بدایونی کے والد مولانا حکیم شہید عبدالقیوم قادری (ف: ۱۳۱۸ھ) نے صفر ۱۳۱۷ھ میں حضرت تاج الفحول کی اجازت سے جامع مسجد شمس بدایوں میں قائم کیا تھا۔ اس کے بعد مولانا عبدالماجد نے اپنے استاذ اور پیر و مرشد کی اجازت سے یہ عمارت تعمیر کرائی۔

اس عمارت میں مولانا بدایونی نے ۱۹۱۹ء میں ایک کتب خانہ قائم کیا تھا جس میں ہزاروں کتابیں موجود تھیں اور کتابوں کو رکھنے کا انتظام بہت سلیقے سے کیا گیا تھا، مگر وقت اور حالات بدلتے رہے اور کتب خانہ مدرسہ شمس العلوم بدایوں بھی تقریباً قصہ پارینہ ہو گیا۔

شیخ صاحب کتب خانہ قادریہ سے فارغ ہوئے تو آپ نے ارادہ کیا کہ مدرسہ شمس العلوم کے کتب خانے کی زیارت کر لی جائے۔ وہاں جا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ موجودہ حالت کے ساتھ اس کتب خانے کی صرف زیارت ہی ممکن ہے، وہ بھی دور سے۔ اسی وقت آپ نے فیصلہ کیا کہ اب اس کتب خانے کو بھی اپنے خلوص و محبت سے حصہ عطا کیا جائے۔ وہاں سے مدرسہ قادریہ بدایوں واپس آئے اور حضرت اقدس سے اجازت چاہی۔ چونکہ یہ ادارہ بھی حضرت کی سرپرستی میں ہے، اجازت فوراً مل گئی اور اگلے ہی دن سے کتب خانہ مدرسہ شمس العلوم میں شیخ صاحب کی مسند سج گئی اور انہوں نے اپنی ٹیم کے ساتھ روز و شب ایک کر دیے۔ عمارت کی مرمت ہونے لگی، رنگ و روغن کا کام تیز ہوا، کتب خانہ اور دارالمطالعہ کا فرنیچر بننے لگا اور شیخ صاحب کتابوں کی فہرست و نمبرات کو ترتیب دینے میں مصروف ہو گئے۔ بوسیدہ کتابوں کی جلد سازی ہوئی اور یہاں بھی شیخ صاحب کی نفاست پسندی اور سلیقہ مندی کے آثار نمایاں ہونے لگے۔ آپ نے فرمایا کہ اس کتب خانے سے بہت سی نادر کتابیں غائب ہیں۔

کتب خانے کی الماریوں کی مرمت ہوئی اور کتابوں کو اس میں خوب صورتی سے سجایا گیا۔ بہت سی کتابیں شیخ صاحب نے اپنے پاس سے اس کتب خانے کو نذر کیں اور انگریزی کتب کا ایک بڑا ذخیرہ جناب فرخ نعیم قادری نے ابو ظہبی سے بھیجا جس کو ان کے دادا ”مولوی فضل حق“ کے نام سے سیکشن بنا کر اس میں رکھا گیا اور بہت سی کتابیں عارف پرویز قادری بدایونی (جو حضرت اقدس سے نسبت ارادت بھی رکھتے ہیں اور شاعر بھی ہیں) نے پیش کیں۔ کتابوں کا ایک قیمتی ذخیرہ ڈاکٹر صداقت اللہ خاں بدایونی (مرحوم) نے نذر کیا۔ (ڈاکٹر صاحب بھی خانقاہ قادریہ کے پرانے وابستگان میں تھے۔)

یہ کتب خانہ چونکہ شہر کے وسط میں قائم ہے، اس لیے شیخ صاحب نے چاہا کہ اس کو پبلک لائبریری بنایا جائے۔ حضرت اقدس



سے اجازت حاصل کی اور اس کتب خانے کے لیے بہت سے اخبارات و جرائد (اردو، ہندی، انگریزی) جاری کروائے۔ حضرت اقدس نے کتب خانے کا نام ”مولانا عبدالماجد پبلک لائبریری“ تجویز فرمایا۔ اس لائبریری میں جدید تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے ایک دارالمطالعہ قائم کیا، جس کا نام ”فریدی دارالمطالعہ“ رکھا گیا۔ لائبریرین کے فرائض جناب محمد تنویر خاں قادری کے سپرد کیے۔

۲۷ شعبان ۱۴۲۹ھ / ۷ اگست ۲۰۰۸ء کو مولانا عبدالماجد بدایونی کے ۱۲۵ ویں یوم ولادت کے موقع پر حضرت اقدس حضور صاحب سجادہ خانقاہ قادریہ کے مبارک ہاتھوں سے اس کتب خانے کا افتتاح عمل میں آیا۔ اس موقع پر پروفیسر خواجہ اکرام (ڈائریکٹر قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان)، مولانا خوشتر نورانی، مولانا ذیشان احمد مصباحی اور مولانا سجاد مصباحی موجود تھے۔

**علمی دورے:** شیخ صاحب کی مصروف زندگی پر اگر نظر ڈالی جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ آپ نے خود کو علم کے حصول اور علم کی خدمت کے لیے کس طرح وقف کر رکھا تھا۔ مدرسہ قادریہ میں درس دینا اور اکابر کی کتابوں کو تخریج و تحقیق وغیرہ کے ساتھ شائع کرنے کے علاوہ آپ کا ذوق مطالعہ اور جستجوئے علم کہاں کہاں لیے پھرتی رہی، یہاں ہم شیخ صاحب کے علمی دوروں کو دو حصوں میں تقسیم کریں گے:

(۱) کتب خانوں اور لائبریری کے سفر

(۲) سیمینار اور سیمپوزیم میں شرکت کی غرض سے یا مدارس اسلامیہ میں ممتحن کی حیثیت سے یا کسی خاص عنوان پر علمی لیکچر کی غرض سے یا تعلیمی انعامی مقابلوں میں فیصل کی حیثیت سے آپ کے دورے۔

استاذ محترم امام علم و فن فرماتے تھے کہ ”کتاب پڑھنے کا شوق الگ ہے اور کتاب ڈھونڈنے کا شوق الگ“ اور ہم دیکھتے ہیں کہ شیخ صاحب میں یہ دونوں شوق بدرجہ اتم موجود تھے۔ شیخ صاحب کو پڑھنے کا شوق بھی تھا اور عادت بھی تھی۔ شیخ صاحب اکثر فرماتے تھے کہ ”میرے لیے سب سے بڑی سزایہ ہے کہ دو دن مجھے کچھ پڑھنے کے لیے نہ دیا جائے۔“ اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ لوگ اپنی دلچسپی کے مطابق کسی خاص موضوع پر ہی مطالعہ کرتے ہیں، مثلاً کسی کو سنجیدہ ادب پسند ہے تو کسی کو مزاحیہ، کسی کو تاریخ کے مطالعے سے دلچسپی ہے تو کسی کو

جغرافیائی مطالعے سے شغف ہے اور اگر مطالعہ کا دائرہ اسلامی لٹریچر پر محیط ہو تو کسی کو علم حدیث میں مہارت ہوتی ہے تو کوئی علوم قرآن کے مطالعے سے اپنی آخرت سنوارتا ہے۔

مگر شیخ صاحب کا حال ذرا مختلف ہے۔ شیخ صاحب کو علم حدیث میں نظر رکھنے والے اس میدان میں وسیع المطالعہ سمجھتے ہیں تو علوم قرآن سے دلچسپی رکھنے والے ان کو اس میدان کا مرد مجاہد جانتے ہیں۔ ہمیں یہاں بات کو زیادہ طول نہیں دینا ہے اس لیے صرف اتنا عرض کر کے گزر جائیں گے کہ موضوعات کے تنوع کا اندازہ ”خامہ تلاشی“ پڑھ کر لگایا جا سکتا ہے۔ ہمیں یاد پڑتا ہے کہ شیخ صاحب نے خود اپنے قلم سے اس بات کا اظہار کیا ہے کہ ”پڑھنے کے معاملے میں ہمارا معدہ بہت مضبوط واقع ہوا ہے۔ تفسیر کشاف اور صحیح ابن حبان سے منقلوٹی کی عبرات و نظرات تک اور محمد حسین آزاد کی آب حیات سے لے کر قرۃ العین حیدر کی گردش رنگ چمن تک ہم ہر قسم کا مواد ہضم کر سکتے ہیں۔“

قصہ مختصر شیخ صاحب کو پڑھنے اور کتاب ڈھونڈنے کا شوق بہت سے کتب خانوں کی سیر کرایا۔ جن کتب خانوں اور لائبریریوں میں شیخ صاحب کتابوں کی تلاش میں گئے ان میں سے بعض کتب خانوں کے نام ہم یہاں تحریر کر رہے ہیں:

(۱) کتب خانہ مدرسہ اعجاز العلوم: کھیتہ سرائے، جونپور ۱۹۹۶ء

ہمراہ مولانا ذاکر مولانا محبوب

(۲) شبلی نعمانی لائبریری: ندوۃ العلماء، لکھنؤ، ۱۹۹۶ء

ہمراہ امام علم و فن خواجہ مظفر حسین و مفتی عبدالحکیم نوری مصباحی

(۳) خدا بخش لائبریری: پٹنہ، ۱۹۹۷ء

(۴) لائبریری لکھنؤ یونیورسٹی: لکھنؤ، ۱۹۹۶ء

ہمراہ امام علم و فن خواجہ مظفر حسین و مفتی عبدالحکیم نوری مصباحی

(۵) مولانا آزاد لائبریری: علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، ۱۹۹۸ء

ہمراہ ڈاکٹر احمد مجتبیٰ صدیقی

(۶) دارالمصنفین: اعظم گڑھ، ۲۰۰۶ء

ہمراہ مولانا خوشتر نورانی

(۷) مختار شرف لائبریری: کچھوچھو شریف، ۲۰۰۷ء

ہمراہ مولانا خوشتر نورانی

- (۸) لاہوری آستانہ صدیہ: پھونڈ شریف ضلع اور یہ، ۲۰۰۸ء
- (۹) کتب خانہ خانقاہ حافظیہ: خیر آباد شریف ضلع سیتا پور، ۲۰۱۰ء
- (۱۰) لاہوری مجلس علمی: کراچی، پاکستان، ۲۰۱۰ء  
ہمراہ مولانا خوشتر نورانی
- (۱۱) بیدل لاہوری: کراچی، پاکستان، ۲۰۱۰ء  
ہمراہ مولانا خوشتر نورانی
- (۱۲) رضا لاہوری: رام پور، ۲۰۱۱ء/ ہمراہ تنیم حسن قادری
- (۱۳) لاہوری عثمانیہ یونیورسٹی: حیدرآباد، ۲۰۱۱ء  
(۱۴) کتب خانہ فرنگی محل: لکھنؤ، ۲۰۱۱ء  
ہمراہ مولانا خوشتر نورانی
- (۱۵) شبلی نعمانی لاہوری: ندوۃ العلماء لکھنؤ، ۲۰۱۱ء  
ہمراہ مولانا خوشتر نورانی
- (۱۶) دہلی پبلک لاہوری: ۲۰۱۱ء  
ہمراہ مولانا خوشتر نورانی
- (۱۷) نیشنل آرکائیوز آف انڈیا: ۲۰۱۱ء  
ہمراہ مولانا خوشتر نورانی
- (۱۸) کتب خانہ جامعہ نظامیہ: حیدرآباد، ۲۰۱۱ء
- (۱۹) مولانا آزاد عربی فارسی لاہوری: ٹونک راجستھان، ۲۰۱۲ء  
ہمراہ مولانا خوشتر نورانی و مولانا سجاد عالم مصباحی
- (۲۰) کتب خانہ مسجد نبوی: مدینہ منورہ، سعودی عرب/ ۲۰۱۲ء
- (۲۱) اسٹیٹ سینٹرل لاہوری: ممبئی، ۲۰۱۳ء  
ہمراہ جناب اسحاق پٹنی
- (۲۲) کریگی لاہوری: ممبئی، ۲۰۱۳ء  
ہمراہ جناب اسحاق پٹنی
- (۲۳) The K.R. Cama Oriental Institute  
Library, Mumbai دسمبر ۲۰۱۳ء
- (۲۴) لاہوری جامعہ ہمدرد: دہلی، ۲۰۱۳ء  
ہمراہ مولانا خوشتر نورانی
- (۲۵) کتب خانہ قادری: درگاہ غوث اعظم بغداد شریف، ۲۰۱۳ء  
مارچ ۲۰۱۳ء (یہ آخری کتب خانہ ہے جس میں شیخ صاحب اپنی شہادت

سے دو دن پہلے حاضر ہوئے تھے۔)

شیخ صاحب کے دوروں کی دوسری قسم ذرا تفصیل طلب ہے۔ شیخ صاحب کا رجحان عوامی جلسوں سے زیادہ علمی نوعیت کے پروگراموں کی طرف تھا، اسی وجہ سے آپ عوامی جلسوں میں کم دیکھے گئے۔ وابستگان سلسلہ کے بے حد اصرار پر کبھی کبھی جلسوں میں شریک ہوتے اور اکثر جلسوں میں راقم الحروف کو روانہ فرماتے اور یہ کہتے ”میں عطیف صاحب کے حق میں دستبردار ہو گیا ہوں۔“

شیخ صاحب جن پروگراموں میں تشریف لے جاتے وہ یا تو کسی سیمینار یا سیمپوزیم کی شکل میں ہوتے یا خالص علمی و تحقیقی لیکچرز کی شکل میں جن میں سوالات کرنے کی عام اجازت ہوتی یا پھر مدارس اسلامیہ کے سالانہ امتحان کے موقع پر ان کو یاد کیا جاتا یا تعلیمی مقابلوں میں حکم کی حیثیت سے ان کی شرکت ہوتی۔

**ترجمی خدمات:** کسی مفکر نے کہا ہے کہ ”بغیر تربیت کے تعلیم حاصل کرنے سے بہتر ہے کہ انسان تعلیم نہ حاصل کرے۔“ یہ قول کتنا سچا ہے یہ تو ہم نہیں کہہ سکتے مگر تربیت کی اہمیت سے انکار بھی نہیں کیا جاسکتا۔ شیخ صاحب کی شخصیت تعلیم و تربیت کی جامع تھی۔ اس لیے آپ تعلیم کے ساتھ تربیت کی اہمیت و ضرورت سے اچھی طرح واقف تھے۔

اس لیے آپ نے ایک ادارہ قائم کیا جس کا نام ”الازہر انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز“ رکھا۔ اسی ادارے کے زیر اہتمام آستانہ عالیہ قادریہ بدایوں شریف میں مدارس اسلامیہ کے طلبہ کے لیے تربیتی ورکشاپ کا اہتمام کیا، جس میں طلبہ کو دور حاضر کے چیلنجز اور تقاضوں سے واقف کرایا گیا اور مختلف عنوانات پر لیکچرز دیے گئے۔ یہ ورکشاپ ۱۸/۲۹ جنوری ۲۰۰۶ء تک رہی۔ ۱۲ دن کے اس ورکشاپ میں ۵۰ سے زائد مدارس اسلامیہ کے طلبہ شریک ہوئے۔ یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ ان ۱۲ دنوں میں قیام و طعام کا جو انتظام کیا گیا وہ مہم نوازی اور سخاوت عثمانی کے حسین امتزاج پر مبنی تھا۔ اس ورکشاپ میں مفتی آل مصطفیٰ مصباحی، مولانا خوشتر نورانی، مولانا نعمان ازہری اور مولانا سجاد مصباحی نے لیکچرز دیے، جبکہ مولانا منظر الاسلام ازہری نے امریکہ سے بذریعہ فون لیکچر دیا اور تقابل ادیان پر مولانا محمد احمد نعیمی نے لیکچر دیا۔ اس ورکشاپ میں مختلف اقسام کے علمی مقابلے بھی

ہوئے اور انعامات دیے گئے، طلبہ کو آمدورفت کا کرایہ بھی پیش کیا گیا۔ دوسری مرتبہ ۸/۱۱ تا ۱۱/۱۲ فروری ۲۰۰۷ء میں تعلیمی و تربیتی ورکشاپ کا انعقاد بعنوان ”مقابلہ علوم حدیث“ کیا گیا۔ اس مقابلے کے لیے شیخ صاحب نے علوم حدیث کے نام سے ایک کتاب ترتیب دی تھی اور مدارس اسلامیہ میں یہ کتاب مقابلے سے دو ماہ قبل بھیجی گئی تاکہ طلبہ اچھی تیاری کے ساتھ شریک مقابلہ ہوں۔

۱۱/۱۲ فروری ۲۰۰۷ء کو تقسیم انعامات کا جلسہ ہوا جس میں مہمان خصوصی کی حیثیت سے شرف ملت حضرت سید محمد اشرف میاں مارہروی تشریف لائے اور آپ کے مبارک ہاتھوں سے انعامات تقسیم ہوئے۔ اسی طرح اسکول و کالج کے طلبہ کے لیے تعلیمی و تربیتی ورکشاپ کا انعقاد کیا گیا۔ اسکول و کالج کے طلبہ کی علم دین سے ناواقفیت کو دیکھتے ہوئے شیخ صاحب نے ان کی تعلیم و تربیت کا ارادہ فرمایا۔ پہلا ورکشاپ ۸/۲۲ مئی ۲۰۰۵ء تک رہا اور یہ شمالی ہندوستان میں اہل سنت و جماعت کا منفرد ورکشاپ تھا۔ اس ورکشاپ میں طلبہ کو بنیادی مسائل مثلاً نماز، روزہ، حج و زکوٰۃ سے آگاہ کیا گیا۔ اس کے ساتھ ”توحید و شرک“، ”عقیدہ ختم نبوت“ اور ”نکاح و طلاق“ کے عنوانات پر شیخ صاحب نے لیکچر دیے۔ اس ورکشاپ کے لیے انہوں نے نصاب ترتیب دیا اور اساتذہ مقرر کیے اور طلبہ کے لیے تعلیمی مقابلوں کا اہتمام کیا۔

۲۳/۳۰ جون ۲۰۰۵ء ”فہم اسلام ہفتہ“ کے عنوان سے ایک ہفتہ مختلف عنوانات پر مختلف لیکچرز کا اہتمام کیا گیا جس میں دور حاضر کے عظیم محقق ڈاکٹر سید علیم اشرف جاسی نے ”اسلام اور جہاد“ کے عنوان پر بھرپور لیکچر دیا۔ اسی طرح ہر سال گرمیوں کی تعطیل میں اسکول و کالج کے طلبہ کے لیے تعلیمی و تربیتی ورکشاپ کا اہتمام کیا جاتا رہا۔

**خدمت خلق:** شیخ صاحب نے تدریس و تصنیف، تقویٰ و طہارت کے ساتھ ساتھ خدمت خلق کو بھی بڑی سنجیدگی سے لیا اور اس میدان میں کارہائے نمایاں انجام دیے۔ شیخ صاحب نے ہزاروں غریب مریضوں کا علاج کرایا۔ خدمت خلق کے حوالے سے شیخ صاحب کی خدمات کی چند جھلکیاں اس طرح ہیں:

**پانی کی سہیلیں:** شیخ صاحب شدید گرمی کے موسم میں ہر سال ٹھنڈے پانی کی سہیلوں کا انتظام شہر کے مختلف حصوں میں کیا کرتے تھے۔

خاص طور سے ریلوے اسٹیشن، بس اسٹینڈ اور درگاہوں پر مدرسہ قادریہ کے طلبہ کو بھیجا کرتے تھے۔ ٹھنڈے پانی کے ساتھ ہر آدمی کو اسلام کے تعارف پر مشتمل ہندی زبان میں ایک فولڈر بھی دیا جاتا تھا۔ خدمت خلق کے ذریعے تبلیغ اسلام کا یہ طریقہ خانقاہوں کی پرانی روایت ہے۔

**مفت تعلیم:** شیخ صاحب چوں کہ خود تعلیم یافتہ تھے، اس لیے تعلیم کی اہمیت سے واقف تھے۔ آپ بہت سے نادار طلبہ کی کفالت فرماتے اور ان کی فیس ادا کرتے تھے۔ ملک اور بیرون ملک کے بہت سے طلبہ شیخ صاحب کی اس صفت کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ یہ تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے وہ طلبہ کون ہیں اور کتنے ہیں۔ بعض کو ہم بھی جانتے ہیں، مگر ان کی تاکید کہ ”راز کوراز ہی رہنے دو“ پر عمل کرتے ہوئے خاموش ہیں۔

**شاعری:** شیخ صاحب نے شاعری کم کی، مگر بے مثال کی۔ فن شاعری پر آپ کی بہت گہری نظر تھی، جس کا ثبوت قصیدتان رائے اہل سنت و تحقیقی مقدمہ ہے۔ شیخ صاحب کو اردو، عربی اور فارسی کے ہزاروں اشعار یاد تھے جس کا اظہار گفتگو اور تحریر میں باجبا ہوتا تھا۔

شیخ صاحب کا تعلق جس خانوادے سے ہے، اس میں بہت سے قادر الکلام شاعر گزرے ہیں۔ آپ کے والد، تایا اور آپ کے دادا پر دادا اور پر دادا کے والد تمام کے تمام نہ صرف شاعر بلکہ شاعر گزرے ہیں۔ ایسے ماحول میں شیخ صاحب کا شعر کہنا کوئی تعجب کی بات نہیں۔

شیخ صاحب کی شاعری پر تبصرہ تو کوئی ڈرف نگاہ ناقد ہی کر سکتا ہے، مگر ہم یہاں اتنا عرض کریں گے کہ آپ اپنے پر دادا تاج الخول کے اس شعر کے ذریعے اپنی شاعری پر خود تبصرہ فرماتے تھے:

ان کی مدحت سے غرض ہے شعرا کچھ بھی کہیں

**وقاات:** ۲۵/۱۲ فروری ۲۰۱۳ء کو زیارت کی غرض سے آپ اپنے والد ماجد کے ساتھ، جس میں راقم بھی شریک تھا، بغداد معلیٰ گئے، وہاں ایک دہشت گردانہ حملے کی زد میں آگئے اور ۲۴ مارچ ۲۰۱۳ء/۲ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ کو عراقی وقت کے حساب سے دوپہر کے دو بج کر تیس منٹ پر آپ شہید ہو گئے اور ۶ مارچ ۲۰۱۳ء کو بعد نماز عصر حضرت اقدس حضور صاحب سجادہ خانقاہ قادریہ بدایوں نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور غوث اعظم کی درگاہ میں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔ □□□

☆ خانقاہ عالیہ قادریہ، مولوی محلہ، بدایوں شریف (یوپی)

## کچھ یادیں کچھ باتیں

ہماری صف سے ایک ایسا سپاہی چلا گیا جو اس جماعت کے دفاع کے لیے دس درے درے قدمے لڑنے تیار رہتا تھا

عرفان صدیقی کا شعر یاد آ گیا۔  
 اک نظر دیکھ کے دنیا تہہ و بالا کر دے  
 ایسی آنکھوں کو تو بیمار نہیں مانتا میں  
 وہ اپنی مسکراتی ہوئی آنکھوں سے کافی کچھ کہہ دینے کے ساتھ  
 ساتھ پچھلوں کا پتہ اور اگلوں کا سراغ بھی دے دیا کرتے تھے۔  
 مسکرانا ان کی فطرت میں تھا، ان کو اس کام میں مشقت نہیں کرنا  
 پڑتی تھی، وہ اگر خاموش بھی ہوتے تھے تو لگتا تھا کہ مسکرانے کا ارادہ  
 رکھتے ہیں اور یہ بخبری اکثر ان کے خوبصورت دہانے سے مل ہی جایا  
 کرتی تھی۔

وہ کم گو تھے لیکن بولنے کے لیے لفظوں کا خزانہ ہر وقت تیار رکھتے  
 تھے، ان کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ یہ جانتے تھے کہ کیا نہیں بولنا  
 ہے اور یہ بھی جانتے تھے کہ جس سے بولنا ہے اس سے کیا نہیں چھوڑنا  
 ہے۔ عام لوگوں سے گفتگو بہت سادہ اور ان کے فہم کے مطابق کرتے،  
 میں نے انہیں بارہا دیکھا وہ بہت ہی سنبھل کر سلیقے کے ساتھ گفتگو کرتے  
 گویا کہ کوئی کتاب پڑھ رہے ہیں۔ ان کے حلقے میں چند ہی ایسے افراد  
 تھے جن سے وہ کھل کر گفتگو کرتے تھے اور خوب گفتگو کرتے تھے۔ لیکن  
 اس کے ساتھ ساتھ ایک خوبی اور بھی تھی کہ وہ بے تکلف حضرات سے  
 بھی گفتگو کرنے میں اپنے ان خطوط سے کبھی تجاوز نہیں کرتے تھے جو  
 انہوں نے اپنی شخصیت کے تحفظ کے لیے متعین کیے تھے۔

اسید میاں بہت نپے تلے قدموں سے چلا کرتے تھے۔ نگاہیں  
 نیچی کیے نہ بہت دھیمے نہ بہت تیز بلکہ بے حد متوازن اور باوقار طریقے  
 سے جو خرام ہوتے۔ شیخ صاحب اگر تنہا بھی چل رہے ہوتے تو بھی یہ لگتا  
 تھا کہ ساتھ ساتھ کوئی وفد چل رہا ہو۔ یقیناً وہاں ایک وفد ہی ساتھ ہوتا  
 تھا، جس میں اتحاد ملت کا درد، جماعت اہل سنت کی شیرازہ بندی کی فکر،

تقریباً بیس پچیس برس پیچھے ماضی میں دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا  
 کہ اچانک یادداشت کے منظر نامے پر بدایوں شریف کا جلوس محمدی  
 ﷺ طلوع ہوا۔ حضرت صاحب سجادہ خانقاہ قادریہ بدایوں شریف  
 کے زیر قیادت جلوس محو خرام ہے۔ صف قیادت میں کالی ٹوپی اور کالی  
 شیروانی پہنے ایک صاحب زادے ہاتھوں میں پھول لیے مسکراتے  
 ہوئے بے تکان متانت کے ساتھ سرکارِ دو عالم ﷺ کی محبت میں سرشار  
 آگے آگے چل رہے ہیں، لوگ ان کو دیکھ رہے ہیں اور خاص بدایونی  
 انداز میں تعریفیں کر کے نظریں لگا رہے ہیں بس، یہیں سے وہ منظر  
 تبدیل ہونے لگے، بیس پچیس سال پہلے کے وہ وجیہ ضاحج زادے ایک  
 عالم ربانی، ایک صاحب طرز ادیب، قادر الکلام شاعر، ایک مہذب  
 خامہ تلاش، حنفی مسلک، صوفی مشرب تشخص کا غماز اپنے علم اور کردار کی  
 تابانیاں بکھیرتے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔ "کم وقت اور کام زیادہ" کا  
 ہمہ وقت اعتراف کرنے والی وہ شخصیت کم وقت میں زیادہ کام کر کے  
 صرف ۳۸ سال کی عمر میں اس دنیا سے رخصت ہو گئی، جس کو کوئی اسید  
 الحق پکارتا تھا، کوئی عاصم میاں صاحب، کسی کے وہ شیخ صاحب تھے اور  
 کسی کے چہیتے "بھیا۔"

وے صورتیں الٹی کسی دیں بستیاں ہیں:

میں ان کی یادوں اور باتوں کو صفحہ رقمطاس پہ لانے کے لیے ان  
 کی حیات کے آئینے میں ان کو تلاش کرتا ہوں تو سب سے پہلے مجھے  
 ایک باوقار اور سنجیدہ وجود میں نہایت ہی حسین و جمیل، پر نور چہرہ نظر آتا  
 ہے جو خوبصورت بھی لگتا تھا اور متبرک بھی۔ سیاہ ریش اس چہرے  
 پر ایسی محسوس ہوتی تھی گویا رب کائنات نے اس چہرے کی بناوٹ کے  
 مطابق ہی یہ خوبصورت داڑھی و دیت فرمائی ہو، کشادہ پیشانی سے ان  
 کی خاندانی شرافت اور اعلیٰ نسبی منعکس ہوتی تھی۔ آنکھیں ایسی کہ



اپنے خاندانی ورثے کی حفاظت کا ذمہ، سواد اعظم کے لیے معیاری تحریری مواد فراہم کرنے کی سوچ، اپنے تلامذہ کی شخصیت سازی کا خیال اور سلسلہ قادریہ کی ترویج و اشاعت کا عزم، یہ سب بیک وقت ان کے ساتھ ساتھ ہی تو رہا کرتے تھے۔

وہ پہننے اوڑھنے کے معاملے میں بے حد نستعلیق تھے۔ ان کی پوشاک ان کے کردار ہی کی طرح صاف شفاف ہوا کرتی تھیں۔ ہم نے انہیں کبھی رنگین کپڑوں میں نہ دیکھا۔ علی گڑھ کٹ پاجامہ، بنا گلے کا کرتہ، مل مل کی دوپٹی ٹوپی اور خاص خاص موقعوں پر شیروانی اور جناح کیپ۔ اپنے یہاں کے اعراس کے موقعوں پر جبہ اور عمامہ، غرض کہ پہننے اوڑھنے میں بھی اپنا ایک نظم برقرار رکھا تھا۔

محفل کے آداب سے نہ صرف خاطر خواہ آگاہی تھی، بلکہ اپنے طرز عمل سے دوسروں کو بھی اس ادب کو ملحوظ خاطر کرنے کے لیے ماہل کر لیا کرتے تھے۔ میں نے ان کو دسترخوان پر بھی بے حد سلیقہ شعار اور محتاط پایا، ان کی خوراک ایسی ہی تھی جیسی بزرگوں سے ان کی کتابوں میں منقول ہوا کرتی ہے۔

ان کے اندر ایک اور چیز بہت نمایاں تھی، جس نے ان کو نہ صرف ان کے حلقے میں بلکہ تمام زمانے میں ممتاز کیا، معروف کیا اور چاہتوں کا مرکز بنایا اور وہ تھا ان کا ادب، شائستگی، انکساری اور خوش اخلاقی۔ وہ ادب کرنا اور کرانا دونوں جانتے تھے، میں نے کبھی ان کو غصے کی حالت میں بھی ادب کے دائرے سے باہر ہوتے نہیں دیکھا اور نہ ہی کوئی ایسا لفظ سنا جو ایک عالم دین کی شان کے خلاف ہو۔ وہ اپنے ہم عمر ساتھیوں، دوستوں، معاصر نو جوان علمائے کرام، بزرگ مفتیان عظام اور مشائخ کرام وغیرہم سے حسب مراتب پیش آتے۔

میرا اسید میاں سے بالمشافہ ملاقاتوں کا اور ٹیلی فون کے ذریعے باتوں کا ایک گہرا سلسلہ تھا اور پچھلے دو ایک سالوں میں تو شاید ہی کوئی دن ایسا گزرا ہو کہ ہم لوگوں نے آپس میں باتیں نہ کی ہوں۔ ہر قسم کی گفتگو مذہبی، علمی، سماجی اور خانقاہی بھی، لیکن وہ بات چیت میں ہمیشہ ایک معیار قائم رکھا کرتے تھے۔ کبھی اگر یہ محسوس کرتے کہ یہ بات کہیں کچھ زیادہ ہوگئی تو اگلے فون پر پچھلی بات کا تذکرہ کر کے یہ معلوم کر لیتے کہ وہ بات ناگوار تو نہیں گزری، نفی میں جواب ملنے پر تسلی کا اظہار کرتے،

میں نے ان میں ایک بہت امتیازی وصف پایا کہ وہ بہت صابر و شاکر قسم کے شخص تھے، اگر کسی نے بہت زیادہ تعریف کی تب بھی بہت زیادہ مسرت کا اظہار نہیں کرتے، بس ایک جواب کہ ”ارے صاحب نوازش“ اور وہ بات آگے بڑھا دیا کرتے تھے۔ اگر کسی نے کوئی دل آزاری کی بات کی تب رنجیدہ تو ہوتے لیکن اس کا اظہار اس طرح سے نہیں کرتے تھے جیسا کہ عام لوگ غصے اور بدلے کی حالت میں بدزبانی کر کے کیا کرتے ہیں۔ میں اکثر ان سے کہتا تھا کہ آپ کچھ معاملات میں کپکے صوفی ہیں، تو جواباً ارشاد ہوتا کہ ”میں صوفی وغیرہ کچھ نہیں ہوں میں صرف قلم کا آدمی ہوں اور مجھے بہت سے چھوڑے ہوئے کام پورے کرنے ہیں۔“ بارہا زور دے دے کر کہتے کہ ”ارے بھائی وقت کم اور کام زیادہ ہے۔“

اسید میاں جتنے اپنے قلمی اور خانقاہی کاموں میں سنجیدہ اور مقصد اساس تھے، اتنے ہی اپنے ذاتی اور خانگی معاملات میں سنجیدہ بھی۔ وہ اپنے والد ماجد مدظلہ کی شفقتوں اور ان کی دی ہوئی تربیت کا ہمیشہ اعتراف کیا کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ ہم آج جو کچھ بھی ہیں وہ اپنے ابا کی خاص توجہ کی وجہ سے، انہوں نے ہمارے لیے بڑی قربانیاں دیں اور آج قلم پکڑنے کے قابل بنایا۔ جب ان کے والد ماجد ان کے کسی کام پر خوش ہو کر داد و تحسین دیتے تو بہت خوشی کے ساتھ فون کر کے بتایا کرتے تھے کہ ”ابا آج فلاں کام سے بہت خوش تھے، فلاں بات پہ آبدیدہ ہو گئے“ وہ کہتے تھے اگر ہمارے ابا ہماری کسی بات سے خوش ہو جاتے ہیں تو ہماری محنت وصول ہو جاتی ہے، وہ اپنے والد ماجد کے لیے اکثر یہ شعر بڑھا کرتے تھے۔

منع نظر، خیال کے انجم، جگر کے داغ

جتنے چراغ ہیں تری محفل سے آئے ہیں

بغداد شریف جانے کے موقع پر ممبئی سے ان کا فون آیا، کہنے لگے کہ ”بہت پریشان ہوں، ابا کو Spondylitis ہوگئی ہے، ڈاکٹر نے سفر سے منع کیا ہے، لیکن ان کا بہت دل ہے تو حاضری تو ہوگی مگر اب آئندہ خیال رکھیں گے کہ ان کو زیادہ سفر نہ کرائیں۔“ اسی دوران ممبئی میں ”جشن قادری“ بھی تھا۔ مجھ سے فون پر بڑے رنجیدہ انداز میں کہنے لگے کہ ”آج قلب پر بہت بوجھ ہے کہ ابا نے جشن قادری کے بعد

مصافحہ کے لیے لوگوں سے یہ کہہ دیا کہ اب آپ شیخ صاحب سے مصافحہ کیا کریں، اللہ تعالیٰ آپ کو صحت مند اور سلامت رکھے، وہی مصافحہ کیا کریں اسی میں ہماری خوشیاں ہیں۔“

اپنے بھائیوں کے تو وہ سردار تھے اور ان کی چاہتوں کے مرکز بھی۔ دونوں بھائی اپنے بڑے بھائی کو اپنا دوست، آئیڈیل اور ہیرو مانتے تھے۔ ان کے انتقال کے بعد عطیف اور عزام دونوں نے بارہا یہ کہا کہ ”ہمیں اندازہ نہیں تھا کہ ہمارے بھیا تے تنہا کتنی محنت کر کے سارے کام خوش اسلوبی سے کر دیا کرتے تھے اور ہم لوگوں کو آزاد رکھتے۔ آج ان کے جانے کے بعد احساس ہوتا ہے کہ ہمیں تو انہوں نے جیسے پلنگ منانے کے لیے چھوڑ دیا تھا۔ درس و تدریس، مدرسہ کا انتظام و انصرام، تعمیرات کے مراحل، کتابوں کی اشاعت، اعراس کے انعقاد، علماء، مشائخ و دانشوران سے تعلقات کی از سر نو تشکیل جیسی ذمہ داریاں وہ کتنی خاموشی اور آسانی کے ساتھ نبھادیا کرتے تھے۔“

### علم و اہل علم کی توقیر کا شیوہ ترا:

ان کی علمی لیاقت پر میں بھلا کیا گفتگو کروں گا، نہ میں ان کے برابر پڑھا لکھا، نا ہی ایسا فکر و نظر کا دھنی۔ میں نے جتنا نہیں پڑھا، ذاتی طور پر سمجھا اور پڑھے لکھوں کے منہ سے ان کے بارے میں سنا اس سے یہ نتیجہ اخذ کر سکتا ہوں کہ انہوں نے اتنی کم عمری میں خالص اپنی محنت سے جتنا پڑھ لکھ لیا اور لوگوں کو پڑھنے لکھنے کی طرف راغب کر دیا شاید ایسا کم ہی لوگوں کے حصہ میں آیا ہو اور خاص کر خانقاہی نظام سے متعلق افراد تو ابھی اس جانب توجہ کم ہی رکھتے ہیں (الا ماشاء اللہ)۔ میرے برادر عزیز سید محمد امان قادری نے ان (اسید میاں) کے انتقال پر مجھ سے ایک بے حد تجزیاتی جملہ کہا کہ ”احمد بھائی! اسید میاں تمام خانقاہوں کے ولی عہدوں کی آبرو اور پیرزادوں کے لیے نمونہ عمل تھے۔“ اور یہ حقیقت بھی ہے کہ انہوں نے اپنی خانقاہ کی علمی شناخت اور دیرینہ اقدار کا اپنی مسلسل کاوشوں سے تحفظ بھی کیا اور اپنے ذاتی تشخص کو بھی ارباب علم کے درمیان قائم کرنے میں کامیاب سعی کی۔ ان کی یہ بڑی خواہش رہتی تھی کہ تمام خانقاہوں کے صاحبزادگان علمی اور عملی طور پر بے حد مضبوط اور مستحکم ہوں اور اس میں تعاون کرنے کے لیے وہ خود کو صف اول میں رکھا کرتے تھے۔ انہوں نے اپنے مدرسے میں کئی

خانقاہوں کے صاحبزادگان کو شایان شان طریقے سے علم دین حاصل کرنے کے لیے دعوت دی اور آج بھی کئی صاحبزادگان خانقاہ مدرسہ قادریہ میں زیر تعلیم ہیں۔

وہ خالصتاً قلم کے آدمی تھے، پڑھنا لکھنا ان کا اوڑھنا بچھونا تھا۔ انہوں نے چونکہ درس نظامی سے قبل جدید تعلیم بھی حاصل کی تھی اس لیے ان کی سوچ اور نظریے میں علم، حصول علم اور ترویج علم کے حوالے سے بہت وسعتیں تھیں اور شاید اسی لیے ان کی تحریروں میں جو تنوع ہے وہ ان کے معاصرین میں ہمیں کم دیکھنے کو ملتا ہے۔

رب العزت نے انہیں علم سے بھرا ہوا سینہ عطا فرمایا تھا، اور ساتھ ہی محنت کرنے کا بے پناہ جذبہ بھی۔ وہ حضور سیف اللہ المسلمول و حضور تاج الفحول کے علم و فن کے حقیقی معنی میں وارث تھے۔ اللہ تعالیٰ نے خاندان عثمانی کی تمام شرافتیں، نجابتیں، مروتیں اور سخاوتیں خوب خوب اسید میاں کو ودیعت فرمائیں تھیں اور پھر حضور شمس مارہرہ کی خاص عنایات نے سونے پے سہاگ کا کام کیا۔ یہی وجہ ہے کہ ان دعاؤں کے ساتھ ساتھ اپنی محنت شاقہ کے سبب قلیل مدت میں خود کو سارے زمانے میں متعارف کرانے میں کامیاب ہوئے۔

یہ ان کے سترہ سترہ گھنٹے مطالعہ کی محنت کا ہی کمال تھا کہ وہ بیک وقت تین عالم دین، باشعور فقیہ، ماہر حدیث داں اور مفسر قرآن نظر آتے تھے، اسی لیے ان کا قلم ہر سمت گردش کرتا ہوا نظر آتا تھا۔ وہ افتا کی زبان بھی لکھنا جانتے تھے اور ایک صاحب طرز ادیب کی حیثیت سے خاکے و انشائیے، سوانح، تنقید اور تبصرے لکھنا بھی۔ اسید میاں نے بہت سی ایسی کتابوں پر بھی مقدمے، پیش لفظ یا ابتدائیہ رقم فرمائے جن کے موضوعات سے عام لوگ یا تو دلچسپی نہیں رکھتے یا پھر ان کے خالص علمی و تحقیقی خشک ہونے کا شکوہ کرتے ہیں۔ لیکن یہ اسید میاں کی دلچسپ اور جمالیاتی تحریر کی کشش ہی کا کمال تھا کہ قاری کی ہمت بندھ جاتی تھی کہ وہ ان کی کتابوں کے ابتدائیہ، مقدمے یا پیش لفظ کی کنار پر چڑھ کر پوری کتاب پڑھنے کی ہمت کر ہی لیتا تھا۔ وہ اپنی کتابوں کو ضخیم بنانے کے لیے القاب و آداب، پیدائش اور رحلت کے آگے پیچھے بھاری بھر کم الفاظ کی باڑھ لگانے سے بے حد پرہیز کرتے تھے، جس کا انہوں نے برملا اعتراف بھی کیا اور ایسا پسند کرنے والوں کے بیجا اعتراضات کو برداشت بھی۔

(عام طور پر پڑھے لکھوں کے ساتھ ایسا ہی ہوتا ہے)۔

وہ داد کی چاہت رکھنے والوں میں سے نہیں تھے۔ لیکن خود اچھی چیزوں پر داد دینے کے بہت شوقین تھے۔ علم کا پھیلاؤ اسید میاں کا خاص مشغلہ تھا، جو بھی کتاب شائع کرتے اس کو بے حد اہتمام کے ساتھ تمام نما، مشائخ اور مذہبی اداروں میں فوراً ہی سبیل اللہ ارسال کرتے، اگر کوئی حصولِ یابی کی رسید دیتا تو اچھا اور اگر غفلت کی تو بہت اچھا۔ وہ ان حضرات تک بھی اپنی علمی کاوشوں کو تسلسل اور تواتر کے ساتھ پہنچاتے جن حضرات نے ان کے اس خلوص کے جواب میں اظہارِ تشکر ادا نہ کرنے حتیٰ کہ جوابی رسید تک نہ دینے کا عزم مصمم کر لیا تھا۔

جب ان کی ذاتی لائبریری کے افتتاح کے موقع پر میں علی گڑھ سے حاضر ہوا تو افتتاح سے قبل اپنی لائبریری کا ایک ایک سیکشن مجھے دکھایا، حقیقتاً انہوں نے بڑے سلیقے سے اپنے ارمانوں کی دنیا کو لائبریری میں سجایا تھا، اپنے خانوادے کی تمام کتب اور مخطوطات کو جس طرح انہوں نے محفوظ کیا وہ ایک قابلِ تحسین عمل ہے اور دوسروں کے لیے ترغیب بھی۔

میرا جانا جب بھی بدایوں شریف ہوتا تو اسی لائبریری میں دیر تک ان سے گفتگو ہوتی۔ وہ اپنی نئی نئی تحریرات سے مجھے آشنا کرتے اور مستقبل میں ہونے والے کاموں کی تفصیل بتاتے۔ گھنٹوں بات چیت کے بعد بھی دل نہیں بھرتا تھا، ان کے ساتھ ہر نشست ہمیشہ بڑے صحت مند اور خلوص کے ماحول میں برخواست ہوتی اور ہمیشہ ان سے ملنے کے بعد عرفان صدیقی کا یہ شعر ذہن میں گونجتا:

گر گئی صورت شمشاد قدماں آنکھوں سے

شہر کو مصر کا بازار کیا ہے اس نے

جب یہ معلوم ہوا کہ ہمارے عزیز شیخ صاحب ہی خامہ تلاش کے "ابوالفیض معینی" ہیں تب میں نے کچھ نرم نرم سا شکوہ کیا کہ آپ نے یہ راز ہم پہ ظاہر نہیں کیا، یہ تو کوئی اپنائیت نہ ہوئی؟ جواباً ارشاد ہوا "بھائی مرہ خراب تھوڑی کرنا تھا۔" ابوالفیض معینی کے نام سے اور تحریر میں سنجیدہ علمی استدلال، خالص ادبی فضا، مہذب طرزِ خطاب، مذہبی اور مسلم اصولوں میں تعلق دیکھ کر شک نہ ہوتا تھا کہ یہ چنگاری کہیں اپنے خاکستر ہی کی تو نہیں۔ بہر حال اسید میاں نے اپنے علم و فضل اور ادبی

صلاحیتوں کو وہاں بھی خوب خوب ثابت کیا اور وہ بھی اس شان کے ساتھ تم قتل کرو ہو کہ کرامات کرو ہو

ان کی کتاب "عربی محاورات" نے بین الاقوامی سطح کی شہرت حاصل کی، صرف اہل سنت و جماعت ہی کے انصاف پسند اور دیانت دار حلقے نے نہیں، بلکہ دوسرے علمی اور ادبی حلقوں میں بھی اس کام کو بے حد سراہا گیا اور عربی تخلیقی ادب میں ایک خوشگوار اضافہ تصور کیا گیا۔ حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی کی حیات و خدمات کے حوالے سے ان کی کتاب "خیر آبادیات" تو حقیقت میں کھوئے ہوئے اور بھلا دیے گئے لوگوں کو پانے کی جستجو میں ایک خوش گوار اضافہ ہے۔ پڑھے لکھے حلقوں میں اس کتاب کی بے حد پذیرائی ہوئی۔ عرسِ قاسمی کے موقع پر اس کتاب کا اجرا اور اس پر تبصرہ کرتے ہوئے میرے خال محترم اور معروف ادیب حضرت اشرف میاں صاحب نے فرمایا کہ "یہ اس سال کا بہترین علمی و ادبی شاہکار ہے"، حضرت امین ملت دام ظلہ نے خانقاہ برکاتیہ کی جانب سے اسید میاں کو اس کارنامے کے لیے بطور نذرانہ خلوص ۲۱ ہزار روپے اور "نشان تاج العلماء" (ایوراڈ) عنایت فرمایا۔

اسید میاں کی تصنیف "قرآن کریم کی سائنسی تفسیر: ایک تنقیدی مطالعہ" ایک ایسی کتاب ہے جو ان حضرات کو بڑا مدلل جواب ہے جو قرآن کریم کی آیات مبارکہ سے کھینچ تان کر کے اپنے موقف کے مطابق مطلب اخذ کر لیا کرتے ہیں اور اس کو سائنسی تفسیر کا نام دیا کرتے ہیں۔ موصوف نے اس کتاب میں خالص علمی دلائل سے ان حضرات کی صحیح رہنمائی فرمائی اور قرآن اور علوم قرآن پر اپنی مضبوط سمجھ ہونے کا بھرپور ثبوت بھی دیا۔

۱۰۰ اربع احادیث کو مع ترجمہ اور ماخذ کے ساتھ ایک بہت ہی

مفید کتاب "احادیث قدسی" کے نام سے شائع کرایا جس کا ترجمہ انگریزی میں کروا کر عصری تعلیم کے اداروں میں بھی تقسیم کروایا۔ راقم کو بھی کثیر تعداد میں یہ کہہ کر کتابیں عنایت کیں کہ میں ان کو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے اسکالرس میں تقسیم کر دوں، حدیث پاک کی تعلیمات کو عام کرنے کے لیے یہ ان کی نہایت ہی مخلصانہ کاوش تھی۔

"اسلام اور خدمتِ خلق" اور "اسلام ایک تعارف" یہ دونوں کتب عوام الناس کے لیے بے حد مفید اور معلومات بخش ہیں۔ ان کو



ہندی، گجراتی، مراٹھی میں بھی شائع کر دیا۔

شاعر کا شعر سننا جس میں کوئی ثقیل لفظ ہوتا تو اسید میاں پورا شعر سن کر خاص اس لفظ کے معنی کے حوالے سے لاعلمی کا اظہار کرتے ہوئے مطلب ضرور دریافت فرماتے اور اگر ہمیں اس کا مطلب خدا نخواستہ پتا نہیں ہوتا تب ان کے چہرے کی بشاشت اور مزاحیہ انداز کو میں فون سے محسوس کر کے اچھا خاصا شرمندہ ہو جاتا، اس سے اندازہ لگایا جائے کہ ان کے مذاق کرنے کا انداز بھی کتنا علمی اور مہذب تھا۔

اسید میاں بہت کثیر المطالعہ اور کثیر المشاہدہ شخصیت کے حامل تھے، جس کا کبھی انہوں نے نہ اظہار کیا اور نہ ہی سامنے والے کو اس وصف سے مرعوب کرنے کی کوشش کی۔ یہ باتیں اس لیے بہت اعتماد سے کہہ رہا ہوں کہ میں ان کی اس عادت کا عینی شاہد ہوں اور معترف اس بات کا ہوں کہ ہمیشہ ان سے ملاقات کے بعد معلومات میں اضافہ ہی کر کے اٹھا۔

تصوف پر جب بھی کبھی ان سے گفتگو ہوتی تو ایسا محسوس ہوتا کہ یہ بات تو بالکل سامنے کی ہے لیکن ہم نہیں جانتے تھے صوفیہ اور مشائخ طریقت کی حیات و خدمات پر ان کی گفتگو منفرد الجہت اور بے حد معلومات افزا ہوا کرتی تھی۔ وہ کبھی تصوف یا خانقاہی نظام سے متعلق تحقیق کے بغیر نہ گفتگو کیا کرتے اور نہ ہی ایسی کسی بات کو ماننے پر آسانی سے تیار ہوتے بلکہ کسی من گھڑت قصے کو سن کر ایسے مسکرا دیتے تھے کہ سنانے والا خود ہی مایوس ہو کر اپنے ہی سنائے ہوئے قصے کے استناد پر سوالیہ نشان لگالیتا تھا۔ (خود بھی راقم کئی بار اس عمل سے دوچار ہو چکا ہے) وہ علمائے کرام و مفتیان کرام کا بے حد احترام کرتے تھے، میں نے ہمیشہ ان کو موجودہ دور کے بڑے علمائے کی تعظیم کرتے دیکھا۔ اپنے استاد امام علم و فن حضرت خواجہ مظفر حسین کی علمی شان اور ان کی شخصیت کی سادگی کے بڑے مداح تھے۔ مجھ سے ان کی بہت باتیں کیا کرتے تھے۔ جب خانقاہ برکاتیہ نے خواجہ صاحب کو اعزاز دیا تو بے حد مسرور تھے، سائے کی طرح استاد کے آس پاس خدمت میں مصروف تھے۔ اکثر اعتراف کرتے کہ خواجہ صاحب نے مجھے بہت دل سے پڑھایا۔

آج بہت سے خطیب اور عالم اعلیٰ حضرت پر اپنی تحقیق اور ان کے علم و فن کے حوالے سے خود کو ماہر رضویات تصور کیے بیٹھے ہیں اور اس عمل سے دنیاوی طور پر کافی خوش بھی ہیں۔

مجھے یاد ہے کہ جب حضرت اقدس قبلہ سالم میاں صاحب مدظلہ العالی کو مسند سجادگی پر جلوہ افروز ہوئے ۵۰ سال پورے ہو رہے تھے، اس موقع پر شیخ صاحب کی خوشیاں اوج ثریا پر تھیں، انہوں نے عہد کیا کہ ان کی پچاس سالہ سجادگی کی مناسبت سے اس موقع پر قبلہ حضرت والد ماجد کی خدمت میں اپنے بزرگوں کی پچاس کتابوں کو نئی تحقیق و ترتیب کے ساتھ شائع کریں گے اور ان کی خدمت میں بطور نذر پیش کریں گے۔ وہ عہد اور دھن کے پکے تھے، انہوں نے دن رات محنت کر کے یہ ناقابل یقین کارنامہ کر دکھایا اور عرس میں انہوں نے ”جشن زریں“ منعقد کیا اور بڑے اہتمام کے ساتھ اپنے والد ماجد اور مشائخ مارہرہ کے ہاتھوں ان کتابوں کا اجرا کر دیا۔

ان کے لکھنے کا انداز بھی نرالا تھا، وہ قلم کا استعمال نہیں کرتے تھے بلکہ براہ راست کمپیوٹر پر ٹائپنگ سے کام مکمل کرتے اور کمپیوٹر و انٹرنیٹ پر اتنی مہارت تھی کہ کئی بار ایسا ہوا کہ انہوں نے میری رہنمائی فرمائی بلکہ مشکل کشائی فرمائی۔

اللہ تعالیٰ ان کے اس مشن کو ان کے برادران کے ذریعے مزید تقویت دے اور پڑھنے پڑھانے کا سلسلہ یونہی دراز رہے۔

اسید میاں کو بہت کم لوگ بحیثیت شاعر جانتے ہوں گے کیونکہ وہ بہت کم کلام کہتے تھے، لیکن جتنا کہا وہ ایسا کہا کہ لوگ پڑھتے ہی رہے سنتے ہی رہے۔ شاعری میں نئے نئے تجربات کا بے حد شوق تھا۔ شاندار نظمیں اور غزلیں کہیں، اعلیٰ حضرت کے کلام ”یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں“ کی زمین پر بے حد شاندار نعتیہ غزل کہی اور آخر میں جب انہوں نے کہا طرز رضا کی پیروی عاقبم یہ تیری شاعری حسن سخن، فکر رسا، یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

میں تو یہ شعر سن کر سوچنے لگا کہ یہی وہ بڑے کردار و ذہن کے لوگ ہیں جو جماعت کی شیرازہ بندی میں اپنا اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ ان کی کچھ نظمیں مثلاً ”دوستی کا ہاتھ“ حمد یہ نعت، غوث اعظم کی منقبت، مجھی بدایونی کے نام منظوم خط تو ایسے ہیں کہ جن کو بار بار پڑھیے اور سوز و گداز اور کیف و جذب کے عالم میں ڈوب جائیے۔ اسی اثنا میں مجھے ایک ذاتی بات یاد آئی کبھی کبھی میں ان کو عرفان صدیقی یا کسی اور جدید



فرق ہوتا ہوگا۔ انہوں نے میری یہ بات مان لی اور پھر کلام غالب پر اظہار خیال کیا اور بتایا کہ دیکھیے نو عمری کی غزل ایسی اور درمیانی عمر کی غزل میں یہ فرق اور ضعیفی کی غزل میں یہ تغیرات وغیرہ وغیرہ اور ایسے ہی دوسرے شعر کا تذکرہ فرمایا۔ میں نہیں سمجھا کہ یہ تجزیہ کیوں آخر؟ تو کہنے لگے: جناب آپ کو بتانا یہ تھا کہ یہ معاملات آپ فاضل بریلوی کے یہاں نہیں پائے گا۔ وہ نو عمری میں جو کلام اور تحریر لکھتے ہیں ایسی ہی تحریر اور شاعری وہ عمر کے درمیانی حصے میں اور عمر کے آخری دور میں بھی لکھتے ہیں اور آپ نہ مانیں تو ثابت کر دوں۔ میں نے کہا کہ اس معاملے میں آپ کی نگاہیں بہت گہری ہیں اور دیانت کی روشنی سے منور ہیں۔ علمی تحقیق میں جتنی ایمان داری اس شخص میں دیکھی ہمیں بڑے بڑے اچھوں کے یہاں نہیں ملی۔ یہ چند سطریں اس لیے لکھی کہ وہ اس دنیا سے چلے گئے لیکن یہ لوگوں کو پتہ ہے کہ عالم ربانی وہی ہوتا ہے جو علم اور علما کا احترام کرے اور اپنے گروہ کا دفاع کرے اور اسید میاں اپنی حق شناسی، حق پسندی اور حق گوئی کے حوالے سے بہت منفرد اور ممتاز رہے اور اس بات سے بے نیاز رہے کہ کوئی ہمارے کام اور ہماری صاف نیت کا معترف ہے یا نہیں، کوئی ہمارا مداح ہے یا نہیں ہے۔

برادر مکرم صاحبزادہ ڈاکٹر سید علیم اشرف صاحب سے بے حد متاثر تھے۔ وصال سے تین چار مہینے قبل مجھ سے فرمایا کہ ”احمد بھائی میں نے علیم میاں صاحب جیسا اسکالر نہیں دیکھا، اگر میں کسی موضوع پر ۱۰ کتابوں کا نام لوں اور یہ سمجھوں کہ حق ادا کر دیا تو وہ گیارہویں کا نام بتا دیتے ہیں، ان جیسا حاضر علم والا عالم دین کم ہی دیکھنے کو ملے گا۔“

معروف محقق اور قلم کار مولانا خوشتر نورانی صاحب کے ساتھ ان کی دوستی کا بیان کرنا یہ سمجھ کر کہ قارئین کی معلومات میں اضافہ ہو جائے گا، ایک خام خیالی ہے اور جام نور کا صفحہ اور قارئین کا وقت برباد کرنا ہوگا۔ کل ملا کر ایسا کہا جاسکتا ہے کہ ایسی دوستیاں کم ہی دیکھنے کو ملتی ہیں جو خونی رشتوں اور خاندانی نسبتوں پر بھاری ہوتی ہیں، لیکن ان دونوں حضرات کے مابین اس سے بھی عمیق اور مستحکم مراسم تھے۔

**تری خوبیوں کا شمار کیا: (اصلاحی سرگرمیاں)**

اگر اسید میاں ایک طرف پختہ قلم رکھتے تھے تو دوسری جانب ملت کی اصلاح کا بھرپور عزم بھی۔ بدایوں میں اکثریت الحمد للہ خوش عقیدہ

میرا دعویٰ ہے کہ اسید میاں کی اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی پر، ان کے علم و فن پر جیسی تحقیقی نظر تھی شاید ایسی عمیق نظر آپ کم ہی لوگوں میں پائے گا۔ ان کی فقہی بصیرت اور شاعری پر تو کبھی ایسی گفتگو فرماتے کہ ہم حیران رہ جاتے۔ ایک دفعہ ٹیلی فون سے میں نے قصیدہ معراجیہ کے ایک شعر کا مطلب ان سے پوچھا تو اس کے جواب میں بھی انہوں نے ایک پورے قصیدے کے حوالے سے ایک درس سا دیا اور کچھ ایسے مطالب اور معانی بتائے جو حدائق بخشش کی دوسری شرح میں شاید ہی ہوں۔ ایک دن مجھ سے کہا کہ ”تورے چندن چندر پر و کنڈل“ سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟ ہم نے جو سمجھا وہ بتایا لیکن وہ ایسا نہیں نکلا جیسا اسید میاں نے اس سے مطلب اخذ کیا۔ یہ ان کی شاعری پر گہری نگاہ کا اثر تھا۔

وہ حضرت فاضل بریلوی کی عربی دانی اور عربی شاعری سے بہت متاثر تھے اور اس حوالے سے بہت خصوصیت کے ساتھ گفتگو فرماتے تھے۔ زندگی کے آخری ایام میں جو اہم کام کیے تھے ان میں ایک ”قصیدتان رائحان“ کا اردو ترجمہ اور مقدمہ شائع کرنا بھی شامل ہے۔ اس دوران فرمایا کہ ”اعلیٰ حضرت کے اس قصیدے پر عراقی اسکالر ڈاکٹر رشید عبیدی کے اعتراضات کا جواب بھی دے رہا ہوں۔ لیکن صاحب قصیدہ پڑھ کر اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ یہ قصیدہ صرف عقیدت کا غماز نہیں، بلکہ عربی ادب کا عظیم شاہکار اور اس پر مقدمہ بھی ایسا لکھنا ہے کہ اس قصیدے کے شایان شان ہو اور ایک عربی کے طالب علم ہونے کے ناطے میرا یہ علمی فریضہ ہے کہ میں مولانا صاحب کے قصیدے پر اعتراضات کے علمی جواب دوں اور ان شاء اللہ جواب ایسے ہوں گے کہ آپ بھائی کو کہیں کم نہیں پائیں گے۔ بس اس پر حضرت امین میاں صاحب کی تقریباً ہونی چاہیے کیونکہ قصیدے کے مصنف اور جن کی شان میں قصیدہ ہے دونوں ہی مارہرہ مقدسہ کی روحانیت اور عقیدت کے اسیر ہیں۔“ پھر جیسا انہوں نے چاہا ویسا ہی ہوا اور کتاب بہت ہی عمدہ طباعت کے مراحل سے گزر کر منصف شہود پر آئی۔

ایک دفعہ رات کو فون آیا جو ہم لوگوں کے معمول کا ایک ضروری حصہ تھا، فرمانے لگے یہ بتائیے کہ غالب کی شاعری کو بہت سے ادوار میں دیکھا ہوگا؟ میں نے اثبات میں جواب دیا، کہنے لگے کیا فرق ہے؟ میں نے کہا کلام کی پختگی، زبان کا استعمال، مشاہدات وغیرہ وغیرہ کا

مسلمانوں کی ہے اور جہاں ہم لوگ اکثریت میں ہوتے ہیں، وہاں ہم اپنی تمام رسومات کے لوازمات کے ساتھ اپنے وجود کا احساس دلاتے ہیں، خواہ وہ رسوم ہمارے اسلاف کی تعلیمات سے میل کھاتی ہو یا نہیں یا ان سب پر بدعت کا اطلاق ہوتا ہو۔ اسید میاں نے بہت دانش مندی اور جرأت ایمانی کے ساتھ ان تمام چیزوں میں لوگوں کی دلچسپی کم کرنے کے لیے بہت ہی مخلص تبلیغ کی اور ہم نے بہت قلیل مدت میں اس کے مثبت اثرات بھی دیکھے۔ بدایوں شریف میں شب عاشورا اور یوم عاشورا ایک تیوہار کی طرح منایا جاتا ہے، پورا شہر دلہن کی طرح مہندیوں سے سجا ہوتا ہے، میں اس کی تفصیل میں نہیں جاتا، بس یہ بتا دوں کہ یہ اسید میاں ہی کا کارنامہ تھا کہ انہوں نے اس طرف سے توجہ ہٹانے کے لیے عوام کو اصلاحی مواد فراہم کرایا، محرم الحرام کی فضیلت اور اس کی اہمیت کو سمجھایا، خالص عقیدت مندی کے اظہار کا طریقہ بتایا۔ وہ شب عاشورا میں ذکر شہیدان کر بلا کے حوالے سے محفلیں اور اجلاس منعقد کراتے، قرآن خوانیوں کا اہتمام کراتے، تاکہ لوگوں کا دھیان ان تمام خرافات سے ہٹ کر خالص عبادت الہی اور محبت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں لگ جائے۔

ہماری جماعت میں اعراس منعقد کرانے کے کیا آداب ہونے چاہئیں، اس سلسلے میں بھی بہت سنجیدہ فکر رکھتے تھے۔ مختلف اعراس کے موقع پر خصوصاً جنیر شریف اور مارہرہ شریف کے عرسوں پر حضور بڑے سرکار قدس سرہ کی درگاہ پر اہالیان مدرسہ کی تعیناتی کرواتے اور پانی اور اصلاحی لٹریچر تقسیم کرواتے۔ مجھ سے اکثر کہتے کہ ہم لوگوں کو اعراس اور مذہبی اجلاس کی محافل میں دقت کی پابندی کا بہت خیال رکھنا چاہیے۔ جلسوں میں مائیک کو درگاہ، خانقاہ یا جلسہ گاہ تک ہی محدود رکھنا چاہیے، شہر کے اندرونی حصوں میں لگانے سے عوام کو بے حد دقت ہوتی ہے۔

اسید میاں امام عید گاہ تھے اور ساتھ ہی جامع مسجد شمس میں نماز جمعہ کے خصوصی خطیب اور امام بھی۔ انہوں نے وعظ و تقریر کو نیا انداز بخشا۔ روایتی موضوعات اور قدیم اسلوب سے ہٹ کر نہایت ہی سادہ سادہ الفاظ میں عوام کی فہم کے مطابق اصلاحی اور مذہبی معلومات پر مبنی تقاریر کا سلسلہ شروع کیا۔ ایک مرتبہ جمعہ الوداع کے بعد فون آیا کہ آج گرمی بہت تھی صاحب لہذا ہم نے مقتدیوں کی سہولت کے پیش نظر دو یا

تین منٹ میں خطبہ مکمل کیا اور چھوٹی چھوٹی سورتوں کے ساتھ جمعہ الوداع کی نماز ادا کرادی۔ آج اگر ایسی سوچ کے قائد اکثریت میں ہو جائیں تو اس قوم کو راہ راست پر آنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔

۱۴ شعبان یعنی شب برأت کے موقع پر عام طور سے ہم سنی حضرات پٹانے چھوڑنے، سخت حلوے بنانے اور سڑکوں پر گھومنے کو ایک مذہبی فریضہ تصور کرتے ہیں۔ یہ اسید میاں ہی کی سعی جمیل تھی کہ اس رات میں ایک شاندار اجتماع جامع مسجد شمس میں رکھواتے اور خود ہی میر محفل ہوتے۔ اس شب میں فضائل شب برأت پر ان کا تفصیلی بیان ہوتا، نصف رات تک اوراد و وظائف کا دور دورہ چلتا۔ رقت آمیز دعائیں مانگتے اور منگواتے۔ اس کوشش کا اثر یہ ہوا کہ اب شب برأت پر شہر بدایوں میں نہ پٹانوں کی آوازیں سنائی دیں گی اور نہ ہی افراتفری کا عالم دیکھنے کو ملے گا۔

شب قدر میں تو اسید میاں کی کاوشیں دیکھنے کے لائق ہوتی تھیں، کئی دفعہ مجھے دعوت دی کہ ایک بار آ کر تو دیکھیے مزہ آجائے گا۔ شب قدر میں وہ خصوصی طور پر پورے ضلع کے نوجوانوں کو جامع مسجد میں جمع کر لیا کرتے تھے۔ پوری رات اس شب کی مناسبت سے نوافل اور وظائف پڑھواتے، بیچ بیچ میں خود وعظ فرماتے۔ ہمارے شہر کے لوگوں کو اس شب میں مانگی جانے والی رقت آمیز دعاؤں کا بے صبری سے انتظار رہا کرتا تھا۔ اسید میاں کبھی کبھی اس شب کی روداد راقم السطور کو بہت تفصیل کے ساتھ سناتے تھے۔

شدید گرمی کے موسم میں مدرسہ کے طلبہ و کارکنان ان کی قیادت میں اندرون اور بیرون شہر ٹھنڈے پانی کی سبلیں لگواتے اور اس میں بھی انہوں نے تبلیغ کا ایک پہلو یہ نکالا تھا کہ وہ اسلام اور تعلیمات اسلام کا تعارف بزبان ہندی راہ گیروں کو پانی کے ساتھ تقسیم کرواتے۔

مریضوں کے لیے ہیلتھ کیمپ لگوانے کا عزم کیا تو اتنا بڑا ہیلتھ کیمپ لگوا یا کہ بدایوں میں اس نوعیت کا کیمپ کبھی نہیں لگا ہوگا۔ وہ ہمیشہ سرکار دو عالم ﷺ کی اس حدیث کو سامنے رکھ کر کام کیا کرتے جس میں آقا ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے ہر شخص چرواہا ہے، اور اس کو اپنے جھنڈ کا حساب دینا ہے، بس اس کو ہی سامنے رکھ کر اسید میاں سب سے پہلے اپنے اطراف میں تبلیغی، اصلاحی اور فلاحی کام شروع کیا کرتے تھے۔

سرکارِ دو عالم ﷺ کا میلاد منانے کا اتنا بڑا انوکھا طریقہ ایجاد کیا کہ تھا جس کے پیش نظر پورا بدایوں ان سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ وہ سیرت مبارکہ کے حوالے سے بارہ دن تو سبھی خطبات کا انعقاد کرتے جس میں وہ خود ہی خطیب خصوصی ہوتے تھے۔ پھر شرکائے اجلاس کے لیے ایک سیرت مسابقہ رکھتے۔ انہیں خطبات میں سے سیرت کے حوالے سے سوال مرتب کرتے تھے۔ ان بارہ دنوں میں تمام نو جوان طبقہ یہاں تک کہ خواتین اور بچے بھی ان کی اس تحریک میں محو ہو جایا کرتے تھے۔ ہر طرف ایک ہی ماحول تھا کہ فلاں سوال کا کیا جواب ہے؟ اور فلاں کا کیا؟ اس بہانے لوگوں نے سیرت پر مطالعہ شروع کیا۔ اس مسابقہ میں اول آنے والے کو حج بیت اللہ کے لیے زادراہ کا انعام ملنے سے لوگوں کے حوصلے میں اور تازگی پیدا ہوئی۔ انہوں نے سیرتِ دو عالم ﷺ کی یوم ولادت پر نکلنے والے جلوس محمدی میں خوشگوار ترمیمات کیں اور آگے بھی کرنے کا عزم رکھتے تھے۔ اسی سال مجھ سے فرمایا: آئندہ جلوس دیکھیے گا، لگے گا کہ یہ واقعی سرکارِ دو عالم ﷺ کی سچی پیروی کرنے والوں کا مجمع ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے ربیع الاول کے مہینے میں پیر کے دن کا روزہ رکھنے کی تحریک چلائی جس پر اہلیان شہر نے خلوص دل سے لبیک کہا۔ عمر کے ہر طبقے کے لوگوں نے اس نو جوان عالم ربانی کی تبلیغ کو سرا آنکھوں پہ رکھا۔ ماہ ربیع الاول شریف کے آغاز سے ۱۲ ربیع الاول تک خانقاہ قادریہ میں ایک گوشہ درود بنواتے اور تمام اہل سلسلہ اور اہالیان شہر کو دعوت دی جاتی کہ روز اس گوشے میں تشریف لائیں اور سرکارِ دو عالم ﷺ پر یہاں بیٹھ کر درود بھیجیں۔ ایک مرتبہ میں نے ان تمام کاموں کے لیے انہیں مبارک باد پیش کی تو اپنے مخصوص انداز میں فرمانے لگے ”ارے صاحب! ہم کہاں کوئی کام کرتے ہیں۔“ (وہ کبھی کبھی ایسے درد بھرے جملے غیر شعوری طور پر ادا کر ہی دیا کرتے تھے) میں نے کہا کہ ”میں نے پچھلے بیس سال سے جلوس محمدی ﷺ نہیں دیکھا۔“ فرمایا کہ ”تو ایک دن پہلے آئیے دیکھنا ہی نہیں چلنا بھی ہوگا جلوس میں۔“ میں بدایوں شریف حاضر ہوا تو دیکھا پورا شہر دلہن کی طرح سجا ہے۔ ہر گھر میں ایسا لگتا تھا کہ عاشقان رسول اپنے پیارے آقا ﷺ کی محبت میں سرشار ہیں۔ انہوں نے اپنوں کو تو ان کے آقا کے یوم ولادت کی خوشیوں میں شامل کیا ہی، لیکن ایک ایسی

تحریک بھی چلائی جو کہ ہم سب کے لیے نمونہ عمل ہے۔ وہ یہ کہ برادران وطن کے درمیان سرکار کی سیرت کا ماہ ربیع الاول میں بیان کرنا، اس کے لیے وہ بدایوں شریف کے تمام اسکولوں میں تشریف لے جاتے بلکہ ایسا جوان حوصلہ تھا کہ خالص RSS کے اسکولوں میں بھی مولویوں کا ٹولا لے کر مولوی محلے سے اچھے میاں صاحب کے چہیتے مولوی صاحب کا حقیقی معنی میں مولوی سپوت سیرت مبارکہ کی مشعل اٹھائے ہوئے ان تاریک خانوں میں پہنچا کرتا تھا جہاں کبھی کسی نے بھی سیرت مبارکہ کی روشنی پہنچانے کا تصور نہ کیا تھا۔ وہ ان اسکولوں کے طلبہ کو سرکار کی سیرت بتاتے، ہندی میں اسلام کا تعارف تقسیم کرتے، مٹھائی، چاکلیٹ تقسیم کرتے۔ یہ انداز تھا اس حق کے مبلغ اسید الحق کا۔

**تو کہاں رکنا تھا عرش و فرش کی آوازیں:**

**(مدرسہ قادریہ کی نشاۃ ثانیہ)**

اسید میاں نے مدرسہ قادریہ کی نشاۃ ثانیہ میں کلیدی کردار ادا کیا۔ مدرسہ قادریہ کی تعلیم و تربیت اور نظم و نسق کو بہتر ہی نہیں بلکہ امتیازی بنانے کے لیے وہ آخری سانسوں تک کوشاں رہے۔ ان کے طلبہ کو دیکھ کر ایسا لگتا تھا کہ وہ بہت فرحت بخش اور سکون کے ماحول میں محو تعلیم ہیں۔ وہ اپنے طلبہ کو مختلف جہتوں سے بہتر بنانے کے لیے سعی فرماتے تھے۔ ایک دن فرمایا کہ ہمارے طلبہ بھی اخبارات اور ہندوستان کے تمام معروف جرائد کا مطالعہ کرتے ہیں، وہ اپنے طلبہ کو زندگی کے کسی شعبہ میں محروم نہیں رکھنا چاہتے۔ چاہے وہ کمپیوٹر کی تعلیم ہو، معلومات عامہ ہو، کھیل کود، صحت و ورزش کے معاملات ہوں۔ طلبہ پر بے حد شفقت و مہربان اور سب سے بڑی بات کہ انہیں اپنا اثاثہ سمجھتے تھے۔ ان کے مدرسے میں بیشتر اساتذہ ان کے شاگرد تھے۔ ہم کبھی کبھی ان سے کہتے کہ آپ تو اتنی کم عمری میں (استاد الاساتذہ) ہو گئے۔ تو بڑا سادہ سا جملہ ارشاد فرما کر ”ارے صاحب چھوڑیے میں کہاں“ یہ اعتراف کرتے کہ میں واقعی بہت مطمئن ہوں کہ مجھے بے حد سمجھدار اور صاحب فہم اور محنت کرنے والے ساتھی ملے جو نہ صرف یہاں ملازمت کے تقاضے کے تحت کام کرتے ہیں، بلکہ مدرسہ کے معیار کو امتیازی بنانے کے لیے ہمہ وقت میرا بھرپور تعاون کرتے ہیں۔ وہ مدرسے میں پابندی اوقات کا بہت خیال رکھتے تھے، جو آج اداروں میں سب سے کم اہمیت کا حامل



سمجھا جاتا ہے۔ لیکن علم بانٹنے کا یہ شوق بھی نرالا تھا کہ رات کے گیارہ بجے بھی فون کر دو تو معلوم ہوتا کہ شیخ صاحب مصروف تدریس ہیں۔ اس ضمن میں ایک اور بات یاد آئی کہ وہ شہر بدایوں کے اسکولی طلبہ و طالبات کے لیے سمرکمپ لگاتے اور تمام ضروری شرعی مسائل، مذہبی معلومات، عصری اور دینی تعلیم کا نفع بخش تعلق طلبہ اور طالبات کو سمجھاتے۔ آخری روز کسی بڑے عالم کے ساتھ عصری علوم کے اداروں سے کسی باصلاحیت اور مخلص استاذ کو مدعو کرتے اور ان سے ترغیبی کلمات کے ساتھ اسناد اور انعام تقسیم کرواتے تھے۔ کئی دفعہ اس موقع پر راقم الحروف کے ذریعے بھی ہماری مادر درساہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے پروفیسر حضرات مدرسہ قادریہ حاضر ہوئے اور اسید میاں اور ان کے کاموں سے بے حد متاثر ہو کر لوٹے۔ سمرکمپ کے انعقاد سے ایک یہ بھی فائدہ ہوا کہ نوجوان طبقہ ان کے قریب آیا اور فلاحی اور دینی کاموں میں دلچسپی لینے لگا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب میں ”شناختی سمیلن“ میں بدایوں حاضر ہوا تو پورے شہر کے نوجوان اتنے انہماک کے ساتھ اس پروگرام کے انعقاد میں لگے تھے کہ کہنا ہی کیا۔

اسکولی طلبہ کے علاوہ وہ ہندوستان بھر کے مدارس اسلامیہ کے طلبہ کو زاد راہ فراہم کرا کر مدرسہ قادریہ میں بلاتے اور علمائے کرام اور دانشوران حضرات کے ذریعے ان کو نئی نئی باتوں اور معلومات سے آشنائی کراتے جس سے ان نوجوان علما کی شخصیت میں نکھار پیدا ہو، یہی وجہ ہے کہ اسید میاں کی رحلت سے نوجوان علما کا طبقہ ایک سکتے کے عالم میں ہے۔

اسید میاں کو پڑھانے کا بے حد شوق تھا، بارہا ایسا ہوا کہ شب عرس قاسمی یا عرس نوری کے بعد فوراً ردا لگی ہو گئی، رات کو تین یا چار بجے بدایوں پہنچے اور صبح فون آ گیا کہ صاحب خیریت سے پہنچ گئے اور درس گاہ میں بیٹھے پڑھا رہے ہیں۔ کبھی کبھی بے حد اعتماد کے ساتھ یہ فرماتے کہ ”صاحب اللہ کا بے حد شکر ہے کہ مدرسہ قادریہ میں چوکی دار سے لے کر مہتمم تک میرے شاگرد اور میرے تربیت کردہ ہیں۔“ اور یہ میرا ذاتی مشاہدہ ہے کہ انہوں نے تربیت ایسی کی ہے کہ مدرسہ قادریہ میں چلے جائے ذمہ دار نہ ہو لیکن ایسا لگے گا نہیں کہ کوئی دیکھنے یا خیریت پوچھنے والا نہیں ہے، مدرسہ میں کوئی شور شرابا نہیں، بے حد ادب کے

ساتھ سلام کلام کرتے ہوئے صاف ستھرے لباس میں طالب علم میں گے جن کو دیکھ کر ایسا لگے گا کہ یہ لوگ صرف پڑھنے آئے ہیں۔ وہ اپنے مدرسے کے تعلیمی شیڈول کو بہت ہی منظم اور سنجیدہ طریقے سے چلاتے تھے اور اس میں انہوں نے کبھی کوئی کمپروماز نہیں کیا۔ امتحان کے پرچے بنانے سے لے کر رزلٹ تک کے تمام مراحل میں خود کو پیش پیش رکھتے۔ تعلیمی معاملے میں پابندی اوقات کا بہت خیال رکھتے تھے۔ ادبی ثقافتی محافل کا انعقاد، کھیل کھود کے مقابلے، توسیعی خطبات غرض کہ ہر اس چیز کا اہتمام کرتے تھے جس سے طلبہ کی شخصیت اور کردار میں نکھار آئے اور ساتھ ہی اپنے سینئر طلبہ کو لکھنے کی طرف راغب کرنا ان کا خاص مشغلہ تھا۔ یہ ان کی تربیت کا ہی ثمرہ تھا کہ ماشاء اللہ مدرسہ قادریہ نے مولانا دلشاد قادری، مولانا مجاہد قادری، مولانا عبدالعلیم مجیدی، مولانا خالد مجیدی، ماسٹر تنویر قادری، مولانا عاصم اقبال قادری مجیدی، مولانا مشیر احمد قادری مجیدی، مولانا کاشف نہاد قادری مجیدی، مولانا رضوان قادری مجیدی، مولانا بدر عالم مجیدی وغیرہم جیسے اصحاب قلم پیدا کر دیے۔ ان میں سے کچھ حضرات تو ایسے ہیں جن سے مستقبل میں ہمیں بہت امیدیں ہیں۔ میں نے ان کے تمام شاگردوں کو بھی ان کا عاشق زار پایا۔ جب استاد شفیق اور پڑھانے میں ایماندار اور اپنے طلبہ کو اپنے جیسا بنانے کی نیت رکھنے والا ہو تو شاگرد بھی ساری زندگی اس کو اپنے دل میں زندہ رکھتے ہیں۔

بغداد شریف حاضری سے قبل فون آیا Thermodynamic کے اصول آپ کو معلوم ہیں؟ میں حیران ہوا کہ یہ کہاں سے ان کو شوق ہوا کہ اتنا سخت موضوع پوچھ رہے ہیں۔ خیر میں نے کچھ بات چیت کی اس پر کافی مطمئن ہوئے بیچ میں کچھ بحث و مباحثہ بھی ہوا۔ میں نے اس کی ضرورت دریافت کی تو فرمایا کہ بھائی ایسا ہے کہ میں اپنے طلبہ کو ۵۰ توسیعی خطبوں کے ذریعے قرآن اور سائنس کے حوالے سے زمین کے بننے اور اس سے جڑے ہوئے بہت سے معاملات کے بارے میں بتا رہا ہوں کیونکہ اگر کوئی ان تخلیقات میں اللہ کی قدرت دیکھنا چاہے تو اس کو جواب دینے کے لیے ہمارے طلبہ کے پاس اتنا علم ہونا چاہیے کہ وہ سامنے والے کو یہ سمجھا سکیں کہ جو کچھ بھی ہے وہ رب کائنات کے حکم سے ہے نہ کہ خود سے اور اس کے لیے ان کے بننے اور کام کرنے کا عمل



سائنسی علوم سے سمجھنا ضروری ہے۔

یہ سب سن کر بے حد اطمینان ہوا اور ذہن میں پھر عرفان صدیقی صاحب کا شعر آیا۔

فیصلہ کر کم و بیش تہہ دریا کی نہ سوچ

مسئلہ ڈوبنے کا ہے ابھر آنے کا نہیں

بجز مارہرہ مارہرہ عیدیم:

اسید میاں صاحب کو اپنے پیرخانے اور اپنے مخدوم اعلیٰ حضور قبلہ جسم و جاں سیدنا شاہ ابوالفضل آل احمد اچھے میاں صاحب قدس سرہ سے غایت درجہ عشق تھا۔ ان کا اپنے مخدومان گرامی سے ملنے کا جو انداز ہوتا، وہ خالصتاً ان کی اس عقیدت کی عکاسی کرتا تھا جو ان کو صاحب ابرکات کے آستانے اور قبلہ جسم و جاں حضور شمس مارہرہ سے تھی۔

حضرت امین ملت سے لے کر برادر عزیز محسن میاں تک وہ جس قدر نیاز مندی اور خاندانی ادب کے ساتھ پیش آتے تھے وہ اوروں کے یہاں غنقا ہے اور غالباً یہ اس تربیت کا اثر ہے جو ان کو ان کے اجداد سے ودیعت ہوئی۔ حضور شمس مارہرہ قدس سرہ نے حضرت مولانا شاہ عین الحق عبدالجید صاحب قدس سرہ کو ۲۵ رسال شرف رفاقت عطا فرمایا۔

محرم اسرار خاندان بنایا، انہیں برکاتی وراثتوں کا خزینہ دار بنایا، بڑی چاہتوں سے نواز تو بدایوں والوں کی خاندان شمس مارہرہ سے یہ عقیدت دانست تو گھٹی میں ملی ہے، رگ و پے میں دوڑ رہی ہے، جس کا اثر ہم موجودہ حضرات میں بدرجہ اتم دیکھتے ہیں۔ میں نے اسید میاں کو برکاتیت اور مارہرہ ریت کے حوالے سے بہت ہی حساس پایا، اکثر نشستوں میں

اعتراف کیا کرتے تھے کہ میں بہت بڑا برکاتی ہوں۔ نیز یہ کہ میری پڑھائی لکھائی مطالعہ سب اپنی جگہ ہیں شمس مارہرہ کی چوکھٹ دیکھ کر سب بھول جاتا ہوں۔ اکثر فرماتے تھے ”احمد بھائی! ہم جب مارہرہ آتے ہیں تو ساری تحقیق اور مطالعہ بدایوں رکھ کر آتے ہیں“، ایک مرتبہ

میں نے عرس نوری کے موقع پر خانقاہ میں ان کی آمد پر ان کو تلاش کراتے ہوئے عرض کیا کہ آپ کہاں رہ گئے تھے؟ میں آپ کے کھانے اور ٹھہرنے کی وجہ سے پریشان ہو رہا تھا، تو فرمایا کہ ”آپ یہاں ہماری پرواہ نہ کریں اور اپنے انتظامات کو دیکھیں، ہمیں مارہرہ شریف میں نہ کسی توجہ کی ضرورت ہے نا ہی کسی حیثیت کی، نیز فرمایا کہ اگر ہم مارہرہ

میں بے حیثیت ہوں گے تبھی تو زمانے میں ہماری حیثیت ہوگی اور اگر مارہرہ مقدسہ میں حیثیت دکھائیں گے تو زمانے میں بے حیثیت کر دیے

جائیں گے۔“ خانوادہ برکاتیہ سے ان کا ادب صرف زبانی اعتراف کی حد تک نہیں تھا بلکہ پچھلے پانچ سات سالوں میں بارہا انہوں نے اپنے عمل سے مشائخ مارہرہ کے ساتھ اپنی عقیدت کا برملا ثبوت دیا۔ اپنی زندگی کے آخری حصوں میں چار کتب تذکرہ نوری، برکات مارہرہ، تذکرہ شمس مارہرہ، آداب السالکین وغیرہ خانوادہ برکات کے حوالے سے شائع

فرمائیں، ان کتب کے شائع ہونے کے مراحل میں بے حد خوشی کا اظہار فرماتے، بڑے بڑے اور لمبے لمبے سلاموں کے ساتھ فون پر گفتگو ہوتی، ایک ایک چیز کا جزوی و تفصیلی بیان فرماتے۔ کبھی کوئی ایسا انکشاف کسی مکتوب یا مخطوطے کے حوالے سے ہوتا جس میں بدایوں اور مارہرہ کے عمیق رشتے کا بیان ہوتا تو خوشیاں دوگنی ہو جاتیں۔ ایک کام بغداد شریف کی حاضری سے قبل شروع کیا تھا ”وہ اپنے اکابر کے نام دیگر مشائخ اور

علمائے کرام کے خطوط کی تدوین“ اس دوران شیخ صاحب کی خوشیوں کو ہم نے بام عروج پر پایا، ایک ایک خط بزرگان مارہرہ کا فون پر پڑھ کر سنایا کرتے تھے اور راقم کو میل بھی کیا کرتے تھے۔ کئی ایسے مواقع آئے کہ ان سے کسی بات پر کوئی علمی حوالہ مانگا اور کہنے ہی بھر کی دیر ہوئی کہ ای میل پر

سلام کی تحریر کے ساتھ مقصود مواد فراہم ہو گیا۔ ”اہل سنت کی آواز“ کے لیے پچھلے کچھ سالوں سے مستقل طور پر جامع اور علمی مضمون ارسال فرما رہے تھے۔ ہمارے قارئین بھی اسید میاں کو اور ان کی قلمی نگارشات کو بے حد پسند کرتے تھے، کیونکہ ان کی تحریر میں کبھی کسی کی دل آزاری، اختلاف کی

بو، بیجا تفاخر کا اظہار، مشکل اصطلاحات، الفاظ کا گھماؤ وغیرہ نہیں ہوتا تھا، سیدھی سیدھی علمی باتیں، بے حد مستند حوالہ جات کے ساتھ اور ساتھ ہی تحریر میں جمالیاتی حسن کی آمیزش بھی بقدر ضرورت (جو کم و بیش ان کے ہر مضمون میں پائی جاتی ہے) موجود رہتی ہے۔

مجھے ان کی عقیدت کا ایک اور واقعہ یاد آیا، جب وہ پہلی مرتبہ عرس قاسمی شریف کے موقع پر تشریف لائے اور حویلی شریف سجادگی میں رسم خرقہ پوشی میں شریک تھے۔ خال محترم مرشد گرامی حضور امین ملت جب ملبوسات بزرگان دین زیب تن فرما کر دیدار غام کے لیے اللہ اللہ کے فلک بوس نعروں کے درمیان جلوہ افروز ہوئے، اس وقت میری نظر

خال محترم حضرت اشرف میاں صاحب کے وہ بڑے مداحوں میں سے تھے، بلکہ یوں کہوں گا کہ ان کی شخصیت کے دیوانے تھے۔ مجھ سے بارہا کہا کرتے تھے کہ ”میں نے ان کی ذات سے بہت کچھ سیکھا اور شرف ملت پر جب فقیر لکھے گا تب آپ دیکھیے گا کہ کیسے کیسے نکتے ان کی شخصیت کی چمک دمک، گفتگو اور ان کے عمل کے حوالے سے اپنی تحریر میں اٹھاؤں گا۔“

البرکات علوم اسلامیہ کے ادارے کے لیے ایک مشاورتی مینٹنگ میں وہ البرکات آئے۔ بہت سارے اہم مشورے دیے اور خودیہ ذمہ داری لی کہ میں ادارے کے مقابلہ جاتی امتحان کا پرچہ اور طلبہ کو منتخب کرنے کا طریقہ کار اور اس کے علاوہ نصاب کے کچھ اور ضروری حصے تیار کروں گا۔ اس سلسلے میں انہوں نے بے حد محنت کی اور اگر آج وہ باحیات ہوتے تو یقیناً اس ادارے کا انٹرویو لینے والوں میں اہم کردار ادا کرتے۔

اگر اسید میاں مارہرہ والوں سے محبت کرتے تھے تو مارہرہ والے بھی اسید میاں کو کم نہیں چاہتے ہیں اور شاید یہ ان کی سعادت مندی اور محبت ہی کی وجہ تھی کہ ان کی شہادت کی خبر سے پورا خانوادہ برکات غم میں ڈوب گیا۔ تمام برکاتی برادری سوگوار ہو گئی، ای میل، فیس بک اور وائس اپ پر ہمارے تمام برکاتی احباب دستوں تڑپ تڑپ کر اسید میاں کو خراج عقیدت پیش کر رہے تھے۔ کافی دنوں تک ہم سب صرف اسید میاں کو یاد کرتے رہے اور ان کی محبتوں اور سعادت مند یوں کا تذکرہ کرتے رہے اور شاید یہ بھی پہلا ہی موقع ہو کہ کسی کی تعزیت میں پورا خانوادہ بدایوں گیا ہو۔ حضرت اقدس سالم میاں صاحب قبلہ کی بغداد شریف سے واپسی پر حضرت امین ملت، حضرت شرف ملت، حضرت رفیق ملت، حضرت افضل میاں صاحب، برادر عزیز سید محمد امان، سید محمد عثمان، سید حسن حیدر سلمہ، ڈاکٹر فہیم عثمان صدیقی صاحب، برادر محمد اکبر قادری اور راقم السطور بدایوں شریف حاضر ہوئے۔ اتنے غم اور صدمے کے ماحول میں بھی ذمہ داران خانقاہ قادریہ نے فرزند ان شمس مارہرہ کے ساتھ نیاز مندی اور دیرینہ روایتوں کی پاسداری کا جو نمونہ پیش کیا وہ ان حضرات کا موروثی وطیرہ ہے۔

حضرت امین ملت دام ظلہ نے بیچ آیت اور شجرہ برکات تہ پڑھ کر اسید میاں علیہ الرحمۃ والرضوان کو ایصال ثواب کیا اور رقت آمیز طریقے

شیخ صاحب پر گئی، وہ زار و قطار رو رہے تھے اور حضرت کے چہرے کو نکتے جاتے تھے اور ان کی یہی کیفیت راقم نے خال محترم حضرت رفیق ملت سید نجیب میاں صاحب کی رسم سجادگی کے موقع پر دیکھی کہ جب حضرت شرف ملت ان کو عمامہ شریف باندھ رہے تھے تب بھی شیخ صاحب زار و قطار رو رہے تھے۔ اس کے علاوہ نہ جانے کتنے واقعات ہیں جو ان کے سچے برکاتی ہونے پر دال ہیں۔ میں تو یہ بڑے وثوق سے کہوں گا کہ مارہرہ اسید میاں کی کمزوری تھی۔

حضور شمس مارہرہ حضور سیدنا آل احمد اچھے میاں صاحب سے ان کی محبت اور عقیدت کا تو عالم ہی نرالا تھا۔ بس حضور اچھے صاحب ہی کی باتیں تذکروں میں رہا کرتی تھیں۔ گذشتہ سال عرس قادری میں شمس مارہرہ کانفرنس منعقد کی اور بہت طویل اور جذباتی خطاب فرمایا جس میں بہت سے موضوعات شامل تھے۔ اس تقریر میں شمس مارہرہ قدس سرہ کو تادیر یاد کیا، فرمانے لگے کہ ”یہ شمس مارہرہ کا اشارہ ہی تو ہے کہ ان کے عرس دو سو سالہ کے موقع پر ان کے نام کی پہلی کانفرنس مولوی عبد الجبید بدایونی کے خادم کریں اور دو سو سال میں پہلی ان کی مطبوعہ سوانح کی اشاعت بھی ان کے مولوی صاحب کی گلی میں جھاڑ دینے والا خادم اسید الحق کرے گا۔“ اور پھر ایک نہایت ہی جذبولوں سے بھرا جملہ کہا ”ہمارے یہاں اس کو نے سے اس کو نے تک باب مجیدی سے لے کر دیوان خانے اور وہاں سے لنگر خانے کی آخری دیوار تک جو کچھ ہے وہ حضرت اچھے میاں کے تلواروں کا صدقہ ہے۔“ یہ تو ایک دیوانے اور مستانے کی صدا تھی۔ یہ حقیقت ہے کہ مشائخ دعا تو فرماتے ہی ہیں اور اپنے فیضان تصرف سے حصہ بھی عطا فرماتے ہیں۔ لیکن دعائیں لگتی بھی انہی کو ہیں جو محنت کرتے ہیں اور ان تمام کاموں اور ترقیوں کے پیچھے دعاؤں کے ساتھ ساتھ اسید میاں کی انتھک محنت کا بھی کلیدی کردار ہے۔ وہ مرشد گرامی حضرت امین ملت کے حوالے سے جب بھی گفتگو فرماتے تو ان کی طبیعت کے بارے میں یہ جملہ ضرور کہتے کہ ”مجھے حضرت کوست دیکھ کر بہت رنج ہوتا ہے وہ خوش رہتے ہیں اور طبیعت کی بحالی کے ساتھ ہوتے ہیں تو پوری محفل ہشاش بشاش رہتی ہے“ وہ اور مولانا خوشتر صاحب ایک اور بات مشترکہ طور پر کہا کرتے تھے کہ ”پیروں میں خطیب ہم نے حضرت امین ملت ہی کو پایا۔“

سے دعائے مغفرت فرمائی۔ حضرت شرف ملت نے خانوادہ برکات کی طرف سے حضرت سالم میاں صاحب مدظلہ العالی کی خدمت میں تعزیتی کلمات پیش کیے اور دو اشعار ایسے اسید میاں کی رحلت کے حوالے سے پڑھے کہ حاضرین صبر نہ کر سکے اور فضا میں سسکیاں ہی تھوڑی دیر گردش کرتی رہیں۔ یہ کیسادل دہلانے والا منظر تھا، اس کی گواہی وہی لوگ دے سکتے ہیں جو وہاں موجود تھے۔ حضرت اقدس سالم میاں صاحب اپنے اچھے صاحب کے فرزندوں کو دیکھ کر بر ملا فرمانے لگے کہ مجھے آپ حضرات کو دیکھ کر یوں لگ رہا ہے کہ جیسے حضور شمس مارہرہ ہی خود کرم فرمانے چلے آئے ہوں۔ اب اس مادی دنیا میں جن لوگوں میں یہ نیاز مندی اور اعتراف قائم ہے انہی سے طریقت کے اصول زندہ ہیں ورنہ تو سب اپنی اپنی جگہ خود کفیل اور سمجھ دار ہو چکے ہیں۔

### اب اسے ڈھونڈو چراغ رخ دیالے کر:

اسید میاں ایک قدیم خانقاہ کے ولی عہد تھے، لیکن ان میں پیرزادوں والی تڑک بھڑک، نخرے، ناز و نعم کا دور دور تک شائبہ نہ تھا۔ میں نے متعدد دفعہ دیکھا کہ دست بوسی کروانے سے کچھ الجھن میں آجاتے اور ہاتھ تیزی سے پیچھے کھینچ لیتے۔ دعوتوں، دوروں اور شادی کی تقریبات میں شمولیت سے تو تقریباً پرہیز کرتے تھے، میں نے کہا کہ تقریبات میں تو ہو آیا کریں، فرمانے لگے میرا وقت بہت برباد ہوتا ہے اور کھانا ویسے بھی کم اور سادہ کھانے کا شوقین ہوں۔ ہمارے گھر سے کسی نہ کسی کی شمولیت ہو جائے کافی ہے۔

ان کی رحلت کے بعد ہر وقت یہ احساس ہوتا ہے کہ واقعی ہم نے کیا چیز کھودی۔ کم از کم میں اپنے بارے میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ میں اسید میاں کو بے حد یاد کرتا ہوں۔ ان سے گفتگو، ان کے ساتھ ہنسنا، علمی و دینی مذاکرات، فی البدیہہ شعر و شاعری کی باتیں اور خاص طور سے پرانی باتیں یاد کرنا۔ اسید میاں یادداشت کے بڑے دھنی تھے، نہ جانے کب کب کی کہاں کہاں کی باتیں ان کو یاد رہیں۔ ہماری اور ان کی اکثر باتیں اس زمانے کی ہوا کرتی تھیں کہ جب ہم ۱۰ سال اور وہ ۷ سال کے ہوا کرتے ہوں گے، لیکن لگتا ایسا تھا کہ جیسے ماضی کو ہتھیلی پر رکھ کر ہماری بات چیت چل رہی ہو۔ وہ پرانی پرانی رسومات کا تذکرہ بہت مزے لے لے کر کیا کرتے تھے۔ وہ اس قسم کی گفتگو شروع کرنے کے

لیے مصرعہ دیتے اور میں پوری پوری غزل کہتا تھا۔ کسی بھی چیز کی منظر کشی میں وہ مہارت ہی نہیں دستگاہ کامل رکھتے تھے اور اس سلسلے میں راقم کو بھی داد دیا کرتے۔ اکثر اوقات مختلف دوروں اور اجلاس کے بعد ہم لوگ تادیر آنکھوں دیکھا حال ایک دوسرے کو نشر کیا کرتے تھے۔

بغداد شریف جانے سے قبل حضرت شرف ملت مدظلہ العالی کے نام ۴۵ صفحے کا ایک خط لکھا۔ ان کو ارسال کرنے سے قبل مجھے ای میل کر کے فون کیا کہ آپ اس کو فوراً پڑھئے اور بتائیے کہ کیسا خط ہے۔ مجھ سے اس خط کے ایک ایک عنوان اور پیرا گراف پر طویل گفتگو کی اور پھر شرف ملت کی خدمت میں ارسال کیا۔ کہنے لگے لوٹ کر آؤں گا تب فرصت سے اس پر بات ہوگی اور پھر حضرت امین ملت کی خدمت میں پیش کروں گا۔ ہم کو ہرگز یہ گمان نہ تھا کہ اسید میاں اس طرح ہم سے جدا ہو جائیں گے۔ بغداد شریف حاضری سے قبل میری ان سے بہت باتیں ہوئیں اور بہت دیر دیر تک باتیں ہوئیں۔ روانگی سے پہلے ممبئی سے فون کیا کہ ”سنیے لوگ بارگاہ غوثیہ میں حاضر ہوتے ہیں تو قصیدہ غوثیہ و دیگر مناقب پڑھتے ہیں، ہم اس بار بارگاہ غوثیہ میں بیٹھ کر ان کے وہ نصحائح تلاوت کریں گے جو انہوں نے اپنے صاحبزادے کو عنایت فرمائے تھے۔ پھر دوسرے روز فون آیا کہ ذرا ایک اقتباس سماعت کیجئے کہ کیسے کیسے روٹنے کھڑے والی نصیحتیں ہیں، خاص طور پر ان کے لیے جو صاحب اقتدار اور مسند ارشاد کا خود کو حامل سمجھتے ہیں۔

بغداد شریف حاضر ہونے کے بعد کچھ دن تک گفتگو میں توقف رہا تو میں ہنسب عادت دل ہی دل میں سوچنے لگا کہ یار یہ تو بھول ہی گئے، تبھی فیس بک کے میسج باکس میں ان کے میسج دیکھے۔ اپنا بغداد شریف کا نمبر دیا اور آخر میں لکھا کہ ”آپ کی بہت یاد آ رہی ہے“ میں نے جواب میں شعر لکھا کہ

آنکھوں کو انتظار کے لمحات سوئپ کر

نیندیں بھی کوئی لے گیا اپنے سفر کے ساتھ

اس شعر کا جواب نہ آیا۔

انتقال سے دو دن پہلے بے حد محبت بھرے انداز سے فون آیا، جب ان کا فون تاخیر سے آتا تو کبھی کبھار میں ایک جملہ بہت اجنبیت کے ساتھ ادا کرتا کہ ”شاید میں احمد مجتبیٰ ہوں“ وہی میں نے دہرایا۔



فرمانے لگے جناب میں ہی فون کر رہا ہوں اور دیارِ غوث سے آپ کو فون کر رہا ہوں، خبریت بتائیے۔ خوب باتیں کہیں، میں نے کہا کہ بھئی آپ نے البرکات علوم اسلامیہ کے نصاب کا ایک بڑا حصہ تیار کیا تھا اب اس کو شروع کرنا ہے تو دو ایک دن کے لیے یہاں علی گڑھ رہنے آجائیے تاکہ اس کو Final Shape دے دیں۔ بڑے انبساط سے بولے ”ارے صاحب! خادموں کی طرح حاضر ہو جائیں گے“ پھر اچانک کہا کہ ”آپ حضرت امان میاں صاحب کی خدمت میں میرا سلام کہہ دیجیے گا“ اس وقت بھی ہم لوگوں نے خوب ہنس کر باتیں کی۔ بس یہ پتہ نہیں تھا کہ یہ ان سے میری آخری بات چیت ہے۔ ان کی ہندوستان آمد کا بے صبری سے انتظار تھا کہ واپس آئیں گے تو باتوں کا سارا کوڑہ پورا کریں گے، لیکن بس وہ انتظار انتظار ہی رہا اور اس کے بدلے یہ روح فرسا خبر ملی کہ اسید میاں تو ہمیشہ کے لیے انتظار کا خانہ چھوڑ کر اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ بقول حضرت شرف ملت کے ”کلیجہ سا کٹ کر رہ گیا۔“ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کریں، کبھی تنہا رو لیتے تھے، کبھی ان کے اور اپنے مشترکہ دوستوں سے بات کر کے رو لیتے تھے۔ آج بھی یقین نہیں ہوتا کہ ہمارے بھیا دنیا میں نہیں ہیں۔ آج بھی ان کو یاد کر کے اکثر آنکھیں بھر آتی ہیں، ابھی بھی وہ نظروں اور خیالوں میں گردش کرتے رہتے ہیں۔ میں اکثر سوچتا ہوں کہ بارگاہِ غوثیت سے کیسی سچی عقیدت تھی کہ سراپا نذرانہ ہی بن کر اس بارگاہ میں پیش ہو گئے۔ سرکارِ غوثِ اعظم کو بھی اپنے اس چہیتے اور مورثی غلام سے ایسی الفت کی کہ اپنے یہاں بلائیں اور اپنے رب سے اس کو اپنے دربار کے لیے ہمیشہ کے لیے مانگ لیں اور اپنے شہزادوں کے درمیان ابدی آرام گاہ عطا فرمادیں۔ یہ سب منشاء ایزدی ہے اور ہم سب قانون

قدرت کے تابع ہیں، وہ جو کرتا ہے بہتر ہی کرتا ہے۔ باقی رہنے والا نام بس اللہ کا ہی ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے حبیب کے صدقے میں اسید میاں کے مرقد کو اپنی رحمتوں کے پھولوں سے بھر دے اور ان کے درجات بلند فرمائے۔ ہم سب خانوادہ قادریہ کے اس غم میں برابر کے شریک و سہم ہیں اور اسید میاں کا پر سا صرف ان کے اہل خاندان ہی کو نہیں بلکہ پوری اہل سنت و جماعت کو پیش کرتے ہیں کہ ہماری صف سے ایک ایسا ہی چلا گیا جو اس جماعت کے دفاع کے لیے دا۔ مے درے قد مے قلمے سخن تیار رہتا تھا۔ رب کریم خانقاہ قادریہ کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے اور ان کے برادران سے ان کے والد ماجد مدظلہ العالی کی سرپرستی میں دین و سنیت کے وہ سب کام لے جو عالم ربانی، شہید راہ بغداد، شمس مارہرہ کے عاشق صادق، مجیدی خاندان کے چشم و چراغ، وارث علوم فصلی رسول، جگر گوشہ تاج النحول، در شہوار صاحب اقتدار، مظہر عاشق رسول، اپنے ابا حضرت کے چہیتے بابا، بھیا اور شیخ صاحب، عطیف میاں اور عزام میاں کے مولوی بھائی یعنی حضرت علامہ الحاج اسید الحق محمد عاصم القادری عثمانی برکاتی ازہری ادھورے چھوڑ کر ہم سب کو خیر آباد کہتے ہوئے بارگاہ رب العزت میں حاضر ہو گئے ہیں۔ آمین

مضمون کے آخر میں یہ شعر ان کی حیات و ممات کی نظر کر کے قلم رکھتا ہوں:

ورق ورق سوزن قلم سے قبائے جاں اپنی سی رہے ہیں  
نہ مار پائے گی موت ہم کو کہ ہم کتابوں میں جی رہے ہیں

□□□

☆ جوینٹ سکریٹری: البرکات ایجوکیشنل سوسائٹی، علی گڑھ (یوپی)

**بقیہ عربی محاورات مع ترجمہ و تعبیرات: ایک مطالعہ:** بلکہ اساتذہ بھی مستفیض ہو سکیں گے۔ خصوصاً ہندو پاک کے عربی مدارس اور جامعات کے عربی شعبہ جات میں زبان و بیان کے نکات اور ترجمے کے آداب و طریقہ کار کی تفہیم و تدریس کے لیے اس کتاب کو شامل نصاب کیا جانا چاہیے۔ ممکن ہے میری اس تجویز کو بعض اصحاب حسن ظن پر محمول کریں، ان سے میری گزارش ہوگی کہ مرحوم مصنف نے قرآن و حدیث، قدیم و جدید عربی شعر و ادب نیز انگریزی اور اردو ادب، اور بول چال سے ماخوذ محاورات اور مجازی معنوں کے حامل اظہارات کی مثالیں دے کر اور ان کی تفہیم یا ترجمے میں پیش آنے والی دشواریوں اور سرزد ہونے والی لغزشوں کی نشان دہی کرتے ہوئے جو علمی گفتگو کی ہے اس کا بالاستیعاب مطالعہ کریں اور اس کے بعد فیصلہ صادر فرمائیں۔ □□□

☆ استاذ شعبہ اردو، ممبئی یونیورسٹی، ممبئی (مہاراشٹر)



# دس سالہ عملی زندگی کے چند یادگار شب و روز

مولانا شیخ اسید الحق محمد عاصم قادری کی ڈائری کے حوالے سے ان کی علمی و عملی زندگی کے چند یادگار لمحات

استاذ گرامی، عالم ربانی علامہ شیخ اسید الحق محمد عاصم قادری بدایونی علیہ الرحمہ نے ۲۰۰۳ء میں جامعہ الازہر سے واپسی کے بعد اپنی علمی و عملی زندگی کا باضابطہ آغاز کیا۔ ۲۰۰۳ء سے ۲۰۱۲ء تک ان کی دس سالہ زندگی یقین محکم، عمل پیہم اور محبت فاتح عالم کی سچی تصویر تھی۔ ان دس سالوں میں انہوں نے تعلیم و تربیت، تنظیم و منصوبہ بندی، تحقیق و تصنیف اور تفکر و تعمیل کے حوالے سے جو تاریخی کام کیا ایک زمانہ اس کا معترف ہے۔ استاذ گرامی کی زندگی کا ایک دوسرا پہلو بھی ہے جو انہیں معاصرین سے ممتاز کرتا ہے، وہ ہے ان کی زندگی کا حسن نظم۔ ان کی شخصیت کے داخلی و خارجی تمام عناصر میں حسن نظم و ترتیب کا نہایت خوب صورت اور باسلیقہ عکس جھلکتا ہے، جس کا ایک زندہ ثبوت ان کی ڈائریز بھی ہیں۔ شیخ صاحب کی ڈائریز پڑھنے سے ان کی شخصیت کی وہ بہت سی داخلی جہات سامنے آتی ہیں جو عام نگاہوں سے مخفی ہیں۔ ان کی ڈائریز اس لائق ہیں کہ انہیں باضابطہ طور سے علاحدہ شائع کیا جائے۔ ان کی ڈائریز پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ جس محقق اور منتظم اسید الحق کو دنیا نے دیکھا ہے اس سے درجوں بڑے مفکر اور مصلح اسید الحق کو کسی نے اب تک نہیں دیکھا تھا۔ ان کی ایک اور بڑی ممتاز خصوصیت ہے اور وہ یہ کہ انہوں نے اپنی زندگی کے اکثر علمی و تحقیقی واقعات، سیمینار، سیمپوزیم اور کانفرنسیز میں شرکت کے واقعات، کانفرنسیز کے موضوعات، ان کے اہم شرکاء اور ان میں پیش کردہ اپنے مقالے یا موضوع خطاب کو اختصار و جامعیت سے ایک ڈائری میں لکھا کرتے تھے۔ وہ اپنے علمی سفر حیات کی یادگار منزلوں کو کس طرح منظم رکھتے تھے، اس حوالے سے بھی ان کی شخصیت اپنے معاصرین میں ممتاز نظر آتی ہے۔ ذیل میں ان کی ڈائری کے حوالے سے تاریخی ترتیب کے ساتھ ان کی دس سالہ عملی زندگی کے اہم واقعات قلم بند کیے جاتے ہیں۔ یہاں ان جلسوں یا پروگراموں کا ذکر نہیں کیا گیا ہے جو شہر بدایوں یا اس کے مضافات میں خانقاہ عالیہ قادریہ یا اس کے ذیلی اداروں کے زیر اہتمام ہوتے تھے، اگرچہ ان کا ریکارڈ بھی ان کی اس ڈائری میں موجود ہے۔ البتہ جو ورکشاپ یا سمر کلاسیز بدایوں میں منعقد کیے جاتے تھے ان کا ذکر کر دیا گیا ہے۔

اس ڈائری کا آغاز اس شعر سے ہوتا ہے کہ:

میں کہاں رکتا ہوں عرش و فرش کی آواز سے  
مجھ کو جانا ہے بہت اونچا حد پرواز سے

نیز اسی کے نیچے مرقوم ہے:

شعارنا الوحيد الی الاسلام من جدید

اب تاریخی ترتیب کے ساتھ اہم واقعات نذر قارئین ہیں۔

۲۰۰۳ء

● ۵/۳/۲۰۰۳ء کو ممبئی یونیورسٹی شعبہ عربی کے زیر اہتمام ”ابوالریحان البیرونی کی حیات و خدمات“ پر دو روزہ سیمینار ہوا جس میں پروفیسر مہدی الحق، پروفیسر پرویز ازکائی (تہران یونیورسٹی، ایران) اور ڈاکٹر محمود الرحمن (سابق وائس چانسلر، علی گڑھ) شریک تھے۔ حضرت شیخ صاحب

نے ”ایسی چنگاری بھی یارب اپنی خاکستر میں تھی“ کے عنوان سے ابوالریحان البیرونی پر مقالہ پیش کیا۔ یہ مقالہ بعد میں رسالہ ماہ نامہ مظہر حق بدایوں، جام نور دہلی اور نعت روزہ اصول پونہ میں شائع ہوا۔

۲۰۰۵ء

● ۳ جنوری ۲۰۰۵ء کو روڈری انٹرنیشنل کے زیر اہتمام کل مذاہب اجلاس (سرودھرم سمیلن)، مہمان خصوصی: پندھاری یادو (ڈی ایم بدایوں) بمقام میونسپلٹی پارک، بدایوں

● ضیاعلی خاں اشرفی کی حیات و خدمات پر منعقدہ سیمینار میں شرکت۔ بمقام نئی سرائے بدایوں۔

● ۲۳ تا ۲۹ جولائی ۲۰۰۵ء کو حضرت شیخ صاحب، حضرت مولانا خوشتر نورانی کے ہمراہ بنارس، بھدوہی، گھوسی، فیض آباد اور مبارک پور کے دورے کے لیے روانہ ہوئے۔ اس سفر میں جامعہ اشرفیہ مبارک پور، جامعہ حمید یہ بنارس، دارالعلوم ضیاء البرہان بنارس، دارالعلوم بھدوہی، دارالعلوم امجدیہ گھوسی اور مدرسہ شمس العلوم کے طلبہ سے خطاب بھی فرمایا۔

● ۲۱ نومبر ۲۰۰۵ء کو اسبلی حال، اعظم کیمپس پونہ میں ایک پروگرام منعقد کیا گیا جس میں حضرت شیخ صاحب نے ”بنیادی انسانی حقوق اور اسلام“ اور ”ذکر الہی اور اطمینان قلب“ کے عنوان پر لیکچرز دیے۔

۲۰۰۶ء

● ۲۵ مارچ ۲۰۰۶ء کو نیشنل اسلامک فاؤنڈیشن بمقام اسلامی جم خانہ کلب ممبئی کے زیر اہتمام منعقدہ پروگرام میں حضرت شیخ صاحب نے ”اسلام، جہاد اور آئینک واڈ“ کے عنوان پر لیکچر دیا۔ اس میں صدارت تاج دار اہل سنت حضرت الشیخ عبدالحمید محمد سالم القادری کی رہی جب کہ مہمان خصوصی کی حیثیت سے کلیان جی ساؤلا اور ڈاکٹر فرانس سوامی نے شرکت کی۔

● بمقام جامعہ صوفیہ کچھوچھو شریف میں ۲۵ اور ۲۶ فروری ۲۰۰۶ء کو صوفی فاؤنڈیشن کے زیر انصرام ”صوفی سپوزیم“ میں حضرت شیخ صاحب نے بھی شرکت فرمائی۔ اس سپوزیم میں حضرت ڈاکٹر شمیم احمد منعمی (سجادہ نشین خانقاہ منعمیہ، پٹنہ)، فیض الاقطاب (انگلینڈ)، ڈاکٹر امین اشرف (علی گڑھ) اور پروفیسر مسعود انور علوی کا کوروی (علی گڑھ) سے ملاقات بھی رہی۔

● ۴ جون ۲۰۰۶ء کو دارالعلوم علیہ، جمد اشاہی (بستی) کے سالانہ تعلیمی مقابلہ برائے طلبہ میں حضرت شیخ صاحب اور مولانا خوشتر نورانی نے بحیثیت فیصل شرکت فرمائی۔

● ۵ جون ۲۰۰۶ء کو حضرت شیخ صاحب نے مرکز تربیت افتا اور جھانج، بستی کا دورہ فرمایا۔

● ۶ جون ۲۰۰۶ء کو دارالعلوم فیض الرسول براؤں شریف میں مجلس العلوی نے ”شعب الاولیا النعامی مقابلہ“ کا انعقاد کیا جس میں توسیعی خطبات حضرت شیخ صاحب اور مولانا خوشتر نورانی نے پیش کیے۔

● ۶ اکتوبر تا ۸ اکتوبر ۲۰۰۶ء اعظم کیمپس پونہ کے زیر اہتمام منعقدہ اجلاس میں حضرت شیخ صاحب اور مولانا خوشتر نورانی نے شرکت کی اور توسیعی خطبات پیش کیے۔ اس میں ۶ اکتوبر کو حضرت شیخ صاحب نے ”اسلام اور خدمت خلق“، ۷ اکتوبر کو مولانا خوشتر نورانی نے ”طلاق کا اسلامی تصور“ اور ۹ اکتوبر کو حضرت شیخ صاحب نے ”توبہ“ کے موضوع پر خطاب کیا۔

● ۶ نومبر ۲۰۰۶ء کو حضرت شیخ صاحب جامعہ حضرت نظام الدین اولیا، نئی دہلی کے داخلہ امتحان میں بحیثیت ممتحن شرکت فرمائی۔ اس میں ان کے ساتھ مولانا خوشتر نورانی بھی شریک رہے۔

● ۱۹ دسمبر ۲۰۰۶ء کو حضرت شیخ صاحب اور مولانا خوشتر نورانی دارالعلوم دارشہ، لکھنؤ تشریف لے گئے اور توسیعی خطبہ پیش کیا۔ اس اجلاس کی صدارت حضرت سید محمد اختر میاں چشتی مودودی (سجادہ نشین آستانہ صمدیہ، پھپھوند شریف) نے فرمائی۔

● ۱۲ نومبر ۲۰۰۶ء کو حضرت شیخ صاحب بمعیت مولانا خوشتر نورانی عرس قاسمی کے ضمن میں منعقدہ سیمینار بموقع عرس قاسمی میں شرکت کے لیے مارہرہ شریف حاضر ہوئے اور ”تہذیبوں کی کشمکش، دنیا کا مستقبل اور امت اسلامیہ“ کے موضوع پر مقالہ بھی پیش کیا۔

۲۰۰۷ء

● خانقاہ عالیہ قادریہ بدایوں شریف کے زیر اہتمام ۸ تا ۱۱ فروری ۲۰۰۷ء کو ”مقابلہ علوم حدیث“ منعقد کیا گیا جس میں حضرت شیخ صاحب نے متعدد خطبات پیش کیے۔ ۱۱ فروری کو تقسیم انعامات کے لیے بہ حیثیت مہمان خصوصی شرف ملت حضرت سید محمد اشرف میاں قادری برکاتی (انکم ٹیکس کمشنر، دہلی) تشریف لائے۔

● ۲۶ اپریل ۲۰۰۷ء کو بمقام ناسک ”جشن غوث اعظم“ میں حضرت شیخ صاحب اور مولانا خوشتر نورانی تشریف لے گئے۔ اس اجلاس میں حضرت سید بسطنین حیدر قادری برکاتی (مارہرہ شریف)، حضرت سید علی اشرف (صاحبزادہ سرکار کلاں کچھوچھو شریف)، الحاج سعید نوری اور مولانا عبید اللہ خان اعظمی بھی شریک تھے۔ اگلے دن ۲۷ اپریل ۲۰۰۷ء کو حضرت شیخ صاحب نے مفت آنی کیمپ کا افتتاح فرمایا جس میں پولس کمشنر ناسک اور میئر شہر ناسک بھی موجود تھے۔

● ۳ مئی ۲۰۰۷ء کو دارالعلوم سلطان الہند، فتح پور شیخاوتی، راجستھان میں ”سرکار مدینہ کانفرنس“ میں حضرت شیخ صاحب نے شرکت فرمائی۔ اس کانفرنس میں مولانا خوشتر نورانی، علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری، قاری صغیر احمد جوگھن پوری، مفتی شفیق احمد شریفی، مفتی شیر محمد (راجستھان) اور مولانا محمد عمر نورانی بھی شریک تھے۔

● ۱۱ مئی ۲۰۰۷ء کو بمقام جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء دہلی میں ایک نصابی میٹنگ رکھی گئی، جس میں حضرت شیخ صاحب، مولانا خوشتر نورانی، مولانا نعمان ازہری، مولانا ڈاکٹر سجاد احمد مصباحی اور مولانا انوار احمد بغدادی بھی موجود تھے۔

● دارالعلوم فیضان اشرف ناگور، راجستھان میں ۱۹ مئی ۲۰۰۷ء کو تحریری و تقریری مقابلے میں حضرت شیخ صاحب اور مولانا خوشتر نورانی نے شرکت کی اور توسیعی خطبات پیش کیے۔

● ۲۳ جون ۲۰۰۷ء کو جامعہ صمدیہ پھپھوند شریف کے ایک تربیتی کیمپ کے اختتامی اجلاس میں حضرت شیخ صاحب نے شرکت فرمائی اور خطاب بھی فرمایا، نیز اسی سفر میں ۵ جون ۲۰۰۷ء کو جامعہ صمدیہ کے طلبہ سے بھی ”علوم حدیث“ کے موضوع پر خطاب فرمایا۔

● ۱۷ جون ۲۰۰۷ء کو حضرت شیخ صاحب بمعیت مولانا خوشتر نورانی تمل ناڈو پنچے اور جامعہ غوث الوری کے افتتاح کی تقریب میں خطاب فرمایا۔ اس میں مولانا خوشتر ربانی (بانڈہ) بھی شریک تھے۔ اسی سفر میں ۱۸ جون ۲۰۰۷ء کو بمقام آثار شریف خانقاہ تجاورد میں جلسہ استقبالیہ ہوا جس میں حضرت شیخ صاحب کو سپاس نامہ اور ایوارڈ سے نوازا گیا۔ اس کے علاوہ ۱۹ جون ۲۰۰۷ء کو خانقاہ قادریہ شطاریہ بمقام کٹی میں جلسہ استقبالیہ و اعزاز یہ میں شرکت فرمائی۔

● ۳۰ اور ۳۱ جولائی ۲۰۰۷ء کو حضرت شیخ صاحب، مولانا خوشتر نورانی کے ہمراہ عرس محدث اعظم ہند، کچھوچھو شریف تشریف لے گئے۔ اسی موقع پر جامع اشرف میں استقبال ہوا۔ اس سفر میں شیخ الاسلام حضرت سید محمد مدنی میاں اشرفی، حضرت سید محمد ہاشمی میاں اشرفی، حضرت سید اظہار اشرف اشرفی البیلانی، حضرت سید حسن عسکری میاں اشرفی، حضرت سید نورانی میاں اشرفی، حضرت سید احسن میاں اشرفی، حضرت سید قاسم اشرف اشرفی، حضرت سید غوثی میاں اشرفی، حضرت سید تنویر میاں اشرفی و دیگر حضرات سے ملاقات ہوئی۔

● ۲۴ ستمبر ۲۰۰۷ء کو مدرسہ حمیدیہ اظہر العلوم، رامپور، یوپی کے جلسہ دستار فضیلت میں حضرت شیخ صاحب تشریف لے گئے۔ اس میں مولانا محمد احمد نعیمی، مولانا ظلیل اظہر اشرفی اور حضرت مفتی محبوب علی خاں وجیہی (شیخ الحدیث مدرسہ فرقانیہ، رامپور) بھی موجود تھے۔

● ۱۰ نومبر ۲۰۰۷ء کو دارالعلوم دارشہ لکھنؤ میں مولانا یونس اختر مصباحی کی زیر صدارت ”علامہ فضل حق خیر آبادی اور جنگ آزادی ۱۸۵۷ء“

پریسینار ہوا۔ اس سیمینار میں شیخ صاحب نے شرکت فرمائی۔

دیگر شرکا: حضرت سید محمد اختر میاں چشتی مودودی (سجادہ نشین آستانہ عالیہ صدیہ پھونڈ شریف)، بحر العلوم مفتی عبدالمنان اعظمی گھوسی، مولانا خوشتر نورانی، مولانا ڈاکٹر سجاد عالم مصباحی، ڈاکٹر خواجہ اکرام (ڈائریکٹر قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان)، ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم، مولانا ادریس بستوی، قاری مظہر، مولانا غلام عبدالقادر علوی (براؤں شریف) اور ڈاکٹر سنجے سنگھ (سابق مرکزی وزیر)۔

● ۱۶/۱۷ نومبر ۲۰۰۷ء کو عرس قاسمی مارہرہ شریف میں حاضری ہوئی۔ ۱۶ نومبر کی شب پروفیسر ابوالحسنات حقی کی صدارت میں مشاعرہ ہوا، جس میں حضرت شیخ صاحب نے ”ظلمت شب میں اچانک دل تیرہ چمکا“ نظم پیش کی۔ ۱۷ نومبر کو سوال و جواب کا سلسلہ شروع ہوا، مجیب کی حیثیت سے اس پروگرام میں حضرت شیخ صاحب، مولانا خوشتر نورانی، مولانا یسین اختر مصباحی (دارالقلم، دہلی) اور مفتی نظام الدین مصباحی (صدر مفتی الجامعہ الاشرافیہ) موجود تھے۔

## ۲۰۰۸ء

● یکم جنوری ۲۰۰۸ء کو ماہ نامہ جام نور کے آفس میں ”میڈیا سینٹر“ کی پہلی میٹنگ شرف ملت حضرت سید محمد اشرف میاں قادری برکاتی (انکم ٹیکس کمشنر، دہلی) کے زیر صدارت منعقد ہوئی، جس میں حضرت شیخ صاحب کے علاوہ مولانا خوشتر نورانی، ڈاکٹر خواجہ اکرام (ڈائریکٹر قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی)، ڈاکٹر مظفر سید، مولانا ڈاکٹر سجاد عالم مصباحی (اسٹنٹ پروفیسر پریزیڈنسی یونیورسٹی، کولکاتا)، مولانا ذیشان احمد مصباحی (استاذ جامعہ عارفیہ، سید سراواں الہ آباد) بھی شریک تھے۔

● ۹ مارچ ۲۰۰۸ء کو امین ملت حضرت سید محمد امین میاں قادری برکاتی (سجادہ نشین خانقاہ برکاتیہ، مارہرہ شریف) کے زیر سرپرستی، شرف ملت حضرت سید محمد اشرف میاں قادری برکاتی (انکم ٹیکس کمشنر دہلی) کے زیر صدارت اور ماہنامہ جام نور کے زیر اہتمام ”نیشنل میڈیا کونشن“ منعقد ہوا، جس میں ڈاکٹر سید علیم اشرف جاسی (حیدرآباد)، مولانا یسین اختر مصباحی (دارالقلم، نئی دہلی)، بیرسٹر اسد الدین اویسی (ممبر آف پارلیمنٹ، حیدرآباد)، پروفیسر شافع قدوائی (علی گڑھ)، مفتی محمد مکرم احمد نقش بندی (شاہی امام جامع مسجد، دہلی) نے خطاب فرمایا۔ خطبہ استقبالیہ مولانا خوشتر نورانی نے اور ہدیہ تشکر حضرت شیخ صاحب نے پیش فرمایا۔

● ۱۴ مارچ ۲۰۰۸ء کو عرس فریدی بدایوں شریف میں حضرت شیخ صاحب نے تقریر فرمائی۔ اس میں مفتی مطیع الرحمن مظفر پوری، مولانا سلطان بریلوی، مولانا قمر شاہ جہانپوری اور مولانا ڈاکٹر یسین علی عثمانی موجود تھے۔

● ۶/۵ جون ۲۰۰۸ء کو مولانا غلام نبی صاحب کی شادی کے جشن میں مولانا خوشتر نورانی کے ہمراہ شیخ صاحب کلیر شریف تشریف لے گئے۔ اس میں امین ملت حضرت سید محمد امین میاں قادری برکاتی (زیب سجادہ خانقاہ برکاتیہ، مارہرہ شریف)، مفتی آل مصطفیٰ مصباحی (جامعہ امجدیہ، گھوسی)، مولانا صغیر اختر بریلوی اور الحاج سعید نوری بھی شریک تھے۔

● ۲۶ جون ۲۰۰۸ء کو جامعہ عارفیہ سید سراواں الہ آباد میں ”جشن حجۃ الاسلام امام غزالی“ منعقد کیا گیا جس میں حضرت شیخ صاحب نے ”ایمان، اسلام اور احسان“ کے موضوع پر خطاب فرمایا۔

● ۱۲ اکتوبر ۲۰۰۸ء کو جامعہ حضرت نظام الدین اولیا، نئی دہلی میں داخلے کے امتحان میں حضرت شیخ صاحب اور مولانا نعمان ازہری ممتحن کی حیثیت سے شریک رہے۔

● ۱ نومبر ۲۰۰۸ء کو مدرسہ اصدقیہ مخدوم شرف، بہار شریف، نالندہ میں حضرت مولانا سید رکن الدین اصدق (صاحب سجادہ خانقاہ اصدقیہ، پیر بیگہ، بہار) کی سرپرستی میں، ”کل ہند تعلیمی کانفرنس“ کا انعقاد ہوا۔ دن میں ”اسلام اور امن عالم“ کے عنوان پر سیمینار ہوا جس میں حضرت شیخ صاحب نے لیکچر دیا۔ اس موقع پر حضرت سید محمد اشرف میاں قادری (انکم ٹیکس کمشنر دہلی) مولانا محمد احمد مصباحی (صدر المدرسین الجامعہ الاشرافیہ)،



مولانا خوشتر نورانی، مولانا عبدالحمین نعمانی، پروفیسر سید طلحہ رضوی برقی، پروفیسر فاروق احمد صدیقی، ڈاکٹر امجد رضا امجد اور ڈاکٹر نوشاد عالم چشتی (علی گڑھ) بھی موجود تھے۔ رات کو بعد نماز عشاء عوامی اجلاس شرف ملت حضرت سید اشرف میاں قادری برکاتی (انکم ٹیکس کمشنر دہلی) کی صدارت میں منعقد ہوا، جس میں حضرت شیخ صاحب نے تقریر فرمائی۔

● ۲۰ نومبر ۲۰۰۸ء کو مولانا خوشتر نورانی کے ہمراہ حضرت شیخ صاحب خانقاہ منعمیہ، پٹنہ اور خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف، تشریف لے گئے۔ اس سفر میں حضرت ڈاکٹر سید شمیم احمد منعمی (صاحب سجادہ خانقاہ منعمیہ، پٹنہ)، حضرت شاہ آیت اللہ قادری مجیبی (صاحب سجادہ پھلواری شریف)، مولانا منہاج الدین قادری مجیبی (برادر محترم حضرت شاہ آیت اللہ قادری مجیبی)، ڈاکٹر فتح اللہ قادری اور مولانا بدر احمد مجیبی سے ملاقات رہی۔

۲۰۰۹ء

● ۳ جنوری ۲۰۰۹ء کو حضرت سید محمد اکبر میاں چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی فاتحہ چہلم کی محفل میں خانقاہ صمدیہ پھپھوند شریف میں حضرت شیخ صاحب کا خطاب ہوا۔ اس موقع پر مولانا محمد احمد مصباحی (صدر المدینہ الجامعۃ الاشرافیہ مبارک پور)، مولانا نصر اللہ مصباحی، مولانا نفیس احمد مصباحی، مولانا صدر الوری مصباحی، مولانا عبدالحمین نعمانی، مولانا مسعود احمد برکاتی، مولانا رحمت اللہ صدیقی اور مولانا مجاہد حسین جیبی (الہ آباد) موجود تھے۔

● ۲۵ جنوری ۲۰۰۹ء کو بمقام ناؤن ہال، احمد آباد گجرات میں The Holy Quran: a Guidanec for all Humankind (قرآن کریم پوری انسانیت کے لیے ہدایت ہے) کے موضوع پر حضرت شیخ صاحب نے خطاب فرمایا۔ اس اجلاس میں مولانا نعمان احمد ازہری (استاذ البرکات ایجوکیشنل سوسائٹی، علی گڑھ) نے بھی خطاب کیا۔

● ۲۵ جنوری ۲۰۰۹ء (بعد عشاء) بمقام بالا سوراڑیہ ”صلاۃ و سلام کمیٹی“ کے زیر اہتمام کانفرنس منعقد کی گئی جس میں حضرت شیخ صاحب اور حضرت سید محمود جامی اشرفی (خانقاہ شہبازیہ، بھاگل پور) نے خطاب فرمایا۔

● ۱ مارچ ۲۰۰۹ء کو بمقام اناوہ حضرت سید مصباح الحسن چشتی رحمۃ اللہ علیہ (پھپھوند شریف) کے خلیفہ حضرت ڈاکٹر عین النعیم چشتی کے عرس کے موقع پر حضرت شیخ صاحب نے خطاب فرمایا۔

● ۲۲ مارچ ۲۰۰۹ء کو البرکات ایجوکیشنل سوسائٹی کے زیر اہتمام ”عظمت رسول ﷺ کا نفرنس“ بمقام کنیڈی ہال، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ حضرت شیخ صاحب نے خطاب فرمایا، جس میں امین ملت حضرت سید محمد امین میاں قادری برکاتی (صاحب سجادہ خانقاہ برکاتیہ، مارہرہ شریف) کی صدارت رہی اور مہمان خصوصی کی حیثیت سے پی کے عبدالعزیز (وائس چانسلر، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ)، ڈاکٹر لیاقت معینی، ڈاکٹر مسعود انور علوی کا کوروی (صدر شعبہ عربی، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ)، شاہ عبدالحمید باقوی اور مفتی قمر الدین (اندور) شریک تھے۔

● ۹ اپریل ۲۰۰۹ء کو عرس آستانہ شریف، تھاجور (تمل ناڈو) میں شرکت کے لیے مولانا خوشتر نورانی کے ہمراہ حضرت شیخ صاحب تشریف لے گئے۔ ۱۰ اپریل ۲۰۰۹ء کو آستانہ ستاف کی مسجد کا افتتاح ہوا، جس میں حضرت شیخ صاحب اور مولانا خوشتر نورانی نے خطاب کیا۔

● ۲۶ اپریل ۲۰۰۹ء کو احمد آباد، گجرات میں ”منصوبہ بندی اسلامی ورکشاپ“ کے لیے میٹنگ ہوئی، جس میں شیخ صاحب نے شرکت فرمائی۔

● ۳ مئی ۲۰۰۹ء: میٹنگ برائے ”منصوبہ بندی اسلامی ورکشاپ“ بمقام دولت خانہ شرف ملت حضرت سید اشرف میاں قادری برکاتی

شرکا: حضرت شیخ صاحب، مولانا عطیف میاں قادری، مولانا خوشتر نورانی اور ڈاکٹر خواجہ اکرام (ڈائریکٹر قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی)

● ۷ مئی ۲۰۰۹ء: میٹنگ تربیتی کمیٹی برائے ائمہ مساجد بمقام دارالعلوم وارثیہ، لکھنؤ۔

شرکا: حضرت شیخ صاحب، حضرت مولانا عطیف میاں قادری، مولانا اقبال احمد (لکھنؤ)، قاری ابوالحسن (مہتمم) اور قاضی خطیب عالم۔

● ۲۳ مئی ۲۰۰۹ء: میٹنگ تربیتی ورکشاپ برائے خطبہ بمقام جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی۔

شرکا: حضرت شیخ صاحب، مولانا خوشتر نورانی، مفتی نظام الدین رضوی (صدر مفتی جامعہ اشرفیہ)، مولانا مبارک حسین مصباحی (مدیر اعلیٰ

ماہنامہ اشرفیہ) اور مولانا ضیاء الرحمن علیہی (استاذ: جامعہ عارفیہ، سید سراواں، الہ آباد)

● ۲۵/۱ اور ۲۶ مئی کو عرس عزیزی مبارک پور میں حضرت شیخ صاحب نے شرکت فرمائی۔

● ۲۷ تا ۲۸ جون ۲۰۰۹ء کو بمقام احمد آباد، گجرات ”فہم اسلام ہفتہ“ منایا گیا، جس میں حضرت شیخ نے درج ذیل عنوانات پر خطبات فرمائے:

۲/ جون ۲۰۰۹ء: عقیدہ توحید (بمقام نیگورہال، احمد آباد)

۳/ جون ۲۰۰۹ء: عقیدہ رسالت و آخرت (بمقام نیگورہال، احمد آباد)

۴/ جون ۲۰۰۹ء: اسلام کا تصور علم (بمقام سورت)

۵/ جون ۲۰۰۹ء: تقریر و خطبہ جمعہ

۶/ جون ۲۰۰۹ء: کائنات اور ہماری ذمہ داریاں

۷/ جون ۲۰۰۹ء: تزکیہ نفس (بمقام ناؤن ہال، احمد آباد)

☆ ۱۸ جون ۲۰۰۹ء: ”جشن حجۃ الاسلام امام غزالی“ خانقاہ عارفیہ، سید سراواں، الہ آباد میں شیخ صاحب نے خطاب فرمایا، ان کے علاوہ

پروفیسر اختر الواسع (استاذ: جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی) نے بھی خطاب کیا۔

☆ ۲۳ جولائی ۲۰۰۹ء کو عرس نوری مارہرہ شریف کے مشاعرے میں حضرت شیخ نے شرکت کی۔

صدارت: ڈاکٹر سید امین اشرف (استاذ: مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ)

شرکا: شرف ملت حضرت سید محمد اشرف میاں قادری برکاتی (انکم ٹیکس کمشنر، دہلی)، افسر امر وہوی، حضرت سید منظر میاں چشتی (خانقاہ صمدیہ

پھونڈ شریف)، میکائل ضیائی اور قاسم حبیبی وغیرہ۔

● ۱۲ جولائی ۲۰۰۹ء تربیتی ورکشاپ برائے ائمہ مساجد بمقام دارالعلوم دارشہ، لکھنؤ۔

صدارت: شرف ملت حضرت سید محمد اشرف میاں قادری برکاتی (انکم ٹیکس کمشنر، دہلی)

خطاب: حضرت شیخ صاحب، مولانا خوشتر نورانی، مولانا یعقوب قادری (دہلی)، مولانا مبارک حسین مصباحی اور مولانا اقبال احمد (لکھنؤ)

● ۱۶ جولائی ۲۰۰۹ء کو مشاورتی میٹنگ برائے اجرا پندرہ روزہ اردو و انگریزی میگزین ”نیو ایج ویژن“ بمقام دولت خانہ شرف ملت حضرت

سید محمد اشرف میاں قادری برکاتی (انکم ٹیکس کمشنر، دہلی)

شرکا: حضرت شیخ صاحب، مولانا خوشتر نورانی اور ڈاکٹر خواجہ اکرام (ڈائریکٹر قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی)

☆ ۲۰ جولائی تا ۳۱ اگست ۲۰۰۹ء: دورہ پاکستان

۲۰ جولائی ۲۰۰۹ء: ایئر پورٹ پر حضرت سید کلیم اشرف جاسی (صاحب سجادہ: خانقاہ اشرفیہ، جاس، رائے بریلی) اور مولانا سید جمال

اشرف جاسی سے حضرت شیخ کی ملاقات ہوئی۔

۲۱ جولائی ۲۰۰۹ء: مولانا محمد حسین عطاری، مفتی شاہد عطاری اور مفتی حسان عطاری سے ملاقات ہوئی۔

۲۲ جولائی ۲۰۰۹ء: مرکز تحریک دعوت اسلامی ”فیضان مدینہ“ کراچی کا دورہ۔

۲۳ جولائی ۲۰۰۹ء: صاحبزادہ تسلیم احمد صابری، خلیل وارثی، قاسم جلالی اور حاجی رؤف (مالک QTV) سے حضرت شیخ کی ملاقات ہوئی،

نیز اسی دن صاحبزادہ تسلیم احمد صابری نے QTV پر شیخ صاحب کا لائیو انٹرویو لیا۔

۲۵ جولائی ۲۰۰۹ء: مولانا کوکب نورانی سے ملاقات۔

۲۶ جولائی ۲۰۰۹ء: حکیم سید محمود احمد برکاتی (نبیرہ حضرت مولانا سید حکیم برکات احمد ٹونگی) سے ملاقات۔

● ۱۹ اگست ۲۰۰۹ء کو پندرہ روزہ میگزین ”نیو تاج ویرن“ کی میننگ ہوئی۔

شرکا: حضرت شیخ صاحب، مولانا خوشتر نورانی، ڈاکٹر خواجہ اکرام (ڈائریکٹر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی) اور مولانا ذیشان احمد مصباحی (استاذ: جامعہ مارفیہ، الہ آباد)

● ۲۹ اکتوبر ۲۰۰۹ء: میننگ ہوٹل پکاسو، دہلی

مہمان خصوصی: حاجی عبدالرؤف (مالک QTV)

شرکا: حضرت شیخ صاحب، مولانا خوشتر نورانی اور ڈاکٹر خواجہ اکرام (ڈائریکٹر قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی)

● ۶/۷ اور ۸ نومبر عرس قاسمی مارہرہ شریف میں شرکت کے لیے شیخ صاحب تشریف لے گئے۔

● ۶ نومبر کو حضرت شیخ صاحب نے منقبت پڑھی اور ۷ نومبر کو ”فکر و تدبیر کا نفرنس“ میں خطاب فرمایا۔

● ۲۲ نومبر ۲۰۰۹ء کو اتر پردیش اردو اکادمی لکھنؤ کے زیر اہتمام قاتی بدایونی کی شاعری پر سیمینار، بمقام ضلع پنجایت ہال، بدایوں۔

صدارت: ترنم عقیل (صدر اردو اکادمی، لکھنؤ) نظامت: ڈاکٹر شمس بدایونی۔

مہمانان خصوصی: حضرت شیخ صاحب، ادیب لطیف بریلوی اور ڈاکٹر کٹنج بدایوں۔

● ۳ دسمبر ۲۰۰۹ء کو ”آل انڈیا مدرسہ کوآرڈی نیشن کمیٹی“ علی گڑھ کی جانب سے ایک میمورنڈم ”مرکزی مدرسہ بورڈ“ کے قیام کی حمایت میں

جناب کپل سب (وزیر: انسانی وسائل، حکومت ہند) کو پیش کیا گیا، جس کی قیادت امین ملت حضرت سید محمد امین میاں قادری برکاتی (صاحب سجادہ

خانقاہ برکاتیہ، مارہرہ شریف) نے کی اور حضرت شیخ صاحب، مولانا خوشتر نورانی، مولانا مبارک حسین مصباحی (مدیر اعلیٰ: ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور)

، ڈاکٹر خواجہ اکرام (ڈائریکٹر قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی) اور ڈاکٹر فہیم احمد صدیقی (کوآرڈی نیٹر: جامعہ البرکات، علی گڑھ) وفد کے

رکن کی حیثیت سے شامل تھے۔

## ۲۰۱۰ء

● ۲۲ جنوری ۲۰۱۰ء کو بمقام سورت گجرات میں ”مثالی مسلمان“ کے عنوان پر سیمپوزیم ہوا۔

خطاب: حضرت شیخ صاحب اور مولانا نعمان احمد اعظمی ازہری

● ۲۳ جنوری ۲۰۱۰ء کو دورہ ادارہ منہاج القرآن، بڑودہ، گجرات۔

● ۲۳ جنوری ۲۰۱۰ء، بمقام ٹاؤن ہال، احمد آباد، گجرات ”مثالی مسلمان“ پر سیمپوزیم ہوا۔

خطاب: حضرت شیخ صاحب، ڈاکٹر سید علیم اشرف جاسی (حیدرآباد) اور مولانا نعمان احمد ازہری۔

● ۲۳ جنوری ۲۰۱۰ء کو دارالعلوم شیخ احمد کھٹو، سرہج، گجرات میں حضرت شیخ صاحب نے ختم بخاری شریف کا درس دیا۔

● ۱ فروری ۲۰۱۰ء بروز پیر جلسہ استقبالیہ بمقام موتی مسجد، کھنڈوا، مدھیہ پردیش۔

خطاب: حضرت شیخ صاحب بعنوان: قرآن اور ہماری ذمہ داریاں۔

● ۶ فروری ۲۰۱۰ء کو جلسہ دستار فضیلت، بمقام دارالعلوم زبانہ، بانڈہ، یوپی۔

صدارت: حضرت مولانا سید مظہر ربانی اور نظامت حضرت مولانا سید غازی ربانی۔

مقررین: حضرت شیخ صاحب، مولانا مبارک حسین مصباحی (مدیر اعلیٰ: ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور)، مفتی نظام الدین رضوی (صدر مفتی

الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور) اور مولانا ہاشم کانپوری۔

● ۷ اپریل ۲۰۱۰ء: ”جشن امام غزالی“ بمقام سید سراواں، الہ آباد۔

شرکا: حضرت سید محمد اختر میاں چشتی مودودی (صاحب سجادہ آستانہ صدیہ، پھپھوند شریف) حضرت شیخ صاحب، مولانا یسین اختر مصباحی (دارالقلم، دہلی) اور مولانا خوشتر نورانی

● ۱۸/۱۷ اپریل ۲۰۱۰ء کو میٹنگ برائے منصوبہ بندی ”البرکات اسلامک ریسرچ انسٹیٹیوٹ، علی گڑھ“ بمقام جامعہ البرکات، علی گڑھ۔  
 شرکا: حضرت شیخ صاحب، امین ملت حضرت سید محمد امین میاں قادری برکاتی (صاحب سجادہ خانقاہ برکاتیہ، مارہرہ شریف)، شرف ملت حضرت سید محمد اشرف میاں قادری برکاتی (انکم ٹیکس کمشنر، دہلی)، مولانا محمد احمد مصباحی (صدر المدرسین الجامعۃ الاشرافیہ، مبارک پور)، مولانا یسین اختر مصباحی (دارالقلم، نئی دہلی)، مفتی نظام الدین رضوی (صدر مفتی الجامعۃ الاشرافیہ، مبارک پور)، ڈاکٹر سید علیم اشرف جاسی (حیدرآباد)، ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم (جامعہ ہمدرد، نئی دہلی)، ڈاکٹر احمد مجتبیٰ صدیقی (جوائنٹ سکریٹری: البرکات ایجوکیشنل سوسائٹی، علی گڑھ)، حضرت سید محمد امان میاں قادری برکاتی (ولی عہد خانقاہ برکاتیہ، مارہرہ شریف)، ڈاکٹر فہیم عثمان صدیقی، مولانا ڈاکٹر سجاد عالم مصباحی (اسٹنٹ پروفیسر پریزیڈنسی یونیورسٹی، کولکاتا)، مولانا نعمان احمد ازہری (استاذ: جامعہ البرکات، علی گڑھ)، مولانا تاج محمد ازہری، مولانا ضیاء الرحمن علیمی۔

● یکم مئی ۲۰۱۰ء کو ”اقرا تعلیمی کانفرنس“ بمقام فتح پور، سوا، زیر اہتمام شمس العلوم ایجوکیشنل سوسائٹی۔

خطاب: حضرت شیخ صاحب اور ڈاکٹر نوشاد عالم چشتی (علی گڑھ)

● ۲۳ مئی ۲۰۱۰ء کو ”مثالی شوہر اور مثالی بیوی“ کے عنوان پر سیمپوزیم، بمقام، ناؤن ہال، احمد آباد گجرات، زیر اہتمام الاخلاص فاؤنڈیشن احمد آباد۔

خطاب: حضرت شیخ صاحب اور مولانا ڈاکٹر سجاد عالم مصباحی (استاذ: پریزیڈنسی یونیورسٹی، کولکاتا)

● ۶ جون ۲۰۱۰ء کو عرس چہلم حضرت شمو میاں، بمقام خانقاہ صفویہ، صفی پور شریف، ضلع اناؤ، یوپی۔

تقریر: حضرت شیخ صاحب، مولانا مبارک حسین مصباحی (مدیر اعلیٰ: ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور)، مولانا عبدالحق مصباحی (استاذ: الجامعۃ الاشرافیہ، مبارک پور)، مولانا نعیم مصباحی (صاحبزادہ سربراہ اعلیٰ الجامعۃ الاشرافیہ، مبارک پور) اور مولانا عارف اقبال مصباحی (مہتمم: دارالعلوم تاج الشریعہ، مدھونی، بہار)

● ۱۰ تا ۱۴ جون ملاقات سید صبیح الدین صبیح رحمانی (پاکستان) بمقام دولت خانہ مولانا خوشتر نورانی، دہلی۔

● ۱۹ ستمبر ۲۰۱۰ء کو ”کل مذاہب اجلاس“ بمقام گرین ووڈ اسکول بدایوں (امن و شانتی برقرار رکھنے کے لیے)

شرکا: مختلف مذاہب، مسالک اور سیاسی جماعتوں کے نمائندے شریک ہوئے۔ حضرت شیخ صاحب نے خطاب فرمایا۔

● ۲۹ تا ۳۱ اکتوبر عرس قاسمی، مارہرہ شریف میں شرکت۔ ۳۰ اکتوبر کو ”فکر و تدبیر کانفرنس“ میں حضرت شیخ نے مختصر تاثر پیش کیا۔

● ۲۲ نومبر تا ۹ دسمبر ”سفر پاکستان“ ہمراہ مولانا خوشتر نورانی۔

اہم شخصیات سے ملاقات: مولانا الیاس عطار قادری (امیر دعوت اسلامی) مولانا کوب نورانی اکاڑوی، مولانا حکیم سید محمود احمد برکاتی، مولانا محمد حسین گردیزی مولانا ڈاکٹر ابوالخیر محمد زبیر (صدر: جمعیتہ علمائے پاکستان) قاری رضاء المصطفیٰ اعظمی (شہزادہ صدر الشریعہ) سید صبیح الدین صبیح رحمانی، صاحبزادہ تسلیم احمد صابری، حاجی عبدالرؤف (مالک کیوٹی وی) وغیرہ

۲۰۱۱ء

● ۱۳ جنوری ۲۰۱۱ء کو ”الاخلاص فاؤنڈیشن“ کے زیر اہتمام سیمینار (احمد آباد، گجرات) میں شرکت۔

خطاب: ڈاکٹر سید علیم اشرف جاسی (حیدرآباد) اور حضرت شیخ صاحب، بعنوان محبت الہی

● ۱۶ جنوری ۲۰۱۱ء کو ”سادات ایسوسی ایشن“ کے زیر انصرام منعقدہ اجلاس میں شرکت۔

خطاب: حضرت شیخ صاحب بعنوان ”سادات کے حقوق و فرائض“



● ۲۱ جنوری ۲۰۱۱ء کو مولانا خوشتر نورانی کے ہمراہ جمشید پور میں عرس قائد اہل سنت حضرت علامہ ارشد القادری رحمۃ اللہ علیہ میں شرکت -  
خطاب: حضرت شیخ صاحب، مولانا خوشتر نورانی و دیگر۔

● ۲۲ جنوری ۲۰۱۱ء کو تحریک ”پیغام اسلام“ جمشید پور کے نام سے خصوصی اجلاس -  
خطاب: حضرت شیخ صاحب، مولانا خوشتر نورانی اور مولانا سید سیف الدین اصدق چشتی۔

● ۱۳ فروری ۲۰۱۱ء کو ”شانتی سمیلن“ بمقام اسلامیہ انٹر کالج، بدایوں  
زیر صدارت: تاجدار اہل سنت حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم القادری

شکا: حضرت شیخ صاحب، حضرت مولانا عطیف میاں قادری، مولانا خوشتر نورانی، مولانا یسین اختر مصباحی (دارالقلم دہلی)، پروفیسر اختر  
الواسع (دہلی)، ڈاکٹر خواجہ اکرام (ڈائریکٹر قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی)، جناب بیکل اتساہی، سوامی اگنی ویش، پنڈت انیل  
شاستری، سردار گرمیت سنگھ اور فادر ایم ڈی تھامس۔ ناظم اجلاس ڈاکٹر حفیظ الرحمن۔

● ۱۷ مارچ ۲۰۱۱ء: جلسہ غوث اعظم، بمقام مغل پورہ پلے گراؤنڈ، حیدرآباد، زیر اہتمام اتحاد سوسائٹی حیدرآباد -  
زیر صدارت: حضرت سید قبول پاشا حسینی جانشین کامل

مقررین: حضرت شیخ صاحب (مقرر خصوصی)، مولانا ظہیر الدین علی صوفی اور مولانا محمد اولیا حسینی مرتضی پاشا -  
● ۱۹ مئی، بمقام گھوسی، ضلع منو، ”جشن شکیل اعظمی“ نعتیہ مشاعرہ - صدارت: جناب بیکل اتساہی۔

تاثرات: مفتی نظام الدین رضوی (صدر مفتی الجامعة الاشرافیہ، مبارک پور)، مولانا مبارک حسین مصباحی (مدیر اعلیٰ: ماہ نامہ اشرافیہ، مبارک  
پور) اور مولانا زاہد سلامی (استاذ: الجامعة الاشرافیہ، مبارک پور)

مہمان خصوصی: حضرت شیخ صاحب اور مولانا خوشتر نورانی -  
● ۱۷ مئی ۲۰۱۱ء کو ہمراہ مولانا خوشتر نورانی خیرآباد لکھنؤ کا سفر۔

ملاقات: حضرت سید فرقان میاں (زیب سجادہ خانقاہ حافظیہ، خیرآباد) جناب نوح الحق خیرآبادی (نبیرہ علامہ فضل حق خیرآبادی) اور مولانا  
عبدالحق خیرآبادی و مولانا فضل امام خیرآبادی کے مزارات پر حاضری۔

● ۱۸ مئی ۲۰۱۱ء کو قبرستان ”باغ مولوی انوار اللہ“ میں واقع علمائے فرنگی محل کے مزارات پر شیخ صاحب نے حاضری دی اور مولانا جلال  
الدین عبدلتین، ڈاکٹر نرہت فاطمہ اور ڈاکٹر ولی الحق انصاری سے ملاقاتیں فرمائیں۔

● ۲۹ مئی ۲۰۱۱ء سفر حیدرآباد۔

● ۲۹ مئی ۲۰۱۱ء: ”تصوف اور اہل تصوف“ پر سیمینار میں شرکت۔

صدارت: ڈاکٹر سید شاہ عبدالحمید اکبر (ڈین فیکلٹی آف آرٹس گلبرگہ یونیورسٹی)

مقالہ: حضرت شیخ صاحب بعنوان ”تصوف اور مستشرقین“

● ۳۰ مئی ۲۰۱۱ء: دورہ جامعہ نظامیہ اور مفتی خلیل احمد نقشبندی (شیخ جامعہ نظامیہ) سے ملاقات۔

● ۳۱ مئی ۲۰۱۱ء: دورہ شعبہ عربی عثمانیہ یونیورسٹی اور ڈاکٹر مصطفیٰ شریف (صدر شعبہ عربی) سے ملاقات۔

● ۲۱ جون ۲۰۱۱ء: لاجبیری عثمانیہ یونیورسٹی کا دورہ۔

● ۳ جون ۲۰۱۱ء: دورہ ”ابوالحسنات ریسرچ سنٹر“ اور ”الہدایہ آرگنائزیشن“، مولانا ضیاء الدین احمد نقشبندی (بانی ابوالحسنات ریسرچ سنٹر)

اور مولانا حبیب احمد نظامی سے ملاقات۔

● ۱۳/۱۵ جون ۲۰۱۱ء عرس نوری مارہرہ شریف میں شیخ صاحب نے شرکت فرمائی۔

● ۱۴ جون کو حضرت شیخ صاحب نے نظم پڑھی۔

● ۱۵ ستمبر کو حضرت سیدیجی میاں قادری برکاتی علیہ الرحمہ کی فاتحہ چہلم میں شرکت۔

● ۱۵ اکتوبر ۲۰۱۱ء کو حضرت شیخ صاحب نے مولانا خوشتر نورانی کے ہمراہ ”علامہ فضل حق خیر آبادی نیشنل کانفرنس“، زیر اہتمام فضل حق اکیڈمی دہلی دینا ایجوکیشنل سوسائٹی، لکھنؤ میں شرکت کی۔

دیگر مہمانان و مندوبین: دگ و بے سنگھ (لیڈر کانگریس و مرکزی وزیر)، سلمان خورشید (لیڈر کانگریس و مرکزی وزیر)، پروفیسر اختر الواسع، مولانا عبید اللہ خاں اعظمی، مولانا خالد رشید فرنگی محلی، ظفر یاب جیلانی (ایڈوکیٹ)، مولانا توقیر رضا خاں (خانقاہ رضویہ، بریلی)، مولانا یسین اختر مصباحی (دارالقلم، نئی دہلی)، مولانا ادریس بستوی۔ اس کانفرنس میں حضرت شیخ صاحب اور مولانا خوشتر نورانی کو علامہ فضل حق خیر آبادی پر تحقیقی کام کرنے کے سلسلے میں توصیفی سند اور اعزاز سے نوازا گیا۔

● ۲۸ تا ۳۰ اکتوبر ۲۰۱۱ء کو عرس قاسمی، مارہرہ شریف میں حضرت شیخ نے شرکت فرمائی۔

● ۲۸ اکتوبر کو شرکت، ۲۹ اکتوبر کو فکر و تدبیر کانفرنس میں ”جماعت اہل سنت کی شیرازہ بندی“ کے عنوان پر حضرت شیخ صاحب کے علاوہ دیگر ۷ افراد کی گفتگو، ۲۹ اکتوبر کی شب کو حضرت شیخ صاحب اور مولانا خوشتر نورانی کو علامہ فضل حق خیر آبادی کے سلسلے میں علمی و تحقیقی تصانیف پر خانقاہ برکاتیہ کی طرف سے مبلغ ۲۱۰۰۰ روپے، توصیفی سند اور شیلڈ پیش کی گئی۔

● ۲۶ نومبر ۲۰۱۱ء: ”مشائخ طریقت کانفرنس“ بمقام اسلامیہ انٹر کالج، بریلی، زیر اہتمام شاہ ثقلین اکیڈمی، بریلی۔

سرپرستی: حضرت شاہ ثقلین میاں قادری مجددی (صاحب سجادہ خانقاہ شرافتیہ، بریلی)

صدارت: حضرت سید محمد اشرف میاں کچھوچھوی (صدر: آل انڈیا علماء و مشائخ بورڈ، لکھنؤ)

حضرت شیخ صاحب نے تاثرات پیش فرمائے۔

● ۳۱ دسمبر ۲۰۱۱ء: ”جشن خواجہ نظام الدین“، زیر اہتمام صلوٰۃ و سلام کمیٹی، بمقام بالاسور، اڑیسہ۔

صدارت و خطابت: حضرت شیخ صاحب، ساتھی مقرر حضرت مولانا سید محمد مظہر میاں چشتی (خانقاہ صدیہ، پھپھوند شریف)

● ۲۰۱۲

● ۲۰ جنوری ۲۰۱۲ء کو دارالعلوم مجاہد ملت، دھام نگر، اڑیسہ میں شیخ صاحب کو استقبال دیا گیا اور آپ نے طلبہ سے خطاب فرمایا۔

خطبہ استقبال: مولانا نوشاد عالم مصباحی (پرنسپل: دارالعلوم مجاہد ملت) مولانا حنیف مصباحی (شیخ الحدیث: دارالعلوم مجاہد ملت)

● ۱۶/۱۷ جنوری ۲۰۱۲ء: سفر ٹونک (راجستھان) ہمراہ مولانا خوشتر نورانی اور مولانا ڈاکٹر سجاد عالم مصباحی۔ ۱۸ جنوری کو حاضری اجیر شریف۔

● ۲۳ جنوری ۲۰۱۲ء کو ”امام احمد رضا سیمینار“ (جامعہ قادریہ مظہر العلوم، علی پور ضلع کلیا چک، بنگال) میں مولانا خوشتر نورانی کے ہمراہ حضرت

شیخ صاحب نے شرکت فرمائی۔

صدارت: مفتی مطیع الرحمن مظہر رضوی۔

خطاب: حضرت شیخ صاحب، مولانا خوشتر نورانی اور پروفیسر فاروق احمد صدیقی۔

● ۲۹ جنوری ۲۰۱۲ء کو ”علامہ فضل حق سیمینار“ بمقام بھونڈی، ضلع تھانہ، مہاراشٹر۔

صدارت: پروفیسر صاحب علی (صدر شعبہ اردو ممبئی یونیورسٹی)

شرکاء و مقررین: حضرت شیخ صاحب، مولانا خوشتر نورانی، مولانا یسین اختر مصباحی (دارالقلم، دہلی)، ڈاکٹر خواجہ اکرام (ڈائریکٹر قومی کونسل

ۛ فروغ اردوزبان، نئی دہلی) اور سید فضل اللہ چشتی۔

• ۱۶ فروری ۲۰۱۲ء کو افتتاح میڈیکل کمپ بدست حضرت شیخ صاحب، زیر اہتمام: ہیومن ویلفیئر ٹرسٹ، بدایوں۔

• ۲۵ فروری ۲۰۱۲ء جلسہ تقسیم انعامات، بمقام فلاح دارین جو نیرہائی اسکول، احمد آباد، گجرات۔

• بہان خصوصی و خطاب: حضرت شیخ صاحب۔

• ۲۶ فروری ۲۰۱۲ء: سالانہ سیمینار، بعنوان ”اسلام اور عالمی بھائی چارہ“ بمقام احمد آباد، گجرات۔

• خطاب: حضرت شیخ صاحب اور مولانا انوار احمد بغدادی (دارالعلوم علیہ، حمد شاہی، ہستی)

• ۲۸/۲۷ فروری ۲۰۱۲ء: قومی سیمینار بعنوان ”عربی اور اردو کے درمیان ادبی اور لسانی رشتے“ بمقام شعبہ عربی، ممبئی یونیورسٹی (ممبئی)

• مقالہ: حضرت شیخ صاحب

• شرکا: ڈاکٹر سید علیم اشرف جاسی (حیدرآباد)، ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی (مدیر: ماہنامہ تہذیب الاخلاق، علی گڑھ)، ڈاکٹر قمر الہدی فریدی

(استاذ: مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ) اور پروفیسر نعمان احمد وغیرہ۔

• ۱۲/۱۳/۱۴ مارچ ۲۰۱۲ء: انٹرنیشنل سیمینار، بمقام جواہر لال نہرو یونیورسٹی، شعبہ لسانیات دہلی، عنوان: ”سفر ناموں میں ہندوستانی

تہذیب و ثقافت کی عکاسی“۔

• خصوصی اجلاس بعنوان ”ہندوستانی تہذیب و ثقافت صوفیہ کی نظر میں“

• صدارت: مولانا سید قاسم اشرف اشرفی البیلانی (کچھوچھ شریف)

• شرکا: مسٹر سبودھ کانت سہائے (مرکزی وزیر برائے سیاحت، حکومت ہند) اور پروفیسر آنند کمار۔

• ان کے علاوہ اس تین روزہ سیمینار میں ہندوستان کی مختلف یونیورسٹیز کے تقریباً ۶۰ مندوبین اور تقریباً ۱۹ غیر ملکی اسکالرز شریک ہوئے۔

• مقالہ: حضرت شیخ صاحب، مولانا خوشتر نورانی، محترمہ لیلیٰ ٹیگی (ملیشیا)، محترمہ شگوفہ (سوڈن)۔

• ۲۲ مارچ ۲۰۱۲ء: جشن غوث الوریٰ بمقام الہ آباد، یوپی

• خطاب: حضرت شیخ صاحب اور شرکت امام علم و فن حضرت خواجہ مظفر حسین رضوی وقاری رئیس احمد (چہ، محمد پور، فیض آباد)۔

• ۹ جون ۲۰۱۲ء: آل انڈیا نقلینی شرافتی کانفرنس، بمقام مراد آباد، زیر اہتمام خانقاہ شرافتیہ، بریلی۔

• صدارت و سرپرستی: حضرت شاہ ثقلین میاں قادری مجددی (صاحب سجادہ: خانقاہ شرافتیہ، بریلی)

• خطاب: حضرت شیخ صاحب، مولانا مبارک حسین مصباحی (مدیر اعلیٰ: ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور)، مولانا زاہد رضا، مولانا سید اسلم وامتی،

مولانا سعید اختر بھوجپوری اور مولانا مفتی ایوب نعیمی (جامعہ نعیمیہ، مراد آباد)

• ۱۳ تا ۱۴ جون ۲۰۱۲ء عرس نوری مارہرہ شریف میں شرکت۔

• ۱۷ جولائی ۲۰۱۲ء: قومی کونسل برائے فروغ اردوزبان، نئی دہلی کے عربی پینل کی میننگ میں شرکت۔

• شرکا: حضرت شیخ صاحب، ڈاکٹر سید علیم اشرف جاسی (حیدرآباد)، پروفیسر اسلم اصلاحی (استاذ: جواہر لال نہرو یونیورسٹی، نئی دہلی)، پروفیسر

زبیر فاروقی (استاذ: جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی)، پروفیسر شفیق ندوی (استاذ: جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی)، ڈاکٹر خواجہ اکرام (ڈائریکٹر قومی کونسل

برائے فروغ اردوزبان، نئی دہلی)

• ۲۲ تا ۲۳ نومبر ۲۰۱۲ء: عرس قاسمی برکاتی میں شرکت۔

• ۲ نومبر ۲۰۱۲ء کو ”فکر و تدبیر کانفرنس“ میں حضرت شیخ صاحب کا خطاب۔

● ۲۳ مارچ ۲۰۱۳ء: ”امام اعظم ابوحنیفہ سیمینار و کانفرنس“، بمقام بارہ دری، لکھنؤ۔

صدارت: مولانا محمد احمد مصباحی (صدر المدرسین: الجامعۃ الاشرافیہ، مبارک پور)

شرکا: حضرت سید محمد اختر میاں چشتی (صاحب سجادہ خانقاہ صمدیہ، پھپھوند شریف)، مولانا یسین اختر مصباحی (دارالقلم، دہلی)، مفتی نظام

الدین رضوی (صدر مفتی الجامعۃ الاشرافیہ)، مولانا عبدالحفیظ (سربراہ اعلیٰ: الجامعۃ الاشرافیہ مبارک پور)، مفتی ابوالعرفان میاں فرنگی محلی، مولانا فروغ احمد اعظمی (دارالعلوم علیہ، جمدا شاہی، بستی)، مولانا غلام عبدالقادر علوی (مہتمم: دارالعلوم فیض الرسول، براؤں شریف)، مولانا اقبال احمد قادری (لکھنؤ) اور قاری محمد احمد بقائی، وغیرہ۔

اس سیمینار میں حضرت شیخ صاحب نے ”امام اعظم اور ائمہ اہل بیت اطہار“ پر خطاب فرمایا۔

● ۱۰/۱۱ اپریل ۲۰۱۳ء: مقابلہ تحریر و تقریر، بمقام جامعہ صمدیہ، پھپھوند شریف۔

اس اجلاس میں حضرت شیخ صاحب نے طلبہ کے لیے تربیتی و اصلاحی خطاب فرمایا۔

شرکا: مولانا ذیشان احمد مصباحی، مولانا مجیب الرحمن علی (مدرسین: جامعہ عارفیہ، سید سراواں، الہ آباد)

● ۲۲ مئی ۲۰۱۳ء: عرس نوری میں شرکت۔

● ۱۶ جون ۲۰۱۳ء: حضرت شیخ صاحب کا خطاب بعنوان ”اللہ کی مدد کے شرائط“، بمقام ناؤن ہال، احمد آباد، گجرات۔

● ۱۷ اگست ۲۰۱۳ء: عرس شاہ شجاعت میاں نگرالہ، ضلع بدایوں میں حضرت شیخ صاحب کی شرکت اور خطاب۔

● ۱۵ ستمبر ۲۰۱۳ء: جلسہ عام، بمقام چھوڑا گڑھ، اتر اکلند۔

خطاب حضرت شیخ صاحب۔

● ۱۹ ستمبر ۲۰۱۳ء: سیمینار برائے ”ثبوت رویت ہلال“، زیر اہتمام درگاہ کمیٹی، اجمیر شریف۔

زیر صدارت: قاضی شہراجمیر شریف۔

شرکا: مولانا محمد احمد مصباحی (صدر المدرسین: الجامعۃ الاشرافیہ، مبارک پور)، مفتی نظام الدین رضوی (صدر مفتی: الجامعۃ الاشرافیہ)، مفتی مطیع

الرحمن مظفر رضوی، مفتی انفاس الحسن چشتی (شیخ الحدیث: جامعہ صمدیہ، پھپھوند شریف)، مفتی ابوالعرفان میاں فرنگی محلی (لکھنؤ) مولانا قمر عالم رضوی (شیخ الحدیث دارالعلوم علیہ، جمدا شاہی)۔

● ۲۱ اکتوبر ۲۰۱۳ء کو امام علم و فن حضرت خواجہ مظفر حسین رضوی کے جنازے میں شرکت کے لیے مولانا خوشتر نورانی کے ہمراہ حضرت شیخ

صاحب سنگھیا، ضلع پورنیہ، بہار تشریف لے گئے۔

● ۲۳ نومبر ۲۰۱۳ء عرس قاسمی مارہرہ شریف میں شرکت۔

● ۸ فروری ۲۰۱۴ء کو جامعہ سعدیہ، کیرلا کے ۲۲ ویں سیمینار میں شرکت کے لیے شیخ صاحب کیرلا تشریف لے گئے۔

دن میں جامعہ سعدیہ، کیرلا کے طلبہ سے خطاب کیا اور رات میں جلسہ عام میں تقریر بھی کی۔

## خانقاہ قادریہ اور اس کے ذیلی اداروں کے ذریعہ اہتمام منعقد شدہ کچھ اہم پروگرامز

● دسمبر ۲۰۰۳ء میں ”محافل فہم دین“ کے نام سے مدرسہ عالیہ قادریہ میں تو سیمی خطبات رکھے گئے، جس میں ۱۱، ۱۸، ۲۵ دسمبر اور ۱ جنوری کو

بالترتیب محفل فہم قرآن، محفل فہم حدیث، محفل فہم سیرت اور محفل فہم تصوف کے نام سے حضرت شیخ صاحب نے لیکچرز دے۔



● جلوس سیرت اکیڈمی بدایوں کے زیر اہتمام بمقام جامع مسجد شمس بدایوں میں ۱۰ تا ۱۱ اپریل ۲۰۰۵ء ”مخالف فہم سیرت“ کے عنوان پر دس خطبات رکھے گئے، جس میں حضرت شیخ صاحب نے سیرت کے مختلف گوشوں پر مکمل دس خطبات ارشاد فرمائے۔

● ملی مسائل کے پیش نظر ۲۳ تا ۳۰ جون ۲۰۰۵ء کو خانقاہ عالیہ قادریہ کے زیر اہتمام ”فہم قرآن ہفتہ“ منعقد کیا گیا۔

جس میں ۲۷ جون کو ڈاکٹر سید علیم اشرف جاسی (استاذ شعبہ عربی، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد) اور دوشوانند کو بہ حیثیت مہمان خصوصی مدعو کیا گیا جس میں انہوں نے جہاد پر گفتگو کی۔

۲۸ جون کو حضرت مولانا خوشتر نورانی اور ڈاکٹر قمر الہدی فریدی (علی گڑھ) کو مدعو کیا گیا جس میں ان کا موضوع ”طلاق“ تھا۔

۲۹ جون کو حضرت شیخ صاحب اور پندھاری یادو (سابق ڈی ایم بدایوں) نے ”انسانی حقوق“ کے موضوع پر خطاب کیا۔

آخر میں ۳۰ جون کو تقسیم انعامات رکھا گیا جس میں سعید الزماں صدیقی (ڈسٹرکٹ جج) کو مدعو کیا گیا۔

● طلبہ مدارس اسلامیہ کے لیے الازہر انسٹی ٹیوٹ بدایوں کے زیر انصرام ۱۸ تا ۲۹ جنوری ۲۰۰۶ء ”تعلیمی و تربیتی ورکشاپ“ رکھا گیا جس میں حضرت شیخ صاحب نے خطبات ارشاد فرمائے۔

● ۸ اپریل ۲۰۰۶ء کو بمقام نگر پالیکا کمیونٹی ہال بدایوں میں الازہر انسٹی ٹیوٹ کے زیر اہتمام منعقدہ اجلاس میں حضرت شیخ صاحب اور مولانا ڈاکٹر سجاد عالم منسباجی نے لیکچرز دیے۔ اس میں مہمان خصوصی کی حیثیت سے برجنندراو ستھی کو مدعو کیا گیا۔

● الازہر انسٹی ٹیوٹ بدایوں کے زیر اہتمام بمقام اوجھیانی تین روزہ اسلامی تربیتی ورکشاپ رکھا گیا جس میں حضرت شیخ صاحب نے توحید و شرک، عقیدہ نبوت اور نکاح و طلاق کے عنوان پر گفتگو فرمائی۔

● بمقام اوجھیانی بدایوں شریف میں الازہر انسٹی ٹیوٹ کے زیر اہتمام ۲۰ تا ۲۳ مئی ۲۰۰۸ء کو تعلیمی و تربیتی ورکشاپ منعقد کیا گیا جس میں مسلسل حضرت شیخ صاحب نے خطبات ارشاد فرمائے۔

● الازہر انسٹی ٹیوٹ بدایوں شریف کے زیر اہتمام بمقام نقویہ گرلس کالج بدایوں شریف ”تعلیمی و تربیتی کیمپ“ رکھا گیا جس میں حضرت شیخ صاحب نے درج ذیل موضوعات پر خطاب فرمایا۔

۸ جون ۲۰۰۸ء:	عقیدہ توحید
۹ جون ۲۰۰۸ء:	عقیدہ رسالت
۱۰ جون ۲۰۰۸ء:	عقیدہ آخرت
۱۱ جون ۲۰۰۸ء:	قرآن معجزہ کیوں؟
۱۲ جون ۲۰۰۸ء:	قرآن ہم سے کیا چاہتا ہے؟
۱۳ جون ۲۰۰۸ء:	تصور نکاح و طلاق
۱۴ جون ۲۰۰۸ء:	حقیقت تصوف

اس کے علاوہ ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸ جون ۲۰۰۸ء کو طالبات کے درمیان خطاب فرمائے۔

۱۹ جون ۲۰۰۸ء کو سعد طیب (سی گڑھ) کا خطاب ہوا۔

● ۶ اگست ۲۰۰۸ء کو بمقام گھنٹہ گھر بدایوں شریف میں ”بزم منظور“ کے نام سے ایک مشاعرہ رکھا گیا جس میں اظہر عنایتی (رام پور)، جنید اکرم امرہوی، ڈاکٹر سید سراج الدین اجملی (علی گڑھ) اور حضرت سید منظر میاں چشتی (پھونڈ شریف) موجود تھے۔

۷ جون ۲۰۰۸ء کو تاج دار اہل سنت حضرت الشیخ عبدالحمید محمد سالم القادری کے زیر صدارت قاضی دانیال قطری انسٹی ٹیوٹ اور مولانا

عبدالماجد بدایونی پبلک لائبریری کے افتتاح میں حضرت شیخ صاحب نے خطاب فرمایا۔

اس افتتاح میں مہمان خصوصی کی حیثیت سے ڈاکٹر خواجہ اکرام (ڈائریکٹر قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی) مدعو تھے۔ ان کے علاوہ مولانا خوشتر نورانی، مولانا ذیشان احمد مصباحی (مدرس جامعہ عارفیہ سید سراواں، الہ آباد) اور مولانا ڈاکٹر سجاد مصباحی (اسٹنٹ پروفیسر پریزیڈنسی یونیورسٹی، کولکاتا) بھی موجود تھے۔ آخر میں مولانا قمر احمد اشرفی (ناظم: جامع اشرف کچھوچھ شریف) نے خطاب فرمایا۔

● ۱۰/۱۲ جون ۲۰۰۹ء روحانی تربیتی کمیٹی بمقام دولت آباد، ضلع اورنگ آباد (مہاراشٹر)۔

● ۲۱/۳۰ جون ۲۰۰۹ء: الازہر انسٹی ٹیوٹ، بدایوں کے زیر اہتمام ورک شاپ میں خطبات۔

● ۲۶/۱۲ جون ۲۰۱۱ء: سالانہ ورکشاپ زیر اہتمام الازہر انسٹی ٹیوٹ، بدایوں۔

● ۱۸ ستمبر ۲۰۱۱ء کو علامہ فضل حق خیر آبادی کنونشن، بمقام انصاری آڈیٹوریم، جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی، زیر اہتمام: خانقاہ قادریہ، بدایوں شریف۔

بہ اشتراک و تعاون: ماہنامہ جام نور دہلی، ڈاکٹر ذاکر حسین انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز، نئی دہلی۔

سرپرستی: شرف ملت حضرت سید محمد اشرف میاں قادری برکاتی (انکم ٹیکس کمشنر، دہلی)

صدارت: تاجدار اہل سنت حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم القادری

قیادت: مولانا یسین اختر مصباحی (دارالقلم، دہلی)

نظامت: ڈاکٹر حفیظ الرحمن

کنوینرز: حضرت شیخ صاحب اور مولانا خوشتر نورانی

نعت: ڈاکٹر احمد مجتبیٰ صدیقی (جوینٹ سکریٹری البرکات ایجوکیشنل سوسائٹی، علی گڑھ) اور ہدیہ تشکر حضرت مولانا عطیف میاں قادری شرکا: مولانا مبارک حسین مصباحی (مدیر اعلیٰ: ماہنامہ اشرفیہ، مبارک پور) پروفیسر اختر الواسع (استاذ: جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی) ڈاکٹر غلام زرقانی (مقیم امریکہ)، مفتی مکرم احمد نقشبندی (شاہی امام: شاہی مسجد فتح پوری، دہلی)، مولانا سید ممشاد پاشا قادری (حیدرآباد)، خواجہ شجاع الدین افتخاری (حیدرآباد)، ڈاکٹر خواجہ اکرام (ڈائریکٹر قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی)، ڈاکٹر شکیل حسن شمش (ایڈیٹر: روزنامہ انقلاب، دہلی) پروفیسر ضیاء الدین (پرووائس چانسلر جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی)۔

● ۵/۱۸ مئی ۲۰۱۲ء: سالانہ ورکشاپ، زیر اہتمام الازہر انسٹی ٹیوٹ، بدایوں۔

حضرت شیخ صاحب نے مندرجہ ذیل موضوعات پر خطاب فرمایا:

توحید، رسالت، آخرت، شفاعت اور آسمانی کتابیں۔

● ۳ نومبر ۲۰۱۲ء کو بمقام مدرسہ قادریہ میں جلسہ استقبالیہ۔

صدارت: تاجدار اہل سنت حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم القادری

خطبہ استقبالیہ: حضرت شیخ صاحب

مہمانان: امام علم و فن حضرت خواجہ مظفر حسین رضوی (شیخ الحدیث: دارالعلوم نورالحق، چڑھ محمد پور، فیض آباد) مولانا خوشتر نورانی، مولانا عبدالعزیز نعمانی (مہتمم: دارالعلوم قادریہ، چڑھ یا کوٹ، مو)، مولانا نفیس مصباحی، مولانا صدر الورئی مصباحی، مولانا اختر حسین فیضی (اساتذہ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ) □□□

☆ مدرسہ عالیہ قادریہ، مولوی محلہ، بدایوں (یوپی)

(۶)

---

# اظہار و اعتراف

---

# یہاں سے گزرا ہے ایسے خزانے والا کون!

عربی زبان و ادب، حدیث دانی اور فقہی معاملات میں ان کی تہاذاات ایک ادارے جیسی تھی

میرے قبضے سے سوٹ کیس لیا اور نیچے اتر کے اپنے خاندان کے روایتی اور قدیمی طریقے سے رخصت ہوئے۔ سرکاری افسران اور عملہ تصویر حیرت بنے کھڑے رہے، اس درمیان اسید میاں ان کے ساتھ رہے، ان کے چہرے پر ایک خفیف سا تبسم تھا لیکن اس بات کا کوئی تکرر نہیں تھا کہ ان کے بزرگ والد کسی کا سوٹ کیس اٹھا کر چل رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ اگر آپ اس خدمت پر مصر ہیں تو سوٹ کیس اپنے بیٹے کو دے دیں، فرمایا ”اپنے حصے کی خدمت میں کسی کو شریک نہیں کروں گا“۔ اس جملے پر بھی اسید میاں مسکرائے۔ میں اس پورے معاملے میں شرمندگی سے بھگتا رہا۔ بزرگوں سے سنا تھا اس دن تجربہ ہوا کہ سجادگان بدایوں افراد مارہرہ کے ساتھ کس نیاز مندی سے پیش آتے ہیں۔ اس دن کے بعد سے ان باپ بیٹے نے دل پر قبضہ جما لیا اور یہ قبضہ وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتا ہی رہا، رقبے کے اعتبار سے بھی اور گرفت کے لحاظ سے بھی۔

اسید میاں ”الازہر“ تعلیم حاصل کرنے کے واسطے چلے گئے۔ اس کے بعد جب آئے تو پھر ایک نیا دور شروع ہوا۔ خاندان مجیدی کی علمی روایت کا نیا دور، صوفی مشرب کے عملی پہلو کا نیا دور، مدرسہ قادریہ کا نیا دور، تصنیفی اور تحریری کارناموں کا نیا دور، مختلف رسومات کی اصلاح کا نیا دور اور مارہرہ مطہرہ اور بدایوں شریف کے دیرینہ تعلقات کا نیا دور۔ اسید میاں اس نشاۃ الثانیہ کے مرکزی مسند نشین تھے۔

ان سب کی تفصیلات لکھوں تو کتاب تیار ہو جائے۔ اس وقت تفصیلات کا موقع نہیں ہے۔ یہ کام مجھ سے بہتر دوسرے اصحاب قلم کر سکتے ہیں اور کر رہے ہیں۔ عزیز ذاکٹر احمد مجتبیٰ صدیقی نے اسید میاں کی زندگی پر ایک معرکتہ الآرا مضمون لکھا ہے۔ وہ مضمون یوں تو کئی اعتبار

اسید میاں کو پہلی مرتبہ ۱۹۹۹ء میں ممبئی سے متھرا کے سفر کے دوران ریل کے ڈبے میں دیکھا۔ میں الیکشن آبزور کے طور پر متھرا کے الیکشن کا معائنہ کرنے آ رہا تھا اور اسید میاں اپنے والد محترم کے ساتھ ممبئی سے سوار ہوئے تھے۔ اس سفر کا ایک منظر مجھے ہمیشہ یاد رہے گا۔ دوران سفر حضرت سالم میاں صاحب اپنے فرزند اکبر کا تعارف کرا چکے تھے اور یہ دونوں باپ بیٹے مجھ سے اس طرح مل چکے تھے جیسے بدایوں شریف کے خاندان قادریہ کے حضرات صاحبزادگان مارہرہ مطہرہ سے ملتے ہیں اور یہ ملنا ملنا دس بیس برس یا پچاس سو برس کا نہیں ہے، اس تعلق پر کئی صدیاں صدقے ہو چکی ہیں۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ باپ نے بیٹے سے ملاتے وقت کہا تھا کہ ”یہ حافظ صاحب ہیں، حافظ اسید الحق۔“

چھریں بدن کے صبیح چہرہ، سیاہ ریش، متبسم لب اور کم گو اور چہرے پر ایک خاص چمک جو نوجوانی کے تقوے کی غماز تھی۔ یہ تو مجھے معلوم تھا کہ یہ نوجوان (اس وقت چوبیس سال کے ہوں گے) قبیلے کی آنکھ کا تارا ہے، لیکن ان کی ”نگاہ کی بے باکی“ اور ”ضرب کے کاری“ ہونے کا اندازہ نہیں ہو سکا، کیوں کہ وہ دوران ملاقات آنکھیں جھکائے رہے تھے۔ ان دونوں خصوصیات کا مشاہدہ بعد کے پندرہ برسوں میں ہونا تھا۔ جس منظر کا میں نے پچھلی سطروں میں ذکر کیا وہ یہ تھا کہ متھرا جنکشن پر میرے استقبال کو متھرا کے ایس ڈی ایم، تحصیل دار اور پروٹوکول کے دوسرے افسران اور عملہ موجود تھا۔ لیکن گاڑی رکنے سے پہلے حضرت سالم میاں میری نشست کے قریب آئے اور میری بھاری اچھی اٹھالی، میں ہاں ہاں ہی کرتا رہا اور انہیں بتاتا رہا کہ اسٹیشن پر متھرا کا عملہ بھی ہے اور قلی بھی۔ تبسم کے ساتھ فرمایا کہ ”اس خدمت کے لیے آپ کو ہم سے اچھا قلی کوئی نہیں ملے گا“۔ انہوں نے تقریباً زبردستی



خانوادہ مجیدی کا آنگن اور شمس مارہرہ کا صحن کافی تھا۔

عرس قاسمی برکاتی کی شب خرقہ پوشی کا منظر بے حد روحانی ہوتا ہے۔ سال گزشتہ کی شب خرقہ پوشی کی برکتوں میں مزید اضافہ ہوا جب

اسید میاں اور عطیف میاں شہزادہ غوث اعظم کو لے کر مارہرہ آئے۔

شہزادے بدایوں شریف کے عرس میں مہمان تھے، لیکن جب اسید میاں نے دیکھا کہ عرس قاسمی برکاتی بالکل متصل ہے تو انہوں نے اجازت

چاہی کہ شہزادے کو لے آئیں، ہم لوگوں نے حضرت امین ملت سے اجازت طلب کی تو انہوں نے مسرت کا اظہار کیا۔ رات کو جب وہ کثیر

در کثیر مجمع کے بیچ میں سے شہزادہ غوث اعظم کو حلقے میں لے کر آ رہے تھے تو میں خانقاہ شریف کی بالائی منزل سے یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ برادر

عزیز رفیق ملت بھی شہزادہ غوث اعظم کے استقبال کے واسطے قصبے کے باہر تک گئے تھے۔ وہ بھی اس حلقے میں تھے، اس حلقے کی طرف زائرین

کی بڑی یورش تھی، خرقہ پوشی میں ابھی کچھ وقت باقی تھا، اس روحانی اور بابرکت تقریب میں شہزادہ غوث اعظم کو ”نشان شمس مارہرہ“ حضرت

امین ملت کے دست مبارک سے پیش ہوا۔ عطیف میاں کی بہت عمدہ تقریر ہوئی۔ امین ملت اور رفیق ملت نے بے حد خوشی کا اظہار کیا۔ مگر یہ

کیا..... اسید میاں کچھ مغموم نظر آ رہے تھے۔ بعد میں عقدہ کھلا۔ بدایوں شریف واپس جا کر فون کے ذریعے انہوں نے اپنے ایک عزیز دیرینہ

دوست کو مطلع کیا کہ جب ہم لوگ حلقے میں شہزادہ غوث اعظم کو لارہے تھے تو مجمع کے یورش اور دباؤ سے تنگ آ کر میں نے عرس کے زائرین

میں سے دو ایک لوگوں کو تادیب کی خاطر کچھ سخت کلمات کہہ دیے تھے۔ تب سے غمگین ہوں کہ بدایوں کے ”مولوی“ کی اولاد حضور شمس مارہرہ

کے دربار کے مریدوں کو سخت دست کہنے کی ہمت کیسے کر سکا۔ جب یہ بات مجھ سے بیان کی گئی تو میں کئی لمحوں تک ایک دکھ بھری سرشاری میں

ڈوبا رہا۔ اپنے اجداد کے پیر خانے سے عقیدت و محبت کا یہ عالم کہ ہمہ وقت اس بات کی فکر کہ ہماری وجہ سے مارہرہ مطہرہ سے متعلق کسی شخص کو تکلیف نہ ہو۔

اکثر اپنی کتابوں کی تقریظ لکھنے کے لیے مجھ سے فرماتے۔ میں عرض کرتا کہ آپ اتنے بڑے عالم ہیں، میری تقریظ یا پیش لفظ آپ کی

تصنیف کا کچھ بھلا نہیں کرے گا۔ مسکرا کر چپ ہو جاتے اور ایک ہی

صبر سے اہمیت کا حامل ہے لیکن اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس مضمون میں اسید میاں سرتاپا زندگی نظر آتے ہیں۔ جذبوں سے تھرتھراتے ہوئے، تحریر و تقریر میں مصروف، اہل سنت و جماعت کی شیرازہ بندی میں مشغول، انکسار و ادب کا مجسمہ بنے لیکن حوصلے کا پرچم اٹھائے

رواں دواں۔ لوہار جب گھن پر ہتھوڑا مارتا ہے تو چنگاریاں سی اڑتی نظر آتی ہیں۔ یہ چنگاریاں تخلیق و تعمیر کی نشان دہی کرتی ہیں۔ نرم روکم گو

اسید میاں کی شخصیت کے چاروں طرف ایسی ہی روشن چنگاریاں اڑتی نظر آتی تھیں۔ اسید میاں سے محبت کرنے والوں کو چاہیے کہ احمد میاں کے مضمون کو حرفاً حرفاً پڑھیں۔

پٹنہ کے سفر میں وہ اور خوشتر نورانی میرے ہم سفر تھے۔ راستے میں کھانا آیا اور مسافروں نے کھانا کھایا۔ برابر کی نشست پر ایک بوڑھے آدمی نے کھانا کھا کر باقی ماندہ کھانا اور ٹرے نیچے رکھ دی۔ اس کے بعد وہ کسی ضرورت کے تحت برتھ سے نیچے اترنا چاہتے تھے لیکن ٹرے کی وجہ سے پیر رکھنے کی جگہ نہیں مل پارہی تھی، انہیں اس مصیبت میں گرفتار دیکھا تو اسید میاں نے لپک کر ٹرے اٹھائی اور کسی مناسب جگہ پر رکھ آئے۔

وہ بوڑھا شخص اپنی ضرورت پوری کر کے آیا اور ان سے پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ انہوں نے مختصراً اپنے بارے میں بتایا۔ بوڑھے شخص نے کہا کہ وہ بہار کی اسمبلی کا M.L.A ہے اور اس نے آج تک شیروانی میں ملبوس کسی شخص کو کسی دوسرے کے جھوٹے برتن اٹھاتے نہیں دیکھا۔ اسید

میاں خفیف سا مسکرائے اور اس قسم میں ایک اطمینان کا پہلو تھا۔ کیوں کہ پچھلے کئی برسوں سے ہم لوگ اس موضوع پر کچھ تفصیلی کچھ مختصر گفتگو کرتے رہے تھے کہ مسلمانوں کو عموماً اور اہل طریقت سے وابستہ افراد کو خصوصاً تصوف کے عملی پہلو پر بہت زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

اخلاق، انکساری، فروتنی، بے ریائی، اخلاص اور خدمتِ خلق — تصوف کے عملی پہلو کے تجربے سے جب بھی وہ شاداں فرحاں گزرتے، مجھ گنہ گار کو فون پر اطلاع دیتے اور دعائیں لیتے۔ مجھے یقین کامل ہے کہ

اللازہر سے بدایوں شریف واپس آنے کے بعد انہوں نے اپنے خاندان کے مریدین و متوسلین کو تصوف کے عملی پہلو کے اجزائے ترکیبی کی طرف ضرور راغب کیا ہوگا۔ جو لوگ ان سے قریب رہے ہیں انہوں نے اس کی شہادت دی ہے۔ یوں بھی تصوف کا عملی پہلو سیکھنے کے لیے انہیں

پٹنہ کے سفر میں وہ اور خوشتر نورانی میرے ہم سفر تھے۔ راستے میں کھانا آیا اور مسافروں نے کھانا کھایا۔ برابر کی نشست پر ایک بوڑھے آدمی نے کھانا کھا کر باقی ماندہ کھانا اور ٹرے نیچے رکھ دی۔ اس کے بعد وہ کسی ضرورت کے تحت برتھ سے نیچے اترنا چاہتے تھے لیکن ٹرے کی وجہ سے پیر رکھنے کی جگہ نہیں مل پارہی تھی، انہیں اس مصیبت میں گرفتار دیکھا تو اسید میاں نے لپک کر ٹرے اٹھائی اور کسی مناسب جگہ پر رکھ آئے۔

وہ بوڑھا شخص اپنی ضرورت پوری کر کے آیا اور ان سے پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ انہوں نے مختصراً اپنے بارے میں بتایا۔ بوڑھے شخص نے کہا کہ وہ بہار کی اسمبلی کا M.L.A ہے اور اس نے آج تک شیروانی میں ملبوس کسی شخص کو کسی دوسرے کے جھوٹے برتن اٹھاتے نہیں دیکھا۔ اسید

میاں خفیف سا مسکرائے اور اس قسم میں ایک اطمینان کا پہلو تھا۔ کیوں کہ پچھلے کئی برسوں سے ہم لوگ اس موضوع پر کچھ تفصیلی کچھ مختصر گفتگو کرتے رہے تھے کہ مسلمانوں کو عموماً اور اہل طریقت سے وابستہ افراد کو خصوصاً تصوف کے عملی پہلو پر بہت زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

اخلاق، انکساری، فروتنی، بے ریائی، اخلاص اور خدمتِ خلق — تصوف کے عملی پہلو کے تجربے سے جب بھی وہ شاداں فرحاں گزرتے، مجھ گنہ گار کو فون پر اطلاع دیتے اور دعائیں لیتے۔ مجھے یقین کامل ہے کہ

اللازہر سے بدایوں شریف واپس آنے کے بعد انہوں نے اپنے خاندان کے مریدین و متوسلین کو تصوف کے عملی پہلو کے اجزائے ترکیبی کی طرف ضرور راغب کیا ہوگا۔ جو لوگ ان سے قریب رہے ہیں انہوں نے اس کی شہادت دی ہے۔ یوں بھی تصوف کا عملی پہلو سیکھنے کے لیے انہیں

پٹنہ کے سفر میں وہ اور خوشتر نورانی میرے ہم سفر تھے۔ راستے میں کھانا آیا اور مسافروں نے کھانا کھایا۔ برابر کی نشست پر ایک بوڑھے آدمی نے کھانا کھا کر باقی ماندہ کھانا اور ٹرے نیچے رکھ دی۔ اس کے بعد وہ کسی ضرورت کے تحت برتھ سے نیچے اترنا چاہتے تھے لیکن ٹرے کی وجہ سے پیر رکھنے کی جگہ نہیں مل پارہی تھی، انہیں اس مصیبت میں گرفتار دیکھا تو اسید میاں نے لپک کر ٹرے اٹھائی اور کسی مناسب جگہ پر رکھ آئے۔

وہ بوڑھا شخص اپنی ضرورت پوری کر کے آیا اور ان سے پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ انہوں نے مختصراً اپنے بارے میں بتایا۔ بوڑھے شخص نے کہا کہ وہ بہار کی اسمبلی کا M.L.A ہے اور اس نے آج تک شیروانی میں ملبوس کسی شخص کو کسی دوسرے کے جھوٹے برتن اٹھاتے نہیں دیکھا۔ اسید

میاں خفیف سا مسکرائے اور اس قسم میں ایک اطمینان کا پہلو تھا۔ کیوں کہ پچھلے کئی برسوں سے ہم لوگ اس موضوع پر کچھ تفصیلی کچھ مختصر گفتگو کرتے رہے تھے کہ مسلمانوں کو عموماً اور اہل طریقت سے وابستہ افراد کو خصوصاً تصوف کے عملی پہلو پر بہت زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

اخلاق، انکساری، فروتنی، بے ریائی، اخلاص اور خدمتِ خلق — تصوف کے عملی پہلو کے تجربے سے جب بھی وہ شاداں فرحاں گزرتے، مجھ گنہ گار کو فون پر اطلاع دیتے اور دعائیں لیتے۔ مجھے یقین کامل ہے کہ

اللازہر سے بدایوں شریف واپس آنے کے بعد انہوں نے اپنے خاندان کے مریدین و متوسلین کو تصوف کے عملی پہلو کے اجزائے ترکیبی کی طرف ضرور راغب کیا ہوگا۔ جو لوگ ان سے قریب رہے ہیں انہوں نے اس کی شہادت دی ہے۔ یوں بھی تصوف کا عملی پہلو سیکھنے کے لیے انہیں

پٹنہ کے سفر میں وہ اور خوشتر نورانی میرے ہم سفر تھے۔ راستے میں کھانا آیا اور مسافروں نے کھانا کھایا۔ برابر کی نشست پر ایک بوڑھے آدمی نے کھانا کھا کر باقی ماندہ کھانا اور ٹرے نیچے رکھ دی۔ اس کے بعد وہ کسی ضرورت کے تحت برتھ سے نیچے اترنا چاہتے تھے لیکن ٹرے کی وجہ سے پیر رکھنے کی جگہ نہیں مل پارہی تھی، انہیں اس مصیبت میں گرفتار دیکھا تو اسید میاں نے لپک کر ٹرے اٹھائی اور کسی مناسب جگہ پر رکھ آئے۔

وہ بوڑھا شخص اپنی ضرورت پوری کر کے آیا اور ان سے پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ انہوں نے مختصراً اپنے بارے میں بتایا۔ بوڑھے شخص نے کہا کہ وہ بہار کی اسمبلی کا M.L.A ہے اور اس نے آج تک شیروانی میں ملبوس کسی شخص کو کسی دوسرے کے جھوٹے برتن اٹھاتے نہیں دیکھا۔ اسید

میاں خفیف سا مسکرائے اور اس قسم میں ایک اطمینان کا پہلو تھا۔ کیوں کہ پچھلے کئی برسوں سے ہم لوگ اس موضوع پر کچھ تفصیلی کچھ مختصر گفتگو کرتے رہے تھے کہ مسلمانوں کو عموماً اور اہل طریقت سے وابستہ افراد کو خصوصاً تصوف کے عملی پہلو پر بہت زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

اخلاق، انکساری، فروتنی، بے ریائی، اخلاص اور خدمتِ خلق — تصوف کے عملی پہلو کے تجربے سے جب بھی وہ شاداں فرحاں گزرتے، مجھ گنہ گار کو فون پر اطلاع دیتے اور دعائیں لیتے۔ مجھے یقین کامل ہے کہ

اللازہر سے بدایوں شریف واپس آنے کے بعد انہوں نے اپنے خاندان کے مریدین و متوسلین کو تصوف کے عملی پہلو کے اجزائے ترکیبی کی طرف ضرور راغب کیا ہوگا۔ جو لوگ ان سے قریب رہے ہیں انہوں نے اس کی شہادت دی ہے۔ یوں بھی تصوف کا عملی پہلو سیکھنے کے لیے انہیں

پٹنہ کے سفر میں وہ اور خوشتر نورانی میرے ہم سفر تھے۔ راستے میں کھانا آیا اور مسافروں نے کھانا کھایا۔ برابر کی نشست پر ایک بوڑھے آدمی نے کھانا کھا کر باقی ماندہ کھانا اور ٹرے نیچے رکھ دی۔ اس کے بعد وہ کسی ضرورت کے تحت برتھ سے نیچے اترنا چاہتے تھے لیکن ٹرے کی وجہ سے پیر رکھنے کی جگہ نہیں مل پارہی تھی، انہیں اس مصیبت میں گرفتار دیکھا تو اسید میاں نے لپک کر ٹرے اٹھائی اور کسی مناسب جگہ پر رکھ آئے۔

وہ بوڑھا شخص اپنی ضرورت پوری کر کے آیا اور ان سے پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ انہوں نے مختصراً اپنے بارے میں بتایا۔ بوڑھے شخص نے کہا کہ وہ بہار کی اسمبلی کا M.L.A ہے اور اس نے آج تک شیروانی میں ملبوس کسی شخص کو کسی دوسرے کے جھوٹے برتن اٹھاتے نہیں دیکھا۔ اسید

میاں خفیف سا مسکرائے اور اس قسم میں ایک اطمینان کا پہلو تھا۔ کیوں کہ پچھلے کئی برسوں سے ہم لوگ اس موضوع پر کچھ تفصیلی کچھ مختصر گفتگو کرتے رہے تھے کہ مسلمانوں کو عموماً اور اہل طریقت سے وابستہ افراد کو خصوصاً تصوف کے عملی پہلو پر بہت زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

اخلاق، انکساری، فروتنی، بے ریائی، اخلاص اور خدمتِ خلق — تصوف کے عملی پہلو کے تجربے سے جب بھی وہ شاداں فرحاں گزرتے، مجھ گنہ گار کو فون پر اطلاع دیتے اور دعائیں لیتے۔ مجھے یقین کامل ہے کہ

اللازہر سے بدایوں شریف واپس آنے کے بعد انہوں نے اپنے خاندان کے مریدین و متوسلین کو تصوف کے عملی پہلو کے اجزائے ترکیبی کی طرف ضرور راغب کیا ہوگا۔ جو لوگ ان سے قریب رہے ہیں انہوں نے اس کی شہادت دی ہے۔ یوں بھی تصوف کا عملی پہلو سیکھنے کے لیے انہیں

پٹنہ کے سفر میں وہ اور خوشتر نورانی میرے ہم سفر تھے۔ راستے میں کھانا آیا اور مسافروں نے کھانا کھایا۔ برابر کی نشست پر ایک بوڑھے آدمی نے کھانا کھا کر باقی ماندہ کھانا اور ٹرے نیچے رکھ دی۔ اس کے بعد وہ کسی ضرورت کے تحت برتھ سے نیچے اترنا چاہتے تھے لیکن ٹرے کی وجہ سے پیر رکھنے کی جگہ نہیں مل پارہی تھی، انہیں اس مصیبت میں گرفتار دیکھا تو اسید میاں نے لپک کر ٹرے اٹھائی اور کسی مناسب جگہ پر رکھ آئے۔

وہ بوڑھا شخص اپنی ضرورت پوری کر کے آیا اور ان سے پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ انہوں نے مختصراً اپنے بارے میں بتایا۔ بوڑھے شخص نے کہا کہ وہ بہار کی اسمبلی کا M.L.A ہے اور اس نے آج تک شیروانی میں ملبوس کسی شخص کو کسی دوسرے کے جھوٹے برتن اٹھاتے نہیں دیکھا۔ اسید

میاں خفیف سا مسکرائے اور اس قسم میں ایک اطمینان کا پہلو تھا۔ کیوں کہ پچھلے کئی برسوں سے ہم لوگ اس موضوع پر کچھ تفصیلی کچھ مختصر گفتگو کرتے رہے تھے کہ مسلمانوں کو عموماً اور اہل طریقت سے وابستہ افراد کو خصوصاً تصوف کے عملی پہلو پر بہت زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

اخلاق، انکساری، فروتنی، بے ریائی، اخلاص اور خدمتِ خلق — تصوف کے عملی پہلو کے تجربے سے جب بھی وہ شاداں فرحاں گزرتے، مجھ گنہ گار کو فون پر اطلاع دیتے اور دعائیں لیتے۔ مجھے یقین کامل ہے کہ

اللازہر سے بدایوں شریف واپس آنے کے بعد انہوں نے اپنے خاندان کے مریدین و متوسلین کو تصوف کے عملی پہلو کے اجزائے ترکیبی کی طرف ضرور راغب کیا ہوگا۔ جو لوگ ان سے قریب رہے ہیں انہوں نے اس کی شہادت دی ہے۔ یوں بھی تصوف کا عملی پہلو سیکھنے کے لیے انہیں

چاروں میدانوں میں انہوں نے نظم و ترتیب کا بہت خیال رکھا۔ وہ خوب صورت تحریر، دل نشین تقریر، کتابوں اور وسیع اور کشادہ حسین عمارتوں سے بہت خوش ہوتے تھے۔ کتابوں کو بہت خوب صورت انداز میں شائع کراتے تھے اور پڑھنے والوں تک بہت فیاضی کے ساتھ بھیجا کرتے تھے، بلکہ نہ پڑھنے والوں تک بھی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بہت اعلیٰ ظرف عطا کیا تھا۔ ظرف اعلیٰ بھی میرے خیال میں جمال کا ایک پہلو ہوتا ہے، شاید لازمی پہلو۔ ایسا لازمی کہ اچھے سے اچھا جمال ظرف کی کمی کی وجہ سے زوال آمادہ ہو جاتا ہے۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ یونیورسٹی کے حسین و وسیع آڈیٹوریم میں جب اسید میاں نے مولانا فضل حق خیر آبادی پر سیمینار کرایا تو اس کے انتظام و انصرام میں ایسی نفاست تھی کہ اس دن یہ موازنہ کرنا مشکل تھا کہ یہ آڈیٹوریم باہر سے زیادہ خوبصورت ہے یا اس کے اندر برپا ہونے والا سیمینار اپنی افادیت، نظم و ضبط، حسن و ترتیب اور سلیقے کے باوصف زیادہ خوبصورت ہے۔

اسید میاں کے کارناموں پر نگاہ ڈالنے تو ان کا ایک معتد بہ حصہ کھوئے ہوؤں کی جستجو پر مشتمل تھا۔ اپنے خانوادے کے عظیم علما کی کتابوں یا ان سے متعلق کتابوں کی اشاعت بھی اسی جستجو کی زنجیر کی کڑی تھی۔ وہ سواد اعظم کے تشکیلی عناصر میں تصوف اور خانقاہوں کو بہت اہمیت دیتے تھے اور اہل سنت کے عقائد کا دفاع کرنے والے علمائے کرام میں صرف ہندوستان یا برصغیر ہی نہیں تمام دنیا کے ان علمائے کرام کا اعتراف کرتے تھے جنہوں نے ان عقائد صحیحہ کا دفاع اپنے عمل یا تحریر سے کیا ہے۔ اہل سنت کے دائرے کی اس وسعت کو ماننے اور منوانے والے صاحب طریقت علمائے کرام میں ان کی شخصیت بہت ممتاز تھی۔ ان کی ترغیب اور محبت نے سواد اعظم میں اس نہج کے مطالعات کا ذوق پیدا کرنے میں بہت وسیع کام کیا۔ اس بڑے کام میں ان کے کئی بزرگ اور احباب بھی شامل تھے۔

اسید میاں نے امام احمد رضا خان قادری برکاتی قدس سرہ کے علمی کارناموں کو بہت دقت نظر کے ساتھ پڑھا تھا۔ ایک علم شناس ہونے کی حیثیت سے یہ ان کا فرض بھی تھا اور حق بھی۔ دوران گفتگو وہ اکثر فاضل بریلوی کی فقہی بلند یوں اور شعری امتیازات کے ان نکات کی طرف اشارہ کرتے جو عموماً علمائے کرام بیان نہیں کرتے ہیں۔ میں اس بات

جملہ کہتے ”میری خواہش ہے کہ آپ ہی لکھیں“۔ تب میں مجبور ہو جاتا لیکن سرور ہو کر کچھ لکھ دیتا جسے دیکھ کر وہ میرا دل رکھنے کے لیے بہت خوشی کا اظہار کرتے۔ ان کے علم، اکتسابات اور علمی امتیازات کے بارے میں علمائے کرام اور وہ بھی بڑے علمائے کرام زیادہ تفصیل اور قطعیت سے بتا پائیں گے کہ اہل سنت و جماعت کی معاصر دنیا میں ان کی کیا علمی حیثیت تھی۔ میں نے ان کی تصنیف کردہ، ترجمہ کردہ کتابیں اور تالیفات بہت شوق سے پڑھی ہیں۔ میں بلا خوف تردید عرض کرتا ہوں کہ عربی زبان و ادب، حدیث دانی اور فقہی معاملات میں ان کی تنہا ذات ایک ادارے جیسی تھی۔ ان کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ ان کا مطالعہ درسی کتابوں اور حوالے کی کتابوں کے علاوہ دیگر علوم و فنون میں اس قدر تھا کہ ان سے گفتگو کرتے وقت کبھی اس بات کا احساس نہیں ہوا کہ ہم اس وقت ان سے جس موضوع یا کتاب یا شخصیت پر بات کر رہے ہیں ان کے بارے میں وہ پہلے سے ہی مطالعہ نہیں کر چکے ہیں۔ اردو ادب کا مطالعہ بھی بہت وسیع تھا اور کبھی کبھی اس حوالے سے بھی ان کے ساتھ دلچسپ اور معنی خیز گفتگو ہوتی۔

اسید میاں بہت عمدہ نثر لکھنے پر قادر تھے۔ وہ کئی طرح کی نثر آسانی کے ساتھ لکھ سکتے تھے، علمی اور تحقیقی نثر کے ساتھ شستہ اور سلیس نثر کے نمونے ان کے قلم سے بڑی تعداد میں ارزاں ہوئے ہیں۔ وہ جب چاہتے تب موضوع اور موقع کی مناسبت سے نثر میں فرحت و لطافت پیدا کر دیتے۔ ان کا مزاج بہت شائستہ تھا۔ رکاکت اور ابتذال سے ان کی تحریریں پاک تھیں، وہ طنز سے بھی کام نہیں لیتے تھے تاکہ اس سے کسی کی دل آزاری نہ ہو۔ جب روح کے اندر خیالات بے حد متلاطم ہو جاتے تو طنز کو مزاج کی ملاحظت میں لپیٹ کر پیش کر دیتے کہ ضرب تو لگے لیکن زخم کا نشان نہ نظر آئے۔ ان کی تحریروں کا مطالعہ کرنے والے حضرات اس بات سے واقف ہوں گے کہ اکثر ایسے مقامات آتے تھے جب وہ آسانی کے ساتھ سخت جملے لکھ سکتے تھے لیکن ایسے تمام موقعوں پر انہوں نے احتیاط اور ادب کا دامن سنبھالا، میں ان کی تحریر پڑھتے وقت اکثر ان کے ضبط کی داد دیتا تھا۔

اسید میاں جمیل تھے اور جمال کو پسند کرتے تھے۔ جمال کے لیے نظم و ترتیب کے اجزا لازمی ہیں۔ تحریر، تقریر، تعمیر اور خیالات ان

سے بھی ذاتی طور سے واقف ہوں کہ ان کے بزرگوں کی تحریر میں اگر امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ کا نام ”مولوی“ یا ”مولانا احمد رضا“ ہوتا (جیسا کہ آج سے ۸۰-۹۰ برس پہلے کے علما کی تحریروں میں اکثر ہوتا تھا) تو کتاب کی باز اشاعت کے وقت ترمیم کر کے القاب بڑھا دیتے تھے۔ اس بات سے میرے علاوہ بہت کم لوگ واقف ہیں، الا ماشاء اللہ۔

ڈاکٹر رشید عبیدی جیسے ماہر زبان و ادب عربی اور استاذ الاساتذہ نے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز کے قصیدہ رانعتان پر جو تفصیلی بحث کی ہے اس سے اعلیٰ حضرت کی عربی شاعری کی عظمت، حضرت سیف اللہ المسلمول قدس سرہ کی عبقری شخصیت اور ان سے اعلیٰ حضرت کے تعلق کی نوعیت کو برصغیر سے باہر عربستان کی وادیوں اور دانش کدوں تک پہنچا دیا۔ خانوادہ برکات کے ایک خادم کی حیثیت سے میں ڈاکٹر رشیدی کا ممنون ہوں کہ مداح اور ممدوح دونوں کا تعلق عقیدت مارہرہ مطہرہ سے واسطہ ہے، اسی احساس امتنان کا ذکر اسید میاں نے اپنے طویل و بسیط مقدمے کے آخر میں کیا ہے۔ اس مقدمے کو پڑھنا اور سمجھنا ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں۔ بڑے اور عمیق علمی کارناموں تک یوں بھی ہر کس و ناکس کی رسائی نہیں ہوتی ہے۔ علامہ اسید الحق نے ڈاکٹر رشیدی کے علم و فہم کا اعتراف کرنے کے بعد، اعلیٰ حضرت کے عربی کلام کے بعض حصوں کو سمجھنے میں جو تسامحات اور فاش غلطیاں ہوئی ہیں ان پر نہایت علمی، تحقیقی، تجزیاتی اور خالص لسانی سطح پر جو گرفت کی ہے وہ لا جواب ہے۔ ایک ہندی نے ایک عربی کی خالص علمی گرفت کی اور ایسا کوئی میدان نہیں چھوڑا کہ اعلیٰ حضرت کی عربی دانی کے دفاع میں جس کی خاک نہ چھان لی ہو۔ اس مقدمے کی روشنی میں بلا خوف تردید عرض کرتا ہوں کہ علامہ اسید الحق نے جن جن مورچوں سے اعلیٰ حضرت کی شاعری اور عربی دانی کا دفاع کیا ہے، معاصرین میں اس نچ سے لکھنے والا کوئی نظر نہیں آتا۔ اگر اس مقدمے کا عربی زبان میں ترجمہ کر کے بلا عرب کی دانش گاہوں کے نصاب میں داخل کر دیا جائے تو اہل عرب عس عس کریں گے کہ تنقید پر تنقید کی ایسی روشن مثالیں خال خال ہی نظر آتی ہیں:

حریف تیغ ستم گر تو کر دیا ہے تجھے  
اب اور مجھ سے تو کیا چاہتا ہے سر میرے

ہم ڈاکٹر رشید عبیدی کے ممنون ہیں کہ انہوں نے عالم عرب تک ان قصائد کی تشریح پہنچائی اور ان سے زیادہ اسید میاں کے ممنون ہیں کہ انہوں نے ڈاکٹر رشید عبیدی کی تنقید کے مخدوش اور مشکوک مقامات کی تلاش کی اور بے حد علمی اور تحقیقی انداز سے ان تمام باتوں کا کافی و شافی جواب دیا جنہیں ڈاکٹر رشیدی اعلیٰ حضرت کی عربی شاعری میں عیب کی طرح بیان کرتے ہیں۔

اسید میاں کے بارے میں چند نکات لکھنا چاہتا ہوں۔ ان کی تفصیل کا وقت نہیں ہے:

۱- انہیں پارٹی بندی والی سیاست سے الجھن ہوتی تھی، لیکن ملک اور دنیا کی سیاست پر ان کی بہت گہری نظر تھی۔

۲- علم تفسیر میں ان کا تخصص تھا، جس پر ان کی بہت اہم کتاب ”قرآن کریم کی سائنسی تفسیر“ ہے۔ مگر انہوں نے علم حدیث پر نسبتاً زیادہ کام کیا، لیکن انہیں قرآن عظیم اور قرآنی علوم سے بڑی محبت تھی۔ مارہرہ مطہرہ میں جامعہ احسن البرکات کے قیام کے وقت انہوں نے فرمایا کہ درس نظامی کے مدارس تو ہماری جماعت میں کافی ہیں۔ کاش جامعہ احسن البرکات میں قرآن عظیم، قراءت، تجوید اور تفسیر پر امتیازی کام ہو۔ وہ خود بھی قرآنی علوم پر خوب کام کرنا چاہتے تھے۔

۳- اسید میاں طبعاً حلیم اور منکسر المزاج تھے۔ لیکن قوت ارادی کے بہت مضبوط اور صاحب عزم انسان تھے۔ اپنے موقف کو بیان کرنے میں علم اور منطق کی پوری مدد لیتے تھے۔ صرف جذباتی انداز نہیں اختیار کرتے تھے جو عام وطیرہ ہے۔

۴- اپنے خانوادے اور خانقاہ کے اثاثے کو بہت عمدہ طریقے سے محفوظ کرنا چاہتے تھے اور بڑی حد تک اس کام کو مکمل کر لیا تھا۔

۵- آقائے ذوالعالم حبیب کریم رحمۃ اللہ علیہ سے بہت محبت تھی۔ ربیع الاول شریف میں یہ محبت نوع بہ نوع انداز سے سامنے آتی تھی۔ بدایوں شریف کے عصری اسکولوں، کالجوں میں (جو اکثر ٹھیٹھ آرائیں ایس۔ ایس۔ والوں کے ہیں) جا کر سیرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر تقریر کرتے اور ان سب میں بھی چاکلیٹ یا مٹھائی تقسیم کرتے اور کہتے کہ ان لوگوں تک اپنے نبی کی سیرت ہم نہیں پہنچائیں گے تو تبلیغ کا فریضہ کیسے ادا ہوگا۔ جب اس قسم کا کوئی کام کرتے تو مجھے ضرور مطلع فرماتے۔



۶- وہ جبہ و دستار اور صرف نذرانے اور دست بوسی والی طریقت کے مقابلے میں اس تصوف کو پسند فرماتے تھے جس میں عشق رسول اور اخلاق حسنہ کا درجہ سب سے بلند ہوتا ہے اور اخلاقی حسنہ میں خدمت خلق، اخلاص، انکسار اور تواضع لازمی طور پر شامل رہتے ہیں۔ ان کی اسی روش نے انہیں بارہرہ مطہرہ کے موجودہ ذمہ داروں کے دلوں کے قریب کیا۔

۷- اسید میاں میں مذموم رسومات کی اصلاح کا بہت ذوق تھا۔ اس کام کو وہ پوری ہمت اور حکمت سے انجام دیتے تھے۔

۸- وہ طبعاً فیاض تھے اور دام و درم کو صرف اتنی حیثیت دیتے تھے جس سے ضروریات زندگی پوری ہو سکیں۔

۹- نظم و ضبط اور صبر و شکر کے عناصر اور بعد ان کی شخصیت کے تشکیلی عناصر میں ممتاز تھے۔

۱۰- انہیں اپنے اجداد کے پیرخانے اور حضور شمس مارہرہ سے عشق کی حد تک عقیدت تھی۔

۱۱- یوں تو ہم چاروں بھائیوں سے بہت محبت کرتے تھے لیکن برادر عزیز سید نجیب حیدر برکاتی سے انہیں بہت الفت تھی، شاید اس لیے بھی کہ سید نجیب میاں اس گدی کے سجادہ نشین ہیں جس پر خاتم الاکابر ہند حضرت نورنی میاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بیٹھ کر محبت کا سبق دیا تھا۔

۱۲- یوں تو ہر شخص کو عام طور پر اپنے باپ سے محبت ہوتی ہے لیکن اسید میاں کو حضرت سالم میاں صاحب مدظلہ العالی سے بے حد محبت تھی کہ وہ والد بھی ہیں، مربی بھی اور مرشد بھی۔

حضرت سالم میاں صاحب مدظلہ العالی کے پاس اس سانچے پر غم کرنے اور کرتے رہنے کے بہت سے اسباب ہیں، لیکن سامان ہکیبائی بھی کم نہیں ہیں۔ یہ بات بھی کیا کم باعث شکر ہے کہ اللہ رب العزت نے انہیں اتالیس برس تک ایک نعمت عظمیٰ سے سرفراز رکھا، ایک ایسا

فرزند جو میدان علم کا بھی شہسوار تھا اور راہ طریقت کا تیز رو مسافر بھی تھا۔ جو انتظامی کاموں میں بہت مشاق تھا اور جس نے اپنے خانوادے، خانقاہ اور مدرسے کی عزت و وقار کی بازیابی کی خدمت جلیلہ ادا کی۔ جس نے بدایوں سے لے کر برصغیر کے گوشے گوشے میں اہل سنت و جماعت کا وقار بلند کیا اور جس نے اپنے عمل اور کردار سے سواد اعظم کو غور و فکر اور مطالعے کے بہت سے بہتر اور نئے میدان مہیا کیے۔ جو ایک صوفی باصفا کی طرح جیا اور جس نے شہید کی طرح موت کو گلے لگایا اور جو ارغوث اعظم میں جا کر محو آرام ہوا۔ میں نے یہ مضمون عجلت میں لکھا ہے لیکن یہ ارادہ کر کے شروع کیا تھا کہ اس مضمون میں اسید میاں کی موت کا ذکر نہیں کروں گا۔ لیکن میں نے تو شہید کا ذکر کیا ہے اور شہید کے زندہ ہونے پر قرآن کریم شاہد ہے۔

اسید میاں! تم زندہ ہو اپنے والدین، بھائیوں اور اہل خاندان کے لیے اور اپنے خاندان کے مریدین و متوسلین کے لیے اور دوستوں اور بھی خواہوں کے لیے اور اپنے تمام چاہنے والوں کے لیے اور میں اشرف برکاتی بھی تمہیں بے حد چاہنے والوں میں ایک ہوں۔ اور میری خواہش بھی ہے اور دعا بھی کہ تم مجھے ہمیشہ زندہ محسوس ہو۔ اپنی خانقاہ قادریہ میں، اپنے مدرسہ قادریہ میں، اپنے شہر بدایوں شریف میں، اپنے شمس مارہرہ کے مارہرہ مطہرہ کے اعراس کی محفلوں میں، سواد اعظم کے عقائد کے تحفظ میں اور اپنے چاہنے والوں کی محفلوں میں اور اپنے والدین کے آغوش محبت میں اور اپنے پیارے بھائیوں کے سروں پر دست شفقت رکھنے میں۔

اسید میاں! تم روحانی دنیا کے انسان ہو۔ یہ کام تمہارے لیے کچھ مشکل نہ ہوگا۔ □□□

☆ چیف اکنمیکس کمشنر، کولکاتا (ویسٹ بنگال)  
خانقاہ برکاتیہ، بڑی سرکار، مارہرہ مطہرہ، ضلع امد (یوپی)

ماہنامہ جام نورآن لائن پڑھنے کے لیے کلک کریں

www.khushtarnoorani.in

www.nafseislam.com

www.facebook.com/monthly Jaam e Noor



# اہل سنت کے دو جگر پارے

مولانا اسید الحق بدایونی اور مولانا عبدالحی فرنگی محلی کے درمیان حیرت انگیز مماثلت تھی

کاذوق و مزاج، خالص دینی و علمی تھا۔ دونوں کو تحقیق و تصنیف و تالیف سے غایت درجہ دل چسپی تھی۔ ان کے شب و روز کتابوں کے درمیان ہی گزرتے تھے۔ اگر قضا و قدر کی طرف سے کچھ اور مہلت ملتی تو اہل سنت کے ان ”دونوں جگر پاروں“ کے مزید ”جوہر پارے“ منظر عام پر آتے۔ لیکن: مرضی مولیٰ از ہمہ اولیٰ!

صاحب زادہ گرامی قدر مولانا اسید الحق قادری بدایونی کے محترم دادا، شیخ الاسلام حضرت مولانا شاہ عاشق الرسول محمد عبدالقدیر بدایونی (متوفی ۳ ر شوال ۱۳۷۹ھ / ۳۱ مارچ ۱۹۶۰ء) رحمۃ اللہ علیہ کے معظم و مکرم پردادا، حضرت مولانا شاہ عین الحق عبدالجید قادری برکاتی بدایونی (متوفی ۱۷ محرم الحرام ۱۲۶۳ھ / جنوری ۱۸۴۷ء) اپنے عہد و عصر کے اکابر علماء و مشائخ اہل سنت میں سے تھے۔

ایک طرف شمس مارہرہ حضرت سید شاہ آل احمد اچھے میاں قادری برکاتی مارہروی (متوفی ۱۲۳۵ھ / ۱۸۲۰ء) رضی اللہ عنہ کے خلیفہ ارشد تھے تو دوسری طرف حضرت مولانا شاہ نور الحق فرنگی محلی لکھنوی (متوفی ۱۲۳۸ھ / ۱۸۲۲ء) کے تلمیذ ارشد تھے۔

حضرت مولانا شاہ عین الحق عبدالجید عثمانی قادری بدایونی ان اکابر علماء اہل سنت میں تھے جنہوں نے شاہ محمد اسماعیل دہلوی (متوفی ۱۲۳۶ھ / ۱۸۳۱ء) کی ”تقویۃ الایمان“ کے خلاف اس کے مؤلف کی حیات ہی میں ”ہدایت الاسلام“ کے نام سے ایک ایمان افروز تحقیقی و تردیدی کتاب لکھ کر احقاق حق و ابطال باطل کا گراں قدر فریضہ انجام دیا۔ آپ نے بحر العلوم مولانا محمد علی بدایونی تلمیذ قاضی مبارک گوپا متوی، مؤلف ”قاضی مبارک“ اور علامہ ذوالفقار علی، ساکن دیوہ، اودھ (ضلع بارہ بنکی، اتر پردیش) تلمیذ ملا نظام الدین سہالوی فرنگی محلی، بانی ”درس نظامی“ سے خصوصی تعلیم پائی تھی۔

خانوادہ عثمانیہ قادریہ، بدایوں ایک طرف خانوادہ قادریہ برکاتیہ،

متحدہ ہندوستان کے عظیم و قدیم دینی و علمی خانوادوں میں نطفہ اودھ کا خانوادہ فرنگی محلی، لکھنؤ اور نطفہ روہیل کھنڈ کا خانوادہ عثمانیہ قادریہ، بدایوں، یہ دونوں خانوادے اپنی مثال آپ ہیں جن کی درخشاں تاریخ، صدیوں پر محیط ہے۔

یہ ایک عجیب حسن اتفاق ہے کہ عہد اخیر میں خانوادہ فرنگی محلی، لکھنؤ کے معروف حنفی فقیہ، ابوالحسنات مولانا محمد عبدالحی فرنگی محلی لکھنوی (وصال: ۱۳۰۴ھ / ۱۸۸۶ء) اور خانوادہ عثمانیہ قادریہ بدایوں کے معروف نوجوان عالم و فاضل مولانا اسید الحق محمد عاصم القادری، معروف بہ مولانا اسید الحق قادری بدایونی (ولادت: در بدایوں ۲۳ ربیع الآخر ۱۳۹۵ھ مطابق ۶ مئی ۱۹۷۵ء / شہادت: در بغداد، ۲ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ مطابق ۲ مارچ ۲۰۱۳ء) حیات مستعار کی چالیس بہاریں بھی نہ دیکھ سکے اور اپنی ہستی مسکراتی یادوں اور گراں قدر دینی و علمی خدمات کے ربط مسلسل کو موقوف کر کے بزم عالم سے اس طرح اٹھ گئے کہ اہل علم و اہل ذوق اور اہل محبت و تعلق کو ان کی اچانک رحلت کا یقین کرنا مشکل ہو گیا کہ دم بھر میں آخر یہ کیا ہو گیا؟

عجب دست اجل کو کام سونپا ہے مشیت نے

پہن سے پھول لینا اور ویرانے میں رکھ دینا

بہر حال! جو ہونا تھا وہ ہوا، اور مشیت ایزدی میں کسی کے لیے صبر و شکر کے سوا چارہ کار ہی کیا ہے؟ جو کچھ ہے وہ خالق و مالک عز و جل ہی کا ہے اور سب کو اسی کی بارگاہ عظمت و جلال میں پیش ہونا ہے اور اسی کی رحمت و مغفرت کا سب کو سہارا اور آسرا ہے۔

ابوالحسنات مولانا محمد عبدالحی فرنگی محلی لکھنوی کا وصال ہوا تو ان کی عمر اُنتالیس (۳۹) سال تھی اور مولانا اسید الحق قادری بدایونی کی عمر بھی بوقت شہادت اسی اُنتالیس (۳۹) کے آس پاس تھی۔

دونوں مرحومین کے درمیان، حیرت انگیز مماثلت تھی۔ دونوں

کیف انگیز تھا۔

اس رویت بے حجابی کا تذکرہ مولانا الحاج احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے اپنے قصیدہ ”چراغ اُنس“ کے ایک شعر میں کیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

میں بھی دیکھوں جو تو نے دیکھا ہے  
روزِ سَعی صفا، محبتِ رسول  
صفا مروہ پہ تو نے جو دیکھا  
وہ مجھے بھی دکھا، محبتِ رسول  
ہاں! یہ سچ ہے کہ یاں وہ آنکھ کہاں؟  
آنکھ، پہلے وِلا، محبتِ رسول

(ص: ۳۳۳، مکمل التاريخ، مؤلفہ مولانا ضیاء القادری، ترتیب جدید، مولانا اُسید الحق قادری بدایونی، طبع اول جمادی الاولیٰ ۱۳۳۳ھ/مارچ ۱۹۱۶ء، طبع جدید: رمضان ۱۳۳۳ھ/جولائی ۲۰۱۳ء، تاج الفحول اکیڈمی، بدایوں)

جس معیار اور جس رفتار کے ساتھ مولانا اُسید الحق قادری بدایونی اپنے کاروانِ علم و فضل کی قیادت کرتے ہوئے اُسے منزل بہ منزل آگے کی طرف بڑھا رہے تھے، اگر انہیں دس پندرہ سال کا مزید موقع مل جاتا تو اپنے اکابر خانوادہ کی دینی و علمی خدمات اور خود اپنے قلمی شہ پاروں کے ذریعے وہ مذہبِ اہل سنت کی نہایت وقیع خدمت انجام دینے کے ساتھ اپنے باوقار خانوادے کی عظمت رفتہ کو بڑی حد تک بحال کر سکتے تھے اور عہدِ حاضر میں بھی بدایوں کی عظمت و اہمیت کا شہرہ برصغیر ہندو پاک کی سرحدوں کو عبور کرتے ہوئے دور، بہت دور تک پہنچ جاتا۔

مولانا اُسید الحق قادری بدایونی مجھ سے بہت مانوس اور بہت قریب تھے۔ انھیں میں نے پایا کہ:

حسنِ اخلاق، شیرینیِ گفتار، عظمتِ کردار، بلندیِ فکر، طبعِ رسا، فکرِ صائب اور متانت و سنجیدگی کا خوبصورت اور پرکشش مرقع ہیں۔

کچھ اپنی تصانیف کے ساتھ اپنے اکابر خانوادہ اور بالفاظِ دیگر اکابرِ علمائے اہل سنت کے کتب و رسائل جس خوبی و خوبصورتی کے ساتھ اہل علم اور اہل ذوق کے سامنے لانے اور انہیں فردوسِ نگاہ بنانے کے مسلسل عمل میں وہ مصروف تھے، اُس سے جماعتِ اہل سنت کے ذخیرہ علمی میں زبردست اضافہ ہو رہا تھا۔

مارہرہ مطہرہ کے تصوف و روحانیت کا وارث و امین ہے تو دوسری طرف خانوادہ فرنگی محل، لکھنؤ کے علم و فضل کا حامل اور نمائندہ و ترجمان ہے۔ سیف اللہ المسلمول حضرت مولانا شاہ فضل رسول عثمانی قادری بدایونی (متوفی ۱۲۸۹ھ/۱۸۷۲ء) خلف الصدق حضرت مولانا شاہ عین الحق عبدالمجید قادری برکاتی بدایونی بھی خانوادہ فرنگی محل ہی کے تعلیم یافتہ و تربیت یافتہ اور حضرت مولانا شاہ نور الحق فرنگی محلی (متوفی ۱۲۳۸ھ/۱۸۲۲ء) کے شاگردِ رشید تھے۔

مولانا اُسید الحق قادری بدایونی کے پردادا، محبتِ رسول، تاج الفحول، حضرت مولانا عبدالقادر عثمانی قادری بدایونی (متوفی ۱۳۱۹ھ/۱۸۰۱ء) علیہ الرحمۃ والرضوان، امامِ حکمت و کلام، علامہ فضل حق خیرآبادی (متوفی ۱۲۷۸ھ/۱۸۶۱ء) کے مخصوص و ممتاز شاگرد اور اس کے ساتھ ہی اپنے عہد کے سرخیل اکابرِ علمائے اہل سنت بھی ہیں۔ اس حقیقت کا اظہار، امامِ اہل سنت، مولانا شاہ احمد رضا قادری برکاتی بریلوی (متوفی ۲۵ صفر ۱۳۳۰ھ/اکتوبر ۱۹۲۱ء) نے اس طرح فرمایا ہے:

وَقُدْوَةٌ جَمْعِهِمْ تَاجُ الْفُحُولِ  
وَمَا أَدْرَاكَ مَا تَاجُ الْفُحُولِ

اور آپ کو ”معیارِ سنیت“ قرار دیتے ہوئے اپنے قصیدہ ”چراغ اُنس“ میں فرمایا ہے کہ:

ٹھیک ”معیارِ سنیت“ ہے آج  
تیری حب و وِلا، محبتِ رسول

سعی صفا و مروہ کے دوران حضرت محبتِ رسول، تاج الفحول بدایونی کو جو نعمتِ عظمیٰ میسر آئی کہ آپ زیارتِ سیدنا غوثِ اعظم جیلانی بغدادی رضی اللہ عنہ سے سرفراز ہوئے۔ اس جمالِ قادریت کی زیارت سے اپنا دیدہ و دل روشن کرنے کی فقیہِ اسلام، حضرت مولانا احمد رضا قادری برکاتی بریلوی نے اپنے قصیدہ ”چراغ اُنس“ میں جس قلبی آرزو کا اظہار کیا ہے اُس کا ذکر کرتے ہوئے مولانا محمد یعقوب ضیاء القادری بدایونی (متوفی ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء) تحریر فرماتے ہیں کہ:

”منزلِ قرب میں اس درجہ اتصال اور ذوق وصال، آپ (محبتِ رسول، تاج الفحول بدایونی) کو حاصل تھا کہ نظروں سے حجابات اٹھ کر بے پردہ جلوہ گری کا شمار آنکھوں میں ہر لحظہ

مجھے اُن کی ذات سے بہت زیادہ توقعات وابستہ تھیں کہ یہ آگے چل کر عظیم پیمانے پر پھیلنے والے مذہب کا کام کریں گے اور اپنی نگرانی میں اپنے مدرسہ قادریہ بدایوں کے کچھ نوجوان علما کی صحیح تربیت کر کے ان سے بھی بہت سا کام لیں گے۔

بعض دینی و علمی مسائل و معاملات میں گاہے گاہے مجھ سے مشورہ کرنے میں وہ کوئی تکلف نہیں کرتے تھے۔ اہل سنت و علمائے اہل سنت کے درمیان خوشگوار باہمی روابط و تعلقات کے وہ دل سے خواہش مند تھے۔ کسی اختلاف کی خلیج کو وسیع کرنے کی طرف نہیں بلکہ ایسی کسی خلیج کو پائنے بلکہ اس کے نشانات مٹانے کے بھی وہ متمنی تھے۔ وہ بلند فکر و نظر کے مالک تھے۔ عام لوگوں کی طرح الجھنے الجھانے کو وہ سخت ناپسند کرتے تھے۔

مولانا اسید الحق قادری اس وقت اپنے خانوادہ عثمانیہ قادریہ مجیدیہ بدایوں کی علمی آبرو اور اُس کی شان تھے اور اتنا ہی نہیں بلکہ سادات مارہرہ مطہرہ کی نظر میں بھی وہ محبوب و مقرب تھے اور جماعت اہل سنت کے بہت سارے علمائے کرام اُن کی دینی و علمی و اخلاقی خوبیوں کے معترف اور مداح تھے۔

”سیف الجبار“ مولفہ سیف اللہ المسلمول علامہ شاہ فضل رسول عثمانی قادری بدایونی کی تحقیق و تخریج و تحشیہ کا کام پایہ تکمیل تک پہنچا چکے تھے۔ حضرت سیف اللہ المسلمول کی نہایت اہم تصنیف ”بوارق محمدیہ“ کی تحقیق و تخریج اور پھر اس کی طہاعت و اشاعت کی طرف وہ خصوصی طور پر متوجہ تھے۔ ایک بار انہوں نے مجھ سے کہا کہ:

”عام طور پر لوگ ”سیف الجبار“ کو حضرت سیف اللہ المسلمول کی سب سے اہم اور وسیع کتاب سمجھتے ہیں۔ لیکن میرا خیال ہے کہ آپ کی سب سے اہم اور وسیع تصنیف ”بوارق محمدیہ“ ہے۔“

مولانا محمد یعقوب حسین ضیاء القادری بدایونی اس نہایت اہم کتاب ”بوارق محمدیہ“ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

اعلیٰ حضرت، تاج الحول (مولانا عبدالقادر بدایونی) قدس سرہ ”تحفہ فیض“ میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

حضور اقدس (حضرت علامہ فضل رسول بدایونی) دہلی میں

حضرت خواجہ خواجگاں، قطب الاقطاب (خواجہ قطب الدین بختیار کاکی) رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ دیکھا کہ: حضرت خواجہ کھڑے ہیں اور دونوں ہاتھوں پر اس قدر کتابیں رکھی ہیں کہ آسمان تک بلند ہو گئی ہیں۔“

عرض کیا: حضور خواجہ! یہ تکلیف کتابیں اٹھانے کی حضور نے کیوں فرمائی؟

جواب میں ارشاد ہوا: تمہارے لیے مولوی فضل رسول! لو، ان کتابوں کو لو اور ان کی مدد سے فتنہ شیاطین دفع کرو۔“

اس کے بعد ہی بہ عجلت، حضور (علامہ فضل رسول بدایونی) نے کتاب مذکور ”بوارق محمدیہ“ تصنیف فرمائی، جس میں اصول کلیہ و ہابیہ باطل کیے گئے۔ زبان فارسی ہے۔“

(ص: ۲۸۳، اکل التاريخ، مؤلفہ مولانا ضیاء القادری بدایونی)

دہلی کے سفر میں گاہے گاہے دارالقلم بھی وہ آتے جاتے رہے۔ اپنے سفر بغداد مقدسہ سے ایک دو روز پہلے انہوں نے فون پر گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ:

”اب سفر بغداد مقدسہ سے واپسی کے بعد ملاقات و گفتگو ہوگی۔“

یہ انتظار، ظاہر ہے کہ اب وعدہ فردا نہیں بلکہ وعدہ قیامت کی شکل اختیار کر چکا ہے۔ میں نے سوچا تھا کہ اس ملاقات میں اور باتوں کے ساتھ ایک خصوصی پہلو اجاگر کرنے کے لیے اسید میاں سے کہوں گا، جس کا ذکر کسی سابقہ ملاقات میں بھی کر چکا تھا۔ وہ خصوصی پہلو یہ ہے کہ:

”مدرسہ قادریہ“ بدایوں متحدہ ہندوستان کا غالباً واحد ایسا دینی

و علمی ادارہ ہے جو سب سے قدیم ہونے کے ساتھ آج بھی زندہ اور باقی ہی نہیں بلکہ سرگرم عمل بھی ہے۔ اس دینی درس گاہ کا نام پہلے ”مدرسہ محمدیہ“ تھا۔ حضرت سیف اللہ المسلمول جب تکمیل علوم و فنون کر چکے تو

اسی مدرسے میں تدریسی فرائض انجام دینے لگے اور اس کا نام ”مدرسہ قادریہ“ رکھا۔ اس طرح اس مدرسے کی تاسیس و قیام پر تقریباً دو سو سال

(۲۰۰) گزر چکے ہیں اور اس قدامت کا کوئی ادارہ برصغیر ہندوپاک میں غالباً کوئی دوسرا نہیں ہے۔

خانوادہ عثمانیہ بدایوں کے بھر عالم، حضرت مولانا محمد علی بدایونی

(ولادت ۱۱۳۲ھ/۲۲-۱۷۲۱ء/دوال ۲۵ رجب الآخر ۱۱۹۷ھ/مارچ ۱۷۸۳ء) تلمیذ قاضی مبارک گوپا منوی (متوفی ۱۱۶۲ھ/۲۹-۱۷۲۸ء) مؤلف ”قاضی مبارک، شرح سلم العلوم، کے تعارف و تذکرہ میں مولانا محمد یعقوب حسین ضیاء القادری بدایونی لکھتے ہیں کہ:

”اسی طرح رؤسائے شیخوپور (بدایوں) نے (جو فریدی فاروقی خاندانی رئیس تھے اور آپ سے ارادت و تلمذ رکھتے تھے) باصرار تمام ایک وسیع قطعہ زمین مسجد و مدرسہ و مکان کی تعمیر کے لیے نذر گزرا۔ مسجد قدیم، دوبارہ سے بارہ تعمیر ہو کر ”مسجد خرما“ مشہور ہوئی۔ مسجد کی محراب وسطیٰ میں ایک پتھر پر یہ قطعہ تعمیر کنندہ ہے:

بنائے مسجد زیباے حاجی الحرمین  
شیخ افضل روشن چو آفتاب شدہ  
بہ جستجوے شدم سال از مرمت او  
خرد بگفت، چو مسجد مثالی کعبہ شدہ  
۱۰۹۳ھ

حضرت مولانا کے زمانے کی مرمت کا پتھر، جو اندرون مسجد نصب ہے، اُس میں ۱۱۸۱ھ (۶۸-۱۷۶۷ء) کندہ ہے۔ مدرسے کا نام ”مدرسہ محمدیہ“ قرار پایا تھا جو اب ”مدرسہ عالیہ قادریہ“ کے نام سے موسوم ہے۔

(ص: ۶۸، ۶۹، اکل التاريخ، مؤلفہ مولانا ضیاء القادری بدایونی)

اگر مولانا اُسید الحق قادری سے بعد سفر بغداد کوئی ملاقات، مقدر ہوتی تو اُن سے یہی نہیں بلکہ کچھ اور بھی اہم باتیں ہوتیں۔

اپنے خصوصی استاذ، حضرت مولانا خواجہ مظفر حسین رضوی پورنوی (متوفی ۱۲۱۲ھ/۲۰ رجب المرجب ۱۲۳۲ھ/۲۰ اکتوبر ۲۰۱۳ء) علیہ الرحمہ کا جب کبھی وہ ذکر کرتے تو بے حد عقیدت و احترام کے ساتھ ذکر کرتے۔ اسی طرح برادر مکرم مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی کی شخصیت اور آپ کے علم و فضل کے ساتھ آپ کی فکری و قلبی صلاحیت اور تحریر کی بلاغت و جامعیت کے قائل تھے۔ ایک بار آپ کی کسی تحریر پر تبصرہ کرتے ہوئے کہنے لگے کہ: ”حضرت مصباحی صاحب کی تحریر بڑی پی ٹلی ہوتی ہے، جس میں کوئی جملہ یا لفظ نہ زیادہ ہوتا ہے نہ کم۔ جیسی اور جتنی ضرورت

ہوتی ہے، بس اتنے ہی الفاظ اور جملوں کا استعمال ہوتا ہے۔“ خانقاہ قادریہ اور مدرسہ قادریہ کو اُس کی مستحکم بنیادوں پر اپنی نئی منصوبہ بندی اور حکمت عملی کے ساتھ جن خطوط پر مولانا اُسید الحق قادری چلانا اور اسے بڑھانا چاہتے تھے اور نہایت کامیابی کے ساتھ آگے بڑھا رہے تھے، وہ بے حد حوصلہ افزا تھے۔

اتنی بات تو سب کو معلوم ہے کہ خطہ روہیل کھنڈ کے دونوں معروف روحانی مراکز طریقت، یعنی سلسلہ قادریہ برکاتیہ مجیدیہ، بدایوں اور سلسلہ قادریہ برکاتیہ رضویہ، بریلی اور بالفاظ دیگر، علمائے بدایوں و علمائے بریلی، دونوں از ابتدا تائیں دم، ہم مذہب و ہم مسلک اور اپنے مرکز عقیدت خانقاہ عالیہ قادریہ برکاتیہ، مارہرہ مطہرہ سے منسلک ہیں۔

اس وقت خانوادہ عثمانیہ قادریہ اور بالفاظ دیگر علمائے بدایوں کا جو عمل، طرز عمل اور ان کی جو روش ہے وہ میرے علم و اطلاع کے مطابق، کچھ اس طرح ہے:

(۱) اپنے قدیم ”مدرسہ قادریہ“ بدایوں کے فروغ و استحکام و ترقی میں مصروف ہیں۔

(۲) کتب و رسائل خانوادہ عثمانیہ قادریہ کی جدید طباعت و اشاعت کی طرف وہ اپنی خصوصی توجہ مبذول کیے ہوئے ہیں۔

(۳) ”اذان ثانی“ کے قصبے کو نہ اُچھال رہے ہیں، نہ اسے چھیڑ رہے ہیں۔ نہ اس سے متعلق کسی نئی تحریر کا کوئی جواب دہ رہے ہیں۔

(۴) فقیہ اسلام امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی یا خانوادہ قادریہ برکاتیہ رضویہ، بریلی اور بالفاظ دیگر علمائے بریلی کے خلاف وہ کوئی انگشت نمائی، کوئی نازیبا تبصرہ، نہ ہی کسی قسم کی محاذ آرائی کر رہے ہیں۔

(۵) عرس قاسمی برکاتی، مارہرہ مطہرہ میں شریک ہو رہے ہیں۔

(۶) ہر طبقہ اور ہر حلقے کے علماء و مدارس اہل سنت کے ساتھ خوش گوار تعلقات و روابط کے خواہش مند ہیں۔

موجودہ علمائے بدایوں کے ”سنگین جرائم“ کی مکمل فہرست میری معلومات کے مطابق یہی ہے، جس کی سزا کبھی ”سَدُّ الْفَرَار“ کبھی ”مَفَاوِضَاتِ طَیِّبَہ“ کبھی کسی کتابچے کی طباعت و اشاعت اور اُس کی مفت تقسیم، اور کبھی کسی مضمون کے ذریعے دے کر بزعم خویش ”تحفظ مذہب و مسلک کا پختہ انتظام“ کرنے یا علمائے بدایوں کو سرنگوں کرنے



یا علمائے بریلی کو سر بلند و سرفراز کرنے میں ہمارے ”بعض عاقبت نااندیش افراد“ اور ”نادان دوست“ مصروف رہتے ہیں۔

ایسے افراد، آنجانے میں ہی سہی، علمائے بدایوں نہیں بلکہ درحقیقت، علمائے بریلی کو نشانہ بنا رہے ہیں۔

میں بڑی صراحت و وضاحت اور ذمہ داری کے ساتھ اس سلسلے میں اپنے تاریخی مطالعے کی روشنی میں یہ انتباہ دینا چاہتا ہوں کہ:

تحریری ریکارڈ کے مطابق حضور مفتی اعظم ہند و حضرت صدر الشریعہ، حضرت صدرالافاضل و حضرت محدث اعظم ہند و حضرت مجاہد ملت

و دیگر اکابر علمائے اہل سنت علیہم الرحمۃ والرضوان نے جس قضیہ (ماضی بعید میں مسئلہ اذان ثانی کے سلسلے میں اختلاف اور اس کے ناخوش گوار نتائج و اثرات) کو عملاً ختم کر دیا تھا اور متعدد جلسوں و کانفرنسوں کے اسٹیج

پر ایک ساتھ بیٹھ کر اس کا عملی حل اپنی زندگی ہی میں پیش کر کے اسے بے اثر اور کالعدم قرار دیا تھا۔ یہاں تک کہ حضور مفتی اعظم ہند نے ”مفروضہ قضیہ سالمی“ کو بھی اپنے عمل کے ذریعے بے جان اور بے اثر کر دیا تھا

ان دونوں قضیوں میں سے کسی بھی قضیے کو چھیڑنا اور اسے ہوا دینا:

اولاً: تو ایک سوئے ہوئے فتنہ کو بیدار کرنا ہے اور کسی سوئے ہوئے فتنے کو بیدار کرنا، ایک مذموم عمل اور بدترین جرم ہے۔

ثانیاً: اسے چھیڑنے کا مطلب یہ ہوگا کہ کسی وقت ان ”نادان دوستوں“ اور دار کرنے والوں کا وار، خود ان پر پلٹ پڑے گا جس کا

دفاع کرنا بہت مشکل اور بھاری پڑ جائے گا۔

چو از قوسے یکے بے دانشی کرد نہ، بکہہ را منزلت ماند نہ مہ را

قدیم تاریخ نہیں بلکہ ۱۹۵۰ء کے بعد کے ہی چند حقائق و واقعات پر نظر ڈالی جائے تو اس چھیڑ چھاڑ کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں، جس کا ارتکاب، ہمارے ہی بعض یاران طریقت و قنوقن کرتے رہتے ہیں۔

زیادہ تحقیق و تفصیل نہیں بلکہ سرسری طور سے صرف ۱۹۵۰ء کے بعد سے ۱۹۸۱ء کی تاریخ کا جائزہ کچھ اس طرح ہے:

(۱) آل انڈیا تبلیغ سیرت کانفرنس، منعقدہ اسلامیہ ہال پٹنہ، صوبہ بہار ۱۹۵۳ء کی صدارت، شیخ الاسلام حضرت مولانا عاشق الرسول محمد عبدالقدیر عثمانی قادری بدایونی نے فرمائی۔ اس کانفرنس میں مجاہد ملت،

مولانا الشاہ محمد حبیب الرحمن قادری اڑیسوی و مفتی اعظم کان پور، مولانا الشاہ مفتی رفاقت حسین مظفر پوری جیسے اکابر علمائے اہل سنت شریک تھے۔

اس تبلیغ سیرت کی تائیس و تشکیل حضرت محدث اعظم ہند، سید محمد محدث اشرفی کچھوچھوی و حضرت ملک العلماء مولانا محمد ظفر الدین

قادری رضوی عظیم آبادی کے مشورے و تحریک پر ۱۳۶۸ھ/۱۹۴۸ء میں مسجد ٹاٹ شاہ، فیض آباد (یوپی) میں ہوئی اور اس کے پہلے صدر مجاہد

ملت حضرت مولانا محمد حبیب الرحمن قادری عباسی اڑیسوی (متوفی ۱۹۸۱ء) اور پہلے ناظم اعلیٰ مفتی آگرہ، حضرت مولانا محمد عبدالحفیظ حقانی (متوفی ۱۹۵۸ء) خطیب و امام شاہی مسجد، آگرہ منتخب ہوئے تھے۔

پٹنہ کانفرنس ۱۹۵۳ء کی تفصیلات ماہنامہ پاسبان الہ آباد وغیرہ کی فائل میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

(۲) حضرت مولانا سید محمد اکبر چشتی پھپھوندوی علیہ الرحمہ کی جلسہ دستار فضیلت پھپھوند شریف ۱۳۷۸ھ/۱۹۵۷ء کی صدارت، حضرت

مولانا شاہ عاشق الرسول محمد عبدالقدیر عثمانی قادری بدایونی نے فرمائی۔ اس اجلاس میں سیدی و مرشدی حضور مفتی اعظم ہند، مولانا الشاہ

مصطفیٰ رضا نوری بریلوی و صدر العلماء، حضرت مولانا سید غلام جیلانی میرٹھی و مفتی اعظم کان پور حضرت مولانا شاہ مفتی رفاقت حسین مظفر پوری

و حضرت مولانا قاضی احسان الحق نعیمی بہرائچی و حضرت مولانا مشتاق احمد نظامی الہ آبادی و حضرت مفتی رجب علی نانپاروی حامدی وغیرہم

جلیل القدر علماء و مشائخ بھی شریک تھے۔

اسی اجلاس ۱۹۵۷ء میں حضرت مفتی اعظم کان پور کے فرزند اکبر حضرت مولانا محمود احمد قادری رفاقتی مظفر پوری کی دستار حفظ کی تقریب

سعید بھی انجام پذیر ہوئی۔ حضرت مولانا رفاقتی صاحب اس اجلاس کی تفصیلات کے راوی ہی نہیں بلکہ عینی شاہد بھی ہیں۔ ”ملفوظ مصابیح القلوب“

مؤلفہ مولانا ظہیر السجاد کان پوری، مطبوعہ مکتبہ صدیہ، پھپھوند شریف میں اس اجلاس کی مطبوعہ روداد، موجود ہے۔

(۳) جماعت رضائے مصطفیٰ، بریلی کی ایک نہایت اہم اور نمائندہ کانفرنس، بھوج، ریاست کچھ، موجودہ حصہ صوبہ گجرات (انڈیا) میں ۲۷/۲۹ اپریل ۱۹۶۰ء کو ہوئی، جس کے مدعو علماء و مشائخ اہل سنت کے آسامے گرامی مندرجہ ذیل ہیں:

مفتی اعظم مولانا الشاہ مصطفیٰ رضا نوری بریلوی، برہان ملت مفتی محمد عبدالباقی برہان الحق رضوی جبل پوری، محدث اعظم ہند سید محمد محدث کچھوچھوی، شیخ الاسلام عاشق الرسول محمد عبدالقدیر بدایونی، سیدالعلماء مولانا سید آل مصطفیٰ مارہروی، مجاہد ملت مولانا محمد حبیب الرحمن قادری اڑیسوی، مولانا نور اللہ شاہ حسینی حیدرآبادی، مفتی رضوان الرحمن فاروقی اندوری، مولانا محبوب علی خاں رضوی، بمبئی، مولانا مشتاق احمد نظامی الہ آبادی وغیرہم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین (مارچ ۱۹۶۰ء) میں حضرت مفتی عبدالقدیر بدایونی کے وصال کی وجہ سے اپریل ۱۹۶۰ء کی اس کانفرنس میں آپ کی شرکت نہ ہو سکی)

اس کانفرنس میں جنرل الیکشن ۱۹۶۲ء کو مد نظر رکھتے ہوئے علما و مندوبین کانفرنس نے ایک اہم تجویز کو متفقہ طور سے منظوری دی تھی: ”ایک ریزولیشن کے ذریعے ہندوستان بھر کے مسلمانوں کو ہدایت کی گئی کہ وہ: آنے والے ۱۹۶۲ء کے جنرل الیکشن کے لیے کسی پارٹی امیدوار کو ووٹ دینے کا وعدہ نہ کریں، بلکہ ہر ایک کو یہ صاف جواب دے دیں کہ وہ اپنی مرکزی جماعت رضائے مصطفیٰ کے حکم کے مطابق ووٹ کریں گے۔“

(ص: ۴۵، ماہنامہ ”نوری کرن“ بریلی، شمارہ جون ۱۹۶۰ء، ۱۳۷۹ھ) مذکورہ بالا کانفرنس کی صدارت، سیدی و مرشدی حضرت مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ نے فرمائی تھی۔

(۴) حضرت مولانا عاشق الرسول محمد عبدالقدیر عثمانی قادری بدایونی سے حضرت مجاہد ملت مولانا حبیب الرحمن قادری عباسی اڑیسوی کو سند حدیث اور سند خلافت، دونوں حاصل تھیں۔ حضرت مجاہد ملت کی بدایوں حاضری آپ کے معمولات میں شامل تھی۔

(۵) حضرت مولانا عاشق الرسول محمد عبدالقدیر بدایونی کے وصال (شوال ۱۳۷۹ھ / مارچ ۱۹۶۰ء) کے بعد فاتحہ سوم میں حضرت مفتی اعظم ہند اور مفسر اعظم حضرت مولانا ابراہیم رضا جیلانی بریلوی بھی شریک ہوئے تھے۔ (ص: ۳۶۷، مردان خدا، مؤلفہ مولانا ضیاء علی خاں اشرفی، طبع چہارم، شوقین بک ڈپو، بدایوں)

(۶) سیدالعلماء سید شاہ آل مصطفیٰ قادری برکاتی مارہروی (ف: ۱۳۹۳ھ / ۱۹۷۴ء) نے پرزور تعزیتی بیان جاری فرمایا، جو ایک مطبوعہ

کتابچہ میں شامل ہے۔ (روایت حضرت مولانا محمود احمد قادری رفاقتی) (۷) حضرت مولانا مشتاق احمد نظامی الہ آبادی نے حضرت مولانا بدایونی کے وصال پر زبردست تعزیتی مضمون لکھا جو ماہنامہ پاسبان الہ آباد میں مطبوع و موجود ہے۔ بعض دیگر مواقع پر بھی نظامی صاحب نے آپ سے متعلق شایان شان تحریریں ماہنامہ پاسبان الہ آباد کے مختلف شماروں میں شائع کی ہیں۔

(۸) سیدی و مرشدی حضرت مفتی اعظم ہند کا ایک دستاویزی مکتوب ملاحظہ فرمائیں، جسے آپ نے شیخ الاسلام، عاشق الرسول محمد عبدالقدیر بدایونی کے وصال (۱۳۷۹ھ / ۱۹۶۰ء) سے تین چار سال پیشتر آپ کے نام تحریر فرمایا تھا:

از بریلی: ۲۸ / رمضان ۱۳۷۵ھ

حضرت رفیع الدرجت، مولانا المکرم المحترم، ذی الجہد والکرم، عاشق الرسول، زینت معالیہ!  
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد سلام سنت سلام عرض مرام، طالب خیر بچہ تعالیٰ مع الخیر ہے۔ ابتدائے رمضان مبارک بلکہ اس سے بھی قبل او آخر شعبان سے نزلہ بخار میں مبتلا ہے۔ جناب کا مزاج گرامی اب کیسا ہے؟ سنا ہے کہ پھر کچھ ناسازی زیادہ ہوگئی۔ مولیٰ تعالیٰ صحت کامل وشفائے عاجل عطا فرمائے۔ شاہزادہ سرکار غوثیت کا ورود مسعود بدایوں معلوم ہوا۔ آپ کی قسمت، قابل ہزار رشک ہے۔ امسال معذوری سے حاضری نہ ہوئی تو سرکار غوث مدار آقاے نامدار رضی اللہ عنہ نے یہ کرم فرمایا کہ شاہزادہ والا تبار کو بھیج دیا۔ آپ نے کتنی عظیم دولت گھر بیٹھے پائی۔

آپ کی عنایت مبذول ہوئی اور شاہزادہ سرکار قادری کا کرم تو ان شاء اللہ تعالیٰ فقیر بے توقیر، ادنیٰ گداے کوئے حضور پر نور غوث اعظم رضی اللہ عنہ بھی! اس سرکاری کرم سے محروم نہ رہے گا اور گھر بیٹھے ہی اس نعمت زیارت سے مستفیض ہو سکے گا۔ وہ مجھ پر کرم فرمائیں گے۔ مزار پاک اعلیٰ حضرت قدس سرہ پر فاتحہ خوانی فرمائیں گے تو اعلیٰ حضرت، امام اہل سنت، مجدد دین و ملت، خادم سرکار غوثیت کی روح کو مسرت بے نہایت ہوگی۔ مجھے حضرت کا ورود معلوم ہوا۔ یہ نہ معلوم ہوا کہ کب تک بدایوں میں تشریف رکھیں گے؟ پھر کب واپسی کا ارادہ فرمائیں

گے؟ میں خود حاضر ہو کر دست بوس ہو کر اپنی عرضی گزارتا۔ مگر رمضان مبارک اور ضعف طبیعت کے سبب دل کی دل ہی میں رہی۔ اپنے برادر زادہ و خویش، مولوی ساجد علی خاں سلمہ کو حاضر کرتا ہوں۔

والسلام مع الاکرام

فقیر و گداے کوئے قادری مصطفیٰ رضا نوری غفرلہ

(نکس مکتوب حضرت مفتی اعظم ہند، ص: ۲۹۸، تاج لہجول نمبر، ماہنامہ مظہر حق بدایوں جلد ۱، شمارہ: ۱۱۲۸/۱۱ شعبان تازی قعدہ ۱۳۱۹ھ مطابق نومبر ۱۹۹۸ء تا مارچ ۱۹۹۹ء)

”مفروضہ قضیہ سالمی“ جس میں استفتا کسی اور کے نام سے کیا گیا اور اس کی اشتہار بازی کسی اور نام سے کی گئی تھی، اُس کا جواب، حضرت مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ نے تحریر فرمایا تھا اور اس کی تصدیق سیدی و مرشدی حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہ نے فرمائی تھی۔ یہ جواب شعبان ۱۳۸۳ھ / آغاز ۱۹۶۳ء کا لکھا ہوا ہے اور حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہ نے جب اپنے دارالعلوم مظہر اسلام، مسجد بی بی جی، محلہ بہاری پور، بریلی کا ”دستور اساسی“ شائع فرمایا تو اس کی ”مجلس تولیت“ (ٹرٹی بورڈ) کے ممبران میں ”مولانا عبدالحمید محمد سالم قادری بدایونی“ کا نام بھی تحریر فرمایا ہے اور اپنے تصدیقی دستخط کے ساتھ آپ نے ۱۹۶۵ء میں یہ ”دستور اساسی“ طبع کرا کے اسے جاری فرمایا ہے۔

حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہ کا یہ عمل پورے ”مفروضہ قضیہ سالمی“ کی بنیاد منہدم کرنے کے لیے کافی اور بہت کافی ہے۔

سیف اللہ المسلمول علامہ شاہ فضل رسول عثمانی قادری بدایونی کے متعدد رسائل کا مجموعہ، بنام ”مجموعہ رسائل فضل رسول“ مرتب کر کے اس کی کمپوزنگ کرانے کے بعد مولانا اُسید الحق قادری بدایونی نے اسے اپنی اس خواہش کے ساتھ میرے پاس بھیجا تھا کہ میں اس پر ”تقدیم“ لکھ دوں۔ چنانچہ میں نے ایک طویل ”تقدیم“ لکھ کر انہیں ارسال کیا جسے انہوں نے آغاز کتاب میں شامل کیا۔ یہ ”مجموعہ رسائل فضل رسول“ ہندوپاک دونوں ممالک سے شائع ہوا، جسے اہل سنت نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ ”تقدیم“ کے آخر میں میں نے لکھا ہے کہ:

”چشم و چراغ خانوادہ عثمانیہ بدایوں صاحبزادہ گرامی قدر

مولانا اُسید الحق محمد عاصم القادری بدایونی مرتب ”مجموعہ رسائل

فضل رسول“ ہماری پوری جماعت اہل سنت کی طرف سے

شکریہ کے مستحق ہیں کہ وہ اپنے آبا و اجداد اور جماعت اہل سنت کے اکابر و اسلاف کی کتب و رسائل کو بڑی محنت و عرق ریزی اور تحقیق و تخریج و تحشیہ و ترجمہ کے ساتھ تاج لہجول اکیڈمی بدایوں کے ذریعے منظر عام پر لارہے ہیں۔

عزیز موصوف علم و حلم، فکر و فہم اور اخلاقی محاسن کے اعتبار سے اپنے آبا و اجداد کے وارث و امین اور سچے جانشین ہیں۔ انہیں جو کام کرنا چاہیے اسے بہ حسن و خوبی انجام دے رہے ہیں۔ ان کے عزائم اور حوصلوں کی داد دی جانی چاہیے کہ وہ اس وقت خیر الخلف لخییر السلف ہیں۔“

(مقدمہ مجموعہ رسائل فضل رسول، ص: ۱، رضا اکیڈمی ممبئی، ۲۰۱۰ء)

مولانا اُسید الحق قادری بدایونی کی خواہش تھی کہ بدایوں میں بھی ”امام اعظم ابوحنیفہ سمینار و کانفرنس“ کا انعقاد ہو۔ انہوں نے اس سلسلے میں مجھ سے کئی بار گفتگو کی تھی۔ ”امام الحدیث، شیخ عبدالحق محدث دہلوی سمینار و کانفرنس“ کے لیے بھی وہ کوشاں رہے مگر بوجہ آپ کی حیات میں آپ کی یہ کوشش بار آور نہ ہو سکی۔

ایک بار انہوں نے سیف اللہ المسلمول علامہ شاہ فضل رسول عثمانی قادری بدایونی پر سمینار و کانفرنس بمقام دہلی کے بارے میں بھی تفصیلی گفتگو کی تھی۔ میں نے انہیں مشورہ دیا کہ آپ کوشش و محنت کر کے پہلے مرحلے میں اکابر بدایوں کی کتب و رسائل کی جدید طباعت و اشاعت کا کام مکمل کر لیجیے۔ یہ زیادہ ضروری ہے، اس کے بعد سمینار و کانفرنس کرنے کا خاطر خواہ دینی و علمی فائدہ ہوگا۔ میرا یہ مشورہ انہیں پسند آیا اور انہوں نے کہا کہ ٹھیک ہے، میں اس کام میں مزید دل چسپی اور انہماک سے لگ جاتا ہوں۔

متانت و ضبط و تحمل کے وہ خود ایک پیکر جمیل تھے۔ لیکن جب دل پر چوٹ لگتی ہے تو اس سے متاثر ہونا بھی ایک فطری امر ہے۔ اُن کے سامنے بعض نازک اور دل شکن مواقع آئے اور کرم فرماؤں کی مہربانی سے ایسے مواقع آتے ہی رہتے ہیں۔ مگر جب میں انہیں سمجھا دیتا تو وہ مان جاتے۔ مانے ہوئے تو پہلے ہی سے ہوتے، لیکن ان کا درد دل پکار اُٹھتا کہ: حضرت! میں تو کچھ نہیں کہتا، مگر اپنی خانقاہ سے وابستہ افراد اور اہل عقیدت و محبت کو کس طرح اور کتنا سمجھاؤں؟

میں کہتا کہ آپ تو ماشاء اللہ سمجھ دار اور دور اندیش ہیں۔ یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ اپنے ہی بعض نادانوں کی چھیڑ چھاڑ محض اس لیے ہے کہ وہ آپ کے کام کی رفتار کو بریک لگا کر آپ کو ایسے کاموں میں الجھادیں کہ آپ جہاں ہیں وہیں رہیں، آگے نہ بڑھ سکیں۔ یہ ایک حریفانہ بلکہ شاطرانہ چال ہے جس سے آپ کو ہمہ وقت چونکارنا ضروری ہے۔ اگر ذرا بھی آپ نے اس سلسلے میں کسی رد عمل کا سلسلہ شروع کیا تو پھر آپ ان نادانوں کی چال بلکہ ان کے جال میں پھنس کر رہ جائیں گے، اس لیے جس خاموشی کے ساتھ آپ اپنا کام کر رہے ہیں، اسی طرح کرتے رہیے اور اپنے اہل ارادت و عقیدت پر بھی سختی کے ساتھ پابندی عائد کر دیجیے کہ وہ ہرگز کسی اشتعال انگیزی اور کسی کی سازش کا شکار نہ ہوں اور اپنے کام سے کام رکھیں۔

وہ کہتے کہ اگر ہماری جانب سے کسی طرح کی کوئی بات ہوتی، ہم میں سے کوئی کچھ کہتا، بولتا، لکھتا تو کوئی بات بھی تھی۔ ادھر سے تو مکمل خاموشی ہے۔ پھر یہ سب باتیں کیوں کہی اور لکھی جا رہی ہیں اور ان کا پرو پگنڈہ کیوں جا رہا ہے؟

میں کہتا کہ دیکھیے آپ ان چکروں میں نہ پڑیے، جس کو جو کہنا ہو کہے اور جو لکھنا ہو، لکھے۔ ایسی ساری حرکتوں کا واحد جواب یہ ہے کہ آپ اپنے کام کی رفتار تیز کر دیجیے۔ ایک وقت ایسا آئے گا کہ شور و شر کرنے والے افراد تھک ہار کر خود ہی بیٹھ جائیں گے اور آپ کا اپنا کاروان علم و فضل اپنی منزل کی جانب رواں دواں رہے گا۔

اس طرح اُسید میاں کے دل کا غبار ہلکا ہو جاتا اور وہ مطمئن ہو کر کہتے: ”اچھا ٹھیک ہے، صبر و ضبط کے علاوہ اور کیا کر سکتے ہیں؟ یہی شیوہ اہل علم و اہل ظرف بھی ہے۔“ میں کہتا کہ: سب ٹھیک ہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ ٹھیک ہی رہے گا بس آپ اپنے کام سے لگے رہیے۔ اللہ ہی حامی و ناصر ہے اور وہ سب کچھ دیکھ سکتا رہا ہے۔

”دوستی کا ہاتھ“ کے عنوان سے مولانا اُسید الحق قادری بدایونی کی ایک مطبوعہ نظم ان کی وسعت ظرفی اور بلند خیالی کا ایک جگمگاتا ہوا آئینہ ہے۔ اس تاریخ ساز نظم کے اشعار یہاں پیش کیے جا رہے ہیں:

مرے عزیز مرے دوست میرے ہم سایہ  
ہمارے بیچ جدائی کو اک صدی گزری

نہ تم کو مجھ پہ بھروسہ نہ مجھ کو تم پہ یقین  
اسی نفاق و عداوت میں زندگی گزری  
وہ جس کا نقش کف پا ہمارے سینے میں  
اسی کی یاد سے آباد تیرا سینہ ہے  
وہ جس کے فیض سے ہم نے بلندیاں پائیں  
اسی کا نام مبارک ترا وظیفہ ہے  
ہماری کشت پر برسا ہے جو سحاب کرم  
اسی کے فیض کی بارش تمہارے آنگن میں  
وہ جس کی بو سے معطر مشام جاں ہے مرا  
اسی گلاب کی رنگت تمہارے گلشن میں  
وہ بادہ خانہ جہاں ہم نے مے گساری کی  
شراب تم بھی اسی میکدے کی پیتے ہو  
ہے جس نگاہ کی مستی ہماری آنکھوں میں  
اسی نگاہ سے مخمور تم بھی رہتے ہو  
جو عندلیب مرے باغ میں چمکتا ہے  
اسی کی نغمہ سرائی ترے گلستاں میں  
وہ شمع جس سے منور ہے طاقِ دل میری  
اسی کی ضو سے اجالا ترے شبستاں میں  
وہ بجلیاں جو مرے آشیاں کو تکتی ہیں  
وہی حریف تمہارے نگار خانے کی  
تمہارا گلشن صد رنگ جس کی زد پر ہے  
وہی خزاں ہے عدو میرے آشیانے کی  
غرض کہ فرق نہیں کوئی ہم میں بنیادی  
نہ فکر میں نہ عقیدے نہ دین و مذہب میں  
نہ اختلاف خیالات کا نہ مسلک کا  
نہ کوئی فرق ہمارے تمہارے مشرب میں  
اگر یہ سچ ہے تو اے محترم حریف مرے  
کوئی جواز نہیں ہم میں دشمنی کے لیے  
”اگر تمہاری انا ہی کا ہے سوال تو پھر  
چلو میں ہاتھ بڑھاتا ہوں دوستی کے لیے“



۲۰۱۱ء میں امام حکمت و کلام قائد جنگ آزادی ۱۸۵۷ء، علامہ فضل حق خیر آبادی (متوفی ۱۲ صفر ۱۲۷۸ھ/۲۰ اگست ۱۸۶۱ء) کے ڈیڑھ سو سالہ یوم وصال کی مناسبت سے جب زور و شور کے ساتھ ”تحریک فضل حق شناسی“ شروع ہوئی تو مولانا اُسید الحق قادری بدایونی نے اسے بے حد پسند کیا اور میری خواہش کے مطابق ایک نہایت اہم اور معرکہ الآرا کتاب بنام ”خیر آبادیات“ لکھ کر انھوں نے اہل علم و تحقیق سے داد و تحسین حاصل کیا۔

”سلسلہ خیر آباد“ کے آخری ”اصیل“ نمائندہ عالم و محقق، حکیم سید محمود احمد برکاتی ٹونکی (کراچی) نے ”خیر آبادیات“ کا مطالعہ کر کے ایک حوصلہ افزا مکتوب مولانا اُسید الحق قادری بدایونی کے نام لکھا جس میں اپنے کچھ اس طرح کے تاثرات انھوں نے ظاہر کیے کہ سلسلہ خیر آباد کا پرچم آپ جیسے نوجوانوں نے سنبھال لیا ہے۔ اب مجھے اطمینان ہو گیا کہ یہ پرچم اسی طرح بلند رہے گا۔“ وغیرہ وغیرہ۔

اس موقع پر ایک اور اہم تحقیقی و تاریخی خدمت کا اظہار بھی ضروری ہے کہ ”علامہ فضل حق خیر آبادی: چند عنوانات“ کے نام سے مولانا خوشتر نورانی نے بھی ایک نہایت گراں قدر کتاب لکھ کر شائع کی، جسے ”قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی“ نے بھی چند ہفتے پیشتر شائع کر کے اس کی اہمیت میں خاصا اضافہ کر دیا ہے۔

اس حقیقت کا اظہار کرنا بھی بے محل نہ ہوگا کہ تحقیقی و قلمی طور پر اس پوری مہم اور تحریک میں مذکورہ دونوں نام اب تک سرفہرست ہیں۔ اکابر خانوادہ قادریہ عثمانیہ کی بیشتر کتب و رسائل ”احقاق حق و ابطال باطل“ اور ردوہابیہ پر مشتمل ہیں، جنہیں رفتہ رفتہ مولانا اُسید الحق قادری بدایونی بڑے خوبصورت اور موثر انداز میں منظر عام پر لارہے تھے۔ اپنے آبا و اجداد کی طرح ردوہابیہ سے انھیں خاصی دل چسپی تھی مگر علمی و تحقیقی انداز سے وہ یہ کام کر رہے تھے اور آگے بھی اسی طرح کرنا چاہ رہے تھے۔ شور و ہنگامہ سے وہ طبعاً دور رہتے تھے، اس لیے اس خدمت کو بھی وہ نہایت سنجیدگی اور خاموشی کے ساتھ محض حقائق و دلائل کی بنیاد پر کرنا چاہتے تھے اور کر رہے تھے۔ وہ بڑی سرگرمی کے ساتھ ایسی کتابیں تلاش و جستجو کر کے جمع کر رہے تھے جو تقویۃ الایمان کی تردید و ابطال میں دور اول ہی میں لکھی گئی تھیں اور وہ ان کتابوں کو سامنے

رکھ کر بہت کچھ لکھنا چاہ رہے تھے اور کچھ لکھنا شروع بھی کر دیا تھا۔ جب بھی اس طرح کی کوئی کتاب یہاں تک کہ کوئی اہم گوشہ تحقیق اُن پر واضح ہوتا تو وہ بڑی خوشی کے ساتھ عام طور پر مجھ سے اس کا ذکر کرتے اور میں ان کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کوئی مناسب رائے دیتا۔ مولانا اُسید الحق قادری بدایونی چون کہ مثبت ذہن و فکر کے حامل اور معاملہ فہم دورانہدیش تھے۔ حالاتِ زمانہ کی مناسب رعایت کے ساتھ مستقبل کی طرف ان کی نظر ہوا کرتی تھی۔ منصوبہ بندی اور حکمت عملی پر بھی وہ خاصی نگاہ رکھتے تھے، اس لیے وہ جو کچھ کرتے تھے، بہت سوچ سمجھ کر مضبوط و مستحکم قدم اٹھایا کرتے تھے۔

ایک اچھوتے پہلو پر بھی انھوں نے کام کیا جس سے غفلت و بے نیازی عام ہے، وہ یہ کہ اہل وطن کو تعلیمات اسلام سے آگاہ کیا جائے۔ دعوتی نقطہ نظر سے ان کے سامنے تعلیمات و ہدایات اسلام پیش کی جائیں، اس کے لیے انھوں نے بدایوں میں چھوٹے بڑے کئی ایک پروگرام کیے اور آسان ہندی زبان میں اہل وطن کے درمیان لٹریچرس کی تقسیم کی۔

عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس موقع پر بھی انھوں نے عام لوگوں کے درمیان مختلف قسم کے تحائف تقسیم کر کے انھیں اسلام کے حسن اخلاق کی طرف مائل کرنے کی کوشش کی۔ وہ اس طرح کے متعدد کام کر رہے تھے اور مزید کرنا چاہ رہے تھے، مگر:

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

مختصر عرصے میں انھوں نے دینی و علمی و اخلاقی محاسن کا اچھا اور بہت اچھا نقش بے شمار لوگوں کے دلوں پر چھوڑا۔ دلوں پر مرسم ہونے والا اُن کا ہر نقش بڑا ہی جاذب و دل کش اور دل آویز ہے۔ وقت ملتا تو یہ نقش اور بھی گہرا ہوتا۔ اس کی چمک دمک اور بھی بڑھتی اور بڑھتی ہی چلی جاتی۔ مگر اب حسرت و افسوس کے ساتھ یہ کہہ کر اپنے دل کو تسلی دینا ہی تقاضاے صبر و شکیب ہے کہ: خوش درخشید و لے لے عجلہ مستعجل بود

اللہ رب العزت اپنے فضل و کرم اور احسان و انعام سے حصہ وافر عطا فرماتے ہوئے شہید بغداد اُسید میاں کو اپنی رحمت و مغفرت سے نوازے اور جنت الفردوس میں انھیں بلند مقام عطا فرمائے۔ □□□

☆ بانی: دار القلم، قادری مسجد، جوگابائی ایسٹیشن، اوکھلا، نئی دہلی

## اس جوان رعنا کو کس کی نظر لگ گئی!

مولانا اسید الحق نے کم عمری میں وہ کمالات علمی ممکن کر دکھائے جس کے لیے عام طور پر برسوں کا مطالعہ اور دیدہ ریزی درکار ہوتی ہے

اشتراک سے بڑے پیمانے پر "علامہ فضل حق خیر آبادی کنونشن" کا اہتمام کیا گیا۔ اس دوران ان کے اندر دوسروں کے ساتھ مل کر کام کرنے کا جو جذبہ خیر سگالی تھا، جو توسع اور تواضع تھی، اس کا اندازہ ہوا۔ کہتے ہیں کہ علم حلم پیدا کرتا ہے، مولانا اسید الحق اس کے سچے عملی پیکر تھے۔

ان کا ایک اور وصف ان کا صاحب اسلوب ہونا بھی تھا۔ انہوں نے علوم شریعت و طریقت کے ساتھ ہی زبان و ادب کی بھی غواصی کی تھی اور جام نور میں ابوالفیض معینی کے قلمی نام سے ان کا کالم خامہ تلاشی اس کا جیتا جاگتا ثبوت ہے، جس میں حسن مزاج بھی ہے اور انتہائی مہذب انداز سے طنز بھی۔ برسوں تک وہ چھپتے بھی رہے اور چھپتے بھی۔ لوگوں کو کتنا تجسس تھا، کیسا اشتیاق تھا، کیسی بے چینی تھی کہ وہ خامہ تلاشی لینے والے تک پہنچ سکیں۔ مگر وہ باوجود انتہائی مقبولیت کے کبھی کھل کر سامنے نہ آئے اور یہ بات بہت بعد میں جب ان کا کالم بند ہو گیا تو لوگوں کو پتہ چل سکی کہ یہ حق پسند تحریریں مولانا اسید الحق کی تھیں۔

نثر کے علاوہ شعر گوئی میں ان کا شوق اور مزاج بھی کم عمری میں انتہائی پختگی کا حامل تھا۔ نعت اور منقبت میں خاص طور پر ان کے جوہر دیکھنے والے تھے اور کیوں نہ ہوتے، انہیں عشق رسول اور صحابہ اور اولیائے کرام سے محبت نہ صرف ورثے میں ملی تھی بلکہ انہوں نے اپنے خون دل کی آمیزش سے ایک نئی توانائی بخشی تھی۔

جو آیا ہے سو جائے گا بھی، لیکن اتنی جلدی مولانا اسید الحق جیسے لوگوں کا چلا جانا امت کے حق میں نہایت غم ناک بات ہے۔ ایسی تاریخی شخصیتوں سے عوام و خواص نہ جانے کیسی کیسی امیدیں اور توقعات وابستہ کر رکھی ہوتی ہیں اور ان سے استفادے کا کتنے لوگوں کو اشتیاق رہتا ہے۔ مگر ہم کچھ بھی کہیں، کچھ بھی سوچیں، راضی نہ رہنا ہی رہنا ہے؛

کیوں کہ اپنی مشیت کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ □□□

☆ چیف کوشنر اقلیتی لسانیات، حکومت ہند، نئی دہلی

قضا و قدر کے مالک نے ہر انسان کی موت کا وقت اور جگہ متعین کر رکھی ہے۔ زندگی کی سب سے اہل حقیقت اگر کوئی ہے تو وہ موت ہے، لیکن یہ سب جانتے اور مانتے ہوئے بھی کچھ موتیں ایسی ہوتی ہیں جو اپنوں کے لیے جتنا بڑا سانحہ ہوتی ہیں اس سے کم غیروں کے لیے بھی نہیں ہوتیں۔ ایسی ہی موت اس جوان رعنا کی تھی جو عالم دین بھی تھا اور صاحب طریقت بھی۔ جس کے ایک ہاتھ میں جام شریعت تھا تو دوسرے میں سندان عشق۔ جس نے کم عمری میں وہ کمالات علمی ممکن کر دکھائے جس کے لیے عام طور پر برسوں کا مطالعہ اور دیدہ ریزی درکار ہوتی ہے۔ پتہ نہیں مولانا اسید الحق عاصم قادری کو کس کی نظر لگ گئی۔ ان کے حصے میں تو شہادت آئی اور غوث الاعظم کے جوار میں قیامت تک آسودہ خاک ہونے کی سعادت ملی لیکن خدا کسی باپ کو یہ دن نہ دکھائے کہ وہ اپنے ہی کاندھے پر اپنے جوان بیٹے کا جنازہ اٹھائے۔

مولانا بدایونی سے میرا تعلق حالیہ چند برسوں پر محیط تھا۔ وہ الازہر سے پہلے ہی فضیلت پاچکے تھے، لیکن حصول علم کے شوق میں انہوں نے جامعہ طیبہ اسلامیہ سے اسلامک اسٹڈیز میں ایم اے کا امتحان امتیاز کے ساتھ پاس کیا۔ اس حوالے سے ان سے کبھی کبھار ملاقات ہو جاتی۔ بعد میں خانقاہ عارفیہ سید سراواں کے جشن امام غزالی میں ان کے ساتھ شریک ہونے کا موقع ملا اور ان کی علمی خطابت سے بہت متاثر ہوا۔

بدایوں میں بھی انہوں نے میلاد النبی ﷺ کے موقع پر امن و شانتی کے حوالے سے ایک کانفرنس بعنوان "شانقی سمیلن" کی تھی جس میں سوامی اگنی ویش اور دیگر حضرات کے ساتھ مجھے بھی شرکت کا موقع ملا۔ اس موقع پر ان کی انتظامی صلاحیت کا اندازہ ہوا۔ پھر جامعہ طیبہ اسلامیہ میں علامہ فضل حق خیر آبادی کے ڈیڑھ سو سالہ یوم وفات کے حوالے سے مولانا اسید الحق عاصم قادری اور عزیز گرامی مولانا خوشتر نورانی کی تحریک پر ڈاکٹر حسین انٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز نئی دہلی کے

# مولانا اسید الحق جیسے لوگ صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں

ہمیں ”اسید الحق ریسرچ سینٹر“ قائم کرنا چاہیے، اور اہل علم کو اس سے جوڑنا چاہیے

ایک سو دس کتابیں تصنیف و تالیف اور مرتب کیں۔ اگر حساب لگائیں تو ہر سال میں گیارہ کتابیں ہوتی ہیں، یہ اپنے آپ میں اسید الحق صاحب کی زندہ کرامت ہے۔ اسلاف کی اہم کتابوں کی ترتیب و تالیف کے علاوہ مختلف رسالوں میں وقتاً فوقتاً مضامین لکھنا، مختلف سیمیناروں میں مقالے پڑھنا، مسلکی اور مذہبی محافل میں شریک ہونا، معتقدین کی رشد و ہدایت کے لیے مختلف مقامات کا سفر کرنا، ان سب میں کتنا وقت لگتا ہے یہ قارئین کو بھی اندازہ ہوگا، پھر ایسے میں اتنی کتابیں لکھنا کسی عجب سے کم نہیں ہے۔

یہ میری خوش نصیبی ہے کہ مولانا اسید الحق صاحب ہمارے بھی دوست تھے۔ ان سے میری پہلی ملاقات خوشترنورانی صاحب کے توسط سے میرے گھر پہ ہوئی۔ میں زندگی بھر خوشترنورانی صاحب کا اس کار خیر کے لیے ممنون رہوں گا کہ انھوں نے اسید صاحب سے میری ملاقات کرائی۔ اللہ جانے کیسے ان کے دل میں یہ بات آئی کہ وہ اسید صاحب کے ساتھ آئے۔ آج تک مجھے وہ دن یاد ہے اور اسید صاحب کا وہ چہرہ یاد ہے۔ سفید کرتا پاشمامہ اور سفید ٹوپی لگائے ان کا نورانی اور مسکراتا ہوا چہرہ، یہ میری پہلی ملاقات تھی لیکن چند لمحوں کے بعد ہی ایسا محسوس ہونے لگا کہ ان سے برسوں کی شناسائی ہے۔ اس ملاقات میں ذیشان مصباحی بھی ساتھ تھے۔ میڈیا کے حوالے سے باتیں شروع ہوئیں اور میڈیا کو ملی، مسلکی اور اصلاحی سرگرمیوں کے لیے کیسے استعمال کیا جائے اس پر اسید صاحب کی گفتگو سن کر حیرت بھی ہوئی اور خوشی بھی۔ حیرت اس لیے کہ عمومی طور پر کسی خانقاہی نوجوان سے یہ باتیں میں نے پہلی دفعہ سنیں اور خوشی اس لیے کہ اب ملت کا کام آسان ہو جائے گا۔ کیونکہ ان کے اندر جو جوش و ولولہ اور عزم تھا وہ صرف گفتگو تک محدود نہیں رہا

کیا لکھوں؟ کیسے لکھوں؟ اب تک یقین نہیں آیا۔ مولانا اسید الحق قادری بدایونی، ہمارے اسید صاحب، ہم سب کے محترم، دل سے قریب، ذہن سے قریب اس طرح اچانک ہمارے درمیان سے چلے گئے، دل ماننے کو تیار نہیں اور ذہن قبول کرنے کو راضی نہیں، لیکن مشیت الہی یہی تھی، اللہ ہم سب کو صبر جمیل عطا کرے اور شہید بغداد کو اللہ جنت الفردوس میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔

ہمارے درمیان سے جانے کے بعد اندازہ ہوا کہ وہ کیا تھے؟ ان کی شہادت کی خبر نے ساری دنیا کو جس طرح سوگوار کیا، اس کا اندازہ کسی کو بھی نہیں تھا کہ ان کی شخصیت اتنی مقبول اور اتنی جاذب تھی کہ ملک کے طول و عرض کے علاوہ پوری دنیا یہ خبر سن کر سکتے میں آجائے گی۔ ذرا اندازہ کریں کہ انھوں نے ۲۰۰۳ء میں فراغت کے بعد عملی میدان میں قدم رکھا اور اس شان سے کہ جلد ہی علمی، ادبی، مذہبی، مسلکی اور خانقاہی نظام میں عزت و احترام کی نظر سے دیکھے جانے لگے۔ اتنی تیزی سے اسید الحق صاحب نے مقبولیت حاصل کی یہ ان کی شخصیت کا ہی کمال تھا۔ تدبیر، تحمل، دانشوری، حسن اخلاق جیسے صفات ان کی ذات سے اس طرح متصف ہو چکے تھے کہ ان سے الگ کر کے ان صفات کو دیکھا نہیں جاسکتا تھا۔ دس سال کی رفاقت میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ان کو کبھی ملول اور افسردہ دیکھا ہو۔ بہر وقت روحانی مسکراہٹ ان کی چہرے پر ایک خاص رونق بکھیرتی تھی، جس سے ملنے جلنے والے ایسا مسحور ہوتے کہ کبھی ان کو بھول نہیں پاتے۔ دوستوں سے ملنے کا انداز ایسا تھا کہ ہر شخص یہ سمجھتا کہ اسید الحق صاحب سب سے زیادہ انہی سے قریب ہیں۔

سچائی یہ ہے کہ صدیوں میں اسید الحق صاحب جیسی شخصیت وجود میں آتی ہے۔ ذرا غور کریں! دس سال کے وقفے میں انھوں نے تقریباً



الیکٹرونک میڈیا کو تبلیغ و ارشاد اور اصلاح معاشرہ کے لیے استعمال کرنا ہے۔ اس سلسلے میں ”کیو ٹی وی“ پاکستان کے مالک حاجی عبدالرؤف صاحب سے بھی ان کی گفتگو ہوئی تھی اور جب وہ ہندوستان آئے تو اس حوالے سے ایک منصوبے کے تحت ہم تینوں نے ان کے ساتھ ملاقات کی تھی۔ اس میٹنگ میں اسیدالحق صاحب کے مشورے سے ایک منصوبہ بنا تھا کہ قرآن کریم میں حیوانات کے حوالے سے جو آیات کریمہ ہیں ان کو ویزولائز کیا جائے۔ اسی طرح کے اور بھی کئی انوکھے کنسپٹ نوٹ تھے۔ یہ سب کے سب اپنی نوعیت کے اعتبار سے منفرد تھے جو انفوٹیکنیٹ کے زمرے میں آتے ہیں۔ اللہ کرے کوئی بندہ خدا اس کو پایہ تکمیل تک پہنچائے۔

اسیدالحق صاحب قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، حکومت ہند کے عربک پینل کے اہم ممبر بھی تھے۔ اس پینل کے تحت انہوں نے کونسل کو کئی اہم مشورے بھی دیے، ان میں ایک اہم منصوبہ ”اسلامی انسائیکلو پیڈیا“ کی تیاری بھی تھی۔

اسیدالحق صاحب اپنی ذات میں ایک انجمن تھے۔ ان کے جانے سے جو خلا پیدا ہوا ہے اس کو پورا کرنا ناممکن ہے۔ انہوں نے ایک دہائی میں جو کام کیا وہ کسی عجوبے سے کم نہیں ہے۔ میں تو کہتا ہوں کہ اتنی مقبولیت، شہرت، عزت اور سرگرمیاں اسید صاحب کی زندہ کرامات ہیں۔ وہ ہمیشہ لوگوں کے ذہن و دل میں موجود رہیں گے لیکن ان کی یاد میں ہم لوگوں کو کوئی ایسا کام ضرور کرنا چاہیے جو ان کے منصوبے کی تکمیل کی سمت میں ایک کوشش ہو سکے۔ میں چاہتا ہوں کہ ”اسیدالحق ریسرچ سینٹر“ قائم کرنا چاہیے، جس سے تمام اہل علم کو جوڑنے کی کوشش کی جائے تو شاید یہ ان کے لیے ایک بڑا خراج عقیدت ہوگا۔ اس سلسلے میں میں ان کے سب سے زیادہ قریبی اور بے لوث چاہنے والے دوست خوشتر نورانی صاحب سے ہی گزارش کروں گا کہ وہ اس سلسلے میں قدم بڑھائیں، ہمیں وہ اپنا معاون پائیں گے۔ مذہبی حلقے میں ایسے ریسرچ سینٹر کی بڑی شدید ضرورت بھی ہے۔

□□□

☆ ڈاکٹر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

بلکہ اسی ملاقات میں عملی اقدامات پر انہوں نے گفتگو کی، ساتھ میں خوشتر نورانی صاحب نے لائحہ عمل کے حوالے سے روشنی ڈالی۔ میری حیرت بڑھتی ہی رہی اور میرے اندر غلط فہمیوں کے بت ٹوٹتے رہے، کیونکہ ہم یونیورسٹی والے بھی ایک حصار میں بند رہتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ روشن خیالی ہماری جاگیر ہے۔ میں اس پہلی ملاقات میں ہی ان کی روشن خیالی اور اولوالعزمی کے سبب ان کا مرید ہو گیا، حالانکہ اسید صاحب ہمیشہ ایک دوست کی طرح پیش آتے تھے، لیکن میں نے ہمیشہ احترام و عقیدت کی نگاہ سے ان کو دیکھا، مجھے آج تک یاد نہیں کہ میں نے کوئی بات کہی ہو اور انہوں نے اس پر سنجیدگی سے غور نہ کیا ہو۔

دو سال قبل کی ہی بات ہے کہ میں نے انہیں ایک سہ روزہ عالمی سیمینار دہلی میں آنے کی دعوت دی تو تمام مصروفیات کو چھوڑ کر وہ تشریف لائے اور سائے کی طرح ساتھ رہنے والے ہمارے دوست خوشتر نورانی نے بھی ہماری دعوت پر شرکت کی۔ یہ عالمی سیمینار جواہر لال نہرو یونیورسٹی دہلی میں منعقد ہوا تھا۔ اس سیمینار کا موضوع ”سفر ناموں میں ہندوستانی تہذیب و ثقافت کی عکاسی“ تھا۔ خوشتر نورانی صاحب کے مشورے سے میں نے دوسرے دن ایک پورا سیشن ”صوفیائے کرام کے سفر ناموں“ کے عنوان سے مختص کر دیا تھا۔ اس سیمینار میں سات ملکوں کے مندوبین کے علاوہ پورے ہندوستان سے اردو، فارسی اور عربی زبان کے ماہرین اور اساتذہ موجود تھے۔

اس موقع پر اسیدالحق صاحب اور خوشتر نورانی صاحب نے جس انداز سے گفتگو کی اسے تمام حاضرین نے نہ صرف سراہا، بلکہ اکثر لوگوں نے یہ اعتراف کیا کہ ایسے بھی مذہبی اسکالرس موجود ہیں جو تحریروں تقریر پر نہ صرف عبور رکھتے ہیں، بلکہ بھرپور اہلیت کے مالک ہیں۔ اس سیشن کے اختتام کے بعد اکثر مندوبین نے ان سے رابطہ کیا اور آئندہ ملاقات کی آرزو کی۔ (آج بھی میرے پاس وہ سی ڈی موجود ہے جس میں ان کی روحانیت اور علمیت جھلکتی ہے۔)

اس کے بعد اسیدالحق صاحب سے ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہا، ہر ملاقات میں خوشتر نورانی صاحب موجود رہتے۔ ہم لوگوں نے کئی منصوبے بنائے، کچھ پر عمل بھی ہوا اور کئی ابھی تہہ تکمیل ہیں۔ بہت کم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ اسیدالحق صاحب کا ایک منصوبہ تھا کہ سوشل اور



## یہ صدمہ بھلایا نہیں جاسکتا

مولانا اسید الحق قادری اپنے معاصرین میں سب سے بلند مقام پر فائز تھے، دنیا ان کو صدیوں تک یاد رکھے گی

شیدائے بغداد شریف، فدائے حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ، شہید قادریت علامہ اسید الحق محمد عاصم قادری رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت نے عالم اسلام کو شدید صدمہ میں مبتلا کر دیا۔ کسے معلوم تھا کہ وہ اتنی جلدی ہم سے رخصت ہو جائیں گے اور داغ مفارقت ہمیں برداشت کرنا پڑے گا۔ مرضی مولیٰ! ان کی علمی، ادبی اور روحانی خدمات اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبول ہوئیں اور انہیں شہادت کا عظیم رتبہ حاصل ہوا، آج وہ بارگاہ غوث اعظم رضی اللہ عنہ میں ابدی آرام گاہ میں انوار تجلیات سے فیض یاب ہو رہے ہیں اور روز محشر خانوادہ قادریہ بدایوں کے اس شہزادے کی حاضری حضرت غوث اعظم کے قافلے کے ساتھ ہوگی اور وہ اپنے خاندان والوں، عقیدت مندوں اور محبین کے لیے آخرت میں مغفرت کا سامان ہوں گے۔ ہم سب کی دعا ہے کہ پروردگار عالم اپنے حبیب سرکار کائنات فخر موجودات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے طفیل انہیں جنت الفردوس عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے، آمین۔ یقیناً یہ ایسا صدمہ ہے جسے بھلایا نہیں جاسکتا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ پیر طریقت مرشد برحق حضرت مولانا شاہ عبدالحمید سالم القادری دامت برکاتہ العالیہ کو اور سب اہل خاندان کو صبر عظیم کی دولت سے نوازے، آمین۔

سنا ہے کہ مولانا قادری مرحوم کے وفد کا بغداد کا سفر ختم کے قریب تھا کہ یہ شدید المناک حادثہ شہادت پیش آ گیا۔ حدیث شریف میں ہے کہ جس کا آخر وقت جہاں لکھا ہوتا ہے وہیں اس کا انتقال ہوتا ہے، اسباب ایسے بن جاتے ہیں کہ وہ شخص وہاں پہنچ جاتا ہے، مولانا کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔ یہ عاجز تو بغداد شریف دو مرتبہ حاضر ہو چکا ہے اور حضرت غوث اعظم کے دربار سے دو چادریں بھی عطا ہوئی ہیں۔ یہی دیکھا کہ پورا بغداد چھاؤنی بنا ہوا ہے۔ ایئر پورٹ پر شدید سیکورٹی ہے اور وہاں پرائیویٹ گاڑیوں کی آمد و رفت پر سخت پابندی عائد ہے، وہاں

یہی سننے کو ملتا رہتا ہے کہ فلاں جگہ فارنگ میں اتنے لوگ شہید ہو گئے اور فلاں جگہ دھماکے میں اتنے شدید زخمی ہو گئے۔ ایک مرتبہ تو نامعلوم کیوں اچانک ملٹری کی دو گاڑیوں نے ہمارا محاصرہ کر لیا تھا۔ ایک گاڑی آگے اور ایک گاڑی ڈرائیور کی جانب، کافی دور وہ ساتھ چلتی رہیں پھر اچانک غائب ہو گئیں۔

مولانا قادری مرحوم کی شہادت ملت اسلامیہ کے لیے ناقابل تلافی نقصان ہے۔ انہیں اپنے مشن سے قلبی لگاؤ تھا، وہ بہت مستعدی کے ساتھ علمی خدمات میں مصروف تھے۔ تیس کے قریب بہت معیاری تصنیفات و تالیفات منظر عام پر آچکی تھیں اور متعدد کتابیں مسودات کی شکل میں ہیں جن کو عنقریب ہی طبع ہونا تھا۔ علمائے کرام کی عظمت اور ان کی جلیل القدر خدمات کو باوقار انداز میں نئی نسل کے سامنے پیش کرنا ان کا مقصد تھا اور وہ اپنے مشن میں کامیاب تھے۔ اسی لگن میں انہوں نے اپنی جان عزیز جان آفریں کے سپرد کر دی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ان کی شہادت کی خبر ملتے ہی ہر طرف غم و اندوہ کا ماحول چھا گیا۔ فچپوری مسجد میں ہر جمعہ، اتوار اور جمعرات کو محفل ذکر ہوتی ہے، اس میں بھی مرحوم کے لیے ایصال ثواب کیا گیا۔ قرآن خوانی کر کے بھی ایصال ثواب کیا گیا، جمعہ کی نماز کے بعد بھی دعائے مغفرت کی گئی۔ مدرسہ اہل سنت جامعہ اسلامیہ مظہر العلوم لونی میں بھی قرآن خوانی کر کے ایصال ثواب کیا گیا۔ ۱۱ جمادی الاولیٰ کو بھی گیا، ہویں شریف کی محفل میں جامعہ اسلامیہ مظہر العلوم اوشاہی مسجد فچپوری میں بالخصوص مرحوم کے لیے ایصال ثواب کیا گیا اور ان کے فضائل و مناقب کا بیان ہوا۔ احقر۔ مریدین اور عقیدت مندوں نے بھی اپنے طور پر گھروں میں قرآن خوانی کر کے اور کلمہ شریف پڑھ کر ایصال ثواب کیا ہے۔

بلاشبہ اہل سنت پران کا بڑا احسان ہے، اپنی خداداد علمی صلاحیت اور بلند پایہ اخلاق و کردار کی وجہ سے انہوں نے عالمی طور پر مقبول

حاصل کر لی تھی۔ ہر طرف ان کی تحریروں کی دھوم تھی، اگر عمر وفا کرتی تو وہ مزید بڑے بڑے کام کرتے۔ مرحوم نے اہل سنت کے دلوں میں گھر بنا لیا تھا، یہ ان کی بڑی سعادت تھی۔ وہ اچانک چلے گئے، اتنی خاموشی سے جتنی خاموشی سے پھولوں سے خوشبو چلی جاتی ہے۔ آج وہ دلوں کی دنیا میں جلوہ فرما ہیں۔ میر نے کہا۔

دل میں رہ دل میں کہ معمار قضا سے اب تک  
ایسا مطبوع مکان کوئی بنایا نہ گیا

دل سے اور کون سا مکان اچھا ہو سکتا ہے۔ ان کی مفارقت ایک عظیم المیہ ہے، وہ سراپا اخلاص و محبت تھے، ان کا علم بہت وسیع تھا، ان کا مطالعہ بہت گہرا تھا، ان کی فکر بہت بلند تھی اور ان کی تحریر شائستہ اور موثر تھی۔ نایاب علمی ذخائر کی تلاش میں وہ ہمہ تن مشغول رہتے تھے اور اس تلاش میں وہ ہر وقت سرگرداں تھے، وہ کوئی بھی مضمون یا مقالہ سرسری طور پر نہیں لکھتے تھے، انھوں نے ہمیشہ نقد و تحقیق کا اعلیٰ معیار برقرار رکھا، جو ان جیسے جواں سالہ فضلا میں نایاب ہے۔ مولانا خوشتر نورانی اس مشن میں ان کے دست راست تھے۔ ماہنامہ جام نور میں اور دیگر ادبی و ملی ماہناموں میں ان کے تحقیقی مقالات شائع ہوتے رہتے تھے اور وہ تشنگانِ علوم و فنون کی پیاس بجھاتے رہتے تھے۔ میرا قلم ان کے علم و فضل کو کما حقہ بیان کرنے سے قاصر ہے۔ اپنے اس بیان کی دلیل کے طور پر میں ان کے تین مقالے پیش کر سکتا ہوں:

ماہنامہ جام نور شمارہ جون ۲۰۱۲ء میں ان کا بہت مفید مقالہ شائع ہوا تھا، جس کا عنوان ہے ”مولانا حیدر علی فیض آبادی: تیرہویں صدی کی ایک گم نام شخصیت۔“ (ص: ۲۱)

ماہنامہ جام نور شمارہ اپریل ۲۰۱۳ء میں مولانا قادری مرحوم کا ایک نہایت مفید، پر فخر مقالہ شائع ہوا تھا، جس کا عنوان ہے ”مولانا عبدالجبار بدایونی اور تحریک تحفظ گنبد خضریٰ۔“ (ص: ۱۱)

یہ مقالہ آٹھ صفحات پر مشتمل ہے، گنبد خضریٰ کے تحفظ کے لیے علمائے اہل سنت نے کیا تحریکیں چلائی تھیں، اس مقالے کے مطالعے سے وہ سارا منظر سامنے آ جاتا ہے۔

دہلی میں شاہی مسجد فتحپوری سے حضرت مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ (م ۱۳۸۶ھ/ ۱۹۶۶ء) اور مولانا مفتی محمد احمد (م ۱۳۹۱ھ/ ۱۹۷۱ء) نے

بھی اس تحریک میں حصہ لیا تھا اور ایک رسالہ بھی مفتی اعظم نے شائع کیا تھا، جس کا عنوان ہے: کشف الحجاب عن مسئلۃ البناء والقباب مطبوعہ دہلی، ۱۹۲۵ء۔

ماہنامہ جام نور شمارہ مئی ۲۰۱۳ء میں مولانا قادری مرحوم کا ایک اور بہت مفید مقالہ شائع ہوا تھا، جس کا عنوان ہے: ”شمس ماربرہ حضور اچھے میاں اور سراج الہند شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی: علمی و روحانی روابط۔“ (ص: ۵۱)

چھ صفحات پر مشتمل یہ بھی علمی و روحانی انوار و برکات سے معمور ایک مقالہ ہے، جس سے دہلی اور ماربرہ مطبرہ کے اولیاء اللہ کے علمی و روحانی روابط پر واقفیت حاصل ہوتی ہے اور یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ خانقاہی روابط کس طرح کے ہونے چاہئیں اور مریدین و عقیدتمندوں کے آداب کیا ہوتے ہیں۔

مولانا قادری مرحوم کی خصوصی توجہ قدیم علمی ذخائر کو منظر عام پر لانے کی طرف تھی اور وہ علمائے اہل سنت کے علمی و روحانی عظیم کارناموں کو منظر عام پر لانا چاہتے تھے۔ علامہ فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ان کی تصانیف اور مقالات عالمی طور پر مقبول ہو چکے ہیں۔ حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی قدس سرہ کے مفصل حالات پر مشتمل ایک صدی پرانی مستند و نایاب کتاب ”تذکرہ نوری“ مولانا قادری مرحوم کی ترتیب و تقدیم کے ساتھ منظر عام پر آ چکی ہے۔ میری اس مختصر سی تحریر سے یہ اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ مولانا قادری مرحوم کی نظر ہر طرف تھی، وہ بدایوں شریف کی خانقاہ عالیہ قادریہ کے ولی عہد سجادہ نشین تھے، جن کی تربیت حضرت سالم میاں دامت برکاتہ نے قدیم خانقاہی روایات کے مطابق فرمائی تھی۔ وہ تنگ نظر نہیں تھے، ہر خانقاہ کا وہ ادب و احترام کرتے تھے اور ہر بزرگ کی خدمات کو منظر عام پر لانا ان کا مشن تھا اور اسی وجہ سے ان کی مقبولیت اہل سنت کے ہر طبقے میں تھی۔ وہ اپنے معاصرین میں سب سے بلند مقام پر فائز ہیں اور دنیا ان کو صدیوں تک یاد رکھے گی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ان کی قبر کو نور سے بھر دے اور اس پر انوار و تجلیات کی بارش ہوتی رہے، آمین۔

□□□

☆ شاہی امام: مسجد فتحپوری، فتحپوری، دہلی۔ ۶

# آفتاب قادریت نصف النہار سے پہلے ہی روپوش

مولانا بدایونی کی شخصیت بہت کم عرصے میں افق ہند پر روشن ہونے کی طرح چمکنے لگی تھی اور اس کی روشنی کا دائرہ دن بدن بڑھتا ہی جا رہا تھا

مختلف نشستوں میں ان سے میری ملاقات ہوئی۔ یادداشت کے مطابق عرس قاسمی برکاتی مارہرہ شریف، عرس عزیز می مبارک پور، دارالعلوم ربانیہ باندہ، جامعۃ البرکات علی گڑھ، امام اعظم سیمینار و کانفرنس لکھنؤ اور رویت ہلال سپوزیم دارالخیرا جمیر شریف میں خوش گوار ملاقاتیں رہیں۔ مولانا جہاں ملے، بڑی خندہ پیشانی اور ادب و احترام کے ساتھ ملے۔ ان کی گفتگو میں ان کے مکارم اخلاق کے جلوے نظر آتے تھے۔ ایک عظیم خانقاہ سے وابستہ ہونے کا احساس، نہ پدم سلطان بودکا اظہار۔

شہید راہ بغداد اخلاقی خوبیوں کے ساتھ بہترین و مشفق استاذ، جامعہ ازہر مصر کے فارغ التحصیل، باصلاحیت، وسیع المطالعہ، نالم و فاضل اور قلم و قرطاس کے شہسوار تھے۔ آپ کے مضامین میں علمی اسلوب ہونے کے ساتھ ساتھ ادب کی چاشنی بھی ملتی ہے۔ تحقیق و تفہیم، خامہ تلاشی، خیر آبادیات، عربی محاورات ان کی وسعت مطالعہ کی عکاس اور تحقیق و جستجو کی آئینہ دار ہیں۔ خامہ تلاشی کے ذریعے مذہبی صحافت میں نقد و نظر اور تنقید و تبصرہ کا ایک منفرد اسلوب اختیار کر کے روایت و درایت دونوں کا حق ادا کر دیا۔ مولانا شہید مرحوم کی ذات میں بیک وقت ایک محقق و مصنف، ایک مبصر و ناقد، ایک شاعر و سخن فہم، ایک مورخ و ادیب، ایک مترجم و مرتب کے کمالات و اوصاف یک جا نظر آتے ہیں۔ آپ کی متنوع اور کثیر المطالعہ شخصیت بہت کم عرصے میں افق ہند پر روشن ستارے کی طرح چمکنے لگی تھی اور اس کی روشنی کا دائرہ دن بدن بڑھتا ہی جا رہا تھا کہ اچانک آفتاب قادریت نصف النہار سے پہلے ہی روپوش ہو گیا۔ شہید مرحوم نے اپنی قلمی خدمات کی بدولت بہت سے اہل علم کے دلوں میں اپنی جگہ بنالی تھی۔

قلمی خدمات کے علاوہ آپ کا ایک عظیم کارنامہ یہ بھی ہے کہ اپنے والد ماجد حضرت شیخ الحاج مولانا الشاہ عبدالحمید سالم قادری بدایونی مدظلہ العالی سجادہ نشین آستانہ قادریہ مجیدیہ بدایوں شریف کے عہد سجادگی کے

خانقاہ قادریہ بدایوں سے علم و تعلیم اور رشد و ہدایت کے بڑے بڑے تاج دار پیدا ہوئے اور دنیا کو ضیاء علم سے روشن و منور کیا۔ ماضی قریب میں دو عظیم نام سیف اللہ المسلمول حضرت علامہ معین الحق فضل رسول قادری عثمانی بدایونی (۱۲۱۳ھ-۱۲۸۹ھ) اور تاج الفحول، مظہر حق عبدالقادر محبت رسول عثمانی (۱۲۵۳ھ-۱۳۱۹ھ) رحمہم اللہ تعالیٰ کے ممتاز اور نمایاں ہیں جن کے علم و فضل کا سوتا کسی نہ کسی حیثیت سے آج بھی جاری و ساری ہے۔ یہ وہی بزرگان دین ہیں جن کے علم و فضل کا اعتراف کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت مجدد دین و ملت امام احمد رضا قادری برکاتی (۱۲۷۲ھ-۱۳۴۰ھ) نے ان کی شان میں قصائد لکھے ہیں۔ مثلاً حضرت تاج الفحول کے بارے میں فرمایا:

وقدوة جمعہم تاج الفحول  
وما ادراك ما تاج الفحول  
اور اپنے قصیدہ چراغ انس میں فرمایا:  
ٹھیک معیار سیت ہے آج  
تیری حب و ولا محبت رسول  
یہ اکابر ہمارے لیے سند و حجت ہیں۔

شہید راہ بغداد حضرت مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری عثمانی بدایونی مرحوم و مغفور (۱۳۹۵ھ-۱۴۳۵ھ) کا تعلق بھی اسی عظیم علمی خانوادے سے تھا، جنہوں نے اکیسویں صدی عیسوی میں خانقاہ قادریہ بدایوں کو ایک نئے سرے سے متعارف کرا کے اپنے آبا و اجداد اور اکابر اہل سنت کی عظمت اور علمی خدمات کو زندہ کیا۔ آپ خانقاہ بدایوں کے چشم و چراغ اور اپنے آبا و اجداد کی علمی وراثت کے امین تھے۔ مختلف علوم و فنون کے جامع ہونے کے ساتھ بڑے وسیع الظرف، متواضع، خلیق اور ملنسار تھے۔ اس کا احساس صرف مجھے نہیں بلکہ شہید مولانا اسید الحق عثمانی سے گفت و شنید کرنے والے ہر شخص کو ہوگا۔ مختلف مقامات پر

پچاس سال مکمل ہونے پر شوال ۱۴۲۹ھ / مارچ ۲۰۱۰ء میں پچاس سالہ جشن کو جشن اشاعت کتب کے طور پر منایا اور خانقاہ قادریہ کے علمائے کرام کی پچاس کتابوں کو شائع کر کے اس گولڈن جوبلی کو ایک یادگار جشن بنا دیا۔ یہ جشن اشاعت کتب کی حیثیت سے سنگ میل کا درجہ رکھتا ہے۔

ان علمی و دینی خدمات سے آپ کی علمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ وقت کی قدر و قیمت کا احساس جتنا آپ کو تھا اگر ہر ذی علم کو ہو جائے تو کارہائے نمایاں انجام دینے والوں کی فہرست بہت طویل ہو جائے۔

شہادت کے وقت بھی آپ کے ہاتھوں علم حدیث کی مقدس کتاب الاربعون النوویہ تھی جس کے مطالعہ میں مستغرق تھے کہ کسی ظالم کی گولی کا شکار ہو کر دارفانی سے دار جاودانی کی جانب کوچ کر گئے۔ حضرت سیدی محدث اعظم ہند کچھوچھوی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی آرزو کا اظہار یوں فرمایا تھا:

موت آئے تو در پاک نبی پر سید  
ورنہ تھوڑی سی زمیں ہوشہ سمنائے کے قریب

اور حضرت مولانا اسید الحق صاحب مرحوم و مغفور کی آرزو انھیں الفاظ کے ساتھ تھی۔ مولانا شہید مرحوم کی شہ جیلاں کے قریب مدفون ہونے کی آرزو دل میں انگڑائیاں لے رہی تھی اور غوث الاغواث رضی

اللہ تعالیٰ عنہ نے باب الشیخ کی زمین انھیں آرام فرمانے کے لیے سپرد فرمادی۔ سنا ہے کہ مولانا شہید مرحوم نے کسی موقع پر یہ کہا تھا کہ: جینے کے لیے مدینہ اور مرنے کے لیے بغداد پسند کرتا ہوں۔

میں سمجھتا ہوں کہ مولانا شہید مرحوم کو یہ عظمت نسبت قادریت کی برکت سے حاصل ہوئی اور شہادت کی سعادت نسبت عثمانی کی برکت سے۔ حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تلاوت قرآن حکیم میں مستغرق تھے اور جام شہادت نوش فرمایا اور آپ کی اولاد امجاد سے نسبت رکھنے والے اسید عثمانی مطالعہ حدیث میں مستغرق تھے اور جام شہادت نوش کر کے باب الشیخ بغداد میں ابدی نیند سو گئے۔ قابل رشک ہے یہ صدقہ اور قابل افتخار ہے جو ارغوث پاک۔ آپ کی شہادت سے اہل سنت و جماعت کا بڑا نقصان ہوا ہے اور خانقاہ قادریہ جس کی مولانا مرحوم کی کوششوں سے نشاۃ ثانیہ ہو رہی تھی آج بھی اس کے درو دیوار سو گوار ہیں۔

میں آپ کے والد ماجد حضرت شیخ مولانا الشاہ عبدالحمید محمد سالم قادری مدظلہ العالی اور پسماندگان و متوسلین و معتقدین کو تعزیت پیش کرتا ہوں۔ خدا انہیں کر وٹ کر وٹ جنت نصیب فرمائے۔ آمین

□□□

☆ صدر: شعبہ افتاء، الجامعۃ الاشرافیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ (یوپی)

### بقیہ تاریخ ساز کارنامہ انجام دیا

کس قدر جگر سوزی کی اور برصغیر پاک و ہند کے کونے کونے سے احوال و آثار جمع کرنے کی جدوجہد کی ہے اور رہتی دنیا تک اپنے لیے صدقہ جاریہ کا اہتمام کر گئے۔ صد افسوس کہ عالم اسلام کا یہ معروف نوجوان اسلامی اسکالر اور مقبول عام ادیب و محقق جن کی اپنی مادری زبان اردو کی طرح عربی لسان و لغت پر بھی گہری نظر تھی۔ اپنے والد گرامی، حضرت مولانا شیخ عبدالحمید سالم میاں قادری دامت برکاتہم العالیہ (سجادہ نشین خانقاہ عالیہ قادریہ بدایوں شریف) اور برادر اصغر مولانا محمد عبدالغنی عطیف میاں قادری زید مجدہ اور چند دیگر احباب کے ساتھ حضرت سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار اقدس بغداد شریف پہ حاضر کیے بعد حضرت شیخ محمد توفیق گیلانی دامت برکاتہم العالیہ سے شرف ملاقات کے لیے ان کے دولت کدے پر اربل (کردستان، عراق) جا رہے تھے کہ اسلام دشمن دہشت گردوں کے حملے میں شہید ہو گئے اور سیدنا امام حسین عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سنت پر عمل پیرا ہو کر گل گوں قبالباس میں احاطہ آستانہ سیدنا غوث اعظم شیخ سید محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں آسودہ خاک ہو کر خلد آشیاں ہو گئے۔

قادری بودن رضا رامفت باغ خلد داد  
من نمی گفتم کہ آقا مایہ غفراں توئی

اللہ تبارک و تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔ حضرت صاحب سجادہ سالم میاں زید مجدہ اور دیگر متوسلین کو صبر جمیل عطا فرمائے اور ہمیں ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔ □□□

☆ صدر: ادارہ تحقیقات امام احمد رضا (انٹرنیشنل)، کراچی (پاکستان)



# تاریخ ساز کارنامہ انجام دیا

مولانا سید الحق قادری نے برصغیر میں پہلی بار مذہبی ادب میں صالح اور اصلاحی نقد و نظر کی بنیاد ڈالی

۳- مدرسہ و خانقاہ کی قدیم لائبریری کی جدید خطوط پر فہرست بندی اور کمپیوٹرائزیشن۔

(واضح ہو کہ مدرسہ قادریہ بدایوں کی لائبریری میں اسلامی علوم و فنون پر جدید و قدیم کتب و مخطوطات کا ایک عظیم ذخیرہ موجود ہے، جہاں فراخ دلی کے ساتھ محققین کی مدد کی جاتی ہے۔)

۴- تاج اللہ اول اکیڈمی کا قیام اور اس کے تحت اپنے بزرگوں کی تقریباً سو (۱۰۰) تصانیف (عربی اردو اور فارسی) کی جدید ترتیب، تخریج، تفسیر اور تقدیم و ترجمے کے ساتھ اشاعت۔

ان کی ان علمی، قلمی اور تحقیقی کاوشوں نے نئی نسل کے علما میں ایک حرکی قوت پیدا کر دی۔ اہل سنت و جماعت میں جدید خطوط پر تحقیق و تصنیف کے عمل کی تشویق و ترغیب پیدا ہوئی اور نئے لکھنے والوں کی ایک اچھی ٹیم سامنے آئی، جو مستقبل میں ان شاء اللہ العزیز ان کے چھوڑے ہوئے علمی و تحقیقی کام کو آگے بڑھاتی رہے گی۔

۵- انہوں نے برصغیر میں پہلی بار مذہبی ادب میں صالح اور اصلاحی نقد و نظر کی بنیاد ڈالی، محترم شخصیات سے عقیدت و محبت رکھتے ہوئے بھی غیر جانب دار اور معروضی رویہ اپنی تحریروں میں برقرار رکھا۔

۶- ان کا ایک امتیازی پہلو یہ بھی ہے کہ انہوں نے برصغیر کے معروف شہروں، خیر آباد، رامپور، بریلی، مراد آباد، میرٹھ، بدایوں، حیدر آباد اور ٹونک کے مدارس کی اہم علمی شخصیات اور ان کے علمی آثار پر تحقیقی اور علمی کام کیا اور اسے تاریخ کا حصہ بنایا۔ اس ضمن میں ان کی ایک کتاب ”خیر آبادیات“ پر خیر آبادی علم و فضل کے احوال و آثار پر لکھی گئی ہے، آپ مطالعہ فرمائیں تو آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ حضرت محقق علیہ الرحمہ نے مجاہد جنگ آزادی ۱۸۵۷ء اور ان کے اسلاف و اخلاف اور ان کے علمی آثار کو اکٹھا کرنے کے لیے ————— بقیہ صفحہ نمبر 167

فاضل جلیل، عالم نبیل، حضرت مولانا سید الحق قادری عثمانی، ولی عہد خانقاہ عالیہ قادریہ بدایوں شریف کی شہادت کی خبر سن کر اہل سنت و جماعت کا ہر فرد دل گرفتہ اور افسردہ ہے، ہر آنکھ ان کی جدائی کے غم میں نم ناک ہے۔ انہوں نے اپنی عمر مستعار کے مختصر عرصے میں تحقیق و تصنیف، تالیف و تدقیق، تسہیل و تخریج اور ترتیب و تقدیم کے میدان میں جو گراں مایہ خدمات انجام دی ہیں وہ ایک تاریخ ساز کارنامہ ہے جو شہرے حروف میں لکھے جانے کے قابل ہے۔ وہ بلاشبہ نئی نوجوان نسل میں علم و تحقیق کی دنیا کی ایک مایہ ناز اور معتبر شخصیت تھے۔ ایک بلند پایہ عالم دین ہونے کے ساتھ وہ اعلیٰ اخلاقی اقدار کے حامل انسان تھے۔ اگر یہ کہا جائے کہ وہ نوجوان ملہا و فضلا کی ایک مثالی (آئیڈیل) شخصیت تھے تو یقیناً بے جا نہ ہوگا۔

طبیعت میں سنجیدگی، متانت، تواضع اور انکسار ان کا طرہ امتیاز تھا، وہ عالم اسلام کی عظیم و قدیم جامعہ ”جامعۃ الازہر الشریف“ کے برصغیر پاک و ہند و بنگلہ دیش کے نوجوان فارغ التحصیل فضلا میں ایک انفرادی اور امتیازی شان کے مالک تھے۔ تحریر ہو یا تقریر، تدریس ہو یا وعظ و خطابت وہ ہر میدان کے شہسوار تھے، انہی خوبیوں کی بنا پر وہ ہر حلقے میں بردل عزیز تھے۔ امام علم و فن حضرت خواجہ مظفر حسین رضوی رحمۃ اللہ علیہ کے سرفہرست خاص شاگردوں میں آپ کا اسم گرامی بھی شامل ہے۔

۵۰ سے زیادہ مقالات (عربی، اردو، فارسی) ۱۲ سے زیادہ (عربی اردو) کتب کے مصنف اور ۵۰ سے زیادہ عربی، اردو، فارسی کتب کی تحقیق، تسہیل، ترتیب و تفسیر کے علاوہ آپ کا عظیم کارنامہ: ۱- اپنے آبائے کرام قدس سرہم کی ۸۰۰ سالہ خانقاہ قادریہ کے روحانی اقدار کی از سر نو بحالی۔

۲۰- دو سو ۳۰ (۲۰۰) مدرسہ قادریہ کی جدید خطوط پر نشاۃ ثانیہ۔

# حلم و تدبر، فکر و فن اور علم و تحقیق کا پیکر

اس قدر کم عمر میں ایسا اچھا عالم میں نے نہیں پایا، اسلاف میں تو اس کی مثالیں ملتی ہیں، مگر عصر حاضر میں بالکل نایاب ہیں

کردار کے حامل تھے، مولانا اسید الحق بھی انہی کی روش پر گامزن تھے، اور ان کے سچے وارث۔

آپ اہل سنت و جماعت کے درمیان اتحاد کے داعی تھے اور کسی فرعی مسئلے کو ہوادے کر سنیوں کے اندر اختلاف و انتشار کی فضا قائم کرنے کے قائل نہ تھے۔

علامہ اسید الحق ”پدرم سلطان بود“ پر کار بند نہ تھے، اسی لیے آپ نے اپنے اندر ہر طرح کی علمی صلاحیت پیدا کرنے کی کوشش کی۔ امام علم و فن حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی علیہ الرحمہ کی خدمت میں رو کر خوب خوب استفادہ کیا۔

فقیر النفس حضرت علامہ مفتی محمد مطیع الرحمن رضوی کے سامنے بھی زانوئے تلمذتہ کیا اور ان کے خوان علم سے بھی فیض یاب ہوئے۔ پھر جامعۃ الازہر مصر جا کر تخصص فی التفسیر کی ڈگری حاصل کی، شعر و شاعری اور اردو ادب سے بھی جا بجا شغف تھا، تنقید کے فن سے بھی بطور خاص واقف تھے، غرض اس قدر کم عمر میں ایسا اچھا عالم میں نے نہیں پایا، اسلاف میں تو اس کی مثالیں ملتی ہیں، لیکن عصر حاضر میں تو بالکل نایاب اور نہ کے برؤہر ہیں۔

اسید میاں عالم دین تھے، سنجیدگی ان کے اندر کوٹ کوٹ کر بھری تھی، وقار و تمکنت بھی تھا، مگر تواضع کے ساتھ، علما و اکابر کی خوب قدر کرتے، جس سے ملتے ٹوٹ کر ملتے، تکبر سے دور اور بہت دور تھے، جنہوں نے صرف انہیں سنا تھا وہ شاید انہیں پورے طور سے نہیں سمجھ سکتے، مگر جنہوں نے ان سے براہ راست رابطہ رکھا، ملاقاتیں کیں وہ ان کی عالی شان خوبو سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ وہ کم عمر ضرور تھے مگر اسلاف کرام کے نقش قدم کو اپنایا، آپ نے چھٹ پنے میں بڑکپن کی

یادگار اکابر بدایوں، محقق و مدقق، ادیب و مفکر حضرت مولانا اسید الحق عاصم القادری بدایونی کی اچانک شہادت کی خبر مورخہ ۴ مارچ ۲۰۱۴ء بروز شنبہ اس وقت ملی، جب راقم الحروف اپنے تبلیغی دورے پر مالے گاؤں (ضلع ناسک) گیا ہوا تھا۔ طبیعت کسی طرح اس خبر پر یقین کرنے کو تیار نہ ہوئی، ایسا لگا کہ شاید یہ خبر صحیح نہیں، دوسری کسی اچھی خبر کا انتظار کرنے لگا۔ مگر متعدد فون اور دیگر ذرائع نے اس خبر وحشت اثر کی جب تصدیق کر دی تو یقین کیے بغیر چارہ ہی نہ تھا۔ اسی روز ”مسجد تاج الشریعہ“ مالے گاؤں میں ناچیز کا ”مسجد اور ہماری ذمہ داریاں“ کے عنوان سے بیان ہونا تھا، اختتام محفل پر ایصال ثواب اور تعزیتی نشست کا اہتمام ہوا جس میں شہید بغداد مولانا اسید الحق قادری بدایونی کو خراج عقیدت اور تعزیتی کلمات پیش کیے گئے۔

شہید بغداد مولانا اسید الحق قادری بدایونی علیہ الرحمہ حلم و تدبر کے پیکر تھے اور فکر و فن، علم و تحقیق گویا آپ کی گھٹی میں پلائے گئے تھے، اختلاف و انتشار سے کڑھنا اور راہ اعتدال پر جاہ پناہ رہنا آپ کی طبیعت ثانیہ تھی۔

حساس شخصیتیں عمر کے آخری حصے میں کہا کرتی تھیں کہ ”وقت کم ہے اور کام زیادہ“ لیکن آپ نے جوان عمر ہی میں اس مقولے کو صرف یہی نہیں کہا بلکہ برتا بھی، جیسا کہ مدت قلیل دس بارہ سال میں آپ کی تبلیغی و تصنیفی نیز تحقیقی مساعی پر نظر ڈالنے سے واضح ہے، اس قلیل مدت میں نہایت عمدہ اور معیاری انداز سے جدید تقاضوں کو ملحوظ رکھ کر سو سے زائد کتب و رسائل کی اشاعت کوئی معمولی کارنامہ نہیں۔ تعلق فی الدین اور استقامت علی الحق آپ کا شیوہ تھا، آپ کی شائع کردہ کتابیں اس پر شاہد عدل ہیں۔ اکابر بدایوں رو بد مذہباں میں نمایاں

مثال قائم کی جب کہ اس کی مثال بہت مشکل سے ملا کرتی ہے، آج وہ ہم میں نہیں مگر ان کی ایک ایک ادایا آتی ہے۔ مبارک پورا آتے مجھ سے پتہ لگا کر ملتے، مارہرہ شریف جاتے، تلاش کر کے ملاقات کرتے، نیک مشوروں کی درخواست کرتے، کوتاہیوں کی نشاندہی کے لیے کہتے۔ حالاں کہ میں کچھ نہیں، پھر بھی میں جو کچھ کہتا، بغور سنتے اور شکر گزار ہوتے، آج ذرا سا علم ہو جاتا ہے تو لوگ آسمان چھونے لگتے ہیں، دماغ عرش پر چلا جاتا ہے، پاؤں زمین پر نہیں پڑتا۔ ان کی صلح پسندانہ طبیعت کا ذکر کرتے ہوئے ”مذکرہ نوری“ کے حالیہ ایڈیشن میں شرف ملت ادیب عصر حضرت سید محمد اشرف میاں قادری برکاتی مارہروی مدظلہ العالی نے جو تقریظ سپرد قلم کی ہے وہ پڑھنے کے لائق ہے۔ اس کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو، بڑے چاؤ سے اشرف میاں خامہ طراز ہیں:

”مذکرہ نوری“ (مدائح حضور نور) میں مولانا قاضی غلام شہر صاحب (بدایونی) نے جس تفحص، ترتیب اور تاکید کے ساتھ خانوادہ برکات کا اجمالی اور اس خاندان کے گل سرسبد حضرت نوری میاں صاحب قبلہ کا تفصیلی ذکر کیا ہے وہ پہلے بھی اہل دل و اہل نظر سے داد لے چکا ہے اور اس اشاعت جدیدہ میں مزید قابل تحسین ہو گیا ہے کہ اسے سنوارنے کا کام عزیز گرامی قدر مولانا سید الحق قادری کے اُن ہاتھوں سے ہوا ہے جو باتوں اور معاملات کو الجھاتے نہیں، بلکہ بیچ در بیچ معاملات کو سلجھانے کا ہنر جانتے ہیں۔ وہ فتنوں اور فتنہ پروروں سے دور و نفور ہیں اور خالص علمی انداز تحقیق کے تحت کتب قدیمہ کو دل پذیر اور عقیدہ کشا حواشی اور دیگر معلومات کے اضافوں کے ساتھ منظر عام پر لارہے ہیں۔ یہ کام ان کے ہاتھوں تو اتر کے ساتھ ہو رہا ہے اور اسی طرح اپنے علمی خانوادے اور خانقاہ کی نشاۃ ثانیہ کے کام میں اپنے والد کی سرپرستی میں ہمہ وقت مصروف ہیں۔ ان کا انداز تحریر اور متن ایسا ہوتا ہے کہ ان کے لکھے سے کسی اپنے کو جراحت نہیں پہنچتی۔ میرا ذاتی مشاہدہ ہے کہ تحریری فتنوں کی سرکوبی میں اس نوجوان عالم دین اور معروف و قدیم خانقاہ کے فرد متین نے قلم کا ہتھیار بھی استعمال کیا ہے اور مومنانہ فراست کے پیش نظر خاموشی کا انداز بھی اختیار کیا ہے.....

کچھ نہ کہنا بھی اک انداز بیاں ہوتا ہے  
مرشدان مارہرہ کی دعائیں اور خود ان کے بزرگوں کی بڑائی  
ان کے ساتھ رہتی ہے جو انھیں بار بار ترغیب دیتی ہے کہ  
کھوئے ہوئے سروں کو تلاش کرو، ٹوٹے ہوئے رشتوں کو جوڑو،  
پرانے زخموں کی نمائش نہ کرو، ان پر صبر کا ٹھنڈا ٹھنڈا امر رکھ  
لو، تاکہ قافلہ سوادا عظیم کی دراڑیں ختم ہوں اور سوادا عظیم کا ہر  
فرد یہ محسوس کرے کہ وہ آپس میں ایسے شیر و شکر ہیں کہ جیسے  
بدن کے مختلف اعضا آپس میں وابستہ ہوتے ہیں۔ تاکہ سواد  
اعظم کا روحانی، علمی اور سماجی سفر ایک نئی امنگ، نئی امید اور  
ایک نئی تیاری کے ساتھ ایسے راستے پر گامزن ہو جس کی منزل  
اہل سنت و جماعت کی عظمت رفتہ کی بازیابی ہو۔“

(تقریظ مذکرہ نوری، ص: ۱۵-۱۶، تاج اللؤلؤ اکیڈمی بدایوں، ۲۰۱۳ء)

حضرت شرف ملت کے مذکورہ کلمات حضرت اسید میاں کی عظمتوں  
کے اعتراف کے ساتھ ساتھ ہمارے لیے بھی درس عبرت ہیں۔ اسید  
میاں تو اب ہم میں نہ رہے، لیکن فکرو فن اور علم و تحقیق کی انھوں نے جو  
جوت جگائی ہے وہ آئندہ نسلوں کے لیے ضرور مشعل راہ ہے۔

عربی دانی کے اعتبار سے بھی مولانا سید الحق کا مقام بڑا بلند تھا۔  
”عربی محاورات“ نامی ان کی کتاب دلیل کی حیثیت سے پیش کی جاسکتی  
ہے جو ایک عمدہ پیش رفت ہے اور اس کی خوبیوں کا اہل علم نے برملا  
اعتراف کیا ہے۔

”قصیدتان رائحتان“ جو مدائح فضل الرسول اور حمایہ فضل الرسول  
کا مجموعہ ہے، یہ دونوں قصائد اعلیٰ حضرت، امام اہل سنت محدث بریلوی  
قدس سرہ (م ۱۳۴۰ھ) نے سیف اللہ المسلمول حضرت معین الحق فضل  
رسول عثمانی بدایونی علیہ الرحمہ (متوفی: ۱۲۸۹ھ/۱۸۷۲ء) کی شان میں  
کہے، جو عربی زبان میں ہیں اور تین سو تیرہ (۳۱۳) اشعار پر مشتمل ہیں  
اور دونوں نام تاریخی ہیں (۱۳۰۰ھ) جن میں حضرت سیف اللہ المسلمول  
کی دینی و اصلاحی خدمات اور ان کی عظمتوں کا کھلے دل سے اعتراف کیا  
ہے اور ان سے اپنے گہرے لگاؤ کا بھی اظہار کیا ہے۔ ان قصائد سے  
اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی عربی زبان و ادب پر قدرت کا بھی پتہ چلتا ہے،  
ان قصائد کے قلمی نسخے کا عکس لے کر شائع کرنے کا شرف سب سے

پہلے ”المجمع الاسلامی“ مبارک پور کو حاصل ہوا۔ یہ خطی نسخہ خانقاہ قادریہ بدایوں ہی سے فراہم ہوا تھا اور اصل اب بھی وہاں محفوظ ہے۔

مولانا اسید الحق قادری نے ان دونوں قصیدوں کی فنی حیثیت پر بڑا پر مغز مقدمہ تحریر فرمایا ہے جو تقریباً سو (۱۰۰) صفحات پر مشتمل ہے، ترجمہ و تشریح کا کام مولانا نے مدرسہ قادریہ بدایوں کے ایک قابل استاذ مولانا عامم اقبال مجیدی بدایونی سے کرایا ہے، جس میں موصوف کی نگرانی اور توجہ ضرور رہی ہوگی، اصل کام تو ترجمہ و تشریح کا ہے جسے مترجم و شارح نے بحسن و خوبی انجام دیا ہے، جسے اہل علم ہی محسوس کر سکتے ہیں مگر مولانا اسید الحق مرحوم کا مقدمہ بھی کچھ کم اہمیت کا حامل نہیں۔ مولانا نے مقدمے میں ہر ہر حیثیت سے ان قصیدوں کے مقام و مرتبے کو اجاگر کیا ہے، فن عروض کے اعتبار سے بھی ان کی حیثیت متعین کی ہے، موضوعات پر بھی بحث ہے، تحقیق و تلاش کے بعد مولانا نے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ دونوں قصیدوں کے تین سو تیرہ اشعار میں قافیہ کہیں بھی مکرر نہیں اور اگر کہیں ہے تو صورتاً ہے، معنا نہیں، پھر ان اشعار کو پیش کر کے مکرر الفاظ کی تشریح کر دی ہے اور بتا دیا ہے کہ دونوں مقامات پر کون کون سے معنی مراد ہیں۔

مزید برآں لسانی جائزہ، قرآنی اقتباسات، حدیثی اشارات، امثال و محاورات، وجوہ بلاغت، اسرار نحو و لغویہ کے عنوانات قائم کر کے بھی ان قصائد کا جائزہ لیا ہے۔ اس مقدمے کی سب سے خاص بات یہ ہے کہ ڈاکٹر رشید عبیدی بغدادی نے قصیدتان رانختان کی جو شرح لکھی ہے اس کے تسامحات پر بھی روشنی ڈالی ہے اور شارح نے جہاں جہاں غلطی کی ہے ان کی دلائل کی روشنی میں نشاندہی کی ہے، ڈاکٹر عبیدی کی کل اکتالیس (۳۱) مقامات پر پائی جانے والی لغزشوں پر تنبیہ کرنے کے بعد آپ نے لکھا ہے۔

”سردست یہ اکتالیس مقامات ہیں جو غور فکر اور نظر ثانی کے

متقاضی ہیں، ان کے علاوہ چند ایک مقامات اور ہیں جہاں فاضل بغدادی نے شعر کی زبان یا عروض پر اپنے تامل کا اظہار کیا ہے، لیکن وہاں بھی صورت حال وہی ہے جو آپ نے ان اکتالیس مقامات میں ملاحظہ فرمائی اس لیے ہم ان سے صرف نظر کرتے ہیں.....ع

عیب وے جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو

یہ لکھنا ضروری ہے کہ کسی فنی شہ پارے کی تحقیق و تعلق کا جو رائج علمی طریقہ ہے، فاضل بغدادی ڈاکٹر رشید عبیدی کی زیر نظر شرح و تحقیق (چند تسامحات کے استثناء کے ساتھ) اس پر پوری اترتی ہے، انھوں نے بڑی باریکی اور فنی مہارت سے قصیدوں کا مطالعہ کیا، زبان کا تجزیہ کیا، عروضی و قوافی پر غور کیا، شعریت اور حسن ترسیل کو پرکھا پھر جو خوبیاں یا خامیاں ان کو محسوس ہوئیں انھوں نے بے کم و کاست خالص علمی پیرایے میں ان کو زینت قرطاس کر دیا۔

ان کی اس شرح و تحقیق سے ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ عرب بالخصوص عراق کے علمی حلقوں میں ان قصیدوں کے ممدوح حضرت سیف اللہ المسلمول اور ناظم، حضرت فاضل بریلوی کے علمی مقام و مرتبے کا تعارف ہوا۔“ (مقدمہ قصیدتان رانختان، ص ۹۷-۹۸، تاج اللؤلؤ اکیڈمی، بدایوں)

اس مقدمے کے ذریعے حضرت مولانا اسید الحق قادری نے بہت سے اہم گوشوں کو واضح کیا ہے جن پر عام قاری، بلکہ محقق کی بھی نظر نہیں جاسکتی تھی، مولانا کا یہ بھی ایک بڑا علمی اور فنی کارنامہ ہے جس کی داد دی جانی چاہیے۔ مولانا پر لکھنے کے لیے اور بھی بہت کچھ ہے، مگر وقت کی قلت دامن گیر ہے، اس لیے انہی سطور پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ □□□

☆ مہتمم: دارالعلوم قادریہ، چریاکوٹ، ضلع سوات (پوپی)



# ان کی یاد ہمیشہ دل کا زخم بنی رہے گی

مولانا سید الحق کا جانا ہندوستان کے علمی تاج سے کوہ نور چھن جانے کے مترادف ہے

ہندوستان کے علمی تاج سے کوہ نور چھن جانے کے مترادف ہے۔ علم و فضل کے جوہر سے متصف افراد جو کچھ لکھ جاتے ہیں وہ تو ہمارا اثاثہ ہے ہی مگر جو ہزار کتابیں اور بے شمار حکایتیں ان کے لبوں کی جنبش اور آنکھوں کی حلاوت سے لے کر ان کی نشست و برخاست کے پہلو دار نصاب میں مضمحل ہوتی ہیں، ان کا نوحہ کون لکھ سکا ہے؟ سید الحق کی جدائی سے ان کی شخصی مدارات اور مجلسی تبرکات سے محرومی کا احساس بحیثیت دوست مجھے ہمیشہ رہے گا اور ان کی یاد ہمیشہ دل کا زخم بنی رہے گی۔

مولانا سید الحق کی زندگی کی طرح ان کی شہادت بھی یادگار ہو کر رہ گئی۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے دربار گہر بار میں حاضری ملی جو دائمی حضوری میں بدل گئی۔ خانقاہ قادریہ بدایوں ہندوستان میں حدیقہ قادریت کی حیثیت رکھتا ہے۔ جہاں سے قادری فیض کے چشمے جاری و ساری ہیں۔ مولانا سید الحق اور ان کے خانوادے کے تمام بزرگوں نے حضور غوث اعظم سے اپنی نسبت غلامی پر فخر کے اظہار کو اپنی زندگی کا سرنامہ بنائے رکھا اور شاید اس اظہار غلامی کی قبولیت ہی کا ایک اشارہ ہے کہ آج دربار غوث اعظم کے احاطے میں خانقاہ بدایوں کی غلامی کا ایک با عظمت نشان قائم ہوا ہے، جسے لوگ تربت مولانا سید الحق قادری کہتے ہیں۔ رہتی دنیا تک عقیدت کے جتنے کارواں بارگاہ غوث الاعظم میں حاضری دیں گے۔ وہ اس ”شہید غوثیت“ کی قبر اطہر پر بھی چند لہجوں کے لیے رک کر اس کی لوح پر درج اس عبارت کو پڑھیں گے:

”العلامة المرحوم الشهيد عاصم القادری ابن الشیخ

سالم البدایونی ابن المفتی عبدالقدیر البدایونی“

اور مولانا سید الحق اور ان کے خانوادے کے شرف غلامی پر رشک کریں گے۔ کیا عجب کہ ان میں سے بعض خاصان خدا کو اس تربت کے ذرے ذرے سے اٹھتی ہوئی اسید شہید کی یہ صدا بھی سنائی دے جائے:

غوث اعظم کی غلامی عاصم اپنی پہچان ہے کیا ہونا ہے

☆ مدیر: نعت رنگ، 306-B بلاک 14، گلستان جوہر، کراچی (پاکستان)

انسان مرحوم ہو جاتے ہیں، مگر یادیں نہیں ہوتیں، وہ پس ماندگان کو تر پاتی بھی ہیں اور بہلاتی بھی ہیں۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ جانے والے کے محاسن کا تذکرہ کیا کرو اور حق یہ ہے کہ یاد کا یہ حسن جانے والے کے لیے خود بخود دعا کے سانچے میں ڈھل جاتا ہے۔ مولانا سید الحق قادری مجھے کئی نسبتوں سے عزیز تھے۔ علم، تہذیب، شائستگی، اخلاق، مردت، وضع داری، شرافت اور خاندانی وجاہت کے کتنے ہی رنگ ان کی شخصیت کے وقار کو نمایاں کرتے تھے۔ مولانا سید الحق نے مختصر عمر پائی مگر علمی، دینی اور ادبی موضوعات پر ان کی کتب کی تعداد دیکھ کر ہم سب کو حیرت ہوتی ہے کہ تدریسی ذمہ داریوں اور محافل و مجالس میں خطابات کے ساتھ ساتھ یہ تحریری کام کس طرح ممکن ہوا۔ انہوں نے اپنے خانوادے کی علمی میراث کو جس طرح تازہ کیا اور اس میں جتنے اضافے کیے وہ تائید الہی کے بغیر ممکن نہ تھے۔ مجھے ان کی صلاحیتوں اور توفیقات پر ہمیشہ رشک آتا تھا۔ مولانا خوشتر نورانی اور وہ جس طرح ہندوستان کی علمی دنیا میں مصروف کار رہے اور جتنے محاذوں پر نبرد آزما ہوئے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ جام نور جیسے زندہ رسالے سے ان کی وابستگی بھی ہماری علمی دنیا کو فکری آسودگی فراہم کرتی رہی۔ کتنے فراموش شدہ عنوانات اور شخصیات پر کام کے ڈول ڈالے گئے۔ کتنے دعوتی، علمی اور تحقیقی کاروانوں کو نئی سمتیں میسر آئیں۔ اس کی زندہ گواہی جام نور کی صورت میں ہمارے سامنے ہے۔ انہوں نے بہت کچھ لکھا اور بہت کم وقت میں اپنے معاصرین میں اپنی ایک علاحدہ شناخت قائم کرنے میں کامیاب ہوئے۔ بالخصوص جام نور میں خامہ تلاشی کے عنوان سے ان کے ایک مستقل مضمون نے بہت شہرت حاصل کی، جس میں ان کی ادبی اور تنقیدی صلاحیتیں بہت نمایاں ہو کر سامنے آئیں اور ان کی ذہانت اور جملہ طرازی کے جوہر بھی کھلے۔

محمد حسن عسکری نے ایک جگہ لکھا تھا کہ ہمارے درمیان بڑے آدمی کی موجودگی ایک تہذیبی قوت کا درجہ رکھتی ہے۔ سید الحق قادری کی شہادت پر بھی اس تہذیبی قوت سے محروم ہو جانے کا شدید احساس

# مولانا اسید الحق قادری: ایک کثیر اللسان نابغہ

وہ بیک وقت ایک محدث، ایک مفسر، ایک منطقی، ایک فلسفی، ایک تاریخ داں، زبان و بیان پر عبور رکھنے والے ادیب اور عالم تھے

سے ہمہ جہتی وابستگی نے مجھے ان کا گرویدہ بنا رکھا ہے۔ ان کی ہمشیرہ کی شادی تھی۔ انہی دنوں مولانا خوشتر نورانی اور مولانا اسید الحق کراچی آئے ہوئے تھے۔ چنانچہ ان دونوں حضرات سے میری بھی ملاقات ہوئی۔ پھر میں نے ان دونوں کو اپنے غریب خانے پر آنے کی دعوت دی۔ ہفتہ ۲۷ رزی الحجہ ۱۴۳۱ھ مطابق ۲۴ دسمبر ۲۰۱۰ء کی شام میں مولانا خوشتر نورانی تو اپنی کسی دوسری مصروفیت کے باعث نہ آ سکے لیکن مولانا اسید الحق، صبیح رحمانی کے ہمراہ بروقت پہنچ گئے۔ ان سے گفتگو کرنے کے دوران میں مجھے محسوس ہوا کہ دینی مدارس سے تعلیم پانے والے لوگوں میں بھی حس مزاج ہوتی ہے اور ذہانت کے لمعات بھی پائے جاتے ہیں۔ انہوں نے میرا چھوٹا سا کتب خانہ بھی دیکھا جو بے ترتیب تھا۔ تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہ کے ترجمے کو انہوں نے خصوصی دلچسپی سے ملاحظہ کیا۔ معلوم ہوا تفسیر کے مترجم حضرت مولانا شاہ محمد عبدالمقتر قادری بدایونی، اسید الحق صاحب کے جد ہیں۔ پاکستان میں اس تفسیر کی طباعت پر انہیں خوشی بھی ہوئی اور حیرت بھی۔

ان دنوں پاکستان سے ایک مذہبی ٹی وی چینل کیو ٹی وی QTV سے ”خوشبوئے حسان“ کے عنوان سے نعت پر ایک ہفتہ وار پروگرام نشر ہوتا تھا، جس کے میزبان صاحبزادہ تسلیم صابری تھے۔ مولانا خوشتر نورانی اور مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری کو اس پروگرام میں بھی دیکھا۔ مولانا لطف بدایونی کی نعتیہ شاعری پر گفتگو ہو رہی تھی۔ میں نے دیکھا کہ دونوں مہمان حضرات لطف بدایونی کی شاعری کے محاسن بیان کرنے میں بھرپور تنقیدی بصیرت اور شعور نقد کا اظہار کر رہے ہیں۔ مولانا اسید الحق قادری صاحب کی ذہانت وہاں بھی نمایاں اور جداگانہ رنگ میں ظاہر ہو رہی تھی۔

پاکستان سے واپس جا کر مولانا اسید الحق نے ”جام نور“ میں اپنا سفر نامہ لکھا۔ اس سفر نامے کی خواندگی سے کھلا کہ وہ نوجوان کس قدر ذہین ہے۔ اس سفر نامے میں جزویات کو بھی کھل کر اور تفصیل کے ساتھ

میرا خیال تھا کہ دینی مدارس کے فارغ التحصیل حضرات اکثر نیک رنے ہوتے ہیں۔ یا تو وہ صرف دین کے ہو جاتے ہیں اور سوائے چند دینی معلومات کے کچھ اور نہیں جانتے۔ یا اگر وہ دنیا کے بارے میں معلومات رکھتے ہیں تو اس میں اس قدر کھوج جاتے ہیں کہ اسلاف پر طعن و تشنیع کا دروازہ کھول دیتے ہیں اور اپنا سکہ جمانے کے لیے دین کی آڑ میں دنیا کمانے کے لیے پینترے بازی سے کام لیتے ہیں۔ پھر ان میں زیادہ تر لوگ خطابت کے مرد میدان ہوتے ہیں، علم و فکر اور فن و ادب سے ان کا صرف واجبی سا تعلق ہوتا ہے۔ اپنے خطبات میں جب اشعار پڑھتے ہیں تو انہیں بھی بے وزن کر دیتے ہیں۔ لیکن ہر کھیسے میں کچھ مستثنیات ضرور ہوتے ہیں، اس لیے دینی خدمت کرنے والے بہت سے لوگوں پر اس تاثر کا اطلاق نہیں ہوتا۔ پھر بھی ایک بات کہے بغیر میں نہیں رہ سکتا کہ دینی مدارس سے وابستہ حضرات میں بیشتر تقریر کے میدا ن کے شہسوار ہوتے ہیں، قلم کے دھنی نہیں ہوتے اور اگر قلم کے دھنی ہوں بھی تو ان کی تحریر میں عالمانہ تمکنت تو پائی جاتی ہے، ادبیانہ شان نہیں ہوتی۔ لاکھوں علمائے دین میں ابولکلام آزاد اور مولانا عبدالماجد دریابادی جیسے قلم کے دھنی خال خال ہی پائے جاتے ہیں۔

مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری بدایونی جو عمر میں مجھ سے اٹھائیس برس چھوٹے تھے، کیوں کہ ان کی پیدائش ۱۹۷۵ء میں ہوئی تھی اور مجھے دنیائے آب و گل میں قدم رکھنے کا حکم ۱۹۴۷ء میں ملا تھا۔ اس لیے جب ان سے پہلی ملاقات ہوئی تو میرے پندار بزرگی نے اسید الحق کو مدرسے کے ایک طالب علم کی حیثیت سے مجھے دکھایا۔ لیکن میں نے ان کی آنکھوں میں ذہانت اور گفتگو میں وہ متانت پائی کہ اقبال کا مصرع یاد آ گیا: مع جوانوں کو پیروں کا استاد کر!

چنانچہ ان سے مل کر میرا سنی بزرگی کا زعم یک لخت ختم ہو گیا۔ صبیح رحمانی ایک نوجوان ہیں، جن کی ذہانت اور دنیائے نعت

بڑی شگفتہ زبان اور بذلہ سخی کے لطیف پیرائے میں بیان کیا گیا تھا۔

کچھ ماہ پیشتر صبح رحمانی نے میرے لیے ”فیس بک“ پر ایک اکاؤنٹ کھول دیا۔ میں نے اس میں کچھ چیزیں ملاحظہ کیں تو مولانا اسیدالحق کی ایک نعت بھی نظر سے گزری جو اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی زمین میں تھی۔ نعت پڑھ کر میری رگ تنقید پھڑکی اور میں نے لکھ دیا کہ قافیہ پیائی تو اچھی ہے لیکن شاعری نہیں ہے۔ اس پر مولانا اسیدالحق کے بہت سارے مرید میرے پیچھے پڑ گئے۔ کسی نے کہا ”خود لکھ نہیں سکتے تو دوسروں پر تنقید کرنے لگتے ہیں“ کسی نے کہا اعلیٰ حضرت کی زمین میں لکھی ہوئی نعت کو پامال ”زمین کہہ کر عزیز احسن نے اعلیٰ حضرت کی توہین کی ہے۔ کسی نے کچھ کہا کسی نے کچھ۔ صبح رحمانی نے مجھ سے کہا کہ آپ نے ”فیس بک“ کا صحیح استعمال نہیں سیکھا۔ یہ پلیٹ فارم ایسی تنقیدی رائے لکھنے کے لیے موزوں نہیں ہے۔ میں نے کہا کیا کروں میں اپنی عادت سے مجبور ہوں۔ پھر یہ ہوا کہ مولانا اسید الحق میدان میں کود پڑے اور انہوں نے اپنے ارادت مندوں سے کہا کہ ”عزیز احسن صاحب ہمارے بزرگ ہیں، ان کی تنقیدی رائے درست ہے۔“ (میں اصل الفاظ نہیں، اپنی یادداشت میں محفوظ متن کا حوالہ دے رہا ہوں) مولانا اسیدالحق صاحب کی یہ اعلیٰ ظرفی دیکھ کر میں پانی پانی ہو گیا۔ بعد ازاں انہی معترضین میں سے کسی نے میری وہ منقبت ڈھونڈ نکالی جو میں نے اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک شعر کی تفسیر کے طور پر رقم کی تھی۔ حضرت بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی وہ منقبت پڑھ کر مجھے احساس ہوا کہ اسیدالحق صاحب کے میدان کی بات کا کتنا پاس کرتے ہیں۔ مجھے حیرت ہوئی کہ ایک دو دن سے جو لوگ مسلسل میرے خلاف غم و غصے کا اظہار کر رہے تھے وہی اب میری دل جوئی کی خاطر تلاش و جستجو سے میری تحریر نکال کر ”فیس بک“ پر درج کر کے مجھے خوش کرنا چاہتے ہیں۔ معلوم ہوا مولانا اسیدالحق کے متوسلین کو اسی قسم کی اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کرنے کا درس دیا جاتا ہے۔

منگل: ۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ مطابق: ۳ مارچ ۲۰۱۴ء رات دس بجکر انٹھ منٹ پر صبح رحمانی نے فون کیا۔ ان کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔ میں گھبرا گیا، کہنے لگے: ”ابھی کچھ دیر قبل ”فیس بک“ پر مولانا اسید الحق کا پیغام پڑھا تھا کہ وہ بغداد میں ہیں۔ کچھ ہی دیر بعد یہ اطلاع آگئی

کہ انہیں کسی نے شہید کر دیا۔“ انا للہ وانا الیہ راجعون

صبح نے بتایا کہ یہ اطلاع پاکر میں نے پہلے کو کب نورانی صاحب کو فون کیا اور اب آپ کو اطلاع دے رہا ہوں!

حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

آج میں صبح رحمانی کی یاد دہانی پر اسیدالحق شہید کی لمحاتی ملاقات کی یادوں کو سمیٹنے بیٹھا تو میں نے وہ کتاب (خامہ تلاشی) نکالی جو شہید مظلوم نے مجھے ۳ دسمبر ۲۰۱۰ء کو دی تھی، مولانا اسیدالحق شہید رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا تھا: ”میدان تنقید کی قد آور شخصیت جناب عزیز احسن صاحب کی خدمت میں۔“ مولانا اسیدالحق نے جب وہ کتاب مجھے دی تھی، ان دنوں میں اپنے پی ایچ ڈی کے مقالے کی تیاری میں مصروف تھا اس لیے میں نے کتاب پر سرسری نظر ڈال کر اسے الماری میں رکھ دیا تھا۔ لیکن آج جب میں نے اسے نکالا تو کچھ تحریریں پڑھ کر ہی اندازہ ہوا کہ شہید مظلوم کو اللہ رب العزت نے کس قدر علمی شغف دیا تھا، نکتہ رسی کی کتنی اعلیٰ صلاحیت سے نوازا تھا، کتنا اچھا حافظہ مرحمت فرمایا تھا اور بر محل اشعار کا حوالہ دینے کی کتنی نادر قابلیت عطا فرمائی تھی۔ بے شک وہ بیک وقت ایک محدث، ایک مفسر، ایک منطقی، ایک فلسفی، ایک تاریخ دان، زبان و بیان پر عبور رکھنے والا ادیب اور شعر و سخن سے خلاقانہ وابستگی رکھنے والا کثیر اللسان نابغہ (Genius) یا عبقری تھا۔

میں دعا گو ہوں کہ اللہ کریم شہید مظلوم کے درجات بلند فرمائے اور ان کے اہل خانہ، قرابت داروں اور ان کے ارادت مندوں اور متوسلین کو صبر جمیل عطا فرمائے! مولانا خوشتر نورانی ایک ذہین اور مخلص دوست اور اچھے لکھاری سے محروم ہو گئے ہیں، میں ان کے لیے بھی دعا گو ہوں کہ اللہ کریم انہیں بھی یہ صدمہ سہنے کی ہمت دے۔ (آمین)

موت ہر ذی نفس کو آتی ہے۔ مسلمان ہونے کے ناطے میرا ایمان ہے کہ موت کا مقررہ وقت بھی آگے پیچھے نہیں ہو سکتا۔ تاہم اپنے احساس کو زبان دینے کے لیے غالب سے ایک شعر مستعار لے کر نام کی تبدیلی کے ساتھ لکھنے پر مجبور ہوں:

ہاں اے فلک پیر جواں تھا ابھی عاصم

کیا تیرا بگڑتا جو نہ مرتا کوئی دن اور

☆A-12، بلاک 13، گلستان جوہر، کراچی (پاکستان)



# علامہ بدایونی کا علم ان کی عمر سے کوسوں آگے تھا

علامہ کی شہادت نے ہمیں ایک عظیم دینی دانشور، جلیل القدر عالم دین اور صوفی باصفا سے محروم کر دیا

شہید و مہاجر بغداد علامہ اسید الحق قادری بدایونی بھی ایک ایسی ہی باکمال شخصیت کا نام ہے جس کو قدرت نے بطور خاص منتخب کیا تھا اور ان کی ذات کو ان ساری صفات محمودہ و فاضلہ سے آراستہ کر دیا تھا جو جہاد علم و عمل میں مردان حق کا سرمایہ امتیاز ہوتی ہیں۔ ان کا علم ان کی عمر سے کوسوں آگے تھا اور ان کا عمل ان کے علم کے شانہ بشانہ نئے امکانات کی دریافت کرنے میں ہمہ وقت کوشاں و سرگرداں رہتا تھا۔ مجھے جب ان کی شہادت کی خبر موصول ہوئی تو کچھ دیر کے لیے میں اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھا اور ایسا لگا جیسے کسی نے میرے سامنے سے روشن مستقبل کو چر لیا ہو۔ علامہ اسید الحق صحیح معنوں میں اہل سنت و جماعت کے درخشاں مستقبل کے ضامن تھے۔ بدایوں شریف کو کون نہیں جانتا اور اس کی خاک سے اٹھنے والے استقامت کے جہاں، غیر وحییت کے پیکر، عزم صمیم کے عملی نمونے، ملی و قادری و محبت گھٹی میں لے کر پیدا ہونے والے علمائے حق کی خدمات نے اہل سنت و جماعت کے اعتقادی حقانیت کو جس مضبوطی کے ساتھ ثابت کیا ہے اس سے کون سا ایسا صاحب بصیرت شخص ہے جو واقف نہ ہو۔

بدایوں شریف کا نام تاریخ میں سنہری حروف سے اسی لیے درج ہے کہ اس نے ملت کو بہت سے ہیرے اور جواہرات عطا کیے ہیں اور اسید الحق قادری بھی تاج الفحول حضرت مولانا عبدالقادر بدایونی علیہ الرحمۃ والرضوان کے اسی کنز علم و عمل کا ایک گوہر نایاب تھے اور ابھی اپنی چمک بکھیرنا شروع ہی کیا تھا کہ موت کے منحوس اندھیرے نے انہیں اپنا اسیر کر لیا اور وابستگان قادریہ بدایوں شریف سمیت پوری ملت اسلامیہ کو آبدیدہ اور غم زدہ کر دیا۔

مورخہ ۴ مارچ کی شب کو جب یہ منحوس خبر سننے کو ملی تو اس پر یقین

انسان کی زندگی کی ڈور قدرت کے ہاتھ میں ہوتی ہے اور دست قدرت ہی اسے حرکت و جمود اور سعی و عمل کے مرحلے سے گذارتا اور ہمکنار کرتا ہے۔ دیکھنے میں آیا ہے کہ بعض افراد بہت کم عمری میں وہ سب کچھ انجام دیتے ہیں جن کو دوسرے عمر عزیز کا سارا حصہ طے کر کے بھی نہیں کر پاتے ہیں۔ سن و سال کی بہتات الگ چیز ہے اور علم و عمل کی فراوانی الگ۔ انسانی تاریخ میں ایسے بہت سی نظیریں اور شواہد موجود ہیں کہ ایک جوان سال نے پہاڑوں جیسے بڑے کام اتنی تیزی اور تندی سے کر دیا جیسے ایک سیل آب نے کناروں کو توڑ ڈالا ہو یا بجلی کی ایک کوند ہو جس نے ایک لمحہ گریزاں کے اندر زمین و آسمان کا گوشہ گوشہ منور کر دیا ہو۔ جب کہ اس کے برعکس پوری مدت عمری صرف کر کے بھی کچھ لوگ بسم اللہ کی منزل پر جو ٹھہرے تو ایسے ٹھہرے جیسے زمین نے ان کے قدموں کو پکڑ لیا ہو اور وہ مثل ہو گئے ہوں۔

ایسی مثالوں سے یہ حقیقت بھی آشکارا ہوتی ہے کہ اس کے لیے صرف صلاحیتوں کا ہونا ہی ناگزیر نہیں ہوتا بلکہ توفیق الہی اور قدرت کا یہ انتخاب و فیصلہ کہ کس فرد خاص سے خدمات لینی ہے اور اسے ان منزلوں تک رسائی عطا کرنی ہے، جہاں پہنچنے کی اجازت ہر ایک کو مرحمت نہیں ہوتی ہے۔ عقل کو حیرت میں ڈالنے والے اکثر کارنامے ایسے ہی معرض وجود میں آئے ہیں۔ میں نے اپنے ۴۰ رسالہ دور خطابت میں بہت سی بڑی شخصیتوں کو قریب سے دیکھا ہے اور ان کے دامن میں پوشیدہ چشمہ فیض سے سیراب ہوا ہوں اور میرا ماننا ہے کہ جن لوگوں کو دنیا میں نمایاں کارکردگی کی آسمانی نوید حاصل ہوتی ہے وہی ایسے کام کر جاتے ہیں جن کے بارے میں دوسرے زندگی بھر محض سوچ اور منصوبے ہی بناتے رہ جاتے ہیں۔



نہیں ہو رہا تھا اور نہ ہی یہ خدشہ جارہا تھا کہ کہیں دشمنوں کی نظر نہ لگ گئی ہو اور ہوا بھی ایسا ہی۔ خانقاہ قادریہ بدایوں شریف کے چشم و چراغ اور ایک انتہائی ہونہار اور نکتہ رس اسلامی دانشور علامہ اسید الحق قادری ازہری بغداد میں دہشت گردانہ حملے کا شکار ہو گئے اور محض ۳۹ سال کی عمر میں ہی اس دنیا سے دارالبقا کے لیے کوچ کر گئے۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

اسید الحق قادری بدایونی عصر حاضر میں دینیات اور صوفی روایات کے طلبہ کے لیے علمی دانشوری اور روحانی شیفتگی کی تحریک کا سرچشمہ تھے۔ وہ ۲۴ مارچ ۲۰۱۳ء کو عراق کے شہر بغداد میں اس وقت ایک دہشت گردانہ حملے کی زد میں آ گئے جب وہ صوفیائے کرام، نقہائے اسلام اور اولیائے عظام کے مزارات کی زیارت کے لیے عراق کے مختلف شہروں کے دورے پر تھے۔ مولانا اپنے والد گرامی حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری اور اپنے چھوٹے بھائی مولانا عطیف قادری کے ہمراہ ۲۰ افراد پر مشتمل ایک روحانی کارواں کے ساتھ سفر عراق پر تھے جو بغداد میں اولیائے کرام کے مزارات پر حاضری دینے کے لیے ۲۵ فروری کو ممبئی سے روانہ ہوا تھا۔ ۶ مارچ کو واپسی تھی۔ لیکن خدا کو کچھ اور ہی منظور تھا، عراق میں جب وہ بغداد سے اربیل جا رہے تھے تو نامعلوم مسلح دہشت گردوں نے ان کے کار پر آتشیں اسلحوں سے حملہ کر دیا اور سر میں گولی لگنے سے مولانا جائے واردات پر ہی شہید ہو گئے۔ دوسرے دن مولانا کے جسد خاکی کو بغداد لایا گیا اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی درگاہ کے احاطے میں مدفون کیا گیا۔

جدید دور کے ایک جید اور تبحر عالم دین مولانا اسید الحق قادری، جنہیں لوگ شیخ صاحب کے نام سے بھی جانتے تھے، صوفی فکر و مزاج کے حامل ایک ماہر فقیہ، روحانی و عرفانی شاعر، محقق و ناقد، کثیر التصانیف قلم کار، سماجی مفکر اور ان سب پر مستزاد ایک عظیم انسان اور ہندوپاک کے عظیم صوفیہ اور روحانی بزرگوں کے اقدار و روایات کے امین و پاسدار تھے اور انھیں کے نقوش قدم پر چلتے ہوئے انسانی فلاح و بہبود اور قیام امن کے لیے سماجی سرگرمیوں میں شب و روز مصروف عمل رہتے تھے۔ زبردست علمی طمطراق کے باوجود ان کا فطری میلان احسان و سلوک، حقیقی معرفت اور تصوف و روحانیت کی طرف تھا۔ اپنے اسی گہرے میلان کی وجہ سے انھوں نے بدایوں میں عید میلاد النبی کے موقع پر

”شانتی سمیلن“ کے عنوان سے ایک عظیم الشان کانفرنس کا انعقاد کر کے یہ پیغام دیا تھا کہ خانقاہوں نے ہر دور میں انسان کو انسان سے مربوط اور امن و سلامتی اور خیر سگالی کے جذبے کو ہی بڑھا دینے کا کام کیا ہے اور ان کے اس اخلاق کریمانہ کی بدولت ہی اسلام کو سر زمین ہند میں اس درجہ مقبولیت عام نصیب ہوئی ہے اور دشمنوں نے بھی اس کی عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے اس کا کلمہ پڑھا ہے۔ جدید ہندوستان کی خانقاہی تاریخ کا یہ ایک نادر واقعہ ہے جو شہید اسید الحق قادری کی سوچ اور فکری وسعت کی پیداوار تھا۔ وہ ہمارے اس بنجر دور میں ایک بے حد زرخیز زمین کے فقید المثال عالم دین تھے جن کی مقبولیت عالم اسلام بالخصوص اہل تصوف کے درمیان تھی۔ ۳۹ سال کے اس نوجوان عالم نے آسمان علم و فکر کی ان بلندیوں کو چھویا تھا اور وسیع تر پیمانے پر ہندوستان کے مشترکہ معاشرتی ڈھانچے کی بہتری اور فلاح کے لیے اپنی مستقل کوششوں اور بے بہا خدمات سے خانقاہ قادریہ بدایوں کی تاریخ میں ایک لازوال باب کا اضافہ کر دیا تھا۔

ان کی علمی اور تحقیقی نظر کی وسعت کے پیش نظر ان سے بہت ساری امیدیں وابستہ تھیں اور جس تیز رفتاری کے ساتھ یہ اپنے علمی کاموں کی انجام دہی میں دیوانہ وار جڑے ہوئے تھے اس کو دیکھتے ہوئے ایسا لگتا تھا کہ یہ دور، ان کے نام سے ہی منسوب ہوگا۔ یہ مبالغہ نہیں واقعہ ہے کہ ان میں وہ جو ہر بدرجہ اتم موجود تھے جس کو بروئے کار لا کر وہ تاج الفحول کے بدایوں کو ہندوستان میں علم و عرفان کے طلب گاروں کے لیے سیراب و فیضاب ہونے کا مرکز اول بنا سکتے تھے۔ آج یہ سوچ کر قلم رک جا رہا ہے اور ذہن بو جھل ہو جا رہا ہے کہ علامہ اسید الحق قادری ازہری جنھوں نے ابھی اپنے علمی امکانات کا اظہار شروع ہی کیا تھا کہ ان کو موت نے ہم سے چھین لیا اور امت ایک عظیم دینی دانشور، جلیل القدر عالم دین اور صوفی باصفا سے محروم ہو گئی۔ ان کی شہادت پر دل انتہائی افسردہ اور غم زدہ بھی ہے مگر ساتھ میں رشک بھی ہے کہ شہر بغداد کی گلیوں میں شہید ہوئے اور سرکار شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ والرضوان کے قدموں میں جگہ پائی۔ □□□

☆ سابق ممبر آف پارلیمنٹ، نئی دہلی

maulanaobidullahkhan@gmail.com

# فکری اصالت اور عصری پیش کش کی نادر مثال

یہ ایک ایسے ہونہار، باعث افتخار اور مایہ ناز نوجوان کا غم ہے جس پر پوری جماعت کی نگاہ تھی

پڑا۔ اگلے دن امان میاں صاحب سے عزیز عظیم میاں قادری کا عراق کا ٹیلیفون نمبر لیا تاکہ حضرت سالم میاں صاحب قبلہ مدظلہ العالی سے تعزیت کر سکیں، لیکن نہ اس وقت ہمت پڑی اور نہ آج تک ہمت ہو رہی ہے۔ آخر کلمات تعزیت اور شدت غم میں کوئی تو نسبت ہونی چاہیے۔ ان کا غم صرف ایک پیرانہ سال والد کا غم نہیں ہے جس نے اپنا جوان سال بیٹا کھویا ہے، بلکہ یہ ایک ایسے ہونہار، باعث افتخار اور مایہ ناز بیٹے کا غم ہے جس کی ذات سے خاندان ہی نہیں پوری جماعت کی امیدیں وابستہ تھیں۔ یہ ایک ایسے فرزند دل بند کا غم تھا جس کی صورت میں انھیں ایک تاب ناک ماضی رکھنے والے اپنے خاندان کا روشن مستقبل نظر آ رہا تھا، جس کی ذات میں وہ اپنے بزرگ خاندان کی نشاۃ ثانیہ کو ملاحظہ کر رہے تھے، جس کی ہستی میں انھیں اپنے سلالہ علمیہ کی فصل رفتہ اور بہار گزشتہ کا احیا نظر آ رہا تھا۔

بھلا ایک ایسے باپ سے اس کے عزیز از جان بیٹے کی تعزیت کا حق ادا بھی کیسے کیا جاسکتا ہے، بے جان لفظوں میں وہ قوت کہاں جو ان کے فرط غم کی تفسیر کر سکیں، وہ فصاحت کہاں جو ان کے رنج و محن کی تعبیر کر سکیں۔

لله ما اعطى و له ما اخذ و كل شى عندہ باجل مسمى۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

میرا ان سے پہلا تعارف استاذ گرامی حضرت خواجہ مظفر حسین صاحب رحمہ اللہ کے ذریعے ہوا تھا۔ میں ماریش میں تھا اور حضرت اپنے خطوط کے ذریعے ان کی تعلیمی سرگرمیوں، ان کی ذہانت و فطانت اور ان کے ذوق و شوق سے مطلع فرماتے تھے، جس کے پیش نظر ذہن میں ان کی ایک تصویر بن گئی تھی اور جب چراحمہ پور (فیض آباد) میں

مسجد سے واپس آ کر مغرب کی سنتیں ادا کر رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔ میرے ایک عزیز سید نجیب اشرف نے فون اٹھایا اور گفتگو کی۔ میرے سلام پھیرنے پر انھوں نے جلدی سے بتایا کہ علی گڑھ سے کسی سید امان صاحب کا فون تھا، ان کے لب و لہجے اور آواز کے ارتعاش سے ایسا لگ رہا تھا کہ وہ کوئی غیر معمولی خبر دینا چاہ رہے ہیں، زبان سے بے ساختہ نکلا کہ: خدا خیر کرے! اور ذہن اوہام و خدشات سے بھر گیا۔ افق ذہن پر مختلف امکانات طلوع و غروب ہونے لگے۔ فکر کی سطح پر مختلف صورتیں ابھرنے اور ڈوبنے لگیں۔ طائر خیال کچھوچھ، مارہرہ، بریلی اور نہ جانے کہاں کہاں پرواز کرنے لگا۔ ڈرتے ڈرتے امان میاں کو فون لگایا اور پھر انھوں نے جو روح فرسا اور جگر خراش خبر سنائی کہ سکتے طاری ہو گیا۔ وہ خبر تمام امکانات سے مختلف، سارے اوہام و خدشات سے الگ اور ہر ظن و تخمین سے جدا تھی۔ خبر کیا تھی خرمین جان کو خاکستر کر دینے والی بجلی تھی۔ صبر و شکیب کا ہر باندھ توڑ دینے والا سیلاب تھا اور وجود کے تار و پود منتشر کر دینے والا دھماکہ تھا۔ بار الہا! یہ کیا ہوا، یہ کیسا امتحان ہے! جماعت کی امید کا مرکز خانقاہ قادریہ بدایوں کی آرزوں کا محور اور اپنے والد گرامی کے خوابوں کی تعبیر، یوں داغ مفارقت دے جائے گا، کبھی حاشیہ خیال میں نہیں آیا تھا۔

حَسِبْتُ لِكُلِّ فَاجِعَةٍ حَسَابًا

وَمَا كَانَتْ وَفَاتِكَ فِي حَسَابِي

أَخْبَى نَمٍ فِي جَوَارِ الْعَوْتِ وَانْعَمَ

لَمَّا قَدِمْتَ مِنْ حَسَنِ الثَّوَابِ

اس کے بعد امان میاں نے کیا کیا کہا اور محبت گرامی ڈاکٹر احمد مجتبیٰ نے اس حادثے پر اپنے غم و الم کا کیسے اظہار کیا، کچھ نہیں سنائی

حضرت خواجہ صاحب کے پاس ہی ان سے پہلی ملاقات ہوئی تو وہ مجھے اپنی ذہنی تصویر سے زیادہ خوب رو لگے اور میں نے یہ محسوس کیا کہ حضرت نے خلاف عادت کریمانہ ان کے اوصاف کے بیان میں کسی مبالغے سے کام نہیں لیا تھا۔ شاید انہوں نے اس کی ضرورت ہی محسوس نہیں فرمائی تھی۔

ابتدا میں حضرت خواجہ صاحب کی ذات ستودہ صفات سے تلمذ ہی ہم دونوں کے درمیان قدر مشترک تھا۔ رفتہ رفتہ غم جاناں اور غم دوراں کے نہ جانے کتنے پہلو اس میں شامل ہو گئے۔ جماعت کی زبوں حالی، انتشار و افتراق، تکفیر کی کثرت اور تفکیر کی قلت، جماعت میں اصالت و عصرت کا فقدان، بحث و تحقیق کی کمی اور تحریر و تقریر میں انحطاط، خانقاہوں کا خمول و ذہول اور درگاہوں کا جمود و رکود وغیرہ وغیرہ۔ میں ان کے افکار و اقوال میں ہمیشہ بوئے ہم نفسی محسوس کرتا تھا۔

اکثر مسائل میں اتفاق ہونے کے باوجود بعض امور ایسے بھی تھے جن میں ہم ایک رائے نہیں رکھتے تھے اور یہ ایک قدرتی امر تھا۔ فطری تقاضا تھا۔ ہمہ جہتی اتفاق صرف کوئی جاہل اور احمق ہی کر سکتا ہے بلکہ اس کا تقاضا بھی اسی پائے کا کوئی انسان کر سکتا ہے، لیکن وسائل و ذرائع کے یہ اختلافات مقاصد و اہداف کے اتفاقات پر قطعاً اثر انداز نہیں ہوتے تھے اور ہوتے بھی کیسے حق اختلاف کی بازیابی ہی ہمارا سب سے بڑا فکری ایجنڈا تھا۔ ”کل یوخذ منہ و یرد علیہ“ ہی ہمارا سب سے بڑا شعار تھا، لیکن یادش بخیر! وہ اپنے اختلاف کا اظہار اتنے سلیقے اور ایسی شگفتگی اور شائستگی سے کرتے تھے کہ سیکڑوں اتفاقات ان پر قربان۔ خوش لباسی و خوش فکری، خوش روئی و خوش خوئی، سب ان کی ذات میں مجتمع ہو گئی تھیں۔

فکر کی درستی اور پیش کش کی جدیدیت ان کا سب سے نمایاں وصف تھا، جس نے چند ہی سالوں میں ہزاروں ہزار کو اپنی جانب ملتفت کر لیا تھا اور جماعت میں تصنیف و تالیف کی سمت اور رفتار دونوں کو گہرائی تک متاثر کیا تھا۔ فکر سدید ان کا ورثہ تھی اور پیش کش کی عصرت از ہر شریف کا عطیہ تھی لیکن ان دونوں پر مستزاد وہ طبع اخاذ اور ذہن وقاد تھا، وہ دیدہ وری اور ژرف نگاہی تھی جن سے قدرت نے انہیں خوب نمب نواز تھا۔ ان کے ان ذاتی مواصفات نے ”ورثہ اور

عطیہ“ دونوں کو آب و تاب بخشا، ورنہ جماعت میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں ہے جنہیں ایسی نعمتیں حاصل ہیں، نہ پدرم سلطان بود کے دعوے داروں کی کمی ہے اور نہ فضلاء از ہر و بغداد کی قلت ہے، جن میں سے اکثر پر حضرت سعدی کا وہ مشہور و معروف شعر صادق آتا ہے جو اس ضمن میں اکثر پڑھا جاتا ہے۔ لہذا ان کی شخصیت کی تعمیر میں خاندانی و ازہری نسبتوں سے زیادہ ان کی شخصی خوبیوں کا دخل تھا، ورنہ بقول شاعر۔

ماتنفع الخیل الکرام ولا القنا

إذا لم یکن فوق الکرام کرام

ہماری رو برو ملاقاتیں کم ہوتی تھیں۔ اس کا بنیادی سبب میری تدریسی مشغولیات اور دور افتادگی تھی، لیکن پہلے تعارف کے بعد سلکی اور لاسلکی ملاقاتوں کا سلسلہ ہمیشہ قائم رہا۔ اکثر علمی کاموں سے پہلے ہم باہم گفتگو کیا کرتے تھے اور پیش نظر موضوع پر مختلف جہتوں سے تبادلہ خیال کرتے تھے۔ ”حدیث افتراق امت“ سے لے کر ”جدید عربی محاورات و تعبیرات“ تک ان کے متعدد مقالوں اور مولفات کے جزئی یا کلی مسودات اب بھی میرے پاس ہوں گے۔ وہ اپنے کثرت کار، جوش عمل اور تنوع موضوعات سے ہمیشہ ورطہ حیرت میں ڈال دیتے تھے۔ ان کا ہر کارنامہ امیدوں کا ایک نیا چراغ جلاتا تھا اور میرا یہ یقین پختہ ہو گیا تھا کہ ”خیر آبادیات“ کا یہ مصنف جماعت کے لیے کسی بشارت خیر سے کم نہیں ہے، جو اپنے سلسلہ زریں اور مدرسہ خیر آباد دونوں کی تجدید کا کام کرے گا۔ ”لکن قدر اللہ و ماشاء فعل۔“

مدینہ الاولیاء بدایوں شریف چار بار حاضر ہوا اور ہر سفر کا باعث ان کی ذات تھی۔ پہلی بار ان کی دستار فضیلت میں حاضر ہوا۔ یہ تقریب جس کروفر سے منعقد ہوئی وہ اپنی مثال آپ تھی، بلکہ اس کی تقلید میں ”صد سالادوں“ کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا۔ یہ صرف ان کی تقریب دستار نہیں تھی بلکہ اس عظیم مدرسہ و خانقاہ کی نشاۃ ثانیہ کا جشن تھا۔ دوسری بار ان کی شادی میں شرکت کے لیے حاضر ہوا اور دو بار ان کی دعوت پر بدایوں حاضر ہونے کا موقع ملا۔ ہم اخلاص فاؤنڈیشن احمد آباد کے جلسوں میں بھی ملتے تھے۔ ممبئی، کچھو چھو اور حیدرآباد میں بھی ملاقاتیں ہوتی تھیں۔ لیکن ہماری سب سے زیادہ ملاقات دہلی میں ہوتی تھی، جہاں ماہ نامہ جام نور کے مدیر مولانا خوشتر نورانی بھی ہمارے شریک

ہوتے تھے، بلکہ زیادہ درست تعبیر یہ ہے کہ میں ان دونوں کے ساتھ شریک ہوتا تھا۔ کبھی جام نور کے دفتر میں اور کبھی مولانا خوشتر کے گھر پر ہم جمع ہوتے تھے، جہاں ہم اجتماعی طور پر جماعت کا مرثیہ پڑھتے تھے۔ ذاتی سرگرمیوں سے لے کر بین الاقوامی امور پر غور و فکر کرتے تھے۔ ان مجلسوں میں مجھ جیسے دور افتادہ اور کم آمیز شخص کو جماعتی ”اپ ڈیٹ“ حاصل ہوتا تھا جو سراپا شہر آشوب ہوتا تھا۔

ایسی ہی کسی ایک ملاقات میں انھوں نے ایک بار مجھ سے پوچھا تھا کہ کسی ایک شخصیت کو لے کر جیسی حساسیت ہماری جماعت میں ہے وہ دنیا کی کسی جماعت میں نظر نہیں آتی، آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ اور جماعت کی اس غیر معمولی حساسیت کی کیا توجیہ ہو سکتی ہے؟ میں نے عرض کیا تھا کہ شخصی اور مادی وجوہ کے علاوہ اس کے پس پشت ایک اہم نفسیاتی وجہ کار فرما ہے اور اس پر ہمیں سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے، کیوں کہ ہم ہنگامہ برپا کرنے کے بجائے صورت بدلنا چاہتے ہیں۔ محض الزام تراشی اور بہتاں بازی اس کا حل نہیں ہے۔ ہماری جماعت اسباب و علل سے قطع نظر، پورے طور پر یک قطبی جماعت ہے۔ صرف اس کی حساسیت ہی بے مثال نہیں بلکہ اس کی یک قطبیت بھی بے نظیر ہے۔ پوری دنیا میں اس کی کوئی مثال نہ ملے گی اور یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ کوئی بھی گھر اگر ایک ستون پر قائم ہوگا تو اس کے تین گھر والوں کا یہی رویہ ہوگا، جو فطری بھی ہے اور بڑی حد تک درست بھی؛ کیوں کہ گھر کے انہدام کا خطرہ مول لینے کو کوئی تیار نہیں ہوتا ہے اور اس کا ایک ہی مددگار ہے کہ گھر کا دار و مدار ایک ستون پر نہ رہے بلکہ اس میں کئی ستونوں کا اضافہ کر دیا جائے تو اہل خانہ کی اس ستون کے تین حساسیت و جذباتیت خود بخود ختم ہو جائے گی جیسا کہ دوسرے گھروں کا حال ہے اور ان ستونوں کو بھی کہیں باہر سے لانے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اسی گھر کے ”گودام“ میں وافر تعداد میں موجود ہیں۔

ان سے میری آخری ملاقات دسمبر کے اواخر میں ہوئی۔ میں مطالعہ اسلامیات کے نصاب کی تیاری کے لیے قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے زیر اہتمام منعقدہ سہ روزہ ورکشاپ میں شرکت کے لیے دہلی میں مقیم تھا۔ ان اسلامیات کے ”ماہرین“ کے ساتھ گزرتا تھا اور شام میں اعزاء و احباب سے ملاقاتیں ہوتی تھیں۔ اس ضمن میں

ایک شام میں مولانا خوشتر نورانی کے گھر تھا کہ صاحب خانہ کے پاس ان کا فون آیا۔ غالباً وہ کہیں دہلی کے قریب میں ہی تھے اور جب انھیں معلوم ہوا کہ میں بھی وہیں فروکش ہوں تو وہ بھی تشریف لے آئے۔ ہم تینوں رات گئے مختلف موضوعات پر گفتگو کرتے رہے۔ میں نے حسب سابق اپنے قدیم اصرار بلکہ ”الحاح“ کا اعادہ کیا اور ان سے جلد از جلد پی ایچ ڈی مکمل کرنے اور نیٹ کے امتحان سے سبک دوش ہونے کو کہا۔ اس بار میرا تقاضا کچھ زیادہ ہی شدید تھا، چونکہ روزانہ ”اسلامی اسکالرز“ سے نبرد آزما کر رہا تھا اور تنہا کر رہا تھا۔ عدد کی اپنی اہمیت ہوتی ہے اور اپنا وزن ہوتا ہے جب کہ ان اسکالرز میں سے کئی ایک ہمارے ”فضلاے از ہر و بغداد“ جیسے بھی نہیں تھے اور انھوں نے حسب عادت مسکراتے ہوئے جلد ہی اس مہم کو پائے تکمیل تک پہنچانے کا وعدہ کیا۔ میرے اصرار کا صرف یہ مقصد ہوتا کہ ان کے فضل و کمال سے صرف امت ہدایت ہی مستفیض نہ ہو بلکہ امت اجابت و دعوت کو بھی اس کا فائدہ پہنچے۔ اسی ملاقات میں مولانا خوشتر نورانی نے بطور ریسرچ اسکالر اپنے رجسٹریشن کی تکمیل کی خوش خبری سنائی۔ صرف انہی دونوں پر انحصار نہیں میں جماعت کے نوجوان فضلا سے اکثر کہا کرتا ہوں کہ اگر ان کے پاس علم و حوصلہ ہے تو ان کی ایک جگہ یونیورسٹی ہے، جہاں وہ اپنے لیے بھی فائدہ مند ہو سکتے ہیں اور جماعت کے لیے بھی۔ کیوں کہ ہمارے مدارس اور خانقاہیں تعلیم و تربیت کا تو کام انجام دے سکتے ہیں لیکن تبلیغ و دعوت کے امکانات وہاں اتنے وسیع نہیں ہیں۔ وہاں صرف اپنے آتے ہیں اور بے حد محدود پیمانے پر آتے ہیں، جب کہ کلیات و جامعات میں سب آتے ہیں اور مدارس کے مقابلے میں کہیں زیادہ تعداد میں آتے ہیں۔ اس حقیقت کا ادراک دوسری جماعتوں نے بہت پہلے کر لیا اور ان جماعتوں کے افکار و معتقدات کی جیسی اشاعت عصری جامعات سے ہوئی ہے، ویسی ان کے مذہبی اداروں اور تنظیموں سے بھی نہیں ہوئی۔

ان سے آخری ٹیلیفونی گفتگو ان کے سفر بغداد سے چند دن قبل ہوئی۔ انھوں نے مہاراشٹرا کے کسی شہر سے فون کیا تھا اور ان کی ظاہری حیات میں ان کا آخری بار ذکر اسی دن کیا تھا جس دن انھوں نے جام شہادت نوش کیا تھا۔ ڈاکٹر شجاع قادری نے فون کر کے جون میں ہونے والے اپنے مجوزہ سیمینار ”بقیہ صفحہ 183 پر ملاحظہ کریں



# ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہوں جسے

مولانا سید الحق قادری اپنے اجداد کے علوم و معارف اور اقدار و روایات کے سچے وارث تھے

محفوظ رہے اور پندار کا آسیب ان تک کبھی راہ نہ پاسکا۔ نہ خانقاہی رکھ رکھاؤ کا دماغ میں سودا تھا اور نہ علمی طمطراق کی ذرا بھی نمائش تھی۔ وہ خانقاہی اخلاق کے پیکر تھے اور تواضع کا خاندانی انداز رگ و پے میں رچا بسا تھا۔

۲۰۰۸ء میں وہ مدرسہ اصدقیہ مخدوم شرف کی کل ہند "تعلیمی کانفرنس" میں مولانا خوشتر نورانی مدیر جام نور دہلی کے ہمراہ بہار شریف تشریف لائے تھے اور دو روز ہمارے مہمان رہے تھے۔ کانفرنس کے روح رواں مولانا سید نور الدین اصدق تھے، لہذا ان ایام میں زیادہ واسطہ تو ان ہی کو پڑا۔ مجھ سے تو مختصر ملاقات رہی۔ لیکن ۲۰۱۲ء میں حضرت سالم میاں صاحب سجادہ نشین خانقاہ قادریہ کی دعوت پر عزیزی مولانا نور الدین اصدق کو ساتھ لے کر میں صد سالہ عرس مقتدری میں بدایوں شریف حاضر ہوا اور دو روز قیام کیا۔ ان ایام میں مولانا کا اخلاقی جوہر نکھر کر سامنے آیا اور ان کی سعادت مندی کا ابر جھوم جھوم کر برسا۔

عالمانہ لباس، خادمانہ انداز، طالب علمانہ نیاز مندی، شادمانہ خیر مقدمی۔ غیر معمولی مصروفیات کے باوجود ہر ایک سے مسکرا کر ملنا۔ علما و مشائخ کی پذیرائی میں پیش پیش رہنا۔ میرے کمرے میں بار بار آ کر بیٹھنا اور حسن عقیدت کے ساتھ "جام شہود" کے ادارے پر اظہار مسرت کرنا۔ ان ہی دنوں میرا مقبول ہر خاص و عام ادارے "دل کے بہلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے" شائع ہوا تھا۔ آج ایک ایک ادائے دل ربا سامنے آ کر یہ کہنے پر مجبور کرتی ہے.....

ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہوں جسے

مولانا سید الحق بدایونی کی ہمہ جہت شخصیت کا اعتراف تمام سواد اعظم اہل سنت کو تھا اور سبھوں کی آپ سے مستقبل میں زریں خدمات کی توقع وابستہ تھی، اس لیے ۴ مارچ کو عراق میں آپ کی حادثاتی موت پر پورا ملک سوگوار ہو گیا اور ہر طرف سے فون اور میسج کے ذریعے تعزیتی

محقق عصر علامہ سید الحق بدایونی، اس بطل جلیل کا نام تھا جو سواد اعظم اہل سنت کی آنکھ کا تارا بن چکا تھا اور ہندوستان کے شرق و غرب میں جس کے علم و تحقیق کا طوطی بول رہا تھا، جو ہندوپاک کے اہل علم کو اپنی دینی خدمات کا معترف بنا چکا تھا۔ سرزمین اتر پردیش میں امام علم و فن حضرت خواجہ مظفر حسین پورنوی کا علمی جانشین تھا اور جو عربی زبان و ادب کا شاہکار ادیب اور جملہ لازمات کا فارغ التحصیل تھا۔

سید الحق بدایوں کی مٹی سے سر ابھارنے والا وہ فرزند جلیل تھا، جو اپنے اکابر علماء کی دینی و علمی خدمات سے علمی دنیا کو باخبر کرنے کا بیڑا اٹھا چکا تھا، جو اپنے اجداد کے علم کا وارث بن کر ان کی علمی کاشت میں نکھار پیدا کرنے کی ہر ممکن تدبیر میں مصروف عمل تھا، جو اپنے والد کی روحانی گدی کا قائم مقام اور ان کے جہان امید کا گل سرسبد تھا، جو مدرسہ قادریہ بدایوں کے روشن مستقبل کی علامت تھا اور اپنے خاندانی حلقہ ارادت کا امین تھا۔

سالہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات

تایکے دانائے راز از زمیں آید بروں

علما کو ان کے علم کا پندار اور مشائخ کو ان کی مشیخت کا شمار عموماً اخلاقی پستی میں گرا دیتا ہے اور انکسار کی سرحد ان سے بہت دور رہ جاتی ہے۔ نتیجہ یہ سامنے آتا ہے کہ ان کا علم اپنا مقناطیسی اثر کھودیتا ہے اور عوام کے دلوں پر ان کی گرفت مضبوط نہیں ہو پاتی ہے۔ دیکھا ہی گیا ہے کہ جن علما کے پاس علم کا پندار پھٹک نہ سکا اور جن صوفیہ کے گرد مشیخت کا شمار راہ نہ پاسکا، وہ محبوب خلق ہوئے ہیں زندگی میں بھی اور مرکز عقیدت رہے ہیں بعد وصال بھی۔

اسے گرامی منزلت حضرت شیخ سالم میاں صاحب مد فیوضہ کی خانقاہی تربیت کا فیضان ہی کہیے کہ اس کم عمری میں قبول عام حاصل ہو جانے کے باوجود حضرت مولانا شاہ سید الحق قادری اخلاقی پستی سے

پیغامات کا تانتا بندھ گیا۔ ملک بھر کے سنی ادارے اور تمام مرکزی شخصیتوں نے اسے جماعت اہل سنت کا نقصان عظیم قرار دیا اور لاریب مدت قریب میں اس خلا کا پر کیا جان ممکن نہیں ہے۔

بحرالعلوم مفتی عبدالمنان اعظمی، مفتی راجستھان مولانا شفاق حسین جو دھپوری، امام علم و فن مولانا خوبہ مظفر حسین پورنوی ہماری جماعت کے اساطین میں تھے اور بلاشبہ ان کی موت بھی ہمارے لیے نقصان عظیم ہے۔ لیکن یہ حضرات اپنی عمر طبعی کو پہنچ چکے تھے۔ ان کا تو اے جسمانی جواب دے چکا تھا اور ان کے زبان و قلم کا دائرہ سمٹ چکا تھا، جب کہ مولانا اسید الحق بدایونی کا بالکل عہد شباب تھا اور ان کی علمی خدمات کا گل خوش رنگ اب کھلنے ہی کو تھا کہ دست اجل نے اسے آدبوچا اور امیدوں کا باغ اچانک اجڑ گیا۔

پھول تو دو دن بہارِ زندگی دکھلا گئے

حسرت ان غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے

مولانا اسید الحق اپنے مخالفین پر ریک حملوں کے قائل نہ تھے۔ اپنے بزرگوں کی حرمت پامال کرنے والوں سے گریزاں تھے۔ مخالف جماعتوں پر بھی سب و شتم کا مزاج نہ تھا۔ کسی کی سطحی باتوں پر کان نہ دھرتے، علم و تحقیق سے واسطہ تھا، اپنے بڑوں کے پاس ادب میں علم کا پندار بھی آڑے نہ آتا۔ نیاز مندی کا عجب اچھوتا انداز ہوتا۔ اپنے معاصرین سے ملنے کا انداز بھی محبت آمیز تھا۔ اپنے خاندانی بزرگوں کے علمی سرمایہ کو نئے اسالیب اور جدید ترتیب کے ساتھ اہل علم کے ہاتھوں تک پہنچانا ان کا محبوب مشغلہ تھا اور یہ حق فرزند ادا کرنے کی سب سے بہتر راہ ہے۔ علم کی روشنی دکھانے اور عقیدت کی خوشبو پھیلانے کی اہمیت اگر تسلیم شدہ ہے تو اگر کوئی اپنے ہی گھر کا چراغ لے کر شاہراہ پر کھڑا ہے اور ایک شخص اپنے ہی باغ کا عطر نچوڑ کر کوچہ و بازار کو عطر بیز کر رہا ہے تو یہ سرا ہے جانے کے قابل خدمت ہے۔ اس میں کسی کو اپنے دکھ کا سامان کیوں نظر آ رہا ہے؟ یہ تو دودھ ہرے فاندے کا کام ہے کہ روشنی پھیلے زمانے میں تو میرے گھر کا اجالا بھی دنیا کی نظر میں آجائے۔ ہر علمی خانوادے کو رب بے نیاز یہ سعادت نصیب فرمائے۔

وہابی ازم کا طوفان، سنائی کی طرح تیزی سے ہماری آبادی کی طرف بڑھ رہا ہے اور ہمیں اب تک اس کی ہولناکی کا اندازہ نہیں ہے۔ کیا

یہ مقام حیرت نہیں ہے؟ اگر ہماری ہر تنظیم، ہماری ہر تحریک، ہمارا ہر ادارہ، ہماری ہر خانقاہ اور ہماری ہر انجمن اور جماعت اہل سنت کے تمام شعور مند افراد، دیوار میں چنی ہوئی اینٹ کی طرح متحد نہیں ہوئے تو ہماری آبادی کو یہ سنائی بہا لے جائے گا اور ہماری خود نمائی کا پہاڑ ریت کی طرح ڈھ جائے گا۔ ملکی حالات میرے پیش نظر ہیں۔ بنگال کی کھاڑی سے لے کر کنیا کماری تک پورے ملک میں اہل سنت رو بہ زوال ہے، جہاں بھی ہیں ٹکڑوں میں بٹے ہوئے ہیں اور نفرت کی دیوار بیچ میں حائل ہے۔

ادھر چند سالوں سے ہماری جماعت میں جو اتھل پتھل کا ماحول ہے۔ جماعت سے کٹ جانے کا یا کاٹ کر الگ کر دیے جانے کا جو مزاج پیدا ہو رہا ہے یہ جینے کی راہ نہیں ہے، بربادی کا پیش خیمہ ہے۔ ہماری تنگ دامانی کو دیکھ کر اغیار کی بانٹھیں کھل اٹھی ہیں۔ ہماری تاراجی سے ان کا حوصلہ بلند ہو رہا ہے اور ہم ہیں کہ خواب خرگوش سے سراٹھانے کو تیار نہیں ہیں۔ کاش! اب بھی قائدین جماعت کی آنکھوں سے خود بینی کا خمار اتر جائے اور وہ آنے والی نسل کے جینے کی راہ ہموار کرنے میں جٹ جائیں۔

افسوس تو اسی بات کا ہے کہ آج پڑھے لکھے جاہلوں کی تعداد بڑھ رہی ہے اور رہبر کی شکل میں رہزنوں کی ٹولی گھوم گھوم کر ہر روز ایک نئے فتنے کو جنم دے رہی ہے اور مقام حیرت تو یہ ہے کہ جماعت کے اساطین اور عوام کے ایک معتد بہ طبقے پر گرفت مضبوط رکھنے والے قائدین ان فتنوں کو ہوا دے رہے ہیں۔ یا کم از کم کنارہ کشی اختیار کر کے چپ کا روزہ رکھے ہوئے ہیں۔ یاد رہے کہ یہ دونوں راہ محاسبہ عمل کی ہے اور ہم ایک دن جواب کے لیے کٹھڑے میں کھڑے کیے جائیں گے۔

ایسے دور کساد میں کسی قیمتی جان کا ضیاع پوری ملت کے لیے دیر پا المیہ ہے۔ مولائے کریم بکرم حبیبہ النبی الکریم علیہ التحیة والتسلیم مولانا اسید الحق بدایونی کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ ان کے والدین کریمین اور احباب و اقارب کو صبر جمیل مرحمت فرمائے۔ سواد اعظم اہل سنت کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔

موت اس کی ہے، کرے جس کا زمانہ افسوس

یوں تو دنیا میں سبھی آئے ہیں مرنے کے لیے

☆ سجادہ نشین: خانقاہ اصدقیہ چشتیہ، چمن پیر بیگ، بہار شریف (بہار)

# ایک فرد نہیں، ایک تحریک کی موت

پورے برصغیر میں مولانا اسید الحق قادری کے ہم عصروں میں کوئی ان کا حریف و مقابل نہیں تھا

شہید ملت سے میری پہلی نصف ملاقات تو مقررہ نامہ ”جام نور“ کے ذریعے ہی ہوئی۔ انہوں نے اپنی گراں مایہ تحریروں سے مجھے اپنا گرویدہ بنا لیا تھا اور پھر جب وہ خامہ تلاشی کا کالم لکھنے لگے تو ان کی ہمہ دانی نے واقعی درطہ حیرت میں ڈال دیا۔ حالاں کہ یہ کالم وہ ابوالفیض معینی کے قلمی نام سے لکھتے تھے، اس وقت تک یہ پتہ نہیں تھا کہ کون معشوق ہے اس پردہ زنگاری میں۔ بہت دنوں تک حضرت مفتی مطیع الرحمن صاحب مضطر پورنوی اور راقم السطور کا گمان تھا کہ یہ ایک ٹیم ورک ہے۔ کسی ایک شخص کے بس کی بات نہیں کہ وہ تفسیر، حدیث، فقہ، تاریخ، سیر اور شعر و ادب کے حوالے سے اتنے ماہرانہ گفتگو کر سکے لیکن جب یہ انکشاف ہوا کہ ابوالفیض معینی کوئی اور نہیں بلکہ مولانا اسید الحق قادری ہیں تو ان کی علمیت، ذہانت و فطانت، ژرف نگاہی اور بالغ نظری نے اس مشہور عربی شعر کی صداقت پر میرے اعتماد کو اور بھی محکم کر دیا کہ واقعی:

لیس علی اللہ بمستنکر

ان یجمع العالَم فی واحد

مولانا اسید الحق قادری سے میری پہلی بالمشافہ ملاقات حضرت مولانا سید رکن الدین اصدق مدظلہ کے ذریعے منعقدہ سیمینار کے موقع پر ۲ نومبر ۲۰۰۸ء کو بہار شریف میں ہوئی تھی۔ دوسری ملاقات ایک سال بعد عرس قاسمی مارہرہ شریف میں ہوئی۔ تیسری ملاقات فقیہ انفس مفتی مطیع الرحمن صاحب کے مدرسہ واقع بنگال کے ایک سالانہ پروگرام میں شرکت کے موقع پر ہوئی۔ وہ اور مولانا خوشتر نورانی دہلی سے جس ٹرین سے آرہے تھے حسن اتفاق سے پٹنہ سے میرا ریزرویشن بھی اسی اے سی کوچ میں ہو گیا تھا۔ ہم لوگ ایک دوسرے سے مل کر بہت خوش ہوئے۔ شہید ملت کی گفتگو کا انداز اتنا پیارا تھا، وہ کہیں اور سنا کرے کوئی۔ اس سفر میں مختلف موضوعات و مسائل پر جی بھر کر باتیں ہوئیں۔

۱۱ مارچ ۲۰۱۳ء کی صبح مسجد نبوی شریف میں نماز فجر ادا کرنے کے لے جا رہا تھا۔ (مدینہ پاک کی یہ حاضری عمرے کے سلسلے سے تھی۔) نمازیوں کے ازدحام کثیر میں ایک فارغ اشرفیہ مولانا اختر رضا مصباحی سے متعارف ہوا، جو ایک روز قبل ہندوستان سے آئے تھے۔ انہوں نے ہی سب سے پہلے بڑے درد و کرب کے ساتھ مولانا اسید الحق بدایونی کی الم ناک شہادت کی بروح فرسا خبر سنائی۔ میں ذہنی طور پر اس خبر کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں تھا، اس لیے ان سے بار بار یقین دہانی کر رہا تھا۔ انہوں نے مزید تفصیل بیان کرتے ہوئے یہ بتایا کہ یہ حادثہ فاجعہ بغداد شریف میں ایک دہشت گردانہ حملے کے نتیجے میں ہوا، لیکن پتہ نہیں کیوں یہ خبر اب بھی میرے لیے ناقابل یقین تھی۔ اس لیے نماز سے فارغ ہونے کے بعد میں نے پہلی فرصت میں عزیز گرامی مولانا خوشتر نورانی سے رابطہ قائم کیا، وہ شدت غم سے نڈھال تھے، فوراً پھٹ پڑے اور میری آنکھوں نے بھی شہید ملت کو آنسوؤں کا بھر پور خراج پیش کرنے میں بخل سے کام نہیں لیا۔ خوشتر صاحب کی حالت قابل رحم تھی۔

سچی بات یہ ہے کہ میں اپنی پوری زندگی میں اپنے کسی عزیز کی موت پر بھی اتنا غمزدہ نہیں ہوا تھا؛ کیوں کہ وہاں ایک فرد کی موت تھی اور یہاں شہید ملت کی صورت میں ایک فرد نہیں ایک ادارے کی موت تھی۔ ایک تحریک کی موت تھی۔ ایک دینی اور تعلیمی مشن کی موت تھی اور ایک ایسے عالم ربانی کی موت تھی جس کو عالم کی موت کہا جاتا ہے۔ تصنیف و تالیف کے حوالے سے درجنوں علمی اور تحقیقی کتابوں کی منصوبہ بندیاں ان کے ذہن میں تھیں جن کا تذکرہ وہ ٹیلی فون پر اور کبھی سیمیناروں میں ملاقات کے موقع پر کیا کرتے تھے، اس لیے ان کی شہادت بلاشبہ ملت کا ناقابل تلافی نقصان ہے۔

ان سے آخری ملاقات ۲۱ اکتوبر ۲۰۱۳ء کو اس وقت ہوئی جب وہ اور مولانا خوشتر نورانی خواجہ علم و فن کے جنازے میں شرکت کی غرض سے بذریعہ طیارہ دہلی سے پٹنہ پہنچے اور وہاں سے کار کے ذریعے خواجہ علم و فن کے گاؤں پورنیہ براہ مظفر پور جانا تھا۔ انہوں نے پٹنہ سے فون کیا کہ وہ اور مولانا خوشتر نورانی پٹنہ سے مظفر پور پہنچ رہے ہیں، اگر میں شریک ہو جاؤں تو کیا کہنا ہے۔ ان کی اس مخلصانہ پیش کش پر میں نے فوراً لبیک کہا اور ان کی رفاقت کو نعمت غیر مترقبہ سمجھ کر اسی کار سے خواجہ علم و فن کے جنازے میں پہنچا۔ راستے بھر خواجہ علم و فن کی جلالت علمی کا تذکرہ ہوتا رہا۔ چوں کہ حزنیہ ماحول تھا، اس لیے اور کسی موضوع پر گفتگو نہیں ہو سکی۔ بہر حال یہ سفر بڑا یادگار اور تاریخی رہا۔ ”جام نور“ کے شمارہ جنوری ۲۰۱۳ء میں انہوں نے اس سفر کی روداد بھی بڑے تفصیل کے ساتھ

لکھی ہے جو قابل مطالعہ ہے۔

میں پوری ایمان داری کے ساتھ اس حقیقت کا برملا اعتراف کر رہا ہوں کہ پورے برصغیر میں ان کے ہم عصروں میں تو کوئی ان کا حریف و مقابل تھا ہی نہیں، بلکہ بہت سارے نام نہاد اکابرین پر بھی وہ بھاری تھے۔ اچھے اچھوں کی کوران کے سامنے دبتی تھی۔ حالاں کہ انہوں نے اپنی ذاتی اور خاندانی شرافت کا پاس و لحاظ وار کھتے ہوئے کبھی کسی کے خلاف خفیف الحزکتی نہیں کی۔ تہذیب و شائستگی کے ساتھ تقویٰ و طہارت اور اخلاص و للہیت کی مظہر کامل تھی ان کی ذات والا صفات۔ مولیٰ تعالیٰ اس شہید ملت کی تربت پر رحمت و نور کی موسلا دھار بارش برسائے۔ آمین!

□□□

☆ سابق صدر شعبہ اردو، بہار یونیورسٹی، مظفر پور (بہار)

### بقیہ فکری اصالت اور عصری پیش کش کی نادر مثال:

عصر حاضر میں چشتی تعلیمات کی معنویت“ کے لیے شمالی ہندوستان سے دس نام طلب کیے تھے تاکہ انہیں اس سیمینار میں مدعو کیا جاسکے۔ طویل گفتگو کے بعد ہم نے دس لوگوں کی فہرست بنائی جس میں نو نام چشتی خانقاہوں سے وابستہ اور مختلف یونیورسٹیوں میں تدریسی خدمات انجام دینے والے سینئر پروفیسرز کا تھا اور دسواں نام جو سر فہرست تھا وہ ایک قادری کا نام تھا۔ ڈاکٹر شجاع سے بہت دیر تک ان کی باتیں کرتا رہا۔ بدایوں کا پتہ بھی لکھوایا اور انہیں تاکید کی کہ آپ دعوت نامہ تو فوراً بھجوادیں اور دو چار دن بعد جب ان کی واپسی ہو تو ان سے گفتگو بھی ضرور کر لیجیے گا اور جب اسی شام شجاع صاحب نے پروفیسر مسعود انور علوی کا کوروی اور پروفیسر سید ظہیر الدین صاحبان کے ٹیلیفون نمبروں کے لیے رابطہ کیا تو میں نے ان سے کہا کہ مدعوئین کی فہرست سے ان کا نام الگ کر دیجیے وہ ہماری اور آپ کی دسترس سے بہت دور جا چکے ہیں۔ رہے نام اللہ کا۔ اخیر میں اپنے احساسات و جذبات کی تعبیر کے لیے ایک سوڈانی شاعر کے بعض اشعار معمولی تصرف کے ساتھ پیش ہیں۔

اکذا تفارقنا بغير وداع  
يا محور الأبصار والأسماع  
يا صاحب الوجه الجميل وعامل  
العمل الجليل وقمة الإبداع  
اكذا تفارق "والجماعة" لم تنزل  
تجنح بين ثعالب ورعاع  
أزمنت عنايا أسيداً مكرماً  
فينا ولكن لات حين زماع  
نم في جوار الغوث و انعم يا أخی  
بكریم مصطحب و حسن متاع

☆ شعبہ عربی، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد (دکن)



# مثالی عالمانہ انکسار اور صوفیانہ افکار کے حامل

جب اس حادثہ جاگہ کی خبر ملی تو میں بے قابو ہو گیا اور زار و قطار رونے لگا

قادری عثمانی بدایونی کو صبر جمیل اور اجر جزیل عطا فرمائے، آمین۔  
پچھلے آٹھ دس سالوں سے مولانا اُسید الحق قادری بدایونی علیہ  
الرحمہ کی عقائد اسلامی پر تحریر کردہ مختلف کتابیں، اپنے اجداد کرام کی  
عربی و فارسی کتابوں کے ترجمے اور دوسری اہل سنت کے افکار و نظریات  
پر مبنی کتابیں جو مولانا شہید کے ابتدائی، ترتیب و تقدیم، تخریج و تسہیل  
کے ساتھ انہی کی نگرانی میں شائع ہوتے رہے۔ تاج الخمول اکیڈمی  
بدایوں سے شائع شدہ تمام کتابیں تحقیق و تنقید کے ساتھ منظر عام پر آئیں۔  
راقم الحروف ان کتابوں کے حوالے سے مولانا اُسید الحق قادری سے  
واقف ضرور تھا اور ان کی علمی و ادبی کاوشوں سے بہت متاثر بھی۔

چنانچہ پہلی بار Q.T.V پر انٹرویو دیتے ہوئے میں نے انہیں  
دیکھا تھا اور اُس وقت میرا یہ احساس تھا کہ یا الہی خانوادہ بدایوں شریف  
کے اس ہونہار چشم و چراغ حضرت مولانا اُسید الحق قادری کس قدر اپنی  
علییت، روحانیت اور نورانیت سے ناظرین کو سرفراز فرما رہے ہیں۔  
غالباً اس کے دوسرے ہی سال یعنی اب سے کم و بیش تین سال قبل حیدر  
آباد میں سید امر اللہ شاہ صاحب علیہ الرحمہ مغل پورہ حیدر آباد کے  
آستانے پر منعقدہ سمینار میں ملاقات کا شرف حاصل ہوا تو مجھے بے حد  
خوشی ہوئی۔ آستانہ مذکور کے سجادہ نشین حضرت سید شاہ اسرار حسین  
رضوی المدنی چشتی دامت برکاتہم کی اجازت سے مجھے مولانا اُسید الحق  
عاصم القادری کے مختصر تعارف کی سعادت نصیب ہوئی۔ تعارف میں  
جن باتوں کو پیش کیا گیا تھا ان کا ذکر کرنا یہاں مناسب سمجھتا ہوں۔

حضرت مولانا اُسید الحق قادری عثمانی بدایونی کا تعلق بدایوں کے  
روحانی و علمی خانوادے سے ہے۔ ان کے جد مکرم سیف اللہ المسلمول  
علامہ فضل رسول بدایونی علیہ الرحمہ نے وہابیہ کے رد میں ایک کتاب  
”سیف الجبار“ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی ولادت سے قبل لکھی تھی

مولانا اُسید الحق قادری بدایونی اہل سنت و جماعت کے علم بردار،  
نہایت علمی گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ تصوف و عرفان کے حوالے  
سے بھی خانقاہ بدایوں کی شہرت عالم گیر ہے۔ سیف اللہ المسلمول علامہ  
فضل رسول بدایونی علیہ الرحمہ اپنے وقت کے جید عالم اور صوفی تھے جن  
کا ذکر ہندو بیرون ہند کے اکثر علمائے کرام کے یہاں ہوتا رہتا ہے۔  
رد وہابیت میں حضرت کی معرکہ آرا کتاب ”سیف الجبار“ بہت معروف  
ہے۔ اسی کتاب کو نئے زاویے سے تسہیل و ترتیب دے کر مولانا اُسید  
الحق علیہ الرحمہ کا یہ پروگرام تھا کہ اس اہم کتاب کو شائع کر کے دہلی میں  
ایک کانفرنس بڑے پیمانے پر بلائی جائے جہاں سے اس کتاب کی رسم  
اجرا انجام دی جاسکے، اس طرح پورے ہندوستان اور دیگر ممالک تک  
اسے پہنچایا جاسکے، مگر کاتب تقدیر نے مولانا اُسید الحق قادری بدایونی  
کے پورے خاندان و اسلاف کے مرکز عقیدت تاجدار بغداد کی سر زمین  
پر ان کی شہادت و تدفین لکھ دی تھی۔ گلشن قادریہ بدایوں شریف کے گل  
تراپنی عمر کی کوئی ۳۹ بہاریں ہی دیکھ سکے اور ناگہانی روح فرسا حادثے  
کی زد میں آگئے اور شہید ہو گئے۔ خود مولانا اُسید الحق تو بھم اللہ و برحمۃ  
رسول اللہ حضور غوث اعظم دنگیر کے طفیل جنت الفردوس میں اعلیٰ و ارفع  
مقام پر فائز ہو گئے ہیں، مگر ان کے والد بزرگوار حضرت علامہ شاہ  
عبدالحمید سالم میاں قادری مدظلہ النورانی پر کیسی قیامت ٹوٹ پڑی ہوگی  
اور تسلیم و رضا کی وہ کون سی منزل ہوگی کہ حضرت نے صبر و ضبط سے کام  
لیا اور اپنے تمام اہل خانہ و دیگر متوسلین کو بھی تھامے رکھا۔ کن کن  
ارمانوں سے حضرت نے اپنے اس شہید فرزند کی شخصیت کی تعمیر و تشکیل  
فرمائی تھی، انہیں حافظ قرآن بنایا، عالم و فاضل بنایا پھر دنیا کی سب سے  
عظیم اسلامی یونیورسٹی جامعۃ الازہر قاہرہ سے علم تفسیر و دیگر علوم کی تحصیل  
کا انتظام فرمایا۔ اللہ رب العزت حضرت علامہ شیخ عبدالحمید سالم میاں

جس کا اثر اور وزن پورے ہندوستان میں محسوس کیا گیا۔ علامہ فضل رسول کے فرزند جلیل حضرت تاج الفحول علامہ عبدالقادر بدایونی علیہ الرحمہ نے ایک رسالہ ”تقویۃ الایمان“ کے رد میں لکھا ہے جو غیر مطبوعہ ہے، اس کے علاوہ میلاد شریف اور مسائل فقہ میں کچھ رسائل یادگار ہیں۔ تاج الفحول علامہ عبدالقادر بدایونی وہ مبارک ہستی ہیں کہ ندوۃ العلماء کے ایک اجلاس کا کسی انگریز سے افتتاح کروایا جا رہا تھا، اُس وقت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے بھی حضرت تاج الفحول کے ساتھ ندوۃ العلماء کے اجلاس کا بائیکاٹ کر دیا اور فاضل بریلوی کو ندوہ کے رد میں کتابیں لکھنے کی طرف مائل کیا اور دماغ، دماغ، دماغ، ہر طرح سے ان کی مدد فرمائی۔ حضرت تاج الفحول کے فرزند اصغر حضرت علامہ عبدالمقتدر بدایونی ہی وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے پٹنہ بہار کے ایک جلسے میں مولانا امام احمد رضا فاضل بریلوی کے ”مجدد“ ہونے کا اعلان فرمایا۔ حضرت تاج الفحول کے فرزند اصغر حضرت علامہ عبدالقادر بدایونی علیہ الرحمہ، میر عثمان علی خان بہادر آصف جاہ ہفتم حیدرآباد کے زمانے میں مفتی اعظم کے اہم عہدے پر فائز تھے۔ جامعہ نظامیہ کے بانی مولانا شاہ محمد انوار اللہ فاروقی علیہ الرحمہ سے بھی ان کے روابط تھے۔ علامہ عبدالقادر کے فرزند اول مولانا عبدالہادی بدایونی علیہ الرحمہ حیدرآباد ہی میں نظام کالج عثمانیہ یونیورسٹی میں عربی کے استاد رہے۔ جب کہ فرزند دوم حضرت علامہ عبدالحمید شیخ سالم میاں قادری بدایونی سجادہ نشین آستانہ عالیہ بدایوں شریف مدرسہ قادریہ بدایوں کی نگرانی کے ساتھ ساتھ روحانی اسفار میں مصروف رہتے ہیں اور اپنے اجداد کی سنت ادا کرتے ہوئے ہر سال بغداد معلیٰ سلطان الاولیا حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے دربار گہر بار میں دیوانہ وار حاضری دیتے ہیں۔

انہی حضرت علامہ عبدالحمید سالم میاں قادری بدایونی کے فرزند ارجمند حضرت مولانا اسید الحق عاصم القادری بدایونی ہیں جو جامعہ ازہر سے فارغ التحصیل ہیں آج ہماری اس مجلس مذاکرہ میں جلوہ افروز ہیں۔ ہم سب خوش نصیب ہیں کہ گلستان دیوان بدایوں کے ایک گل نورانی کے دیدار سے مشرف ہو رہے ہیں۔ مولانا اسید الحق قادری بدایونی نے ابھی حال ہی میں کوئی دس کتابوں کا ایک ساتھ اجرا کروایا ہے اور تصنیف و تالیف کا سلسلہ ابھی جاری ہے۔ راقم الحروف نے ان کی کتابوں اور

ان کے اہم ترین مندرجات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ان کی تحقیق و تدقیق کو خراج تحسین پیش کیا۔

بعدہ اپنی تقریر میں مولانا اسید الحق قادری بدایونی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ:

پروفیسر عبدالحمید اکبر صاحب نے میرے اسلاف کے بارے میں جو کچھ بھی کہا ہے وہ صد فیصد درست ہے۔ البتہ میرے بارے میں جو باتیں انہوں نے کہی ہیں یہ ان کی محبت ہے۔

مجھے اُس وقت محسوس ہوا کہ دور حاضر کے ایک دانشور، محقق اور ناقد اپنی اس علمی اعلیٰ استعداد رکھنے کے باوصف بھی کتنی سادہ اور شہیدہ گفتگو فرما رہے ہیں، یہ سب ان کے عالمانہ انکسار اور صوفیانہ افکار پر دلالت کرتے ہیں۔

حیدرآباد میں شرف نیاز کے بعد مولانا اسید الحق قادری شہید علیہ الرحمہ سے ممبئی یونیورسٹی کے ایک سمینار میں ملاقات ہوئی۔ سمینار سے پہلے اور سمینار کے بعد بھی مولانا مرحوم و مغفور سے گفتگو کے دوران بہت ساری باتیں سیکھنے کو ملیں۔ اس کے بعد بھی فون پر رابطہ رہا۔ ایک مرتبہ فون پر اپنے ایک سمینار میں بھی مجھے دعوت دی تھی، لیکن مجھے معذرت چاہنی پڑی، اس لیے کہ اُن ہی تواریخ میں یعنی ۲ اور ۳ فروری ۲۰۱۳ کو میرے فرزند کی شادی مقرر تھی۔ فون پر یہ ملاقات ہماری آخری ملاقات رہی۔ جب اس حادثہ جانکاہ کی خبر ملی تو میں بے قابو ہو گیا اور زار و قطار رونے لگ گیا تو گھر کے سارے افراد پریشان ہو گئے۔ پھر میں نے یہ روح فرسا خبر انہیں سنائی تو یہ بھی مغموم ہوئے، پھر فاتحہ پڑھ کر انہیں ایصالِ ثواب کیا گیا۔

دعا ہے کہ حضرت علامہ اسید الحق قادری عثمانی بدایونی ازہری شہید علیہ رحمۃ الباری کی دینی، علمی، ادبی، سماجی اور رفاہی کاوشیں بارگاہِ رب المقتدر میں بطفیل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شرف قبول پا جائیں اور حضرت علامہ شہید علیہ الرحمہ کے صدقے میں اللہ رب العزت ہمارے گناہوں کی مغفرت فرمائے، آمین۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

□□□

☆ استاذ شعبہ اردو، فارسی، گلبرگہ یونیورسٹی، گلبرگہ (کرناٹک)

# مولانا اسیدالحق قادری: ایک بے مثال محقق

احادیث پر تحقیقی نظر، نقد رجال میں مہارت، وقت نظر اور غایت درجہ وسعت مطالعہ کے حامل تھے

لله ما اعطى ولله ما اخذ و كل شئ عنده بمقدار

(اللہ ہی کا ہے جو اس نے دیا اور جو اس نے لیا اور ہر شئی کی اس

کے یہاں ایک مقدار مقرر ہے)

گذشتہ ۱۲ مارچ ۲۰۱۳ء منگل کی شام بڑی ہی کرب ناک رہی جس کے درد کرب سے دنیا چیخ اٹھی اور اس شب میں ایک وحشت ناک خبر سن کر عجیب سا سناٹا چھا گیا، ہر طرف غم کی لہر دوڑ گئی۔ اس انہونی کون کر پہلے تو یقین ہی نہیں ہو رہا تھا مگر مشیت ایزدی کے آگے سر تسلیم خم کرنا ہی تھا۔ زبان پر انا للہ وانا الیہ راجعون تھا اور صبر و شکر کے پلا وہ کوئی چارہ نہ تھا۔

ہوایہ کہ ۱۲ مارچ منگل کو مغرب کی نماز سے فارغ ہوا جب کہ وہ بالکل خاموش Silent تھا اور کچھ دیر تک اسی حالت میں رہا پھر یکا یک اسکرین پر نظر پڑی تو دیکھا کہ مسلسل کئی Missed کالیں موبائل میں پڑی ہیں پھر انہیں کھول کر دیکھا تو دو بڑی اہم شخصیتوں کی کالیں تھیں جن میں ایک شخصیت شہزادہ والا تبار حضرت سید محمد امان میاں برکاتی کی تھی اور دوسری شخصیت حضرت مفتی انفاس الحسن چشتی کی تھی، کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ معاملہ کیا ہے؟ ابھی میں ادھر سے حضرت امان میاں کو ڈائل کرنے ہی جا رہا تھا کہ ادھر سے دوبارہ فون آ گیا۔ سلام کے بعد ایک بڑی وحشت ناک خبر سننے کو ملی کہ ”اسید میاں بغداد شریف میں ایک دہشت گردانہ حملے میں شہید ہو گئے، کسی دہشت گرد نے ان کے سر میں گولی ماری اور موقع واردات پر ہی وہ انتقال کر گئے۔“ اب تو کیا تھا زبان پر کلمہ ترجیع اور ایسا لگ رہا تھا جیسے نگاہوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا، اسی رنج و الم میں ڈوبا تھا کہ حضرت مفتی انفاس الحسن چشتی کا بھی فون دوبارہ آیا، نہایت درد انگیز آواز میں بڑی افسردگی کے ساتھ انھوں نے بتایا کہ ”ابھی ابھی حاجی میاں (مولانا سید محمد انور چشتی) نے بتایا کہ بھیا

بغداد شریف میں شہید ہو گئے۔“ مولانا اسیدالحق قادری کا نہال پھپھوند شریف میں واقع ہے اور حضرت حاجی میاں ان کے سگے ماموں ہوتے ہیں، وہاں عام طور سے انھیں بھیا ہی کہا جاتا ہے۔ پھر میں نے شیخ الجامعہ حضرت علامہ محمد احمد مصباحی صاحب کو فون پر خبر دی کہ ابھی ایسے ایسے فون آیا کہ مولانا اسیدالحق قادری کا انتقال ہو گیا اور وہ بغداد میں شہید ہو گئے، حضرت نے کلمہ ترجیع پڑھنے کے ساتھ ان کی خوبیوں اور صلاحیتوں کا ذکر کیا اور فرمایا کہ ”ان کی رحلت ایک جماعتی خلا ہے۔ کم عمری میں انھوں نے بہت کام کیا گویا ان کے آنے سے مدرسہ قادریہ اور خانقاہ بدایوں کی نشاۃ ثانیہ ہو گئی۔“ پھر حضرت ہی نے فرمایا کہ ”بعد نماز عشا ایک تعزیتی محفل اور مجلس ایصال ثواب ہونی چاہیے۔“ چنانچہ بعد نماز عشا ’عزیز المساجد‘ جامعہ اشرفیہ میں ایک تعزیتی محفل منعقد ہوئی، جس میں جامعہ کے اساتذہ، طلبہ بھی شریک رہے، قرآن خوانی ہوئی اور شہید بغداد کی روح کو ایصال ثواب کیا گیا اور مغفرت درجہ درجات کی دعا کی گئی، پھر بعد نماز عشا رفیق ملت حضرت سید نجیب حیدر نوری قبلہ کا بھی فون آیا کہ:

”اسید میاں بغداد شریف کی شارع سلیمانہ پر شہید ہو گئے، وہ بڑے قیمتی عالم تھے۔ ان کے انتقال سے جماعت کا بڑا نقصان ہوا۔“ حضرت رفیق ملت بھی بہت ہی مغموم اور رنجیدہ خاطر تھے، حضرت نے دوران گفتگو یہ بھی بتایا کہ تدفین بغداد شریف میں ہی ہو گئی۔

مولانا اسیدالحق قادری بدایونی یقیناً بہت بڑے عالم تھے، اللہ رب العزت نے انھیں اتنی خوبیوں سے نوازا تھا کہ بیک وقت وہ خوبیاں کسی عالم میں کم ہی نظر آتی ہیں، صوری حسن و جمال اور معنوی محاسن و کمالات کے ایسے حسین سنگم تھے کہ تباہ وہ ایک انجمن تھے، علوم عقلیہ میں مہارت کے ساتھ دینی علوم میں بھی بڑی گہری نظر رکھتے تھے، مروجہ علوم

فتون میں کون سا ایسا علم ہے جو ان کی دسترس سے باہر تھا، علوم عربیہ ہوں کہ فنون ادبیہ، یوں ہی علوم عقلیہ ہوں یا کہ علوم دینیہ کون سا علم ہے جس کی انہوں نے سیاحت نہیں کی۔ احادیث پر تحقیقی نظر، نقد رجال میں مہارت، زبان و قلم میں سلاست، دقت نظر اور غایت درجہ وسعت مطالعہ یہ سب ان کی وہ خوبیاں ہیں کہ ہر وہ شخص ان کا اعتراف کرنے پر مجبور ہے جو ان کی شخصیت سے آگاہ ہے۔ ایک بڑی خانقاہ کا فرزند ہونے کے باوجود مزاج ہمیشہ تحقیقی و علمی ہی رہا۔ درس گاہ میں بیٹھ کر باضابطہ درس دینا، تحقیق، تصنیف، ترجمہ نگاری وغیرہ یہ سب ان کے محبوب مشاغل تھے، صالح فکر اور سنجیدہ طبیعت کے مالک تھے۔ بے جا عصبيت اور اختلاف سے دور رہتے، جس کی شہادت خود اکا بر نے دی ہے، چنانچہ شرف ملت حضرت سید محمد اشرف قادری برکاتی ”تذکرہ نوری“ از مولانا غلام شہر قادری بدایونی پر کلمات تقریظ لکھتے ہوئے رقمطراز ہیں:

”اسے بنانے سنوارنے کا کام عزیز گرامی قدر مولانا سید الحق قادری کے اُن ہاتھوں سے ہوا ہے جو باتوں اور معاملات کو الجھاتے نہیں بلکہ پیچ در پیچ معاملات کو سلجھانا اپنی خاندانی ذمہ داری سمجھتے ہیں۔ وہ فتون اور فتنہ پروروں سے دور و نفور ہیں اور خالص علمی انداز تحقیق کے تحت کتب ہائے قدیمہ کو دل پذیر اور عقده کشا حواشی اور دیگر معلومات کے اضافوں کے ساتھ منظر عام پر لارہے ہیں۔ ان کا انداز تحریر اور متن ایسا ہوتا ہے کہ ان کے لکھے سے کسی اپنے کو جرات نہیں پہنچتی۔ میرا ذاتی مشاہدہ ہے کہ تحریری فتون کی سرکوبی میں اس نوجوان عالم دین اور معروف و قدیم خانقاہ کے فرد متین نے قلم کا ہتھیار بھی استعمال کیا ہے اور مومنانہ فراست کے پیش نظر خاموشی کا انداز بھی اختیار کیا ہے.....“

کچھ نہ کہنا بھی اک انداز بیاں ہوتا ہے

مرشدان مارہرہ کی دعائیں اور خود ان کے بزرگوں کی بڑائی ان کے ساتھ رہتی ہے جو انہیں بار بار ترغیب دیتی ہے کہ کھوئے ہوئے سروں کو تلاش کرو، ٹوٹے ہوئے رشتوں کو جوڑو، پرانے زخموں کی نمائش نہ کرو، ان پر صبر کا ٹھنڈا ٹھنڈا مرہم رکھ لو، تاکہ قافلہ سوادا عظیم کی دراڑیں ختم ہوں اور سوادا عظیم کا ہر

فرد یہ محسوس کرے کہ وہ آپس میں ایسے شیر و شکر ہیں کہ جیسے بدن کے مختلف اعضا آپس میں وابستہ ہوتے ہیں۔ تاکہ سوادا عظیم کا روحانی، علمی اور سماجی سفر ایک نئی امنگ، نئی امید اور ایک نئی تیاری کے ساتھ ایسے راستے پر گامزن ہو جس کی منزل اہل سنت و جماعت کی عظمت رفتہ کی بازیابی ہو۔“ (ص: ۱۵، ۱۶)

مولانا سید الحق قادری اس قدر محقق کا نام ہے جس کی تحقیق کا دائرہ بہت وسیع تھا، احادیث کی اسانید کے ساتھ درایت احادیث کے میدان میں بھی ان کا قلم بڑا رواں دواں تھا، روایت و درایت دونوں زاویوں سے ان کی تحقیقات رسائل و مجلات کی زینت بن چکی ہیں اور مستقل کتابی شکل میں بھی قارئین سے داد تحسین حاصل کر چکی ہیں۔

مولانا سید الحق قادری اس ”خامہ تلاش“ ناقد کا نام ہے جس کی تنقید اور خامہ تلاشی مختلف اصناف سخن کو محیط ہوتی اور ہر کوئی اس خامہ تلاش نقاد کی تحریر پڑھنے کے لیے بڑی شدت کے ساتھ ماہ نامہ ”جام نور“ کے اگلے شمارے کا منتظر رہتا اور رسالہ آنے کے بعد بڑے شوق سے پڑھتا اور محفوظ ہوتا۔

مولانا موصوف کے اندر ایک بڑی خوبی یہ نظر آئی کہ وہ اپنے سینے میں بہت کشادہ دل رکھتے تھے، کسی نے کوئی علمی و تحقیقی کام کیا تو پوری وسعت ظرفی کے ساتھ اس کا اعتراف کرتے اور گراں قدر کلمات تحسین لکھ کر اسے روانہ بھی کر دیتے، خود میں نے جب ”التنبیہ السدد علی ما فی التعليق الممجد“ کا کام کیا جس میں مولانا عبدالحی فرنگی مٹھی کی طرف سے مذہب حنفی پر وارد ہونے والے اعتراضات کے جوابات کتاب و سنت کی روشنی میں دیے اور کتاب منظر عام پر آنے کے بعد ان تک پہنچی تو برجستہ انہوں نے مجھے خط لکھا، جس میں تحریر کیا:

”آپ کی کتاب میں نے دیکھی اور اتنی پسند آئی کہ اول تا آخر اسے پڑھا، بڑی تحقیق کے ساتھ آپ نے سارے شبہات کے جوابات دیے ہیں، احناف پر جو ایک قرض تھا آپ نے اسے ادا کر دیا، پوری جماعت احناف کی طرف سے آپ لائق تحسین و تبریک ہیں۔“

اس وقت تک میں نے صرف رسائل و مجلات میں انہیں پڑھا تھا باقی میری کوئی ان سے ہنوز ذاتی ملاقات نہیں ہوئی تھی اور نہ ہی کوئی ایسا



تعارف تھا، جب کہ اس دور میں آدمی اس طرح کا خط اسی کو لکھتا ہے جس سے شناسائی ہوتی ہے اور اس سے دیرینہ تعلقات ہوتے ہیں۔ یہ ان کی کشادہ ظہنی کی بلاشبہ ایک بین دلیل ہے۔

اسی طرح گو کہ تحقیق و تنقید میں ان کا ایک مقام تھا، مگر کبھی بھی وہ اپنی تحقیق کو حرف آخربہیں سمجھتے تھے، بلکہ اپنے موقف پر نظر ثانی اور قبول حق کے لیے ہمیشہ تیار رہتے، حدیث افتراق امت کے موضوع پر اپنی تحقیق کو جب کتابی شکل دینی ہوئی تو مکمل وسعت ظہنی کا مظاہرہ کرتے ہوئے تحریر کیا:

”مجھے نہ ہمہ دانی کا زعم ہے اور نہ ہی دعویٰ عصمت، علوم اسلامیہ کا ایک معمولی طالب علم ہوں جس سے ہر قسم کی غلطی کا صد فی صد امکان ہے، لہذا اگر کوئی سنجیدہ اور علمی تنقید سامنے آتی ہے تو مجھے مقالے پر نظر ثانی کرنے اور غلطی واضح ہونے کی صورت میں اپنی خطا کے اعتراف اور قبول حق میں کوئی تاثر نہیں ہوگا۔“ (حدیث افتراق امت: ص: ۷، حرف آغاز)

حقیقت یہ ہے کہ مولانا اسید الحق قادری نے اپنی کم عمری میں وہ کام کیا جو بڑے بڑے اہل علم اپنی پیرانہ سالی میں بھی نہیں کر پاتے۔ ان کی تحقیق، تخریج، تعلیق و تفسیر، تہذیب و تنقیح، اور ترجمہ نگاری کے ساتھ شائع ہونے والی کتابوں کا ایک طویل سلسلہ ہے، جب کہ تصانیف ان کے علاوہ ہیں اور تاج الفحول اکیڈمی کے تحت ان کی نگرانی میں جو کام ہو رہا تھا اور جدید و دل کش انداز میں ماضی کے بزرگوں کی کتابیں جو منظر عام پر آرہی تھیں وہ بھی یقیناً آپ کا بڑا کارنامہ تھا۔

مارہرہ مطبرہ میں عرس قاسمی برکاتی کی مناسبت سے ”فکر و تدبیر کانفرنس“ میں ان کی گفتگو بڑی نئی تلی ہوتی تھی۔ سارے شرکاء گوش بر آواز ہوتے اور شرکائے کانفرنس میں ان کی اپنی ایک شناخت ہوتی۔

چہرے کا حسن و جمال، سنجیدہ لب و لہجہ، صالح فکر، متوازن گفتگو، معلومات افزا بیان، بزرگوں کا پاس و ادب، اقران و معاصر کا احترام، تواضع و انکساری یہ سب ان کے نمایاں اوصاف تھے۔

دو مرتبہ ان کی دعوت پر بدایوں شریف حاضری کا موقع ملا۔ ماشاء اللہ وہ اعزاز و اکرام جس کی یادیں آج بھی دل میں تازہ بنی ہوئی ہیں، عرس قادری میں زائرین کا اثر دہام، تقریبات عرس کا نظم و ضبط اور نمازوں کا اہتمام یقیناً قابل دید تھا، صبح فجر کی نماز میں تاحد نظر مصلیوں کی صف ہی صف نظر آرہی تھی، صبح صادق طلوع ہوتے ہی ہر طرف سے نماز کا اعلان ہو رہا تھا۔

یوں تو ہر دن دنیا میں ہزاروں کی تعداد میں لوگ آتے ہیں اور ہزاروں کی تعداد میں جاتے ہیں، مگر ان کے آنے سے نہ دنیا کو خوشی ہوتی ہے نہ جانے سے کوئی غم ہوتا ہے۔ لیکن کچھ بندگان خدا وہ ہوتے ہیں جن کا آنا باعث مسرت ہوتا ہے اور دنیا سے جانا رنج و الم کا سبب ہوتا ہے اور ان کی رحلت سے بے شمار آنکھیں اشکبار ہو جاتی ہیں، دل رنجیدہ ہو جاتے ہیں، مولانا اسید الحق قادری بھی انہی بندوں میں سے ایک تھے جن کی رحلت سے بے شمار دلوں پر غموں کا پہاڑ ثابت ہوئی، قلب و جگر مجروح ہوئے، آنکھیں اشکبار ہوئیں اور جماعت اہل سنت میں ایک عظیم خلا پیدا ہوا اور ایک کھرام برپا ہو گیا، بدایوں کی گلیوں میں سنانا چھا گیا، بازاروں کی رونق ختم ہو گئی۔

دعا ہے اللہ رب العزت ان کی قبر پر رحمت و غفران کی بارش نازل فرمائے اور ان کے درجات بلند فرمائے اور دینی خدمات قبول فرمائے اور پس ماندگان کو صبر و شکر کی توفیق عطا فرمائے اور قوم کو نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین □□□

☆ استاذ: الجامعۃ الاشرافیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ (یوپی)

امام اہل سنت، محقق علی الاطلاق، محدث کبیر، عاشق رسول

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی

کی حیات و خدمات پر ماہنامہ ”جام نور“ دہلی کا ایک ضخیم علمی و تحقیقی ”شیخ محدث نمبر“ جلد ہی منظر عام پر آ رہا ہے۔

A/c No:10177246529, A/c Name: Khushtar Noorani

State Bank Of India, Branch: Zakir Nagar, New Delhi

# ایک انساں میں ہزاروں اہل ہمت کا ثبات

مجھے علامہ اسید الحق کے عہد طالب علمی میں یہ یقین ہو چکا تھا کہ وہ اپنے آباؤ اجداد کی جائیگی کا حق ادا کریں گے

خبر وحشت اثر جنگل کی آگ کی طرح موبائل اور انٹرنیٹ کے ذریعے پوری دنیا میں پھیل گئی۔

جامعہ اشرفیہ میں کیا طلبہ، کیا اساتذہ، سبھی کے چہروں پر غم، افسوس اور اداسی کے آثار صاف نمایاں تھے، ہر طرف ایک ہڈ کا عالم تھا، ہرزبان پر مولانا اسید الحق کا ذکر اور چرچا تھا۔ نماز عشا کے فوراً بعد تعزیت اور ایصالِ ثواب کی تقریب ہوئی، جس میں کثیر تعداد میں طلبہ اور اساتذہ نے شرکت کی، قرآن خوانی کے بعد حضرت مولانا مسعود احمد برکاتی استاد جامعہ اشرفیہ نے مختصر تعزیتی خطاب کیا، جس میں خانوادہ قادریہ عثمانیہ بدایوں شریف کے اکابر کی دینی و علمی خدمات اور علامہ اسید الحق شہید علیہ الرحمہ کے گونا گوں اوصاف و محاسن اور علمی و دینی کارناموں پر روشنی ڈالی، پھر صلاۃ و سلام، ایصالِ ثواب اور دعا پر اس تعزیتی جلسے کا اختتام ہو گیا اور شاید علامہ اسید الحق کے سانحہ ارتحال پر ہونے والا یہ سب سے پہلا تعزیتی جلسہ ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ بظاہر جامعہ اشرفیہ سے مولانا اسید الحق قادری کا کوئی رشتہ نہ تھا، نہ وہ کبھی یہاں کے طالب علم رہے، نہ استاد، نہ یہاں کے کسی استاد یا ذمہ دار سے ان کا کوئی نسبی رشتہ تھا، مگر جامعہ کے دروہام اور مسجد کے محراب و منبر پر ایک اداسی چھائی ہوئی تھی، گویا وہ سب خانوادہ عثمانیہ بدایوں شریف کے غم میں برابر کے شریک، زبانِ حال سے مرثیہ خواں اور بتلائے آہ و فغاں ہیں اور حال کچھ یوں تھا:

حتى المحارب تبکی وہی جامدة

حتى السمنابر ترثی وہی عیدان

(محرابیں گریہ کنناں ہیں، حالاں کہ وہ جمادات سے ہیں اور منبر

مرثیہ خواں ہیں جب کہ وہ خشک لکڑیوں کے بنے ہوئے ہیں)

پتا چلا کہ جامعہ اشرفیہ اور اس کے متعلقین سے مولانا موصوف

ممتاز ناقد و محقق، عالم ربانی حضرت علامہ شیخ اسید الحق قادری عثمانی بدایونی رحمۃ اللہ علیہ، جنہیں ”رحمۃ اللہ علیہ“ کہتے ہوئے کلیجہ منہ کو آیا چاہتا ہے۔ دیارِ غوثِ اعظم میں شہادت کی موت پا کر لازوال سعادتوں اور خوش بختیوں سے ہم کنار ہو گئے، ان کی موت کے سانچے نے پوری جماعت اہل سنت کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔

مولانا مفتی محمد اسرائیل مصباحی خیر آبادی، استاد جامعہ صمدیہ، پھپھوند شریف نے ۲۴ مارچ کو بعد مغرب فون پر اطلاع دی کہ حضرت مولانا اسید محمد نور میاں مودودی چشتی اور حضرت مولانا مفتی محمد انفاس الحسن چشتی کے ذریعے ابھی معلوم ہوا کہ مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری بدایونی ازہری بغداد شریف سے کچھ دور ایک دہشت گردانہ حملے میں شہید ہو گئے، میں نے یہ جاں کاہ خبر سننے کے بعد ”انا للہ وانا الیہ راجعون“ تو ضرور پڑھ لیا، مگر اپنے کانوں پر اعتبار نہیں ہو رہا تھا، کبھی محسوس ہوتا کہ میں خواب دیکھ رہا ہوں، کبھی دل کو اس طرح تسلی دیتا کہ بہت سی خبریں غلط اور خلاف واقع ہوتی ہیں، خدا کرے یہ خبر بھی ایسی ہی ہو۔ لیکن خبر کا ذریعہ ان کے ماموں جان حضرت مولانا اسید نور میاں چشتی، پھپھوند شریف کی ذات تھی، اس لیے پہلی فرصت ہی میں میں نے حضرت مفتی محمد انفاس الحسن چشتی کو فون کیا، انہوں نے روتے ہوئے گلو گیر لہجے میں خبر کی تصدیق کی اور فرمایا کہ خبر بالکل صحیح ہے۔ خبر کی تصدیق کے بعد ذہن و دماغ ایسے متاثر ہوئے کہ ان سے آگے کی کوئی تفصیل معلوم کرنے کی پوزیشن میں نہ رہا۔

پہلی فرصت میں استاذ گرامی حضرت علامہ محمد احمد مصباحی، صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، حضرت علامہ یسین اختر مصباحی، دارالقلم دہلی اور اپنے اسٹاف کے بہت سے علمائے کرام اور دیگر اہل تعلق کو جلدی جلدی فون سے یہ الم ناک خبر سنائی، تھوڑی ہی دیر میں یہ

کے اگرچہ یہ ظاہری رشتے نہ تھے، مگر ایک ایسا رشتہ ضرور تھا جو ان سارے رشتوں سے زیادہ گہرا، مضبوط اور مستحکم تھا، وہ رشتہ تھا دینی، ایمانی، مسلکی، روحانی اور پُر خلوص محبت کا۔

اس رات صبح طریقیے پر مجھے نیند نہ آئی، رہ رہ کے وہ یاد آتے اور میں ایک لٹے پٹے بے سہارا اور مجبور مسافر کی طرح ان کی یادوں کی بھیڑ میں کھو جاتا۔ ان کا ہنستا، کھلکھلاتا ہوا پرکشش چہرہ، علمی ایقان اور روحانی عرفان سے لبریز سنجیدہ اور مدلل گفتگو کا طریقہ، موثر اندازِ مخاطب، مقصدیت سے پُر عالمانہ بات چیت اور صدیوں کے کامیاب خاندانی پس منظر کی پشت پناہی کے باوجود بے تکلف اور بے ساختہ تواضع اور انکسار، سب کچھ نگاہوں کے سامنے پھرتا رہا اور بار بار یہ شعر یاد آتا رہا:

ایک سینے میں ہزاروں دلوں کی کائنات

ایک انساں میں ہزاروں اہل ہمت کائنات

ان کی یادوں کے ہجوم میں میں ماضی کی طرف پلٹتا تو حافظے نے یاد دلائی کہ ان سے سب سے پہلی ملاقات اس وقت ہوئی تھی جب وہ امام علم و فن حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی پورنوی علیہ الرحمہ سے دارالعلوم نور الحق چہرہ محمد پور (ضلع فیض آباد یوپی) میں پڑھتے تھے اور میں دارالعلوم علیہ، جمد اشاہی، (ضلع بستی یوپی) میں خدمت تدریس پر مامور تھا۔ اتفاقاً ایک سال پہلے ہی دارالعلوم کے نصاب تعلیم میں جزوی ترمیم ہوئی تھی اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی علیہ الرحمہ کے لکھے ہوئے دو تاریخی عربی تصانیف ”مدائح فضل الرسول“ اور ”حمائد فضل الرسول“ درجہ خامسہ میں شامل نصاب ہوئے تھے، یہ دونوں تصانیف جمع الاسلامی، مبارک پور کے زیر اہتمام ”قصیدتان رائعتان“ کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔ یہ تصانیف، جیسا کہ ان کے ناموں سے ظاہر ہے، سیف اللہ المسلمول علامہ شاہ فضل رسول بدایونی اور ساتھ ہی ان کے فرزند ارجمند تاج الفحول علامہ شاہ عبد القادر بدایونی علیہما الرحمہ اور ان کے اہل خاندان کی شان میں لکھے گئے ہیں۔ ان کی تدریس کی ذمہ داری بھی میرے ناتواں کاندھوں پر تھی، ان کے حل کے لیے نہ کسی زبان میں کوئی شرح تھی اور نہ کوئی معاون کتاب، بہت سے اشعار میں باریک اشارے، لطیف کنایے اور تلمیحات تھیں۔ کچھ باذوق طلبہ کے اصرار پر میں نے پڑھانے کے ساتھ ساتھ

ترجمہ اور مختصر تشریح و توضیح کا کام بھی شروع کر دیا تھا، لیکن خانوادہ عثمانیہ بدایوں شریف کے اکابر و مشائخ کے احوال و آثار سے کما حقہ واقفیت نہ ہونے کی وجہ سے کبھی کبھار ایسا بھی ہوا کہ مجھے اس کتاب کا درس ایک دو دن کے لیے روکنا پڑا، جب دارالعلوم نور الحق چہرہ محمد پور میں مولانا اسید الحق قادری صاحب سے ملاقات ہوئی اور تعارف کے بعد معلوم ہوا کہ آپ امام احمد رضا قادری بریلوی کے مدد و حین گرامی کے خانوادے کے چشم و چراغ ہیں تو میں نے ان سے گزارش کی کہ مجھے ”اکمل التاریخ“ کی ضرورت ہے جو آپ کے خانوادے کے اکابر و متعلقین کے احوال و آثار کی تاریخ ہے، اور ادھر کہیں دستیاب نہیں ہے، لہذا آپ برائے مہربانی کسی بھی طرح اس کی فوٹو کاپی عنایت فرمائیں۔ مولانا موصوف نے نہ صرف پوری کشادہ ظہنی کے ساتھ اس کے بھیجنے کا وعدہ فرمایا، بلکہ اپنی قدیم خاندانی لائبریری ”کتب خانہ قادریہ“ سے اس کی فوٹو کاپی کرا کے بہت جلد مجھے بھیج دی اور ساتھ ہی متعلقہ معلومات پر مشتمل ایک شان دار خط بھی ارسال فرمایا جس میں ”قصیدتان رائعتان“ کے تعلق سے بہت سے اہم ادبی اور تاریخی گوشوں پر روشنی ڈالی تھی۔ مناسب معلوم ہوتا کہ خط کا متن بھی قارئین کرام کی بارگاہ میں پیش کر دوں تاکہ علامہ موصوف کی فطری صلاحیت، حیرت انگیز ذہانت اور ماضی الضمیر کی ادائیگی پر بھرپور قدرت کا کچھ اندازہ ہو سکے، خط کا متن یہ ہے:

مکرمی و محترمی..... سلام مسنون

الحمد لله علی کل حال

امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا!

حسب وعدہ ”اکمل التاریخ“ حاضر خدمت ہے۔ ان تصانیف کے متعلق چند اہم امور بھی ملاحظہ فرمائیں:

(۱) یہ دونوں تصانیف ۱۳۰۰ھ میں تصنیف کیے گئے، جیسا کہ

ان کے تاریخی ناموں سے ظاہر ہے۔

(۲) ان میں سے آخر والا یعنی والیہ ممدوح کے عرس منعقدہ

۱۳۰۰ھ میں خود فاضل مصنف نے عرس کی ایک محفل میں پڑھا۔

اس تصانیف کے آخر میں اس عرس کی تاریخ بھی بطور تلمیح ہے:

یا فضل عرس اما جد -

(۳) پہلے تصانیف یعنی نونیہ کا اصل نام مدائح فضل الرسول

ہے اور دوسرے کا اصل نام ”حمائد فضل الرسول“ ہے۔

(الف) حضرت ملک العلماء مولانا ظفر الدین بہاری نے فاضل بریلوی کی تصانیف کی ایک فہرست ”المجمل المعتمد لتالیفات المجدد“ کے نام سے مرتب کی تھی، اس میں ان دونوں قصائد کے نام ہیں۔ حمائد کے آگے مطبوعہ اور مدائح کے آگے مبیضہ تحریر ہے۔

(ب) عرس یعنی ۱۳۰۰ھ میں پڑھا جانے والا سارا کلام ”ماہ تابان اوج معرفت“ (۱۳۰۰ھ) کے نام سے شائع کر دیا گیا تھا۔ (اس کے بعض صفحات کا عکس بھی حاضر خدمت ہے) اس میں قصیدہ دالیہ بھی مطبوع ہے، اس لیے ظاہر ہے کہ حمائد فضل الرسول یہی دالیہ ہو اور مدائح (جو غیر مطبوعہ تھا) نونیہ ہو۔

(۳) بہتر یہ ہے کہ اس بار یہ قصائد اپنے اصل نام سے شائع ہوں۔ سرورق پر یوں لکھا جائے:

قصیدتان رانعتان یعنی مدائح فضل الرسول وحمائد فضل الرسول۔

(۵) قصیدہ اولیٰ میں دعا کے بعد حضرت ممدوح کے صاحب زادہ و جانشین حضرت تاج الفحول محبت رسول مولانا عبدالقادر قادری بدایونی قدس سرہ (والد گرامی کے حقیقی دادا) کی مدح کی طرف سے اس شعر سے گریز کیا گیا ہے:

تم الدعاء فارجع غنیا غانمًا

واقصد سمي السيد البغداني

حاشیہ میں حضرت تاج الفحول کی بھی سوانح آنا ضروری ہے جو اکمل التاریخ میں موجود ہے۔ مزید دیکھیں فتاویٰ رضویہ جلد ششم ص: ۳۶۶، ۳۶۷، اور جلد دو از وہم ص: ۱۳۰، ۱۳۱ (رضا اکیڈمی) اور المعتمد والمستند ص: ۱۲۱ (ترکی)

(۶) حضرت تاج الفحول کی شان میں حضرت فاضل بریلوی نے ایک مستقل قصیدہ اردو میں ”چراغ انس“ (۱۳۱۵ھ) کے نام سے لکھا ہے ان شاء اللہ اس کو بھی ارسال کروں گا۔

(۷) قصیدہ اولیٰ کے اخیر میں ایک مصرعہ ”ومحبه ومطیغہ بحنان“ بھی ہے۔ اس میں لفظ محبت سے کنایہ حضرت تاج

الفحول کی طرف ہے (ان کا نام محبت رسول تھا کما مر) اور لفظ مطیغ سے کنایہ حضرت تاج الفحول کے صاحب زادہ وقتہ السائکین حضرت مولانا عبدالقادر مطیغ الرسول (میرے دادا کے بھائی) کی جانب ہے۔

اس کے علاوہ بھی اگر کسی شعر میں شبہ ہو تو مطلع فرمائیں۔ خط کے جواب اور کتاب کی وصول یابی سے ضرور مطلع فرمائیں۔

شکریہ

فقط

بدنام کنندہ ٹکونامے چند

اسید الحق

احقر طلبہ مدرسہ عالیہ قادریہ

۱۳ اکتوبر ۱۹۹۷ء

پس نوشت: قصیدہ ثانیہ میں ایک شعر ہے:

”انظر بوارقه اذا برقت بعليا فرقد“

اس میں حضرت ممدوح کی ایک کتاب ”بوارق محمدیہ لرحم الشیاطین النجدیہ“ کی طرف اشارہ ہے۔ قصیدہ اولیٰ میں بھی ایک جگہ ”بوارق“ کا لفظ آیا ہے، وہاں بھی یہی معاملہ ہے۔

”فضل الرسول موبد“ (۱۲۸۹ھ) اس مصرعہ میں حضرت ممدوح کی تاریخ وصال برآمد ہوتی ہے۔

اسید الحق

اس خط کو میں نے کئی بار پڑھا، ہر مرتبہ دل کی اتھاہ گہرائیوں سے ان کے لیے دعائیں نکلیں اور میں نے محسوس کیا کہ موصوف، حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمہ کے قول:

”بالاے سرش زہوش مندی

می تافت ستارہ سربلندی“

کے سچے مصداق ہیں اور ان شاء اللہ یہ مستقبل قریب میں اپنے خانوادے کی مزید نیک نامی کا ذریعہ بنیں گے اور اپنے آبا و اجداد کی جانشینی کا حق ادا کریں گے۔

۱۰ جنوری ۱۹۹۸ء کو میں شعبہ عالیہ کے استاد کی حیثیت سے



جامعہ اشرفیہ مبارک پور آگیا، اسی سال اکتوبر کے آخری عشرے میں تاج الفحول اکیڈمی، خانقاہ قادریہ، بدایوں شریف کے زیر اہتمام ”جشن صد سالہ تاج الفحول“ کا انعقاد ہوا۔ مقالہ نویسی اور سیمینار میں شرکت کے لیے مجھے بھی دعوت نامہ ملا، ایک مختصر سا مقالہ بہ عنوان: ”حضرت تاج الفحول، ارباب علم و دانش کی نظر میں“ لکھ کر میں بھی سیمینار اور دیگر تقریبات جشن میں شریک ہوا، مولانا موصوف نے دیگر علمائے کرام کے ساتھ میرا بھی بڑا پر تپاک خیر مقدم کیا، نہایت خوش اخلاقی اور اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کیا اور توقع سے کہیں زیادہ خاطر تواضع کی۔ اس جشن صد سالہ کے اجلاس عام میں آپ کو نقیب الاشراف فضیلۃ الشیخ احمد ظفر گیلانی، سجادہ نشین خانقاہ قادریہ، بغداد شریف اور دیگر علماء و مشائخ کے ہاتھوں دستار فضیلت سے بھی نوازا گیا۔ اس موقع پر آپ کے ماموں جان حضرت سید محمد منظر چشتی نے اپنی لکھی ہوئی ایک تہنیتی نظم بھی پڑھی تھی، جس کے کچھ اشعار اس طرح تھے:

خدا کے فضل کا سر پر تمہیں سہرا مبارک ہو  
نبی کے علم سے پایا ہے جو حصہ مبارک ہو  
شہ بغداد کے الطاف کا سایہ مبارک ہو  
کرم بھی ہند کے سلطان کا بھتیجا مبارک ہو  
مبارک ہو، مبارک ہو، مبارک ہو، مبارک ہو۔

شہ برکات کی برکات بے حد تم نے پائی ہیں  
ہو امیں روح کی تسکین کا سامان لائی ہیں  
برسنے کو گھٹائیں رحمتوں کی آج آئی ہیں  
تمہیں سالم میاں عالم ہوا بیٹا مبارک ہو  
مبارک ہو، مبارک ہو، مبارک ہو، مبارک ہو

ضیائے علم سے تابندگی ہے اس گھرانے میں  
تمہارے علم کی بھی ہوگی شہرت اب زمانے میں  
میں کہنا چاہتا ہوں تم سے یہ اپنے فسانے میں  
نیابت اعلیٰ حضرت کی تمہیں پانا مبارک ہو  
مبارک ہو، مبارک ہو، مبارک ہو، مبارک ہو

ضیائے علم سے روشن تمہیں دنیا ہے فرمانی  
مدد فرمائیں گے ہر جا تمہاری غوث صدائی  
یہ عبدالمقتدر سرکار کی ہے نور افشانی  
یہ سہرا علم کا اے قادری دولہا مبارک ہو  
مبارک ہو، مبارک ہو، مبارک ہو، مبارک ہو

یہ سچا قول ہے تاریخ دہراتی ہے اپنے کو  
بہت بے چین ہے باو صبا یہ بات کہنے کو  
کہ تم نے کر دیا پورا میاں سالم کے سنے کو  
تمہیں گزری ہوئی تاریخ دہرانا مبارک ہو  
مبارک ہو، مبارک ہو، مبارک ہو، مبارک ہو

اس کے بعد مولانا موصوف نے اعلیٰ تعلیم کے لیے عالم اسلام کی سب سے عظیم اور قدیم یونیورسٹی جامعۃ الازہر الشریف، قاہرہ، مصر میں داخلہ لیا اور کئی سال وہاں رہ کر تفسیر و علوم قرآن کی تعلیم حاصل کی اور افتاء میں تخلص کیا۔

پھر جب وہ جامعہ ازہر سے علم و تحقیق کے اسطوں سے مسلح ہو کر تحریر و تنقید اور بحث و تحقیق کی رزم گاہ میں اترے تو ماہ نامہ ”جام نور“ دہلی کے پلیٹ فارم سے حیرت انگیز برق رفتاری کے ساتھ اپنی مقبولیت کا سفر شروع کیا، ان کی تحریریں زبان و بیان، تحقیق و تفحص، اعتدال و توازن ہر زاویے سے اہل علم اور ارباب ذوق کے لیے جاذبیت کا باعث بنیں، ان کے چند واقع مضامین اور پُرکشش مقالوں کے پڑھنے کے بعد میں بھی ان کے حلقہ بگوشوں میں شامل ہو گیا۔

”خامہ تلاشی“ جام نور کا ایک بڑا اہم اور مفید کالم تھا جو ”ابوالفیض معینی“ کے نام سے لکھا جاتا تھا، جام نور میں اس کالم کا آغاز اپریل ۲۰۰۵ء سے ہوا اور دسمبر ۲۰۰۶ء تقریباً پونے دو سال تک یہ سلسلہ خیر و برکت چلا۔ جام نور اپریل ۲۰۰۶ء کے ”تحریری مباحثہ“ کے کالم میں ایک بار میں نے بھی قلمی شرکت کی تھی جس کا عنوان تھا: ”کیا مدارس میں عربی کی تدریس اصلاح کا تقاضا کرتی ہے؟“ یوں تو جام نور ملنے کے بعد ادارہ یہ اور خامہ تلاشی کے کالم سب سے پہلے پڑھا کرتا تھا، مگر اس بار

اشتیاق کچھ زیادہ ہی تھا کہ دیکھیں ابو الفیض معینی صاحب کے خامہ زرنگار اور تیشہ تنقید نے میرا کیا حشر کیا ہے؟ مگر جب اس کالم کو پڑھنا شروع کیا تو ابو الفیض معینی کی گونا گوں صلاحیتوں کے ساتھ ان کے فکری اعتدال و توازن، انصاف پسندی اور حوصلہ افزائی کا قائل ہو گیا، انھوں نے لکھا تھا:

”اس مرتبہ ”تحریری مباحثہ“ کا عنوان ہے: ”کیا مدارس میں عربی کی تدریس اصلاح کا تقاضا کرتی ہے؟“ اس میں مولانا ..... بغدادی، مولانا نفیس احمد مصباحی اور مولانا ذکی اللہ مصباحی نے اپنی اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔ مولانا ..... صاحب کے نام کے ساتھ ”بغدادی“ کی نسبت سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ غالباً عراق کے کسی جامعہ سے فارغ ہیں اور شاید ابھی ”تازہ وار و بساط عشق“ ہیں، ان کے قلم کی کاٹ، غضب ناک لہجہ اور خطرناک تیور اس بات کی گواہی دے رہے ہیں کہ وہ عربی زبان و ادب کی تعلیم میں ہندوستان کے مدارس اسلامیہ کو بھی بغداد و سامری کے عربی جامعات کے ہم پلہ دیکھنا چاہتے ہیں، البتہ مولانا نفیس احمد مصباحی صاحب کی تحریر میں اعتدال و توازن کا عنصر غالب ہے، مولانا نے تمہید میں مدارس اسلامیہ کے موجودہ نصاب کی غرض و غایت کا حقیقت پسندانہ تجزیہ کیا ہے، اور آخر میں تحریر بھی قابل مطالعہ ہے۔“ (خامہ تلاشی، ص: ۸۸، ادارہ فکر اسلامی، دہلی، دسمبر ۲۰۰۹ء)

حیدرآباد، دکن کا پتا دیکھ کر کافی دنوں تک میں اوز میرے احباب یہی سمجھتے رہے کہ ابو الفیض معینی صاحب، حیدرآباد، دکن کی کوئی ہمہ جہت اور ہر فن مولانا شخصیت ہیں۔ لیکن دل کو اس پر مکمل اطمینان نہیں ہوتا تھا کیوں کہ اسلوب تحریر، پیرایہ ادا اور زبان و بیان کا رنگ و آہنگ پکار پکار کے یہ کہتا تھا کہ ”خامہ تلاش“ کا تعلق جنوبی ہند سے نہیں ہے بلکہ وہ صوبہ اتر پردیش ہی کا کوئی ماہر، تجربہ کار، ہمہ جہت صلاحیتوں کا مالک دیدہ و رناقد اور محقق قلم کار ہے۔ پھر ”خامہ تلاشی“ کا کالم بند ہونے کے چھ مہینے کے بعد جام نور کے جولائی ۲۰۰۷ء کے شمارے میں ”مدیر جام نور کی ابو الفیض معینی سے ملاقات“ کے عنوان سے ان کا انٹرویو شائع ہوا جس سے سب پر ظاہر ہو گیا کہ ابو الفیض معینی کوئی اور نہیں، جام نور کے

مشہور قلم کار، خانوادہ عثمانیہ بدایوں کے چشم و چراغ، فاضل جامعہ ازہر، مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری ہی ہیں۔

میں کیا؟ اور میری حقیقت کیا؟ سچی بات تو یہ ہے کہ بڑے بڑے دیدہ و در علما، محققین، ادبا اور زبان و ادب کے نکتہ رس حضرات بھی ابو الفیض معینی کی صورت میں مولانا اسید الحق بدایونی شہید سے متاثر ہوئے، اپنی بات کی تصدیق کے لیے میں یہاں دو چوٹی کے دیدہ و ر ناقد و محقق قلم کاروں کے تاثرات پیش کرتا ہوں:

صدرالعلماء حضرت علامہ محمد احمد مصباحی، صدرالمدربین جامعہ اشرفیہ، مبارک پور فرماتے ہیں:

”مولانا تعالیٰ ان (ابو الفیض معینی) کے درجات بلند فرمائے اور ہم میں ان کے امثال زیادہ فرمائے..... میں معینی صاحب کی علمی وسعت نظر اور گونا گوں صلاحیتوں کا عام قارئین سے کچھ زیادہ ہی معترف ہوں، اور ان کی اس خوبی کو بھی بنظر استحسان دیکھتا ہوں کہ نوجوان اہل قلم کی ہمت افزائی اور رہنمائی کے لیے ان کی تحریروں کو خاص توجہ دے کر اپنی مدح و تنقید کا نشانہ بناتے ہیں، بلکہ تنقید کم، تعریف، اصلاح اور حوصلہ افزائی زیادہ ہوتی ہے، تاکہ اس زمانہ قحط الرجال میں جو چند افراد قرطاس و قلم سے وابستہ ہوئے ہیں، آئندہ بھی وابستہ رہیں، ساتھ ہی ان کی تحریروں میں پختگی اور جلا بھی پیدا ہوا۔“

(مکتوب بنام مولانا خوشتر نورانی مدیر جام نور، مورخہ ۲۵ شعبان ۱۴۲۷ھ مطابق ۱۹ اگست ۲۰۰۶ء)

شرف ملت حضرت سید محمد اشرف قادری برکاتی (خانقاہ برکاتیہ، بڑی سرکار، مارہرہ مطبرہ) فرماتے ہیں:

”آزادی کے بعد کے دور میں مذہبی صفحات میں تنقید و تبصرے کی روایت تو یقیناً ملتی ہے، لیکن جام نور کے صفحات میں مستقل کالم کے طور پر عزیز گرامی قدر مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری کی ”خامہ تلاشی“ نے قارئین کے دل میں جیسی جگہ بنائی، اس کی مثال عنقا ہے۔ ”تجلی“ کے کالم ”مسجد سے خانے تک“ کا موازنہ بے سود ہے کہ اس کالم میں قاری کے لیے دلچسپی کا سبب وہ عناصر تھے جنہیں سنجیدہ اور متین ادب میں

احسن نہیں تصور کیا جاتا، مثلاً شخصی حملے، ذاتی عناد، برہمی اور پھلو پن۔

”خامہ تلاشی“ کے قبول عام میں جن عناصر نے حصہ لیا وہ ہر کس و ناکس کے بس میں نہیں ہیں۔ گہرا علم، وسیع معلومات، سخن فہمی، عمدہ نثر کا استعمال، صحت زبان، منطقی طریقہ کار، طنز کا شائستہ انداز، ظریفانہ ذوق، بے باکی (گستاخی نہیں) احساس توازن، پاس اعتدال، ”خیال خاطر احباب“ اور..... ظرف نگاہ۔ یہ آخری بات کسی کسی کو نصیب ہوتی ہے، سنجیدہ متین اور علمی تحریر کے اُفق پر ظرافت کی رو پہلی چمک نے ان کالموں کو یادگار بنا دیا ہے۔

مندرجہ بالا عناصر کہیں یکجا ہو بھی جائیں تب بھی بات نہیں بنتی جب تک سینے میں آگ نہ روشن ہو۔ جذبے کی یہی گرمی تو ایسے جاندار اور معنی خیز الفاظ بنتی ہے جو ہمیں اس تحریر میں نظر آتے ہیں جو سید شمیم گوہر کے تبصرے پر راجہ رشید محمود کی برہمی کے جواب کے طور پر معرض وجود میں آئی۔

مدیر جام نور مولانا خوشتر نورانی مبارک باد کے مستحق ہیں کہ ان کے پیہم اصرار پر فاضل مصنف نے یہ کالم سپرد قلم کیے جو اب ہماری مذہبی صحافتی تاریخ کا خوبصورت اور بامعنی حصہ ہیں۔ ان دلکش تحریروں کے مصنف خانقاہ قادریہ، بدایوں شریف کے فرزند جلیل مولانا اسید الحق قادری کے لیے بے شمار دعائیں کہ ابھی انھیں بہت سے چراغ روشن کرنا ہیں۔“

(پشت کتاب: ”خامہ تلاشی“ ادارہ فکر اسلامی، دہلی، ۲۰۰۹ء)

فون پر کبھی کبھار ان سے تبادلہ خیال بھی ہوتا تھا۔ ۲۰۰۹ء کے اواخر میں ایک دن فون پر گفتگو کے دوران انھوں نے بتایا کہ ”مارچ ۲۰۱۰ء میں والد گرامی حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری (زیب سجادہ خانقاہ قادریہ، بدایوں شریف) کے عہد سجادگی کو پچاس سال مکمل ہونے جا رہے ہیں، اس دوران حضرت کی گونا گوں زریں خدمات کے تسلسل کو دیکھتے ہوئے بعض وابستگان سلسلہ قادریہ نے یہ خواہش ظاہر کی کہ اس موقع پر نہایت تزک و احتشام سے ”پچاس سالہ جشن سجادگی“ منایا جائے، اور اس زریں موقع پر اکابر خانقاہ قادریہ اور علمائے مدرسہ قادریہ

کی پچاس کتابیں جدید آب و تاب اور موجودہ تحقیقی و اشاعتی معیار کے مطابق شائع کی جائیں، تاکہ یہ پچاس سالہ جشن یادگار بن جائے اور خانقاہ قادریہ کی اشاعتی خدمات کی تاریخ میں یہ جشن ایک سنگ میل ثابت ہو۔ اللہ کا شکر ہے کہ یہ اشاعتی منصوبہ منظور ہو گیا ہے، اور اس وقت اسی کی تکمیل کے لیے شب و روز ایک کرنے پڑ رہے ہیں۔“

یہ سننے کے بعد میں نے حوصلہ افزائی کے لیے کچھ تعریفی کلمات کہے، اور پیشگی مبارک باد دی اور دل ان کی فکری عظمت، مومنانہ فراست اور قائدانہ بصیرت کا پہلے سے کہیں زیادہ معترف ہو گیا، اور پھر دنیائے یہ بھی دیکھا کہ اس دھن کے پکے مرد مجاہد نے جو منصوبہ بنایا تھا وہ صرف منصوبہ ہی نہ رہا بلکہ وہ عملی شکل میں دنیا کے سامنے آ گیا، اور ۱۴۳۱ھ مطابق ۲۰۱۰ء میں پچاس کتابوں کی اشاعت کا مقررہ ہدف تکمیل آشنا ہو گیا۔ پھر تین سال بعد ۱۴۳۳ھ / ۲۰۱۳ء میں حضرت علامہ شاہ مطیع الرسول محمد عبدالمقتدر قادری بدایونی علیہ الرحمہ کے وصال کے سو سال مکمل ہونے پر ان کے صد سالہ عرس کے موقع پر تاج الفحول اکیڈمی کے اشاعتی سفر کی سونزلیں پوری ہو گئیں اور اکیڈمی سے شائع ہونے والی کتابوں کی تعداد سو تک پہنچ گئی۔

یوں تو مولانا موصوف کی ساری تحریروں دل کش، معیاری اور متاثر کن ہیں لیکن درج ذیل کتابوں نے مجھے کچھ زیادہ ہی متاثر کیا:

☆ خیر آبادیات، ☆ عربی محاورات، ☆ قرآن کریم کی سائنسی تفسیر، ☆ خامہ تلاشی، ☆ مقدمہ ”قصیدتان رائعتان۔“

میں نے خاص طور پر موصوف کی شخصیت میں جو متاثر کن امتیازی اوصاف دیکھے وہ کچھ اس طرح ہیں:

- (۱) حقائق کی تلاش و جستجو اور تحقیق و تفتیش کے بعد بات کہنے کی عادت۔
- (۲) مافی الضمیر کی آسان عصری اسلوب میں تعبیر و تریل۔
- (۳) دل کش پیرایے اور بے اعتماد لہجے میں اپنی رائے کا اظہار۔
- (۴) جدید نافع کے ساتھ قدیم صالح کے دامن سے مضبوط وابستگی۔
- (۵) تحریر و تقریر دونوں میں اعتدال، توازن، اور انصاف پسندی۔
- (۶) غیروں کے ساتھ اپنوں کی اصلاح کی بھی مخلصانہ جدوجہد۔

(۷) علم و عقل اور معرفت و بصیرت کی خوش گوار جامعیت۔

(۸) ہر لمحہ احساس توازن، پاس اعتدال اور خیال خاطر احباب۔

(۹) اصغر کی حوصلہ افزائی، اکابر کا احترام اور احباب کی دلجوئی

اور اکرام۔

(۱۰) اپنے خانوادے کی دیرینہ روایت کے مطابق شہنشاہ بغداد

سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے والہانہ عقیدت اور ان کی اولاد اور جانشینوں سے مسلسل رابطہ۔

اللہ تعالیٰ نے دنیا ہی میں انھیں اس والہانہ تعلق اور حسن عقیدت کا یہ صلہ عطا فرمایا کہ دیار غوث اعظم میں نعمت شہادت سے سرفراز فرما کر ہمیشہ کے لیے سرکار غوث اعظم کے قدموں میں جگہ عنایت فرمادی۔ موصوف کی یہ سعادت ایسی قابل رشک ہے کہ اس پر ہزاروں سعادتیں قربان ہیں۔

یہ شہادت ان کے لیے ضرور باعث صد سعادت ہے، لیکن اس سانچے نے پوری جماعت اہل سنت کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا، خاص طور سے جوان اور نوجوان علما اور قلم کاروں کو جن کے لیے آپ کی ذات ایک آئیڈیل اور نمونہ عمل تھی، ان کی رحلت سے ایک آباد انجمن ویران ہو گئی۔ بقول حماسی شاعر ہشام بن عقبہ عدوی:

نَعَوًا بِأَسْقِ الْأَفْعَالِ لَا يَخْلِفُونَهُ  
تَكَادُ الْجِبَالُ الصُّمُّ مِنْهُ تَصَدَّعُ  
خَوَى الْمَسْجِدُ الْمَعْمُورُ بَعْدَ ابْنِ ذَلْهَمِ  
وَأَمْسَى بِأَوْفَى قَوْمِهِ قَدْ تَضَعَعُوا

(آنے والوں نے ایسے بلند کارناموں کے حامل نوجوان کے موت کی خبر سنائی جس کے وہ نائب و جانشین نہیں ہو سکتے، قریب ہے کہ اس کی وجہ سے سخت اور مضبوط پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں۔

اونی ابن دلہم کے بعد آباد مسجد ویران ہو گئی اور اس سانچے سے اس کی قوم میں بھونچال آ گیا۔)

اس کا سانچہ ارتحال بلاشبہ ”موت العالم موت العالم“ کا مصداق ہے اور بقول حماسی شاعر عبدہ بن الطیب:

فَمَا كَانَ قَيْسٌ هَلُكُهُ هَلُكًا وَاحِدًا  
وَلَكِنَّهُ بُنْيَانُ قَوْمٍ تَهْتَدُوا

(قیس بن عاصم کی موت فرد واحد کی موت نہیں، بلکہ وہ قوم کی عمارت تھے جو ڈھ گئی۔)

آخر میں ڈاکٹر شکیل اعظمی صاحب کے وہ اشعار ان کی بارگاہ میں پیش کرتے ہوئے اپنی بات ختم کرتا ہوں جو انھوں نے شارح بخاری علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ کی شان میں کہے تھے:

تیرے علمی کارنامے بخششیں گے تجھ کو دوام  
آب زریں سے لکھے گا کل مورخ تیرا نام  
تو نے نسل نو کو بخشا ہے شعور علم و فن  
ہے تری ذات گرامی لائق صد احترام

□□□

☆ استاذ: الجملة الاشراف، مبارک پور، اعظم گڑھ (یوپی)

**بقیہ: حیات قابل تحریک اور مہمات قابل صد رشک:** اور پھر یہ بھی تو دیکھیے کہ محبوب مکرم بھی ایسے ہیں، جو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ الطاف و کرم اور بے پایاں نوازشات و عنایات سے مقام ولایت کے اوج ثریا پر فائز ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے وسیلے سے شہید بغداد پر تاجدار مدینہ کے فیوض و برکات کی بارشیں ہر لمحہ ہو رہی ہیں۔ کیا قسمت پائی ہے، ہم تو روضہ انور کی ایک جھلک دیکھنے کو ترس رہے ہیں اور وہ ہیں کہ جلوہ انور کی تابانیوں سے نگاہیں ہٹی ہی نہیں کہ دوبارہ دیکھنے کی نوبت آئے اور میرا وجدان تو پکار رہا ہے کہ اب وہ وہاں ہیں، جہاں سے شہر مدینہ کا فاصلہ بھی گھٹ کر چند گزرہ گیا ہے۔ پلک جھپکتے کبھی ریاض الجنہ کی سرسبز و شاداب وادی میں اور کبھی اپنے مستقر اصلی میں..... نہیں، بلکہ یوں رخ گھمایا اور جلوہ محبوب سے شاد کام ہو گئے اور ذرا سا رخ گھمایا اور مرکز عقیدت کو نین کے جلوہ ہائے تاباں کی زیارت سے کھل اٹھے۔ یہ اور بات کہ یہ احساس ہمارے زلوں میں ہمیشہ زندہ رہے گا کہ ہم کفار و مشرکین کے درمیان مکہ میں محفوظ رہے اور تم مدینہ جا کے شہید ہو گئے۔ واہ رے اسید الحق! کیا حیات تھی اور کیا مہمات ہے؟ بہتوں کی حیات پر لوگ ناز کرتے ہیں اور بہتوں کی مہمات پر بھی ناز کرنے والے کم نہیں، مگر تاریخ اسلامی میں ایسے خوش نصیب انگلیوں پر گنے چنے ہوں گے، جن کی حیات قابل مبارک باد ہو اور مہمات بھی قابل صد رشک۔ □□□

☆ استاذ: لون اشار کالج، جیوشن (امریکہ)



# عزائم اور منصوبوں کے اک جہان کی موت

مولانا اسید الحق قادری نے اپنے علم و فن اور اخلاق و کردار سے ایک جہاں کو اپنا شیدائی بنا لیا تھا

بزرگوں کے مزارات پر لے کر پہنچے تو دل و دماغ نے بڑا گہرا اثر قبول کیا۔ مولانا اسید الحق قادری کے تعلق سے قدیم تعارف تھا مگر ملاقات کا یہ پہلا موقع تھا۔

عام روایت یہی ہے کہ دنیا سے جانے والوں کو اچھے القاب و خطابات سے یاد کیا جاتا ہے، مگر اس وقت جو ہم لکھ رہے ہیں، وہ اس روایت کی پابندی نہیں بلکہ دل کی آواز ہے۔ مولانا اسید الحق قادری کی شہادت نے واقعی اہل سنت کے درمیان کبھی نہ ختم ہونے والا خلا پیدا کر دیا ہے۔

مولانا اسید الحق قادری علیہ الرحمہ کی دستارِ فضیلت تاج الفحول حضرت علامہ عبدالقادر بدایونی کے صد سالہ جشن میں ہوئی تھی۔ اس کانفرنس میں بڑی تعداد میں مشائخ عراق اور مفتی اعظم عدنان وغیرہ شخصیات نے بھی شرکت فرمائی تھی۔ اس جشن میں نقیب الاشراف حضرت شیخ احمد ظفر گیلانی سجادہ نشین آستانہ غوث اعظم بغداد شریف نے اپنے دست مبارک سے مولانا اسید الحق قادری کو جب پہنا کر جب علامہ شریف باندھا تو پوری فضا نعروں کی گونج سے جھوم اٹھی۔ اس کانفرنس میں شرکت فرمانے والے علما اور مشائخ کی تعداد زیادہ تھی۔ اس موقع پر مولانا منظر چشتی (آستانہ عالیہ صمدیہ مصباحیہ پھونڈ شریف) نے منظوم

ہدیہ تبریک پیش فرمایا تھا، اس کا ایک بند ذیل میں پڑھیے:

یہ سچا قول ہے تاریخ دہرائی ہے اپنے کو  
بہت بے چین ہے بادِ صبا یہ بات کہنے کو  
کہ تم نے کر دیا پورا میاں سالم کے سنے کو  
تمہیں گزری ہوئی تاریخ دہرائی مبارک ہو  
مبارک ہو، مبارک ہو، مبارک ہو، مبارک ہو

ہندوستان سے تعلیم مکمل کر کے آپ مصر گئے اور وہاں سے اعلیٰ تعلیم سے فراغت کے بعد ہندوستان لوٹے اور مدرسہ عالیہ قادریہ بدایوں

۴ مارچ ۲۰۱۳ء کو بعد نماز مغرب خانقاہ قادریہ بدایوں کے چشم و چراغ حضرت مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری کے تعلق سے یہ اندوہ ناک خبر ملی کہ وہ بغداد شریف کے قریب دہشت گردوں کے حملے میں شہید ہو گئے۔ یہ خبر سن کر پہلے تو یقین نہیں آیا لیکن مختلف مقامات سے جب یہی فون آنے لگے اور اطمینان خاطر کے لیے ہم نے بھی مختلف مقامات پر فون کیے تو یقین ہوا اور زبان سے آیتِ استرجاع دوہرائی۔ مولانا تعالیٰ تنقید و تحقیق کے اس ابھرتے ستون کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین

افسوس راقم سطور ذہنی اور فکری طور پر بے حد محزون و مغموم ہے، مضامین کے انبار ہیں مگر دل و دماغ انتخاب کرنے سے قاصر ہیں کہ کیا لیا جائے اور کیا چھوڑا جائے۔ اب تو صرف ایک ہی بات بار بار دل و دماغ میں گشت کر رہی ہے کہ مولانا تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کے طفیل شہید مکرم کو حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی کے خوشہ چینوں میں شامل فرمائے اور والدین کریمین، اہل تعلق اور اہل محبت کو صبر و شکر کی توفیق سے سرفراز فرمائے۔ آمین

راقم سطور بدایوں شریف متعدد بار حاضر ہوا، لیکن کبھی خانقاہ قادریہ جانے کا اتفاق نہیں ہوا، یہ شاید جشن صد سالہ ۱۹۹۸ء سے پہلے کی بات ہے کہ اپنے ایک عزیز کے ساتھ خانقاہ عالیہ قادریہ میں حاضری کا شرف حاصل ہوا، اس وقت آفس میں علامہ اسید الحق قادری، مفتی عبد الحکیم نوری، جناب یسین علی عثمانی وغیرہ موجود تھے، یہ حضرات اس خادم کو دیکھ کر پھڑک گئے، مولانا اسید الحق قادری نے واقعی اپنی محبت کا حق ادا کر دیا، ناشتے اور کھانے سے فراغت کے بعد آپ مجھے بدایوں کے معروف مزارات پر لے گئے، خانقاہی اکابر سے آپ کے تعلقات دیکھ کر ہم بے پناہ متاثر ہوئے اور خاص طور پر جب آپ اپنی خانقاہ کے

کر دیا۔ مولانا محمد حنیف خاں رضوی بریلوی نے امام احمد رضا محدث بریلوی کی کتابوں سے احادیث اور تفاسیر کا ذخیرہ اخذ فرمایا اور حق یہ ہے کہ تحقیق و تدوین کا حق ادا کر دیا۔ ایک مقام پر ایک حدیث کا ترجمہ تو ملا مگر اس حدیث کا متن نہیں ملا، یہ ان کی دیانت داری تھی کہ انہوں نے اس مقام پر بیاض چھوڑ دی کہ اگر کسی محقق کو حدیث مل جائے تو اسے رقم کر دیں اور مرتب کو مطلع فرمادیں۔ اس پر مولانا اسید الحق قادری کی نظر پڑی، آپ نے معمولی محنت سے اس حدیث کو تخریج کیا اور اسے ماہ نامہ ”جام نور“ دہلی میں بغرض اشاعت بھیج دیا۔ حیرت و مسرت یہ ہے کہ صرف سرسری طور پر نہیں بلکہ باضابطہ مولانا محمد حنیف رضوی کی محنتوں کو سراہا، انھیں مبارک باد دی اور اسی حوالے سے عالم عرب اور جامعہ ازہر مصر کا حوصلہ افزا رویہ بھی ظاہر کیا۔

جامع الاحادیث کے مرتب نے اپنے مقدمہ میں تحریر فرمایا ہے: ”پوری کتاب میں صرف ایک حدیث ایسی ہے جس کا متن مجھے نہیں مل سکا، اس کے لیے بیاض چھوڑ دی گئی ہے کہ اگر کسی صاحب کو وہ متن مل جائے تو اپنے نسخے میں تحریر کر لیں اور ہمیں مطلع فرمائیں، ہم شکریہ کے ساتھ آئڈیشن میں شائع کر دیں گے۔“

(جامع الاحادیث، مقدمہ ص: ۱۲، امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی)

مولانا اسید الحق قادری لکھتے ہیں:

”یہ عبارت پڑھ کر میں مرتب کی کشادہ قلبی اور علمی امانت و دیانت کا قائل ہوئے بنا نہیں رہ سکا، اگر وہ سرے سے اس حدیث کا ذکر ہی نہیں کرتے تو کون ان سے باز پرس کر سکتا تھا کہ ایک حدیث آپ نے درج نہیں کی ہے اور پھر فطری طور پر مجھے یہ تجسس بھی ہوا کہ آخر وہ کون سی حدیث ہے جو ایسے وسیع المطالعہ مرتب کی نگاہ سے بھی اوجھل رہی، تھوڑی سی تلاش کے بعد آخر وہ مقام مل گیا جہاں متن کے لیے بیاض خالی چھوڑی گئی ہے، جس حدیث کا متن نہیں مل سکا، وہ یہ ہے:

حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، فرشتہ جو رحم زن پر موکل ہے جب نطفہ رحم میں قرار پاتا ہے اسے رحم سے لے کر اپنی

میں تدریس شروع فرمائی اور اپنے خاص انداز اور امتیازی نصاب سے طلبہ کو فارغ کیا۔ آپ عظیم محقق، بلند پایہ ناقد اور حیرت انگیز ترجمہ نگار تھے، آپ تصنیف و تالیف میں بھی امتیازی مقام رکھتے تھے، مطبوعہ کتب و رسائل کی تعداد کثیر ہے، جب کہ متعدد کتب غیر مطبوعہ ہیں۔ ان کے علاوہ پچاس سے زیادہ مقالات و مضامین ہندو پاک کے مختلف رسائل و جرائد میں شائع ہو چکے ہیں۔ یہ کتابیں اس وقت زیر ترتیب و تصنیف تھیں، جن میں اکثر پر کافی کام ہو چکا ہے۔ (۱) امثال القرآن (۲) مطالعہ بخاری (۳) تیرہویں اور چودہویں صدی کے علمی معرکے (۴) مشاہیر کے خطوط خانواد عثمانیہ کے نام۔

ان کے علاوہ آپ نے عربی، فارسی کی کتابوں کے ترجمے، تحقیق اور تخریج فرمائی اور اپنے آبا و اجداد کی کتابوں کو جدید ترتیب و تخریج اور تقدیم کے ساتھ شائع کیا۔ خانقاہ عالیہ قادریہ کے مشائخ اور مدرسہ قادریہ کے اکابر کی اب تک ۱۰۰ سے زیادہ کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔

مارچ ۲۰۱۰ء میں تاج دار اہل سنت حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری زیب سجادہ خانقاہ قادریہ بدایوں شریف کے عہد سجادگی کو پچاس سال مکمل ہوئے، بعض وابستگان سلسلہ قادریہ نے خواہش ظاہر کی کہ اس موقع پر پچاس سالہ جشن منایا جائے، لیکن مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری نے فرمایا کہ اس جشن کو ہم جشن اشاعت کے طور پر منائیں گے۔ اس موقع پر اکابر خانقاہ قادریہ اور علمائے مدرسہ قادریہ کی پچاس کتابیں جدید آب و تاب اور موجودہ تحقیقی و اشاعتی خدمات کی تاریخ میں شائع کی جائیں گی تاکہ یہ پچاس سالہ جشن یادگار بن جائے اور خانقاہ قادریہ کی تاریخ میں یہ جشن سنگ میل ثابت ہو۔ حضرت صاحب سجادہ کی سرپرستی اور مولانا اسید الحق قادری کی محنت و جستجو سے یہ جشن اشاعت منایا گیا اور بجمہ تعالیٰ اب تک سو سے زیادہ کتابیں جدید رنگ و آہنگ کے ساتھ منظر عام پر آ گئیں۔

مولانا اسید الحق قادری ایک باکمال مدرس تھے، آپ نے درجنوں طلبہ کو درس دیا، اور انھیں اعلیٰ کتابیں بھی پڑھائیں اور خاص بات یہ ہے کہ آپ نے اپنے تلامذہ کو قرطاس و قلم کا بھی خوگر بنایا۔ ان مطبوعہ کتب میں بعض کتابیں آپ کے تلامذہ نے بھی مرتب فرمائیں۔ مولانا عظیم محقق و ناقد بھی تھے۔ آپ نے مختلف موضوعات پر تحقیق و تنقید کا حق ادا

ہتھیلی پر رکھ کر عرض کرتا ہے: اے رب میرے! بنے گا یا نہیں؟  
اگر فرماتا ہے نہیں، تو اس میں روح نہیں پڑتی اور خون ہو کر رحم  
سے نکل جاتا ہے اور اگر فرماتا ہے ہاں! تو عرض کرتا ہے اے  
میرے رب! اس کا رزق کیا ہے؟ زمین میں کہاں کہاں چلے  
گا؟ کیا عمر ہے؟ کیا کام کرے گا؟ ارشاد ہوتا ہے: لوح محفوظ  
میں دیکھ کہ اس میں نطفہ کا سبب حال پائے گا، پھر فرشتہ وہاں  
کی مٹی لاتا ہے جہاں اس کو دفن ہونا ہے، اسے نطفہ میں ملا کر  
گوندھتا ہے، یہ ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان کہ زمین ہی سے ہم نے  
تمہیں بنایا اور اسی میں پھر ہم تمہیں لے جائیں گے۔“

(جامع الاحادیث، ج: ۲، ص: ۲۵)

مولانا اسید الحق قادری نے اس کی تلاش میں کچھ محنت کی اور اس  
کا متن مل گیا۔ مولانا لکھتے ہیں، اگر درست ہو تو آئندہ ایڈیشن میں  
شامل کر لیا جائے۔ حدیث درج ذیل ہے:

ان المملک الموکل بالارحام یاخذ النطفة من  
الرحم، فیضعها علی کفہ ثم یقول یارب مخلقة  
أو غیر مخلقة؟ فان قال مخلقة قال ما الرزق؟ ما  
الاثر؟ ما الاجل؟ فیقال: انظر فی ام الكتاب فینظر  
فی اللوح فیجد فیہ رزقہ واثرہ واجلہ وعملہ ثم  
یاخذ التراب الذی یدفن فی بقعته فیعجن بہ نطفته  
فذلک قولہ الکریم منها خلقناکم ولیہا نعیدکم  
حکیم ترمذی نے اپنی کتاب نوادر الاصول میں حدیث پاک کا  
ذکر فرمایا ہے۔ (نوادر الاصول فی احادیث الرسول، ج: ۱، ص: ۲۶۷،  
دار الجلیل، بیروت، الطبع الاولی ۱۴۱۲ھ)

حدیث کا متن ذکر فرمانے کے بعد مولانا قادری لکھتے ہیں:  
اس حدیث کو حکیم ترمذی ہی کے حوالے سے امام سیوطی نے  
بھی اللالی المصنوعہ ج: ۱، ص: ۲۸۳، ۲۸۵، دار الکتب العلمیہ،  
بیروت الطبع الاولی، ۱۴۱۷ھ میں نقل کیا ہے۔

امام قرطبی نے بھی اس حدیث کو اپنی تفسیر الجامع لاحکام القرآن  
(تفسیر قرطبی) ج: ۶، ص: ۲۸۷، ۲۸۸، دار الشعب القاہرہ،  
المطبوعۃ الثانیہ، ۱۳۷۲ھ میں حافظ ابو نعیم کے حوالے سے نقل

فرمایا ہے۔

مولانا اسید الحق قادری اس تفصیل کے بعد لکھتے ہیں:  
حکیم ترمذی اور ابو نعیم دونوں نے اس حدیث کو سیدنا ابن  
مسعود سے بطریق مرہ روایت کیا ہے، جامع الاحادیث میں  
نقل کردہ ترجمہ میں یہ جملہ بھی ہے کہ اگر فرماتا ہے، نہیں، تو  
اس میں روح نہیں پڑتی اور خون ہو کر رحم سے نکل جاتا ہے۔  
اس کے بعد مولانا اسید الحق قادری لکھتے ہیں۔

ہم نے اوپر جو متن نقل کیا ہے اس میں یہ جملہ نہیں ہے، قرطبی  
والی روایت میں بھی یہ جملہ نہیں ہے، دراصل یہ جملہ ایک دوسری  
روایت میں موجود ہے، جس کا ابتدائی حصہ تو ہماری نقل کردہ  
حدیث کے ہم معنی ہے، مگر آخری حصہ ذرا مختلف ہے، اس کو  
امام ابن جریر طبری نے حضرت ابن مسعود سے بطریق علقمہ  
روایت کیا ہے۔ وہ حدیث یہ ہے:

النطفة اذا استقرت فی الرحم اخذها ملک بکفہ  
فقال یارب مخلقة أو غیر مخلقة فان قیل غیر  
مخلقة لم تکن نسمة وقد فتها الارحام دما وان قیل  
مخلقة قال ای رب ذکر او انشی شقی او سعید، الی آخر  
الحدیث۔ (تفسیر الطبری، ج: ۷، ص: ۱۱۷، دار الفکر، بیروت ۱۴۰۵ھ)  
حافظ ابن کثیر نے بھی اس کو ابن ابی حاتم اور ابن جریر طبری  
کے حوالہ سے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، ج: ۳،  
ص: ۲۰۸، دار الفکر، بیروت ۱۴۰۱ھ) حافظ ابن حجر عسقلانی

نے اس حدیث کو نقل کر کے فرمایا ہے: اسنادہ صحیح

وهو موقوف لفظا (فتح الباری، ج: ۱، ص: ۳۱۱، دار المعرفہ  
بیروت ۱۳۷۹ھ) اس حدیث کو حافظ ابن رجب علی حنبلی نے  
بھی نقل کیا ہے (جامع العلوم والحکم، ج: ۱، ص: ۵۰، دار المعرفہ،  
بیروت، الطبعة الاولی ۱۴۰۸ھ)

(تحقیق و تفسیر، ص: ۱۴۳، ادارہ لکرا اسلامی، دہلی)

مولانا اسید الحق قادری کی روح کا اضطراب تھا کہ انہوں نے اس  
حدیث کے متن کا استخراج کیا، کیوں کہ ان کے ضمیر میں جس مٹی کو گوندھا  
گیا تھا وہ حضرت غوث اعظم بغدادی کے قبرستان کی مٹی تھی۔

مولانا اسید الحق قادری علم و روحانیت کے ماحول میں پروان چڑھے، علوم و فنون میں ان کی خانقاہ اور درس گاہ صدیوں سے مشہور ہے، تاریخی شواہد کی روشنی میں ان کی خانقاہ قادریہ ۸۰۰ سالہ قدیم ہے اور پورے تسلسل کے ساتھ یہ خانقاہ علم و روحانیت کی خدمات انجام دیتی رہی ہے۔ ان کے آبا و اجداد میں ایک سے ایک فضلاء روزگار گزرے ہیں، یہ اہل علم صرف اہل علم ہی نہیں بلکہ عشق و عرفان اور تصوف و روحانیت کے میدانوں میں بھی یکتا روزگار تھے، اس عثمانی خاندان کی عقیدت و محبت کا رشتہ صدیوں سے خانقاہ عالیہ عالیہ قادریہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ سے ہے، مولانا ایک بلند پایہ محقق اور عظیم مصنف ہونے کے باوجود تصوف و روحانیت کے معاملات میں بھی امتیازی مقام رکھتے تھے۔ ماہ نامہ ”جام نور“ دہلی کے علمی مباحثوں میں بھی آپ نے بھرپور لکھا، ایک بار جام نور کا عنوان تھا: ”دعوت و تبلیغ کے لیے خانقاہ ہی نظام کتنا موثر ہے؟“ مولانا اسید الحق قادری نے ہندوستانی خانقاہوں کا سرسری جائزہ لیتے ہوئے لکھا:

اگر ہمارے یہاں کے خانقاہی نظام کا تقابل مصر کے خانقاہی نظام سے کیا جائے تو یہ ہوش ربا حقیقت سامنے آتی ہے کہ ان دونوں میں وہی فرق ہے جو ایک چلتے پھرتے انسان اور ایک بے جان مردہ جسم میں ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر میں یہاں چند باتوں کی طرف سرسری اشارہ کرنا چاہتا ہوں۔

(تحقیق و تنقید، ص: ۲۵۴، ادارہ فکر اسلامی، دہلی)

مولانا نے مصر کے خانقاہی نظام کے آٹھ امتیازات شمار کرائے ہیں، ہم ذیل میں ان کی تلخیص رقم کرتے ہیں:

(۱) مصر کے مشائخ طریقت ذی علم ہوتے ہیں، آج تک مولانا کی ملاقات کسی ایسے شیخ سے نہیں ہوئی جس کو علم ظاہری کے بجائے علم لدنی کا دعویٰ ہو۔

(۲) ہر خانقاہ میں نہایت پابندی سے اذکار و اوراد کی ہفتہ وار مجالس منعقد ہوتی ہیں اور یہ خصوصیت صرف قاہرہ مصر کی نہیں بلکہ دیگر مقامات پر بھی باضابطہ روحانی مجالس کا انعقاد ہوتا ہے۔

(۳) بعض خانقاہوں میں ہفتہ وار درس قرآن، درس حدیث اور درس تصوف بھی ہوتا ہے۔

(۴) خانقاہوں میں باہم کوئی چیقلش نہیں بلکہ حسب حیثیت ایک دوسرے کی تعظیم و توقیر کرتے ہیں۔

(۵) خانقاہی علماء و مشائخ خود کو واجب التعظیم نہیں سمجھتے اور نہ دست بوسی اور قدم بوسی کو اپنا پیدائشی حق سمجھتے ہیں، ایک دوسرے کا جھوٹا پانی تبرک پینا اور ایک دوسرے کے لیے تعظیماً کھڑے ہو جانا ان کی عادت میں شامل ہے۔

مولانا اس کی مزید تفصیل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس سے زیادہ حیرت انگیز واقعہ سنیے، یمن کے ایک بزرگ ہیں، شیخ حبیب علی الجعفری، یہ جید عالم ہیں اور بہترین خطیب ہیں، مصر میں ان کے ہزاروں مریدین ہیں اور تقریباً ہر سال مصر کا دورہ کرتے ہیں، جب بھی مصر آتے ہیں تو مختلف خانقاہوں میں ان کے درس اور تقریریں ہوتی ہیں، متعدد بار یہ دیکھ کر مجھے ماضی کے صوفیہ یاد آ گئے کہ جس خانقاہ میں ان کے درس کی محفل تھی اس خانقاہ کے صاحب سجادہ نے اپنی خانقاہ میں آئے ہوئے بیسیوں لوگوں کو ان کا مرید کروایا، کیا ہندوستان میں کسی ایسے منظر کا آپ تصور کر سکتے ہیں؟ ہمارے یہاں تو حال یہ ہے کہ ممکن ہے کہ دو شیر کسی طرح ایک جنگل میں رہنے پر سمجھوتہ کر لیں، مگر دو پیر ایک حلقے میں نہیں رہ سکتے۔

(تحقیق و تنقید، ص: ۲۵۵، ادارہ فکر اسلامی، دہلی)

(۶) مصر میں مرید ہونے کے بعد اس میں واضح تبدیلی آ جاتی ہے آپ کسی مسجد میں باجماعت نماز ادا کریں، نماز کے بعد جو شخص تسبیح پڑھنا شروع کر دے، یا چھوٹا بیچ سورہ نکال کر پڑھنا شروع کر دے تو آپ سمجھ لیں کہ یہ کسی کا مرید ہے۔

(۷) یہاں خانقاہی رفاہی کاموں میں بڑھ چڑھ کر اپنا کردار ادا کرتی ہیں، ایسی بہت سی خانقاہیں ہیں جہاں سے ازہر شریف کے مصری اور غیر ملکی طلبہ کے لیے ماہ وار وظیفے مقرر ہیں۔

قاہرہ سے تقریباً آٹھ سو کلومیٹر دور جنوب میں ایک شہر ہے، الاقصر، وہاں مولانا اسید الحق قادری نے دو بار قیام فرمایا۔ ایک بار ۲۵ روز اور ایک بار ۱۲ روز۔ الاقصر میں تین بڑی خانقاہیں ہیں، خانقاہ طیب، خانقاہ رضوانیہ اور خانقاہ جیلانیہ، وہاں زمین و جائداد کے جھگڑے ہوں یا



گھریلو مسائل، عدالتوں اور کچہریوں میں مقدمہ بازی کے بجائے اس قسم کے زیادہ تر مسائل کا تصفیہ خانقاہی سطح پر کر دیا جاتا ہے۔

مولانا سید الحق قادری کی نظر تاریخ و سیر پر بھی بہت گہری تھی اور یہ تحقیقی نظر صرف اپنے خانوادے کے اکابر تک محدود نہیں تھی بلکہ اہل سنت کی تاریخ ان کی نگاہوں میں رہتی تھی، گزشتہ دنوں جب استاذ مطلق علامہ فضل حق خیر آبادی کا ڈیڑھ سو سالہ جشن منائے جانے کا منصوبہ بنا تو مولانا نے ”خیر آبادیات“ کے عنوان سے ایک انتہائی وسیع کتاب لکھی، اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا یسین اختر مصباحی لکھتے ہیں:

زیر نظر کتاب ”خیر آبادیات“ ایک محققانہ، فاضلانہ اور مورخانہ دستاویز ہے، جسے ہندو پاک کے اہل علم و فضل نہ صرف قدردانہ منزلت کی نگاہ سے دیکھیں گے بلکہ اسے خیر آبادیات کا ایک گراں قدر مجموعہ اور بیش قیمت مرقع قرار دیں گے۔

(خیر آبادیات، ص: ۱۶، تاج المجلد اکیڈمی، بدایوں)

اس کتاب میں مصنف نے خانوادہ خیر آباد کے متعدد گوشوں پر تحقیق فرمائی ہے، تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔ اس کا ایک ذیلی عنوان ہے: ”خانوادہ خیر آبادی اہل علم خواتین“ مولانا نے اس عنوان کے ضمن میں تین اہل علم خواتین کا تذکرہ بڑی خوب صورتی سے فرمایا ہے۔ یہ خواتین واقعی معقول و منقول اور علوم ادبیہ میں خاصا درک رکھتی تھیں، ان خواتین کا ذکر عام طور پر یک جا نہیں ملتا، بلکہ متعدد مقامات پر ضمناً ذکر آ گیا ہے، مولانا نے انتہائی محنت سے ان تین خواتین کے حوالے سے شواہد کی روشنی میں تحریر فرمایا ہے۔ اب ہم ذیل میں مصنف کی تحقیقات کا خلاصہ رقم کرتے ہیں:

(۱) بی بی سعید النساء حراماں خیر آبادی: انھوں نے درسیات کی تکمیل اپنے والد ماجد علامہ فضل حق خیر آبادی سے کی، انھیں کے بارے میں مولانا عبدالحق خیر آبادی اکثر فرمایا کرتے تھے: اچھا ہوا سعید النساء بہن ہوئیں ورنہ ان کے سامنے ہمیں کون پوچھتا؟

(ہاٹی ہندوستان، ص: ۳۳۳)

بی بی حراماں خیر آبادی ایک بار ٹونک تشریف لے گئی تھیں، علامہ حکیم برکات احمد ٹونکی کے صاحب زادے مولانا حکیم سید محمد ٹونکی اپنا مشاہدہ تحریر فرماتے ہیں، ہم ذیل میں اس تاثر کا آخری حصہ نقل کرتے ہیں:

مجھے اور میرے خاندان کو یہ عزت حاصل ہوئی، مجھے اچھی طرح یاد ہے اور آج بھی وہ تصویر آنکھوں میں پھر رہی ہے کہ استاذ الہند مولانا برکات احمد صاحب قبلہ بی بی صاحبہ کے سامنے گردن جھکائے مؤدب ایک بے علم انسان کی طرح بیٹھے ہیں اور ان کے جوش تقریر کا یہ عالم کہ کسی موضوع پر نہیں رکتیں، ضعیف القوی تھیں، کبیر سن تھیں، اعضا میں رعشہ تھا، مگر معلوم ہوتا تھا تمام قوتیں قوتِ ناطقہ میں منجذب ہو گئی ہیں، کیا تقریر تھی، کیا اتار چڑھاؤ تھا، کیا شستگی تھی، کیا برجستگی تھی، کیا پر رعب آواز تھی۔ (مولانا حکیم سید برکات احمد، سیرت اور علوم، ص: ۱۰۳، ۱۰۴)

حضرت حراماں خیر آبادی کی کسی تصنیف کا پتہ نہیں چلتا، البتہ ان کی اردو اور فارسی شاعری کے کچھ نمونے مولانا عبد الشاہد خاں شیروانی نے باغی ہندوستان میں اور مفتی نجم الحسن خیر آبادی نے ”خیر آبادی ایک جھلک“ میں محفوظ کر دیے ہیں۔

(۲) حضرت ہاجرہ بی بی خیر آبادی: آپ مولانا عبدالحق خیر آبادی کی زوجہ محترمہ ہیں۔ مولانا برکات احمد ٹونکی مولانا عبدالحق خیر آبادی کی درس گاہ میں پڑھ رہے تھے تو ان کو احساس ہوا کہ اب وہ عالم ہو گئے، مگر حالات کے پیش نظر مولانا عبدالحق خیر آبادی سے اجازت لینے میں خوف محسوس ہوا تو آپ اجازت لینے کے لیے ان کے گھر پہنچے۔ بی بی صاحبہ نے پردے کے پیچھے سے پوچھا، بیٹا کتنا پڑھ لیا؟ مولانا نے ادب سے عرض کیا کہ نصاب درس کی تکمیل کر لی ہے اور میرزا ہد امور عامہ تک پڑھ لیا ہے۔ امور عامہ کا نام سن کر ہنستے ہوئے فرمایا: بھئی! امور عامہ تک پڑھ کر خود کو فارغ اور فاضل سمجھ رہے ہو؟ کیا میں امور عامہ کے متعلق کوئی سوال پوچھ سکتی ہوں؟ بیٹے امور عامہ تک تو اس خاندان کی مستورات بھی شہد رکھتی ہیں، اس گفتگو کے بعد مولانا نے عرض کیا، میں اپنے فیصلے پر نادم ہوں، آپ سے استقلال کی دعا کی درخواست ہے۔

(ملخصاً: مولانا حکیم سید برکات احمد، سیرت اور علوم، ص: ۱۵۳، ۱۵۵)

(۳) بی بی رقیہ: آپ مولانا عبدالحق خیر آبادی کی صاحبزادی تھیں، یہ عالمہ اور فاضلہ تھیں، ان کی ایک کتاب جس کا آج تک کسی نے ذکر نہیں کیا: تفسیر طیبات بینات معروف بہ صراطِ مستقیم ہے۔ کتاب کا نام مولانا برکات احمد ٹونکی نے رکھا ہے۔ اس کتاب پر تصدیق و تقریظ علامہ برکات احمد ٹونکی اور مولانا بشیر احمد خاں رام پوری نے لکھی۔

مولانا اسید الحق قادری اس کے تعارف میں لکھتے ہیں:

اس تفسیر کا ایک نایاب قلمی نسخہ خانقاہ صمدیہ پھپھوند شریف (یوپی، انڈیا) کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔ اس نسخے کا عکس کتب خانہ قادریہ بدایوں میں ہے جو اس وقت ہمارے پیش نظر ہے، یہ تفسیر بڑی تقطیع پر ۷۹ صفحات پر مشتمل ہے، جلی خط میں ہر صفحہ پر پندرہ سطریں ہیں، اس نسخے کے کاتب ثار احمد خیر آبادی بن مشیر احمد ابن بشیر احمد خان بہادر ہیں۔

مولانا اسید الحق قادری مزید لکھتے ہیں:

کتاب کی زبان نہایت آسان ہے، ترجمہ بہت سادہ الفاظ میں کیا گیا ہے، تاکہ عام آدمی سمجھ سکے، تفسیر میں کسی قسم کے علمی مباحث کو نہیں چھیڑا گیا ہے، آیت کریمہ سے جو ایک عمومی مفہوم مستفاد ہوتا ہے، جس کا براہ راست تعلق فرد یا معاشرے کی اصلاح سے ہے اس کو دایمانہ اور مصلحانہ اسلوب میں بڑی سادگی سے بیان کر دیا گیا ہے، کہیں کہیں اودھ کی عام بول چال کا اسلوب بھی نظر آتا ہے اور بعض جگہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مصنفہ آپ کے روبرو بیٹھ کر گفتگو فرما رہی ہیں۔

(خیر آبادیات، ص: ۳۲، تاج الحول اکیڈمی، بدایوں)

مولانا اسید الحق قادری نے جامعہ ازہر مصر کے دوران تعلیم اپنے منصوبوں کی ایک ڈائری بنائی تھی، ان میں خاص طور پر بریلی سے اختلافات بھی مد نظر تھے، آپ نے اس میں لکھا تھا کہ کوئی بھی اختلاف طرفین کی پیش قدمیوں سے ہوتا ہے، اگر سامنے والا اپنی روش سے باز نہ آئے تو اختلاف ختم کرنے کی صورت یہ ہوگی کہ ایک فریق اپنے بلند کردار و عمل کا مظاہرہ کرے اور صبر و تحمل کے ساتھ اپنے مثبت کاموں پر نظر رکھے۔ حضرت حافظ ملت کا مشہور قول ہے ”ہر مخالفت کا جواب کام ہے۔“ مولانا اسید الحق قادری نے اس پر عمل بھی کیا اور اپنے خاندان اور تربیت یافتگان کو بھی اسی نکتہ پر چلنے کی تلقین فرمائی۔ آپ نے ہزار اختلافات کے باوجود رضویات کے حوالے سے بھی تحریریں لکھیں اور بڑی آسانی کے ساتھ اپنے مقصد اور منزل کی جانب رواں دواں رہے اور خاص بات یہ ہے کہ جو کام ہو جاتے اس پر نشان لگا دیتے کہ یہ کام بحسن و خوبی ہو گیا، آپ کے چند کارنامے اور منصوبے ہم ذیل میں رقم کرتے ہیں:

(۱) خانقاہ عالیہ قادریہ کی توسیع: اس رخ پر آپ نے بھرپور توجہ

دی، جدید عمارتیں بنوائیں اور مزید بنوانے کا ارادہ تھا، اب ارادہ یہ تھا کہ خانقاہ کا گیٹ سیدنا غوث اعظم عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے گیٹ کی طرح خانقاہ عالیہ قادریہ بدایوں کا گیٹ بھی تعمیر کرائیں، اس سلسلے میں انجینئروں سے بھی رابطہ شروع کر دیا تھا۔

(۲) مدرسہ عالیہ قادریہ بدایوں کی نشاۃ ثانیہ: فرمائی، مولانا کا ارادہ

تھا کہ بیرون شہر وسیع زمین حاصل کی جائے، اس سمت میں آپ نے کام شروع کر دیا تھا، وسیع زمین خرید لی تھی اور مزید زمین حاصل کرنے کا ارادہ تھا، مولانا نے باضابطہ تدریس کا آغاز بھی کر دیا تھا۔ تین جمانعتیں ۲۰۲۰ء طلبہ کی سند فراغت بھی حاصل کر چکی تھیں اور یہ تعلیم و تربیت کا سلسلہ بڑی تیزی سے جاری تھا۔ مولانا نے اب تک جن جماعتوں کو فارغ کیا تھا، انھیں اعدادیہ سے دورے تک خود پڑھایا اور قرطاس و قلم کی بھی تربیت دی۔

(۳) نجویہ کالج (مراے خواتین): بدایوں شہر میں پہلے ہی سے

چل رہا تھا، آپ نے اس جانب بھی بھرپور توجہ دی، اس میں قریب دو ہزار بچیاں زیر تعلیم ہیں، اس کالج کا بھی ضلع بھر میں نمایاں کردار ہے۔

(۴) الازہر انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز: اسے ہندوستان

کی دو بڑی یونیورسٹیز سے ملحق کرایا، اس میں ہر سال اسکول اور کالج کے طلبہ کی دینی اور علمی تربیت فرماتے اور آگے بڑھانے کی مسلسل کوشش فرماتے، اس طرح آپ نے عصری علوم و فنون کے میدان میں بھی گراں قدر خدمات انجام دیں۔

(۵) مدرسہ شمس العلوم بدایوں: یہ ادارہ ان کے آبا و اجداد کی

مختوں کا نتیجہ ہے، اس میں ایک بڑی لائبریری بنام ”مولانا عبدالماجد پبلک لائبریری“ کا قیام فرمایا اور عام طلبہ کے لیے ایک باضابطہ کمپیوٹر شعبہ قائم کیا۔

(۶) علمی مذاکرے اور ورک شاپ: مدرسہ عالیہ قادریہ کے زیر

اہتمام مدارس کے طلبہ کے درمیان علمی مباحثے کراتے، اس میں دیگر مدارس کے ساتھ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے طلبہ بھی شریک ہوئے۔ ان پروگراموں میں اہل علم و دانش کے موضوعاتی خطابات بھی ہوتے۔

بقیہ صفحہ 216 پر ملاحظہ کریں

# علامہ اسید الحق قادری ملک و ملت کا سرمایہ تھے

علامہ اسید الحق کے لیے ہمارا سب سے بڑا خراج یہ ہوگا کہ ہم ان کے علمی مشن کو زندہ رکھیں

الاسلام از ہری نے پروفیسر محمد احمد میر صاحب کی کتاب "قضیۃ التکفیر فی الفکر الاسلامی" مطالعے کے لیے عنایت کی۔ اس کتاب میں مصنف نے دیگر مباحث کے ساتھ افتراق امت پر بھی گفتگو کی ہے۔ اس سلسلے میں مصنف نے جو موقف اختیار کیا ہے، اس پر مجھے تھوڑا تامل ہوا، کچھ احباب سے تبادلہ خیال کیا، مگر مسئلہ واضح نہ ہوسکا..... حق کی تلاش و جستجو بالآخر مجھے مطالعے کی میز پر لے آئی۔ میں نے اس موضوع پر تحقیقی مطالعے کا آغاز کر دیا، رفتہ رفتہ گہری کھلتی گئیں، حقائق منکشف ہوئے، شک و تردید ختم ہوا..... پھر جب ذرا فرصت ہوئی تو اپنے حاصل مطالعہ کو مقالے کی شکل میں قلم بند کر دیا مگر اگلے کئی سال تک مقالے کی اشاعت کی نوبت نہیں آئی۔" (حرف آغاز، حدیث افتراق امت تحقیقی مطالعہ کی روشنی میں، ص: ۶، بدایوں، نومبر ۲۰۰۸ء)

یہ مقالہ ۲۰۰۵ء میں، مئی تا اگست جام نور کے چار شماروں میں قسط وار شائع ہوا۔ مضمون نگار کے نتائج فکر سے بعض حضرات نے بے اطمینانی ظاہر کی۔ چنانچہ مصنف نے اپنے موقف پر مزید غور و فکر کو ضروری خیال کیا۔ یہی مقالہ اضافے کے ساتھ نومبر ۲۰۰۸ء میں کتابی صورت میں منظر عام پر آیا تو اسید الحق صاحب نے حرف آغاز میں یہ وضاحت بھی کر دی کہ:

"جام نور میں مقالے کی اشاعت کے بعد بعض احباب نے اس میں اختیار کردہ موقف پر تشویش کا اظہار کیا، لہذا میں نے پوری سنجیدگی اور کشادہ قلبی کے ساتھ مقالے پر نظر ثانی کی اور اس موضوع پر مزید مطالعہ کیا، جتنا مطالعہ کرتا گیا اتنا ہی اپنے اختیار کردہ موقف پر اطمینان میں اضافہ ہوتا گیا۔ میں نے مقالے میں بہت سے نئے حوالوں اور کچھ نئے مباحث کا

ہر شخص کو وقت معینہ پر اس جہان سے جانا ہے، ایک لمحہ پہلے نہ ایک لمحہ بعد۔ اس اہل حقیقت کو تسلیم کرنے کے باوجود کم عمری، کم سنی یا جوانی کی موت دل حسرت زدہ کے لیے قیامت سے کم نہیں ہوتی۔ رہ رہ کر خیال آتا ہے، کاش تھوڑی سی مہلت اور مل جاتی، کچھ دنوں اور جی لیتے، کچھ اور کہہ لیتے، کچھ اور سن لیتے! ابھی تو بہت سی باتیں رہ گئیں، ابھی تو بہت سے کام رہ گئے۔ محبت مکرم علامہ اسید الحق قادری کے حوالے سے بھی ایسے خیالات مدتوں آتے رہیں گے، تڑپاتے رہیں گے، عزیزوں کو بھی، احباب کو بھی اور دنیاے علم سے وابستہ ان افراد کو بھی جن کے لیے درد و غم کا رشتہ، رشتہ جاں سے زیادہ عزیز اور محترم ہوتا ہے۔

ان سے میرا غائبانہ تعارف ماہ نامہ "جام نور" نئی دہلی میں چھپنے والے ان کے مضامین کے ذریعے ہوا۔ پختہ شعور، رچا ہوا ادبی ذوق، متوازن انداز فکر، لفظوں کے پیچھے سے جھانکتا ہوا تبحر علمی اور اذعانیت سے عاری طرز تکلم اچھا لگا اور ان کی شخصیت کا ایک خاکہ سا ذہن میں بن گیا۔ پھر ملاقاتیں ہوئیں اور وقفے وقفے سے ہوتی رہیں اور اس خاکے میں حقیقت کا رنگ بھرتا چلا گیا۔ وہ ایسے ہی تھے جیسا کہ ایک شریف، خلیق اور محبت سے بھرپور انسان اور عالم باعمل کو ہونا چاہیے۔

جامعہ ازہر سے فراغت کے بعد انھوں نے بہت تیزی سے علمی حلقے میں اپنے لیے جگہ بنائی۔ ان کے بعض تحقیقی نتائج سے عدم اتفاق کا بھی اظہار کیا گیا، لیکن اختلاف کی نوعیت سراسر علمی رہی۔ خود موصوف کا موقف یہی تھا کہ ہماری فکر حرف آخر نہیں ہے۔ ہم پڑھتے لکھتے ہیں چیزوں کو سمجھنے کے لیے نہ کہ اپنے تعصبات کو دوسروں کے سر منڈھنے کے لیے۔ درج ذیل اقتباس سے ان کے طلب علم، انداز فکر اور طریق کار کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ فرماتے ہیں:

"یہ غالباً ۲۰۰۲ء کی بات ہے جب میں ازہر شریف (مصر) میں تفسیر و علوم قرآن کا طالب علم تھا، محبت گرامی مولانا منظر



اضافہ کیا، جن مقامات پر غلط فہمی پیدا ہو سکتی تھی ان کو اور واضح کیا، اب کامل اطمینان کے بعد یہ مقالہ کتابی شکل میں شائع کیا جا رہا ہے۔ پوری نیک نیتی اور اخلاص کے ساتھ اہل علم کی بارگاہ میں عرض ہے کہ مجھے نہ ہمہ دانی کا زعم ہے اور نہ ہی دعویٰ عصمت۔ علوم اسلامیہ کا ایک معمولی طالب علم ہوں جس سے ہر قسم کی غلطی کا صد فی صد امکان ہے، لہذا اگر کوئی سنجیدہ اور علمی تنقید سامنے آتی ہے تو مجھے مقالے پر نظر ثانی کرنے اور غلطی واضح ہونے کی صورت میں اپنی خطا کے اعتراف اور قبول حق میں کوئی تامل نہیں ہوگا۔“ (حدیث افتراق امت - ص ۶-۷)

پیش نظر کتابچے کے مندرجات کی تصدیق یا تردید سے قطع نظر، مندرجہ بالا اقتباس کے ذریعے مصنف کے علمی انکسار اور خلوص نیت کی جانب توجہ دلانا مقصود ہے۔ یہی انداز فکر ان کی دوسری علمی تحریروں میں بھی نمایاں ہے۔ بلند بانگ دعوے ان کی تحریروں میں نظر نہیں آتے۔ وہ اپنی بات دھیمے لہجے میں کہتے ہیں، دلیلوں کی مدد سے کہتے ہیں اور زیر بحث موضوع تک گفتگو کو محدود رکھتے ہیں۔ درمیان میں اگر کوئی وضاحت طلب بات آجائے تو اسے غیر ضروری طور پر پھیلانے کے بجائے مختصراً بیان کر کے آگے بڑھ جاتے ہیں۔ مثلاً مذکورہ بالا کتابچے میں ایک موقع پر ملا علی قاری (شرح فقہ اکبر) اور علامہ سعد الدین تفتازانی (شرح المقاصد) کے اقتباسات میں ”اہل قبلہ“ کی تعریف میں ”ضروریات دین“ کی اصطلاح آئی تو اسید الحق صاحب نے اس کی وضاحت کر دی کہ ضروریات دین سے کیا مراد ہے:

”ضروریات دین کی جامع و مانع تعریف کیا ہے؟ اس سلسلے میں بڑی طویل بحثیں علما نے اپنی کتب میں لکھی ہیں، ہم ان بحثوں میں پڑ کر خواہ مخواہ مقالے کو طویل کرنا نہیں چاہتے۔ بس اتنا اشارہ کافی سمجھتے ہیں کہ ضروریات دین میں صرف وہی مسائل شمار کیے جائیں گے جو قطعی الثبوت قطعی الدلالة ہوں۔ رہے وہ مسائل جو قطعی الثبوت تو ہوں مگر ظنی الدلالة ہوں یا پھر قطعی الدلالة ہوں مگر ظنی الثبوت ہوں یا ظنی الثبوت بھی ہوں اور ظنی الدلالة بھی ہوں، ایسے مسائل ضروریات دین میں شمار نہیں ہوں گے۔“ (حدیث افتراق امت - ص ۶۲)

اسید الحق صاحب کے علمی اقتسابات پر تفصیل سے اظہار خیال

کرنا فی الحال ممکن نہیں۔ تاہم ان کے زور قلم اور ادبی ذوق کا ذکر کیے بغیر نہیں رہا جاسکتا۔ اس کا اظہار مذہبی مضامین میں بھی ہوا ہے لیکن زبان و بیان پر ان کی دسترس کا اصل نمونہ وہ تحریریں ہیں جو ”خامہ تلاشی“ کے عنوان اور ابو الفیض معینی کے قلمی نام سے جام نور میں ایک مدت تک مسلسل چھپتی رہیں اور بعد میں کتابی شکل میں شائع ہوئیں۔ افسوس کہ خواہش کے باوجود ہمیں اس گفتگو کو بھی کسی آئندہ موقع کے لیے اٹھا رکھنا ہوگا۔ اب مجھے آخر میں ان کے تعمیری انداز فکر کے حوالے سے ایک بات کہہ کر اس مضمون کو ختم کرنا ہے۔

شوال ۱۴۳۹ھ / مارچ ۲۰۱۰ء کو خانقاہ عالیہ قادریہ بدایوں شریف کے موجودہ صاحب سجادہ تاجدار اہل سنت حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری مدظلہ کی عہد سجادگی کے پچاس برس مکمل ہونے کی خوشی میں بعض وابستگان سلسلہ نے ”جشن زرتیں“ منانے کی خواہش ظاہر کی۔ مولانا اسید الحق صاحب نے اس تقریب کو لفظی خراج عقیدت تک محدود رکھنے کے بجائے یہ تجویز پیش کی کہ:

”اس جشن کو ہم جشن اشاعت کے طور پر منائیں گے۔ اس موقع پر اکابر خانوادہ قادریہ اور علمائے مدرسہ قادریہ کی پچاس کتابیں جدید آب و تاب اور موجودہ تحقیقی و اشاعتی معیار کے مطابق شائع کی جائیں گی، تاکہ یہ پچاس سالہ جشن یادگار بن جائے اور آستانہ قادریہ کی اشاعتی خدمات کی تاریخ میں یہ جشن ایک سنگ میل ثابت ہو۔“

(مثنوی غوثیہ، ص ۴، بدایوں، طبع جدید ۲۰۰۸ء)

منصوبے کو عملی شکل دینے میں تاج اللہ لکھنوی، بدایوں شریف کا ہر فرد ہمہ تن مصروف ہو گیا اور یکے بعد دیگرے کتابیں شائع ہوتی چلی گئیں۔ ملک و ملت کے کام آنے والے اس دنیا سے رخصت ہو کر بھی دلوں میں زندہ رہتے ہیں۔ ان کی یاد منانے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ ان کے مشن کو آگے بڑھایا جائے۔ علامہ اسید الحق کے لیے بھی ہمارا سب سے بڑا خراج عقیدت یہی ہوگا کہ ان کی خواہشات کو عملی جامہ پہنایا جائے۔ تصنیف و تالیف، اصلاح معاشرہ اور فروغ علم میں اپنی سی کوشش کی جائے۔ ہوائی ہاتوں کے بجائے ٹھوس تعمیری کام کیے جائیں اور دلوں کو توڑنے کے بجائے جوڑنے کی کوشش کی جائے۔ □□□

☆ استاذ شعبہ اردو، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ (یو پی)



## خط بنام اسید خلد تبار

۲۰۱۴ء

عزیز گرامی قدر و شہید و الامرتبت اسید میاں صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کی حیات ظاہری میں کبھی یہ توفیق نہ ہو سکی کہ آپ کو چند سطور تحریر کرتا۔ اس میں کچھ اپنی کاہلی، کچھ عدیم الفرستی اور کچھ موبائل کی ایجاد کو دخل رہا ہے۔ اکثر فون کے ذریعے باتیں ہو گئیں اور تفصیلی مراسلت کو آئندہ کے لیے اٹھا رکھا۔ کبھی یہ خیال میں نہیں آیا کہ آپ سے مکانی فاصلہ اتنا بڑھ جائے گا اور آپ اس فانی دنیا سے اپنی ابدی اور باقی قیام گاہ کو مراجعت فرما جائیں گے۔ ایسے ہی کسی موقع کے لیے ہمارے شاعر نے کہا ہے:

تھے پاس جب تو قیامت کا لطف آتا تھا

ہوئے جو دور تو یادوں کا حشر برپا ہے

اور اب یہ حال ہے کہ واقعتاً یادوں کا حشر برپا ہے۔ میں اکثر سوچتا ہوں کہ جب مجھ جیسے دور افتادہ مداح کی دلی کیفیت ایسی ہے تو ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جو آپ کے سفر و حضر کے ساتھی اور ہم نوالہ وہم پیالہ تھے۔ پھر جب آپ کے قریبی لوگوں اور عاشقوں مثلاً احمد مجتبیٰ صدیقی، اشفاق حمیدی، مظفر حسنین رومی گورکھ پوری، خوشتر نورانی اور قمر الہدیٰ فریدی کی حالت دیکھتا یا ان کے بارے میں سنتا ہوں تو ان کا خیال آتا ہے جن کی امیدوں کا مرکز اور آنکھوں کی ٹھنڈک اور بازوؤں کی قوت آپ کی ذات والا صفات تھی، غرض:

بقدر پیانہ تعلق ہر ایک دل میں ہے سوگ تیرا

میری تو ہمت ہی نہیں پڑ رہی تھی کہ آپ کے والد محترم مخدوم گرامی حضرت سالم میاں صاحب کی خدمت میں کلمات تعزیت نذر کروں، عطیف میاں کو، کہ چھوٹے ہیں، علی گڑھ کے واسطے سے ان سے ایک خاص رشتہ ہے اور کئی وجوہ سے مجھے بے حد عزیز ہیں، چند سطور لکھ کر بھیج دیں۔ اس درمیان جس جس سے آپ کا ذکر ہوا اور کس کس کا

نام لوں کہ کس کس سے آپ کا ذکر ہوا، ہر ایک نے فرمائش کی کہ آپ کے بارے میں کچھ لکھوں۔ میرا مسئلہ یہ ہے کہ کیا لکھوں؟ ابھی تو آپ نے اپنی جتنی کتابیں مجھ جیسے حقیر طالب علم کے ”ذوق مطالعہ کی نذر“ کی ہیں، انھیں ٹھیک سے دیکھ بھی نہیں پایا۔ ان کی رسیدیں بھی آپ کو نہیں بھیج سکا اور آپ سے کل پانچ ملاقاتیں ہوئیں، جن میں پہلی دوسری اور تیسری بدایوں شریف میں آپ کی خانقاہ میں کہ ایک مرتبہ آپ نے خانقاہ کے سر ٹینجنگ پروگرام کے جلسہ تقسیم انعامات میں بلایا۔ دوسری مرتبہ کتب خانہ قادر یہ کے افتتاح اور نعتیہ مشاعرے کے موقع پر کہ جس میں آپ نے مہمان خصوصی کی حیثیت سے اس گناہ گار کو عزت بخشی۔ اس مشاعرے کی یادیں پردہ ذہن پر اس طرح تازہ ہیں، گویا کل کی بات ہو، اور ہے بھی کل ہی کی بات کہ چند برسوں کا زمانی فاصلہ یادوں کے لحاظ سے کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ اس نعتیہ مشاعرے میں آپ حضرات کی مہمان نوازی اور داد دینے کا انداز، پھر آپ کے والد ماجد کا آپ کے تعلق سے اظہار لطف و عنایت سب بار بار یاد آتا ہے۔

کتب خانے (کہ جو شہر بدایوں کے مرکزی مقام پر واقع ہے) کی ایک ایک چیز کو نظر شفقت سے دیکھتے ہوئے حضرت کا بار بار کہنا کہ ”بھیانے اسے کیا بنا دیا“، ”سب بھیانے کی محنت ہے“ وغیرہ آج شدت سے یاد آ رہا ہے۔ آپ ہی بتائیں، ان حضرات کو کہ جو آپ کی ایک ایک ادا دیکھ کر زندہ تھے کیوں کر پرسہ دوں اور کن الفاظ میں تلقین صبر کروں؟ کیسے ان کی خدمت میں یہ عرض کرنے کی ہمت کروں کہ آپ کے ”بھیانے“ اور آپ کے نور نظر جام شہادت نوش فرما کر آسودہ خاک پاک بغداد ہو گئے۔ دوشادیوں کے مواقع پر بھی آپ سے ملاقات بے حد یادگار اور پر لطف رہی۔ پہلی عطیف میاں کی شادی کے موقع پر بدایوں شریف میں اور دوسری رومی کی شادی کے موقع پر گورکھ پور میں۔ پھر نجیب میاں کی سجادگی اور حضرت یحییٰ میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے جہلم کے موقع

پر مارہرہ شریف میں۔ جہاں آپ اپنی پوری عالمانہ شان کے ساتھ خالص خانقاہی رنگ میں رنگے نظر آئے۔

خانقاہی رنگ پر یاد آیا کہ آپ کو مراسم خانقاہ اور روایات صلہ رحمی و موانست نبھانے میں بھی کمال حاصل تھا، جس کا اعتراف آپ کا ہر مداح کرتا ہے۔ الہ آباد کے سفر کے موقع پر میری غیر موجودگی کے باوجود آپ کا دائرہ شاہ اجمل تشریف لے جانا اور میری خانقاہ میں تھوڑی سی وقت گزاری کا ایک ایک لمحہ میرے برادر عزیز ضیامیاں سلمہ کے حافظے میں تازہ ہے۔ ان سے تو آپ کی وہی پہلی اور آخری ملاقات تھی لیکن وہ (ضیا جملی سلمہ) اور میرے گھر کے سبھی لوگ آپ کی خبر پر رنج و غم کی ایک ناقابل بیان کیفیت سے دوچار ہوئے اور سب نے آپ کے سفر دائرہ شاہ اجمل کو یاد کیا۔ آپ کی تعزیت اور ایصالِ ثواب کے لیے جلسہ کیا اور آپ کے اہل خاندان کے غم میں شرکت کی۔

اسیدمیاں! آپ کی شخصیت میں اتنی اعلیٰ درجے کی جاذبیت اور کشش کا سبب اب میری سمجھ میں آتا ہے اور وہ ہے تواضع، فروتنی اور بے نفسی کی خانقاہی روایت اور بار علم سے جھکے ہوئے (مثال شاخ شمر دار) علمائے ربانی کی روایت کا انضمام کہ جس نے آپ کو ہر طبقہ معاشرہ کے لیے پسندیدہ اور مقبول خاطر بنا دیا تھا۔ حیرت ہوتی ہے کہ اتنے کم عرصے میں آپ نے بڑے علمی موضوعات سے عہدہ برآ ہونے کی مثال قائم کی۔ جس روز آپ کی شہادت کی خبر آئی، اتفاق سے مجھے ایم اے کی ایک کلاس میں اموی دور کی عربی شاعری کے بارے میں کچھ بتانا تھا۔ میں نے کلاس کو آپ کے ذکر سے شروع کیا اور پھر آپ کا مرتبہ قصیدہ مہمہ مصنفہ فرزدق (در مدح امام زین العابدین علیہ السلام) آپ کے ایصالِ ثواب کے غرض سے پڑھا کر کلاس ختم کر دی۔ آپ یقین کریں کہ آپ کی بھیجی ہوئی کتابوں میں سے اکثر شعبہ میں میری میز پر اور الماری میں موجود ہیں اور ہر لمحہ آپ کی یاد دلاتی رہتی ہیں۔ یہ ان کتابوں کی بات ہے جو تاریخ، سیرت، ادب اور روایات سے متعلق ہیں کہ جن سے تھوڑا سا شغف مجھے بھی ہے ورنہ آپ کی وہ کتابیں جو فقہ، حدیث اور علوم نقلی سے متعلق ہیں اور جن پر آپ کی شہرت کا دار و مدار ہے، میری دسترس میں نہیں۔ حیاتِ ظاہری کی مکمل چار دہائیاں بھی نہ ملنے پر اتنا بڑا کارنامہ انجام دینا صرف آپ ہی کے بس کی بات ہے۔

یقیناً یہ کارنامہ آپ کے نام کو اس فانی دنیا میں ان شاء اللہ تادیر باقی رکھے گا اور آپ کی دائمی زندگی کا انتظام تو اللہ تعالیٰ نے ان ظالموں کے ذریعے آپ کو جام شہادت نوش کروا کے کر ہی دیا ہے، جنھوں نے سرزمین عراق پر آپ کو مثال علی اکبر ابن الحسین علیہ السلام شہید کیا۔

اسیدمیاں! وہاں کے حالات کا یہاں سے کیا مقابلہ! یہاں تو ایک بے چینی، ایک کسک اور اضطراب کی ایک صورت بوجہ مستقل ہے۔ ظاہری بات ہے کہ ان کیفیات میں یہاں کے معاملات و حالات کو بہت دخل ہے جو روزانہ نئی نئی صورتوں میں پیدا ہوتے ہیں اور ان میں سے ایک صورت عزیزوں اور رفیقوں کی رخصتی بھی ہے، جن میں سے بہت سی بے حد غیر متوقع ہوتی ہیں۔ مثال میں اپنے یار عزیز اور بہترین آرٹسٹ خالد بن سہیل یا شاعر دوست خوجہ جاوید اختر کا نام پیش کر سکتا ہوں اور ان سب کے مقابلے سب سے واضح اور نمایاں مثال خود آپ کی ہے۔ آپ کی روانگی جس قدر غیر متوقع ہے اسے بس دل ہی جانتا ہے۔ مذکورہ بالا دونوں احباب سے خدا کرے آپ کی بھی وہ ملاقات ہو اور اللہ انھیں جنت کے اس حصے کی سیر کی بھی توفیق بخشے جہاں آپ تشریف فرما ہیں۔ آپ ہی کے حصے میں ۱۹۹۷ء میں رخصت ہونے والے شہید مکروود غامیرے آقائے نعمت حضرت مولانا سید افضل اجملی رحمۃ اللہ علیہ سابق سجادہ نشین دائرہ شاہ اجمل بھی ہیں۔ ملاقات ہو تو سلام عرض کیجیے گا اور دائرہ شاہ اجمل میں اپنی حاضری کا ذکر کر کے وہاں کے تازہ حالات سے انھیں مطلع کر دیجیے گا۔

جملہ شہدائے اسلام کی خدمات بابرکات میں ہدیہ سلام پیش کر کے ہمارے لیے دعاؤں کی درخواست کیجیے گا اور سرکار بغداد سید الافراد سیدنا و شیخنا ابو محمد محی الدین عبدالقادر جیلانی غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کی جناب میں قدم بوسی عرض کیجیے گا۔

اسیدمیاں! جو اس سرکار غوث پاک میں ابدی آسودگی اور سرزمین عراق پر سنت علی اکبر ابن الحسین علیہ السلام کی ادائیگی کی سعادت کے سبب سے آپ پر بہت رشک آتا ہے۔ اس کا اظہار میں نے ایک قطعہ میں بھی کیا ہے جو آپ کی شہادت اور جلسہ چہلم کی تاریخ کی مناسبت سے قطعہ تاریخ بھی ہو گیا ہے۔

اسے ملاحظہ کریں:

اے میرے اسید اے گل گزار بدایوں  
 کر کے میرے دل کشت کو برباد ہے تو دفن  
 ہر ذرہ خاک آج ترے شہر کا پیارے  
 مصروف بکا مائل فریاد ہے تو دفن  
 ہر پل متبسم وہ ترا روئے دل آرا  
 ہراک کو دلاتا ہے تری یاد ہے تو دفن  
 جو لوگ کہ ہیں واقف اوصاف و خصائل  
 دل ان کا تری یاد سے آباد ہے تو دفن  
 ہر صاحب علم آج یہ کہتا ہے بصد غم  
 تابندہ ترا ایک اک ارشاد ہے تو دفن  
 ہو خلد میں تو شاد شہیدوں کے جلو میں  
 قاتل ترا تا حشر ہو ناشاد ہے تو دفن  
 دنیائے دنی غم میں ترے بال بکھیرے  
 اندھیر ہے اے نازش زہاد، ہے تو دفن  
 کہتی ہے ہمیشہ تھی تری عاشق صادق  
 اور کہتی ہے تجھ کو ستم ایجاد ہے تو دفن  
 جی بھر کے ہوا رشک سراج عجمی کو

۱۳

زر قدم سید بغداد ہے تو دفن

۲۰۱۳ = ۲۰۰۱ + ۱۳

اللہ تبارک و تعالیٰ بطفیل مطلع قصیدہ آدمیت و مقطع سلسلہ نبوت  
 صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم آپ کے درجات میں روز افزوں ترقی  
 فرمائے اور آپ کی طرح زندگی گزارنے کی اور جان سے گزر جانے کی  
 توفیق جملہ فرزند ان توحید کو کرامت فرمائے۔ آمین!

بہت جلد آپ سے ملاقات اور خدمت میں حاضری کا امید اور

التماس دعا کے ساتھ رخصت۔ خاکسار

سراج اجملی

☆ استاذ شعبہ اردو، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ (یو پی)

### بقیہ: بڑوں کے لیے فخر اور نسل نو کے لیے فخر

اخیر میں اس حقیقت کے اظہار میں بھی کوئی باک نہیں کہ نئی نسل  
 کا علم حدیث و تفسیر کی جانب خصوصی رجحان اور نئی نسل کے اندر تحقیقی  
 مزاج کے نشوونما پانے میں آپ کی شخصیت کا کلیدی رول ہے۔ نئے  
 اور علمی موضوعات پر توسط ماہنامہ 'جام نور' آپ کے تحقیقی مقالات  
 بڑے موثر کن ثابت ہوئے۔ ۲۰۱۱ء میں قائد جنگ آزادی علامہ فضل  
 حق خیر آبادی پر جب پورے ہندوستان میں علامہ کے ڈیڑھ سو سالہ  
 جشن کی تقریبات منائی جا رہی تھیں، آپ نے اور آپ کے رفیق  
 خاص مولانا خوشتر نورانی نے اس تحریک کے روح رواں مولانا نسیم  
 اختر مصباحی کی تحریک پر بالترتیب 'خیر آبادیات' اور 'علامہ فضل حق  
 خیر آبادی: چند عنوانات' کے نام سے نہایت علمی و تحقیقی کتابیں قلم بند  
 فرمائیں جو اسی وقت منظر عام پر بھی آئیں اور برصغیر کے معروف و  
 مستند علمی حلقوں کو متاثر کیا۔ مصباحی صاحب نے ایک مجلس میں ان  
 دونوں حضرات کی علمی خدمات کو سراہتے ہوئے یہ فرمایا تھا کہ:

”اگر اسید الحق اور خوشتر نورانی جیسے اور پانچ چھ اصحاب قلم پیدا  
 ہو جائیں تو ہماری جماعت میں تحقیقی و علمی لٹریچر کا رونا نہیں  
 رویا جائے گا۔“

ابھی پچھلے مہینے کی بات ہے کہ راقم الحروف سے ایک ملاقات  
 میں شیخ صاحب نے نئی نسل کے دو چار صاحبان فکر و قلم کی تحسین کرتے  
 ہوئے فرمایا تھا: ”ارشاد صاحب! اپنی جماعت میں تحقیقی مزاج اور  
 اچھے صاحب قلم کی کمی تو ضرور ہے لیکن نئی نسل میں مولانا ذیشان  
 مصباحی اور مولانا ضیاء الرحمن علمی جیسے اصحاب قلم کی نگارشات کو میں  
 پڑھتا بھی ہوں اور ان حضرات کی شگفتہ اور علمی تحریر کا قائل بھی ہوں۔“  
 اسے پیش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ شیخ صاحب ہمارے درمیان  
 سے گئے تو ضرور ہیں لیکن افراد کی کمی کا مرثیہ لے کر نہیں بلکہ انہوں نے  
 نئی نسل کے اندر اپنے تحقیقی کام کا پچشم خود ملاحظہ کیا۔ میرا تو دل یہ کہہ رہا  
 ہے کہ ان کی روح آستانہ غوث اعظم میں آسودگی خواب پر سرور ہو  
 ہی ہوگی کیوں کہ انہوں نے اپنے پیچھے اپنے احباب و تلامذہ کی ایک بڑی  
 جماعت چھوڑی ہے جو ان کے کام اور مشن کی تکمیل ضرور کرے گی۔

☆ ریسرچ اسکالر: جامعہ ہمدرد، ہمدردنگر، تعلق آباد، نئی دہلی

# بات کرنی مجھے مشکل کبھی ایسی تو نہ تھی

میری آرزو ہے کہ حضرت اسید الحق قادری کی یاد میں ایک ریسرچ جرنل جاری کیا جائے

آبروئے قلم، نباضِ عصر، محترم و مکرم مولانا خوشتر نورانی صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اگرچہ ٹیلیفون کے ذریعے آپ سے علم و عمل کے پیکر، شعور و آگہی کے نور سے آراستہ محقق اور سراپاِ اخلاص دوست علامہ اسید الحق قادری رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کے حوالے سے تعزیت کر لی تھی، مگر اب بھی آپ کو حضرت صاحب کی ڈھیروں یادیں سنانے اور آپ سے سننے کے لیے جی پچھتا ہے، مجھے مصر میں اُن کی ایک محدود رفاقت میسر رہی، اُن کی رحلت سے قبل مجھے خبر ہی نہ تھی کہ اُن کی محبت میری روح کی گہرائیوں میں اس قدر رچی بسی ہے، آپ کے ساتھ تو اُن کی طویل رفاقت رہی، بہت سے سمینارز اور کانفرنسز میں آپ اکٹھے شرکت کیا کرتے تھے، علمی اور تحقیقی کاموں میں بھی آپ ایک دوسرے سے مشاورت کیا کرتے تھے، اللہ ہمارے اس عظیم دوست کے درجات بلند فرمائے، آپ کو صحت و سلامتی اور حوصلوں کی مزید بلندیاں عطا فرمائے، آپ کی گونا گوں صلاحیتوں کو امت کے لیے اور زیادہ نفع مند بنائے۔

میری آرزو ہے کہ حضرت اسید الحق قادری رحمہ اللہ تعالیٰ کی یاد میں ایک خالصتاً تحقیقی مجلہ جاری فرمائیں، اس سے بہت لوگوں کا بھلا ہوگا اور یہ امر حضرت اسید الحق قادری رحمہ اللہ تعالیٰ کی روح کے لیے باعث تسکین بھی ہوگا، ہمارے یہاں پاکستان اور ہندوستان میں ایسے مجلات کی بہت کمی ہے، ان مجلات میں شائع ہونے والے تحقیقی مقالات کے ذریعے یونیورسٹیوں کے اساتذہ کو ترقیات ملتی ہیں، بلکہ ہمارے ہاں پی ایچ ڈی اسکالرشپ کو کسی معیاری تحقیقی مجلے میں ایک تحقیقی مقالہ لازماً چھپوانا پڑتا ہے، ہمارے اساتذہ اور پی ایچ ڈی اسکالرز کو تحقیقی مجلات میں اپنے علمی مقالات چھپوانے میں انتہائی دشواری ہوتی ہے، اگر آپ اس حوالے سے قدم اٹھائیں تو میں بعد میں مزید گزارشات عرض کروں گا۔ ہندوستان میں وسعت علم و فکر کے حامل ڈاکٹر سید علیم اشرف جاکسی صاحب سے بھی اس حوالے سے رہنمائی لی جاسکتی ہے جو کہ میرے علم کے مطابق آپ سے اور حضرت اسید الحق قادری رحمہ اللہ تعالیٰ سے بے لوث محبت کرنے والوں میں سے ہیں۔ ویسے بھی علمی، ادبی اور صحافتی دنیا میں آپ کا ایک وسیع حلقہ احباب موجود ہے، آپ اس ریسرچ جرنل کے حوالے سے مجھے جو خدمت سونپیں گے میں اُس کے لیے حاضر ہوں۔

ممتاز احمد سدیدی (لاہور، پاکستان)

چلچلاتی دھوپ اور لق و دق صحرا جیسی زندگی میں بعض لوگ باہر بہاری کا خوشگوار جھونکا بن کر داخل ہوتے ہیں تو تن بدن کو جھلساتی دھوپ کی تمازت میں کمی کا احساس ہوتا ہے، مشام جاں محبت کی بے لوث خوشبو سے مہک اٹھتا ہے، بے گل اور بے قرار دل کی گہرائیوں میں راحت اور طمانیت کا احساس اترتا چلا جاتا ہے، بغداد شہر میں شہادت کا رتبہ اور حضرت غوث اعظم کے قدموں میں آرام گاہ پانے والے ہمارے فاضل دوست علامہ اسید الحق محمد عاصم قادری بدایونی رحمہ اللہ تعالیٰ کو دست قدرت نے علم کے نور، اخلاقِ فاضلہ کی حلاوت اور خوں دلنوازی سے

مالا مال فرمایا تھا، اُس ہمد ویرینہ کی محبت اور دوستی جس قدر باعث تسکین جاں تھی، اُس رونقِ محفل کی اچانک رحلت اُسی قدر صبر و قرار کو چھین لینے والی تھی، وہ زندہ رہے تو اس شانِ دلربائی کے ساتھ کہ قلوب و اذہان میں اُن سے ملاقات کی تڑپ اور آنکھوں میں اُن کی دید کی پیاس تھی، اچانک اُن کی شہادت کی خبر سنتے ہی اُن سے ادنیٰ سی شناسائی رکھنے والے شخص کی آنکھوں سے بھی اشکوں کا سیل رواں جاری ہو گیا، میں نے علامہ اسید الحق صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی شہادت کے بعد اُن کے حوالے سے کچھ لکھنے کی جب بھی کوشش کی تو میں نے جلتے بجھتے



السلام کی رحلت پر فرمائے تھے، آقا کریم کی چشمان مبارک سے اشکوں کا سیل رواں جاری تھا، مگر آپ نے اس کیفیت میں بھی امت کی تربیت کے لیے فرمایا: ان العین لتدمع وان القلب لیجزع و انا لفراقک لمحزونون یا ابراہیم، ولا نقول الا ما یرضی اللہ عزوجل، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

میں نے حضرت سالم میاں مدظلہ العالی سے جب اپنی بے تابی اور بے قراری کا اظہار کیا تو آپ نے کمال شفقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے عظیم فرزند حضرت صاحبزادہ اُسید الحق صاحب کے حوالے سے فرمایا: ”ایک تو وہ شہادت کا جام نوش کر کے رب کی بارگاہ میں حاضر ہوئے ہیں اور پھر اُنہیں حضور غوثِ پاک کے قدموں میں آرامگاہ ملی ہے۔“ حضرت نے مزید فرمایا: ”میں نے مولانا خوشتر نورانی صاحب سے بھی کہا تھا اور آپ کو بھی کہ رہا ہوں، اب اگر مولانا اُسید الحق اللہ کو پیارے ہو گئے ہیں تو ہمارے ساتھ تعلق نہ توڑ دینا۔“ میں نے عرض کیا: ”آپ سے جو تعلق خاطر پیدا ہو چکا ہے وہ ان شاء اللہ کبھی نہیں ٹوٹے گا، آپ بھی ہمیں اپنے بچوں کے ساتھ دعاؤں میں شامل رکھیں۔“

قاہرہ میں آٹھ سالہ قیام کے دوران نہ بھولنے والے جن معدودے چند لوگوں سے ملاقات ہوئی، اُن میں سے ایک صاحبزادہ اُسید الحق محمد عاصم قادری بدایونی رحمہ اللہ تعالیٰ بھی ہیں۔ ۱۹۹۹ء میں ایک روز جامع الازہر کی طرف سے مسجد سیدنا حسین کی طرف جانے والے زیر زمین راستے کی میڑھیاں اتر رہا تھا کہ آتے جاتے مصریوں کے درمیان دو روشن ہندوستانی چہرے نظر آئے، اُن چہروں کی کشش نے مجھے رکنے پھر آگے بڑھ کر ملنے اور متعارف ہونے پر مجبور کر دیا، مدرسہ قادریہ بدایوں شریف اور حضرت علامہ فضل رسول بدایونی رحمہ اللہ تعالیٰ کے خانوادے سے نسبت کا علم ہوا تو میرا پورا وجود خوشی کی کیفیت سے سرشار ہو گیا، شیخ طریقت حضرت مولانا عبدالحمید سالم میاں بدایونی مدظلہ العالی اور اُن کے نور نظر صاحبزادہ اُسید الحق محمد عاصم قادری بدایونی رحمہ اللہ تعالیٰ کو جب میں نے اپنا تعارف کروایا تو صاحبزادہ صاحب نے فرط مسرت سے فرمایا: ”تو آپ ہیں سیدی صاحب؟ آپ حضرت شرف صاحب کے صاحبزادے ہیں؟ ہندوستان سے چلتے ہوئے ہمارے دوست نوشاد عالم صاحب نے آپ کا تذکرہ کیا تھا۔“ حضرت صاحبزادہ صاحب کی

الفاظ اور مسلسل الجھتے ہوئے تخیلات کے سامنے خود کو بے بس پایا، مجھے ہر مرتبہ یوں محسوس ہوا کہ الفاظ میرے قلم سے روٹھ گئے ہیں، میں جب بھی لکھنے بیٹھا کبھی ماضی کی خوشگوار یادوں میں کھو گیا اور کبھی ایک سچی سجائی محفل کی اچانک ویرانی میں الجھ گیا، میری بے بسی کی حالت کچھ یوں تھی:

بات کرنی مجھے مشکل کبھی ایسی تو نہ تھی  
جیسی اب ہے تری محفل کبھی ایسی تو نہ تھی

علامہ اسید الحق قادری بدایونی رحمہ اللہ تعالیٰ کے حوالے سے میں جب بھی کچھ لکھنے بیٹھا تو مجھے بے بسی کی ایک عجب کیفیت کا سامنا کرنا پڑا، شعور کی گہرائیوں سے نہ لفظوں کے موتی ابھر کر اوپر آئے نہ ہی معانی اور افکار کا نزول ہوا، مگر اشکوں کا سیل رواں مجھے میری تمام تر بے بسی اور بینوائی کے ساتھ اپنے بہاؤ کے شکنجے میں لپیٹ کر بہت دور حسرت و یاس کی وادی میں لے گیا، قتلِ شغائی کے بقول:

اڑتے اڑتے آس کا پتھچی دور افق میں ڈوب گیا  
روتے روتے بیٹھ گئی آواز کسی سودائی کی

جب مجھے حضرت صاحبزادہ اُسید الحق صاحب کی شہادت کی اندوہناک خبر ملی تو کئی احباب سے تصدیق کرنے کے باوجود دل و دماغ اس بات کو ماننے کے لیے تیار ہی نہیں تھے کہ اتنا بڑا سانحہ ہو گیا ہے، پھر حضرت مولانا سالم میاں مدظلہ العالی سے تعزیت کرنے کا حوصلہ نہیں مل رہا تھا، مگر ایک دن میں نے ہمت کر کے مولانا مجاہد صاحب کے ذریعے حضرت سالم میاں مدظلہ العالی سے بات کی تو میں اُن کے صبر، اُن کے جذبہ تسلیم و رضا اور اُن کی استقامت کو دیکھ کر دنگ رہ گیا، زبان سے کسی کو صبر کی تلقین کرنا بہت آسان ہے مگر آزمائش کے وقت عملی طور پر صبر کے سانچے میں ڈھلنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں، میں اب بھی سوچتا ہوں تو گھبرا اٹھتا ہوں کہ ہمارے مخدوم و محترم حضرت سالم میاں مدظلہ العالی کے سامنے آپ کے عظیم بیٹے کی شہادت ہوئی، آدابِ فرزندگی سے آگاہ ایک ایسا سراپا سعادت بنا اُن سے چھڑا جو لاکھوں میں ایک تھا، مگر آپ شدید کرب کے اُن لمحوں میں بھی استقامت کے کوہِ گراں بنے رہے، قضا و قدر کے فیصلوں کے سامنے سر تسلیم خم کیے رہے، میرا وجدان کہتا ہے کہ حضرت سالم میاں مدظلہ العالی کو یقیناً اُن نبوی کلمات کا لہان حاصل تھا جو آپ نے اپنے صاحبزادے حضرت ابراہیم علیہ

کی بھی پہلی ملاقات تھی اور میں بھی پہلی بار اُن کی زیارت کر رہا تھا، اُن کو دیکھ کر اور اُن کی گفتگو سن کر جو پہلا تاثر میرے ذہن پر قائم ہوا وہ یہ تھا کہ.....

ابھی اگلی شرافت کے نمونے پائے جاتے ہیں

اس سفر میں اُن سے مزید چند بار نیاز حاصل ہوا، اُن کی کسر نفسی، تواضع، اخلاق اور خوردہ نوازی نے بے حد متاثر کیا، علم و فن کی ہمالیائی بلند یوں پر فائز ہونے کے باوجود ادنیٰ سے ادنیٰ طالب علم کے لیے بھی انکسار، تواضع اور شفقت بھرا سلوک کرنا، عظمت کا یہ پہلو یا تو میں نے اپنے استاد گرامی امام علم و فن حضرت خواجہ مظفر حسین صاحب میں دیکھا یا پھر اس کی جلوہ نمائی حضرت علامہ شرف صاحب میں نظر آئی۔“

حضرت والد گرامی علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری حضرت صاحبزادہ

اسید الحق صاحب سے مل کر کئی وجہ سے بہت خوش ہوتے تھے، ایک بات تو یہ تھی کہ حضرت صاحبزادہ صاحب حضرت مولانا شاہ عبد القدیر بدایونی ابن تاج الفحول حضرت شاہ عبد القادر بدایونی رحمہما اللہ تعالیٰ کے پوتے ہیں، اس خاندان سے حضرت والد گرامی کو کئی وجہ سے نہایت محبت تھی، ایک وجہ تو اس خاندان کی علمی اور دینی خدمات تھیں، دوسری وجہ یہ تھی کہ تاج الفحول شاہ عبد القادر بدایونی رحمہ اللہ تعالیٰ براہ راست علامہ فضل حق خیر آبادی رحمہ اللہ تعالیٰ کے شاگرد تھے، تیسری وجہ یہ تھی کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ اس علمی اور روحانی خاندان کی طرف محبت بھری نظروں سے دیکھا کرتے تھے، چوتھی وجہ یہ تھی کہ اُن کے سامنے ایک عظیم علمی اور روحانی خانوادے کا ایک عظیم فرد نہ صرف علم کا نور اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے موجود تھا بلکہ اپنی پیشانی پر عجز و نیاز کا جھومر سجائے ہوئے تھا، وہ صرف مریدین سے احترام کروانا ہی نہیں بلکہ اپنی فطری سعادت مندی کے باعث اہل علم کا احترام کرنا بھی جانتا تھا۔ میں نے اُنہیں حضرت والد گرامی کے ساتھ جس محبت اور احترام سے ملتے ہوئے دیکھا وہ اُن کی سعادت مندی اور خاندانی عظمت کی واضح دلیل ہے، اُن کا حضرت والد گرامی صاحب جسے ایک درویش منش آدمی سے جھک کر ملنا اور اُن کے سامنے غایت محبت کے ساتھ دوزانو ہو کر بیٹھنا مجھے کبھی نہیں بھولے گا۔

زبان سے یہ محبت بھرے کلمات سن کر مجھے مزید خوشی ہوئی، صاحبزادہ صاحب نے والد گرامی حضرت علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری (رحمۃ اللہ) کی خیر و عافیت دریافت کی تو میں نے اُنہیں بتایا کہ چند روز میں والد گرامی اور حضرت سید و جاہت رسول قادری صاحب قاہرہ تشریف لارہے ہیں، اس پر دونوں حضرات نے نہایت خوشی کا اظہار کیا، ان دونوں حضرات کے ہمراہ کچھ مزارات پر حاضری دی، پھر جب والد گرامی اور حضرت سید صاحب قاہرہ تشریف لائے تو یہ دونوں حضرات حضرت سالم میاں اور صاحبزادہ اسید الحق سے ملاقات کے لیے ہوٹل میں تشریف لے گئے، تب دونوں طرف سے ایک دوسرے کے لیے محبت اور احترام کے جذبات دیکھ کر میری آنکھیں ٹھنڈی ہو رہی تھیں، بعد میں علامہ اسید الحق صاحب کے ساتھ ملاقاتیں جاری رہیں اور ہر ملاقات کے بعد اُن سے محبت اور انسیت میں اضافہ ہوتا رہا۔ حضرت والد گرامی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ پہلی ملاقات کے حوالے سے حضرت صاحبزادہ صاحب نے اپنے ایک مضمون میں تحریر فرمایا تھا:

”ستمبر ۱۹۹۹ء میں ازہر شریف میں میرا داخلہ کروانے کے لیے والد گرامی قدر حضرت شیخ عبد الحمید سالم قادری مدظلہ مجھے مصر لے گئے، ازہر شریف میں سب سے پہلے جس اردو بولنے والے طالب علم سے ملاقات ہوئی وہ فاضل جلیل ڈاکٹر ممتاز احمد سیدی صاحب تھے، تعارف کے بعد معلوم ہوا کہ آپ علامہ عبدالحکیم شرف صاحب کے فرزند ہیں اور یہاں ازہر میں علامہ فضل حق خیر آبادی کی عربی شاعری پر پی ایچ ڈی کر رہے ہیں، اُن سے ملاقات کر کے مجھے اپنائیت کا احساس ہوا، اور لاشعور میں اجنبی ملک میں تنہا رہنے کا جو ایک خوف سا تھا وہ ممتاز صاحب سے ملاقات کر کے اطمینان میں تبدیل ہو گیا، ممتاز صاحب نے بتایا کہ چند روز میں پاکستان سے شرف قادری صاحب اور حضرت سید و جاہت رسول قادری صاحب تشریف لانے والے ہیں، میرے لیے یہ اطلاع کسی نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں تھی، بہر حال یہ دونوں حضرات مصر تشریف لائے اور ایک دن اچانک ممتاز صاحب دونوں حضرات کو لے کر ہمارے ہوٹل پہنچ گئے، یہ شرف صاحب سے والد گرامی

جن دنوں میں الازہر یونیورسٹی میں پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھ رہا تھا علامہ اسید الحق صاحب نے مجھے بتایا کہ مدرسہ قادریہ بدایوں شریف کی لائبریری میں علامہ فضل حق خیر آبادی رحمہ اللہ تعالیٰ کے قصائد کا ایک مجموعہ موجود ہے، میں نے جھٹ سے گزارش کی کہ مجھے اس کی کاپی عنایت ہو۔ حضرت صاحبزادہ صاحب ہندوستان سے واپس آئے تو انہوں نے علامہ خیر آبادی کے قصائد کی فوٹو کاپی عنایت فرمائی۔ میں نے شکریہ ادا کیا تو انہوں نے بڑی آہستگی سے فرمایا: ”یہ کئی وجہ سے تو میرا فرض تھا۔“ ہمارے فاضل دوست محترم ثاقب رضا صاحب نے بھی راقم کو بتایا کہ علامہ اسید الحق صاحب ان کو بھی انٹرنیٹ کے ذریعے بعض اہم کتابیں مہیا فرمائیں۔ جناب ثاقب رضا صاحب نے مجھے علامہ اسید الحق صاحب کے حوالے سے کچھ ایسی اہم باتیں بتائیں جو ان کی فراخ دلی، تحمل، برداشت اور رواداری پر دلالت کرتی ہیں۔ یہاں لاہور میں ایسے کئی علم دوست احباب ہیں جن کے ساتھ صاحبزادہ مولانا اسید الحق صاحب کا معاملہ بہت مشفقانہ رہا ہے۔ خاص طور پر وہ کسی کے ساتھ بھی علمی تعاون سے گریز نہیں کرتے تھے، بلکہ انھیں اتنا نوازتے تھے جن کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

قاہرہ میں قیام کے دوران کئی مرتبہ حضرت مولانا عبدالحمید سالم میاں مدظلہ العالی سے نیاز حاصل ہوا، آپ جب بھی وہاں تشریف لائے میں ہر دفعہ ان کی شفقتوں اور دعاؤں سے مالا مال ہوا، میں جب بھی ان سے ملا ان کی خاندانی وجاہت اور پھر بدایوں شہر کی طرف نسبت کے باعث آپ سے بہت زیادہ انسیت ہوئی، بدایوں شریف محبوب الہی حضرت خواجہ نظام الدین اولیا رحمہ اللہ تعالیٰ کا شہر ہے، ان دونوں نسبتوں کی وجہ سے حضرت مولانا سالم میاں اور ان کے سرپا ادب فرزند ارجمند صاحبزادہ اسید الحق صاحب سے ایک خاص محبت اور انسیت تھی اور ہمیشہ رہے گی۔

حضرت علامہ اسید الحق قادری بدایونی نے ہندوستان میں رہ کر دینی علوم نہایت توجہ اور محنت سے حاصل کیے اور خیر آبادی نسبت کے زیر اثر امام علم و فن حضرت خواجہ مظفر حسین رحمہ اللہ تعالیٰ سے منطق و فلسفہ میں خصوصی استفادہ کیا، آپ کے والد گرامی حضرت مولانا عبدالحمید سالم میاں مدظلہ العالی نے اپنے اس سرپا سعادت بیٹے کی اس عمدگی

سے تربیت فرمائی کہ حضرت صاحبزادہ صاحب کے دل میں اہل علم سے استفادہ کا ذوق و شوق کوٹ کوٹ کر بھر دیا۔ روایتی صاحبزادوں والی ذہنیت پیدا ہی نہیں ہونے دی، علامہ اسید الحق صاحب ہندوستان میں تعلیم حاصل کر چکے تو انہیں الازہر یونیورسٹی میں داخلہ دلویا، یہ علامہ اسید الحق کا ذوق و شوق تھا کہ انہوں نے الازہر یونیورسٹی سے علوم القرآن میں گریجویشن کرنے کے بعد مصری دارالافتا سے فتویٰ نویسی کی ایک سالہ عملی تربیت حاصل کی۔

علامہ اسید الحق قادری بدایونی رحمہ اللہ تعالیٰ کی والد گرامی حضرت علامہ محمد عبدالحمید شرف قادری رحمۃ اللہ سے ۱۹۹۹ء میں ایک ملاقات ہو چکی تھی، ۱۵ فروری ۲۰۰۳ء میں حضرت والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ دوبارہ مصر تشریف لائے تو علامہ اسید الحق صاحب بہت اہتمام کے ساتھ حضرت والد گرامی سے ملنے کے لیے تشریف لاتے رہے۔

عموما ہوتا یوں ہے کہ ہم کسی بھی پیر خانہ کے ہر بڑے چھوٹے فرد تک کے لیے تو بچتے چلے جاتے ہیں، کسی حد تک اپنے ان اساتذہ کا بھی احترام کرتے ہیں جن سے ہم نے دینی علوم کا اکتساب کیا ہے، مگر ہمارے ہاں ان دورشتوں اور ناطوں کے بغیر کسی ذی علم شخصیت سے عقیدت، محبت اور احترام کا وہ تعلق پیدا نہیں ہوتا جو عموماً مشائخ اور پھر کسی حد تک اساتذہ سے استوار ہوتا ہے، مگر دینی مدرسے کے ایک شیخ الحدیث کا ہاتھ چومنے کی کوشش اور اس قدر محبت کا اظہار علامہ اسید الحق قادری بدایونی رحمہ اللہ تعالیٰ جیسا سراپا ادب اور پیکر سعادت انسان ہی کر سکتا ہے، ہر کسی کو یہ ذوق میسر نہیں آتا۔ ایک پیرزادہ کسی عالم دین کی لہنی اللہ اس قدر تعظیم کرے! یہ معمولی بات نہیں، یہ حضرت صاحبزادہ صاحب کی عظمت اور ان کے گھر کی عمدہ تربیت کی علامت ہے۔

حضرت علامہ اسید الحق قادری کی شہادت کا سانحہ رونما ہوا تو کئی دن تک یوں محسوس ہوتا رہا کہ جیسے صبر و قرار چھن گیا ہے، ہنسنا مسکرانا تو دور کی بات ہے کسی سے بات کرنے سے بھی طبیعت بیزار رہی، ایک دن صبح کی نماز کے بعد والدہ صاحبہ کے ساتھ بیٹھا چائے پی رہا تھا تب میں نے ان کی خدمت میں اپنی یہ کیفیت عرض کی تو انہوں نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ کے فیصلوں کے سامنے سر جھکانا سیکھو، تم کیا جانو کہ حضور غوث پاک کے قدموں میں جو آرام تمہارے دوست کی تربیت پر انوار و



تجلیات کی کیسی بارشیں برس رہی ہوں گی۔ ہر آدمی کی دنیا سے واپسی کا ایک وقت مقرر ہے، پھر یہ بھی دیکھو کہ اُن کا خیر حضور غوث پاک کے احاطے سے اٹھایا گیا تھا، جہاں کی مٹی تھی اپنے مقررہ وقت پر وہیں پہنچ گئی۔“ مجھے والدہ صاحبہ کے ان کلمات سے قدرے صبر و قرار نصیب ہوا۔

گوچرہ سے ہمارے فاضل دوست حکیم عظمت اللہ نعمانی صاحب کو حضرت اُسید الحق قادری بدایونی رحمہ اللہ تعالیٰ سے غایت درجے کی محبت تھی، حکیم صاحب حضرت صاحبزادہ صاحب کو وقتاً فوقتاً کال کرتے رہتے تھے حضرت صاحبزادہ صاحب اُن کے محبت بھرے کلمات سے نہایت محفوظ ہوتے، حکیم صاحب نے مجھے بتایا کہ حضرت صاحبزادہ صاحب نے وصال سے کچھ عرصہ قبل از خود اُن کو کال کی اور تقریباً سولہ منٹ تک شفقت بھری گفتگو فرماتے رہے، اُنہوں نے فرمایا: ”عموما آپ ہی کال کیا کرتے ہیں، میں نے سوچا کہ آج میں بھی آپ کو کال کروں۔“ یہی نہیں بلکہ حادثے والی رات میں حضرت صاحبزادہ نے حکیم صاحب کو خواب میں یہ اشارہ دے دیا تھا کہ اب ہم اس دنیا میں نہیں رہے ہیں اور اگلے دن حکیم صاحب پر اُس وقت رنج و الم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے جب اُنہیں حضرت صاحبزادہ صاحب کی شہادت کی خبر ملی۔

بیقراری کے عالم میں گزشتہ دنوں میں اپنے سراپا شفقت دوست پروفیسر دلاور خان صاحب کے ساتھ حضرت علامہ اُسید الحق صاحب کے حوالے سے بات کر رہا تھا تو اُنہوں نے فرمایا: ”حضرت اُسید الحق صاحب عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق اہل سنت کی نشاۃ ثانیہ کے لیے کوشاں تھے، اُنہوں نے روایتی جمود کو توڑنے کے لیے علمی اور فکری محاذوں پر کام کیا، وہ اہل سنت کو عالمی سطح پر منظم کرنے کے لیے عرب مشائخ سے بھی رابطے کر رہے تھے۔“

حضرت والد گرامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے وصال سے کچھ عرصے پہلے ہمارے چھوٹے بھائی حافظ ثار احمد صاحب سے فرمایا تھا ۲۰۰۷ء میں علامہ فضل حق خیر آبادی کی شہادت پر ڈیڑھ سو سال مکمل ہو جائیں گے، اس موقع پر اور کچھ نہیں تو آپ کی تصنیف ”الثورة الہندیہ“ کا اردو ترجمہ ”باغی ہندوستان“ ہی شائع کر دو اور اس کتاب کی پیشانی پر لکھنا: ”ڈیڑھ سو سالہ یوم جنگ آزادی کی مناسبت سے جدید اشاعت“ شومسی قسمت سے یہ کتاب حضرت والد صاحب کے وصال سے پہلے شائع نہ

ہوسکی بلکہ بعد میں طبع ہو کر آئی، ۲۰۰۷ء میں علامہ فضل حق خیر آبادی کے حوالے سے پاکستان میں تو سمینارز کا اہتمام نہ کیا جاسکا مگر ہندوستان میں منفرد اسلوب نگارش کے حامل علامہ خوشتر نورانی اور حضرت علامہ اُسید الحق قادری کی کوششوں سے کئی سمینارز منعقد ہوئے، ان دونوں حضرات نے علامہ فضل حق خیر آبادی کے حوالے سے باقاعدہ ایک تحریک کو از سر نو منظم کیا اور دونوں حضرات نے ”علامہ فضل حق خیر آبادی: چند عنوانات“ اور ”خیر آبادیات“ کے ناموں سے علی الترتیب و قیاس، علمی اور مفرد لب و لہجے کی کتابیں لکھیں۔ یہ کتابیں پاکستان میں بھی شائع ہوئیں۔ علامہ اُسید الحق صاحب نے اپنی کتاب پر مجھے کچھ لکھنے کے لیے حکم فرمایا تو ساتھ یہ بھی فرمایا: ”کوشش کریں کہ کتاب کے حوالے سے ہی لکھیں، میرے حوالے سے کچھ نہ لکھیں گے تو مجھے خوشی ہوگی۔“ بہر حال میں نے وہ ایک مختصر تبصرہ لکھ کر ای میل کے ذریعے ارسال کر دیا جسے انہوں نے نہ صرف پسند فرمایا بلکہ اسے کتاب کے ساتھ شائع بھی فرمایا اور اس پسندیدگی کا تسلسل تھا کہ انہوں نے امام زین العابدین کی مدح میں فرزدق تمیمی کے قصیدے پر کچھ کام کیا تو ہمارے عزیز دوست جناب رضی اللہ عنہ کے ذریعے مجھ خاکسار کو اس رسالے پر تقریظ لکھنے کے لیے فرمایا، حضرت کی اس محبت کی برکت سے ایک مختصر مگر خوبصورت تقریظ ضبط تحریر میں آئی جو ہندوستان سے شائع ہونے والے اس کتابچے کا حصہ بنی ہے۔

علامہ اُسید الحق قادری بدایونی صاحب جیسے دوست کی محبتوں کا قرض فقط ایک مضمون کے ذریعے چکا یا نہ جائے گا، ان شاء اللہ آئندہ بھی اس حوالے سے لکھتا رہوں گا۔ ایک وقت میری زندگی میں ایسا بھی آیا تھا جب مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ مجھ سے روشنیاں روٹھ گئی ہیں، میرے چاروں طرف تاریکیوں کا ڈیرہ ہے، میرے سر سے سائباں اُٹھ گیا ہے اور میں کسی لوق ووق صحرا میں کڑی دھوپ کی تمازت سے جھلس رہا ہوں۔ جی ہاں مجھ پر یہ کیفیت والد گرامی حضرت علامہ محمد عبد حکیم شرف قادری کی رحلت کے وقت طاری ہوئی تھی جس سے میں اب بھی باہر نہیں نکل سکا۔ علامہ اُسید الحق قادری کی رحلت سے پھر وہی کیفیت بنی ہوئی ہے۔ اللہ رب العزت ہم سبھوں کو صبر عطا کرے۔ □□□

☆ اسٹنٹ پروفیسر: منہاج یونیورسٹی، لاہور (پاکستان)



# لوگ صدیوں میں اتنا کام نہیں کر پاتے

ایسا عالم، محقق، محشی، فلسفی، عاشق رسول، علوم شریعت کا ترجمان اور کاروان ملت کا حدی خواں صدیوں بعد پیدا ہوتا ہے

کے نقیب اعظم تھے۔ انہوں نے امت مسلمہ کی اجتماعی بیداری اور مسلک اہل سنت کی ترویج و اشاعت کی راہوں میں ایک انقلاب انگیز اور تعمیری رنگ و آہنگ سے مرصع طرز تحریر کا فریضہ انجام دیا ہے۔ وہ قرآن و حدیث اور علوم اسلامیہ کے دیگر سرچشموں سے علم و عرفان کا نور حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ مغربی فکر و فلسفہ کی تہ تک پہنچے ہوئے تھے۔ انہوں نے اپنے جدید اسلوب نگارش اور موثر ترین تنقیدی مضامین کے ذریعے سے مغربی تہذیب و تمدن کی حاکمانہ برتری اور علمی ترفع کے تار و پود بکھیر دیے تھے۔ ساتھ ہی مختلف سیمینارز میں پڑھے گئے اپنے وقیع اور محققانہ مقالات کے ذریعے سے بے شمار عہد حاضر کے تعلیم یافتہ نوجوانوں کے دلوں کو ایمانی لطافت سے سرشار اور عقلی و عملی دلائل سے مسلح کر دیا تھا۔

بلاشبہ علامہ اسید الحق قادری کے علم اور معلومات کا دائرہ ان کی کم عمری کے باوجود حیران کن ہے، ان میں تقریباً ہر موضوع پر کلام کرنے کی باضابطہ صلاحیت موجود تھی۔ خواہ وہ مذہب ہو، فلسفہ ہو، سیاست ہو، معیشت ہو، سائنس ہو، فنون لطیفہ ہو یا پھر زبان و ادب ہو، ہر موضوع پر ان کی رائے علم و دانش سے بھرپور اور دل پذیر ہوتی۔ ان کی ذات میں وسیع و عریض علم کے ساتھ ساتھ ایک فقید المثال علمی توازن اور فکری اعتدال بھی موجود ہے۔ طرز استدلال کی جامعیت اور لب و لہجے کی انفرادیت سے ان کی بے پناہ صلاحیتوں کا اندازہ ہوتا ہے۔ وہ کبھی بھی جذبات کو دلائل پر اثر انداز ہونے کی اجازت نہیں دیتے۔ میں یہ بات علی وجہ البصیرت کہہ سکتا ہوں کہ عہد حاضر کے جواں سال علما میں ذہنی و فکری ظروف و احوال کے اعتبار سے علوم معقول و منقول کی عظمت کا جس قدر انکشاف علامہ اسید الحق قادری پر ہوا ہے، کسی اور پر نہیں ہوا ہے۔

علامہ اسید الحق قادری علیہ الرحمہ نے اپنی خداداد ذہانت کے ذریعے سے علم و حکمت، تحریر و تقریر، تعبیر و تبیین، تشریح و توضیح کے میدان

فاضل علوم شرقیہ، حضرة الافاضل، جامع معقول و منقول، وارث علوم تاج اللہ، محقق عصر، علامہ الدھر حضرت مولانا اسید الحق قادری عثمانی بدایونی کے سانچہ ارتحال اور حادثاتی موت پر جس قدر طبعی رنج اور قلبی تکلیف پہنچی وہ میرے ضبط بیان سے باہر ہے۔ اس عظیم ملی و قومی نقصان پر جتنا بھی اظہار افسوس کیا جائے وہ کم ہے۔ علوم و معارف کے جواہرات سے آراستہ اس طرح کی جامع الصفات شخصیات آفاق و انفس کی وسعتوں میں کبھی کبھی اور کہیں کہیں پیدا ہوتی ہیں۔ ایسا عالم، عارف، شارح، محشی، فلسفی، عاشق رسول، علوم شریعہ کا بے باک ترجمان اور کاروان ملت کا حدی خواں صدیوں کے بعد پیدا ہوتا ہے۔ اور شاید پھر صدیوں کے بعد پیدا ہو۔ قدرت نے انہیں اس جواں سالی میں جس علمی و فنی اختصاص سے نوازا تھا، اس حوالے سے ان کے معاصرین میں دور دور تک کوئی اور نظر نہیں آتا، انہوں نے کم عمری میں جس وسیع پیمانے پر عملی و قلمی کارنامہ انجام دیا ہے لوگ صدیوں میں اتنا کام نہیں پاتے۔ افسوس کہ ملت اسلامیہ کے اضطراب میں ڈھڑکنے والا دل ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گیا۔ رازی و غزالی کی درس گاہ فیض کی آبر و ہم سے اچانک رخصت ہو گئی، قوم و ملت کا یہ غم خوار، عالم ربانی اب عرش الہی کے سایے میں محو خواب ہے۔ قبول و مغفرت کے پھول اور ملکوتی فرشتوں کی ہزار ہار خمتیں ان کے وجود پاک پر برسائی جا رہی ہوں گی۔

نہ کہیں جہاں میں اماں ملی، جواں ملی تو کہاں ملی  
مرے جرم خانہ خراب کو، ترے غنوبندہ نواز میں

علامہ اسید الحق قادری نور اللہ مرقدہ صرف برصغیر ہندو پاک ہی نہیں بلکہ پوری امت مسلمہ اور عالم انسانیت کا مشترکہ سرمایہ اور گراں قدر علمی میراث تھے۔ وہ ایک نادر دہر مفکر، بے باک ناقد، فکر انگیز خطیب، باصلاحیت مدرس، دقت طراز قلم کار، زمانہ ساز مدبر، حیات آفریں شخصیت اور اس عہد جدید میں ہزاروں نوجوان علما اور ارباب علم و دانش

میں ایک وقیع اور جامع تصور پیش کیا ہے۔ ان کا دل مذہب و مسلک کے حوالے سے حد درجہ پر خلوص اور حساس تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ مسلک اہل سنت کے موجودہ انتشار کے نتیجے میں دل گیر اور کبیدہ خاطر بھی تھے۔ ان کی تحریروں میں باضابطہ وضاحت اور صراحت تھی۔ پیچیدگی اور ابہام کا دور دور تک کوئی نام و نشان تک نہ تھا۔ آپ کی ہر تصنیف اپنے پورے ربط و ضبط کے ساتھ کسی زندہ مسئلے اور اہم علمی واقعے سے بحث کرتی ہے۔ ان کی ہر کتاب میں رہنمائی، مآخذ و مراجع، مثبت تنقید اور تعمیری لوازم موجود ہے۔ ان کے وسیع و عمیق مطالعے اور تجزیے نے عصر حاضر کے ارباب قلم کو ایک نئی شاہراہ حیات سے آشنا کیا ہے، انہوں نے بہت کم وقت میں بہت زیادہ شاید اسی لیے ہی لکھا کہ قضا و قدر کے فیصلے انہیں بہت جلد ہم سے دور لے جانے والے تھے۔ سرعت تحریر میں مجھے ان کے معاصرین میں کوئی اور ان کا ہم پلہ نظر نہیں آتا۔

علامہ اسید الحق قادری بدیوانی کی تحریری خصوصیات میں یہ بات شامل ہے کہ وہ اپنے موقف کی بنیاد موروثی توہمات و تخیلات کے بجائے مشاہدات و تجربات پر رکھی ہے۔ انہوں نے ایک جانب مظاہر قدرت کو آیات الہیہ کا تقدس عطا فرمایا اور افراد انسانی خصوصاً دینی درسگاہوں کے طلبہ کو کتاب فطرت سائنٹفک مطالعے اور مشاہدے کی جانب متوجہ کیا ہے۔ اور دوسری جانب سرد منطق کو استخراج کی تنگنا یوں سے نکال کر استقرائی و وسعتوں اور پنہائیوں سے روشناس کرایا ہے۔ ان کی محققانہ درسی و غیر درسی تصنیفات اور عملی کاوشوں کو زمانہ یاد رکھے گا۔ وہ اسلام کا غیر فانی اثاثہ بن کر ہمارے دلوں کی کائنات میں بہت دیر تک زندہ رہیں گے۔ ان کی شرحیں لکھی جائیں گی۔ ان سے نظریات تشکیل دیے جائیں گے۔ اسے زرنگار ہاتھوں سے سنوارا جائے گا۔ ان کی ہمہ جہت عملی شخصیت اور فنی کارناموں کو مستقبل کے ارباب قلم مختلف حوالوں سے دیکھیں گے۔ گزرتے ہوئے زمانے کے ساتھ ساتھ مذہبی صحافت میں ان کی تنقید نگاری اور تخلیقات کی پرتیں کھل کر سامنے آئیں گی۔

ابھی تو علم و فن کے بام و دران کے کارنامہ مہائے حیات اور ذہنی دزاک کے انوار سے مزید روشن ہونے والے تھے۔ ابھی تو یہ ابر باران مکمل برسا بھی نہ تھا۔ ابھی تو کشت ویراں پر فصل بہاری آئی بھی نہ تھی۔ ابھی تو مرغ شہرت نے آفاق و انفس کی وسعتوں میں ہال و پر پیدا بھی

نہیں کیے تھے۔ مجھے حد درجہ یقین تھا کہ امام علم و فن، استاذ زمن حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی علیہ الرحمۃ کے وصال سے جو مسند ارشاد خالی ہو گیا ہے، وہ علامہ اسید الحق قادری سے پر ہو جائے گا۔ مگر ہائے رے گردش ایام کی ستم ظریفی! کہ وہ دانائے راز بھی ہم سے اچانک غیر یقینی حالات میں ہمیشہ کے لیے رخصت ہو گیا۔

علامہ اسید الحق قادری اپنے علمی کارناموں کی وجہ سے ہندو پاک کے ارباب علم و دانش میں یکساں تعارف رکھتے تھے، اس طرح کی شہرت کم لوگوں کو میسر آتی ہے۔ وہ اپنی گراں قدر قلمی خدمات کے ساتھ آج بھی ہمارے درمیان موجود ہیں..... ع

مر کے کب ٹوٹا ہے یہ سلسلہ قید حیات

ارباب دعوت و عزیمت موت کے پردوں میں چھپ کر بھی اپنے عشاق کے دلوں پر حکومتیں کرتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ رب قدر دین و سنت کی خدمت کے لیے انہی میں سے ان کے امثال پیدا فرمائے گا۔ علامہ اسید الحق قادری کے علمی مآثر کی حفاظت اور ان کے فکری تسلسل کی بقا کے لیے، ان کے قائم کردہ تاج اللہ لکھنؤ اکیڈمی بدیوانی اور الازہر انٹرنیٹ ٹیوٹ کو مزید محرک ہونے کی ضرورت ہے، تاکہ یہ کاروان علم و فن اپنی منزل آگہی کی جانب رواں دواں رہے۔ برطانیہ و یورپ کے علمائے اہل سنت نے بھی اس عظیم سانحے پر اپنے گہرے رنج و غم اور دلی صدمے کا اظہار کرتے ہوئے ان کی موت کو ملت اسلامیہ اہل سنت و جماعت کا عظیم نقصان قرار دیا ہے۔

ورلڈ اسلامک مشن انگلینڈ کے جملہ قائدین خصوصاً مفکر اسلام مولانا قمر الزماں اعظمی، مانچسٹر، مولانا شاہد رضا نعیمی، لندن، مولانا قاری محمد اسماعیل مصباحی، راجڈیل، مولانا ممتاز احمد اعظمی، بریڈ فورڈ، مولانا محمد میاں مالیک، برمنگھم، مولانا محمد ارشد مصباحی، مانچسٹر، اور مولانا غلام یزدانی مصباحی، لندن نے اپنے مشترکہ بیان میں علامہ اسید الحق قادری کی حادثاتی موت کو پوری علمی دنیا کا ناقابل تلافی نقصان قرار دیا ہے۔ دعا ہے کہ مولیٰ اس شہید عشق و محبت کی قبر پاک پر رحمتوں کے پھول برسائے اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین □□□

✉ ورلڈ اسلامک مشن، کون میری اوینیو، گا سکو (انگلینڈ)

email:mfquadri@hotmail.co.uk

# حیات قابل تبریک اور مہمات قابل صدر شک

مولانا اسید الحق قادری جب تک زمین کے اوپر رہے ہمارے مرکز توجہ رہے اور اب نگاہ غوثیت کبریٰ کے حصار میں ہیں

**علامہ** اسید الحق عاصم القادری سے یوں تو سرسری طور پر میری ملاقات چار پانچ سالوں پیشتر ہوئی تھی، تاہم پچھلے سال ۲۰۱۲ء میں اپنے بھتیجے عزیزم منظر سبحانی کی تقریب شادی کے موقع پر آپ کے ساتھ قدرے تفصیل سے کئی نشستیں ہوئیں۔ موصوف مولانا خوشتر نورانی کے دولت کدے پر ٹھہرے ہوئے تھے اور میں اپنے بڑے بھائی جناب غلام ربانی صاحب دامت برکاتہ کے کمرے میں تھا۔ جہاں تک مجھے یاد ہے کہ شادی اور پھر دعوت ولیمہ، دونوں تقریبات میں شرکت کرنے کی وجہ سے موصوف کا قیام دو تین دنوں تک کھینچ گیا تھا۔ اس درمیان لوگ انتظام و انصرام میں مصروف رہتے تھے اور ہم بہت دیر تک مختلف موضوعات پر تبادلہ خیال کرتے رہتے۔ انہیں سنجیدہ لب و لہجہ اور ناپ تول کر گفتگو کرنے پر قدرت تھی۔ علمی طنز و مزاح کے دوران ہانچیں کھل جاتیں، تاہم بے ہنگم تہقہہ سے گریز کرتے۔ علوم و فنون پر دسترس کے باوجود وہ ہمیشہ دوسروں سے استفادہ کرنے کی کوشش کرتے۔ کہنے کو تو وہ ایک بڑی خانقاہ کے شہزادہ اور ولی عہد بھی تھے، لیکن برصغیر کی خانقاہوں کے شہزادوں کے برعکس، آپ میں نخوت و غرور، تکبر و تعلیٰ اور بڑائی نام کو نہ تھی، بلکہ یہ کہیے کہ طلب و نیاز اور عجز و انکساری کے جذبات انگ انگ سے عیاں رہتے تھے۔

ملت کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور نہایت ہی سرعت کے ساتھ قدم بوسی کے لیے جھک گئے۔ تھوڑی دیر کے لیے میں سکتے میں آ گیا کہ عمر کے لحاظ سے بہت چھوٹے سہی، لیکن علوم و فنون کے پس منظر میں اپنی طبعی عمر سے سالوں بڑے، پھر خانوادے کی نسبت سے نائب سجادہ، پھر عالمی شہرت و عزت کے حامل، اور عاجزی و فروتنی کا یہ عالم کہ ہزاروں کے سامنے اپنے مخدوم گرامی کی قدم بوسی میں کوئی عار نہیں۔ کہنے دیجیے کہ بلاشبہ ہزار کمالات و حسنات کے باوجود اپنے بزرگوں کی بارگاہ محمودیت میں نیاز مندانہ جذبات نے انہیں اپنے ہم عمروں میں بہت ممتاز کر دیا تھا۔ لوگ افسردہ ہیں کہ وہ بہت جلد ہمارے درمیان سے رخصت ہو گئے۔ ٹھیک ہے، یہ حقیقت ہے اور اسے ہم تسلیم کیے لیتے ہیں، لیکن جوہات قابل رشک ہے وہ یہ کہ جب تک وہ زمین کے اوپر رہے، ہمارے مرکز توجہ رہے اور اب جب کہ زمین کے نیچے ہیں تو وہ غوثیت کبریٰ کی نگاہ توجہ کے حصار میں ہیں۔ بہت ممکن ہے کہ لوگوں کے نزدیک وہ اس لیے قابل تعریف ہیں کہ انہوں نے کئی کتابیں تصنیف کیں اور ان کی کوششوں سے پچاسوں نئے تحقیق و ترتیب کے ساتھ شائع ہوئے، تاہم میری نگاہوں میں وہ تمام خدمات جلیلہ بہت ہی زیادہ خمسین و ستائش کے لائق ہی کیوں نہ سہی، مگر شرف شہادت اور وہ بھی اپنے محبوب کی چوکھٹ پر، سارے کمالات و اعزازات پر سبقت لے گیا ہے۔ ارے کسی کو ایک شرف مل جائے تو وہ قابل رشک ہو جاتا ہے، اور یہاں ایک نہیں، دو نہیں، تین تین شرافتیں اکٹھے ہو گئی ہیں۔ شرف شہادت، شہر محبوب میں پرواز روح اور بارگاہ غوثیت کی چوکھٹ میں تدفین۔ شرف شہادت کی عظمت و بزرگی کا اعلان قرآن مقدس کر رہا ہے اور دوسرے اور تیسرے شرف کی رفعت و بلندی خوش عقیدہ علمائے اسلام کے ارشادات سے ثابت ہو رہی ہے۔ **بقیہ صفحہ 195 پر دیکھیں**

خیال رہے کہ یہ بات میں حسن عقیدت کے نشے میں نہیں کہہ رہا ہوں، بلکہ اپنے ماتھے کی آنکھوں سے کیے ہوئے مشاہدات کی ترجمانی کر رہا ہوں۔ گئے ہاتھوں سن ہی لیجیے، ہم سب شادی کے لیے تیار کیے ہوئے عارضی ہال میں بیٹھے محو گفتگو تھے کہ اتنے میں شرف ملت حضرت محمد اشرف مارہروی (چیف انکم ٹیکس کمشنر، کولکاتہ) تشریف لے آئے۔ جوں ہی آمد کی اطلاع کانوں تک پہنچی، میں نے دیکھا کہ موصوف بھاگتے ہوئے صدر دروازے پر پہنچے۔ فرط عقیدت و محبت سے حضرت شرف

# مولانا اسید الحق قادری: اسلاف شناس محقق

وہ ایک وسیع النظر، منصف مزاج عالم و فاضل تھے، جو جغرافیائی سطح پر عقیدت و محبت کی تقسیم کے قائل نہ تھے

خانقاہ قادریہ بدایوں کے چشم و چراغ "مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری بدایونی رحمہ اللہ تعالیٰ" کی رحلت سے علمی دنیا میں ایک عظیم خلا واقع ہو گیا، مختصر مدت میں علامہ نے علم و تحقیق کی روشنی سے ایک عالم کو منور کر دیا تھا۔ مولانا ایک دور اندیش عالم، عظیم مفکر، بلند پایہ محقق تھے، انہوں نے اپنی زندگی بحث و تحقیق، تصنیف و تالیف اور فروغ دین و سنیت کے لیے وقف کر دی تھی، ایک بندہ مومن کے لیے اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے آگے سر تسلیم خم کیے بغیر کوئی سہیل نہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں شہادت مقدر فرمادی تھی، مولانا نے ایک مبلغ اور داعی کی حیثیت سے زندگی گزاری، اور شہادت کی نعمت سے سرفرازی حاصل کی، کرم بالائے کرم یہ کہ میدالاولیا قطب الاقطاب غوث اعظم دہلی رضی اللہ عنہ کے قدیم کریمین میں دفن ہونے کی سعادت نصیب ہوئی۔

مولانا اسید الحق قادری رحمہ اللہ تعالیٰ کا تعلق بیک وقت خانقاہ سے بھی تھا اور درساگاہ سے بھی، انہوں نے جامعہ ازہر سے فراغت حاصل کی اور قلیل عرصے میں تحقیق و تالیف کے ذریعے عظیم خدمات انجام دیں۔ مولانا کی فکر یہی رہی کہ نوخیز نسل کو زور علم سے آراستہ و پیراستہ کیا جائے، اور تعلیم یافتہ طبقے کے شکوک و شبہات کا ازالہ کیا جائے۔

آپ کو جامعہ نظامیہ اور ہانی جامعہ سے موروثی و روحانی وابستگی تھی، آپ کے جد امجد حضرت مفتی عبدالقادر بدایونی علیہ الرحمہ جامعہ نظامیہ میں مہتمم بالشان منصب پر فائز تھے۔ چنانچہ چند سال قبل جب مولانا کا حیدرآباد دورہ ہوا تو جامعہ نظامیہ کا تفصیلی دورہ فرمایا، ہارگاہ حضرت ہانی جامعہ میں حاضری دی، کتب خانہ اور ہانی جامعہ کے نوادرات کا معائنہ فرمایا۔ مولانا شاہ فصیح الدین نظامی کے ہمراہ "ابوالحسنات اسلامک ریسرچ سنٹر" پر تشریف لائے، [zislamic.com](http://zislamic.com) ویب سائٹ کے تمام گوشوں کو با تفصیل ملاحظہ کر کے فرمایا کہ:

"ادارے کی مختلف علمی، تحقیقی خدمات اور بطور خاص الیکٹرانک

میڈیا کے ذریعے اشاعت اسلام کا یہ کام وقت کی ایک اہم ضرورت کی تکمیل ہے۔"

سلف صالحین کے علمی سرمایے سے نوخیز نسل کو واقف کروانے میں بڑی دلچسپی تھی۔ تاریخ ہند و تذکرہ اولیا و علما میں بھی آپ کو مہارت تھی، شرق و غرب، شمال و جنوب کی تفریق کے بغیر تمام اہل اللہ اور اہل علم سے آپ کو بڑی محبت تھی، ہر صاحب فضل کے فضل کا اعتراف کرنا وہ اپنی علمی دیانت داری سمجھتے تھے، چنانچہ حضرت مولانا عبدالوہاب بہاری رحمہ اللہ اور مولانا معین الدین اجمیری رحمہ اللہ کے درمیان منطقی قضیہ کے مقولات ثانیہ میں ہونے یا نہ ہونے کی نسبت مناظرہ کی نوبت آئی تو مولانا عبدالوہاب بہاری رحمہ اللہ نے اس شرط پر مناظرہ کی دعوت قبول کی کہ اس مناظرے کے حکم شیخ الاسلام حضرت علامہ مولانا محمد انوار اللہ فاروقی، بانی جامعہ نظامیہ ہوں، اس پر مولانا معین الدین اجمیری راضی ہو گئے، جیسا کہ مولانا اسید الحق ذکر کرتے ہیں:

اس دعوت کو فقیر بالراس والعمین قبول کرتا ہے، بہتر ہے حیدرآباد چلیے، حضرت مولانا محمد انوار اللہ صاحب دامت برکاتہم کو ہم بھی حکم تسلیم کرتے ہیں، اب آپ کو اس معاملے میں عجلت کرنا چاہیے، جس وقت روانگی کا ارادہ ہو فقیر کو بذریعہ تاریخ مطلع فرمائیے اور بہتر ہو کہ جناب براہ اجمیر شریف حیدرآباد تشریف لے جائیں تاکہ دونوں کا ساتھ ہو جائے، سفر کی منجلیں بخدا لطف کے ساتھ طے ہوں گی، الغرض فقیر ارشاد کی تکمیل کے لیے حاضر ہے۔" (کلی چٹھی کا کھلا خط: بحوالہ مولانا معین الدین اجمیری کردار و افکار: ص: ۶۷، ۶۸)

اس پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا اسید الحق رقمطراز ہیں:

"مولانا کی اس تحریر میں دو باتیں خاص طور سے قابل غور ہیں ایک تو اس سے شیخ الاسلام مولانا انوار اللہ فاروقی رحمۃ اللہ علیہ



## بقیہ عزائم اور منصوبوں کے اک جہان کی موت

(۶) **الادہرائشی ٹیوٹ ہدایوں کی شائیں:** اس انسٹی ٹیوٹ کی

پونے اور اورنگ آباد مہاراشٹر وغیرہ میں مختلف شاخیں بھی قائم کیں، جو اپنے اپنے حلقہ اثر میں بڑی تندہی کے ساتھ خدمات انجام دے رہی ہیں۔

(۷) **عصری علوم کے طلبہ کا دینی ورک شاپ:** گرمیوں کی

تعطیل کلاں میں اسکول اور کالجز کے طلبہ کو باضابطہ علمی اور دینی معلومات فراہم کراتے۔ اس میں ہائی اسکول سے ایم۔ اے تک کے سیکڑوں طلبہ شریک ہوتے۔

(۸) **جامع مسجد شمس ہدایوں میں خطاب:** اس جامع مسجد میں

آپ ہر جمعہ کو خطاب فرماتے اور ہفتہ وار درس قرآن، درس تصوف اور درس حدیث بھی دیتے۔

(۹) **شخصیاتی انسائیکلو پیڈیا:** اس عظیم کام کے لیے مولانا کا منصوبہ

یہ تھا کہ آباد اجداد کی کتابوں کی اشاعت کے بعد ایک ”عالمی شخصیاتی انسائیکلو پیڈیا“ مرتب فرمائیں، مولانا کا کہنا تھا کہ اس قسم کے کام عالم عرب میں ہوئے ہیں مگر افسوس برصغیر کی شخصیات کا اس میں کوئی ذکر نہیں اور اگر ہے بھی تو غلط طور پر ہے، اس کی اصلاح وقت کی بنیادی ضرورت ہے۔ مولانا کا فرمانا تھا کہ اس کام کو تنہا نہیں بلکہ ایک ٹیم ورک کے طور پر مکمل کیا جائے گا۔

(۱۰) **انٹرنیشنل صوفی کانفرنس:** دہلی کے رام لیلا میدان میں جلد

ہی ایک انٹرنیشنل صوفی کانفرنس کا انعقاد بھی ان کے منصوبے میں شامل تھا۔ اس کے لیے باضابطہ پچاس لاکھ روپے کا تخمینہ تھا اور اس سلسلے میں بھی کام شروع ہو چکا تھا۔ مولانا اسید الحق قادری ہدایوں عزائم اور منصوبوں کا ایک جہان لے کر دنیا سے چلے گئے، مولانا نے اپنے کردار و اخلاق سے ایک جہاں کو اپنا شیدائی اور فدائی بنا لیا تھا۔ ان کی رحلت کے بعد مختلف مقامات سے بے شمار تعزیتی فون آئے اور بڑی اہم شخصیتوں نے اظہار تعزیت بھی فرمایا، ان سب کی تفصیلات کا موقع نہیں۔

دعا ہے مولانا تعالیٰ ان کی خدمات کو عام فرمائے، ان کے والدین کریمین اور اہل تعلق اور اہل ارادت کو صبر عطا فرمائے آمین۔ □□□

☆ مدیر اعلیٰ: ماہنامہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ (پونہ)

کا علمی مقام و مرتبہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ صرف منقولات ہی کے امام نہیں، بلکہ معقولات میں بھی اس درجہ بلند مقام کے حامل تھے کہ منطق کے ایک الجھے ہوئے مسئلے کو حل کرنے کے لیے اگر فریقین کسی کے علم اور دیانت و امانت پر اعتبار کر کے فیصل اور حکم ماننے پر آمادہ ہیں تو صرف آپ کی ذات گرامی ہے۔

دوسرے اس عبارت سے مولانا معین الدین اجیری کے خلوص اور کشادہ قلبی کا پتہ چلتا ہے کہ جس شخصیت سے آپ علمی میدان میں برسر پیکار ہیں اسی کو اس محبت کے ساتھ اپنا ہم سفر بنانے کی خواہش کر رہے ہیں، گویا ان کے درمیان کوئی اختلاف ہی نہ ہو، یہ ہے علمی مباحثے میں ہمارے اکابر و اسلاف کا کردار!

قصہ مختصر یہ کہ حیدرآباد کے سفر کی نوبت ہی نہیں آئی اور اسی درمیان شمس العلماء مولانا عبدالوہاب بہاری صاحب کا سانحہ ارتحال پیش آ گیا، ان کی اچانک وفات سے یہ معاملہ کسی فیصلہ کن موڑ پر پہنچنے سے پہلے ہی اپنے انجام کو پہنچا۔“

(خیر آبادیات، ص: ۲۱۵، ۲۱۶)

بہر حال مولانا اسید الحق قادری ایک وسیع النظر، منصف مزاج عالم و فاضل تھے، جو جغرافیائی سطح پر عقیدت و محبت کی تقسیم کے قائل نہ تھے بلکہ ”الحب فی اللہ“ کے پیش نظر اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہی کو وہ اپنے قلبی تعلق اور وابستگی کے لیے اساس و بنیاد سمجھتے تھے۔

آپ کا سانحہ ارتحال امت مسلمہ کے لیے بڑا خسارہ ہے، جب شہادت کی خبر عام ہوئی تو عالم اسلام کے مختلف طبقات کیا علماء، کیا صلحا سب کے درمیان رنج و غم اور کرب و الم کی لہر دوڑ گئی، عوام و خواص نے اظہار تعزیت کے جلسے منعقد کیے، دین کی خدمت میں لیل و نہار گزارنے والے اس جان نثار کو زمانہ رہتی دنیا تک یاد رکھے گا۔ اللہ تعالیٰ مولانا کے درجات کو بلند فرمائے، ان کے والدین کریمین اور جملہ اہل خاندان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ □□□

☆ شیخ الفقہ: جامعہ نظامیہ، بانی ابوالحسنات اسلامک ریسرچ سنٹر، حیدرآباد (دکن)

# علامہ اسید الحق قادری نے گہرے نقوش چھوڑے ہیں

اگرچہ عمر کم تھی، لیکن اس کم عمری میں علوم جدید و قدیم پر انھیں ماہرانہ دسترس حاصل تھی

ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ بیٹی کے سسرال والے بدایوں سے تعلق رکھتے ہیں لہذا نکاح کی تقریب میں خانقاہ عالیہ قادریہ بدایوں کے سجادہ نشین حضرت علامہ سالم میاں قادری بدایونی دامت برکاتہم العالیہ کے صاحبزادے جو، ان کے ولی عہد بھی ہیں، علامہ اسید الحق قادری بدایونی بھی تشریف لارہے ہیں۔ راقم جب نکاح پڑھانے کے لیے ہال میں پہنچا تو ایک نوجوان شیروانی، پاجامہ اور جناح کیپ میں ملبوس کھڑے تھے۔ نثار صاحب نے تعارف کرایا کہ آپ بدایوں سے تشریف لائے ہیں۔ آپ کا نام اسید الحق ہے اور شیخ صاحب کی عرفیت سے مشہور ہیں۔

معانقہ اور مصافحہ کے بعد گفتگو شروع ہوئی۔ راقم نے انھیں بہت ہی منکسر المزاج پایا، نکاح کے لیے جب ہم اسٹیج پر گئے تو ہم نے ان سے کہا کہ نکاح آپ پڑھائیں، عاصم میاں نے فوراً فرمایا کہ جب اولاد غوث الاعظم موجود ہو تو ہم یہ جرأت نہیں کر سکتے، چنانچہ راقم نے نکاح پڑھایا، نکاح کے بعد ہم دونوں نے ایک ہی میز پر کھانا کھایا، اس دوران مختلف موضوعات پر گفتگو ہوتی رہی، انھوں نے خانقاہ بدایوں میں ہونے والی روحانی تبلیغی خدمات اور اس کے تحت چلنے والے اداروں کے بارے میں تفصیلات بتائیں۔ اسی طرح راقم نے بھی درگاہ عالیہ اشرفیہ میں ہونے والی تقاریب علمی، روحانی اور تبلیغی میں لٹریچر اور دیگر کاموں کے متعلق بتایا اور ساتھ ہی ان کو درگاہ اشرفیہ آنے کی دعوت بھی دی جو انھوں نے قبول کر لی اور طے یہ پایا کہ دوسرے دن دوپہر کا کھانا وہ ہمارے ساتھ کھائیں گے۔ اسی دوران تیز بارش ہو گئی، شادی کیوں کہ اوپن ایئر میں ہو رہی تھی، اسی لیے ہم بارش سے بچنے کے لیے ہال کے آفس میں آگئے۔ نثار احمد اشرفی صاحب نے فوراً واپسی کے لیے گاڑی کا انتظام کیا اور ہم عاصم میاں سے ملاقات کر کے گاڑی میں روانہ ہو گئے، وہ ہمیں چھوڑنے کے لیے بارش کے باوجود گاڑی تک آئے۔ اس ملاقات نے میرے ذہن پر ان کے متعلق بہت اچھا تاثر چھوڑا اور

دنیا میں بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جن سے ہم روزانہ ملتے ہیں، لیکن جب وہ دنیا سے جاتے ہیں تو ان کی یادیں بھی ان کے ساتھ چلی جاتی ہیں اور مرور ایام کے ساتھ ساتھ نسیا نسیا ہو جاتے ہیں۔ لیکن اس کے برعکس کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جن سے ہماری ملاقات چند مرتبہ ہی ہو لیکن اپنی خداداد صلاحیتوں اور اخلاق حسنہ کی بدولت وہ اپنے گہرے نقوش ہم پر چھوڑ جاتے ہیں۔ ایسی ہی عظیم شخصیتوں میں سے ایک خانقاہ بدایوں شریف (انڈیا) کے سجادہ نشین تاجدار اہل سنت حضرت علامہ سالم میاں قادری بدایونی مدظلہ العالی کے فرزند و جانشین و ولی عہد حضرت علامہ صاحبزادہ اسید الحق عاصم میاں قادری بدایونی شہید رحمۃ اللہ علیہ تھے جو گذشتہ دنوں اپنے والد، بھائی اور دیگر مریدین کے ہمراہ بغداد شریف حاضر ہوئے مزارات مقدسہ پر حاضری دی اور وہیں سفر کے دوران ایک حادثے کا شکار ہو کر جام شہادت نوش کر گئے۔

موصوف بڑی خوبیوں کے حامل تھے، جید عالم دین، بہترین مقرر، محقق اور کم و بیش ایک درجن کتابوں کے مصنف اور تقریباً ایک سو کے قریب اپنے بزرگوں کی کتابوں کے مرتب، محقق، محشی اور مترجم تھے۔ اگرچہ عمر کم تھی، لیکن اس کم عمری میں علوم جدید و قدیم پر ماہرانہ دسترس حاصل تھی۔ ۳۹ رسال کی عمر میں درس نظامی بھی مکمل کیا، جامع ازہر سے ڈگری بھی حاصل کی اور کتابیں تصنیف فرمائیں اور اپنے بزرگوں کی کتابوں کی تحقیق و ترجمہ بھی کیا۔ قدرت نے ان سے یہ تمام کام اسی لیے کیے کہ ان کو جلدی بلانا تھا۔ میری ان سے صرف تین مرتبہ ملاقات ہوئی، لیکن ان تین ملاقاتوں میں انھوں نے اپنی یادوں کے گہرے نقوش ذہن پر چھوڑ دیے۔

راقم کے والد گرامی اشرف المشائخ حضرت ابو محمد شاہ سید احمد اشرف اشرفی البیلانی قدس سرہ کے مرید نثار احمد اشرفی کی صاحبزادی کا نکاح ہونا تھا، انھوں نے راقم سے نکاح پڑھانے کی درخواست کی اور

ایسا محسوس ہوا کہ جیسے ہماری بہت پرانی شناسائی تھی، ثار احمد اشرفی صاحب کی یہ ڈیوٹی لگائی گئی کہ وہ دوسرے روز عاصم میاں کو ساتھ لے کر آئیں، چنانچہ دوسرے روز حسب وعدہ وہ درگاہ شریف تشریف لائے، پہلے راقم کے جد امجد قطب ربانی حضرت ابو محمد و محمد شاہ سید محمد طاہر اشرف الاشرفی البیلانی اور پھر والد گرامی اشرف المشائخ حضرت ابو محمد شاہ سید احمد اشرف اشرفی البیلانی نور اللہ مرقد ہما کے مزارات مقدسہ پر حاضری دی۔ بعد ازاں ہمارے ساتھ دو پہر کا کھانا کھایا اس موقع پر راقم کے برداران صاحبزادہ حکیم سید اشرف جیلانی، صاحبزادہ سید اعراف اشرف جیلانی، صاحبزادہ سید مصطفیٰ اشرف جیلانی اور صاحبزادہ حافظ سید جمال اشرف جیلانی زید مجد ہم بھی موجود تھے۔

عاصم میاں ہم تمام برادران سے مل کر بہت خوش ہوئے، کھانے کے بعد مختلف موضوعات پر گفتگو رہی۔ ہندوستان اور پاکستان کے حالات اور یہاں ہونے والے علمی اور روحانی کاموں کے متعلق بھی تبادلہ خیال ہوا۔ راقم نے عاصم میاں کو ماہنامہ ”الاشرف“ نیز والد گرامی اور اپنی کتب کا ایک سیٹ پیش کیا۔ انھوں نے خانقاہ عالیہ قادریہ بدایوں کا تعارفی رسالہ ہمیں دیا، ہم نے انھیں اپنی لائبریری بھی دکھائی جسے دیکھ کر وہ بہت خوش ہوئے، انھوں نے ہمیں بدایوں شریف آنے کی بھی دعوت دی، چلتے وقت ہم نے انھیں ایک تحفہ دیا جس کے متعلق انھوں نے فرمایا ”میں صرف اس لیے قبول کر رہا ہوں کہ یہ درگاہ شریف کا تبرک ہے۔“ تین دن کے بعد وہ بدایوں روانہ ہو گئے۔

اس ملاقات کے تقریباً ڈیڑھ سال بعد ثار احمد اشرفی صاحب کا فون آیا اور انھوں نے صاحبزادہ حکیم سید اشرف جیلانی صاحب کو بتایا کہ عاصم میاں بدایوں سے تشریف لائے ہیں اور آپ حضرات سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔ ہم نے ان سے کہا کہ وہ ہمارے ساتھ کھانا کھالیں لیکن ثار احمد صاحب نے بتایا کہ اس مرتبہ ان کی مصروفیات زیادہ ہیں۔ کئی پردگرام ہیں اور کیوٹی وی پر بھی ریکارڈنگ ہے اس لیے وہ صرف درگاہ شریف پر حاضری اور آپ سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔ جمعرات کا دن منتخب ہوا، ہم نے بتایا کہ دس بجے ذکر حلقہ ہوگا تو وہ ساڑھے دس بجے تشریف لے آئیں تاکہ ذکر کے بعد ان سے ملاقات ہو جائے، پونے گیارہ بجے وہ ثار صاحب کے ہمراہ تشریف لائے، مزارات

پر حاضری کے بعد ہم سے ملاقات کی اور اپنی کئی کتب پیش کیں۔ یہ ہماری ان سے تیسری ملاقات تھی، بارہ بجے تک وہ درگاہ شریف میں رہے۔ اس مرتبہ وہ کچھ جلدی میں تھے، انھوں نے بتایا کہ یہاں سے جانے کے بعد کئی کتب جو تیار ہیں وہ منظر عام پر لانی ہیں، جب وہ جانے کے لیے روانہ ہوئے تو ہم نے انھیں درگاہ شریف کے دروازے تک رخصت کیا۔ یہ ہماری ان سے آخری ملاقات تھی۔ پاکستان سے جانے کے بعد انھوں نے ماہنامہ ”جام نور“ دہلی میں ایک مضمون لکھا، جس کا عنوان تھا: ”ہم نے دیکھا پاکستان“ دراصل یہ ان کا سفرنامہ تھا، انھوں نے اس سفرنامہ میں درگاہ شریف آنے کا ذکر کیا اور ہم دونوں بھائیوں کا بھی ذکر کیا، وہ بڑے فعال انسان تھے، خانقاہ قادریہ بدایوں شریف کا انتظام اور وہاں ہونے والی تقاریب اور اس کے تحت چلنے والے اداروں کی نگرانی بھی کیا کرتے تھے۔ مستقبل میں ان کے بہت سے منصوبے تھے اور بہت سا علمی کام وہ کرنا چاہتے تھے، لیکن زندگی نے مہلت نہ دی اور وہ ۳۹ سال کی عمر ہی میں دارفانی سے کوچ کر گئے، لیکن اس کم عمری میں بھی وہ بہت بڑے بڑے کام کر گئے۔ جس وقت ان کی اچانک شہادت کی اطلاع ملی تو راقم فیصل آباد میں تھا، یہ خبر بجلی بن کر گری، ان کا ہنستا مسکراتا چہرہ نظروں کے سامنے گھوم گیا۔ اپنی شہادت سے صرف چودہ گھنٹے پہلے انھوں نے اپنی تصویر فیس بک پر ڈالی تھی، جس میں وہ اپنے والد اور بھائی کے ہمراہ حضور غوث پاک علیہ الرحمہ کی خانقاہ کے صحن میں کھڑے ہیں۔ حضور سیدنا غوث الاعظم علیہ الرحمہ نے ان کی حاضری کو ایسا قبول فرمایا کہ انھیں اپنے پاس ہی رکھ لیا، ان کا جنازہ حضور غوث پاک علیہ الرحمہ کے قدموں میں رکھا گیا اور حاضرین نے سیدنا غوث پاک کی ہارگاہ میں سلام پیش کیا اور پھر اعزاز کی بات یہ تھی کہ نقیب الاشراف جو سجادہ نشین حضرات ہیں ان کے قبرستان میں عاصم میاں کی تدفین ہوئی۔ اور ان شاء اللہ تعالیٰ وہ کل قیامت میں حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کی اولاد کے ساتھ انھیں گے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ ان کے مرقد مبارک پر بے شمار رحمتیں نازل فرمائے او ان کے والد گرامی کو اس عظیم صدمے کو برداشت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ □□□

☆ سجادہ نشین: درگاہ اشرفیہ، اشرف آباد، فردوس کالونی، کراچی (پاکستان)

## عالمانہ وقار اور اسلامی شعار کا پیکر جمیل

شیخ صاحب آداب زندگی سے خوب واقف تھے، ہر شخص سے بڑے خلوص، اخلاق اور تواضع سے پیش آتے

شیخ صاحب طبعاً بہت سنجیدہ تھے۔ ان کی یہ سنجیدگی ان کی تقریر اور گفتگو میں صاف دکھائی دیتی تھی اور موجودہ تحریریں اس کی شہادت دیتی ہیں۔ وہ پیچیدہ، بناوٹی اور جذباتی گفتگو نہیں کرتے تھے اور نہ کبھی اپنی بات پر اڑتے تھے۔ علما کے درمیان گفتگو کرتے تو انتہائی سنجیدگی و متانت سے اپنے دلائل رکھتے۔ علماے کرام ان پر غور کرتے اور قبول کرتے اور عام لوگوں کے درمیان باتیں کرتے تو قدیم اہل تصوف کے انداز میں آسان زبان میں کرتے کہ مخاطب کو پوری بات سمجھ میں آجاتی۔ قبہ لگا کر کبھی نہیں ہنستے، ہاں! کسی بات پر اپنی پسندیدگی کا اظہار کرتے تو زیر لب مسکرا دیتے۔

شیخ صاحب آداب زندگی سے خوب واقف تھے۔ وہ پورے طور پر عالمانہ شان اور اسلامی شعار میں رہتے تھے۔ لوگوں سے ملتے تو ان کی عمر اور ان کے مرتبے کا پورا لحاظ رکھتے ہوئے ملتے اور اسی انداز میں باتیں کرتے۔ کسی نا آشنا شخص سے بھی ان کی ملاقات ہو جاتی تو اسے نا آشنائی کا احساس نہیں ہونے دیتے۔ ہر شخص سے بڑے خلوص، اخلاق اور تواضع سے پیش آتے اور پہلی ہی ملاقات میں لوگوں کے دلوں پر اپنا دیر پا نقش چھوڑ جاتے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ علما اور عوام دونوں کے درمیان یکساں طور پر مقبول تھے۔

راقم الحروف کے ساتھ بھی یہی ہوا کہ پہلی ہی ملاقات میں انہوں نے اپنا گرویدہ بنا لیا۔ اس کے بعد ٹیلی فون کے ذریعہ ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہا۔ ویسے ان سے میری بالمشافہ چار ملاقاتیں ہوئیں: پہلی ملاقات جامعہ صوفیہ کچھوچھو شریف کے زیر اہتمام ایک سیمینار (۲۰۰۶ء) میں ہوئی۔ حسن اتفاق سے ہم دونوں نے ایک ہی نشست میں اپنا اپنا مقالہ پیش کیا۔ بعد اہتمام اجلاس ایک دوسرے سے متعارف ہوئے۔

ہمایوں موجودہ صوبہ اتر پردیش کا ایک ضلع ہے، اس کی سرزمین قدیم زمانے سے بڑی زر خیز اور مردم خیز رہی ہے۔ اس سرزمین سے علم و ادب، تاریخ و تمدن اور رشد و ہدایت کے ایسے ایسے گل و لالہ، سمن و شہلا اور زگس و چمپا کھلتے رہے ہیں کہ ان کی خوشبوؤں سے ہند اور بیرون ہند کے بیشتر حصے مہکتے رہے ہیں۔ عصر حاضر میں اسی سرزمین سے علم و ادب اور رشد و ہدایت کی ایک کٹی (بہ شکل علامہ اسید الحق قادری) کھلی جو پھول بننے اور خوشبو بے خطن ہونے سے پہلے ہی مرجھا گئی۔

غموں پر آنسو بہانا، مصیبتوں پر بے چینی و پریشانی ظاہر کرنا اور گرم شدہ چیزوں پر رنج و غم کا اظہار کرنا فطری بات ہے اور جو چیز جتنی اہم اور عزیز ہوتی ہے اس کے کھوجانے کا غم اور افسوس بھی اتنا ہی زیادہ ہوتا ہے۔ بلاشبہ علامہ اسید الحق کی شہادت سے علم و حکمت، قوم و ملت اور اہل سنت کا جو نقصان ہوا ہے وہ یقیناً بہت بڑا نقصان ہے، یہی وجہ ہے کہ اس نقصان کا غم اور افسوس بھی لوگوں کو بہت زیادہ ہوا ہے۔

علامہ اسید الحق قادری عثمانی بدایونی ملقب بہ عاصم القادری معروف بہ شیخ صاحب ایک ذی استعداد عالم، بااخلاق، منکسر المزاج اور صالح فکر کے حامل انسان تھے۔ وہ کم عمری میں ہی علوم اسلامیہ پر دست رس پا کر اور اپنی خداداد صلاحیتوں کو بردے کا رلا کر اتنے سارے علمی، ادبی، تبلیغی اور اصلاحی کام کر گئے کہ جن کی وجہ سے دور حاضر کے جید علما اور اپنی پاکیزہ طبیعت کی وجہ سے زمرہ صوفیہ میں شمار ہوئے۔

میانہ قد، سیاہ چشم، کشادہ پیشانی، غنچہ لب، گھنی داڑھی اور متبسم چہرہ نے ان کے پیکر کو جمال اور وسعت علمی، تیز فہمی، صاف گوئی، عجز و اکساری، علو معنی، بلند فکری اور حسن اخلاقی نے ان کی سیرت کو درجہ کمال پر پہنچا دیا تھا۔



پیش آئے اور اس والہانہ انداز میں میری عزت افزائی فرمائی کہ مجھے بے حد حیرانی ہوئی۔ حیران ہونے کی دو وجہیں تھیں: ایک تو ناچیز اس کے لائق نہیں تھا، دوسرے عصر حاضر کے اہل خانقاہ (باستثناء انکا ڈنکا) عام لوگوں سے بنا غرض اس حسن اخلاق و تواضع سے پیش کہاں آتے ہیں۔

بہر حال! پروگرام کئی نشستوں میں چلا۔ مسابقتی کے کسی مسابقتی میں تین طلبہ کے نمبر مساوی آگئے تو قرعہ اندازی کے ذریعے فیصلہ ہوا اور اس کام کو انجام دینے کے لیے ناچیز سے کہا گیا کہ ڈاکٹر صاحب! ایک پرچی اس میں سے نکال دیجیے جب کہ حقیقت میں وہاں پر مجھ سے زیادہ لائق اور پریزگار علما اور خود شیخ صاحب موجود تھے۔ میں نے عرض کیا، حضرت! یہ کام تو ہم لوگ آل رسول ﷺ کی موجودگی میں نہیں کرتے، اس لیے آپ ہی انجام دیجیے۔ اس پر شیخ صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ڈاکٹر صاحب! آج آپ مہمان آل رسول ہیں، اس لیے یہ کام آپ ہی کریں گے۔ چنانچہ حکم کی تعمیل کرتے ہوئے میں نے اس میں سے ایک پرچی نکالی تو فیصل نامی بچے کے نام فیصلہ نکل کر آیا۔ رات کو تقسیم انعامات کا پروگرام شروع ہوا جس میں شریک علما نے اپنے اپنے تاثرات پیش کیے۔

شیخ صاحب کی تقریباً ۳۹ سالہ زندگی (پیدائش ۶ مئی ۱۹۷۵ء۔ شہادت ۲۴ مارچ ۲۰۱۳ء، در بغداد شریف) کو جب ہم دو حصوں میں منقسم کر کے دیکھتے ہیں تو پاتے ہیں کہ ان کی زندگی کا ابتدائی حصہ جو پیدائش سے ۲۲ سال تک ہے، وہ ان کے علم و ادب کے سیکھنے، دسترس پانے اور تجربات حاصل کرنے کا ہے۔ بلاشبہ انھوں نے پوری ایمان داری سے اس حصے کا استعمال کیا اور زیادہ سے زیادہ علوم و فنون، حکمت و معرفت اور تجربات کو سمیٹ کر اپنے دامن میں بھر لیا۔ دوسرا حصہ ۲۳ سال سے ۳۹ سال تک کا ہے جو سولہ سال پر مشتمل ہے اور یہ ان کی عملی زندگی کا ہے۔ اس زمانے میں وہ اپنی صلاحیتوں اور تجربوں کو بروئے کار لا کر اتنے ڈھیر سارے کام کر گئے کہ ہم میں سے بیشتر تو اتنے کام اپنی پچاس سالہ عملی زندگی میں بھی نہیں کر پاتے ہیں۔ آپ کے شائع شدہ مقالات، کتابیں، دین کی تبلیغ و اشاعت جنھیں دیکھ کر عقل و نگ رہ جاتی ہے کہ آخر انھیں اتنے سارے کاموں کے لیے وقت کہاں سے مل جاتے تھے کہ وہ ان تمام کاموں کو ساتھ ساتھ کر لیتے تھے، جب کہ ہم

دوسری ملاقات دارالعلوم اصدقیہ بہار شریف (نالندہ، بہار) میں اختتام ایک سیمینار میں ہوئی جو مختصر رہی۔ تیسری ملاقات مارہرہ - نیف (یوپی) کے فکروتمدیر کانفرنس (۲۰۱۱ء) میں ہوئی۔ بعد اختتام کانفرنس ہم (راقم حروف اور ڈاکٹر محبت الحق شعبہ سیاسیات، علی گڑھ) میں گڑھ کے لیے جلد لوٹنا چاہتے تھے اور جس گاڑی سے ہم لوگ گئے تھے اس کے بیشتر افراد بقیہ اجلاس میں شریک ہو کر تاخیر سے لوٹنا چاہتے تھے، اس لیے جناب ڈاکٹر احمد مجتبیٰ صدیقی نے ہم دونوں کے لیے ایک اچھی صورت یہ نکالی کہ علامہ اسید الحق و مولانا خوشتر نورانی صاحبان جو اپنی گاڑی سے علی گڑھ ہی آرہے تھے، ہمیں ان کے ہمراہ کر دیا اور ہم سب علی گڑھ کے لیے روانہ ہو گئے۔ سفر کا آغاز ہوتے ہی گفتگو کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا۔ شیخ صاحب نے ناچیز کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا: ڈاکٹر صاحب! آپ سے میری پہلی ملاقات کچھ چھ شریف میں ہوئی تھی۔ ناچیز نے عرض کیا: جی ہاں! آپ سے میری ملاقاتیں شریف میں ہی ہوئی ہیں! پہلی کچھ چھ شریف، دوسری بہار شریف، تیسری شریف۔ اب دیکھیے اگلی ملاقات کس شریف جگہ پر ہوتی ہے۔ یہ وہ مسکرائے اور بولے: شریف لوگوں سے شریف جگہوں پر ہی ہوتی ہیں۔ ان شاء اللہ اگلی ملاقات بھی کسی شریف جگہ پر ہوگی۔

اقتنا اگلی ملاقات بدایوں شریف میں ہوئی۔ دوران سفر علی گڑھ مختلف موضوعات پر گفتگو ہوتی رہی۔ اس میں سماع کا مسئلہ بھی چھڑ گیا۔ شیخ صاحب سلسلہ قادریہ سے وابستہ ہونے کی وجہ سے سماع کے قائل نہیں تھے، اس لیے انھوں نے سماع کے عدم جواز پر بھرپور دلائل دیے، لیکن ناچیز چوں کہ سماع کا قائل ہے اس لیے قائل نہیں ہوا۔ اسی درمیان ہم لوگ علی گڑھ پہنچ گئے۔ شیخ صاحب خوشتر صاحب کے ہمراہ اپنے کسی رشتہ دار کے گھر چلے گئے اور ہم دونوں اپنے اپنے گھر۔

شیخ صاحب سے ناچیز کی چوتھی اور آخری ملاقات بدایوں شریف (۲۰۱۳ء) میں ہوئی جو قابل یادگار رہی۔ دارالعلوم عالیہ قادریہ بدایوں میں طلبہ کے لیے سالانہ تعلیمی و تربیتی پروگرام منعقد ہوتے ہیں۔ اسی پروگرام میں علی گڑھ سے ناچیز اور نوشاد عالم چشتی صاحب بحیثیت جج بلائے گئے تھے، نیز مختلف مدارس کے علمائے کرام بھی مدعو تھے۔ جب ناچیز خانقاہ قادریہ پہنچا تو شیخ صاحب اس حسن اخلاق اور تواضع سے

میں سے اکثر وقت کی کمی کا رونا رور و کرا سے گزار دیتے ہیں۔

بلاشبہ شیخ صاحب نے اپنی مختصر سی زندگی میں جو علمی، ادبی اور دینی خدمات انجام دیے ہیں وہ قابل رشک اور تقلید ہیں۔ ان کے علمی کاموں کو دیکھ کر لگتا ہے کہ وہ کاموں کو اس تیزی سے پنپا رہے تھے جیسے کوئی شخص شام کے وقت آفس میں اپنا بچا ہوا کام جلدی جلدی پنپاتا ہے تاکہ کل کے لیے کچھ باقی نہ رہ جائے اور ہم لوگوں سے بھی کام کا تقاضا کرتے تھے۔ ساتھ دینے کو کہا کرتے تھے مگر ہم لوگ (بالخصوص ناچیز خود) یہ سوچ کر کہ ابھی وقت بہت ہے کچھ ساتھ نہیں دے سکے، جس کا اب احساس ہوتا ہے اور پچھتاوا بھی آتا ہے۔ اے کاش! انھیں دو چار کل اور مل جاتے تو شاید بہت حد تک کام نیٹ جاتے۔ ان کاموں کے تئیں! ان کے دل میں بہت سی آرزوئیں تھیں اور ہم لوگوں کو ان سے بہت سی امیدیں تھیں مگر، اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔

ان کی علمی خدمات، ان کے اخلاق، ان کی باتیں یا ذاتی رہیں گی اور ان کی کمی کھلتی رہے گی۔ ان کی علمی خدمات اور نگارشات پر گفتگو کرنا تو اہل علم کا حق ہے، جہاں تک ان کے دیگر اہم کارناموں کی بات ہے تو ان میں سے ایک کارنامہ جو میری نگاہ میں اہم ہے وہ یہ ہے کہ شیخ صاحب نے شمالی ہندوستان میں علوم اسلامیہ کو سائنٹفک انداز میں پیش کرنے، انھیں فروغ دینے اور قدیم صوفیانہ نظام کو بحال کرنے میں پہل کی اور انھیں پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے کوشاں رہے۔

شیخ صاحب اپنی نگارشات اور تاج الفحول اکیڈمی سے شائع ہونے والی دوسرے مؤلفین کی کتابیں ناچیز کے مطالعے کے لیے بھیجا کرتے اور جب میں کتاب کے ملنے کی اطلاع اور اس کے لیے شکریہ ادا کرتا تو کہتے، ڈاکٹر صاحب! ضرور پڑھیے گا، کہیں کوئی بات رہ گئی ہو تو اس کی نشان دہی کر دیجیے گا، اگلے ایڈیشن میں اسے درست کر دیا جائے گا۔ ابھی تین مہینے پہلے انھوں نے چند کتابیں بھیجی تھیں، ان میں سے چھوٹی چھوٹی دو کتابیں میں نے پڑھیں اور حسب معمول شکریہ ادا کرنے کے بعد عرض کیا، حضرت! لگتا ہے شائع ہونے سے پہلے فلاں فلاں کتابوں (نام عداؤں نہیں کیا گیا) پر آپ کی نگاہ نہیں پڑی ہے۔ ذرا اس پر نگاہ ڈال لیجیے گا۔ میرے خیال سے ان میں پرودف ریڈنگ کی کمی کے ساتھ ساتھ بعض جگہوں پر ترجمے میں بھی کمی رہ گئی ہے تو انھوں نے

کہا، ٹھیک ہے ان جگہوں کی نشان دہی کر کے بھیج دیجیے۔ اگلے ایڈیشن میں ان کیوں کو دور کر دیا جائے گا۔ پھر میں نے کہا، حضرت! لیکن یہ اصلاح نامہ میری طرف منسوب نہ ہونے پائے اس لیے کہ ایک تو میں خود ایک طالب علم ہوں، دوسرے علمائے ہندوستان کے حالات سے آپ واقف ہیں، یہ لوگ کسی گروپ کا لیبل لگا کر میرے پیچھے پڑ جائیں گے۔ اس پر انھوں نے اپنی ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا: ڈاکٹر صاحب! آپ ڈرتے کیوں ہیں؟ اور ہر آدمی اگر اس طرح بچ بچ چلنے کی سوچ لے تو پھر کوئی علمی کام نہیں ہو پائے گا۔ کیا ہم ہی امت ہیں کہ سب پر تنقید کرتے رہتے ہیں؟ میں نے کہا: حضرت! اس معات میں بھی آپ کو فضیلت و برتری حاصل ہے۔ آپ اپنی زبان، اپنے ہاتھ اور زبانِ قلم سے برائی کو روکتے ہیں اور ایمان کے اعلیٰ درجے پر فائز ہیں۔ ناچیز دل میں غلط کو غلط کہہ کر ایمان کے ادنیٰ درجے پر ہے۔ اس پر وہ اپنے مخصوص انداز میں مسکرائے، پھر سنجیدہ ہو کر بولے۔ ڈاکٹر صاحب! اکل التاریخ کے آخر میں فارسی زبان میں شجرہ طیبہ قادر یہ تحریر ہے، اس کا اردو میں ترجمہ کر کے بھیج دیجیے گا۔ اگلے ایڈیشن میں اس کا ترجمہ بھی شائع کر دیا جائے گا اور مدرسہ عالیہ قادر یہ ہدایوں کے کتب خانے میں ایک قدیم فارسی مخطوطہ (جس کا نام اس وقت وہ نہیں بتا سکے تھے) ہے، اس کو بھی فرصت نکال کر ایڈٹ کر دیجیے گا۔ میں نے ان سے ان دونوں کاموں کے پورا کرنے کا وعدہ کر لیا تھا۔ اول الذکر نام (شجرہ طیبہ قادر یہ) کو ان شاء اللہ جلد ہی ترجمہ کر کے تاج الفحول اکیڈمی کو بھیج دوں گا۔

ثانی الذکر کام کے لیے جو لوگ ادارے میں شعبہ تصنیف و تالیف سے وابستہ ہیں ان سے میری درخواست ہے کہ اگر انھیں اس کے بارے میں علم ہو کہ شیخ صاحب اب اس کام کو کرنا یا کرنا چاہتے تھے تو وہ اس کی کوئی عکسی کاپی بھیج دیں، ان شاء اللہ ناچیز حسب وعدہ اس کام کو بھی پورا کرنے کی کوشش کرے گا تاکہ کچھ حق دوستی ادا ہو جائے۔ احباب، وابستگان اور متعلقین کے لیے انھیں یہی بہترین خراج عقیدت پیش کرنا ہو گا کہ ان کی تحریک کی شمع کو روشن رکھیں، جس سے ان کی روح کو تسکین ملتی رہے۔ □□□

✽ استاذ شعبہ تاریخ، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ (یوپی)

## بے مثال شہرت و مقبولیت کے مالک

مولانا شیخ اسید الحق قادری کی شہادت علم و فن اور تحقیق و تنقید کا بہت بڑا خسارہ ہے

شہادت سے ایک دن قبل تک بغداد میں ان کی کیا کیا سرگرمیاں رہیں، وہ سب ہم تک پہنچ رہی تھیں۔ میری یہ دلی خواہش تھی کہ روزنامہ انقلاب میں وہ مستقل کالم لکھیں، لیکن وہ ہمیشہ یہ کہہ کر معذرت کر لیتے کہ اخبارات میں جو کالم شائع ہوتے ہیں، وہ کافی مختصر ہوتے ہیں اور میں عادتاً طویل مضامین لکھتا ہوں۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ مختصر مضامین لکھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے، بلکہ وہ تحقیقی کاموں میں اس قدر مصروف تھے کہ اخبار کے مستقل کالم کے لیے وقت نکالنا مشکل تھا۔

۲۰۱۲ء میں عرس قادری کے موقع پر انہوں نے روزنامہ انقلاب کے تمام ایڈیشن میں خصوصی ضمیمہ شائع کروانے کا اہتمام کیا۔ عام طور پر اخبارات میں ضمیمہ شائع کرانے کا مقصد ذاتی مفادات کا حصول ہوتا ہے، لیکن انہوں نے ضمیمہ کے لیے جو مواد فراہم کیا، اس کو دیکھ کر ان کی دورانندی اور ملت کے لیے ان کی اعلیٰ سوچ کا قائل ہوئے بغیر نہیں رہ سکا۔ خانقاہ قادریہ بدایوں کے اکابرین کی دینی خدمات، اسلام کی تبلیغ کے لیے جامعہ ازہر مصر جیسے ادارے کے قیام کی اہمیت اور تاج الفحول اکیڈمی کے توسط سے اسلامی لٹریچر کی فراہمی پر خاص طور پر زور دیا گیا تھا۔ مذکورہ ضمیمہ کی رونمائی کے لیے راقم الحروف کو بدایوں آنے کی دعوت دی گئی۔ خانقاہ قادریہ بدایوں جانے کا یہ پہلا موقع تھا۔ عرس کے موقع پر بھیڑ بھاڑ کے باوجود پر تکلف کھانے کا اہتمام اور مہمانوں کی ضیافت کے لیے انتہائی اخلاق مند اساتذہ، مہذب طلبہ اور تربیت یافتہ مریدین و متوسلین کی ایک لمبی قطار دیکھ کر بے انتہا مسرت ہوئی۔ مہمانوں کے استقبال، ان کی ضروریات کا خیال رکھنے اور ان کے قیام و طعام میں کسی طرح کی کوئی کمی نہ رہ جائے، ان تمام نزاکتوں پر پل پل نگاہ رکھنے کے لیے افراد متعین تھے اور وقفے وقفے سے شیخ صاحب کا مہمانوں

نوجوان عالم دین مولانا شیخ اسید الحق عاصم القادری ازہری کی شہادت سے علم و عرفان اور تحقیق و تنقید کی دنیا سونی ہو چکی ہے۔ وہ کیا گئے کہ روٹھ گئے دن بہار کے۔ دہشت گردوں کو کیا معلوم کہ وہ جس شخصیت کو اپنی گولیوں کا نشانہ بنا رہے ہیں، اس سے ان کا مقصد تو پورا نہیں ہو سکتا، لیکن دنیا کے کونے کونے میں بسنے والے بے شمار لوگوں کے دل نہ دروٹ جائیں گے اور علم و فن کی بستی اجڑ جائے گی۔ شیخ اسید الحق شہید ازہری کی مختصر زندگی اور گراں قدر کارناموں کی طویل فہرست پر نظر دوڑاتا ہوں تو اس نتیجے پر پہنچتا ہوں کہ:

ایں سعادت بزور بازو نیست  
تانا بخشد خدانے بخشندہ

شیخ صاحب سے میری پہلی ملاقات ماہنامہ ماہ نور دہلی کے میا محل دفتر میں ۲۰۰۶ء میں ہوئی تھی۔ اس وقت میں مذکورہ رسالے کی ادارت کے فرائض انجام دے رہا تھا۔ اس کے بعد ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہا۔ روزنامہ انقلاب، دہلی میں ایڈیٹوریل انچارج کے طور پر ملازمت کے دوران متعدد ملاقاتیں اور آئے دن ٹیلی فونک بات چیت کا سلسلہ جاری رہتا، کبھی کسی خبر کی اشاعت کے تعلق سے، تو کبھی کسی موضوع پر لکھنے لکھانے کے تعلق سے۔ ۲۰۱۲ء میں خانقاہ عالیہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ، ایٹنہ تین میڈیا کی اہمیت پر منعقد سیمینار میں انہیں خاص طور پر سننے کا موقع ملا۔ ایسے ایسے قدیم رسالوں اور ماہناموں پر انہوں نے گفتگو کی اور تحقیقی کام پر زور دیا، جو ملت کے لیے بہت ہی گراں قدر سرمایہ ہو سکتے ہیں۔ معلوم نہیں کسی نے ان رسالوں پر تحقیقی کام کی طرف توجہ دی یا نہیں؟ ان کو میڈیا کی اہمیت کا بخوبی اندازہ تھا، وہ ہمیشہ اپ ڈیٹ رہتے اور 'فیس بک'، 'ٹویٹرو' وغیرہ کے ذریعے اپنے دوستوں کو باخبر رکھتے تھے۔



کے پاس آ کر خیریت دریافت کرنے کا طریقہ مسور کن تھا۔ عرس کے دوران عام طور پر انتظامیہ کی طرف سے ایسا انتظام نہیں کیا جاتا کہ نماز کے اوقات میں تمام سرگرمیاں روک کر صرف اور صرف نماز کی ادائیگی کا خیال رکھا جائے، البتہ یہ چیز ہم نے شیخ صاحب کی خانقاہ میں دیکھی۔ اذان ہوتے ہی صفیں بچھ گئیں اور زائرین جن کو جہاں جگہ ملی صف بستہ ہو گئے۔ باجماعت نماز ادا کی اور خواہش مند حضرات حلقہ ذکر میں بیٹھ گئے۔ خانقاہوں کا طرہ امتیاز حلقہ ذکر اور تصفیہ قلوب ہی رہا ہے، جو اب ناپید ہوتا جا رہا ہے، البتہ یہاں میں نے اس کا اہتمام دیکھا اور بغداد سے تشریف لائے خانوادہ غوث اعظم کے چشم و چراغ حضرت شیخ محمد توفیق گیلانی مدظلہ العالی کی سرپرستی میں اذکار اور اد سے زائرین فیض یاب ہوئے۔ بعد نماز عشا کا نفرنس کے دوران ادارے کے ایک طالب علم نے انتہائی دلکش انداز میں قراءت سبوح میں قرآن کریم کی تلاوت اور دوسرے نے عربی زبان اور خوبصورت عربی لہجے میں شیخ بغداد کی خدمت میں سپاسنامہ پیش کر کے ہر ایک کا دل جیت لیا۔ ان تمام سرگرمیوں میں شہید بغداد شیخ اسید الحق ازہری رحمۃ اللہ علیہ کی جہد مسلسل، اعلیٰ سوچ، تعمیری نظریہ اور ملت کے لیے مرٹنے کا جذبہ صاف نظر آ رہا تھا۔ بدایوں سے واپسی پر ان تاثرات کا اظہار مشفق محترم شرف ملت حضرت سید محمد اشرف میاں صاحب کے پاس کیا تو انہوں نے کہا کہ افضل یہ بہت پرانی خانقاہ ہے، یہاں کے مریدین کا حلقہ بہت وسیع ہے اور یہاں تربیت پر خاص توجہ دی جاتی ہے۔ میں نے اپنی نگاہوں سے دیکھا ہے کہ خانوادہ برکاتیہ کے تمام ارباب حل و عقد شیخ صاحب سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔

سچ تو یہ ہے کہ شیخ صاحب نئی نسل کے لیے مشعل راہ تھے۔ تعلیم و تحقیق کی جس راہ کے وہ مسافر تھے، اس پر چلنے والوں کی تعداد بہت کم نظر آتی ہے۔ وہ ان موضوعات پر قلم اٹھاتے تھے، جن پر بہت کم یا بالکل ہی نہیں لکھا گیا ہو۔ 'خیر آبادیات' کے نام سے انہوں نے کتاب لکھ کر اسے ایک فن کی حیثیت عطا کر دی۔ ان کی پچاس سے زائد تصنیفات اہل علم کے لیے بیش قیمت تحفہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں جو شکل و صورت عطا کی تھی، اس کی طرف ہر ایک کی نظر جا کر ٹک جاتی تھی۔ وہ اخلاق کے پیکر تھے۔ وہ ملنسار طبیعت کے مالک تھے۔ ان کے قول و فعل میں

یکسانیت تھی۔ بڑوں کی عزت، چھوٹوں سے شفقت اور ہم عمروں کے ساتھ باہمی تعاون کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اتنی کم عمری میں اللہ رب العزت نے انہیں جو مقبولیت عطا کی تھی، وہ اپنی مثال آپ ہے۔ تمام مکتب فکر کے علما کے درمیان ان کی جو عزت تھی، وہ شاید ہم نوجوان نسل میں سے کسی کو حاصل نہیں۔ اگر میں یہ کہوں کہ وہ دلوں کو فتح کر کے فاتح زمانہ بن چکے تھے تو شاید کسی کو اعتراض نہ ہو۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان کی تمام خوبیوں کے پیچھے ان کے والد محترم حضرت شیخ سالم میاں قادری مدظلہ العالی کی تربیت، ان کی دعائیں اور ملت کے لیے ایک مجاہد تیار کرنے کا جذبہ کار فرما تھا، جس میں انہیں کامیابی ملی۔ میں دعا گوں ہوں کہ اللہ رب العزت انہیں اس کا اجر عطا فرمائے اور صبر و شکر کی توفیق دے۔ شیخ صاحب شہید میرے ہم عمر تھے، اس لیے ہم بلا جھجک ان سے کسی بھی موضوع پر بحث کر لیتے تھے۔ وہ حق بات بولنے اور لکھنے سے کبھی اعراض نہیں کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی نے شکایتا چیز کے بارے میں ان سے کہا کہ افضل صاحب کی بہت بڑی کمی یہ ہے کہ وہ اخبار کے دفتر میں اپنے ہم مسلک لوگوں کو ترجیح دیتے ہیں۔ اس پر جواباً انہوں نے کہا کہ، 'یہ تو ان کی خوبی ہے جناب! وہ اس بات سے بے حد خوش تھے کہ انقلاب چھوڑنے کے بعد ناچیز کی جگہ ان کے خانوادے کے خوشہ چیں یا مین انصاری نے سنبھالی۔ یا مین انصاری نوجوان صحافی اور انقلاب دہلی کے ایڈیٹوریل انچارج ہیں۔

مولانا اسید الحق ازہری اپنے پیچھے بہت ساری یادگاریں چھوڑ کر گئے ہیں۔ 'جام نور' میں تقریباً ہر ماہ ان کو پڑھنے والوں کو ہمیشہ ان کی یاد ستاتی رہے گی۔ ان کی شہادت علم و حکمت اور تحقیق و تنقید کا بہت بڑا خسارہ ہے۔ جس طرح انہیں بغداد میں شہید کیا گیا، یہ ملت کا بہت بڑا المیہ اور عالم اسلام میں پھیلی انارکی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ 'جام نور' کا یہ خصوصی شمارہ شہید بغداد کو صرف خراج عقیدت نہیں ہوگا، بلکہ نئی نسل کو آگے بڑھنے میں کلیدی کردار ادا کرے گا۔ اس لیے کہ اس کے قارئین میں نوجوان نسل کی بڑی تعداد شامل ہے۔

□□□

☆ استاذ شعبہ اردو، ڈاکٹر ہری سنگھ گورنور نیورٹی، ساگر (ایم پی)

email: afzalmisbahi@gmail.com



# ایک ممتاز اسلامی اسکالر

مولانا اسید الحق قادری برصغیر پاک و ہند میں علم و ادب کی ایک معجزہ شخصیت تھے

مولانا عبدالحامد بدایونی کا رسالہ ”الجواب المشکور“ شائع کر رہا ہوں، اس کے مقدمے کے سلسلے میں مجھے معلومات درکار ہیں، اگر فرصت ہو تو اس جانب توجہ فرمائیں۔“

حسن اتفاق کہ مولانا اسید الحق قادری کی مطلوبہ دستاویزات اور ۱۹۵۲ء میں جے یو پی کے وفد کی رپورٹ ”تحفظ مسجد نبوی اور آثار مبارکہ“ عربی، فارسی اور دو تینوں زبانوں میں ہمارے ریکارڈ میں موجود تھی، جو ہم نے انہیں ارسال کر دیں، آپ نے بے پناہ اظہار تشکر فرمایا اور ان دستاویزات کو بطور حوالہ استعمال کرنے کی اجازت طلب کی۔

اکتوبر ۲۰۱۳ء میں ہم نے اپنے فیس بیچ پر ”فتاویٰ علماء طہران بجواز بناء الانبياء والائمة وزيارتهم عليهم السلام“ سنہ اشاعت رجب ۱۳۸۱ھ اور مبلغ اسلام علامہ عبدالعلیم صدیقی کا تقریباً ۷۰ سال قبل ۱۳۶۶ھ میں شائع ہونے والا ایک نادر عربی رسالہ جس پر اخوان المسلمین کے بانی شیخ حسن البنا کی تقریظ موجود ہے ”الفتویٰ

النصوص فی بیان الضرائن و المکوس“ کے ٹائٹل بیچ پر لگائے تو حضرت شہید نے ان دونوں اہم رسالوں کو دیکھنے کی خواہش کا اظہار فرمایا، ہم نے دونوں رسالے انہیں ارسال فرماتے ہوئے گزارش کی کہ وہ ہمارے لیے ”الفتویٰ النصوص فی بیان الضرائن و المکوس“ کے اردو ترجمہ کا اہتمام فرمادیں، ہم اس ترجمے کو افادہ عام کے لیے پاکستان میں شائع کرنا چاہتے ہیں۔ حضرت نے بہت جلد ترجمہ مکمل کر کے ارسال کرنے کا وعدہ فرمایا، لیکن زندگی نے انہیں وعدہ وفا کرنے کی مہلت نہیں دی۔ ۹ نومبر ۲۰۱۳ء کو مولانا اسید الحق کی جانب سے ملنے والا پیغام:

”ہمارے ایک دوست مبلغ اسلام پر پی ایچ ڈی کر رہے ہیں، میں نے آپ کا حوالہ دیا ہے، اگر ممکن ہو تو کچھ تعاون فرمادیں۔“

ہمارے نام حضرت کا آخری برقی مراسلہ ثابت ہوا، اور ملت اسلامیہ کا یہ نابغہ روزگار نوجوان خانوادہ بدایونی کا چشم و چراغ اور عظیم اسلامی

محترم السلام علیکم! کیا آپ وہی ترازوی صاحب ہیں جن کی کتاب ”تحریک ختم نبوت سیدنا صدیق اکبر تا علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی ہے؟ یہ کتاب میری نظر سے گزری ہے، خانوادہ علیمیہ پر بہت خوب کاوش ہے، میں نے حال ہی میں ایک طویل مضمون قلم بند کیا ہے، آپ کی کتاب کا حوالہ بھی دیا ہے۔

۲۴ اپریل ۲۰۱۲ء کو شوشل میڈیا کی مشہور ویب سائٹ فیس بک پر محترم مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری شہید کا ہمارے نام یہ پہلا پیغام تھا جو آئے۔ مزید رابطے کا سبب بنا۔ حضرت شہید سے دوسرا رابطہ ۲۹ مئی ۲۰۱۲ء کو اس وقت ہوا جب ہم نے اپنے فیس بک بیچ پر علامہ عبدالحامد بدایونی اور مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی کے جون ۱۹۵۷ء کے دورہ روس سے متعلق تصاویر شیئر کیں تو علامہ اسید الحق قادری صاحب نے پسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے لکھا:

جناب ترازوی صاحب ”تاثرات روس“ ہمارے کتب خانے میں موجود ہے، لیکن مجھے ایک کتاب کی تلاش ہے، ممکن ہے آپ کے پاس ہو، علامہ بدایونی اور مولانا عبدالعلیم صدیقی کے ۱۹۳۶ء میں حجاز کا سفر نامہ حامد بھائی نے لکھا تھا ”وفد حجاز کی رپورٹ“ کے نام سے یہ کتاب اگر دستیاب ہو جائے تو میں بہت ممنون ہوں گا۔“

اس کے بعد ۲۰ مارچ ۲۰۱۳ء کو حضرت شہید کا برقی پیغام ملا: السلام علیکم! ایک ضرورت کے لیے تکلیف دے رہا ہوں، ثاقب بھائی سے بھی کہہ چکا ہوں، مجھے ”جے یو پی“ (جمعیتہ علمائے پاکستان) کی ۱۹۵۲ء تا ۱۹۵۷ء کے درمیان کی سالانہ رپورٹ درکار ہے، یہ غالباً ایک ساتھ شائع ہوئی ہے، دراصل ان سالوں میں جے یو پی کا ایک وفد حجاز گیا تھا اور اس نے شاہ سعود سے ملاقات کر کے گنبد خضرا شریف کے تحفظ کا مطالبہ کیا تھا، میں

اسکا لرح مارچ ۲۰۱۳ء کو عراق میں دہشت گردی کا نشانہ بن کر ہمیں حیران و غمگین چھوڑ گیا۔

گئے دنوں کا سراغ لے کر کدھر سے آیا کدھر گیا وہ عجیب مانوس اجنبی تھا مجھے تو حیران کر گیا وہ

قارئین محترم! اپریل ۲۰۱۳ء سے قبل ہمارا علامہ اسید الحق عاصم قادری سے غائبانہ تعارف تھا، جس کی بنیاد ماہنامہ ”جام نور“ میں شائع ہونے والے آپ کے علمی و تحقیقی مضامین اور مجاہد آزادی علامہ فضل حق خیر آبادی پر پاکستان میں شائع ہونے والی کتاب ”خیر آبادیات“ تھی، گو پاک بھارت سرحدی دیوار نے ہمیں کبھی علامہ اسید الحق قادری سے شرف ملاقات کا موقع نہیں دیا، لیکن انٹرنیٹ کی دنیا سرحدی حدود و قیود کی پابند نہیں، آپ کہیں بھی کسی سے بھی رابطہ قائم کر سکتے ہیں، یوں نیٹ کے ذریعے علامہ اسید الحق قادری سے قائم ہونے والا یہ مختصر سا تعلق ہمارے لیے کسی اعزاز سے کم نہ تھا، ہم نے ہمیشہ اس تعلق کو اپنے لیے باعث فخر و مسرت جانا اور مجلس احباب میں ذکر کرتے ہوئے نازاں و شاداں رہے۔ علامہ اسید الحق قادری خانوادہ قادریہ بدایوں کی علمی، تہذیبی اور روحانی ورثتوں کے امین تھے، آپ حضرت مولانا شاہ فضل رسول قادری بدایونی، تاج الفحول حضرت مولانا عبدالقادر بدایونی، مفتی اعظم سلاطین آصفیہ مولانا عبدالقدیر بدایونی اور حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری کے علوم و فضل کے حقیقی وارث تھے۔

صرف دس سال کے مختصر عرصے میں سو سے زائد کتابوں کی تخریج و تصحیح، تصنیف و تالیف اور تحقیق و تدوین کا حیرت انگیز اور فقید المثال کارنامہ انجام دے ڈالا، یوں صرف ۳۸ رسال کی عمر قلیل میں بزرگوں جیسے کام کرنے والے مولانا اسید الحق قادری نوجوان محقق اور ندرت فکر رکھنے والے عظیم اسلامی اسکالر کے روپ میں ملت اسلامیہ میں ممتاز مقام حاصل کر چکے تھے، انہوں نے اپنے خانوادے کی علمی و تصنیفی خدمات کو ایک نئے رنگ و آہنگ سے مزین کیا اور ”تاج الفحول اکیڈمی“ کے ذریعے اپنے بزرگوں کی سو سے زائد تصانیف اپنی تخریج و تفسیر اور تقدیم کے ساتھ شائع کرنے اور بعض کتابوں کو ہندی، گجراتی اور انگریزی زبانوں میں منتقل کرنے کا بھی اہتمام کیا۔ اُن کی تصنیف و تالیف میں قرآن کی سائنسی تفسیر، خامہ تلاشی، خیر آبادیات، عربی محاورات، حدیث

افتراق امت اور حدیث قدسی کو علمی و ادبی حلقوں میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ آپ کا سب سے بڑا کارنامہ اپنے خاندان کی تاریخ کی از سر نو اشاعت اور اپنے پیرخانے خانقاہ برکاتیہ مارہرہ کی تاریخ اور اکابر مارہرہ کی حیات و خدمات پر مبنی کتب کی اشاعت جدید ہے، علامہ اسید الحق نے مختلف علوم و فنون پر بھی قلم اٹھایا اور سیکڑوں تحقیقی مضامین سپرد قلم کیے، جو ماہنامہ ”جام نور“ کے صفحات کی زینت بن کر اُس کے علمی معیار میں اضافے کا سبب بنے۔

علامہ اسید الحق قادری کا شمار قرآن و حدیث پر گہری نظر رکھنے والے نوجوان علما میں ہوتا تھا، آپ علوم عقلیہ و نقلیہ پر کامل عبور رکھتے تھے، مولانا اسید الحق قادری برصغیر پاک و ہند میں نوجوان علما کے سرخیل اور نئی نسل میں علم و ادب کی ایک معتبر شخصیت تھے، آپ صحیح معنوں میں عالم دین اور اپنے آباؤ اجداد کی ورثتوں کے امین اور اُن کے نقش قدم پر چلنے والے تھے۔ حضرت علامہ اسید الحق قادری کی زندگی ”کم وقت میں زیادہ کام“ سے عبارت ہے، یہی وجہ ہے کہ کم عمری میں انہوں نے علمی میدان میں گراں قدر خدمات انجام دیں، علمی و ادبی حلقوں کو اُن سے بڑی توقعات وابستہ تھیں، زندگی اگر وفا کرتی تو وہ اور بھی محیر العقول اور تاریخ ساز کارنامے انجام دیتے، مگر کاتب تقدیر کی دی ہوئی مہلت ہی اتنی تھی۔

زندگی میں ایک بار انہوں نے اس تمنا کا اظہار فرمایا تھا کہ ”جینے کے لیے مدینہ اور مرنے کے لیے بغداد پسند کرتا ہوں“، رب کعبہ کی قسم وہ کامیاب ہو گئے، اللہ کریم نے اپنے محبوب بندے کی خواہش کو رتبہ شہادت سے اس طرح بدلا کہ ملت اسلامیہ انہیں ہمیشہ ”شہید بغداد“ کے نام سے یاد رکھے گی، آج دنیائے علم و تحقیق کے اس ابھرتے ہوئے مفکر و مدبر، ممتاز محقق، تبحر عالم دین، محدث و فقیہ، قادر الکلام شاعر اور متحرک و فعال علم دوست شخصیت سے وابستہ چند متذکرہ یادیں ہمارا سرمایہ افتخار ہیں، بلاشبہ شہید علامہ اسید الحق قادری ایک عبقری شخصیت تھے، انہوں نے تلاش و جستجو کو ایک نیا رنگ دیا اور عصری تقاضوں کے مطابق تحقیق و تنقید کے نئے زوایے متعین کر کے میدان علم و ادب پر اپنے ائمہ نقوش چھوڑے، اُن کے چلے جانے سے ملت اسلامیہ کا جو عظیم نقصان ہوا، یقیناً اُس کی تلافی کئی دہائیوں تک ممکن نہیں ہے۔ □□□

☆ ماہنامہ افق، کراچی (پاکستان)

## مجلس احباب کا میر

مصر میں رضویات پر پہلی تین کتابوں کی اشاعت اسید میاں کے عطا کردہ بطور قرض پانچ سو ڈالر سے ہوئی تھی

کلاس چیئر کار میں اپنی اپنی جگہ محفوظ کر لی۔ جب میں پہنچا تو میں نے گزارش کی کہ میں نے سکند کلاس کا نہیں تھرڈ کلاس کا ٹکٹ خریدا ہے۔ ہمیں دوسرے ڈبے میں چلنا چاہیے۔ دوستوں نے پہلے سے موڈ بنایا ہوا تھا کہ آج میری بات یکسر تسلیم نہیں کرنا ہے، تو انہوں نے بڑے تفریحی انداز میں فرمایا کہ آج ہم یہیں بیٹھیں گے، کون ہمیں اٹھائے گا؟ ہمارا تو پورا ہولڈ ہے۔ خاص بات یہ کہ یہ ٹرین ریزرویشن والی نہیں تھی جو پہلے آئے، جگہ پائے کا نظام تھا۔ ہم لوگ بہت پہلے ٹرین میں داخل ہوئے مگر غلط جگہ بیٹھنے کی وجہ سے جب ٹرین چلی اور ٹی ٹی آیا تو پہلے تو ہمیں دوسرے ڈبے میں جانے کو کہا یا پنالٹی دے کر یہیں رہنے کو کہا، جو دلچسپ پہلو اس واقعہ کا ہے وہ یہ کہ سارے دوستوں نے پنالٹی دے کر یہیں رہنے کو ترجیح دی، مگر اسید میاں نے میری جانب دیکھا اور میرا اشارہ یہ رہا کہ میں نے ٹکٹ خریدا ہے اور جب آپ نے مجھے امیر بنایا تھا تو میری بات مان لینی چاہیے تھی، اور نہیں مانی تو اب میں مصر ہو گیا کہ پنالٹی نہیں دینا ہے اور ہم جگہ بدل لیں گے۔ جب ہم وہاں سے اٹھ گئے تو وہ جگہ تو پر ہو گئی اور جب اپنے ڈبے میں پہنچے تو ساری سیٹیں فل ہیں، سب لوگ ہمیں دیکھ رہے تھے کہ یہ لوگ سب سے پہلے آئے مگر یہاں کیوں نہیں بیٹھے اور ہم اس سفر میں دو گھنٹے کھڑے رہے۔ اسید میاں نے مجھے دیکھا اور ذرا تصرف کے ساتھ یہ مصرع پڑھا.....

ہم جرم شرافت کی سزا جھیل رہے ہیں

سفر پورا ہو گیا، مگر اسید میاں نے اس سے آگے ہمیں دوسرا مصرع نہیں بتایا، اس کے بعد اس تاریخی سفر کا ذکر جب بھی ہوتا تو ایک معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ وہی مصرع دہرا دیتے۔

اسید میاں کی شخصیت ایسے غم گسار ہمدم کی تھی کہ مجھے فراموش کرنا مشکل ہے۔ میرے حالات کچھ یوں تھے کہ اسید میاں میرے لیے زیادہ مہربان تھے۔ میرے والد گرامی کا انتقال ہوا تو قاہرہ میں مقیم

خانوادہ عثمانیہ بدایوں شریف کے بارے میں بچپن سے سنا کرتا تھا۔ ۱۹۹۲ء میں پہلی بار اجمیر شریف کے سفر میں بدایوں شہر حاضری کا موقع ملا، مگر بڑی سرکار اور چھوٹی سرکار میں حاضری کے علاوہ مجھ جیسا مجہول شخص خانقاہ قادریہ میں باریابی سے محروم رہا۔ اس کے بعد ۱۹۹۸ء میں جامعہ ازہر مصر میں تعلیم حاصل کرنے کا شرف ملا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ کوئی مکی، جون کا مہینہ تھا، دوپہر کی چلچلاتی دھوپ تھی، کھانے کے بعد تھوڑا آرام کر رہا تھا کہ میرے دوست مولانا گل محمد کشمیری آئے اور بتایا کہ میں بدایوں خانقاہ کے شیخ کو ساتھ لے کر آیا ہوں۔ ہاسٹل سے باہر دو محلہ میں مولانا جلال رضا، مولانا آفتاب احمد اور مولانا گل محمد کے ساتھ جب حضرت شیخ سالم القادری مدظلہ العالی سے ملاقات کا شرف ملا تو حضرت نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا ”بھیا کا داخلہ ازہر میں کرانا ہے“ اسید میاں سے پہلی بار ملاقات پردیس میں ہوئی تھی، ہمدردی، اپنائیت اور غمگساری کی چمک جو آنکھوں میں جھلک رہی تھی اسے دیکھ کر وجدان بول اٹھا کہ ایسا دوست پردیس میں اللہ کی نعمت ہے۔ پھر اس کے بعد پانچ سال تک برابر قاہرہ کے قیام کے دوران آپ کے ساتھ تعلق رہا۔ اس درمیان تقریباً ہر سال آپ کے والد ماجد اور آپ کے برادر محترم مولانا عطیف میاں، محترم اکرام بھائی سے ملاقات کا شرف وہیں حاصل ہوتا۔ اسید میاں کے ساتھ تمام درگاہوں کی زیارت میں رفاقت رہی۔ طنطا، اسکندریہ، حمیشوی اور دسوق وغیرہ کا سفر رہا۔

ایک مرتبہ ہم پورے قافلے کے ساتھ جس میں مولانا جلال رضا صاحب، مولانا منظر الاسلام، مولانا گل محمد، مولانا آفتاب احمد اور اسید میاں شامل تھے۔ خادم جب بھی اپنے دوستوں کے ہمراہ سفر میں ہوتا تو ان دوستوں کی نوازش ہوتی کہ مجھے ہی تنظیم کاری کی خدمت کا موقع ملتا۔ ہم طنطا کے سفر پر شام میں نکلنے والے تھے، میں نے چیئر کار کا تھرڈ کلاس کا ٹکٹ خریدا، میں ابھی ٹکٹ لے کر آیا نہ تھا کہ دوستوں نے سکند



ہم طلبہ کی ایک انجمن ”جمعیۃ الطلبة الباحثین“ کی داغ بیل ڈالی اور الحمد للہ تمام سنی طلبہ اس دور میں ازہر میں پڑھنے والے اس سے وابستہ ہوئے۔ اس کے بعد مذکورہ بالا کتاب کے علاوہ دو مزید کتابیں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کی ہی ترجمہ کر کے شائع کی گئیں۔ ایک کا نام ہے ”مقامع الحديد علی خد المنطق الجديد“ اور دوسری کا نام ہے ”جزی اللہ عدوہ بابائہ ختم النبوة۔“

آپ کی شخصیت اتنی متوازن تھی کہ قاہرہ سے واپسی کے تقریباً دس سال ہو رہے، احمد آباد، سورت، دہلی، ممبئی اور بدایوں کے بہت سارے تبلیغی دوروں میں اسید میاں کا ساتھ رہا مگر میں نے سفر ہو یا حضر ہمیشہ آپ کو اپنے معمولات کا پابند پایا۔ اپنی شہادت سے دو روز قبل بھی ناچیز کم علم سے رابطہ کیا۔ آج کل میری مصروفیات کا انہیں اتنا لحاظ تھا کہ سلام کے بعد فرماتے ”جناب! ایک منٹ لوں گا آپ کا“ اگر کئی دنوں کے بعد یہ فون ہوتا تو ناچیز عربی میں ایک آدھ منٹ تک صرف خوش آمدید کے مختلف کلمات دہراتا تو اسید میاں کے عربی ذوق کو اتنی تسکین ملتی کہ کھل کر ہنستے۔ شہادت سے صرف دو روز قبل رات کے نو بج رہے تھے اور جماعت عشا میں صرف ایک منٹ باقی تھا کہ پہلے نمبروں والا فون لہرایا تو میں نے اٹھالیا، فرمایا: ”اسید بول رہا ہوں بغداد سے، بہت جلدی میں ہوں“، میں نے عرض کیا ”حسب معمول“ تو ہنسے اور ایک استفسار کے بعد مع السلامہ ہو گیا۔ کوئی ڈیڑھ دو منٹ کی یہ آخری گفتگو ہی ہماری آخری یادگار بن کر رہ گئی۔

ہمارے ازہری دوستوں کے علاوہ دیگر لوگوں کے بہت فون مجھ ناچیز کے پاس آئے کہ اسید میاں کی شہادت ہمارے بڑے اچھے دوست سے محرومی ہے، مصر سے مولانا جلال رضا نے پہلے عراق عطیف میاں سے بات کی اور اس کے بعد ہی مجھے فون کیا اور ان کا دل چیرنے والا یہی جملہ تھا کہ ”شیخ! اسید میاں کی رحلت نے مجھے بہت رلایا“ امریکہ سے مولانا منظر الاسلام کا فون آیا کہ ”حضرت! اسید میاں یوں ہمیں داغ مفارقت دے گئے۔“ ہم ان سارے تاثرات پر صرف اتنا عرض کر کے اپنی تسلی کا سامان کرتے ہیں کہ رب تعالیٰ کی یہی مرضی تھی، اور ہم اپنے رب کی مشیت سے راضی ہیں۔ □□□

☆ استاد: جامعہ البرکات، انوپ شہر روڈ، جمال پور، علی گڑھ (یوپی)

سارے طلبہ تعزیت کے لیے تشریف لائے، اسید میاں بھی تشریف لائے اور تعزیت کے بعد فرمایا کہ اپنے گھر کا فون نمبر دیجیے۔ گھر کا نمبر لے کر میرے بھائیوں سے بھی بات کی اور اس کے بعد لگا تار دو دن تشریف لائے، جب کہ ان کی رہائش گاہ سے میرا ہاسٹل تقریباً دس کلو میٹر کے فاصلے پر تھا اور سٹی بس یا ٹیکسی کے ذریعے ہی آنا جانا تھا۔ مجھے اسید میاں سے زیادہ ملاقات کا موقع دینا شاید فطرت کو منظور تھا، کیوں کہ جس علاقے میں اسید میاں تھے اور جس علاقے میں میں تھا وہاں کوئی براہ راست سٹی بس شروع میں نہیں تھی۔ مگر ایک سال کے اندر ہی ایک نئے نمبر کی سٹی بس شروع ہو گئی، اتفاق سے انہی دنوں حضرت صاحب سجادہ حضور سالم میاں تشریف لائے تو میں نے حضرت سے عرض کیا کہ اب تو ایک براہ راست نئی بس بھی شروع ہو گئی تو مسکرا کر فرمایا کہ ”بھیا سے ملاقاتوں کا اتفاق زیادہ ہوگا۔“ دوستوں کے درمیان کسی ایک دوست کی الگ شناخت اور امتیازی شان ہو، ایسا کم ہوتا ہے۔ مگر اسید میاں کی شخصیت اتنی ممتاز تھی کہ وہ جس مجلس میں ہوتے تو میرا کارواں ہوتے اور جس میں حاضر نہ ہو پاتے تو سب کو آپ کا ہی انتظار ہوتا۔

اسید میاں کی ذات گرامی کتنی علم دوست تھی، اس کا اندازہ آپ اس سے لگا سکتے ہیں کہ مولانا جلال رضا، مولانا منظر الاسلام اور مولانا گل محمد کشمیری نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کے تین رسالے جو رد قادیانیت میں ہیں، عربی ترجمہ کر کے وہاں قاہرہ سے چھپوانے کی کوشش کی، خادم علمی کاموں میں کم تنظیمی کاموں میں پیش پیش رہا، جب یہ رسالے کمپوزنگ، پروف ریڈنگ کے مراحل سے گزر چکے تو میں نے جناب الحاج سعید نوری سے رابطہ کیا۔ کوئی پانچ سو ڈالر کی ضرورت تھی تو سعید نوری صاحب نے اسید میاں کو فون کر کے درخواست کی کہ آپ حضرات وہاں اہل سنت و جماعت کے فروغ کے لیے جو بھی کام ہو سکے کریں، پیسے کی پروا نہ کریں، جلد بھیجا جائے گا۔ اسید میاں نے فوراً ہم لوگوں سے مل کر فرمایا پیسہ آجائے گا، لیکن یہ کام ابھی ہونا چاہیے، لہذا آپ نے اپنی جیب خاص سے پانچ سو ڈالر رعناپت کیے اور کتاب چھپ کر منظر عام پر آ گئی۔

ہر دم آپ کسی نئے کام کو شروع کرنے کی فکر میں رہتے تھے۔ آپ کی یہ مختصر مگر پائیدار علمی زندگی اس کی گواہ ہے۔ آپ نے قاہرہ میں



# بڑوں کے لیے فخر عصر اور نسل نو کے لیے خضر عصر

علامہ اسید الحق قادری کی علمی و تحقیقی صلاحیت اور فکری بصیرت نے بڑے بڑوں کو اعتراف پر مجبور کر دیا

نہایت اعتماد کے لہجے میں جواب دیتا چلا گیا کہ نہیں ایسا نہیں ہو سکتا، ابھی تو کل ہی کی بات ہے، ان کے رفیق خاص مولانا خوشتر نورانی صاحب سے میری تفصیلی بات ہوئی تھی، انھوں نے مجھ سے آج کے بارے میں فرمایا تھا کہ بدایوں سے شیخ صاحب (مولانا اسید الحق عاصم القادری) کے ایک عزیز شاگرد (مولانا عبدالعلیم مجیدی) دہلی تشریف لارہے ہیں۔ شیخ صاحب نے انھیں میری آنے والی کتاب 'تحریک جہاد اور برٹش گورنمنٹ' کی تصحیح کے لیے بطور خاص بھیجا ہے اور دو دن بعد خود شیخ صاحب بغداد مقدس میں آستانہ غوث اعظم پر حاضری کے بعد ہندوستان تشریف لارہے ہیں۔ پھر وہ پوری کتاب لے کر بدایوں جائیں گے۔ ان شاء اللہ رواں مہینے کے نصف تک یہ کتاب ان کی نظر ثانی کے بعد پرنس کے حوالے کر دی جائے گی۔ پھر ابھی تو فیس بک پر ہم لوگوں نے ان کی بارگاہِ غوثیت (بغداد شریف) میں حاضری کی تفصیلات دیکھی تھیں، پھر ابھی تو سامنے کی بات ہے کہ جب وہ ۸ فروری کو کیرلا عالمی انٹرنیشنل کانفرنس میں شرکت کے بعد دہلی تشریف لائے تھے تو پورا ایک دن مولانا خوشتر نورانی کی رفاقت میں ان کے ساتھ تھا۔ انھیں جامعہ ہمدرد کی سینٹرل لائبریری دیکھنی تھی۔ پورے دن ہم لوگ ان کے ساتھ رہے۔ مختلف موضوعات پر ان سے استفادہ کرتے رہے۔ اتنا ہنستا ہوا نورانی چہرہ، جواں سال، جواں طبیعت، خوش گفتار، کاروانِ علم و تحقیق کا یہ جانباز سپاہی کیسے اس قدر جلدی ہم سے رخصت ہو جائے گا۔ سچی بات یہ ہے کہ مجھے اس خیال نے نڈر بنادیا تھا کہ اس سے قبل بھی ہمارے کئی اکابر کے سلسلے میں اسی طرح کی افواہ گرم ہوئی تھی، لیکن بعد میں وہ خبر غلط ثابت ہوئی۔ میں پورے طور سے مطمئن تھا کہ یہ خبر بھی اسی قبیل سے ہوگی اور ابھی تھوڑی دیر میں اس خبر کی تغلیط آئے گی، لیکن معا بعد دوبارہ چشتی صاحب کا فون آیا کہ مولانا اسید الحق صاحب کے بارے میں کچھ معلوم ہوا؟ میں نے کہا: کیا؟ انھوں نے فرمایا: وہ دہشت گردوں

یوں تو اس دنیا میں سینکڑوں لوگ روزانہ آتے ہیں اور بہت سے لوگ موت کی آغوش میں ابدی نیند سو جاتے ہیں، لیکن ایسی شخصیت جن سے اکابر و اصغر سمجھوں کو سینکڑوں امیدیں وابستہ ہوں، جن کے علم و تحقیق کا شہرہ عام ہو، قوم و ملت اور فرد و جماعت کی اصلاح و خدمت کی سچی تصویرنگاہوں کے سامنے ہو، پوری قوم کو جس پر نہ صرف ناز ہو بلکہ وہ بڑوں کے لیے 'فخر عصر' اور نئی نسل کے لیے 'خضر عصر' کی حیثیت رکھتی ہو ان کی موت کی خبر پر انسان کا ذہن شدتِ غم و اندوہ کے باعث بے یقینی کا شکار ہو جاتا ہے، کیا واقعی ان کا انتقال ہو گیا؟ کیا واقعی علم و عمل کی جامع شخصیت اٹھ گئی؟ کہیں یہ خبر جھوٹی تو نہیں؟ ہر طرف بے یقینی کی انتہائی کیفیت طاری ہو جاتی ہے، طرح طرح کے سوال اس خبر کے بے یقینی ہونے کا تقاضا کر رہے ہوتے ہیں۔ خبر کی تصدیق پر مومن اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھنے کے بعد نہ صرف اس شخصیت کے سانچے ارتحال پر یقین کر لیتا ہے بلکہ مرضی مولیٰ پر راضی برضا رہتے ہوئے ان کی مغفرت اور بلندی درجات کے لیے دعا میں مصروف ہو جاتا ہے۔

کچھ یہی کیفیت میری بھی تھی۔ مورخہ ۳ مارچ ۲۰۱۲ء کو اس وقت جب فاضل جلیل، محقق بے نظیر، آبروئے اہل سنت، چشم و چراغ خانوادہ عثمانیہ، ولی عہد خانقاہ قادریہ بدایوں حضرت مولانا اسید الحق عاصم القادری ازہری علیہ الرحمۃ والرضوان کے سانچے ارتحال کی خبر ملی، اس تعلق سے راقم الحروف کے پاس سب سے پہلے محبت گرامی مولانا نیاز احمد مصباحی صاحب کا فون آیا کہ مولانا اسید الحق صاحب کے تعلق سے اس طرح کی خبریں آرہی ہیں، پھر اس کے بعد تو پے درپے درجنوں فون اسی خبر کی تصدیق کے لیے آئے۔ میں اس وقت ماہِ نور شمارہ اپریل کے لیے انتخاب مضامین میں مصروف تھا۔ دس منٹ قبل ہی ماہِ نور کے مدیر اعزازی ڈاکٹر نوشاد عالم چشتی سے مضامین کے انتخاب پر گفتگو ہوئی تھی، اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو وہ ضرور اطلاع دیتے۔ میں ہر ایک کو

اور استفادہ کرتا رہا۔

’قرآن کریم کی سائنسی تفسیر‘، محافل میلاد میں موضوع روایات: ایک علمی مطالعہ، اسلاف و اکابر کی کتابوں میں تحریف: ایک تحقیقی جائزہ جیسی تحریریں قارئین کے لیے نہایت دلچسپی کے موضوعات ثابت ہوئے، ہمارے حلقہ احباب میں آپ کی علمی صلاحیت، تحقیقی بصیرت اور فنی لیاقت کا پر زور تذکرہ رہا۔ سبھی لوگ آپ کے انتخاب موضوعات اور پختگی فکر و قلم پر داد و تحسین دیتے نظر آئے۔

فراغت کے تیسرے سال (مارچ ۲۰۰۷ء) دارالقلم دہلی حاضر ہوا۔ اسی سال دارالقلم ہی میں آپ کی پہلی بار زیارت ہوئی۔ علمی و تحقیقی صلاحیت کا تو پہلے سے معترف تھا، جب آپ کے حسین و جمیل نورانی چہرے کی زیارت ہوئی اور عالمانہ رکھ رکھاؤ کو دیکھا تو ایک خوشگوار مسرت ہوئی کہ انہوں نے اپنے خاندانی ورثے میں علم و فضل کی وراثت کے ساتھ عالمانہ وقار بھی پایا ہے۔ وہ مجھ سے عمر میں کئی سال بڑے تھے اور میں ان کی علمیت کا دل سے قائل تھا، جیسے ہی میری ان سے ملاقات ہوئی، کسی نے میرا تعارف کراتے ہوئے کہا: یہ بھی ذیشان صاحب، نیاز مصباحی، ظفر برکاتی وغیرہ کے ہم درس ہیں۔ اسی درمیان میں نے ازراہ عقیدت و احترام ان سے مصافحہ کے ساتھ ان کی دست بوسی کے لیے جھکا۔ انہوں نے میرا ہاتھ پکڑتے ہوئے محبت سے میرے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے فرمایا: ارشاد صاحب! اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہم لوگ کام کی جانب توجہ دیں۔ یہ ان کا بڑا کہن تھا ورنہ میں تو نہ صرف ان کی علمی صلاحیتوں کا قائل تھا بلکہ دل سے ان کی عظمتوں کا معترف بھی۔ اس کے بعد متعدد مرتبہ آپ سے ملاقات کا شرف حاصل ہوتا رہا۔ جب آپ سے ملاقات ہوئی، آپ کی علم دوستی، اصغر نوازی، حسن اخلاق اور جماعت کے تئیں مثبت پیش قدمی کے جذبات سے آپ کے ذہن و فکر کو لبریز پایا۔ علم و فن کے وہ میدان جن کی جانب عام طور سے توجہ نہیں دی جاتی، انہوں نے اپنے لیے ہمیشہ ایسے ہی نئے اور اچھوتے موضوعات کا انتخاب فرمایا اور اپنے احباب کو بھی اسی کی ترغیب دی۔

ایک مجلس میں آپ نے راقم الحروف سے اس کا براہ راست اظہار بھی کیا تھا کہ ارشاد صاحب! بہت سارے موضوعات ہیں جن پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔ موضوع کے تعلق سے ہمیشہ یہ پہلو ملحوظ رکھئے

کی فارنگ میں شہید ہو گئے۔ میں نے ان سے بھی یہی کہا: کیا واقعی ایسا ہے؟ انہوں نے فرمایا: ”ہاں! البتہ مجھے بھی اس خبر پر یقین کرنے کو جی نہیں چاہتا، لیکن یہ ایک حقیقت ہے۔ ارشاد صاحب! جماعت اہل سنت کے لیے یہ حادثہ اس صدی کا سب سے بڑا خسارہ ہے۔ آپ کو میں بتا نہیں سکتا کہ اس سانحے سے جماعت کا عالمی و ملکی سطح پر کس قدر نقصان ہوا ہے۔ اُسید صاحب نئی نسل کے نمائندہ عالم اور ترجمان تھے، ان کے چلے جانے سے جماعت اہل سنت اپنے ایک مخلص اور جامع الصفات شخصیت سے محروم ہو گئی۔“ چشتی صاحب کا لہجہ نہایت غمناک و غمناک تھا اس لیے میرے بھی دل کی دھڑکن تیز ہونی شروع ہو گئی۔ ایسا محسوس ہوا کہ پیروں تلے زمین کھسک گئی ہو۔

بلاشبہ حضرت مولانا اُسید الحق قادری کی شخصیت اس دور و نقطہ الرجال میں جماعت اہل سنت کے لیے ایک انمول سرمایہ تھی، ان کا علم، تفکر، ذہانت، استحضار علمی، تحقیقی صلاحیت، فکری بصیرت، علوم اسلامیہ خصوصاً علم حدیث و تفسیر میں اختصاص و کمال، مختلف زبان و ادب پر مہارت ان کی شخصیت کے ایسے درخشاں پہلو تھے جس کا اعتراف نہایت مختصر عرصے میں بڑے بڑے اصحاب علم و کمال نے کیا تھا اور آنے والے وقت میں ان کے کمال علم و تحقیق کی بشارت دی تھی۔

آپ سے میری شناسائی جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے زمانہ طالب علمی ہی میں پہلی بار ماہنامہ ’جام نور‘ کے ذریعے حدیث افتراق امت: تحقیقی مطالعہ کے ضمن میں ہوئی۔ اس اہم موضوع پر آپ کا یہ تحقیقی مقالہ غالباً تین قسطوں میں شائع ہوا تھا جو بعد میں مستقل کتاب کی شکل میں بھی تاج اللؤلؤ اکیڈمی بدایوں سے شائع ہوا۔ یہ مضمون آپ کی علمی و تحقیقی شناخت کا نقشِ اول ثابت ہوا۔ مختلف حلقوں سے اس پر مصنف کو داد و تحسین ملی، کچھ حضرات نے اختلاف رائے بھی کیا۔ ہمارے احباب کے درمیان اس کا بڑا دلچسپ ذکر رہا۔ راقم الحروف نے اسی وقت ’جام نور‘ کے ’اظہار خیالات‘ کے کالم میں اپنے تاثرات کا اظہار کیا ساتھ ہی علم حدیث میں آپ کی تحقیقی کاوشوں پر مسرت کا اظہار کرتے ہوئے ایک معروف حدیث ”من تشبه بقوم فهو منهم“ پر ایک تفصیلی و تحقیقی تحریر لکھنے کی فرمائش بھی کی تھی۔ خیر اس کے بعد آپ کی تحریروں کو پڑھنے کا ایسا اشتیاق پیدا ہوا کہ ہر ماہ بطور خاص آپ کی تحریروں پڑھتا

سے نوازا۔ اسی طرح عصر حاضر کے معروف ادیب و نقاد ڈاکٹر فضل الرحمن شرر مصباحی صاحب نے بھی کئی مجلسوں میں براہ راست شیخ صاحب کی عظمت و صلاحیت کا اظہار کیا۔ نئی نسل اور موجودہ اکابر و مشائخ و دانشوران قوم کو ان سے بے پناہ امیدیں وابستہ تھیں۔

جماعتی فلاح و بہبود، امت کی اصلاح و تہذیب اور خانقاہ قادریہ کی علمی وراثت کے منظر عام پر لانے نیز مدرسہ قادریہ کی تعمیر و ترقی کے لیے جو وسیع خاکہ انھوں نے بنایا تھا، سارے کام درمیان میں ہی چھوڑ کر وہ اپنے پیچھے سمجھوں کو غم زدہ اور سوگوار کر کے خود بہت جلد آستانہ غوث اعظم میں آسودہ خاک ہو گئے۔ ان کثیر الجہات منصوبے کی تکمیل اور اس کے لیے شیخ صاحب جیسی موزوں شخصیت کا جب تصور آتا ہے تو کلیجہ منہ کو آنے لگتا ہے، جانا تو ہر ایک کو ہے لیکن وہ اتنی جلدی ہم لوگوں سے رخصت ہو جائیں گے یہ کسی کے خواب و خیال میں بھی نہیں تھا۔ ابھی تو انھیں بہت سارے منصوبے و عزم کی تکمیل کرنی تھی، لیکن مرضی مولیٰ کے آگے کسی کا بس نہیں چل سکتا۔ یہ اپنے آپ میں ہم گنہ گاروں کے لیے تسلی بخش ہے کہ دنیا میں ان سے کسی قدر ہمارا بھی رشتہ محبت و عقیدت استوار تھا۔ شیخ صاحب آپ چلے تو گئے لیکن آپ ہمیں ہمیشہ یاد آئیں گے۔ آپ کی وہ بات بھی ہم کبھی نہیں بھول سکتے کہ ارشاد صاحب! کام کی جانب توجہ دیجیے، دنیا میں وہی لوگ یاد رکھے جاتے ہیں جو اپنے پیچھے پائیدار علمی سرمایہ چھوڑ کر جاتے ہیں۔ ورنہ کتنے انسان ہیں جنہیں زمانے نے یاد رکھا ہے۔ ہمیشہ کام اور صرف کام پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ ہم آپ کی یہ بات بھی کبھی نہیں بھول سکتے کہ کام ہی انسان کو بڑا بناتا ہے، کوئی ماں کے پیٹ سے بڑا بن کر نہیں آتا۔

شیخ صاحب کی شخصیت اس اعتبار سے بھی اپنے معاصرین میں نہایت ممتاز تھی کہ ان کا اخلاق بہت بلند تھا۔ بڑوں کے سامنے ان کا ادب اور چھوٹوں پر شفقت آج کے اس اخلاق سوز ماحول میں اسلاف کی یاد دلاتا تھا۔ کون تھا جو آپ کی شخصیت سے مانوس اور خوش نہیں تھا۔ ہر کسی کے دل میں ان کی علمی عظمت اور بلندی اخلاق کا سکہ بیٹھا ہوا تھا اور ایسا کیوں نہ ہو کہ وہ ایک عظیم خانوادے کے چشم و چراغ تھے۔ وہ اپنے آباؤ اجداد کے نچے علمی وارث ہونے کے ساتھ ساتھ عظمت کردار اور بلندی اخلاق کے بھی وارث تھے۔ ————— بچہ صفحہ 208 پر دیکھیں

کہ وہ ایسا گوشہ ہو جس پر کام کرنے کی ضرورت ہو، ساتھ ہی یہ بھی دیکھیے کہ اس موضوع پر کام کی افادیت کیا ہے۔ ان چیزوں کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے جب آپ کوئی تحریر قلم بند کریں گے تو ضرور اس کی پذیرائی ہوگی۔ میں نے ہمیشہ ان دونوں پہلوؤں کو لازم پکڑ لیا ہے، یہی وجہ ہے کہ میں اس وقت تک قلم نہیں اٹھاتا جب تک موضوع کی جدت اور قوم و ملت کے لیے اس کی افادیت کا مجھے یقین نہیں ہو جاتا۔ ابھی حال ہی کی ایک ملاقات میں مولانا خوشتر نورانی صاحب کے استفسار پر کہ ابھی کون سا کام زیر تکمیل ہے؟ انھوں نے فرمایا تھا کہ ”امثال قرآنی“ پر کام کر رہا ہوں۔ اس موضوع پر کام کی بے حد ضرورت ہے کیونکہ اس موضوع پر سوائے علامہ ابن تیمیہ کی ایک کتاب جو عربی زبان میں ہے، دوسری کوئی کتاب میری نظر سے اب تک نہیں گزری ہے۔ اس موضوع پر مواد کی دستیابی ہوگئی ہے، ان شاء اللہ جلد ہی اس پر میری کتاب آ رہی ہے۔

دنیا میں بہت سے باصلاحیت اور قابل کار لوگ ایسے ہیں جن کی زندگی کا نہ تو کوئی ہدف ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی نصب العین۔ وہ زندگی کو یوں ہی بے مقصد گزار دیتے ہیں۔ لیکن شیخ صاحب کی شخصیت ان عظیم شخصیات میں سے تھی جن کی زندگی کا واضح لائحہ عمل تھا۔ انھوں نے زندگی گزارنے کے لیے مضبوط اور ٹھوس حکمت عملی پر مشتمل اپنا ایک لائحہ عمل تیار کیا تھا، جس پر وہ مضبوطی کے ساتھ قائم تھے۔ انھوں نے اپنی زندگی کو پوری مستعدی کے ساتھ اسی شاہراہ پر لگا رکھا تھا۔

۲۰۰۲ء سے اب تک کے مختصر عرصے میں علمی و تحقیقی، فکری و تنقیدی، دعوتی و تبلیغی اور تحریری و تنظیمی مختلف جہات میں انھوں نے اپنی خدمات و کارنامے کے جو انمٹ نقوش چھوڑے ہیں، وہ ان کی اقبال مندی اور جامع کمالات حیثیت کو بتانے کے لیے کافی ہیں۔ وہ بلاشبہ خانوادہ قادریہ بدایوں کی آٹھ سو سالہ علمی و روحانی تاریخ کے سچے حامل و امین تھے۔ اپنے خانوادے کی باکمال علمی و روحانی تاریخ کے عہد حاضر میں سچی تصویر تھے، جس کا اعتراف نہ صرف ان کے ہم عصروں نے کیا بلکہ اس عہد کے اکابر و مشائخ نے بھی ان کے اس امتیازی وصف کا کھلے دل سے اعتراف کیا اور دعاؤں و پذیرائیوں سے سرفراز کیا۔

مولانا یسین اختر مصباحی صاحب نے متعدد مجلسوں میں راقم سے شیخ صاحب کی علمی و تحقیقی اور فکری بصیرت پر بڑے خوشگوار تاثرات



## علامہ بدایونی کی علمی سخاوت بے مثال تھی

”پتہ نہیں لوگ علمی خزانے کو اپنی میراث کیوں سمجھتے ہیں، وہ تو اہل علم کا سرمایہ ہے“

اناللہ وانا الیہ راجعون

پھر میں نے ثاقب رضا قادری اور ”فیس بک“ سے جڑے لوگوں تک یہ افسوسناک خبر پہنچانے کی کوشش کی۔ جہاں تک ثاقب بھائی کا ماننا ہے پاکستان میں اکثر لوگوں کو میرے بتانے پر ہی خبر ہوئی اور پھر نفس اسلام، پاکستان اور لاہور، کراچی، ہندوستان کے اکثر مقامات سے خبر کی تصدیق کے لیے احقر کے پاس فون آئے اور وہ دن اسی مصروفیت میں کٹ گیا۔ رات ہوئی تو ذہن میں رہ رہ کے شیخ صاحب کی باتیں گردش کرنے لگیں، وہ مجھ سے کبھی کبھی کافی دیر باتیں کیا کرتے تھے۔ ابھی کی تو بات ہے۔ جب میں نے اپنی کتاب ”فتاویٰ اتر اٹھنڈ“ اور ”رکعات نماز“ طباعت سے پہلے ہی نیٹ پر اپلوڈ کر دی تو ایک دن فون آیا، بہت دیر تک بات ہوتی رہی اور اسی دوران پوچھ لیا کہ کتاب کیوں نہیں چھپوا رہے ہو؟ میں نے کہا: ابھی مکمل رقم کا انتظام نہیں ہوا ہے، فتاویٰ اتر اٹھنڈ کے لیے رقم ہے مگر رکعات والی کتاب کی گنجائش نہیں نکل پارہی ہے، تو فرمایا: ”کتاب چھپواؤ جو خرچ ہوگا میں دوں گا، مگر بس ایک درخواست ہے۔“ میں نے سوچا شاید ٹائٹل پر ناشر کے حوالے سے اپنی اکیڈمی کا نام لکھوانے کو کہیں گے، مگر حیرت ہوئی مجھے یہ سن کر جب انھوں نے کہا: ”میرا نام نہ نوک قلم پر آئے اور نہ نوک زبان پر“ میں نے سوچا: یا اللہ! ایسے لوگ بھی دنیا میں ہیں جو دین کا کام خالص دین کے لیے ہی کرتے ہیں؟ یقیناً اس جملے سے خوشی کی ایک لہر دل میں دوڑ گئی اور اس جملے سے بزرگوں کی یاد تازہ ہو گئی۔ خیر خواجہ بک ڈپو سے کتاب چھپی اور عرس اعلیٰ حضرت میں اس کا اجرا بھی ہوا۔ میں نے بریلی پہنچ کر اپنی یہ دونوں کتابیں جو مجھے اسی دن بریلی میں ملی تھیں اپنے بہنوئی صاحب کے ہاتھوں شیخ صاحب کو بھیج دیں، میں جامعۃ الرضا میں تھا کہ اچانک فون آیا: کہاں ہیں؟ میں نے کہا ”جامعۃ الرضا“ میں ہوں، کوئی حکم؟ کہا: نہیں بس مبارک باد کے لیے فون کیا تھا۔ مگر افسوس کہ کتاب

بلاشبہ موت سے فرار نہیں الموت قدح کل نفس شاربوہا مگر شہید بارگاہِ غوثیت مولانا شیخ اسدالحق قادری بدایونی کی خوش نصیبی ہے کہ موت کا جام شہادت کی شکل میں نوش فرما کر حیات ابدی کے حق دار ہو گئے اور وہ بھی غوث پاک کے قدموں میں جو کہ زندگی اور موت دونوں کی مقبولیت کی ضمانت ہے۔ شہید موصوف کا اچانک اس طرح داغ مفارقت دے جانا یقیناً ملت کے لیے ناقابل تلافی نقصان ہے۔ ابھی تو کچھ کر دکھانے کا دور شروع ہوا تھا، مگر قدرت کو شاید کچھ اور ہی منظور تھا۔ کیا کیا سوچ رکھا تھا، یہ کرنا ہے، وہ کرنا ہے، مگر سب کچھ ادھورا چھوڑ چھاڑ کے اچانک ہی رخصت ہو گئے۔

شہید موصوف احقر سے بے حد محبت فرماتے تھے۔ انہیں اپنے بڑے پن کا خوب احساس تھا، وہ جانتے تھے کہ خوردنوازی عظیم دولت ہوتی ہے۔ ہفتہ عشرے میں بات ہوتی رہتی تھی، کبھی وہ فون کر دیتے، کبھی میں۔ کبھی میں استصواب رائے کے لیے فون کرتا، کبھی وہ اظہار خیالات کے لیے فون کرتے۔ بغداد شریف جانے سے قریب پندرہ روز قبل مجھ سے شیربیشہ اہل سنت کی کتاب ”دواغ الحمیر“ کا مطالبہ کیا، میرے پاس نہ تھی، میں نے میثم عباس قادری (پاکستان) سے کہا، انہوں نے وہ کتاب مجھے اسکین کرا کے میل کی۔ بغداد روانہ ہونے سے دو روز قبل فون پر میں نے موصوف کو بتایا کہ میں نے آپ کو کتاب میل کر دی ہے، دیکھ لیں۔ شکر یہ کہ ساتھ فرمایا کہ اب تو بغداد سے آ کر دیکھوں گا، میں نے کہا کب تشریف لے جا رہے ہیں؟ فرمایا پرسوں۔ میں نے کہا کہ اگر وقت مل جائے تو خصوصاً فقیر کے لیے دعا ضرور فرما دیجیے گا، کہا: ضرور ان شاء اللہ۔

اس کے بعد وہ تو نہ آئے، مگر اچانک ایک فون آیا کہ شیخ صاحب کی شہادت ہو گئی۔ بخدا ایسا محسوس ہوا کہ بیروں تلے زمین کھسک گئی ہو، یقین نہ آیا، سوچا انواہ ہوگی، مگر چند منٹوں میں دسیوں فون آ گئے کہ اب اس حادثہ جانکاہ پر یقین کیے بغیر چارہ بھی نہ تھا، برجستہ منہ سے نکلا:



شایان شان نہیں چھپی، ہماری کتاب ”اکمل التاریخ“ کا بھی یہی حال ہوا اور آپ کی اس کتاب کا بھی۔ میں نے کہا حضرت کتاب چھپ گئی یہی بہت ہے۔ ان شاء اللہ آئندہ شایان شان چھپ جائے گی۔ دعا میں یاد رکھیں، آج اس کا اجرا کرنے کا ارادہ ہے، حضور تاج الشریعہ کے اسٹیج پر، فرمایا: بہت بہتر ہوگا اللہ کرم فرمائے۔ اگر کراہے آنا ہو تو ضرور تشریف لائیں، فقیر نے ٹھیک ہے کہہ کر اجازت طلب کی اور سلام۔

اور جب عرس اعلیٰ حضرت سے فارغ ہو کر میں کراہے پہنچا تو میں نے فون کیا کہ آ جاؤں؟ فرمایا آ جائیے، میں پہنچا، نیچے کمرے میں آپ کے ساتھ پھوند شریف کے ایک بزرگوار تشریف فرما تھے، ظہر سے عصر تک باتیں ہوئیں۔ یہاں ان باتوں کا اظہار مناسب نہیں اور پھر اس کے بعد میں گھر آ گیا اور پھر کاشی پور۔ اس کے بعد ملاقات نہیں ہوئی ہاں بات اکثر ہوتی رہی۔ میں نے کبھی کوئی مطالبہ کیا، نفی میں جواب نہیں پایا۔

میں نے ایک دن فون کیا کہ مجھے ”اہل فقہ“ اخبار درکار ہے، فرمایا بتائیں میں کیا کروں؟ میں نے کہا میں کسی بندے کو بھیجتا ہوں، کہا بھیج دو، میں نے اپنے ایک عزیز کو بھیجا اور وہاں سے اخبار کی دس سال کی فائلیں کاشی پور منگوا لیں۔ یہ علمی سخاوت کی بہت بڑی مثال ہے، ورنہ میں نے ہندوستان میں بہت سے لوگوں کو دیکھا، کسی اخبار یا نادر رسالہ کی زیارت بھی نہیں کراتے، دینا تو بہت دور کی بات ہے۔ یہ علمی سخاوت انہیں اپنے معاصرین پر فوقیت دیتی ہوئی نظر آئی۔ خیر میں نے ان اخبارات سے استفادہ کیا، نئی جلد سازی کرائی اور قریب تین چار ماہ کے بعد بدایوں روانہ کیں اور حضرت کا شکریہ ادا کیا۔ ہاں! ایک بات اور میں نے موصوف کو فون کیا کہ اخبار کے کچھ پرچے تین تین چار چار عدد ہیں تو جو با فرمایا اگر دو دو بھی ہوں تب بھی آپ کو مکمل اختیار ہے کہ آپ ایک ایک کاپی اپنے لیے ہماری جانب سے رکھ لیں۔ میں نے شکریہ کہا تو بولے اس میں شکریہ کی کیا بات ہے؟ میری کوئی چیز آپ کے کام آ جائے اس سے بڑھ کر بھلا کیا خوشی ہوگی؟

جب میں نے اعلیٰ حضرت کے ایک نایاب فتویٰ پر کام کیا، حاشیہ تخریج، تقدیم کے بعد اسے ”انبیائے کرام گناہ سے پاک ہیں“ کے نام سے چھپوایا تو حضرت کو پیش کیا، تو فرمایا کہ ”اعلیٰ حضرت کے بہت سے فتوے تحفہ حنفیہ میں ہیں، آپ ان پر بھی کام کرو۔“ میں نے کہا کہ کیسے ملیں گے؟ تو فرمایا: ”ہم دیں گے، تھوڑا وقت دے دو۔“ میں نے کہا:

ٹھیک ہے۔ پھر ایک بار میں نے فون کیا تو بولے کسی کو بھیج دو، میں نے اپنے ایک عزیز کو بھیج دیا، موصوف نے ”تحفہ حنفیہ“ کی ساری فائلیں جس میں اکثر بوسیدہ حالت میں تھیں، مجھے روانہ فرمادیں، میں نے ان فائلوں سے استفادہ کیا، کاپی کیا اور حسب اجازت ڈبل کاپی سے ایک عدد خود کے لیے رکھا اور سب کو مہینے اور سال کے اعتبار سے ترتیب دیا، جلد سازی کرائی اور پھر واپس بھیج دی۔ بہت خوش ہوئے کہ آپ نے انہیں نئی جان بخشی ہے، میں نے کہا: نہیں، جب میں ان فائلوں سے استفادہ کر رہی رہا تھا تو میرا حق تھا کہ انہیں ترتیب دے کر انہیں محفوظ بھی کروں۔ خیر اس طرح کی دریا دلی شاید کہیں نظر آئے۔

میں نے کبھی پانچ سال پہلے لاہور میں ایک کتاب ”دفع الفساد عن مراد آباد“ تلاش کی، نہیں ملی۔ میرے ساتھ موصوف نے بھی ڈھونڈی، نہیں ملی۔ میں چلا آیا اور بہت سے لوگوں سے معلوم کی، ڈھونڈنے کی کافی کوشش کی، مگر نہیں ملی، آخر ماہیوس ہو گیا، اعلیٰ حضرت اور تھانوی کے درمیان جو مناظرہ ۱۹۱۱ء میں طے پایا، اس کی مکمل روداد لکھ رہا تھا، اس لیے وہ رسالہ مجھے درکار تھا۔ خیر نہیں ملا، کام وہیں رک گیا۔ ابھی آٹھ دس ماہ قبل دن میں دس بجے فون آیا، میں اس وقت سوتا ہوں، رات کو جاگنے کے سبب۔ اس لیے آواز پہچان نہ سکا، تعارف کے بعد میں نے معذرت پیش کی کہ نیند میں تھا، پہچان نہ سکا، فرمایا کوئی بات نہیں آپ سو جائیں بعد میں بات کرتا ہوں، میں نے کہا: نہیں، فرمائیں اب جاگ چکا ہوں، فرمایا کہ کبھی آپ نے مجھ سے ”دفع الفساد“ کا ذکر کیا تھا، کیا وہ کتاب مل گئی آپ کو؟ میں نے کہا ابھی تک نہیں۔ فرمایا: مجھے مل گئی ہے اور شام تک اسکین کرا کے میل کر دوں گا، میں نے شکریہ ادا کیا اور شام کو دیکھا تو وہ رسالہ میرے میل ان ہاؤس میں موجود تھا۔

ایسی بے شمار ان کی سخاوتیں اور کرم فرمائیاں میرے حافظہ میں محفوظ ہیں۔ کتھان علم کی حرمت سے آگاہ ہونے کے باوجود لوگ کتھان علم سے نہیں چوکتے مگر اللہ درجات بلند فرمائے شیخ موصوف کے کہ کبھی کتھان علم نہیں کیا۔ اگر ہوا تو کبھی ”نا“ نہیں کہا۔ کہا کرتے تھے کہ ”پتہ نہیں لوگ علمی خزانے کو اپنی میراث کیوں سمجھتے ہیں، وہ تو اہل علم کا سرمایہ ہے، انہیں اس سے استفادے سے روکنا سراسر نا انصافی ہے۔“

بقیہ صفحہ 238 ملاحظہ کریں

## خانوادہ عثمانی کے امتیازات و کمالات کا سچا جانکشی

علامہ بدایونی اپنے خاندانی روایتوں کے امین تھے، تہمتی ہوئی ریت اور جلتی ہوئی زمین کبھی ان کی راہ میں رکاوٹ نہیں بن سکی

کے لیے جو احساس تھا، بدایوں والوں کے دلوں میں بھی ٹھیک وہی احساس تھا، ان کے آنے سے بدایوں والے خوش تھے اور بہت خوش تھے، ان کے چہروں سے ایسا محسوس ہوتا جیسے انہیں کھوئی ہوئی دولت مل گئی ہو اور جب شیخ اسید الحق قادری اہل بدایوں کے درمیاں ہوتے تو ان کے چہرے کی شگفتگی ہمیں یہ پیغام دیتی تھی:

میں چمن میں کیا گیا، گویا دبستاں کھل گیا  
بلبلیں سن کر مرے نالے غزل خواں ہو گئیں

مولانا اسید الحق اپنے خاندانی روایتوں کے پاسدار، اپنے بزرگوں کی خصوصیات، کمالات اور امتیازات کے امین تھے۔ ان کی ذات میں جو صلاحیتیں، استعدادیں پائی جاتی تھیں وہ سب انہیں ورثے میں ملی تھیں۔ یہ سچ ہے کہ خاندان میں جو بچہ آتا ہے وہ اپنے ابا و اجداد کا سر بستہ راز ہوتا ہے، ان کی خوبیوں اور جاہ و جلال کا امین ہوتا ہے، بظاہر بچے کی ذات و فطرت سادہ ہوتی ہے، مگر جو دانشور ہوتا ہے جس کے پاس دیدہ بینا ہوا کرتا ہے وہ اس سادہ سی ذات میں بھی چمن کی رعنائیوں اور گلشن کی بہاروں کو دیکھ لیتا ہے۔

جامع ازہر مصر سے آنے کے بعد انہوں نے اپنے آپ کو فراموش نہیں کیا، بلکہ انہوں نے اپنے کردار و عمل کو اپنی فکری صلاحیتوں کا آئینہ دار بنا دیا، جہاں تک حوصلے کی بات ہے اس بارے میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ ان کے حوصلے بلند تھے، ان کے عزائم میں بڑی پختگی پائی جاتی تھی، کام کتنا ہی مشکل اور کٹھن کیوں نہ ہو، انہوں نے اسے بھی بڑی خوبصورتی اور سلیقہ مندی کے ساتھ انجام دیا، تہمتی ہوئی ریت، جلتی ہوئی زمیں اور دھنستا ہوا دل ان کی راہ میں رکاوٹ نہ بن سکا۔ انہوں نے کئی ملاقات میں فرمایا تھا:

مولانا! میرے سامنے بہت سے کام ہیں اور دشواریاں بھی بہت زیادہ ہیں۔ میں نے عرض کیا: حوصلہ بلند رکھیں، آپ تنہا نہیں ہیں، آپ

۲ مارچ ۲۰۱۳ء کی شام بعد نماز مغرب موبائل کی گھنٹی بجتی ہے، میں نے موبائل ریویو کیا، مولانا محمد طفیل مصباحی نائب مدیر ”ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور بول رہے تھے، انہوں نے پوچھا: کیا بدایوں میں سب خیریت ہے؟ میں نے کہا: اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔

پھر انہوں نے کہا: میں نے سنا ہے بغداد شریف میں گولی لگنے کے سبب مولانا اسید الحق شہید ہو گئے؟

میں نے کہا: آپ کو یہ اطلاع کہاں سے ملی؟

مولانا طفیل نے جواب دیا، پھپھوند شریف سے۔

اتنی بات سنتے ہی میں شش و پنج میں پڑ گیا اور میں نے مولانا سے کہا: میں ابھی معلوم کرتا ہوں۔

میں اپنے گھر سے سیدھا مدرسہ عالیہ قادریہ کے پرنسپل جناب ماسٹر حنیف صاحب کے گھر پہنچا۔ انہیں میں نے روہا نسودیکھا اور چہرے پر طاری مایوسی کے اثرات۔ اس کے فوراً ہی بعد پرنسپل صاحب بھی آستادہ عالیہ قادریہ پہنچ گئے اور ان کے پیچھے پیچھے میں بھی پہنچ گیا۔ دیکھا تو سڑک سے آستانے تک گلی بھری ہوئی تھی۔ مدرسہ کا محن، مسجد کا آنگن اور آستانہ کھچا کھچ بھرا ہوا تھا، جو سنتا دوڑا چلا آتا، شہر کی تمام دوکانیں بند ہو گئیں، سڑکیں ویران۔ اس طرح پورا بدایوں خاموشی کے آغوش میں پہنچ گیا۔ ہر ایک کے من میں ایک ہی سوال تھا، ایسا کیسے ہوا؟ وہ تو ایسے نہ تھے؟ انہوں نے روٹھنا سیکھا ہی نہ تھا، آج تک وہ ہم سے روٹھے نہیں، تو پھر آج کیسے روٹھ گئے؟ یہ وہ باتیں تھیں جنہیں ہر ایک کی خاموش زباں بول رہی تھیں۔

ہر ایک کی خاموشی کیوں ناگویا ہو؟ کہ جانے والا کوئی معمولی آدمی نہ تھا، بلکہ وہ ایک اچھا انسان تھا، خوبیوں اور بے پناہ خصوصیات کا حامل تھا، اہل بدایوں کے لیے قابل رشک، اپنے خاندان کے لیے باعث فخر و ناز تھا، وہ بدایوں کے تھے اور بدایوں ان کا تھا، ان کے دل میں بدایوں

کے ساتھ آپ کے بزرگوں کی دعائیں ہیں، ان کے فیوض و برکات ہیں، کوئی ان کا کام کرتا نہیں ہے بلکہ وہ خود اپنا کام کسی سے کروالیا کرتے ہیں اور پھر آپ تو خود ان کے اپنے خون ہیں، تنہائی کا احساس کیوں کرتے ہیں؟ اپنے بزرگوں کے تیس اسی اذعان و یقین نے ان کے اس شوق اور عزمِ محکم کو ہمیز کیا اور شیخ صاحب آگے بڑھتے گئے اور اس قدر آگے بڑھے کہ کبھی پیچھے مڑ کر بھی نہیں دیکھا۔ ماحول کی شگفتگی اور فضا کی دلکشی کو دیکھتے ہوئے میں نے عرض کیا:

شیخ صاحب! مدرسہ شمس العلوم بھی آپ کا اپنا ادارہ ہے، یہ ادارہ بھی آپ کی توجہ کا مستحق ہے، دارالاقامہ نہ ہونے کے سبب طلبہ نہیں آتے ہیں اور اس کا برا اثر تعلیم پر بھی پڑتا ہے۔ اگر یہاں بھی طلبہ کے رہنے اور خورد و نوش کا انتظام ہو جائے تو اچھا ہوگا۔ آپ نے فرمایا یہ بھی میرے منصوبے کا ایک حصہ ہے، دعا فرمائیں۔

جہاں ایسے حالات ہوں، شیخ صاحب کے جانے کے غم سے کوئی نجات کیسے پاسکتا ہے؟ وہ اپنے پیچھے ایسے آثار و عکوس چھوڑ گئے ہیں کہ ہر پل ان کی یاد آتی رہے گی اور ان کے لبوں کی مسکان برسوں قلب و دماغ میں نور افشانی کرتی رہے گی۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ ارباب فکر چیزوں کی خوبصورتی، دلکشی اور ان کی رعنائیوں کو دیکھتے ہیں، ان کے بنانے والے کے جمال و کمال کے گہرے مطالعے میں کھوجایا کرتے ہیں، اس لیے کہ مصنوعات میں کچھ ایسی معنویت، جذب و کشش ہوتی ہے جن سے ذہن کا تبادر کہیں سے کہیں تک جا پہنچتا ہے، شیخ صاحب نے کیا نہیں کیا؟ انہوں نے اس قدر کیا کہ شاید ہی کوئی اتنا کر سکتا ہو؟ ان کی کرشمائی صلاحیتوں کی نمود کسی ایک جہت میں نہیں پائی جاتی ہے بلکہ مختلف جہتوں میں پھیلی ہوئی ہے، یہ نمود بھی کوئی سادہ نمود نہیں ہے، غور سے دیکھئے تو اس میں جدت طرازی، نئی آب و تاب اور جدید زمانے کی جھلک بھی پائی جاتی ہے، یہی وہ جھلک ہوتی ہے جس کے سبب شخصیت زندہ رہتی ہے، کارکردگی یادوں کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ جہاں تک زندہ شخصیتوں کے رہنے کی بات ہے؟ تو انہیں تلاش کرنا بھی کچھ زیادہ مشکل نہیں ہے، صرف کامل توجہ اور گہری فکر سے کام لینے کی حاجت ہوتی ہے نہ روشنی پردوں میں رہتی ہے اور نہ خوشبوؤں کو پابہ زنجیر کیا جاسکتا ہے۔

**مدرسہ عالیہ قادریہ:** سب سے اچھا کام وہ ہوتا ہے جو صحراؤں میں اجالا پھیلا دیتا ہے اور بیابانوں میں کیف و سرور کی خوشگوار فضا قائم کر دیتا ہے اور بے زباں پتھر کو بھی بولنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ شیخ صاحب نے کچھ اسی طرح کے کاموں کو انجام دیا ہے، مثلاً:

الف: مدرسہ عالیہ قادریہ کی نشاۃ ثانیہ

ب: نظام تعلیم میں زبردست انقلاب

ج: نصاب تعلیم میں طلبہ کی نفسیات اور سائنسی دور کے تقاضوں میں تال میل۔

د: طلبہ کے رہنے سہنے اور کھانے پینے کے نظام میں انفرادیت

ه: قابل ترین اساتذہ کا انتخاب

یہی وہ انداز کارکردگی ہوتا ہے جس کے سبب بے زبانوں کو بھی زباں مل جاتی ہے، انہوں نے اپنے حسن انتظام سے اہل علم و فن اور ارباب فکر و دانش کی ایسی ٹیم تیار کر لی جس کے سبب غیروں کے محتاج ہونے سے محفوظ ہو گئے اور اپنے آپ میں خواہمندی پیدا کر لی، ان کی یہی خود اعتمادی رشک خود اعتمادیوں ہے۔

**خانقاہ عالیہ قادریہ:** ہندوستان میں بہت سی خانقاہیں ہیں، مگر شیخ

صاحب نے اپنے والد گرامی کی سرپرستی میں اپنی خانقاہ کو ان ستوں میں مائل بہ سفر کر دیا جہاں سے انفرادیت کا سراغ ملتا ہے اور بروں کو اچھا بنایا جاتا ہے۔ شیخ صاحب نے پہلے پہل یہ محسوس کیا تھا کہ آخر کیا وجہ ہے کہ خانقاہوں سے علم اٹھتا جا رہا ہے اور شہزادگان بے علم ہوتے جا رہے ہیں؟ انہوں نے اپنے ایک مضمون میں کچھ اسی طرح کے اسباب و علل کی تلاش کی تھی۔ یہ مضمون کوئی اور لکھتا تو یہ باعث حیرت نہیں ہوتا، مگر خود ایک مقدس خانقاہ کے شہزادہ ہونے کی حیثیت سے انہوں نے یہ مضمون لکھ کر سب کو حیرت میں ڈال دیا۔

**عمامی رابطے:** کہا جاتا ہے: چراغ تلے اندھیرا ہوتا ہے، یہ ایک

محاورہ ہے اور برسوں کا تجربہ ہے لیکن مولانا اسید الحق قادری نے کوئی ایسا کام نہیں کیا جس کی بنیاد پر یہ کہا جائے۔ اجالوں کا مسافر اپنا پہلا قدم اندھیروں میں رکھتا ہے، انہوں نے اپنے آپ کو خانقاہ اور مدرسے کی چہار دیواریوں تک محدود نہیں رکھا، بلکہ عوامیت کے رابطے میں بھی آئے اور انہوں نے اہل بدایوں کے لیے بہت کچھ کیا، مثلاً:



● ربیع الاول کے موقع پر جامع مسجد میں سیرت کے موضوع پر پورے ۱۱ دنوں تک پروگرام۔

● قرعہ اندازی کے ذریعے حج بیت اللہ کا بیج۔

● ربیع الاول کے موقع پر پورے ۱۲ دنوں تک بدایوں کے مختلف محلوں میں جلسے۔

● دینی و عصری طلبہ کے لیے ہر سال سرکلائیز کا انعقاد۔

● ربیع الاول کے دنوں میں بدایوں کے سرکاری اور غیر سرکاری کالجوں میں جانا، کالج میں زیر تعلیم طلبہ سے مخاطب ہونا، ان کے سامنے اپنی بات رکھنا اور ربیع الاول کے تناسب سے تحفے تحائف پیش کرنا۔

● بدایوں کے پڑھے لکھے افراد کے لیے ”مولانا عبدالماجد پبلک لائبریری“ کا قیام۔

● ریسرچ اسکالر کے لیے متون، شروح، اور مواد کی فراہمی کی خاطر اپنے دل کے دروازے کو کھلا رکھنا۔

● تشنگان علوم و فنون کے لیے ان کے مزاج کے مطابق استقبال، ضیافت، اور نیک خواہشات۔

● نکتہ چینی افراد کے لیے بھی پھولوں کا حسین و خوش نما گلہ دستہ۔

● تاج الخمول اکیڈمی کی شائع کتابوں کے ارسال کا موثر انتظام یہ تمام چیزیں ”عوامی رابطے میں آتی ہیں، جو عوام کے دلوں سے اس قدر قریب ہو کیا وہ بھلائے جاسکتے ہیں؟ نہیں ہرگز نہیں!

**تصنیف و تالیف:** تنقید نگاروں نے اپنے جائزے میں کہا ہے:

”سب سے زیادہ آسان تقریر کرنا ہوتا ہے، اس کے بعد درس و تدریس کا معاملہ آتا ہے، جہاں تک تصنیف و تالیف اور تخریج کی بات آتی ہے

یہ کام سب سے زیادہ مشکل ہوتا ہے۔“ مولانا اسید الحق نے اس مشکل

کام کو بھی بحسن و خوبی انجام دیا، اپنی بات کو تحریر کی زباں دے دینا تو

آسان ہوتا ہے، لیکن دوسروں کی باتوں کو اپنی زباں میں پیش کرنا بہت

عی زیادہ مشکل ہوتا ہے، دشوار اور کٹھن ہوا کرتا ہے۔ ہر کوئی اس راہ پر

نہیں چل پاتا ہے، بہت سے چلنے والے افراد تھک ہار کر بیٹھ جاتے ہیں

اور کتنے ایسے بھی دکھائی دیتے ہیں جن کے پاؤں میں آبلے پڑ جاتے

ہیں مگر ”اسید الحق“ ایک ایسا فرد عظیم تھا، جو کبھی نہ ٹکان محسوس کرتا تھا اور

نہ اپنے پاؤں میں آبلے کے پڑ جانے کی بات کہی ہے، اس کا مطلب یہ

ہوا کہ وہ اس سفر میں بھی کامیاب دکھائی دیتا ہے۔ یہ کامیابی ان کے اپنے بزرگوں کے فیضان نظر کا پتہ دیتی ہے۔ شیخ اسید الحق نے اس کے تعلق سے جو کاوشیں انجام دی ہیں وہ مختلف جہتوں میں پھیلی ہوئی ہیں۔

الف: اپنے بزرگوں کی تصنیفات کی جدید طباعت

ب: تلخیص، توضیح اور تخریج

ج: احوال، سوانح، آثار اور عکوس

د: مقالے، مضامین، تنقیدات

ان کی تصانیف میں درج ذیل خصوصیات پائی جاتی ہیں:

● سلاست، روانی

● لفظوں کی سبک روی، جملوں کی شگفتگی

● علمی فنی تحقیقات، مواد کی تلاش و تتبع

● متضاد روایتوں میں تطبیق کی کوشش بلوغ

● مضامین میں سائنسی تقاضوں کی آئینہ داری

● تنقیدی شعور کا بائکپن اور شوخ و شنگ

● معلومات میں وسعت، کشادگی وغیرہ وغیرہ

● تراکیب میں لفظوں کا حسن امتزاج

● بولتا ہوا انداز بیاباں

کتابوں میں جہاں کہیں آپ اس طرح کی خصوصیات پائیں

گے وہیں مولانا اسید الحق قادری کی یاد آئے گی، ان کا شگفتہ پیر اور ان

کی بکھرتی ہوئی لبوں کی مسکان دکھائی دے گی۔ جانے کون سا سبب و

چھوڑ کر چلا گیا، وہ اکیلا اور تنہا گیا ہے اور اپنی حیات کا نثر یہاں یہ اہل

سنت و جماعت کے حوالے کر کے گیا ہے اور یہ پیغام نہیں کہی ہے:

جان کر من جملہ خاصان سے خانہ بچھ

مدتوں رویا کریں گے جا

جانے والا بڑی شان سے گیا ہے، ان کی موت کا کامیاب

موت ہے، روپ موت کا ضرور تھا، مگر کام مسجائی کا تھا، اب اسید الحق

اسید الحق نہ رہا، ان کی عظمت میں ایک اور اضافہ ہوا اور اب وہ ”شہید

بغداد“ بن گیا ہے۔ اللہ انھیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اور ان

کی تربت پاک پر رحمتوں کی برسات کرے۔ آمین۔ □□□

☆ پرنسپل: مدرسہ شمس العلوم، گھنڈ گھر، بدایوں (یوپی)



## علامہ اُسید الحق قادری عبقری عصر تھے

امام نووی اور علامہ عبدالحی فرنگی مہلی نے بھی زندگی کی چالیس بہاریں ہی دیکھی تھیں، علامہ بدایونی نے ان کی یاد تازہ کر دی

یقیناً علامہ ہم میں ایک بافیض، قابل رشک اور باکمال زندگی گزار کر بے مثال شہادت سے ہمکنار ہوئے۔ ایسی حیات و مہمات خوش بختوں کا مقسوم ہوتی ہے اور کم لوگوں کے نصیبے میں آتی ہے۔ یہ بات علامہ کے حق میں بلا مبالغہ، علی روس الا شہاد کہی جاسکتی ہے کہ خداے بخشنده نے ان میں اوصاف حجازی، ولولہ حسانی، روح بلالی، انداز غزالی، شیفنگی جامی، عشق افروزی بوسیری، علیست رازی، سوز رومی اور فکر اقبالی کے ساتھ وہ سب کچھ ودیعت فرما دیا تھا جس کی فکر و مزاج کی تطہیر و تعمیر نیز ایک جماعت کی نشاۃ ثانیہ میں ضرورت پیش آسکتی ہے، اور پھر خوبی کی بات یہ کہ علامہ نے مبدأ فیاض کی بخشی ہوئی ان بہترین صلاحیتوں کا بھرپور اور فیاضانہ استعمال کر کے قلیل ترین عمر میں اپنے حصے کی جتنی شمعیں روشن کر سکتے تھے کر کے راہی ملک بقا ہوئے۔

علامہ کی شہادت جہاں ایک طرف جماعت کا واقعی بہت بڑا نقصان ہے وہیں دوسری طرف نوجوان فضلا و علما کے لیے عبرت و سبق کا نشان بھی ہے کہ ہم ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظر فردانہ رہیں۔ خدا را محض منصوبہ بندی، لمبی لمبی پلاننگ اور کبھی نہ ہاتھ آنے والی خوابوں کی تتلیاں پکڑنے میں خود کو الجھا کر خسر الدنیا والا آخرۃ کے مصداق نہ بنیں۔ منصوبے تو یقیناً علامہ کے بھی بڑے عظیم و جلیل تھے؛ لیکن انہوں نے اپنی پلاننگ کو محض خواب و خیال ہی نہ رہنے دیا بلکہ ان میں بڑی سبک رفتاری اور نہایت خوش اسلوبی سے رنگ آفرینی بھی کرتے رہے، اور قلیل سی مدت میں سینکڑوں یادگار اور قابل تقلید مثالیں ہمارے سامنے چھوڑ گئے۔ ان سب پر مستزاد یہ کہ علامہ نے اپنی خداداد صلاحیت سے ایسی معنوی اولادیں پیدا کیں اور ایسے باکمال، شعور و آگہی سے مسلح افراد اپنے پیچھے چھوڑے جو ان شاء اللہ علامہ کے منصوبہ ہائے گونا گوں کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے ساتھ ساتھ جماعت کی علمی و فکری اٹھان

جماعت اہل سنت کی عبقری شخصیت علامہ اُسید الحق عاصم القادری بدایونی کی بغداد شریف میں شہادت کی اندوہ ناک خبر نے مجھے بہت دیر تک کرب آثار لہجوں کے حصار میں رکھا۔ آنسو تھے کہ تھمنے کا نام نہ لیتے تھے اور دل تھا کہ قرار پکڑنے کو تیار نہ تھا کہ ایک عہد ساز سپوت جو پوری جماعت کے لیے سرمایہ صد افتخار تھا، صد افسوس اب وہ ہم میں نہ رہا۔ یہ سچ ہے کہ علامہ جیسی عبقری الزمان شخصیت کو پانے کے لیے اب صدیاں راہ نکلیں گی اور زمانے چشم براہ رہیں گے؛ کیوں کہ ایسے دیدہ و در اور معارف پرور شخصیت صدیوں میں پیدا ہوتی ہے!

ماضی و حال کی جماعتی سرگرمیوں پر تجزیاتی نظر رکھنے والے میری اس بات سے اتفاق کریں گے کہ علامہ نے اپنے علمی کیریئر کا آغاز ایسے وقت میں کیا جب فیض و تحقیق کی جنس گراں مایہ بازار علم سے تقریباً اٹھ چکی تھی، فکر و نظر کے زاویے دھندھلا سے گئے تھے، تعلیمی و نظمی امور بری طرح انحطاط و تعطل کا شکار تھے، تحقیقی مزاج مفلوج اور اپنی ذات سے اُور اٹھ کر دوسروں کے لیے کچھ سوچنے کا شعور قریناً پانچ ہو چکا تھا ایسے خشکی دور اور پُر آشوب حالات میں جن اہل سنت کی حنا بندی اور علم و تحقیق کی گرتی ہوئی قدروں کو سنبھالا دینے کے لیے علامہ میدان میں اُترتے ہیں اور قریباً ڈیڑھ دہائیوں کی اُنھک کوششوں اور اپنے مدبرانہ آئیڈیاز سے وہ انقلاب بہا کرتے ہیں کہ زمانہ عیش عیش کرا اٹھتا ہے۔ ایک طرف تعمیری و مثبت تنقید کا بازار گرم ہوتا ہے تو دوسری طرف روحانیت و خانقاہیت کا نظام بھی تازہ دم ہو جاتا ہے۔ ایک طرف مدارس و جامعات کے ہام و در علم و تحقیق کے سنجیدہ مزاج سے جھلک ہو اُٹھتے ہیں تو دوسری طرف سماجی و معاشرتی سرگرمیوں کی اٹھان میں بھی خاطر خواہ اضافہ ہوتا ہے، یعنی ہر سؤر جائیت کی دھنک اور صالح انقلاب کی دھمک پھیلی محسوس ہوتی ہے۔

میں بھی یقیناً اپنا احسان مندانہ کردار ادا کریں گے۔

یہ ایک ناقابل تردید سچائی ہے کہ علامہ کی پوری زندگی کام سے عبارت رہی، اور بے کاری کا ایک لمحہ بھی ان کی زندگی میں ہمیں کھو جے سے نہیں ملتا، اور یہ کوئی قصہ ووشیں نہیں بس کل کی بات ہے۔ ان کی خدمات جلیلہ کا پرچم ابھی ہماری نگاہوں کے سامنے پوری تب و تاب کے ساتھ لہرا رہا ہے، اور ہم میں سے تقریباً ہر کوئی علامہ کے فکر و کار سے پورے طور پر واقف و آشنا ہے۔ لہذا میں سمجھتا ہوں کہ علامہ کی بارگاہ میں وفادارانہ خراج یہی ہوگا کہ ہم بھی اپنی زندگی کے جس بھی موڑ پر کھڑے ہوں خواہ نو جوان ہوں یا جوان یا ادھیڑ اپنے کردار و عمل سے جماعت کو ہمہ جہت قوت و استحکام بخشنے میں اپنا مومنانہ اور داعیانہ کردار ادا کریں۔

اہل سنت کے جیالوں اور نو جوان علما و فضلاء کو یہ پیغام دینے کی ضرورت اس لیے محسوس ہو رہی ہے کہ ہم میں بہت سوں کا معاملہ الا ماشاء اللہ یہ ہے کہ وہ پوری زندگی خود کو ناقص و کم سواذ ہی تصور فرماتے رہتے ہیں اور نتیجے میں کچھ نہ کر کے بالآخر داغ حسرت لیے آخرت سدھار جاتے ہیں؛ حالاں کہ اپنی بے پایاں لیاقتوں اور علم و تجربات کے سیل بے کراں سے ایک زمانے کو مستفیض کرنے کی ان میں صلاحیت موجود ہوتی ہے۔ اس طرح آنے والی نسلوں کو اپنے عظیم سرمایہ فضل و کمال سے وہ محروم کر جاتے ہیں۔

اس کی بنیادی وجہ جو مجھے سمجھ آئی ہے وہ یہ ہے کہ وہ ساری زندگی خود کو احساس کمتری کے اہنی حصار سے باہر ہی نہیں نکال پاتے؛ بلکہ مشاہدہ یہ ہے کہ اگر کچھ دوسرے کمزور عزم لوگ ان کے ہتھے چڑھ جائیں تو انہیں بھی اپنے حصار کے اندر کھینچنے میں پوری چابک دستی کا مظاہرہ فرماتے ہیں۔ کاش! انہیں کوئی بتا دیتا کہ 'کامل' تو بس ایک ہی ذات ہوتی ہے اور وہ ہے ذات رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، باقی کسی کو درجہ کمال کہاں نصیب! لہذا اعتراف 'نقص' کے ساتھ ہی انسان جتنا کچھ کر سکتا ہے کر لے کہ شاید یہی اُس کے لیے توشہ راہ اور سرمایہ بخشش بن جائے، بقول شاعر۔

لئن لم يعظ العاصين من هو مذنب

فمن يعظ العاصين بعد محمد

یعنی اگر ایک خطا کار کو یہ حق نہیں کہ وہ گنہ گار بندوں کو وعظ

و نصیحت کرے تو پھر محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد گنہ گاروں کو نصیحت کرنے کا جواز کسے ہے؟ (کیوں کہ آپ کے علاوہ نقص و خطا سے پاک ہونے کا دعویٰ کوئی نہیں کر سکتا!)

تاریخ ہمیں ایسی کئی عہد ساز شخصیات کا پتا دیتی ہے جنہوں نے عمر تو بہت کم پائی مگر ان کے تعمیری و تخلیقی کارنامے بڑی بڑی عمر پانے والوں پر بازی مار لے گئے۔ امام محی الدین شرف نووی (م ۶۷۷ھ) کا نام تاریخ اسلام کے صفحات پر درخشاں حروف میں رقم ہے۔ وہ ساتویں صدی کے عظیم الشان محدث ہوئے ہیں اور تاریخ اسلام کی نابغہ روزگار شخصیات کے دھارے میں شامل ہیں۔ سالہا سال شام کے دارالحدیث اشرفیہ میں درس دیا اور جہاں شیخ تقی الدین سبکی اس تمنا میں جگہ جگہ سجدہ ریز ہوتے رہے کہ شاید ان کی پیشانی ایسی جگہ پڑ جائے جہاں امام نووی کے قدم پڑے ہیں (طبقات شافعیہ: ۱۶۶/۵) ذرا اندازہ فرمائیں کہ اپنے پیچھے کوئی پانچ سو کتابوں کا گراں قدر تحفہ چھوڑ جانے والی یہ شخصیت زندگی کی فقط چالیس بہاریں ہی دیکھ سکی تھی کہ اس کا پیمانہ عمر لبریز ہو گیا۔ یوں ہی فرنگی محل کے دور آخر کی ناقابل فراموش یادگار ابوالحسنات مولانا عبدالحی لکھنوی کو دیکھیں، اپنے دور میں بحر العلوم اور جامعیت کے لحاظ سے اپنی نظیر آپ تھے۔ آپ کی تصانیف تقریباً تمام علوم و فنون کا احاطہ کرتی ہیں۔ درسیات کی شاید ہی کوئی ایسی کتاب ہو جس پر آپ نے حاشیہ، تعلق یا شرح نہ لکھی ہو۔ ایسی جامع کمالات شخصیت جب دنیا سے پردہ کرتی ہے تو اس کی عمر بھی یہی کوئی چالیس سے متجاوز نہ تھی۔

ایسے جہانزادہ روزگار، صناید و ہر اور عہد ساز شخصیات میں علامہ اُسید الحق بھی بجا طور شمار کیے جانے کے لائق ہیں کہ ۳۹ سال کی عمر میں وہ کچھ کر گئے کہ بڑی بڑی عمر پانے والے جس کا تصور تک نہیں کر سکتے۔ علامہ کا مایہ امتیاز ان کا مثبت انداز تھا جس نے انہیں دلجمعی اور تن دہی سے دونوں جہان کی سعادتیں بٹورنے والے کاموں میں ہمہ وقت جنمائے رکھا، اور ہر محاذ پر سرخ رو رکھنے کے ساتھ ساتھ ہر طبقے میں تمغہ مقبولیت عطا کیا۔ لہذا ہمیں کبھی نہیں بھولنا چاہیے کہ مثبت سوچ اور تعمیری افکار و خیالات ہی انسان کی کامیابی کا زینہ ہوتے ہیں۔ تجربات شاہد ہیں کہ مثبت سوچ نے ناممکن کو ممکن بنا دیا ہے۔ دین، دنیا اور آخرت کی تمام کامیابیاں مثبت سوچ کی مرہون منت ہیں اور تمام ناکامیوں کی تہہ

## بقیہ علامہ بدایونی کی ملی سہولت بے مثال تھی

مولانا اسید الحق قادری بدایونی کی باتیں آج بھی دل پر نقش ہیں، اگر لکھنے پہ آؤں تو دفتر درکار ہے۔ خانقاہی اختلافات، اہل سنت کے مابین ناچاقیاں اکثر ہماری گفتگو کا محور ہی ہوتا تھا۔ کہتے تھے یا اللہ! کب وہ دن آئے گا جب اہل سنت کے باہمی اختلافات دور ہوں گے؟ پھر پلٹ کر کہتے کہ ”اختلافات تو مولانا ہمیشہ سے رہے ہیں اور پھر علما کی بہت ساری مثالیں دے ڈالتے۔“

کبھی کہا کرتے تھے کہ ”مولانا مخالفت کو دیکھ کر دل کرتا ہے دنیا چھوڑ دوں۔“ میں ہنستا اور کہتا بس تھک گئے؟ حوصلہ رکھیں حضرت!

تندی با مخالف سے ٹو نہ گھبرا اے عقاب  
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لیے

کہا کرتے تھے:

”میں کسی مخالفت کا جواب دینا نہیں چاہتا، اب مجھے سمجھاتے رہتے ہیں۔“ اس طرح مختلف امور پر عموماً باتیں ہوتیں۔

ایک بار فرمایا کہ ”مولانا! گھر والوں کے علاوہ چند لوگ ہیں جن سے اپنا غم ہلکا کر لیا کرتا ہوں اور وہ میرے راز افشاں نہیں کرتے، ان میں سے ایک آپ ہو، جن پر میں ہر طرح سے اعتماد کرتا ہوں۔“ کیا کیا لکھوں، کچھ سمجھ میں نہیں آتا؟

سیکڑوں باتوں کا رہ کے خیال آتا ہے

کافی طویل تحریر ہو گئی۔ یہ کوئی مضمون نہیں ہے، بس چند یادیں تھیں جنہیں تحریر یاد کر کے دل کے غم کو ہلکا کرنے کی کوشش کی ہے۔

میں آپ کے بلکہ آپ کے گھر کے ہر فرد کے اس غم میں برابر کا شریک ہوں۔ میں کسی کام کا تو نہیں، پھر بھی اگر کہیں میری ضرورت ہو تو ضرور یاد فرمائیں۔ آخر میں ہدیہ تعزیت حدیث شریف کے درج ذیل جملوں کے ساتھ پیش ہے:

”إِنَّ لِلَّهِ مَا أَخَذَ، وَلَهُ مَا أَعْطَى، وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَ اللَّهِ

بِأَجَلٍ مُّسَمًّى، فَيَلْتَضَبِرْ وَلْتَحْتَسِبْ“ □□□

(مکتوب بنام: حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری/ ۲۱ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ)

☆ نوری دارالافتاء، مدینہ مسجد، محلہ علی خاں، کاشی پور (اتراکھنڈ)

میں کہیں نہ کہیں منفی سوچ ہی دکھائی دیتی ہے۔ انسان کے جملہ اعمال و افعال میں سوچ کی حیثیت وہی ہے جو مکان کی تعمیر میں نقشہ کی ہوتی ہے۔ لہذا جیسا نقشہ، ویسا مکان، جیسی سوچ، ویسا انسان۔

انسان کی عملی زندگی اس کی سوچوں کی ہی آئینہ دار ہوتی ہے۔ سوچ ایک بہت بڑا ہتھیار ہے، اگر اسے مثبت استعمال کر لیا جائے تو ہم بہت کچھ شکار کر سکتے ہیں اور اگر اسے منفی استعمال کیا جائے تو ہم خود شکار ہو سکتے ہیں، کاش! ہم اپنی سوچوں کا رخ صحیح سمت پر لگا دیتے، اور اوروں کے لیے نہ سہی تو کم از کم اپنی ذات کے لیے تو رحمت بن جاتے!

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی

تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن

مضمون کے اختتام پر اپنے نوجوان دوستوں اور علامہ کے معتقدین و رفقا کو بجز اس کے اور کیا پیغام دوں کہ اہل سنت و جماعت کے فروغ و استحکام کے سلسلے میں آپ دامے، درمے، قلمے، سخنے جو کچھ بھی خدمات انجام دے سکتے ہیں ضرور دیں، اور جلدی کریں، پروا نہ اہل کبھی بھی آسکتا ہے۔ اگر آپ جواں سالی میں علامہ کی موت سے بھی کچھ نہ سیکھ سکتے تو انہیں معلوم اب کون سا حادثہ جاں کاہ آپ کو خوابیدگی کے حصار سے باہر لائے گا؟ زندگی کی شام و سحر کو اب سے نظام الاوقات کا پابند بنا لیں اور اپنی لیاقت سے قوم و ملت کی جتنی نفع رسانی اور فیض بخشی کر سکتے ہیں کر لیں اور یہ بات دل کی تختی پر نقش کر لیں کہ دنیا میں نہ لوگ ہی کچھ کر پاتے ہیں؛ کیونکہ کاموں ہی نے تو انہیں فرب کر رکھا ہے اور انہیں سے کام کی توقع بھی رکھی جا سکتی ہے۔ رہی بات، تاریخ بیٹھے رہنے والوں کی تو ان کی بے کاری کبھی انہیں فرصت ہی نہیں دیتی کہ وہ کچھ مثبت کام کر سکیں؛ کیوں کہ وہ اپنی بے کاری و زیاں کاری ہی کو کار شاہی سمجھے بیٹھے ہوتے ہیں۔ ان سے آپ جب بھی کسی کام کے لیے کہیں، تو وہ اپنی بے جا مصروفیت کا ایسا ڈھنڈورا پیٹیں گے کہ آپ کو اپنی مصروفیت کا نشہ ہرن ہوتا نظر آنے لگے گا۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ ایسی بے کاری کا ایک لمحہ بھی کسی مسلمان کی زندگی میں نہ رکھے۔

خداے قدیر و مقدر جل جلالہ علامہ کو غریق رحمت کرے اور

جماعت میں ان کے أمثال بکثرت پیدا فرمائے۔ آمین □□□

☆ دلاس یونیورسٹی، کیپ ٹاؤن، ساؤتھ افریقہ



# علامہ اُسید الحق قادری کی ذات مجمع البحرین تھی

وہ خود مجمع فروزاں تھے اور دوسروں کو بھی مثل شمع جلا ہوا دیکھنے کے خواہاں تھے

کی امیدیں ان سے وابستہ ہوئی تھیں، ہم ایسے المناک خبر کے متحمل کہاں تھے؟ میرے بھائی تمہیں ایسی بھی کیا جلدی تھی؟

ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہوں جسے پھر ان کی ایک ایک باتیں یاد آتی گئیں اور جی بھر کے رلاتی گئیں، وہ ملاقاتیں، وہ باتیں، وہ ادا و انداز جس کی مثالیں عہد حاضر میں ناپید ہیں۔ دل پکارتا، آہ اسید واہ اسید! وہ دل کے اس قدر قریب تھے، اس کا اندازہ مجھے پہلے کبھی نہ ہوسکا، سچ ہے:

وہ اشک بن کر مری چشم تر میں رہتا ہے  
عجیب شخص ہے پانی کے گھر میں رہتا ہے

میں ۲۰۰۶ء میں ”حیات اصدق“ کی طباعت کے لیے دہلی گیا ہوا تھا۔ ایک روز برادر گرامی مولانا خوشتر نورانی کی ملاقات کی غرض سے مکتبہ جام نور پہنچا تو وہاں کچھ ہی دیر بعد ایک خوش قامت، وجیہہ، جامہ زیب، متمسک چہرہ و بشری کی مالک جو اس سال شخصیت رونق افروز ہوئی، مولانا خوشتر نورانی اور موجود افراد نے کھڑے ہو کر ان کا استقبال کیا، تقلیداً آداب مجلس کا خیال کرتے ہوئے میں بھی کھڑا ہو گیا۔ کیوں کہ میری اس نو اور شخصیت سے کبھی کی دید و شنید نہ تھی۔ ہمارے ملنے کے انداز سے خوشتر صاحب نے تاڑ لیا کہ دونوں ایک دوسرے سے ناواقف ہیں اور تعارف کے فرائض انجام دیتے ہوئے کہا کہ یہ مولانا اُسید الحق محمد عاصم قادری ازہری، ولی عہد خانقاہ قادریہ بدایوں شریف ہیں۔ میں نے کہا: نام سے واقف ہوں اور تحریریں بھی دیکھی ہیں، لیکن ملاقات کا شرف اب ملا ہے۔

ہمارے درمیان رسمی گفتگو ہوئی لیکن ”مشک آنست کہ خود بوید“ کے مصداق اس مختصر ملاقات میں ہی اندازہ ہو گیا کہ یہ شخص ذی علم بھی ہے اور باکمال بھی، ذی وجاہت بھی اور اخلاقیات کا اعلیٰ نمونہ بھی۔

۳ مارچ ۲۰۱۳ء لہیری محلہ بہار شریف میں ایک میٹنگ سے فراغت کے بعد احباب کی مجلس میں مشغول تھا، رات کے ۹ بجے تھے۔ اسی اثناء عزیز سعید جناب حافظ محمد شہنواز حسین رضوی علیگ کا علی گڑھ سے فون آیا۔ خیریت کے رسمی تبادلے کے بعد آں عزیز نے مجھے جھنجھوڑ کر رکھ دیا کہ علامہ اُسید الحق محمد عاصم قادری بدایونی کا انتقال ہو گیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

میں ایک دم سے چیخ پڑا کیا جکتے ہو؟ انہوں نے مضحک آواز میں کہا، ہاں حضرت سچ کہتا ہوں۔ پھر بیک زبان نکلا، کہاں؟ کیسے اور کیوں کر؟ وغیرہ وغیرہ۔ مختصر گفتگو کی اور فون بند کیا۔ احباب سے اجازت چاہی، سب چونک پڑے۔ کیا ہوا؟ میں بدقت تمام صرف اتنا ہی کہہ سکا۔ میرے بہت اچھے دوست حضرت اسید میاں نہیں رہے۔ یہ کہتے ہوئے کلیجہ منہ کو آتا تھا۔ سمجھوں نے سو گوارا نہ مجھے رخصت کیا۔ گاڑی چلا کر ادارے تک پہنچنے میں ہمارے ہاتھ پاؤں کانپ رہے تھے اور چند منٹ کا یہ سفر بہت طویل ہو گیا تھا۔

جب جو اس باختہ ادارہ میں داخل ہوا، اساتذہ، رفقا اور عزیزان میری حالت کو دیکھ کر مجھے گھیر کر کھڑے ہو گئے۔ میں نے پہلا فون تصدیق کے لیے مخلص گرامی مولانا خوشتر نورانی کو لگایا۔ موبائل سوئچ آف آرہا تھا۔ اس کے بعد برادر مکرم مولانا سید شاہ سیف الدین اصدق چشتی کو لگایا، انہوں نے میرا فون فوراً ریسیو کیا اور جب میں نے اضمحلال سے استفسار کیا تو انہوں نے تصدیق کی اور رابطہ منقطع ہو گیا۔ میں پھوٹ پھوٹ کر رو پڑا، ذہن و دماغ پتھر کا ہو کر رہ گیا اور بس ایک ہی آواز آتی اس کا مد مقابل کوئی نہیں؟ نہ علم و ادب میں، نہ زبان و قلم میں، نہ اخلاق و عادات میں۔ آہ! وہ کیسا قیمتی سرمایہ تھا ملت کا جماعت کا! ابھی تو اس کے جوہر نکھر کر سامنے آنا شروع ہوئے تھے۔ ابھی جماعت



بہر حال میں ان سے متاثر ہوئے بنا نہ رہ سکا۔ میں نے کہا آپ تو بہت خوب لکھتے ہیں۔ ”جام شہود“ بھی آپ کی تحریروں کا منتظر ہے۔

مسکرا کر فرمایا: کہاں حضرت! یہ تو آپ کا حسن ظن ہے اور ”جام نور“ کے لیے خوشتر صاحب کی زبردستی کی وجہ سے کچھ لکھ لیتا ہوں، ورنہ میں اس باب میں بہت سست واقع ہوا ہوں۔ ”دلچسپ بات تو یہ ہے کہ میں نے اپنے گرد و پیش کے حالات کے تناظر میں ان کی اس خاکساری کو حقیقت پر محمول کر لیا، کیوں کہ میں ان سے کما حقہ واقف نہ تھا۔

جب تو اتر کے ساتھ آپ کی معرکہ آرا تحریریں ماہنامہ ”جام نور“ میں آنے لگیں تو نہ صرف غلط فہمی کا ازالہ ہوا، بلکہ اور بھی بہت کچھ کا اندازہ ہوا۔ پھر تو صرف میں نہیں ایک زمانہ آپ کی قلمی صلاحیت کا معترف ہو گیا۔

آپ کی ”خامہ تلاشی“ اور قلمی نام ”ابوالفیض معینی“ نے جو دھمال مچایا، وہ بتانے کی چنداں ضرورت نہیں۔ رب قدیر نے آپ کو غزالی و رازی کا علم عطا فرمایا تو دوسری طرف حضرت جنید و شبلی اور سرکارِ مخدوم جہاں کا عجز و انکسار دیا تھا۔ اللہ رے خاکساری جس کی نظیر عہد حاضر میں ڈھونڈے نہیں ملتی۔ پندار علم علامہ اسید کو چھو کر نہیں گذرا۔ ہر خرد و کلاں کی واہ واہی نے انھیں غیر متوازن نہیں کیا اور کمال تو یہ کہ بدخواہوں کی بدخواہی نے انھیں کبھی بدمزہ نہ ہونے دیا۔

میں نے جام شہود کے ”خواجہ قیام اصدق نمبر“ کی اشاعت کے وقت ان کی خدمت میں مکتوبات اصدقی کے دو تین مکتوب ارسال کیے تھے (مکتوبات اصدقی حضرت سیدنا خواجہ شاہ قیام اصدق چشتی رضی اللہ عنہ کے مکاتیب کا گراں قدر مجموعہ ہے اور ان مکاتیب کی حیثیت صوفیائے متقدمین کے مکاتیب کی ہے) اور ان سے درخواست کی کہ آپ ترجمے کے ساتھ ساتھ ایک توضیحی مضمون رقم فرمادیں۔ ادارہ جام شہود آپ کا ممنون کرم ہوگا۔ آپ نے وعدہ فرمایا لیکن اپنی مصروفیات کی وجہ سے وفا نہ کر سکے، جس کا مجھے بہت ملال ہوا۔ بر بنائے قربت میں نے اپنے ملال کا ان سے اظہار کیا، کوئی اور ہوتا تو شاید نہ کہتا، کچھ دیر خاموش رہے، پھر فرمایا حضرت میں اسلاف کا خادم ہوں اور خدمت میرا کام ہے، لیکن پہلے میرے اوپر اپنے اسلاف کا حق ہے۔ میں نے سوچا ان کا حق ادا کر لوں، پھر آپ کے حکم کی تعمیل ہوگی۔ پھر کہنے لگے

”عرس قادری“ میں خانقاہ قادریہ کے بزرگوں کی کتابیں آئی تھیں۔ لہذا ان مکاتیب کو دیکھنے کے باوجود میں کچھ نہ کر سکا، مجھے خود ملال ہے۔ ان مکاتیب سے صاحب مکتوب کی جلالت شان کا اندازہ ہوتا ہے۔ لہذا صرف شکایت دور کرنے کی غرض سے لکھنا انصاف کے تقاضے کے خلاف ہے۔ یہ قرض میرے اوپر باقی رہا۔

اس خوبصورتی سے میرے ملال کو رفع کیا کہ میں مطمئن ہی نہیں بلکہ شرمندہ ہو گیا اور دل نے کہا بے شک ہر ایک پر پہلے اس کے آباد اجداد کا حق ہے۔ زمانہ جانتا ہے اسید میاں نے اس حق کو خوب خوب ادا کیا۔ اسی حق شناسی کے نتیجے میں حضرت اسید میاں نے وہ گنج گراں مایہ جو عوام و خواص کی نگاہوں سے اوجھل تھے، نئے زبان و قالب میں ڈھال کر عطا کیے جس کا احاطہ ہمارے اس مختصر مضمون میں ممکن نہیں۔

۱-۲ نومبر ۲۰۰۸ء کو ہم نے مدرسہ اصدقیہ مخدوم شرف بہار شریف کے پچیس سالہ جشن کے موقع پر دو روزہ عظیم الشان کل ہند ”تعلیمی کانفرنس“ کا انعقاد کیا تھا، جس میں ملک کی پچاس سے زائد قد آور، علمی و ادبی شخصیتوں نے اس بے بضاعت کی دعوت پر تشریف آوری کی زحمت گوارا کی۔ شہر کے حالات اس وقت کچھ نا سازگار ہو گئے تھے جس کا اثر کانفرنس کے نظم و نسق پر بھی پڑا جس کا اندازہ ہمیں بخوبی ہے اور ہم بہت اہم مہمانوں کا شایان شان خیر مقدم نہ کر سکے تھے۔ پھر بھی یہ کانفرنس بہار شریف کے لیے تاریخی حیثیت رکھتی ہے۔ میرے ایک مخلص دوست نے کہا بھی تھا، سید صاحب آپ کو اندازہ ہے کہ آپ نے کیسی کیسی شخصیتوں کو اکٹھا کر لیا ہے؟ میں نے حضرت اسید میاں کو اس کانفرنس میں مدعو کیا تھا اور وہ شرف ملت حضرت سید محمد اشرف قادری مد فیوضہ (مارہرہ مطہرہ) اور مولانا خوشتر نورانی کے ہمراہ تشریف لائے۔ میں آج بھی خوشتر صاحب کا ممنون ہوں کہ انہوں نے اس موقع پر میری بڑی مدد فرمائی تھی۔

سیدنا کی تین نشستوں میں پہلی نشست کا عنوان ”اسلام اور امن عالم“ تھا، اسید میاں صاحب نے اس عنوان کے تحت جب حاضرین سے خطاب کرتے ہوئے عجب سماں باندھ دیا تھا۔ نادر نکتے، نایاب حوالہ جات، گفتار کی شیرینی، آواز کے مدد و جرنے عوام و خواص سمجھوں کو اپنے حصار میں لے لیا تھا اور سب انگشت بندھاں تھے، جوان العمر

ہونے کے باوجود وسعت مطالعہ ایسا کہ جس کی تھاہ نہیں ملتی اور رات کے اجلاس عام میں میرے بے حد اصرار پر بہتوں کو ان کا خطیبانہ رنگ دآہنگ دیکھنے کو ملا۔ ایسا لگتا تھا جیسے آبشار پھوٹ پڑا ہو۔ بلاشبہ وہ شخص جمع البحرین تھا، جس کے کمالات کا احاطہ میرے زبان و قلم سے بالاتر ہے۔ بیک وقت وہ محدث بھی تھا، فقیہ بھی تھا، مفسر بھی تھا، ادیب بھی تھا، ناقد بھی تھا، شاعر بھی تھا، مصنف بھی تھا، محشی بھی تھا، مرتب و مؤلف بھی۔ اسی تعلیمی کانفرنس کے بطن سے مدرسہ اصدقیہ مخدوم شرف کو "الاصدق ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ" ملا جس کا افتتاح حضرت شرف ملت سید محمد اشرف مارہروی نے فرمایا اور "شہودی دارالمطالعہ" جس کا افتتاح حضرت علامہ اسید الحق بدایونی جیسی علم دوست شخصیت نے فرمایا۔ جہاں ان کے علاوہ دوسرے ڈھیروں دور رس فوائد و نتائج حاصل ہوئے وہیں جام شہود تعطل کا شکار ہوا۔ انہی محترم مولانا سیف الدین اصدق چشتی کے بار بار کہنے پر بھی میں "جام شہود" کی طرف متوجہ نہیں ہوا۔ پھر انہوں نے حضرت والد گرامی سے میری شکایت کی اور دوبارہ جام شہود کو منظر عام پر لانے کا مطالبہ کیا۔ بارگاہ عالیہ میں میری طلبی ہوئی اور حضرت والد گرامی نے میرا منشا جاننا چاہا۔ میں عرض حال کر کے خاموش ہو گیا۔ تھوڑی دیر سکوت رہا پھر حضرت نے اپنے مخصوص لب و لہجے میں حکم صادر فرمایا، جام شہود نکلنا ہے اور میری حیات تک اسے بند کرنے کا خواب اپنے ذہن و دماغ سے نکال دیجیے۔

مرتا کیا نہ کرتا، پھر نئے سرے سے اس کی طرف متوجہ ہوا اور مجلس ادارت کی ایک فہرست ترتیب دی۔ اسے حضرت والد گرامی کی خدمت میں پیش کیا جس کو ڈاکٹر قمر الہدیٰ فریدی، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے نام کے اضافے کے ساتھ جام شہود کی مجلس ادارت کے لیے منظور کر لیا گیا، پھر میں نے سمجھوں سے منظوری حاصل کی۔

جب حضرت علامہ اسید الحق سے مجلس ادارت کی ذمہ داری قبول کرنے کی فون پر درخواست کی تو انہوں نے معمولی عذر و معذرت کے بعد قبول فرمایا اور کہنے لگے رسالہ نکلتا کیسے ہے؟ میں دل جلا تھا جواباً عرض کیا تو کل علی اللہ، میرے جواب سے زیادہ میرے لہجے پر کھلکھلا کر ہنس پڑے۔ اس کے بعد فرمایا پھر تو کبھی بھی بند ہو سکتا ہے۔ میں نے کہا والد ماجد کی حیات تک بند ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ہے۔ پھر

اسید میاں صاحب نے کہا، اس کے بعد آپ بند کر دیں گے؟ میں نے کہا، ایسا تو میں نے نہیں کہا، ہاں! اتنا ضرور ہے حالات پر انحصار ہے۔ اس کے بعد کچھ دیر خاموش رہے، پھر فرمایا، حضرت حالات بنتے نہیں ہیں، بنائے جاتے ہیں، حالات سے ہار نہیں مانی جاتی ہے، حالات کا مقابلہ کیا جاتا ہے۔ اسلاف کی کمائی سنبھالی جاتی ہے، لٹائی نہیں جاتی ہے۔ اللہ یہ خیال بھی نہ لائیے گا۔ میری جانب سے تاج اللحوال اکیڈمی کے لیے اندرون ٹائٹل کو خاص کر دیں اس کا جو بھی تعاون ہو ہمیں بتادیں میں اکاؤنٹ میں ڈلوادوں گا۔ میں نے کہا مضامین تو ہنستے ہوئے فرمایا وہ بھی گا ہے بگا ہے حاضر خدمت کروں گا۔ ہر شمارے کے لیے معذرت ہے اور رابطہ منقطع ہوا۔

آہ! آج وہ پیارے بول کانوں میں گونجتے ہیں۔ وہ اپنے ہم عصروں کا بھی رہنما تھا، اپنے اسلاف کی پاپانتوں کا امین تھا، دوسروں کو بھی وہ امین دیکھنا چاہتا تھا، خود شمع فروزاں تھا، دوسروں کو بھی مثل شمع جلتا دیکھنے کا خواہاں تھا، خود متحرک و فعال تھا دوسروں کو بھی متحرک و فعال رکھنے کا آرزو مند تھا۔

حضرت علامہ اسید الحق محمد عاصم قادری بدایونی رحمۃ اللہ علیہ کی شناخت قادری اور قادریت تھی جس کا اظہار کچھ اس طرح کرتے ہیں۔  
 غوث اعظم کی غلامی عاصم  
 اپنی پہچان ہے کیا ہونا ہے

بارگاہ غوثیت مآب میں ان کی مقبولیت اور رشتے کا پتہ کوچہ جاناں میں ان کی شہادت بتا رہی ہے اور قادریت کا انعام آغوش غوثیت میں دفن ہو کر پایا۔ اس نصیبے پہ کون نہ نازاں ہو! پوری جماعت کو ان کی شہادت نے ایسا جکڑا ہے کہ ان کی یاد میں ہزار ہا دل تڑپ رہے ہیں، بے شمار آنکھیں اشکبار ہیں۔ آہ! قوم و ملت کا پاساں جاتا رہا، شریعت و طریقت کا سنگم جاتا رہا، فکرو فن کا نگہباں جاتا رہا۔

ہم سب آپ کی ترقی درجات کے لیے دعا گو ہیں اور شیخ ملت حضرت سالم میاں قادری مد فیوضہ (سجادہ نشین خانقاہ قادریہ بدایونی شریف) حضرت مولانا عطیف میاں قادری اور دیگر اہلیان خانقاہ بدایونی کو بصد حسرت و افسوس تعزیت پیش کرتے ہیں۔ □□□

☆ مدیر ماہنامہ "جام شہود"، پکی تالاب، بہار شریف، نالندہ (بہار)

# ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم

افسوس صد افسوس کہ ایسا قابل رشک ستارہ اتنی جلدی افق عالم سے روپوش ہو گیا

علامہ شاہ فضل رسول قادری اور تاج الفحول علامہ شاہ عبد القادر بدایونی رحمہم اللہ جیسے آفتاب و ماہتاب رونما ہوئے، اسی گھرانے میں فخر اسلاف علامہ اسید الحق عثمانی قادری نے آنکھیں کھولیں، اس خاندان کی خدمات صدیوں پر محیط ہیں، گویا بقول غالب:

سو پشت سے ہے پیشہ آب سپہ گری

دین کے یہ سپاہی صدیوں سے دین متین کی خدمت میں مصروف رہے اور بجزہ تعالیٰ آج بھی سلسلہ جاری و ساری ہے۔

یہ بھی کیا نصیب ہے کہ ولادت حضور سلطان المشائخ محبوب الہی قدس اللہ روحہ کے شہر بڈایوں شریف میں اور شہادت غوث اعظم محبوب سبحانی قدس اللہ سرہ کے دیار بغداد شریف میں ہوئی۔ بلاشبہ یہ اللہ رب العزت کا فضل ہے جس میں کسب کا کوئی اختیار نہیں۔ ذلک فضل اللہ یؤتہ من یشاء۔

راقم کو جس وقت یہ دل فگار خبر ملی، اس وقت جو صدمہ ہوا اس کا حال بیان سے باہر ہے۔

ہم آج تک ہیں چوٹ وہ دل پر لیے ہوئے

دل کسی صورت سے ماننے کو تیار نہیں ہو رہا تھا اور یہ محسوس ہو رہا تھا کہ اب خبر آئے گی کہ آپ سلامت ہیں، لیکن:

اہے بسا آرزو کہ خاک شدہ

خبر سنتے ہی حضرت پیر و مرشد گرامی عارف باللہ شاہ احسان اللہ محمدی ابو سعید صفوی حفظہ اللہ در عاہ کی خدمت میں فون کیا اور خبر دی، جن سے علامہ شہید کو قلبی لگاؤ اور نسبت جنی تھی اور آپ سے حضرت پیر و مرشد کو بے پناہ محبت رہی۔ راقم کو خوب یاد ہے کہ جب اس نے حضرت پیر و مرشد کے دورہ مصر کی وہ تصویر جس میں سابق مفتی جمہوریہ علامہ مفتی علی جمعد مظلہ آپ کی ضیافت فرما رہے تھے، فیس بک پر لگائی تھی تو آپ نے

صحیحین میں حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی مشہور حدیث پاک ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ان اللہ لا ینتزع العلم من الناس انتزاعاً ولكن یقبض العلماء فیرفع العلم معهم الحدیث (اللہ تعالیٰ علم کو لوگوں سے اچانک نہ اٹھالے گا بلکہ اللہ تعالیٰ علما کی روح قبض فرمائے گا اور علم کو ان کے رخصت ہونے سے اٹھائے گا)

برادر گرامی علامہ محقق مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری رحمہ اللہ کی شہادت کا سانحہ بھی اس حدیث شریف کی روشنی میں علم کی رخصتی کی طرف اشارہ ہے۔ افسوس صد افسوس کہ ایسا قابل رشک ستارہ اتنی جلدی افق عالم سے روپوش ہو گیا۔ ان کی شہادت کی خبر سنتے ہی دل پر غموں کا کوہ گراں آ پڑا، دل بچھ سا گیا اور حوصلے پست ہوتے ہوئے معلوم ہوئے۔ مجھے رہ رہ کر نابغہ عصر فخر المتاخرین علامہ محمد عبدالحی فرنگی محلی رحمہ اللہ کا خیال آتا رہا اور ان سے علامہ شہید رحمہ اللہ میں کئی طرح کی مماثلت معلوم ہوئی۔ علمی میدان میں ژرف نگاہی، وسعت نظری، علوم فنون میں پختگی اور پھر قریب قریب ایک ہی عمر میں دونوں کی اس سرائے قانی سے رخصتی۔ حضرت امام لکھنوی بھی تقریباً ۳۹ سال کچھ ماہ کی عمر میں رخصت ہوئے اور فاضل بدایونی بھی اسی کے قریب عمر میں شہید ہوئے، رحمہما اللہ تعالیٰ۔

بدایوں وہ زرخیز خطہ ہے جہاں ایسے ایسے نابغہ روزگار شخصیتوں نے آنکھیں کھولیں ہیں جن پر نہ صرف ہندوستان بلکہ ساری دنیا کو فخر ہے۔ اسی سرزمین کو سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیا محبوب الہی قدس اللہ سرہ کی بھی جائے ولادت ہونے کا شرف حاصل ہے۔ ان گنت علما، بے شمار اولیا اور لاتعداد شہدا آج بھی وہاں آرام فرما ہیں۔ اسی زرخیز خطہ کا علم و فضل سے معمور اور حسب و نسب سے مشہور وہ گھرانہ جس میں علامہ شاہ عین الحق عبد المجید عثمانی قادری، سیف اللہ المسلمول

کمٹ کیا تھا کہ ”ماشاء اللہ اپنے وقت کے دو عظیم عارف باللہ ایک ساتھ۔“ اس ناچیز پر آپ کے الطاف و نوازش کا جو حال رہا، وہ یاد آتا ہے اور دل خون ہوتا ہے۔

بشیر الصابرين فرماتے در شکایت گناہ می بینم  
ارشاد ربانی ہے کہ ”صبر کرنے والوں کو بشارت ہو“ اس لیے شکوہ و شکایت میں گناہ سمجھتا ہوں۔ راقم کا جب از ہر شریف آنے کا ارادہ نہیں تھا تو اکثر فرمایا کرتے تھے کہ آپ از ہر شریف ضرور جائیں اور اگر ارادہ نہیں ہو رہا ہے تو بدایوں شریف آ جائیں اور ہمیں خدمت کا موقع دیں، یہ از راہ ذرہ نوازی ہے، ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ خود میرے لیے شرف کا باعث ہوتا۔

دہلی کے دوران قیام پہلی مرتبہ بدایوں شریف کا سفر آپ کے ساتھ کار میں نصیب ہوا۔ وہ سفر بھی کیا یادگار سفر ہے، کافی باتیں ہوئیں، دوران سفر مجھ سے فرمانے لگے کہ مجھے حضرت امیر خسرو کا کلام ”چھاپ تلک سب چھینی رے مو سے نینا ملائے کے“ بہت پسند ہے، اکثر سنتا ہوں۔ اس کے بعد آپ جب خانقاہ عالیہ عارفیہ میں غالباً دوسری مرتبہ عرس اور ”یوم غزالی“ میں شریک ہوئے تو اس غزل کو قتل کی محفل میں فرمائش کر کے سنا۔

بڑوں کا حد درجہ ادب اور چھوٹوں پر بے پناہ شفقت آپ کی ایسی عادت تھی جس نے آپ کو ہر دلعزیز بنا دیا تھا۔ دہلی میں ایک مرتبہ آپ نے راقم سے پوچھا کہ آپ تصوف کو کیا سمجھتے ہیں؟ راقم نے عرض کیا کہ تصوف تو سراسر ادب ہے، جو جتنا مؤدب ہوگا اسی قدر صوفی ہوگا، تو

فرمانے لگے کہ صحیح کہا آپ نے۔ حضرات صوفیہ نے فرمایا ہے کہ  
التصوف كله ادب فمن زاد عليك بالادب زاد عليك  
بالتصوف.

احقر کو حضرت مخدوم شیخ سعد خیر آبادی قدس سرہ کا ارشاد یاد آیا کہ آپ مجمع السلوک شریف میں فرماتے ہیں: التصوف كله ادب، لكل وقت ادب ولكل مقام ادب، فمن لزم الادب بلغ مبلغ الرجال (تصوف سراسر ادب ہے، ہر وقت اور ہر مقام کے لیے ادب خاص ہے، تو جس نے ادب کو لازم جانا وہ مردان خدا کے مرتبہ کو پہنچا) از خدا خواہیم توفیق ادب بے ادب محروم ماند از فضل رب بے شک علمائے ربانیین رخصت ہو رہے ہیں، لیکن لا تنزال

طائفة من امتی قائمة علی الحق کی نوید یہ پیغام دے رہی ہے کہ اس امت کے اہل حق کے گروہ میں ایسے جانباز ہمیشہ موجود رہیں گے جو بلا لومۃ لائم دین حق کی خدمت میں مصروف رہیں گے اور لا یضرہم من خذلہم ولا من خالفہم ان کے مخالفین اور اعدا ان کا کچھ نابگاڑ سکیں گے۔ اللہ رب العزت جماعت اہل سنت کو علامہ محقق رحمہ اللہ کا قائم مقام عطا فرمائے اور ہمیں اپنے اسلاف کی روش پر گامزن رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ حق تعالیٰ مخدوم گرامی حضرت علامہ شیخ عبدالحمید سالم قادری حفظہ اللہ کا سایہ دراز فرمائے اور اہل خانہ و سلسلہ کو صبر جمیل عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ آپ کو اپنا قرب خاص عطا فرمائے، آمین۔

□□□

☆ الازہر الشریف، قاہرہ (مصر)

ایک علمی، دینی اور تاریخی بحث پر مشتمل دلچسپ کتاب

سرسید کے مذہبی عقائد و افکار: ایک مکالمہ

ہفت روزہ ”الفتیہ“ امرتسر ۱۹۳۶ء کی فائل سے

صفحات: 104 از: مولانا خوشتر نورانی قیمت: 70

یہ بحث ہفت روزہ ”الفتیہ“ امرتسر ۱۹۳۶ء کے شماروں میں سرسید کے مذہبی عقائد پر ہوئی تھی، جس میں کئی سرکردہ علما مثلاً پیرسید جماعت علی شاہ محدث علی پوری، پروفیسر مولانا حامد حسن قادری، حضرت علامہ ارشد القادری اور قارئین نے حصہ لیا تھا۔

تقسیم کار: مکتبہ جام نور، 422 نیما محل، جامع مسجد، دہلی-۶ ناشر: ادارہ فکر اسلامی، دہلی



# نسل نو کے سب سے بڑے محسن

آج جماعت میں جو علمی و تحقیقی شعور پیدا ہوا ہے اس کے پیچھے مولانا بدایونی کی علمی و فکری تحریک کا بڑا حصہ ہے

خامہ تلاش نے ہر اعتبار سے قارئین کو ایسا متاثر کیا کہ یہ تاثر آج تک قائم و دائم ہے۔ مولانا کی مقبولیت کا اہم ترین حوالہ یہی ”خامہ تلاشی“ ہے۔ مولانا سیدالحق قادری اپنی خانقاہی اور مشربی بنیادوں پر توشیح تھے ہی اپنی علمی، فکری، تحقیقی، ادبی، تنقیدی اور نظریاتی بنیادوں پر بھی وہ شیخ کے مقام پر فائز تھے۔ ان سب کے علاوہ وہ انسان بھی بہت بڑے تھے۔ ہمارے درمیان ایک سے ایک علما، فقہاء، فضلا اور دانشور موجود ہیں مگر ان میں انسان کم ہی نظر آتے ہیں۔ مولانا قادری ان سب عظمتوں کے ساتھ انسانیت کی بلندی پر بھی براجمان تھے۔ ان سے ملنا، سننا، جاننا اور پڑھنا بڑا دل چسپ اور پراثر تجربہ ہوتا تھا۔ وہ جب بھی اپنے چھوٹوں سے ملاقات کرتے تو ان کی موصلا افزائی کرتے، ان کے کاموں کی تعریف کرتے، مشورے دیتے اور جب بات سے بات نکلتی تو علمی، تحقیقی، فکری اور معاشرتی امور زیر بحث آتے اور پھر ان کی فکری زرخیزی، علمی گہرائی و گیرائی اور ادبی و تنقیدی بصیرت کے جلوے بکھرتے۔ ان کی گفتگو چھوٹوں کے لیے بڑی حوصلہ بخش ثابت ہوتی۔ میں نے ماضی قریب کے علما و مشائخ میں حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان کے بارے میں سنا ہے کہ ایک بار کوئی ان سے ملاقات کر لیتا تو پھر ان سے دوبارہ ملنے کا مشتاق رہتا۔ بلا مبالغہ حضرت مولانا قادری کے سلسلے میں میں بالکل یہی کیفیت اپنے اندر پاتا ہوں۔ میری طرح ہر چھوٹا اور جو نیڑے گواہی دے گا کہ مولانا کی شخصیت ان کے لیے کس درجہ محرک تھی۔ وہ خود کام کے آدمی تھے اور کام کرنے والوں ہی کو پسند بھی کرتے تھے۔

گزشتہ سال دسمبر کے مہینے میں مولانا اپنی ہمیشہ کے علاج کے سلسلے میں کچھ دنوں کے لیے ممبئی تشریف لائے تھے۔ ایک دن فیس بک پر ان کی تصاویر دیکھیں کہ وہ قلابہ ممبئی کی سینٹرل لائبریری کی مرکزی سیرھوں اور لائبریری میں کتابوں کے درمیان ہیں، میں نے انہیں مسیج

مولانا سیدالحق قادری برصغیر کے ممتاز عالم دین، عظیم ناقد و محقق اور بے مثال تحریر و قلم کے مالک تو تھے ہی، عصر حاضر میں جدید قلم کاروں کے سر پرست اور مربی بھی تھے اور ہم سب کے ہیرو اور آئیڈیل بھی۔ کام کرنے والوں کی اس بھیڑ میں مولانا وہ تنہا شخصیت ہیں جو آج کے فاضل نوجوانوں اور تعمیری سوچ رکھنے والی نسل کے مقتدی تھے۔ ان کی عمر اور ان کے کام کی طویل ترین فہرست سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا کو واقعی کام کرنے کی بہت جلدی تھی۔ انہیں شاید معلوم تھا کہ میرا وقت قریب تر ہے، اس لیے جلدی جلدی اپنے حصے کا کام کر ڈالو۔ ۳۹ سال کی مختصر عمر میں ان کی تصنیفات، تالیفات، تراجم کی تعداد تقریباً ساٹھ تک پہنچتی ہے اور ان کے علاوہ ایک سو سے زائد وہ علمی و تحقیقی کتابیں ہیں جو انہوں نے اپنی زیر نگرانی لکھوائیں۔ مولانا موصوف سے میری زیادہ ملاقاتیں نہیں رہیں، کل ملا کر تین چار سے زیادہ نہیں لیکن ان مختصر ملاقاتوں نے مولانا کی سحر طراز شخصیت کے جو اثرات مجھ پر قائم کیے وہ شاید ہی کبھی دھندلے ہوں۔

مولانا سے میرا تعارف تو اسی وقت ہو چکا تھا جب وہ از ہر شریف کے دوران طالب علمی جام نور میں اپنی قیمتی اور وسیع تحریروں سے محفوظ کراتے تھے۔ جب وہ مکمل طور پر اپنے وطن بدایوں شریف تشریف لے آئے پھر تو وہ اتنے برق رفتار ہو گئے گویا تعمیری، تحقیقی، علمی، تخلیقی اور فکری مہمات ان میں فرد کش ہو گئی ہوں۔ ان کے مقالات مسلسل جام نور میں شائع ہوتے رہے اور علمی تحقیقی کتابیں بھی منظر عام پر آتی رہیں اور علمی دنیا کو سیراب کرتی رہیں اور اس وقت تو ان کی عظمت و شہرت کو گویا پر لگ گئے جب انہوں نے جام نور میں ”خامہ تلاشی“ شروع کی اور برصغیر کی علمی دنیا میں دھوم مچادی۔ جب تک یہ کالم شائع ہوتا رہا، طلبہ کیا، اساتذہ اور محققین بھی اس کا بڑی بے صبری سے انتظار کرتے رہے۔

کیا کہ ”حضرت! آپ ممبئی میں ہیں؟“ میں نے ان سے ملنے کی خواہش ظاہر کی تو مولانا نے جواب میں لکھا کہ ”اگر آپ وہی ہیں جو ماہ نامہ سنی دعوت اسلامی ممبئی میں مضامین لکھتے ہیں تو مجھے آپ سے مل کر بہت خوشی ہوگی۔“ مولانا کے اس جواب کو پڑھیے اور اندازہ لگائیے کہ وہ پڑھنے لکھنے والوں سے کس قدر محبت فرماتے تھے۔

اسی ملاقات کے سلسلے میں ان سے کئی مرتبہ فون پر بات ہوئی۔ وقت طے ہوا لیکن ان کو عین موقع پر کوئی کام نکل آیا اور وہ پونہ تشریف لے گئے۔ ان کی مصروفیات اتنی تھیں کہ وہ وقت نہیں نکال پارہے تھے۔ ممبئی سے بدایوں کی رخصتی سے ایک دن قبل بات ہوئی تو فرمانے لگے ”آپ ملاقات ضرور کر لیجیے، ورنہ مجھے بہت افسوس رہے گا، آپ کو مجھے اپنی کچھ تازہ کتابیں بھی دینی ہیں۔“ ممبئی سینٹرل اسٹیشن کے سامنے زیر تعمیر ایک ٹاور کے ایک کمرے میں ان سے ملاقات ہوئی۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی فرمایا: ”آپ تو وہی ہیں جو مقابلہ حدیث میں بدایوں شریف تشریف لائے تھے۔“ میرے ساتھ مولانا مظہر حسین علیہی مدیر معاون ماہ نامہ سنی دعوت اسلامی ممبئی بھی تھے۔ بے حد خوش ہوئے۔ گفتگو کے دوران علمی و فکری و جماعتی امور پر پر مغز گفتگو کرتے رہے اور کام کرنے والوں کو سراہتے رہے۔ مولانا مظہر حسین علیہی نے مولانا اسید الحق صاحب قبلہ کو ”سنی دعوت اسلامی“ کی چند تازہ مطبوعات پیش کیں۔ کتابیں الٹ پلٹ کر دیکھتے رہے اور سنی دعوت اسلامی اور امیر سنی دعوت اسلامی مولانا محمد شاہ علی نوری صاحب قبلہ کو سراہتے رہے۔ حسب وعدہ مجھے اپنی کچھ کتابیں تبصرے کے لیے عنایت فرمائیں لیکن افسوس ان کتابوں کے تبصرے کا وقت نہیں آپایا، مگر اس سے پہلے ہی مولانا کا وقت اجل آپہنچا۔ دوران گفتگو فرمانے لگے کہ ممبئی کی سینٹرل لائبریری میں انگریزی ماخذ کی بڑی اہم کتابیں ہیں اور یہاں مستشرقین کی کتابوں کے اصل نسخے بھی موجود ہیں۔ مولانا ان مستشرقین کی بات کر رہے تھے جن کے حوالے مثبت یا منفی نقطہ نظر سے سیرت نبوی میں پیش کیے جاتے ہیں۔ لکھنے پڑھنے والے نئے قلم کاروں پر گفتگو کا رخ مڑا تو فرمانے لگے کہ مجھے کام کرنے والے نوجوانوں سے بہت محبت ہے۔ جماعت اہل سنت کے موجودہ احوال کا تذکرہ چھڑا تو نہایت افسوس کے ساتھ گویا ہوئے کہ اگر آپ سے ذرا سی چوک ہو جائے اور آپ کی

گفتگو کچھ لوگوں کے ذہنی سانچے میں فٹ نہ ہو سکے تو یہ لوگ آپ کی ساری خدمات پر یک لخت پانی پھیر دیتے ہیں۔ اس ملاقات میں مولانا اپنے ساتھ کھانا کھانے کا بھی اصرار کرتے رہے اور اپنے خادم سے کھانا لانے کو بھی کہہ دیا مگر ہم لوگ اس لیے واپس آگئے کہ دیگر حضرات ملاقات کے لیے آنے والے تھے اور کمرے میں جگہ تنگ تھی۔ ہمیں کیا معلوم تھا کہ مولانا سے یہ آخری ملاقات ہے۔ آج افسوس ہو رہا ہے کہ اگر ہم مولانا کے ساتھ کھانا کھا لیتے تو کچھ دیر اور ان کی علمی گفتگو سے استفادہ کرتے۔ ہم لوگ جب واپس آنے کے لیے کھڑے ہوئے تو مولانا بھی کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے کہ میں اپنے ہر ملاقاتی سے تین چیزوں کی دعا کے لیے ضرور کہتا ہوں۔ آپ سے بھی کہہ رہا ہوں۔ علم نافع، عمل صالح اور خاتمہ بالخیر۔ ان کی گفتگو تکلف سے عاری ہوتی، بالکل حقیقی، جو وہ کہتے خلوص دل سے ہی کہتے تھے۔

۲۰۰۷ء میں ”انجمن الاسلامی“ مبارک پور سے مقابلہ علوم حدیث میں شرکت کے لیے خانقاہ قادریہ بدایوں شریف حاضر ہوا۔ یہ مقابلہ مولانا نے منعقد کیا تھا اور اس میں جامعہ اشرفیہ، دارالعلوم علیہیہ اور نیز ہندوستان کے دیگر مدارس کے بہت سارے طلبہ شریک تھے۔ میرا دعویٰ ہے کہ اس مقابلے میں شرکت کرنے والا ہر طالب علم مولانا کے اخلاق عالیہ کی گواہی دے گا۔ مولانا ہر ایک سے بڑی محبت سے پیش آئے۔ خانقاہیں تو بہت سی ہیں اور وہاں کے شاہزادگان بھی بہت سے ہیں، مگر ہمارے اس خانقاہی شاہ زادے اور عظیم المرتبت شہید راہ بغداد کی مثال دور دور تک نہیں پیش کی جاسکتی۔ اپنے آبا و اجداد کے علمی و فکری سرمائے کو عوام و خواص تک پہنچانے کا جو آغاز انہوں نے کیا اور جس حسن ترتیب، سلیقہ اور تسلسل سے کیا وہ برصغیر کی خانقاہی تاریخ کا ناقابل فراموش عنوان ہے۔ انہوں نے اپنی آہائی خانقاہ، خانقاہ قادریہ کو کبھی اپنے لیے رزق کا ماخذ نہیں بنایا، اس لیے بجا طور پر بانگ دال یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ اپنی خانقاہی عظمتوں پر اپنا سٹگھاسن جمانے والے دیگر خانقاہی شاہ زادوں کے لیے درس عبرت ہیں ہمارے مولانا اسید الحق۔

مولانا کی عظمت کا اندازہ اس سے لگائیے کہ جو حضرات اور بڑی شخصیات جلدی کسی سے متاثر نہیں ہوتیں وہ بھی ان سے حد درجہ متاثر تھیں۔ ان جیسا نوجوان عالم دین اور مختلف حیثیتوں کا مالک پوری جماعت

میں کہیں نظر نہیں آتا۔ یہ بات شاید کسی کو مبالغہ محسوس ہو لیکن یہ مبالغہ نہیں حقیقت واقعہ ہے۔ علمی اختلافات اپنی جگہ لیکن ان کی خدمات اور ان خدمات کے اثرات سے انکار ان کے بڑے بڑے معاند کو بھی ممکن نہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ صحیح معنوں میں بڑے اور قائد وہی ہوتے ہیں جن کی شخصیت اور خدمات کے اثرات معاشرے پر قائم ہوں اور یہ اثرات دیر پا اور پائیدار بھی ہوں۔ بڑی شخصیتوں کی عظمت کو ناپنے کا بس ایک یہی پیمانہ ہے، اس سے قطع نظر کہ لوگ وقتی طور پر ان کے بارے میں کیسی رائے رکھتے ہیں۔ اس تناظر میں مولانا اسید الحق قادری ہمارے معاشرے کی بڑی عظیم شخصیت تھے اور برصغیر میں اہل سنت کے ایک عظیم نوجوان قائد۔ کوئی انہیں پسند کرے یا نہ کرے لیکن اس سے مولانا کی بزرگی اور عظمت پر کوئی حرف نہیں آسکتا۔

مولانا نے سلی طور پر ثابت کر دیا کہ ان کی شخصیت اہل سنت کے لیے کس قدر اہمیت کی حامل تھی۔ انہوں نے بتا دیا کہ اپنے فضل و کمال اور اپنے منہ میاں مضو بن کر نعرہ لگانے، دعویٰ بلند کرنے اور چیخ و پکار مچانے سے کچھ نہیں ہوگا۔ آپ جو ہو پہلے اسے ثابت کر دکھاؤ۔ اس کے بعد دنیامانے گی کہ آپ کیا ہو۔ مولانا نے واقعتاً اپنے آپ کو ثابت کر دیا اور ایسا ثابت کیا کہ دور جدید میں اتنی کم عمری میں بیک وقت اتنا زبردست محقق، مصنف، تنقید نگار، صائب الرائے، دانشور، مفکر، مدبر، مرتب، مترجم، خطیب، شاعر، مدرس اور پیر طریقت کسی نے دیکھا، نہ سنا۔

مولانا اسید الحق اگر چاہتے تو از ہر سے فراغت کے بعد کوئی بہت بڑا جامعہ قائم کر دیتے، عمارت پر عمارت تعمیر کراتے، ملک و بیرون ملک تقریریں کر کے چندہ کرتے، دست بوسی کراتے۔ یہ ان کے لیے کوئی مشکل مرحلہ نہیں تھا کیوں کہ وہ خود ایک بڑی خانقاہ کے شاہ زادے تھے۔ ان کے والد گرامی کے مریدین کا ایک بہت بڑا حلقہ موجود ہے۔ اگر وہ چاہ لیتے تو پوری آن بان شان کے ساتھ یہ کام کر گزرتے مگر انہوں نے اس کے برخلاف روایت سے الگ ہٹ کر ایسا راستہ منتخب کیا جو واقعتاً بہت دشوار گزار ہے۔ انہوں نے مدرسہ قادریہ میں محنتی طلبہ رکھے اور باشعور اساتذہ کا تقرر کیا، انہیں کو سنوارا، نکھارا اور انہیں فکر و تحقیق کے بالمقابل کھڑا کیا۔ اس طرح انہوں نے کام کرنے والے افراد (مختصر ہی سہی) جماعت اہل سنت کے حوالے کیے۔ میرے خیال

میں ان کے دماغ میں یہ بات ضرور رہی ہوگی کہ مدرسے تو قائم کرنے والے بہت ہیں مگر افراد تیار کرنے والے کم ہی لوگ ہیں۔ ان کی نظر تو وسیع سے زیادہ استحکام پر تھی، اس لیے انہوں نے مدرسے کی توسیع سے زیادہ افراد کی تربیت پر توجہ دی۔ اندازہ فرمائیے کہ اگر وہ اپنی طبعی عمر کے ساتھ رخصت ہوتے تو ان کے کام کے اثرات کس قدر ہوتے۔ جس تیزی سے وہ کام کر رہے تھے اس اعتبار سے کیا کوئی ان کے کام کی جامعیت، وسعت اور طوالت کا اندازہ کر سکتا ہے؟

کیا جماعت میں کوئی ہے جو مولانا اسید الحق کی طرح چھوٹوں کو بھی ساتھ لے کر چل سکے؟ بڑے تو بہت ہیں، دو چار جملے حوصلہ افزائی کرنے والے بھی مل جائیں گے لیکن ان میں مولانا اسید الحق کوئی نہیں۔ میں پورے دعویٰ اور وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ نئی نسل کا باشعور طبقہ جتنا زیادہ ان کی شخصیت سے متاثر تھا کسی اور سے نہیں۔ ان نوجوانوں پر مولانا کی قلمی و فکری تحریک کے جتنے اثرات ہیں، اتنے کسی اور کے نہیں۔ آج جماعت میں جو شعور پیدا ہوا ہے اس کے پیچھے مولانا کی یہی قلمی و فکری تحریک کار فرما ہے۔ مولانا موصوف اور ان کے نہایت قریبی دوست مولانا خوشتر نورانی جماعت اہل سنت میں قلمی انقلاب، ذہنی بیداری اور صالح تنقیدی شعور کے بانی اور محرک ہیں۔ ان کی تحریروں نے شعور پیدا کیا اور روایت سے ہٹ کر کام کرنے کا اور سوچنے کا حوصلہ بخشا۔ مولانا دور جدید کے وہ تنہا مجاہد تھے جنہوں نے بے جا روایت پرستی، اندھی عقیدت، خطائے بزرگاں گرفتن خطا است، کے مصنوعی بت پاش پاش کیے ہیں۔ انہوں نے اپنی خامہ تلاشی کے ذریعے اپنے ہی مقالات پر سخت تنقیدیں کر کے، چھوٹے تو کیا بڑے اور سینئر قلم کاروں پر خوب صورت نقد و جرح کے ذریعے نئی نسل کو ایک تعمیری اور تخلیقی شعور بخشا ہے۔ اس لیے میرے نزدیک ان کی تنقیدات و اختلافات مذموم نہیں، محمود ہیں۔ الحمد للہ اب جماعت کا شعور بہت حد تک بیدار ہو چکا ہے۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو مولانا اسید الحق قادری دور جدید میں نسل نو کے سب سے بڑے محسن کی حیثیت سے کھڑے نظر آئیں گے۔ انہیں اللہ عزوجل نے غالباً اسی لیے دنیا میں بھیجا تھا۔ یہ ذمہ داری انہوں نے بحسن و خوبی انجام دی اور اللہ کے حضور حاضر ہو گئے۔

بقیہ صفحہ 291 پر ملاحظہ کریں

(4)

---

# کمالات و امتیازات

---



# ایک تھا خامہ تلاش

کے خبر تھی کہ یہ قطب وقت اتنی جلدی اس دنیا سے اٹھ جائے گا اور ایک عالم سوگ میں ڈوبا ہوگا!

کیرائی، شائستگی، شگفتگی اور وقار تحریروں میں تھی وہی شخصیت میں بھی تھی۔ روشن چہرہ، بے داغ و کشادہ پیشانی، گلاب کی پنکھڑیوں سے نازک اور مسکراتے ہونٹ، وضع قطع، لباس اور رفتار و گفتار میں بے پناہ سلیقہ و شائستگی، مطالعہ بڑا وسیع، جدید و قدیم علوم و فنون پر گہری نظر، ایک سے زائد زبانوں اور ان کے محاوروں پر اہل زبان کی ہی گرفت لیکن پندار علم تھا کہ چھو کر نہ گزرا تھا۔ وقار اور عاجزی کا ایسا سنگم کہ دیکھے تو دیکھتے رہ جائے۔ اوسط قد کے اس وجیہ نوجوان کی عظمتیں اب سوچتا ہوں تو لگتا ہے کہ اس بلندی تک دیکھنے میں بھی اچھے اچھوں کی ٹوپیاں گر جائیں۔

ہم ایک دوسرے کے بہت بے تکلف دوست نہ تھے، ہماری عمروں میں بھی تقریباً دس سال کا فرق تھا، پھر بھی وہ اور ان کے بے تکلف دوستوں کی مجلسوں میں شریک رہنے کے مواقع ملتے رہے اور میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ ان میں اور ان کے دوسرے احباب میں یہ فرق تھا کہ بے تکلف مجلس گفتگو میں بھی کبھی کوئی ہلکی بات ان کی زبان پر نہ آتی۔ ایسا نہیں تھا کہ وہ وقار و شائستگی اوڑھے رہتے بلکہ ان کے طنز کی کاٹ اوروں سے تیز ہوتی، ان کے برجستہ مزاح سے آپ دیر تک مغلوظ ہو سکتے تھے۔ خوشتر نورانی، صہبج رحمانی، احمد مجتبیٰ صدیقی، ذیشان مصباحی اور کئی دوسرے احباب بعد میں بھی اس سے لطف اندوز ہوتے، دوستوں کے درمیان کھل کرتے، ان کے کئی معنی خیز فقرے اور برجستہ جملے ضرب الشل کی طرح استعمال کیے جانے لگے تھے۔ بزرگوں میں پروفیسر طلحہ رضوی برق، ڈاکٹر شرم مصباحی، مولانا عبدالستین نعمانی، پروفیسر فاروق احمد صدیقی، مولانا سید رکن الدین اصدق، ڈاکٹر سید شمیم گوہر، راجہ رشید محمود اور پیرزادہ اقبال احمد فاروقی جیسے اصحاب نقد و نظر ان کے طنز کی کاٹ کے قائل تھے یا اس کا سامنا کر چکے تھے، لیکن کیا مجال کہ کبھی وقار و شائستگی پر کوئی آنچ آئی ہو۔ بات کہنے کا سلیقہ کوئی ان سے سیکھتا۔ وہ

یاد نہیں آتا کہ ان سے میری پہلی ملاقات کب اور کہاں ہوئی تھی، مولانا خوشتر نورانی کے یہاں، مولانا یسین اختر مصباحی کی کسی مجلس میں یا شاید کہیں اور کسی جلسہ یا سیمینار میں۔ امکان غالب یہی ہے کہ دارالقلم میں ہوئی ہوگی یا جام نور کے دفتر میں، جہاں ان کا آنا جانا زیادہ تھا اور وہ دہلی میں دوران سفر چند گھنٹے بھی ٹھہرتے تو ڈاکٹر نگر میں واقع ان ادبی و علمی خانقاہوں کو اپنی آمد کا شرف ضرور بخشتے۔ ہاں! اتنا ضرور یاد ہے کہ ملاقاتوں کا سلسلہ شروع ہوا تو ہم ایک دوسرے کے لیے اجنبی نہ تھے بلکہ اس وقت تک کم از کم میری کیفیت یہ تھی کہ گلشن علم و ادب کے اس مہکتے پھول کو تو ہم نہ جانے کب سے جانتے ہیں۔ ہماری اس گہری شناسائی کا وسیلہ جام نور کے اوراق اور ان کے وہ محققانہ مضامین تھے جن کو پڑھ کر دل ہر بار اس جذبہ سے سرشار ہو جاتا کہ.....

ایسی چنگاری بھی یارب اپنی خاکستر میں ہے

کسی کی تحریروں کو پڑھ کر آپ اس کی جو تصویر بناتے ہیں، اکثر ملاقات کے بعد وہ بکھر جاتی ہے۔ میری طرح آپ نے بھی اپنے احباب سے بار بار سنا ہوگا کہ فلاں شخص سے مل کر بڑی مایوسی ہوئی۔ ایک شخص بڑی خوبصورت نظر لگتا ہے، اچھے شعر کہتا ہے، اس کی علمی و ادبی نگارشات فکر انگیز ہوتی ہیں لیکن ملیے تو آپ اس کی شخصیت میں وہی حسن اور وہی وجاہت ڈھونڈتے رہ جائیں گے۔ لکرا نگیز مضامین لکھنے والا قلم کار ایک بے فکر، کھلڈرا اور پھوہڑ شخص لگے گا۔ ایک ادیب و شاعر کے کلام میں آپ بڑا حوصلہ اور جوش عمل پاتے ہیں، لیکن اس کی شخصیت اس کے برعکس بزدلی و بے عملی کا نمونہ ہوتی ہے، کوئی مصنف آپ کو اپنی تحریروں میں بڑا قد آور نظر آتا ہوگا لیکن قریب جائیں تو بونا اور ہالشتیہ لگے گا لیکن میں جس تصویر کا ذکر کر رہا ہوں وہ ملاقاتوں کے ساتھ مزید نکھرتی چلی گئی۔ پہلے سے زیادہ روشن اور گہری ہوتی گئی۔ جو علمی و ادبی گہرائی،

ایک باکمال خطیب بھی تھے لیکن قلم اور زبان دونوں پر ان کی ایسی مضبوط گرفت تھی کہ بزرگوں کی محفل میں ہوں یا دوستوں اور عزیزوں کے درمیان، انگلی میں گھینے کی طرح جڑے ہوئے ہوتے۔ نگہ بلند، جاں پر سوز اور سخن دلنوازی کی ایک ایسی من موہنی تصویر جو سارے زمانے کو اپنے ہالے میں سیٹھ لینے کی قوت رکھتی تھی۔

شہید بغداد علامہ اسید الحق محمد عاصم قادری ازہری کی یادیں کم از کم میرے لیے مستقبل کے ہندوستان میں ملت مظلوم کے ایک میر کارواں کی مرگ ناگہاں کا ماتم ہے جو اچانک اس قافلے کو چھوڑ کر جو اس کا منتظر تھا، اندیکھی منزلوں کے سفر پر چلا گیا۔ اس نوجوان عالم و محقق، صوفی، متکلم اور فقیہ میں مارہرہ والے علامہ شاہ عبدالجید عین الحق عثمانی بدایونی کا پرتو دیکھتے تھے، حیدرآباد والوں کو اس میں مولانا شاہ عبدالقدیر بدایونی اور مولانا مفتی شاہ عبدالمتقدر بدایونی کی جھلک نظر آتی ہوگی، اس کی شخصیت میں آج کے تاج المجلد شاہ عبدالقادر بدایونی اور مولانا شاہ فضل رسول بدایونی دیکھنے والوں کی بھی کمی نہیں رہی ہوگی لیکن میں اس عالم، محقق اور خطیب میں مولانا عبدالماجد بدایونی دیکھتا تھا۔ بے شک یہ اپنے اپنے ذوق اور اپنی اپنی سوچ کا معاملہ ہے اور اسید میاں کی شخصیت کا کمال بھی یہی تھا کہ ہر شخص اپنے ذوق اور اپنی طلب کے مطابق اس چشمہ شیریں سے حسب توفیق اپنی پیاس بجھا سکتا تھا۔ میری رائے سے آپ کو اختلاف ہو سکتا ہے۔ عین ممکن ہے کہ ملک میں مسلمانوں کی باشعور و صالح قیادت کے فقدان میں یہ ایک سیاسی و سماجی مبصر کی آرزوئے محض ہو لیکن سچ مانے کہ میری آنکھیں اتحاد امت و احیائے ملت کی ایک ہمہ گیر تحریک کی امامت و قیادت کی صلاحیتیں آج کے اس پر آشوب دور میں اگر کسی نوجوان میں دیکھتی تھیں تو وہ اسید الحق قادری بدایونی تھے۔ ان کی شہادت پر میرے تاثرات پڑھ کر جمعیتہ علمائے ہند کے ایک مرکزی رہنما نے اس رد عمل کا اظہار کیا کہ 'جانے والا بڑا ہونہار، بڑے کام کا تھا لیکن مارنے والا کیا اسے مار سکتا ہے، اسے تو زندگی مل گئی، بڑا پیارا انسان تھا وہ؟' تو لگا کہ میرا خیال غلط نہ تھا۔ ملک کی مسلکی صورت حال اور مشربی رقابتوں پر گہری نگاہ رکھنے والے ایک بڑے باخبر عالم نے دہلی میں دوران گفتگو بتایا کہ 'مسلک' کے بعض بڑے سربر آوردہ قائدین خانقاہ عالیہ قادریہ بدایوں کے اس نوجوان نائب

صاحب سجادہ کی اٹھان سے خانف تھے تو احساس ہوا کہ اسے ہی نہیں غیر بھی اس میں یہ امکان دیکھتے تھے، ورنہ جاہ پسند علماء و مشائخ میں اس سے خوف کے کیا معنی؟

یہ غالباً ۲۰۰۴ء کا واقعہ ہے جب "جام نور" میں تو اتر کے ساتھ مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری ازہری کی نگارشات آنے لگیں اور ان کے محققانہ تیور نے قارئین کو چونکا دیا۔ میں بھی ان میں سے ایک تھا جن کو اگر اس دینی جریدے میں صرف ایک مضمون پڑھنا ہو تو وہ مضمون مولانا ازہری بدایونی کا ہوتا تھا۔ یہ تو ممکن ہی نہیں تھا کہ یہ نام نظر آئے اور آپ سرسری گزر جائیں۔ جام نور کے مستقل قلم کاروں میں اس نام نے اپنی ایک منفرد شناخت بنا لی تھی۔ سلیس و شگفتہ نثر، صاف ستھری با محاورہ زبان، موضوع کے ساتھ مکمل انصاف، قاری کے ذہن میں اٹھنے والے گونا گوں سوالوں کے تشفی بخش جوابات، تحریر برائے تحریر نہیں بلکہ تحریر برائے تحقیق کی عمدہ مثال جس میں ایک معقولی ذہن کا شعور بھی جھلکتا تھا، سائنس اور ریاضی کا علم بھی جھانکتا تھا، زبان و ادب اور تاریخ پر گہری نگاہ بھی متوجہ کرتی تھی اور قرآن و حدیث کا گہرا علم بھی بولتا تھا۔ لیکن ان کی شخصیت کا جو ہر ہم پر صحیح معنوں میں اس وقت کھلا جب انہوں نے جام نور کے صفحات پر 'ابوالفیض معینی' کے نام سے خامہ تلاشی شروع کی۔ ابتدا میں تو یہ معمہ ایک سر بستہ راز تھا کہ یہ کس عبقری کے قلم کا جوہر ہے۔ بڑے بڑے علماء و دانشوران حیران تھے کہ یہ کون ہو سکتا ہے۔ اکثر کی رائے تھی کہ یہ کوئی ایک شخص نہیں ہو سکتا جو حدیث اور اصول حدیث پر بھی بات کر رہا ہے، شعر و سخن پر بھی گفتگو کر رہا ہے، ادب، تاریخ اور زبان پر بھی کلام کرتا ہے، تفسیر و علوم قرآن میں بھی اتنا ہی درک رکھتا ہے اور معقولات میں بھی اتھارٹی ہے۔ اس کالم کے لیے ایک پوری پختہ پختہ ہتھی ہوگی اور مختلف علوم و فنون کے ماہر الگ الگ افراد کی کئی کئی دنوں کی محنت کے نتیجے میں یہ تین صفحات تیار ہوتے ہوں گے۔ کسی کے گمان میں نہیں تھا کہ یہ ایک پچیس تیس سال کے جوان کی صرف تین چار گھنٹے کی محنت کا نتیجہ ہوتا ہے۔

"خامہ تلاشی" نے بہت سے نازک آبگینوں کو ٹھیس پہنچائی، کئی بحثوں کے دروازے کھولے جن سے بہت سی غلط فہمیوں کا ازالہ ہوا لیکن خود "خامہ تلاشی" کی شخصیت بھی "جام نور" کے صفحات پر ایک

عرصے تک موضوع بحث بنی رہی اور یہاں تک کہا گیا کہ اگر یہ ایک ہی شخص ہے تو انسان نہیں ہو سکتا، کوئی جن یا فرشتہ ہوگا۔ خوبی یہ تھی کہ خود اپنے مضامین پر بھی وہ اسی خوبصورتی و غیر جانب داری سے تبصرے کرتے اور اپنی فروگزاشتوں کی بھی اسی سادگی و بے باکی سے نشاندہی کرتے جس بے خونی اور خود اعتمادی کے ساتھ دوسرے مصنفین کی گرفت کرتے۔ یاد آتا ہے کہ ان ہی دنوں پروفیسر فاروق احمد صدیقی سے میری ملاقات ہوئی، وہ دہلی تشریف لائے ہوئے تھے، جاننا چاہتے تھے کہ ابوالفیض معینی واقعی کوئی حقیقی شخصیت ہے یا یہ کالم کئی افراد مل کر لکھتے ہیں؟ مجھے احساس ہوا کہ اس کالم کو جام نور کے باشعور قارئین کس نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اسے کیسی اہمیت و مقبولیت حاصل ہے۔ یہ ذکر یہاں بے محل نہ ہوگا کہ خامہ تلاشی کا آئیڈیا "جام نور" کے ایڈیٹر کو "نعت رنگ" (کراچی) کے ہرنے شمارے میں اس کے گزشتہ شمارے کی مشمولات پر مولانا کوکب نورانی کے تفصیلی مکتوب سے آیا تھا، لیکن مشکل یہ تھی کہ "نعت رنگ" کی طرح جام نور کا کوئی ایک موضوع نہ تھا، یہ تو مختلف موضوعات کا احاطہ کرتا ہے۔ بہت غور و فکر کے بعد قرعہ فال علامہ اسیدالحق قادری کے نام نکلا اور انہوں نے بھی اس شرط پر یہ ذمہ داری قبولی کر لی کہ ہر ماہ جام نور کی جملہ مشمولات پر تنقیدی نظر ڈالیں گے اور رسالہ کا ادارہ اور ادارتی نوٹ بھی اس سے مستثنیٰ نہ ہوگا۔ پھر انہوں نے یہ ذمہ داری جس خوبی سے نبھائی اس پر مرحوم ڈاکٹر پیرزادہ اقبال احمد فاروقی (لاہور) کی گواہی ملاحظہ کریں:

"مجھے ابوالفیض معینی کی 'خامہ تلاشی' نے دعوت تحریر دے کر 'خامہ فرسائی' پر آمادہ کر دیا۔ میں آپ کے دوسرے قارئین کی طرح 'خامہ تلاشی' کے کالم کو دلچسپی سے پڑھتا ہوں۔ معینی صاحب بڑے ہی لطیف انداز میں جام نور کے صفحات کی خامہ تلاشی کرتے ہیں۔ بعض اوقات ان تحریروں کے دامن کی ہونگری بھی کرتے جاتے ہیں، لغزشوں سے آگاہ کرتے ہیں اور ہمیں احتیاط سے قلم رانی پر آمادہ کرتے ہیں۔ مجھے معینی صاحب کی خامہ تلاشی نے کئی اہل قلم کی یادوں کی خوشبو سے خوش کام کیا ہے۔ کراچی کے مشفق خواجہ 'خامہ جگوش' لکھا کرتے تھے۔ کسی زمانے میں آغا شورش کاشمیری 'چنان' کے

قلم قتلے میں نوکیلے جملے لکھا کرتے تھے۔ مجھے عبدالمجید سالک اور غلام رسول مہر کے کالم یاد آتے ہیں تو 'خامہ تلاشی' کی اہمیت بڑھ جاتی ہے۔ مولانا ظفر علی خان کے 'زمیندار' میں لکھے ہوئے 'مطاببات' یاد آتے ہیں۔ مولانا ابوالکلام کی غبار خاطر کی رعنائیاں ابھی تک یاد ہیں۔ دربار اکبری کے فیضی کی "بانگ قلم دریں شب تار، بس چہ معنی خفتہ کرد بیدار" یاد آتی ہے تو خامہ تلاشی کی داد دیتا ہوں..... جو لطافت و نفاست معینی صاحب کی خامہ تلاشی میں ہے اس کا جواب نہیں، بعض دفعہ ان کی تحریروں پر گماں ہوتا ہے کہ وہ بر خسارہ حور، باروشنائی نور، بقلم سرور لکھی جا رہی ہیں۔" (جام نور، جون ۲۰۰۶ء)

جو تحریریں خامہ تلاشی کے نام سے اپریل ۲۰۰۵ء سے دسمبر ۲۰۰۶ء تک ہر ماہ لکھی گئیں اور پھر قارئین کے مطالبے پر ۲۰۰۹ء میں کتابی صورت میں شائع ہوئیں (جس کے ساتھ پردہ اٹھا کہ خامہ تلاشی کوئی اور نہیں علامہ اسیدالحق قادری بدایونی ہی ہیں) وہ محض گل افشانی گفتار نہ تھیں، ان میں علوم و فنون کا گہرا دفر تھا جو ہر کسی کو چونکا تا تھا اور کمال تو یہ ہے کہ یہ سلسلہ پہلی خامہ تلاشی سے ہی شروع ہوا اور آخر تک جاری رہا، ذرا اسلوب تنقید دیکھیں:

"فن شاعری اور حسان الہند پر شرر صاحب نے جو تنقیدی نظر ڈالی ہے، وہ ماہر فن کی حیثیت سے ان ہی کا حصہ ہے اور ان کو زیب بھی دیتی ہے، شرر صاحب کو اس کتاب کے سرورق پر بھی تبصرہ کرنا چاہیے تھا جس میں مولانا ہدانی صاحب کے میزان عقیدت کے ایک پلہ میں حدائق بخشش ہے تو دوسرے پلہ میں اردو کے تمام نام نہاد صنف اول کے شعرا کے دوادین۔ کیا یہ سرورق کسی صحت مند فکری رویہ کی عکاسی کرتا ہے؟" اور یہ کہ:

"حضرت مدنی میاں صاحب کی نعت پاک نے اس مرتبہ منظومات کے کالم کی زینت اور معیار دونوں میں اضافہ کیا ہے..... معنوی اعتبار سے یہ شعر ہمیں بہت پسند آیا:

اللہ اللہ رفعت اشک غم ہجر نبی  
جونہی ٹپکا آنکھ سے تسبیح کا دانہ بنا



ہماری اپنی کوئی علمی حیثیت نہیں ہے لہذا ہمیں نہیں معلوم کہ  
توالی اضافت کا کیا قاعدہ ہے؟ اب یہ شرر مصباحی صاحب ہی  
بتائیں گے کہ ایک مصرعے میں لگا تار تین سے زیادہ اضافتیں  
جائز ہیں یا نہیں؟“ (جام نور، مئی ۲۰۰۵ء)

اب ڈاکٹر فضل الرحمن شرر مصباحی کے جوابی مراسلے کا یہ اقتباس  
بھی ملاحظہ کریں جس سے ’خامہ تلاش‘ کے اسلوب نگارش کی افادیت و  
معنویت کا صحیح اندازہ ہوتا ہے:

”محترم مدنی میاں صاحب کے نعتیہ کلام کی تعریف و توصیف  
کے بعد توالی اضافت کا ذکر جس انداز میں کیا گیا ہے، یہ طرز  
تحریر ایک پختہ ذہن اور بالغ نظر نقاد کا ہی ہو سکتا ہے۔ اگرچہ  
شعر کی تعریف کو مقدم اور توالی اضافت کے تعلق سے استفسار کو  
مؤخر کیا گیا ہے لیکن سخن گسترانہ بات اسی جزء مؤخر میں ہے۔  
یہاں شرر مصباحی سے اصلاً استفسار مقصود نہیں ہے بلکہ استفسار  
کے پردے میں ایک شعری عیب کو طشت از بام کرنا ہے۔  
جہاں تک مجھے معلوم ہے، اساتذہ فن کے یہاں تین سے زائد  
اضافتیں خلاف فصاحت ہیں، گو غالب بھی اس سے محفوظ  
نہیں ہے۔“ (جام نور، جون ۲۰۰۵ء)

کسی فقہی سیمینار بورڈ کے ایک سیمینار کی رپورٹ پر ’خامہ تلاش‘  
کے تبصرے کا یہ اقتباس بھی ملاحظہ کریں:

”پہلے ہمارے یہاں مدرسوں کے نام مدرسہ یا دارالعلوم ہوا  
کرتے تھے۔ کسی نے اپنے مدرسہ کا نام جامعہ رکھ لیا تو آنا فانا  
ہندوستان کے طول و عرض میں سینکڑوں جامعات اور مجوزہ  
یونیورسٹیاں معرض وجود میں آگئیں۔ کہیں سے ’تر بیت افتا‘  
کانعرہ لگایا گیا تو دیکھتے ہی دیکھتے بے شمار مدرسوں میں ’تر بیت  
افتا‘ اور ’تخصّص فی الافتا‘ کے شعبے قائم ہو گئے۔ اب جبکہ فقہی  
بورڈوں اور شرعی کاؤنسلوں کے قیام کا آغاز ہو ہی گیا ہے تو  
ہمیں ایسا لگتا ہے کہ اب ہر دوسرے تیسرے مدرسہ میں فقہی  
بورڈ قائم ہوتے دیر نہیں لگے گی۔ دوسری قابل غور بات یہ ہے  
کہ ان سیمیناروں میں ایسے مسائل پر بحث کی جا رہی ہے جن  
میں اتنی زیادہ بحث و تحقیق کی سرے سے ضرورت ہی نہیں

ہے۔ مثلاً گل منجن سے روزہ ٹوٹتا ہے یا نہیں؟ بم کے ذریعے  
مچھلیوں کا شکار کرنا کیسا ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ ان سوالات کے  
جوابات تو آپ کسی بھی ذمہ دار دارالافتا سے معلوم کر سکتے ہیں۔  
ہمارے خیال میں یہ اور اس قسم کے سوالات اتنے پیچیدہ ہیں  
ہی نہیں کہ ان کے حل کے لیے ایک فقہی بورڈ کی تشکیل کرنا  
پڑے۔“ (جام نور، اپریل ۲۰۰۵ء)

ایک خامہ تلاشی سے یہ اقتباس:

”ادارہ میں ایک دو جگہ ہمیں زبان و بیان کے رخ سے بھی  
تامل ہے۔ مثلاً آنکھیں آبدیدہ ہو گئیں..... ہمارے مذہبی  
حلقوں میں لفظ کرم نوازی استعمال ہوتا ہے۔ ادارہ میں بھی  
ایک جگہ استعمال کیا گیا ہے، مگر ہماری ناقص رائے میں یہ  
ترکیب درست نہیں ہے۔“

مولانا اسید الحق بدایونی کا مضمون ’حدیث افتراق امت تحقیق‘  
مطالعہ کی روشنی میں غالباً ایک طویل مضمون ہے جس کی یہ پہلی  
قسط ہے۔ ایک فاضل از ہر سے جس قسم کے تحقیقی مضامین کی  
توقع کی جاسکتی ہے، مولانا اس پر ہمیشہ پورے اترتے ہیں۔  
حدیث افتراق امت کے آخری جز کھانی النار الا واحدہ پر  
انہوں نے تحقیقی بحث کرتے ہوئے اس کو کثرت طرق کی وجہ  
سے حسن قرار دیا ہے ہماری ناقص معلومات کی حد تک یہ کوئی  
قاعدہ کلیہ نہیں ہے کہ مطلقاً ہر ضعیف الاسناد حدیث تعدد طرق  
کی وجہ سے حسن قرار دے دی جائے۔“ (جام نور، جون ۲۰۰۵ء)

اکتوبر ۲۰۰۵ء کی خامہ تلاشی کا یہ ابتدا یہ بھی دیکھیں:

”جوش ملیح آبادی نے اپنی خودنوشت سوانح ’یادوں کی بارات‘  
ماہر القادری مدیر فاراں کو اس نوٹ کے ساتھ ارسال کی تھی کہ  
'جناب ماہر! لیجئے بکرا حاضر ہے، شوق سے ذبح فرمائیے اور پھر  
ماہر القادری نے بھی اس شان سے بکرا ذبح کیا کہ تقریباً ۶۰  
صفحات میں تنقید کا حق ادا کر دیا۔ ہمارے دوست مولانا خوشتر  
نورانی بھی کچھ اسی قسم کے نوٹ کے ساتھ ہر ماہ جام نور کی ایک  
کاپی ہمیں ارسال کر دیتے ہیں، یہ الگ بات ہے کہ خود ان کی  
اپنی تحریریں ہی اب تک قربانی کا بکرا بنتی چلی آرہی ہیں۔“



ڈاکٹر سید شمیم گوہر کی ایک تنقید کے رد عمل میں راجا رشید محمود کے ناشائستہ و غیر مہذب حملے پر 'خامہ تلاش' کے لہجے کی کاٹ ملاحظہ کریں:

"ہمارے پیش نظر اخوت اسلامی کا آفاقی تصور ہے جس کی بنیاد پر ہم سرحدوں اور اور زبانوں کے تعصب کو ناپسند کرتے ہیں لہذا ہم جواب آن غزل کے رنگ میں 'مملکت خدام نعت کے راجا' اور نعت کے موضوع پر دنیا میں سب سے زیادہ کام کرنے والے محترم رشید محمود صاحب سے یہ پوچھنے کی جرأت نہیں کر سکتے کہ اگر نعت کے ایک مصرعہ میں ایک ہندی لفظ (اپکار) استعمال کرنا صرف اس بنیاد پر گردن زدنی جرم ہے کہ ہندی ہندوؤں کی زبان ہے تو کیا پنجابی انبیاء و مرسلین اور اہل جنت کی زبان ہے، جس میں راجا صاحب نے تین مجموعہ نعت لکھ کر ثواب دارین حاصل کیا ہے؟؟ اگر ہندوستان کے غریب مسلمان ہندو معاشرت، ہندو سیاست اور ہندو انہ تعلیم کے زیر اثر دینی شعائر سے مغائرت اور مخالفت کرنے پر مجبور ہیں تو ان کی مجبوری سمجھ میں آتی ہے مگر مملکت خداداد کے ان 'خالص مسلمانوں' کی کیا مجبوری ہے جو نظام اسلام اور حدود شریعت کے نفاذ کی شب و روز مخالفت کر کے مغربی طرز زندگی، مغربی نظام تعلیم اور مغربی نظام حکومت کے نفاذ کی راہ میں خالص اسلامی جہاد کا مقدس فریضہ انجام دے رہے ہیں؟

..... راجا صاحب معاف فرمائیں ہم ان سے دست بستہ ان ہی کے الفاظ میں وہی التجا کریں گے جو انہوں نے محترم ڈاکٹر شمیم گوہر سے کی ہے کہ ازراہ کرم شمشے کے گھر میں بیٹھ کر دوسروں پر پتھر نہ پھینکیں۔" (جام نور، اگست ۲۰۰۶ء)

ان کے فکری اعتدال کا یہ رنگ بھی دیکھیں۔ تقسیم کے مسئلہ اور سیاست (ہندوپاک) کی ابھی ہوئی گتھیوں پر شاید اس سے زیادہ متوازن اور سلجھی ہوئی چوٹے ہو نہیں سکتی:

"خوشتر صاحب نے (اداریہ میں) تقسیم ہند کو 'گندی سیاست' کا نتیجہ اور سیاسی بساط پر چالیں کھیلنے والوں کی 'بازی گری' قرار دیا ہے۔ اس موضوع پر ہندوپاک میں نریشہ نصف صدی میں اتنا کچھ لکھا جا چکا ہے کہ حقیقت کی تلاش مشکل ہو گئی

ہے۔ تقسیم کے عوامل کو کوئی خالص مذہبی قرار دیتا ہے تو کوئی خالص سیاسی، کچھ لوگ اس کو نیم مذہبی نیم سیاسی تحریک بتاتے ہیں۔ تقسیم سے قبل کے حالات کا اگر منصفانہ تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ مذہب، سیاست اور مستقبل کا خوف یہ تینوں ایک ناگزیر مثلث کی شکل اختیار کر گئے تھے جس کے تینوں اضلاع باہم کچھ ایسے پیوست تھے کہ ان کو اقلیدس کے خطوط پر بھی الگ کرنا ناممکن تھا۔ آج یہ کہنا آسان ہے کہ اگر ایسا ہوتا تو یہ ہو جاتا اور یہ نہ ہوتا تو ایسا ہوتا مگر جو کچھ ہوا اور اس کے نتیجے میں جو کچھ ہو رہا ہے اس حقیقت سے کوئی آنکھیں نہیں چرا سکتا۔ خوشتر صاحب نے جو کچھ لکھا ہے وہ بہر حال کسی حد تک حقیقت ہے مگر پھر بھی تصویر کا صرف ایک رخ ہے۔ اگر یہاں اجمالاً ہی سہی تھوڑی سی روشنی ہمارے پاکستانی احباب کے احساسات و جذبات پر بھی ڈال دی گئی ہوتی کہ خود وہ لوگ تقسیم کو کس انداز میں دیکھتے ہیں اور ان کے خیال میں یہ تقسیم ان کے حق میں کتنی مفید ثابت ہوئی ہے تو کسی کو تحریر میں ایک قطبیت یا عدم توازن کا شکوہ بھی نہ ہوتا اور صحافتی غیر جانبداری کا حق بھی ادا ہو جاتا۔" (جام نور، جون ۲۰۰۵ء)

اعتماد و استحضار علمی کا یہ رنگ بھی دیکھیں:

"معجزہ شق القمر کی احادیث کے بارے میں مولانا منظر (الاسلام ازہری) صاحب فرماتے ہیں راقم کی تحقیق کے مطابق اس مضمون کی حدیث چھ جلیل القدر صحابہ کرام سے مروی ہے۔ اب ظاہر ہے کہ منظر صاحب جیسے وسیع المطالعہ محقق کی اس 'ازہری تحقیق' کے سامنے خامہ تلاش جیسا محدود المطالعہ لب کشائی کی جرأت کیسے کر سکتا ہے؟ ہاں! البتہ اس پر اظہار تعجب کا حق تو ہمیں ہے ہی کہ بالکل وہی تحقیق حافظ ابن کثیر اور امام سیوطی کی بھی ہے۔ ان دونوں حضرات نے بھی اس معجزہ کے سلسلہ میں صرف چھ صحابہ کا ذکر کیا ہے۔ (سیوطی: الدر المنکوح: ج ۱ اور ابن کثیر: الہدایہ والنہایہ: ج ۱) منظر صاحب تلاش و تحقیق جاری رکھیں ممکن ہے کہ ان چھ کے علاوہ اور بھی کچھ صحابہ کے اسمائے گرامی ان کو مل جائیں جن سے باسناد صحیح

### بقیہ: مولانا اسید الحق قادری اور جام نور

شورش کے قلم قتلے، آزاد کی غبار خاطر اور ظفر علی خاں کے مطاببات سے تشبیہ دی ہو، اس کے بعد مجھ جیسے نوآموز کے اعتراف کی حیثیت ”یہ منہ اور مسور کی دال“ کی رہ جاتی ہے۔“ (خامہ تلاشی، ص: ۶)

اسی میں ایک جگہ یوں رقم طراز ہیں:

”کہتے ہیں کہ ایک شخص میں علم حدیث، تفسیر، منطق و فلسفہ، تاریخ، زبان و ادب، شعر و سخن، خطابت و قلم اور عربی، فارسی اور اردو زبانوں میں مہارت کی یکجائی عنقا ہے۔ اگر کسی شخص میں ہو تو یہ یکجائی، شخصیت کی جامعیت کی توثیق کرتی ہے۔ ایسی گونا گوں اور جامعیت کی حامل شخصیت کے لیے لغت میں لفظ ”عبقری“ ملتا ہے، جسے اسید الحق صاحب کی طرف اگر کوئی منسوب کرے تو کم از کم مجھ سے توثیق کی امید نہ رکھے۔ ویسے ’خامہ تلاشی‘ کو پڑھ کر بڑے بڑے فاضلین علوم اسلامیہ نے یہ ریمارک دیا ہے: ”یہ کسی ایک شخص کا کارنامہ نہیں، بلکہ چند ماہرین فنون کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔“ اب ہم ٹھہرے موروثی مقلد، بڑوں کی تمام باتوں کو ٹھکرادینا بھی ہمیں زیب نہیں دیتا۔“ (خامہ تلاشی، ص: ۸)

درج بالا پیرا سے قارئین اندازہ لگا سکتے ہیں کہ خوشتر صاحب کے نزدیک علامہ عاصم قادری علیہ الرحمہ کے اندر ایک علمی شخصیت کے لیے درکار تمام صلاحیتیں موجود تھیں اور وہ ”عبقری وقت“ بھی تھے، جس کا انہیں اعتراف بھی ہے یہ اور بات ہے کہ ان کے لیے لب و لہجہ دوستانہ اختیار کیا گیا ہے۔

**آخری بات:** ہمیں قوی امید ہے کہ ہمارے ممدوح شہید بھی بفضلہ تعالیٰ بعد شہادت ہمارے دلوں کی زمین پر حکومت کرتے رہیں گے، روحانی طور پر اپنی پاکیزہ فکر کی روشنیاں لٹاتے رہیں گے اور ہمیں اپنے فیوض و برکات سے مالا مال کرتے رہیں گے اور ان کے لیے ہمارا حقیقی خراج عقیدت یہ ہوگا کہ ہم ان کے متعین کردہ تعمیری و مثبت خطوط پر چلیں اور ان کے چھوڑے ہوئے مشن کو پایہ تکمیل تک پہنچائیں □□□

✽ استاذ: جامعہ عارفیہ، سید سراواں، کوشامی، الہ آباد (یوپی)

اس مضمون کی حدیث مروی ہے۔ اگر تلاش میں کامیابی نہ ہو تو اس کم سواد محدود الطالعہ کو ضرور مطلع کریں، ممکن ہے یہ اپنے ہندوستانی مطالعے کی روشنی میں ان کی کچھ مدد کر سکے اور چھاسا کی فہرست میں تین ناموں کا اور اضافہ ہو جائے۔“ (جام نور، ستمبر ۲۰۰۶ء)

خامہ تلاشی کی یادوں کے جزیرے میں اترنے کے لیے ’خامہ تلاشی‘ کا ایک اور مطالعہ ناگزیر تھا، لیکن کیا بتائیں کہ یہ مطالعہ دل پر کتنا شاق گزرا، اس دوران ہماری آنکھیں کتنی بار بھیگیں اور آخری ’خامہ تلاشی‘ کے اس حصے کو پڑھتے ہوئے ہماری کیفیت کیا تھی، بس اتنا سمجھ لیجئے کہ میں اپنی ہچکیوں کو روک نہیں سکا:

”ہاں! ’خامہ تلاشی‘ آپ سے اجازت چاہتا ہے۔ اب شاید کبھی اس سے آپ کی ملاقات نہ ہو۔ آپ سمجھ لیں کہ ایک خانہ بدوش تھا جو کسی نامعلوم مقام سے آپ کی بستی میں وارد ہوا، کچھ دن آپ کے ساتھ گزارے اور جب دل بھر گیا تو اپنا سامان اٹھا کر کسی نامعلوم مقام کی طرف کوچ کر گیا۔ خانہ بدوش تو خانہ بدوش ہوتا ہے، اس کی شناخت اور معرفت کا کوئی معتبر حوالہ نہیں ہوتا۔ اب خامہ تلاشی جام نور کے صفحات پر تو موجود نہیں ہوگا، مگر قارئین کے دلوں میں، ذہنوں میں، تذکروں میں، تبصروں میں اور ان کے احساسات و خیالات میں ایک طویل عرصے تک اس کی یادیں اس کو زندہ رکھیں گی۔“ اور اس اعلان رخصت پر ایک فاضل مراسلہ نگار کے ان الفاظ پر تو ہماری چیخ نکل گئی:

”جیسے کوئی قطب وقت دنیا سے اٹھ رہا ہے اور سارا عالم اسلام سوگ میں ڈوبا ہوا ہے:

گماں مبر کہ چوں تو بگڑی جہاں بگڑشت  
ہزار شمع بکشتند و انجمن باقی ست“

کے خبر تھی کہ یہ قطب وقت واقعی اتنی جلدی اس دنیا سے اٹھ

جائے گا اور ایک عالم سوگ میں ڈوبا ہوگا! □□□

✽ انچارج ایڈیٹر: روزنامہ انقلاب پٹنہ (بہار)

email:ahmadjwd@gmail.co

# مولانا اسید الحق قادری: ایک عظیم محقق

## محقق کسے کہتے ہیں؟

لغت میں تحقیق کہتے ہیں ”حق کو ثابت کرنا اور غلط امور کی نشان دہی کرنا“ اور ادب کی اصطلاح میں ”تحقیق ایک ایسے طرز مطالعہ کا نام ہے، جس میں موجود مواد کے صحیح یا غلط کو بعض مسلمات کی روشنی میں پرکھا جاتا ہے۔“ (تحقیق کافن، ص: ۳، اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنؤ)

قاضی عبدالودود (ولد قاضی عبدالوحید خلیفہ اعلیٰ حضرت بریلوی) کے بقول ”تحقیق کسی امر کو اس کی اصلی شکل میں دیکھنے کی کوشش ہے۔“ (تحقیق کافن، ص: ۳)

دراصل تحقیق میں غیر معلوم حقائق کا علم حاصل کیا جاتا ہے اور معلوم حقائق کی تفتیش اور چھان بین کی جاتی ہے۔ یعنی جو حقائق ہماری نگاہوں سے اوجھل ہیں، انھیں کھوجنا اور منظر عام پر لانا۔ اسی طرح جو حقائق سامنے ہیں لیکن دھندلے ہیں۔ ان کے دھندلے پن کو دور کر کے انھیں ایک صاف و شفاف اور غبار آئینہ بنادیا، یہ کام تحقیق اور محقق کا ہے۔

## محقق کے اوصاف:

ایک کامیاب محقق واسکار کے اندر مندرجہ ذیل اوصاف کا پایا جانا ضروری ہے:

- (۱) حق گوئی (۲) غیر جانبداری (۳) اخلاقی بلندی (۴) محنت و مشقت کا جذبہ (۵) غیر مقلدانہ ذہن و مزاج (۶) مضبوط قوت حافظہ (۷) تاریخی شعور (۸) اردو کے علاوہ دوسری ترقی یافتہ زبانوں سے واقفیت (۹) ادبی علوم سے آگاہی (۱۰) ضدی اور ہٹ دھرم نہ ہونا۔
- ان کے علاوہ اور بھی اوصاف ہیں جن سے ایک محقق کو متصف ہونا ضروری ہے لیکن ”تک عشرۃ کاملۃ“ کے مطابق صرف دس اوصاف شمار کرانے پر ہی ہم نے اکتفا کیا ہے۔

اپنے آپ کو محقق کہلانا یا پھر کسی کو محقق جسے بھاری بھرم خطاب

زندگی سراپا حرکت و عمل کا نام ہے۔ حرکت و عمل اور مثبت سرگرمیوں کی بدولت ہی زندگی ایک کامیاب زندگی کہلاتی ہے۔ ممتاز ناقد و محقق مولانا اسید الحق قادری بدایونی علیہ الرحمہ کی زندگی حرکت و عمل سے عبارت تھی۔ وہ جب تک باحیات رہے، عمل پیہم اور جہد مسلسل کی چلتی پھرتی تصویر بنے رہے اور ہمیشہ مثبت اور تعمیری کاموں میں لگے رہے۔ دس پندرہ سالوں میں وہ جس قدر علمی، تحقیقی اور قلمی کارنامے انجام دے گئے، وہ بجائے خود حیرت ناک امر ہے۔

مولانا اسید الحق قادری بہت سارے اوصاف و خصوصیات کے مالک تھے۔ عالم، فاضل، مفتی، محدث ہونے کے ساتھ ایک عظیم تنقید نگار اور باکمال محقق بھی تھے۔ نوجوان علما میں تحقیق و تنقید کے اعتبار سے آپ کی ایک منفرد پہچان تھی۔ آج حال یہ ہے کہ ہر کس و ناکس کو ”محقق عصر“ کہہ دیا جاتا ہے۔ لیکن مولانا اسید الحق قادری صاحب حقیقت میں محقق عصر تھے اور اہل سنت کے نوجوان محققین کے سالار اور میر کارواں تھے۔ ہمارے دعویٰ کی دلیل مولانا اسید الحق قادری بدایونی کی مندرجہ ذیل کتابیں ہیں: (۱) تحقیق و تفہیم (مضامین کا مجموعہ) (۲) حدیث افتراق امت (۳) عربی محاورات (۴) خامہ تلاشی (۵) مقدمہ قصیدتان رائعتان (اردو)۔

مولانا اسید الحق قادری کے اندر تحقیق و تنقید کا فطری ملکہ موجود تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی اکثر تحریریں زیور تحقیق سے آراستہ ہیں۔ ہماری جماعت میں علماء، فقہاء، قلم کاروں اور فن کاروں کی کمی نہیں ہے، لیکن ارباب تحقیق و تنقید کی قلت ہے۔ مولانا اسید الحق قادری تحقیق و تنقید کے میدان میں جماعت کی طرف سے ایک طرح کا فرض کفایہ ادا کر رہے تھے مگر افسوس! وہ بہت جلد ہم سے رخصت ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ انھیں غریق رحمت کرے۔

سے یاد کرنا بہت آسان ہے، لیکن حقیقت میں یہ محقق ہونا سینے کے بل ریگنے کے مترادف ہے۔

مندرجہ بالا اصول تحقیق کی روشنی میں جب ہم مولانا اسید الحق قادری بدایونی کی فکر و شخصیت کا مطالعہ کرتے ہیں تو ان کی ذات میں ایک ”عظیم محقق“ کا عکس جمیل صاف دکھائی دیتا ہے۔ تحقیق جو ایک ادبی مشغلہ سے زیادہ ایک مسلک، ایک ذہنی رویہ اور تلاش حق کی ایک منظم تحریک ہے، مولانا اسید الحق فکر و شعور کی دنیا میں قدم رکھنے کے بعد اس تحریک کے ایک سرگرم رکن کی حیثیت سے تادم حیات منسلک رہے اور اپنے تحقیقی کارناموں سے ثابت کر دیا کہ یہ بدایونی شہزادہ بھی اکیسویں صدی کے اوائل میں جادہ تحقیق کا ایک پر عزم اور تیز رفتار مسافر ہے۔ دقت نظر، گہری بصیرت اور وسعت مطالعہ تحقیق کے لازمی اجزا ہیں اور یہ چیزیں مولانا کے اندر بدرجہ اتم موجود تھیں۔ تحدیثِ نعمت کے طور پر ایک جگہ انہوں نے اس کا اعتراف بھی کیا ہے۔ وہ اپنی کتاب ”احادیث قدسیہ“ میں لکھتے ہیں: ”میرے مخلص دوست اور کرم فرما مولانا منظر الاسلام ازہری جو دقت نظر اور وسعت مطالعہ میں مجھ سے فائق ہیں۔“

یہ دراصل مولانا موصوف کی عاجزی تھی ورنہ دقت نظر اور وسعت مطالعہ میں اسید الحق صاحب، منظر الاسلام ازہری دام ظلہ سے فائق نہیں تو کم بھی نہیں تھے، تاہم سیاق عبارت سے اتنا تو طے ہے اسید صاحب کے اندر بھی دقت نظر اور مطالعہ کی وسعت پائی جاتی ہے۔ محقق بدایونی کی دقت نظر اور وسعت مطالعہ کا اعتراف ہر ایک نے کیا ہے۔ چند سال پیشتر جب ماہ نامہ جام نور، دہلی کے صفحات پر ”خامہ تلاشی“ کے کالم میں اسید الحق صاحب اپنے رخ زیبایہ ”ابوالفیض معینی“ کا نقاب اوڑھے اپنی تحقیق و تنقید کا فیض بانٹ رہے تھے، اسی وقت سے اہل علم کو مولانا کی علمی وجاہت اور ان کی تحقیقی لیاقت کا اندازہ ہو گیا تھا۔ اکابر علماء و مشائخ تک آپ کے علمی لیاقت اور ادبی و تحقیقی مہارت کے معترف ہیں۔

راقم الحروف نے جب جامعہ اشرفیہ، مبارک پور کے شیخ الحدیث حضرت علامہ عبدالشکور صاحب قبلہ دامت برکاتہم کو اسید الحق صاحب کی شہادت و وفات کی خبر سنائی تو آپ نے انا اللہ وانا الیہ راجعون پڑھتے ہوئے اسی وقت فرمایا ”مولانا اسید بڑے قیمتی آدمی تھے۔“ ایک بزرگ

عالم ربانی کی زبان سے نکلا ہوا یہ جملہ اپنے اندر بڑی معنویت رکھتا ہے۔ اسید الحق صاحب واقعی قیمتی تھے۔ ایک قیمتی جوہر جس کی قدر و منزلت کا اندازہ مردم شناس افراد ہی لگا سکتے ہیں۔

مائیہ ناز اور کامیاب محقق کا ایک نمایاں وصف یہ بھی ہے کہ اس کے اندر محنت و مشقت کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہو۔ اس جہت سے دیکھا جائے تو مولانا موصوف بڑے محنتی اور جفاکش انسان تھے۔ دوران تصنیف و تحقیق متعلقہ مواد کی فراہمی کے لیے اپنے شب و روز ایک کر دیتے تھے۔ کتابوں کی اوراق گردانی اور ہندوستان کی بڑی لائبریریوں کی خاک چھاننے میں انہوں نے اپنی زندگی کا ایک بیش قیمت حصہ صرف کیا۔ تب کہی جا کے میدان تحقیق کے شہ سوار بن کر چمکے۔ اس سلسلے میں محبت گرامی جناب احمد جاوید صاحب (ایڈیٹر روزنامہ انقلاب) کا یہ مہنی بر حقیقت تاثر ملاحظہ کریں:

”کبھی یہ نوجوان پیرزادہ پھپھوند کی خانقاہ میں مخطوطات کو کھنگال رہا ہے، کبھی رام پور کی رضا لائبریری میں اوراق پارینہ سے علم کے موتی چن رہا ہے، کبھی بہار شریف، پھلواری شریف اور پٹنہ کی خانقاہوں اور کتب خانوں کا سفر کرتا ہے تو کبھی بسبئی اور حیدرآباد کے علمی مراکز میں سرگرداں ہے۔“

محقق کے اوصاف میں سے ایک یہ بھی ہے ان کا ذہن و فکر مقلدانہ نہیں بلکہ مجتہدانہ ہو۔ کسی دانش ور کا قول ہے کہ ”ایمان بالغیب اور تقلید یہ مذہب میں جائز ہے، لیکن تحقیق میں تقلید ناجائز ہے۔“ مولانا اسید الحق ازہری زندگی بھر اس تحقیقی اصول پر کار بند رہے۔ بہت ساری ضعیف اور موضوع روایات (احادیث) جو برسوں سے عوام و خواص میں مقبول و رائج تھیں۔ آپ نے فنی نقطہ نظر سے ان پر کلام کیا اور اکابر پرستی (Hero Worship) کی قدیم روایت سے ہٹ کر اکابر کی کتابوں میں موجود ضعیف و موضوع روایات کو واضح کیا۔ تفسیر روح البیان جس کے مصنف و مفسر حضرت علامہ اسماعیل حقی قدس سرہ ہیں، اس کتاب کے بارے میں اسید صاحب نے اپنی ہمت و جرأت اور تحقیقی اصول کو اپناتے ہوئے برجستہ لکھا کہ ”اس کتاب میں بہت سارے مقامات آہ و فغاں اور بھی ہیں۔“

غرض کہ اسید صاحب ایک مجتہدانہ فکر و ذہن رکھنے والے محقق اور



اسلامی اسکالر تھے۔ مقلد ہوتے ہوئے بھی میدان تحقیق و تنقید میں غیر مقلدانہ ذہنیت کے حامل تھے اور یہ چیز ایک کامیاب تحقیق کے لیے ضروری ہے۔ حق گوئی اور غیر جانب داری بھی تحقیق کا ایک نمایاں پہلو ہے۔ آپ کی حق گوئی و بے باکی نے اچھے اچھوں کا ناطقہ بند کر دیا تھا۔ قلم کے تقدس اور تحقیق جیسے پاکیزہ شعبہ ادب کی حرمت کا آپ نے بہر کام خیال رکھا اور سامنے والوں کو اچھا لگے یا برا، اس کی پرواہ کیے بغیر ہمیشہ حق بات لکھی اور تحقیق کے اصول کا خیال کیا۔ تعصب اور جانب داری کی بلا سے اللہ بچائے!

اسید الحق قادری صاحب کی تحریر میں راقم الحروف نے ایک خاص وصف یہ پایا کہ ان کی تحریر میں تعصب، جانب داری اور علاقائیت کا متعفن عنصر شامل نہیں ہے اور یہ دراصل تحقیق کے اس اصول کی بجا آوری ہے جس میں کہا گیا ہے کہ ”محقق کی تحریر تعصب اور جانب داری سے پاک ہو۔“ یعنی ایک دیانت دار محقق کے لیے ضروری ہے کہ وہ متعصب اور جانب دار ہو۔

جام نور دہلی کے مقبول ترین کالم ”خامہ تلاشی“ میں محقق بدایونی مولانا اسید الحق ازہری (ابولفیض معینی) نے تحقیق و تنقید اور تجزیہ و تبصرہ کے دوران ہر قسم کے مضامین پر نینے گراں قدر تاثرات و آرا کا اظہار کیا ہے اور مضمون نگار کہاں کا باشندہ ہے؟

کس مدرسے کا فارغ ہے؟ اور کس خانقاہ سے وابستہ ہے؟ ان باتوں سے قطعی نظر کرتے ہوئے صرف اور صرف مواد و شمولات کا تحقیقی جائزہ لیا ہے اور یہ چیز اسید صاحب کے کمال فن اور تحقیقی اصول و مناج سے ان کی گہری واقفیت کی دلیل ہے اور جہاں تک تحقیقی کارواں کو بحسن و خوبی منزل تک پہنچانے اور منصب تحقیق سے کما حقہ عہدہ برآ ہونے کے لیے ”تاریخی شعور“ کی بات ہے تو مولانا اسید الحق محقق بدایونی تاریخی شعور و ادراک میں بھی اپنے اقران و معاصرین میں فائق تھے۔ اس کا نمونہ ہمیں ان کی ان تحریرات میں نظر آتا ہے، جہاں انھوں نے اسمائے رجال پر محدثانہ اور محققانہ گفتگو کی ہے۔

تحقیقی مضامین کا مجموعہ ”تحقیق و تفہیم“ اور ”خیر آبادیات“ آپ کے محققانہ فکر و ذہن کی روشن دلیل ہیں۔ ”قصیدتان رائعتان: ایک تحقیقی مطالعہ“ یہ گراں قدر علمی و تحقیقی مبسوط مقالہ مولانا اسید الحق قادری ازہری

کے دور اخیر کی خوب صورت یادگار ہے۔ محقق بدایونی نے اپنے اس تحقیقی مقالے میں قصیدے کا عروضی اور لسانی جائزہ پیش کرتے ہوئے ڈاکٹر رشید عبیدی بغدادی کی شرح و تحقیق کا محققانہ اور ناقدانہ جائزہ لیا ہے، اس سے اسید صاحب کی تحقیقی عظمت کا بھرپور اندازہ ہوتا ہے۔

یہ کتاب ”قصیدتان رائعتان“ تاج الحول اکیڈمی، بدایوں سے اردو ترجمہ کے ساتھ شائع ہو چکی ہے۔ ص: ۱۵ تا ۱۰۰ یعنی ۸۶ صفحات پر مشتمل مولانا اسید الحق صاحب کا اس کتاب پر مبسوط تحقیقی مقدمہ ہے۔ مقدمہ کی سطر سطر سے مولانا اسید الحق صاحب کی فنی، لسانی اور عروضی مہارت عیاں ہے۔ سبحان اللہ! محقق ہو تو ایسا۔

ایک مرکز پہ سمٹ آئے ہیں جو ہر سارے خلاصہ کلام یہ کہ اسید صاحب عالم و فاضل ہونے کے ساتھ ایک باکمال محقق اور بے مثال ناقد تھے۔ وہ کام کے انسان تھے اور تاحیات دینی، علمی اور تحقیقی کام انجام دیتے رہے۔ وہ خود بھی کام کرتے تھے اور کام کرنے والوں کو پسند کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور کی دینی، علمی اور تصنیفی خدمات سے وہ بے حد متاثر تھے۔

استاذ گرامی حضرت مولانا صدر الوری قادری مصباحی دام ظلہ نے جس وقت ”التبئہ المسدد“ لکھی تھی تو مولانا اسید الحق نے عربی میں خط لکھ کر انہیں مبارک باد پیش کی تھی۔ اسی طرح حضرت مولانا محمد ناظم علی مصباحی (استاذ جامعہ اشرفیہ) نے جب ”اخطا ابن نیمیة“ کا اردو ترجمہ کیا اور راقم الحروف نے اس پر ماہ نامہ اشرفیہ میں تبصرہ لکھا تو مولانا اسید الحق قادری صاحب نے بذریعہ فون اس کام کو سراہا اور راقم الحروف سے کہا کہ ”میری طرف سے مولانا ناظم علی مصباحی“ کو مبارک باد پیش کر دینا۔“

دو سال قبل جب مجھے ”تفسیر معریزی“ فارسی نسخہ کی ضرورت پڑتی تھی تو میں نے مولانا اسید الحق قادری بدایونی صاحب سے رابطہ کیا تھا۔ انھوں نے فرمایا کہ آپ بدایوں تشریف لائیں میں مطلوبہ فارسی نسخہ آپ کو مہیا کر دوں گا۔

اللہ رب العزت انھیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور ان کے اہل خانہ کو صبر جمیل، آمین۔ □□□

✽ نائب مدیر: ماہنامہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ (یوپی)

## علامہ اسید الحق بدایونی اور امام احمد رضا بریلوی

احمد رضا کے چھوٹے صاحب زادے حضور مفتی اعظم علالت کی وجہ سے، شہزادے کو دعوت دینے خود نہ جاسکے تو حضرت عاشق الرسول کو سفارش کے لیے خط لکھا جس کے لفظ لفظ سے خلوص و محبت اور داد و یگانگت کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ خط کے الفاظ ہیں:

”حضرت رفیع الدرجت مولانا المکرم ذی الجہد والکرم عاشق الرسول زیدت معالیہ!

بعد سلام، سنت اسلام، عرض مرام! طالب خیر بجمہ تعالیٰ مع الخیر ہے۔ شاہزادہ سرکار غوثیت کا ورود مسعود بدایوں معلوم ہوا۔ آپ کی قسمت قابل ہزار رشک ہے۔ اس سال معذوری سے حاضری نہ ہوئی تو سرکار غوثیت مدار، آقائے نامدار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کرم فرمایا کہ شاہزادہ والاخبار کو بھیج دیا۔ آپ نے کیسی عظیم دولت گھر بیٹھے پائی۔ آپ کی عنایت مبذول ہوئی اور شاہزادہ سرکار قادری کا کرم ہوا، تو ان شاء المولیٰ، فقیر بے توقیر، ادنیٰ گدائے کوئے حضور پُر نور غوث اعظم رضی اللہ عنہ بھی، اس سرکاری کرم سے محروم نہ رہے گا..... (التم)

والسلام مع الاکرام

فقیر گدائے کوئے قادری

مصطفیٰ رضا نوری غفرلہ

اور انہوں نے سفارش کر کے یہ دعوت منظور کرائی۔ اس طرح حضور غوث پاک کے وہ شہزادے بریلی بھی تشریف لائے۔

یہ تو تاج اللہ اور ان کے صاحبزادگان اور امام احمد رضا اور ان کے صاحبزادگان کے خلوص و محبت اور داد و یگانگت کی صورت تھی۔ اب خود شہید بغداد، مولانا اسید الحق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا امام احمد رضا علیہ الرحمہ سے تعلق خاطر اور محبت کے چند حوالے دیکھیے:

شہید بغداد مولانا اسید الحق قادری کے فرج حضرت تاج اللہ اور امام احمد رضا بریلوی علیہم الرحمۃ والرضوان دونوں ہی کا مشترک سرمایہ اور طرہ امتیاز، اسلام و سنیت کی خدمت، مارہرہ مطہرہ کی غلامی اور بندہ ہیت کا رد و ابطال تھا۔ بدایوں اور بریلی میں تقریباً پچاس کیلو میٹر کا زمینی فاصلہ ہونے کے باوجود وہاں کے رہنے والے دونوں بزرگوں کی شخصیتیں ایک دوسرے سے جدا نہیں تھیں، بلکہ وہ درحقیقت ایک ہی حقیقت کے دو مظہر تھے، جیسا کہ امام احمد رضا نے فرمایا ہے:

نہ تو مجھ سے جدا نہ میں تجھ سے

میں ترا تو مرا محبت رسول

غلطی کی ترا مرا کیسا؟

تو من و من تو یا محبت رسول

حضرت تاج اللہ کو ”تاج اللہ“ کا خطاب امام احمد رضا نے دیا تھا اور امام احمد رضا کی مجددیت کا اعلان تاج اللہ کے بڑے صاحبزادے صاحب الاقتدار حضرت مولانا عبدالقادر نے فرمایا تھا۔ حضرت تاج اللہ کا وصال ہوا اور حضرت صاحب الاقتدار مند آرائے سجادہ ہوئے تو ایک فرعی مسئلہ ”محل اذان“ میں، بدایوں کے بعض متسببن کا بریلی سے اختلاف ہو گیا اور سوال و جواب ہونے لگے کہ اسی دوران حضرت صاحب الاقتدار علیہ الرحمہ نے جام وصال نوش فرمایا۔ ان دنوں امام احمد رضا سخت بیمار تھے؛ اس لیے خود جنازہ میں شریک نہیں ہو سکے اور اپنے بڑے صاحب زادے حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں کو قائم مقام کر کے بھیجا۔

پھر تاج اللہ علیہ الرحمہ کے چھوٹے صاحب زادے، عاشق الرسول حضرت مولانا عبدالقادر کا دور سجادگی آیا اور بغداد معلیٰ سے حضور غوث پاک کے ایک شہزادے بدایوں تشریف لائے تو بریلی سے امام

استاذ گرامی امام علم و فن حضرت خواجہ مظفر حسین علیہ الرحمہ مدرسہ قادریہ، بدایوں سے دارالعلوم نذرالحق، چہرہ محمد پور، ضلع فیض آباد تشریف لائے تو مولانا اسیدالحق کو بھی ساتھ لیتے آئے۔ چند دنوں بعد حضرت امام علم و فن نے مجھ فقیر رضوی کو بلا کر تدریس کے لیے مامور فرمایا اور مولانا اسیدالحق کی تعلیم کا خصوصی ذمہ عطا کیا۔

اس لیے مولانا نے مجھ فقیر رضوی سے بھی اصول فقہ اور علم کلام کی بعض کتابیں پڑھیں۔ پھر جب قائد ملت حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ نے مجھ ادارہ شرعیہ بہار بلا لیا اور اس کی خدمت سپرد کی تو مولانا اسیدالحق پورے طور پر حضرت امام علم و فن سے متعلق ہو گئے اور درس نظامی کی تکمیل کے علاوہ معقولات کی منتہی کتابیں پڑھ کر جامع از ہر مصر گئے۔

اسی دوران ایک بار میں امام علم و فن سے شرف ملاقات کے لیے دارالعلوم نورالحق، چہرہ محمد پور، حاضر ہوا تو بہت سے حضرات کی موجودگی میں مولانا اسیدالحق کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کا ایک واقعہ سنایا، جس کی تصدیق مولانا کی مصر سے واپسی کے بعد مجھے خود ان کی زبانی بھی ہو گئی۔ واقعہ یہ تھا کہ مولانا نے بدایوں میں اپنے احباب کے درمیان برسبیل تذکرہ امام احمد رضا کو مجدد کہہ دیا تو خانقاہ قادریہ کے مشائخ میں سے ایک معروف شخص (جن کو مولانا سے حد درجہ تعلق خاطر تھا) نے کہا کہ آپ بھی اپنی زبان سے انہیں مجدد کہیں گے؟

تو مولانا نے برجستہ جواب دیا:

”جناب عالی! میں اپنے جدا مجدد کو تو جھوٹا نہیں کہہ سکتا یاد رکھئے کہ اُن کو پہلی بار برسر اجلاس، اور اجلاس بھی وہ جس میں ملک بھر کے عمائد علماء و مشائخ بالخصوص جدا مجدد کے والد گرامی حضرت تاج الفحول بھی موجود تھے، میرے جدا مجدد نے انہیں مجدد کہا ہے۔ اس لیے کان کھول کر سن لیجئے کہ اگر کوئی ان کی مجددیت کا انکار کر رہا ہے تو وہ درحقیقت میرے جدا مجدد کو جھٹلا رہا ہے اور میں اسے کبھی برداشت نہیں کر سکتا کہ کوئی میرے جدا مجدد کو میرے سامنے جھٹلائے۔ لہذا آئندہ کبھی اس طرح کی بات زبان پر لانے کی کوشش نہ کیجیے گا۔“

مولانا اسیدالحق مصر سے واپس آئے تو پہلے سے زیادہ دور اندیش اور بالغ نظر ہو چکے تھے۔ اہل سنت کی صفوں میں انتشار اور ان کے بالمقابل غیروں کو سبسہ پلائی ہوئی دیوار دیکھ کر مضطرب و بے قرار ہو گئے۔ اہل سنت میں اتحاد کے لیے سب سے پہلے خانوادہ امام احمد رضا کا انتخاب فرمایا اور ان سے خطاب کرتے ہوئے نظم ”دوستی کا ہاتھ“ لکھ کر شائع کرائی جو آپ کے سامنے ہے:

مرے عزیز مرے دوست میرے ہم سایہ  
ہمارے بیچ جدائی کو اک صدی گزری  
نہ تم کو مجھ پہ بھروسہ نہ مجھ کو تم پہ یقین  
اسی نفاق و عداوت میں زندگی گزری  
وہ جس کا نقش کف پا ہمارے سینے میں  
اسی کی یاد سے آباد تیرا سینہ ہے  
وہ جس کے فیض سے ہم نے بلندیاں پائیں  
اسی کا نام مبارک ترا وظیفہ ہے  
ہماری کشت پہ برسا ہے جو سحاب کرم  
اسی کے فیض کی بارش تمہارے آنگن میں  
وہ جس کی بو سے معطر مشام جاں ہے مرا  
اسی گلاب کی رنگت تمہارے گلشن میں  
وہ بادہ خانہ جہاں ہم نے مے گساری کی  
شراب تم بھی اسی میکدے کی پیتے ہو  
ہے جس نگاہ کی مستی ہماری آنکھوں میں  
اسی نگاہ سے مخمور تم بھی رہتے ہو  
جو عندلیب مرے باغ میں چمکتا ہے  
اسی کی نغمہ سرائی ترے گلستاں میں  
وہ شمع جس سے منور ہے طاق دل میری  
اسی کی ضو سے اجالا ترے شبستاں میں  
وہ بجلیاں جو مرے آشیاں کو کھتی ہیں  
وہی حریف تمہارے نگار خانے کی  
تمہارا گلشن صد رنگ جس کی زد پر ہے

وہی خزاں ہے عدو میرے آشیانے کی  
غرض کہ فرق نہیں کوئی ہم میں بنیادی  
نہ فکر میں نہ عقیدے نہ دین و مذہب میں  
نہ اختلاف خیالات کا نہ مسلک کا  
نہ کوئی فرق ہمارے تمہارے مشرب میں  
اگر یہ سچ ہے تو اے محترم حریف مرے  
کوئی جواز نہیں ہم میں دشمنی کے لیے  
”اگر تمہاری انا ہی کا ہے سوال تو پھر  
چلو میں ہاتھ بڑھاتا ہوں دوستی کے لیے“

(۳)

جب نام نہاد عمل بر حدیث کے دعوے داروں نے یہ دکھانے کی  
کوشش کی کہ امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ احادیث کے ہوتے ہوئے بھی  
مسائل شرعیہ کے استنباط میں محض اپنے قیاس و رائے سے کام لیتے تھے؛  
کیوں کہ علم حدیث میں اُن کو بہت کم درک تھا تو ماضی بعید میں علامہ  
ابن ہمام اور علامہ نورالحق دہلوی اور ماضی قریب میں امام احمد رضا کے  
”جان پدر، بلکہ از جان بہتر“ ملک العلماء، سید ظفر الدین بہاری علیہ  
الرحمۃ نے ”صحیح البہاری“ لکھ کر ثابت کیا کہ امام ابوحنیفہ، بخاری و مسلم  
سمیت تمام محدثین حتیٰ کہ دوسرے ائمہ مجتہدین سے بھی زیادہ احادیث  
کے جانکار اور ان پر عمل پیرا تھے۔ مجموعی طور پر تمام محدثین نے جتنی  
حدیثیں روایت کی ہیں ان سے کہیں زیادہ حدیثیں تنہا امام اعظم ابوحنیفہ  
سے مروی ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ بخاری شریف میں مکررات کے ساتھ سات ہزار  
سے کچھ زائد اور مکررات کو حذف کرنے کے بعد کم و بیش ساڑھے چار  
ہزار حدیثیں ہیں مگر امام اعظم ابوحنیفہ کی مرویات ستر ہزار سے زائد ہیں۔  
ملا علی قاری نے امام محمد بن ساعد کے حوالے سے لکھا ہے:

ان الامام ذکر فی تصانیفہ بضع و سبعین الف حدیث۔ بے  
شک امام نے اپنی تصانیف میں ستر ہزار سے زیادہ حدیثیں بیان کی ہیں۔  
حضرت علامہ امیر ایمانی کے بیان کے مطابق نفس متن کے اعتبار  
سے صحیح احادیث جن میں شرعی احکام کے علاوہ قصص و امثال، مستقبل  
کی پیشین گوئیاں، قرب قیامت کے آثار، قبر کے احوال اور حشر و نشر

کے حالات سب بیان ہوئے ہیں، چار ہزار چار سو ہیں:

ان جملة الاحادیث المسندة عن النبی صلی اللہ  
علیہ وسلم یعنی الصحیحة بلا تکرار اربعة آلاف ومائة۔  
تو بلاشبہ معمول بہا حدیثیں جن کو اصطلاح میں ”سنن“ سے تعبیر  
کیا جاتا ہے، اس سے کم ہوں گی جب کہ امام اعظم ابوحنیفہ نے مسائل  
کے تحت جو احادیث بیان فرمائی ہیں وہ نفس متن کے اعتبار سے بھی چار  
ہزار ہیں جس سے واضح ہے کہ تمام سنن یعنی معمول بہا حدیثیں جن سے  
احکام مرتب ہوتے ہیں، آپ کے پیش نظر نہیں۔

امام اعظم تو امام اعظم ہی تھے، چودھویں صدی ہجری میں امام  
اعظم کے سچے جانشین ”امام احمد رضا“ جن کے بارے میں محافظ کتب  
حرم علامہ سید اسماعیل مکی علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے:

واللہ اقول والحق اقول: لوراها ابو حنیفة النعمان  
لاقرت عینہ وجعل مؤلفہ من جملة الاصحاب۔ میں اللہ کی  
قسم کھا کر کہتا ہوں اور صحیح کہتا ہوں کہ امام اعظم ابوحنیفہ آپ کے یہ فتاویٰ  
دیکھتے تو اُن کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں اور وہ ان کے مولف کو اپنے تلامذہ  
میں شامل کر لیتے۔

ان کے تعلق سے بھی بعض غیر مقلدین اور ان کے ریزہ خواروں  
نے جب یہ کہا کہ حدیث دانی میں اُن کا پایہ کم تھا تو حضرت مولانا محمد  
حنیف خاں رضوی پرنسپل جامعہ نوریہ، بریلی شریف نے امام احمد رضا کی  
تقریباً ایک ہزار کتابوں میں سے صرف تین سو کتابوں سے جو اُن کے  
دسترس میں آئیں، دس ہزار احادیث کا مجموعہ تیار کیا اور تخریج کے ساتھ  
”جامع الاحادیث“ کے نام سے تقریباً چھ ہزار صفحات پر مشتمل دس  
جلدوں میں شائع کیا اور اس کی جلد: ۲، ص: ۲۵ میں مذکور حدیث:

”حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے  
کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: فرشتہ جو رحم زن پر موکل  
ہے جب نطفہ رحم میں قرار پاتا ہے، اسے رحم سے لے کر اپنی  
ہتھیلی پر رکھ کر عرض کرتا ہے: اے رب میرے! بنے گا یا نہیں؟  
اگر فرماتا ہے: نہیں! تو اس میں روح نہیں پڑتی اور خون ہو کر  
رحم سے نکل جاتا ہے اور اگر فرماتا ہے ہاں! تو عرض کرتا ہے:  
اے میرے رب! اس کا رزق کیا ہے؟ زمین میں کہاں کہاں



چلے گا؟ کیا عمر ہے؟ کیا کام کرے گا؟ ارشاد ہوتا ہے: لوح محفوظ میں دیکھ کہ اس میں نطفہ کا سب حال پائے گا۔ پھر فرشتہ وہاں کی مٹی لاتا ہے جہاں اس کو دفن ہوتا ہے، اسے نطفہ میں ملا کر گوندھتا ہے، یہ ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان کہ زمین ہی سے ہم نے تمہیں بنایا اور اسی میں پھر ہم تمہیں لے جائیں گے۔“

کے تعلق سے اپنے مقدمہ ص: ۱۲ میں تحریر فرمایا:

”پوری کتاب میں صرف ایک حدیث ایسی ہے جس کا متن مجھے نہیں مل سکا۔ اس کے لیے بیاض چھوڑ دی گئی ہے کہ اگر کسی صاحب کو وہ متن مل جائے تو اپنے نسخہ میں تحریر کر لیں اور ہمیں مطلع فرمائیں، ہم شکر یہ کے ساتھ آئندہ ایڈیشن میں شائع کر دیں گے۔“

تو اسی شہید بغداد مولانا اسید الحق مرحوم نے اس کی تخریج کی جو ماہ نامہ جام نور نومبر ۲۰۰۵ء میں شائع ہوئی۔ موصوف نے تحریر فرمایا:

”الحمد للہ! اس کا متن تلاش کرنے میں کامیابی نصیب ہوئی، اپنی تلاش و جستجو کا حاصل حاضر خدمت کرنے کی جرأت کر رہا ہوں۔ اگر درست ہو تو آئندہ ایڈیشن میں شامل کر لیا جائے۔ حکیم ترمذی نے اپنی کتاب ”نوادراصول“ میں اس حدیث پاک کا ذکر فرمایا ہے۔“

حدیث کا متن یہ ہے:

ان الملك الموكل بالارحام ياخذ النطفة من الرحم فيضعها على كفه ثم يقول بارب مخلقة او غير مخلقة فان قال مخلقة قال مالرزق ما الاثر ما الاجل؟ فيقال انظر في ام الكتاب فينظر في اللوح فيجد فيه رزقه واثره واجله وعمله ثم ياخذ التراب الذي يدفن في بقعته فيعجن به نطفته فذلك قوله الكريم منها خلقناكم وفيها نعيدكم۔

اس حدیث کو حکیم ترمذی ہی کے حوالے سے امام سیوطی نے بھی اللالی المصنوعہ میں نقل کیا ہے۔ امام قرطبی نے بھی اس حدیث کو اپنی تفسیر میں حافظ ابو نعیم کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ حکیم ترمذی اور ابو نعیم دونوں نے اس حدیث کو سیدنا ابن

مسعود سے بطریق مرہ روایت کیا ہے۔ جامع الاحادیث میں نقل کردہ ترجمہ میں یہ جملہ بھی ہے کہ ”اگر فرماتا ہے نہیں تو اس میں روح نہیں پڑتی اور خون ہو کر رحم سے نکل جاتا ہے۔“ ہم نے اوپر جو متن نقل کیا ہے اس میں یہ جملہ نہیں ہے، قرطبی والی روایت میں بھی یہ جملہ نہیں ہے، دراصل یہ جملہ ایک دوسری روایت میں موجود ہے جس کا ابتدائی حصہ تو ہماری نقل کردہ حدیث کے ہم معنی ہے مگر آخری حصہ ذرا مختلف ہے، اس کو امام ابن جریر طبری نے حضرت ابن مسعود سے بطریق علقمہ روایت کیا ہے۔ وہ حدیث یہ ہے: النطفة اذا استقرت في الرحم اخذها ملك بكفه فقال يا رب مخلقة او غير مخلقة فان قيل غير مخلقة لم تكن نسمة وقذفتها الارحام دماً وان قيل مخلقة قال اي رب ذكرا وانثى شقى او سعيد، الى آخر الحدیث حافظ ابن کثیر نے بھی اس کو ابن ابی حاتم اور ابن جریر کے حوالے سے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کو نقل کر کے فرمایا ہے: ”اسنادہ صحیح و هو موقوف لفظاً۔ اس حدیث کو حافظ ابن رجب حنبلی نے بھی نقل کیا ہے۔“

(۴)

امام احمد رضا نے فتاویٰ رضویہ میں عمامہ کی فضیلت بیان کرتے ہوئے حدیث: اعتموا خالفوا علی الامم من قبلکم ذکر کیا ہے اور اس کا ترجمہ فرمایا ہے ”عمامے باندھو، اگلی امتوں یعنی یہود و نصاریٰ کی مخالفت کرو کہ وہ عمامہ نہیں باندھتے۔“

اس پر ایک صاحب نے اعتراض کرتے ہوئے اس ترجمہ کو غلط قرار دیا اور کہا کہ اس کا یہ ترجمہ صحیح نہیں کیوں کہ یہ حدیث عمامہ سے متعلق نہیں، بلکہ عشا کی نماز سے متعلق ہے، اس لیے صحیح ترجمہ یہ ہے: ”عشا کی نماز کو پہلی تہائی رات میں ادا کرو۔“ مگر اس کا جواب ہم خوارجہ تاشان رضویت میں ایک سے بڑھ کر ایک محدث اور فاضل موجود رہنے کے باوجود کسی نے نہیں دیا، اس کا جواب اسی شہید بغداد نے لکھ کر ماہ نامہ ”جام نور“ میں شائع کرایا جس سے معترض کا منہ بند اور قلم خاموش ہوا۔ انہوں نے ”حدیث عمامہ پر ایک شبہ اور اس کا ازالہ“ کے

”امام بیہقی نے اپنی کتاب ”شعب الایمان“ میں خالد بن معدان سے ایک مرسل حدیث پاک نقل فرمائی ہے:

اعتموا خالفوا علی الامم من قبلکم۔

مذکورہ حدیث کو امام سیوطی نے جامع صغیر اور متقی الہندی نے کنز العمال میں بھی نقل کیا ہے۔ اس حدیث کے پہلے لفظ ”اعتموا“ میں دو احتمال ہو سکتے ہیں: (۱) یہ ”اعتمام“ (باب العمال) سے مشتق ہے، اس صورت میں اس کو ”اعتموا“ پڑھا جائے گا، اور اس کا ترجمہ ہوگا ”عمامہ باندھو“۔ (۲) دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ ”اعتمام“ (باب العمال) سے مشتق ہے اس صورت میں اس کو ”اعتموا“ پڑھا جائے گا، اور اس کا معنی ہوگا ”عشا کی نماز کو پہلی تہائی رات میں ادا کرو۔“

فتاویٰ رضویہ میں اس حدیث کو فضائل عمامہ کے باب میں ذکر کیا گیا ہے اور اس کا ترجمہ یہ کیا ہے: ”عمامے باندھو، اگلی امتوں یعنی یہود و نصاریٰ کی مخالفت کرو کہ وہ عمامہ نہیں باندھتے۔“ حدیث کا یہ ترجمہ بالکل درست اور حدیث کے سیاق و سباق کے عین مطابق ہے جس کی تفصیل آگے آرہی ہے، مگر ایک معاصر فاضل و محقق نے اس ترجمہ کو ”حدیث کی غیر معتبر توجیہ“ قرار دیا ہے، وہ تحریر فرماتے ہیں:

”کسی معتبر ذریعہ سے معلوم نہیں ہوتا کہ اس حدیث کا فضائل عمامہ کے باب سے بھی کچھ تعلق ہے۔ دراصل ”اعتموا“ کے لفظ سے وہم ہوتا ہے کہ یہ باب ”اعتمام“ سے مشتق ہے، جو عمامہ باندھنے کے معنی میں ہے، حالاں کہ وہ باب ”اعتمام“ سے مشتق ہے اور حدیث مذکور میں عشا کی نماز کے متعلق یہ حکم جاری کیا گیا ہے کہ اسے تہائی رات کے پہلے حصے میں ادا کیا جائے۔“

اپنے دعوے کے ثبوت میں فاضل محترم نے علامہ عزیزی کی السراج المنیر شرح الجامع الصغیر اور علامہ عبدالرؤف المناوی کی فیض القلید شرح الجامع الصغیر کا حوالہ بھی دیا ہے۔ علامہ عزیزی اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

اعتموا بفتح الهمزة وسكون العين المهملة وكسر المشناة الفوقانية ای اتمروا صلاة العشاء الى العتمة۔

ترجمہ: اعتموا میں ہمزہ پر زبر، عین ساکن، تا پر زیر۔ معنی یہ ہے کہ عشا کی نماز کو پہلی تہائی رات تک مؤخر کرو۔“

اس کے بعد فاضل محترم نے فیض القدر سے علامہ مناوی کی ایک طویل عبارت نقل فرمائی ہے، اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

”علامہ مناوی کی اس پوری بحث کو پڑھنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ حدیث مذکور کا تعلق عمامہ سے نہیں ہے، بلکہ اس میں نماز عشا کی اہمیت و افضلیت کا بیان ہے۔“

اس کے بعد فاضل محترم نے ابو داؤد شریف کی ایک حدیث سے اس معنی کی تائید پیش کی ہے، اس کے بعد فرماتے ہیں:

”فاضل بریلوی نے حدیث کا جو ترجمہ پیش کیا ہے وہ غالباً علامہ مناوی کی اس تحریر سے متاثر ہے و قیل هو اعتموا ای البسوا العمامم و بؤید السبب الآتی علیہ ففیہ ان التعمیم من خصائص ہذہ الامۃ مگر یہ ضعیف قول چند وجوہ سے باطل ہے۔“

اس کے بعد فاضل محترم نے اس ”ضعیف قول“ کے باطل ہونے کی پانچ وجوہ ذکر کی ہیں۔ فاضل محترم کی پوری بحث پڑھنے کے بعد ہادی النظر میں ایسا لگتا ہے کہ واقعی یہاں صاحب فتاویٰ رضویہ سے ترجمہ کرنے میں تسامح ہوا ہے، لیکن اس بے بضاعت راقم الحروف نے جب اس حدیث کا تحقیقی مطالعہ کیا تو مندرجہ ذیل نتائج برآمد ہوئے۔ (۱) اس حدیث پاک کا عشا کے وقت سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ یہ عمامہ کی فضیلت ہی میں وارد ہوئی ہے۔ (۲) فتاویٰ رضویہ میں مذکور ترجمہ بالکل درست ہے۔ (۳) جن شارحین نے اس حدیث کو عشا کی فضیلت سے متعلق کیا ہے انہوں نے صرف حدیث کے ایک جز کو پیش نظر رکھا اور حدیث کے سیاق و سباق پر غور نہیں فرمایا۔ اب ہم ان تینوں امور کا دلائل کی روشنی میں جائزہ لیتے ہیں۔..... ہم نے ابتدا میں ذکر کیا تھا کہ یہ

حدیث شعب الایمان، جامع صغیر اور کنز العمال میں موجود ہے، کافی تلاش کے باوجود فی الحال ان تین کتابوں کے علاوہ اور کہیں اس حدیث کی موجودگی کا علم راقم کو نہیں ہے، جامع صغیر اور کنز العمال دونوں میں اس حدیث کے بعد ”صہب“ کا نشان بنایا گیا ہے، اہل علم جانتے ہیں کہ مذکورہ دونوں کتابوں میں اگر ”صہب“ کی علامت ہو تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس حدیث کو امام بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے، گویا اس حدیث کا اصل ماخذ ”شعب الایمان“ ہے۔ اب اگر عشا کے وقت سے اس حدیث کا ذرا بھی تعلق ہوتا تو امام بیہقی اس کو ”باب مواقیت الصلاة“ یا ”باب فضائل العشاء“ وغیرہ کے تحت ذکر کرتے لیکن شاید آپ کو حیرت ہوگی کہ امام بیہقی نے اس حدیث کو ”باب فی الملاہس

والاوانسی“ (کپڑوں اور برتنوں کا باب) میں درج کیا ہے اور یہی نہیں بلکہ اس کو اس باب میں ”فصل فی العمائم“ (فصل عمامہ کے بارے میں) کے تحت رکھا ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ امام بیہقی کے نزدیک بھی یہ حدیث عمامہ سے متعلق ہے۔

اس حدیث کے فضائل عمامہ سے متعلق ہونے کی سب سے بڑی دلیل اس کا سیاق و سباق ہے، اگر سیاق و سباق پر غور کر لیا جائے تو پھر کسی اور دلیل کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ جامع صغیر اور کنز العمال میں اس حدیث کا صرف ایک جز مذکور ہے (اس کی وجہ آگے آرہی ہے) مگر اس حدیث کے اصل ماخذ ”شعب الایمان“ میں یہ پوری حدیث نقل کی گئی ہے۔

ملاحظہ فرمائیے:

خالد بن معدان قال أتى النبي ﷺ بشيَاب من الصدقة فقسّمها بين أصحابه فقال: اعتموا خالفوا عليّ الامم من قبلكم - ترجمہ - خالد بن معدان نے کہا کہ نبی کریم ﷺ کے پاس صدقہ کے کچھ کپڑے آئے تو آپ نے ان کو اپنے صحابہ میں تقسیم فرمادیا اور فرمایا: اعتموا الی آخرہ) حدیث پاک کو اگر اس سیاق و سباق کی روشنی میں

ملاحظہ کریں تو اس بات میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا ہے کہ اس حدیث کا تعلق عمامہ سے ہے۔ حضور ﷺ کا اپنے صحابہ کو کپڑے تقسیم فرماتے ہوئے (جن میں عمامہ کا ہونا عین قرین قیاس ہے) ارشاد فرماتا کہ ”اعتموا“ اس بات کا عین ثبوت ہے کہ آپ لفظ اعتموا سے عمامہ باندھنے کا حکم فرما رہے ہیں۔ اگر بالفرض یہاں اعتموا سے عشا کی نماز مراد ہو تو پھر راقم الحروف حدیث کے ان دونوں ٹکڑوں کے درمیان کوئی ربط سمجھنے سے قاصر ہے، کیوں کہ کپڑے تقسیم فرمانے اور عشا کی نماز کے وقت کی فضیلت بیان کرنے میں بظاہر کوئی ربط نظر نہیں آتا۔

امام سیوطی نے جامع صغیر میں صرف ”احادیث قولیہ“ ذکر کرنے کا التزام فرمایا ہے، لہذا آپ نے حدیث کا پہلا جز (کپڑے تقسیم فرمانا) جس کا تعلق ”حدیث فعلی“ سے ہے، اس کو چھوڑ کر صرف وہ جز نقل فرمایا جو ”حدیث قولی“ ہے یعنی اعتموا الخ اب چونکہ جامع صغیر کی ترتیب ابواب و فصول پر نہیں ہے بلکہ حدیث قولی کے پہلے حرف کا اعتبار کرتے ہوئے حروف معجم کی ترتیب پر احادیث کو درج کیا گیا ہے لہذا اگر کسی حدیث کے کسی لفظ میں کوئی ایسا ابہام یا احتمال ہے جس کی بنیاد پر اس حدیث کے باب یا موضوع کے تعین میں دشواری ہو تو صرف جامع صغیر دیکھ کر حتمی طور پر یہ طے نہیں کیا جاسکتا کہ اس حدیث کا تعلق کس باب سے ہوگا، جامع صغیر کی اسی کمی کو پورا کرنے کے لیے امام علی بن حسام الدین چشتی برہان پوری المعروف ہامنی الہندی نے کتاب ”کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال“ تالیف فرمائی، جس میں امام سیوطی کی تین کتابوں جامع صغیر، جامع کبیر اور زیادة الجامع کی احادیث کو ابواب و فصول پر ترتیب دیا، ابواب و فصول کی یہ ترتیب گویا مذکورہ تین کتابوں میں موجود احادیث کی شرح کی منزل میں ہے۔ مصر کے بلند پایہ محدث اور ازہر شریف میں شعبہ حدیث کے پروفیسر علامہ عبدالمہدی عبد القادر کنز العمال کی اس خوبی کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

شریف میں شعبہ حدیث کے پروفیسر علامہ عبدالمہدی عبد القادر کنز العمال کی اس خوبی کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: جمع احادیث الجامع الصغیر وزوائدہ وبوبہا علی حسب الابواب الفقہیة، وتلك الابواب والفصول والتراجم بمنزلة الشرح للاحادیث۔ (ترجمہ: جامع صغیر کی احادیث کو جمع کیا اور پھر ابواب فقہیہ کے اعتبار سے ان کی تبویب کی، یہ ابواب، فصلیں اور تراجم احادیث کی شرح کی منزل میں ہیں۔) اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ اگر جامع صغیر کی کسی حدیث کے باب کے تعین میں اختلاف ہو تو اس کے تفسیر کے لیے کنز العمال سے رہنمائی لی جاسکتی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ جامع صغیر کی زیر بحث حدیث کو علامہ برہان پوری نے کنز العمال میں کس باب کے تحت درج کیا ہے؟ کنز العمال میں تیسرا باب لباس کے بیان میں ہے (الباب الثالث فی اللباس) اس باب میں دو فصلیں ہیں، پہلی فصل لباس کے آداب کے بیان میں ہے (الفصل الاول فی آدابہ) اس فصل میں چند فروع ہیں، ان میں ایک فرع کا عنوان ہے: "فرع فی العمامہ" اس فرع میں عمامہ کے متعلق چند احادیث درج کی گئی ہیں، جن میں پانچویں حدیث یہی زیر بحث حدیث ہے [۷] گویا صاحب کنز العمال کے نزدیک بھی عشا کے وقت سے اس حدیث کا کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ ان کے نزدیک بھی یہ حدیث عمامہ کے باب سے متعلق ہے۔

فاضل محترم نے جامع صغیر کی دو شروع (السراج المنیر للعزیزی اور فیض القدیور للمناوی) کا حوالہ بھی دیا ہے۔ مذکورہ دونوں شروع اس وقت ہمارے پیش نظر ہیں اور یہ درست ہے کہ ان میں اس لفظ کی تشریح اس کو "اعتام" سے مشتق مان کر کی گئی ہے، لیکن جامع صغیر کے ایک اور جلیل القدر شارح علامہ شہاب الدین ابوالعباس احمد بن محمد المستوبلی نے اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے اس کو عمامہ کے متعلق ہی تسلیم کیا ہے۔ آپ نے "الاستدراک النصیر" کے نام

سے جامع صغیر کی شرح فرمائی ہے، اس کا ایک نایاب مخطوطہ ازہر شریف کے کتب خانے میں محفوظ ہے، اس کے متعلقہ صفحے کی فوٹو کاپی ہمارے پیش نظر ہے، اس میں آپ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے: "قال اعتموا ای تعممو ای عنی البسوا العمامة قال خالفوا علی الامم الخ فیہ الامر بمخالفة من قبلنا حیث لم یرد فی شرعنا وان من قبلنا کانوا لا یعتمون وسببہ کما فی الشعب اتی النبی ﷺ بشیاب من الصدقة فقسما بین اصحابہ وقال اعتموا خالفوا فذکرہ وروی ابن عدی والبیہقی من طریق خالد بن معدان عن عبادة مرفوعاً علیکم بالعمائم فانها سیما الملائكة وارجوا لها خلف ظهورکم ولو قیل متن الحدیث جید بہذہ الطرق لم یبعد وفیہ ندب لبس العمامہ خصوصاً عند ارادة الصلاة ونحوها۔"

کیا اس واضح عبارت کے بعد بھی اب اس بات میں کوئی شبہ رہ جاتا ہے کہ اس حدیث کا تعلق عمامہ سے نہیں ہے۔ ان سب حوالوں سے قطع نظر اگر عربی لغت اور زبان کے محاورات کی رو سے اس معاملہ کا جائزہ لیا جائے تو بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ اس حدیث میں "اعتموا" سے عمامہ باندھنا ہی مراد ہے۔ اس لیے کہ "اعتم" کا معنی "صلی العشاء فی العتمة" (اس نے رات کی پہلی تہائی میں عشا کی نماز پڑھی۔) محل نظر ہے، بلکہ "اعتم" کا معنی "دخل فی العتمة" (وہ رات کی اول تہائی میں داخل ہوا۔) ہے، لغت کی معتبر کتاب مختار الصحاح میں ہے "اعتمنا من العتمة کما صبحنا من الصبح" خود فاضل محترم نے علامہ مناوی کی جو عبارت نقل فرمائی ہے اس میں بھی یہی ہے۔ "یقال اعتم الرجل اذا دخل فی العتمة کما یقال اصبح اذا دخل فی الصباح" لہذا اگر اول تہائی شب میں عشا کی نماز پڑھنے کا مفہوم ادا کرنا ہو تو صرف "اعتم" کافی نہیں ہوگا، بلکہ اس کے بعد "ب" حرف جر کے صلے کے ساتھ لفظ



اس کی بے شمار مثالیں دی جاسکتی ہیں، مثلاً امام احمد اپنی مسند میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "أَعْتَمَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِالْعِشَاءِ" مصنف عبد الرزاق میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے "أَعْتَمَ نَبِيُّ اللَّهِ ﷺ ذَاتَ لَيْلَةٍ بِالْعِشَاءِ" چونکہ عشا کی نماز کو بھی "العتمة" کہا گیا ہے، لہذا صحیح ابن حبان میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کے الفاظ یہ ہیں: "أَعْتَمَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِالْعِشَاءِ" دیکھا آپ نے جہاں بھی "عشا کی نماز اول تہائی شب میں ادا کرنے" کا مفہوم بیان کرنا مقصود ہوتا ہے تو وہاں صرف "أَعْتَمَ" کافی نہیں ہوتا بلکہ اس کے ساتھ عشا یا صلاۃ وغیرہ بھی لانا ضروری ہوتا ہے، فاضل محترم نے ابو داؤد شریف کی جو حدیث نقل فرمائی ہے اس میں بھی ترکیب کی یہی نوعیت ہے: "أَعْتَمُوا بِهَذِهِ الصَّلَاةِ" اس کے برخلاف جہاں صرف "أَعْتَمَ" ہوتا ہے، اس سے عشا کی نماز نہیں بلکہ رات کے تہائی حصے میں داخل ہونا مراد ہوتا ہے، مثلاً امام احمد اپنی مسند میں اور ابن خزیمہ اپنی صحیح میں سیدہ عائشہ صدیقہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "ان رسول اللہ ﷺ ذَاتَ لَيْلَةٍ حَتَّىٰ ذَهَبَ عَامَةُ اللَّيْلِ وَحَتَّىٰ نَامَ أَهْلُ الْمَسْجِدِ فَخَرَجَ لَصَلَّىٰ" اس حدیث پاک میں "أَعْتَمَ" بغیر صلے کے استعمال ہوا ہے لہذا یہاں اس سے عشا کی نماز نہیں بلکہ رات کے پہلے تہائی حصے میں داخل ہونا مراد ہے۔ اس پر قرینہ یہ ہے کہ اگر آپ اس "أَعْتَمَ" سے "صَلَّىٰ الْعِشَاءَ فِي الْعِتْمَةِ" مراد لیں تو حدیث کے آخری الفاظ "فَخَرَجَ لَصَلَّىٰ" بے معنی ہو کر رہ جائیں گے۔ ہمیں تلاش بسیار کے باوجود کوئی ایسی روایت نہیں مل سکی جس میں صرف "أَعْتَمَ" ہو اور وہاں عشا کی نماز اول تہائی شب میں پڑھنا مراد ہو۔ اب اس وضاحت کی روشنی میں اگر زیر بحث حدیث پر غور کیا جائے تو اس میں بھی لفظ "أَعْتَمُوا" حرف جار "ب" اور مجرور "عشا" یا "صلاۃ" کے بغیر آیا ہے اس لیے

عربی لغت اور محاورے کی رو سے یہاں "أَعْتَمُوا" سے "صَلُوا الْعِشَاءَ فِي الْعِتْمَةِ" مراد لینا درست معلوم نہیں ہوتا، لہذا یہاں "أَعْتَمُوا" نہیں بلکہ "أَعْتَمُوا" پڑھنا درست ہونا چاہیے، کیونکہ "أَعْتَمُوا" بغیر کسی صلے کے عمامہ باندھنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

ان تمام دلائل کے بعد بھی ہم یہ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتے کہ "علامہ مناوی اور علامہ عزیزی نے اس حدیث کی غیر معتبر توجیہ کی ہے"، کیوں کہ ممکن ہے ان حضرات کے پاس اس توجیہ کی کوئی ایسی وجہ ترجیح ہو جس تک ہماری ناقص نگاہ نہیں پہنچ پارہی ہے۔

ہم نے ابتدا میں ذکر کیا تھا کہ فاضل محترم نے اس حدیث سے عمامہ مراد ہونے کو پانچ وجوہ سے باطل کیا ہے، ان پانچوں وجوہ پر بھی گفتگو ہو سکتی ہے، مگر ان جلیل القدر ائمہ فن کی تصریحات اور لغت کی شہادت کے بعد اب ہمارے خیال میں ان وجوہ پر بحث کرنے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی۔"

(جام نور دسمبر ۲۰۰۶ء)

(۵)

حدیث میں ہے کہ "عنقریب میری امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی جن میں سے ایک فرقہ نجات یافتہ ہوگا باقی تمام فرقے جہنمی ہوں گے۔"

"امت" کی دو قسمیں ہیں: (۱) امت دعوت (۲) امت اجابت۔ اسی طرح جہنمی بھی دو طرح کے ہوں گے۔ (۱) جو ہمیشہ ہمیش جہنم میں رہیں گے۔ (۲) جو جہنم میں اپنے کیے کی سزا پا کر بالآخر اس سے نکل آئیں گے۔ اکثر شارحین حدیث نے اس حدیث کے تحت لفظ "امت" سے مراد "امت اجابت" لے کر "جہنمی" کے تعلق سے بڑی بحثیں کی ہیں۔ جن حضرات کے نزدیک یہاں جہنمی سے مراد ہمیشہ ہمیش کے لیے جہنم میں رہنا ہے، ان کے نزدیک جو حضرات دعویٰ ایمان کے ساتھ کفر کے مرتکب ہیں جیسے شیعوں کا وہ طبقہ جو قرآن کو ناقص مانتا ہے، وہابیوں کا وہ طبقہ جو حضور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کے پیدا ہونے کو شرعاً ممکن بتاتا ہے، وغیرہ وغیرہ، وہ

امت اجابت میں ہونے کے باوجود ہمیشہ ہمیش جہنم میں رہیں گے۔ اور جن حضرات کے نزدیک یہاں جہنمی سے مراد ”جہنم میں اپنے کیے کی سزا پا کر اس سے نکل آئیں گے۔“ ہے، ان کے نزدیک دعویٰ ایمان کے ساتھ کفر کا ارتکاب کرنے والے امت اجابت میں داخل ہی نہیں رہتے ہیں، امت اجابت سے نکل کر امت دعوت میں داخل ہو جاتے ہیں۔ شارحین کے اس اختلاف سے ایک نیا اختلاف رونما ہوتا ہے کہ حدیث پاک میں جن بہتر فرقوں کی پیشین گوئی فرمائی گئی ہے، آیا وہ بہتر فرقے کفار و مرتدین کے ہیں یا صرف اہل بدعت اور گمراہوں کے؟ اول الذکر حضرات اس بات کے قائل ہیں کہ وہ ہمیشہ ہمیش جہنم میں ہوں گے اور موخر الذکر حضرات اس بات کے قائل ہیں کہ وہ اپنے کیے کی سزا پا کر جہنم سے نکل آئیں گے۔

بلاشبہ ہر فریق کے پاس اپنے موقف پر دلائل ہیں، اس لیے کسی بھی موقف کو بالکل غلط و باطل نہیں کہا جاسکتا ہے، البتہ راجح و مرجوح کی بات الگ ہے۔ محقق دوانی، امام ربانی مجدد الف ثانی، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، مولانا عبدالحلیم، مولانا محمد نعیم، مولانا عبدالحق فرنگی محلی، مولانا انوار اللہ فاروقی، اس بات کے قائل ہیں کہ حدیث پاک میں جن بہتر فرقوں کے جہنمی ہونے کی پیشین گوئی فرمائی گئی ہے، وہ بہتر فرقے ہمیشہ ہمیش جہنم میں نہیں رہیں گے، بلکہ اپنے کیے کی سزا پا کر جہنم سے نکل آئیں گے۔ چنانچہ مکتوبات امام ربانی جلد سوم صفحہ ۶۷ مطبع نول کشور لکھنؤ مکتوب نمبر ۶ میں ہے:

”باید دانست کہ مراد از قول آں سرور علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ و السلام کہ در حدیث تفریق ایں امت بہ ہفتاد و دو فرقہ واقع شدہ است کلہم فی النار الا واحدا دخول شان است در نار و مکلف شان است در عذاب آں، نہ خلود در نار و دوام در عذاب آں کہ منافی ایمان است و مخصوص بکفار است۔“ جاننا چاہیے کہ سرور عالم ﷺ کہ ارشاد مبارک کلہم فی النار الا واحدا جو حدیث افتراق امت میں آیا ہے اس سے مراد ان کا جہنم میں داخل ہونا اور عذاب میں کچھ وقت گزارنا ہے نہ کہ خلود فی النار اور عذاب میں ہمیشہ رہنا، جو ایمان کا منافی اور کفار کے ساتھ مخصوص ہے۔“

مولانا عبدالحق کے مجموعہ فتاویٰ ۱/۸۹ مطبع یوسفی ۱۳۱۲ھ میں ہے: ”کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جو حضرت رسول مقبول ﷺ نے فرمایا تھا کہ بعد میرے امت میری کے بہتر فرقے ہو جائیں گے، ایک ناجی اور سب ناری ہوں گے۔ آیا ناری سے مراد کفار ہیں یا مسلمان فاسقان؟ کہ بہ سبب عصیاں کے دوزخی ہو جائیں گے۔ بعضے کہتے ہیں کہ سب اہل ہوا کافر ہیں، ایک فرقہ مسلمان ہے جس کو اہل سنت و الجماعت کہتے ہیں۔“

الجواب: کتب عقائد اور فقہ میں اس طرح لکھا ہے کہ بہتر فرقے جو اہل ہوا ہیں ایک بھی کافر نہیں۔

اس فتوے کی تصدیق کرتے ہوئے مولانا محمد نعیم فرنگی محلی لکھتے ہیں: فی الواقع حدیث افتراق امت میں ناری سے مراد مسلمین فاسقین ہیں، شامت عصیاں سے دوزخ میں جاویں گے۔“ اس موقف پر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ بہتر فرقے اگر جہنم سے نکل آئیں تو پھر اہل سنت کے وہ افراد جو اپنے گناہوں کے سبب جہنم میں جائیں گے اور ان جہنمی فرقوں میں فرق کیا ہوگا؟ حضرت محقق دوانی شرح عقائد جلالیہ صفحہ ۱۴ مطبع علویہ لکھنؤ ۱۲۷۰ھ میں اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

”کلہا فی النار من حیث الاعتقاد فلا یرد انہ لو ارید الخلود فیہا لہو خلاف الاجماع فان المؤمنین لا یخلدون فی النار و ان ارید بہ مجرد الدخول فہو مشترک بین الفرق اذ مامن فرقة الا و بعضهم عصاة بہتر فرقے عقیدے کے اعتبار سے دوزخی ہوں گے، لہذا یہ اعتراض نہیں ہوگا کہ مسلمان بالا جماع ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہیں گے۔ اور اگر اس سے مراد جہنم میں جا کر اپنے کیے کی سزا پا کر نکل آنا ہے تو یہ بات تمام فرقوں میں مشترک ہے، کیوں کہ ہر فرقے میں کچھ نہ کچھ گناہ گار ضرور ہیں۔“

حاشیہ میں مولانا عبدالحلیم فرنگی محلی فرماتے ہیں

”وجہ عدم الورد انا نختار الشق الثانی ای مجرد الدخول فی النار و لا نسلم انہ مشترک بین الفرق

فان دخول الفرق الهالكة في النار من حيث الاعتقاد، و افراد الفرقة الناجية وان تدخل في النار لكنهم لا يدخلون من حيث الاعتقاد بل ان دخلوا فمن حيث العمل - اعتراض اس لیے نہیں پڑے گا کہ ہم دوسری شق یعنی جہنم میں جا کر اپنے کیے کی سزا پانے کے بعد نکل آنا مراد لیتے ہیں لیکن یہ تسلیم نہیں کہ یہ بات تمام فرقوں میں مشترک ہے؛ اس لیے کہ ہلاک ہونے والے فرقوں کا جہنم میں جانا ان کے عقائد کی وجہ سے ہوگا اور فرقہ ناجیہ کے افراد اگر دوزخ میں جائیں گے تو عقائد کی وجہ سے نہیں، عمل کی وجہ سے جائیں گے۔“

شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی شرح سفر السعادة صفحہ ۱۹۷ افضل المطابع کلکتہ ۱۲۵۲ھ میں فرماتے ہیں:

”مراد بدخول نار و نجات ازاں بجہت عقیدہ است نہ عمل، والا دخول فرقہ ناجیہ در نار بجزائے عمل نیز جائز است۔ ایں فرق ہمہ اہل قبلہ اند و تکفیر آ نہا مذہب اہل سنت و جماعت نہ، اگرچہ کفر بر آ نہا لازم آمد۔“

ان فرقوں کے جہنم میں داخل ہونے اور اس سے نجات پانے سے مراد یہ ہے کہ وہ عقیدے کی وجہ سے جہنم میں جائیں گے عمل کی وجہ سے نہیں۔ ورنہ عمل کی وجہ سے فرقہ ناجیہ کا بھی جہنم میں جانا ممکن ہے۔ یہ تمام فرقے اہل قبلہ ہیں، مذہب اہل سنت کے مطابق ان کی تکفیر نہیں ہوگی، اگرچہ ان پہ کفر لازم آتا ہو۔“

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فتاویٰ عزیز یہ صفحہ ۲۶/۲۵ مطبع مجتہائی دہلی ۱۳۱۱ھ میں فرماتے ہیں:

علمائے شش جواب ازیں شبہ نوشتہ اند کہ در شرح عقائد ملا جلال و حواشی آں مذکور و مسطور اند۔ و منتخب اجوبہ مذکورہ سے جواب است۔ جواب اول کہ ارنج و اقوی ست جواب محقق دوانی است کہ باختیار شق ثانی جواب دادہ اند۔ حاصلش آں کہ مراد دخول است من حیث الاعتقاد فرقہ ناجیہ را اصلاً از جہت اعتقاد دخول نار نخواہد شد، اگرچہ از جہت تفسیرات عمل در نار داخل شوند۔“

علمائے اس شبہ کے پانچ چھ جوابات دیے ہیں، جو شرح عقائد ملا جلال اور اس کے حواشی میں مذکور ہیں۔ ان جوابات میں سے تین جواب منتخب ہیں۔ پہلا جواب جو سب سے زیادہ راجح اور قوی ہے، وہ محقق دوانی کا جواب ہے جو انہوں نے شق ثانی کو اختیار کر کے دیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ دخول من حیث الاعتقاد مراد ہے اور فرقہ ناجیہ اعتقاد کی وجہ سے جہنم میں نہیں جائے گا، اگرچہ عمل میں کوتاہی کی وجہ سے دوزخ میں جائے۔“

امام احمد رضا نے بھی فتاویٰ رضویہ ج ۶ ص ۲۲۷ تا ۲۲۸ میں مندرج رسالہ سبطن السبوح کے تازیانہ ۱۱، ۱۲، ۱۳ کے تحت تکمیل جمیل میں شاہ اسماعیل دہلوی کا رد کرتے ہوئے یہی موقف اپنایا ہے، فرماتے ہیں:

اقول: اوجھونی نظیروں سے بے چارے عوام کو چھلنے والے! اس تفرقہ کی سچی نظیر دیکھ: مسلمان کو، اہل بدعت کے بہتر فرقے پورے گنا کر کہتے: رافضی، وہابی، خارجی، معتزلی، جبری، قدری، ناصبی وغیرہ نہیں تو بے شک اس کی بڑی تعریف ہوئی اور بعینہ یہی کلمات کسی کافر کے حق میں کہیے تو کچھ تعریف نہیں۔ حالاں کہ یہ سالبہ قضیے دونوں جگہ قطعاً صادق۔ تو کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ مسلمان باوجود قدرت رافضی، وہابی ہونے سے بچا، لہذا محمود ہوا۔ اور اس کافر کو رافضی، وہابی ہونے پر قدرت ہی نہ تھی لہذا مدح نہ ٹھہرا؟ کوئی جاہل سا جاہل یہ فرق نہ سمجھے گا بلکہ تفرقہ وہی ہے کہ جب یہ فرقے اہل قبلہ کے ہیں تو مسلمان کے حق میں ان بہتر کی نفی، سنی ہونے کا اثبات کرے گی، لہذا اعظم مدائح سے ہو اور کافر سرے سے مقسم یعنی کلمہ گوہی سے خارج، تو ان کی نفی سے کسی وصف محمود کا اس کے لیے اثبات نہ نکلا، و لہذا مفید مدح نہ ٹھہرا۔“

مولانا سیدالحق نے بھی اپنی کتاب ”حدیث افتراق امت“ میں اسی موقف کو راجح قرار دیتے ہوئے اختیار کیا ہے، لکھتے ہیں: ”گزشتہ صفحات میں ہم نے زیر بحث حدیث میں ”فی النار“ سے دخول فی النار مراد لینے کے لیے اکابر علمائے اہل سنت

کے حوالے پیش کیے تھے، لہذا ہم بھی..... کے دامن میں پناہ لیتے ہوئے یہاں ”فی النار“ سے ”دخول فی النار“ مراد لینے ہی کو ترجیح دیتے ہیں۔“

(۶)

دو سال پہلے میں نے بنگال کے اپنے ادارہ میں آل بنگال مدارس کے طلبہ کا اردو، عربی، انگریزی اور بنگلہ زبانوں میں مختلف عناوین پر تحریری و تقریری مسابقہ کرایا تھا، جس میں حج کی حیثیت سے شہید موصوف بھی تھے۔ مسابقہ کے اختتام پر انہوں نے اپنی تقریر میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے تعلق سے جو کچھ کہا تھا اس کی یاد آج بھی سامعین کے ذہنوں میں تازہ ہوگی اور میری معلومات کی حد تک کسی نے بھی اعلیٰ حضرت سے متعلق اس طرح کی بات نہیں کہی ہے۔ انہوں نے کہا تھا:

”حضرات! سو سال پہلے میرے جد امجد کی پٹنہ کانفرنس میں بزبان اردو فرمائی ہوئی بات کی صدائے بازگشت آج یہاں کے طلبہ کی اردو کے ساتھ عربی، انگریزی اور بنگلہ کی تحریروں اور تقریروں میں پا کر میں بے حد مسرور ہوا۔..... اعلیٰ حضرت مجدد تھے تو اس کا ادراک سب سے پہلے میرے ہی جد امجد کو ہوا اور انہوں نے ہی دنیا کو اس سے باخبر کیا۔..... اعلیٰ حضرت اس لیے اعلیٰ حضرت نہیں تھے کہ انہوں نے ڈھیر ساری کتابیں لکھیں، ڈھیر ساری کتابیں تو بہت سے لوگوں نے لکھی ہیں مگر ان کو اعلیٰ حضرت کوئی نہیں کہتا۔ اعلیٰ حضرت کی ڈھیر ساری کتابیں نہیں ہوتیں، صرف الفضل

الموہبی، اجلی لا اعلام ان الفتویٰ مطلقاً علی قول الامام اور آداب التخريج یہ تین کتابیں ہی ہوتیں تو بھی ان کے اعلیٰ حضرت ہونے کے لیے کافی تھیں۔“

(۷)

عراق کے نامور ادیب و شاعر اور محقق و ناقد جناب ڈاکٹر رشید عبدالرحمن عبیدی نے ”قصیدتان رائعتان“ مصنفہ امام احمد رضا پر ”شاعر من الہند“ کے عنوان سے تحقیقی کام کیا تو جہاں انہوں نے اس کے محاسن کا کھلے دل سے اعتراف کیا، وہیں اپنی سمجھ کے مطابق کچھ نحوی، لغوی اور عروضی خامیوں کی بھی نشان دہی کی تو ہم خواجہ تاشان

رضویت ہزار دعوائے عقیدت کے باوجود کچھ نہ کر سکے اور اسی شہید بغداد نے بڑھ کر امام احمد رضا کی محبت کا حق ادا کیا اور ”قصیدتان رائعتان“ کا اردو ترجمہ اپنے ایک شاگرد سے کرا کر اس پر ایک طویل مقدمہ لکھا، جس میں ان قصائد کی موضوعاتی، فکری، عروضی محاسن کو دکھاتے ہوئے ڈاکٹر رشید عبدالرحمن عبیدی کے اعتراضات کی حقیقت واضح کی ہے اور حوالوں میں علم اللغات، علم العروض اور علم النحو کی معتمد و مستند کتابوں کے ساتھ ساتھ عرب کے نامور شعرا امر القیس، ابوالتمام اور داعی النمیری وغیرہ کے اشعار پیش کر کے ثابت کر دیا ہے کہ یہ اعتراضات دراصل عراق کے اس نامور ادیب و شاعر اور محقق و ناقد جناب ڈاکٹر رشید عبدالرحمن عبیدی کی امام احمد رضا کے مدارک علمی تک نارسائی کا نتیجہ ہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ مولانا اسید الحق کی تحریر و تقریر اور گفتار و کردار سے یہ بات کہیں دور دور تک نظر نہیں آتی کہ انہیں امام احمد رضا قادری بریلوی یا خانوادہ رضویہ سے کسی طرح کا کوئی تعصب ہو۔ وہ مثبت فکر و مزاج کے حامل ایک علمی اور عملی انسان تھے اور ہر علمی اور عملی آدمی کو پسند کرتے تھے، اس لیے ان سے یہ بہت بعید تھا کہ تعصب، عناد، فتنہ پروری اور نفاق جیسے سفلی جذبات ان کو چھو کر بھی گزرتے۔ اس بات سے ان کا قد اور بھی بلند ہو جاتا ہے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کے بعض نادان دوست ان پر تحریر و تقریر میں اوچھے حملے بھی کیا کرتے تھے، لیکن مولانا موصوف ایسی مذہبی حرکتوں کے رد عمل میں ہمیشہ خاموش ہی رہے اور کبھی بھی جواب آں غزل کا رنگ اختیار نہیں کیا۔ وہ ہر صورت میں جماعت میں اتحاد چاہتے تھے اور وہ اس کے لیے ہر قیمت ادا کرنے کو ہمہ وقت تیار رہتے تھے۔

□□□

☆ بانی و مہتمم: جامعہ نور، شام پور، رائے گنج، ضلع اتر دیناج پور (بنگال)

email: mmr1zvl@gmail.com

© اپریل ۲۰۱۳ء ©

267

© عالم ربانی ممبر ©



## مولانا اسیدالحق قادری اور جام نور

### جام نور کی نشاۃ ثانیہ

اپنے بڑے بزرگوں سے سنا، پڑھا اور خود کا بھی اعتراف ہے کہ ماضی قریب میں جماعت اہل سنت میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری کی شخصیت رہبر و رہنما کی حیثیت سے تسلیم کی گئی اور آج بھی تسلیم کی جاتی ہے، لیکن افسوس کے ساتھ لکھنا پڑتا ہے کہ عمومی طور پر اعلیٰ حضرت سے جماعت کا لگاؤ جذباتی اور رسمی ہی رہا، حقیقی، واقعی اور معنوی لگاؤ سے جماعت کو سوں دور ہی رہی۔ میرے اس دعوے کی دلیل یہ ہے کہ کم از کم اعلیٰ حضرت نے فروغ اہل سنت کے لیے جو دس نکاتی پروگرام مرتب کیا تھا، اس پر ہوشمندوں کی ایک چھوٹی سی تعداد کو چھوڑ کر عام طور سے جماعت نے عمل نہیں کیا۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت ساری باتوں میں جماعت نے اعلیٰ حضرت کی علمی، تحقیقی، تہذیبی اور اجتہادی روش کو نہ سمجھنے کی وجہ سے یا سمجھنے کے باوجود دیدہ و دانستہ اپنے ذاتی مفادات کے پیش نظر اپنی ایک الگ ڈگر بنائی جو عند تحقیق 'روش رضا' سے لگا نہیں کھاتی۔ یہی بات ایک لمبے عرصے سے جماعت کی نوجوان نسلوں کو ستا رہی تھی جس کا شدید احساس خاص طور سے مدیر جام نور محترم مولانا خوشتر نورانی کو ہوا اور اس خاص احساس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کی رگوں میں جماعت کی عبقری شخصیت رئیس القلم علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ کا خون دوڑ رہا ہے اور آپ کی آنکھوں میں جماعت کے لیے علامہ کے دیکھے ہوئے خواب سجے ہوئے ہیں۔ اسی احساس کے پیش نظر مولانا خوشتر نورانی نے اکتوبر ۲۰۰۲ء میں جام نور کی نشاۃ ثانیہ کی۔

جام نور کے سوئس شمارے میں رسالہ ہذا کی نشاۃ کے تعلق سے مدیر محترم نے ادارہ میں "چند سوالات پوری توانائی کے ساتھ اپنے جوابات کے منتظر تھے، وہ یہ ہیں" کے ذیل میں جو باتیں لکھی ہیں، آپ کو ان میں اعلیٰ حضرت کے دس نکاتی پروگرام کی ہی ہادگشت سنائی دے

گی۔ یہ اور بات ہے کہ اسلوب منفرد اور خوشترانہ ہے۔ مزید اطمینان کے لیے محولہ بالا ادارہ پڑھ سکتے ہیں۔ آغاز نشاۃ یعنی اکتوبر ۲۰۰۲ء سے جام نور مسلسل جماعت کے فکری رویوں میں تبدیلی لانے کی مثبت کوشش کر رہا ہے، ہر جہت سے جماعت میں فراموش کردہ اسلامی انقلاب لانے کی دعوت دے رہا ہے اور ہر جگہ کہنے سے زیادہ کرنے کا پیغام پہنچا رہا ہے۔ جام نور کا یہ سلسلہ جاری ہے اور دعا ہے کہ یہ جام صدیوں تک جماعت کے میخانوں میں پلایا جاتا رہے۔

### علامہ اسیدالحق قادری اور جام نور

روز آغاز سے "بھٹکے ہوئے آہو کو سوائے حرم لے چل" ماہ نامہ جام نور کی پالیسی رہی جس سے مدیر جام نور کے دیرینہ رفیق، ممتاز ناقد و محقق، شہید بغداد، عالم رہانی، علامہ اسیدالحق عاصم قادری عثمانی بدایونی علیہ الرحمہ، بخوبی واقف تھے، بلکہ ایک حد تک اس پالیسی کے وضع میں خود علامہ عاصم قادری بھی شریک تھے، جسے مولانا خوشتر نورانی صاحب بہتر طور پر بتا سکتے ہیں اور اگر شریک نہیں تھے تو اس پالیسی سے انہیں پورا اتفاق تھا جو شریک ہونے کے برابر ہے۔ اسی پالیسی کے پیش نظر اور پھر خود اپنی عقابانی فکر کے باعث علامہ اسیدالحق محمد عاصم قادری شروع ہی سے جام نور کے صفحات پر قارئین کے روبرو بہت کم نالہ درد اکثر دوائے دل جیسے وہ مقالات / خیالات / تنقیدات / مکتوبات / منظومات لے کر حاضر ہوئے جن سے خصوصاً اہل سنت کے قارئین کی فکر و نظر کو نئی جلا ملی، نئے گوشے دکھے، نئی سمتیں سوچیں اور زبان و ادب کے صحیح معیار معلوم ہوئے۔

علامہ عاصم قادری کی ان تمام کوششوں کے پیچھے جماعت کی عظمت رفتہ کی، بحالی کے عوامل ہی کار فرما تھے، نہ کہ وہ ان سے اپنے ہالیائی معلوماتی ذہن اور اپنی قلبی و فکری بصیرت کا جماعت سے اعتراف

کر دانا چاہتے تھے، بلکہ درحقیقت وہ مخلصانہ اپنے اسلاف کے نقش قدم پر گامزن تھے اور جماعت اہل سنت کے اکابرین کی علمی، فقہی، تحقیقی، تہذیبی، تجدیدی، دعوتی، اصلاحی، عملی اور سماجی طرز کی پیروی کر رہے تھے، جس سے پوری جماعت کو بالعموم اور نئی نسل کو بالخصوص یہ درس دے رہے تھے کہ تقریباً ایک صدی پہلے اگر ہندوستان بھر میں جماعت اہل سنت کے وابستگان کی تعداد ۹۰ یا ۹۵ فی صد تھی تو اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ اس دور کے ہر فرد کا بردین و دعوت، علم و عمل، فکر و بصیرت، فقہ و فتاویٰ، عقیدہ و کلام، قرآن و علوم قرآن، حدیث و رجال، تصوف و اخلاق، تاریخ و سیر، نقد و نظر، شعر و سخن، زبان و ادب کے خود جلوہ ریز و نور بیز پیکر جمیل تھے نہ کہ صرف پدم سلطان بوڈ کے نام نہاد علمبردار۔ اس لیے اگر وہی پرانے دن لوٹانے ہیں تو پھر اسی قدیم تعمیری طرز کی باخلاص پیروی کرنی ہوگی، یہ اور بات ہے کہ شراب کہن در جام نو کا اصول اپنانا ہوگا۔ اس فکر کے ساتھ جام نور کا آغاز ہوا اور جلد ہی اس فکر نے جام نور کے پلیٹ فارم سے تحریک کی شکل اختیار کر لی۔ اس تحریک کے قائدین میں علامہ اسید الحق سرفہرست تھے، انھوں نے اس پلیٹ فارم سے اس فکر کو عام کرنے کے لیے اور امت کی فکری اور علمی تشکیل نو کے لیے مسلسل لکھنا شروع کیا، بلکہ اگر یہ کہوں تو غلط نہیں ہوگا کہ انھوں نے تعلیم سے فراغت کے بعد ”جام نور“ کے علاوہ کسی دوسرے رسالے کے لیے مستقل، مسلسل اور خصوصی طور پر کچھ نہیں لکھا۔ جام نور میں انہی مضامین اور مقالات کی اشاعت سے ان کی شہرت کا آفتاب نصف النہار پر پہنچ گیا۔ خود علامہ عاصم قادری کے بقول جامعہ ازہر، مصر جانے سے پہلے وہ اردو میں خوب لکھتے تھے جو انہی کی خانقاہ سے جاری ماہ نامہ ”منظہر حق“ میں شائع ہوتے تھے، مصر جانے کے بعد اردو میں لکھنے کا سلسلہ منقطع ہو گیا اور حواس پر عربی سوار ہو گئی، البتہ جام نور کے مدیر مولانا خوشتر نورانی کے کافی اصرار پر انہوں نے اردو میں دوبارہ لکھنا شروع کیا اور پھر پوری جلوہ سامانی کے ساتھ لکھتے گئے۔

سب سے پہلے جام نور، مئی ۲۰۰۳ء میں ان کی ایک نظم ”نالہ درد“ کے عنوان سے شائع ہوئی اور آخری تحریر شرح قصیدتان را ائتان: ایک تنقیدی مطالعہ، اکتوبر، نومبر، دسمبر ۲۰۱۳ء کے شمارے میں قسط وار چھپی۔ یہاں علامہ بدایونی کے اُن مضامین، مقالات اور نظموں کی

فہرست دی جا رہی ہے جو جام نور میں شائع ہوئے۔ اس فہرست میں ممکن ہے کہ کوئی مقالہ شمار میں آنے سے رہ گیا ہو، جسے میری ناقص تلاش کا نتیجہ سمجھا جائے۔

- ۱- تصویر کا ایک رخ (اپریل، ۲۰۰۴ء) ۲- ابوریحان البیرونی (جون، ۲۰۰۴ء) ۳- دعوت و تبلیغ کے لیے خانقاہی نظام کتنا موثر ہے؟ (جون، ۲۰۰۴ء) ۴- عربی اور اردو محاورات کا تقابلی جائزہ (جولائی، ۲۰۰۴ء) ۵- ہم نامی کا مغالطہ (اگست، ۲۰۰۴ء) ۶- مصنف ابن ابی شیبہ اور فقہ حنفی (ستمبر، ۲۰۰۴ء) ۷- آج اہل خانقاہ کی نئی نسل تعلیم سے دور کیوں ہے؟ (دسمبر، ۲۰۰۴ء) ۸- فضیلۃ الشیخ السید محمد علوی الماکنبی: ایک تاثر (جنوری، ۲۰۰۵ء) ۹- دوستی کا ہاتھ (نظم) (جنوری، ۲۰۰۵ء) ۱۰- الحاد سے ایمان تک (فروری تا مارچ، ۲۰۰۵ء) ۱۱- حدیث افتراق امت: تحقیقی مطالعے کی روشنی میں (مئی تا اگست، ۲۰۰۵ء) ۱۲- تلاش عظمت رفتہ: خانوادہ عثمانیہ بدایوں کی آٹھ سو سالہ زریں تاریخ کے پس منظر میں (ستمبر، ۲۰۰۵ء) ۱۳- نزول کے اعتبار سے قرآن کی آخری آیت (اکتوبر، ۲۰۰۵ء) ۱۴- متن حدیث کی بازیافت (نومبر، ۲۰۰۵ء) ۱۵- تبرک بالآثار کے خلاف ایک روایت کا علمی جائزہ (دسمبر، ۲۰۰۵ء) ۱۶- نماز میں رفع الیدین کے مسئلہ پر ایک دلچسپ مباحثہ (جنوری، ۲۰۰۶ء) ۱۷- یوسف القرضاوی اور جماعت سلفیہ (فروری، ۲۰۰۶ء) ۱۸- ائمہ مجتہدین پر ترک حدیث کا الزام (اپریل، ۲۰۰۶ء) ۱۹- جماعت اہل سنت کا حقیقی تعارف کیا ہے؟ (مئی، ۲۰۰۶ء) ۲۰- جماعت سلفیہ کے لیے دعوت فکر (جون، ۲۰۰۶ء) ۲۱- قرآن کریم کی سائنسی تفسیر: ایک تنقیدی مطالعہ (اگست تا نومبر، ۲۰۰۶ء) ۲۲- فتاویٰ رضویہ کی عبارت پر ایک شبہ اور اس کا ازالہ (دسمبر، ۲۰۰۶ء) ۲۳- کیا موجودہ تصوف خالص اسلامی ہے؟ (جون تا جولائی، ۲۰۰۷ء) ۲۴- مجاہد آزادی مولانا فیض احمد بدایونی (اگست، ۲۰۰۷ء) ۲۵- اب انہیں ڈھونڈھ چراغ رخ زیبائے کر (اکتوبر، ۲۰۰۷ء) ۲۶- تحفظ توحید کے نام پر کتب اسلاف میں تحریف (دسمبر، ۲۰۰۷ء) ۲۷- پروفیسر ایوب قادری کی سخن گسٹری سخن فہمی کے تناظر میں (فروری، ۲۰۰۸ء) ۲۸- کشف الظنون: ایک تحقیقی مطالعہ (جون، ۲۰۰۸ء) ۲۹- احادیث قدسیہ: ایک تحقیقی جائزہ (نومبر، ۲۰۰۸ء) ۳۰- ہم نامی کا مغالطہ (نومبر، ۲۰۰۸ء) ۳۱- سیدنا

شاہ ابوالحسین احمد نوری کی بارگاہ میں حاضری (دسمبر، ۲۰۰۸ء) ۳۲- لیبیک  
 اللہم لیبیک (فروری، ۲۰۰۹ء) ۳۳- تشہد کے سلسلے میں ایک مغالطے کا  
 تحقیقی جائزہ (مارچ، ۲۰۰۹ء) ۳۴- مطبوع اہل سنت و جماعت بریلی: تاریخی  
 پس منظر (مئی، ۲۰۰۹ء) ۳۵- دینی کام کے معنی اور تقاضے کیا ہیں؟  
 (جولائی، ۲۰۰۹ء) ۳۶- سرور کائنات امت کے احوال سے باخبر ہیں  
 (اگست، ۲۰۰۹ء) ۳۷- مولانا ابوالکلام آزاد کا تسامح (اکتوبر، ۲۰۰۹ء)  
 ۳۸- دہر میں اسم محمد سے اجالا کر دے (اپریل، ۲۰۱۰ء) ۳۹- شمس مارہ و  
 اور رسالہ آداب السالکین (جون، ۲۰۱۰ء) ۴۰- شادام از زندگی خورشید  
 کارے کر دم (ستمبر، ۲۰۱۰ء) ۴۱- تقریروں میں موضوع روایات ایک  
 لمحہ فکریہ (اکتوبر و نومبر، ۲۰۱۰ء) ۴۲- فضل حق، فضل رسول اور آزرده  
 (دسمبر، ۲۰۱۱ء) ۴۳- خانوادہ خیر آبادی کی اہل علم خواتین (جولائی، ۲۰۱۱ء)  
 ۴۴- علامہ فضل حق خیر آبادی کے بارے میں بعض بے بنیاد روایتیں  
 (اگست، ۲۰۱۱ء) ۴۵- علامہ فضل حق خیر آبادی: ایک تحقیقی جائزہ (ستمبر،  
 ۲۰۱۱ء) ۴۶- علامہ فضل حق خیر آبادی اور شاہ اسماعیل دہلوی (اکتوبر،  
 ۲۰۱۱ء) ۴۷- عربی محاورات و تعبیرات: ایک جائزہ (نومبر، ۲۰۱۱ء) ۴۸-  
 سند المتکلمین مولانا حیدر علی فیض آبادی (جون، ۲۰۱۲ء) ۴۹- فرزدق  
 تمیمی کا قصیدہ میمہ: ایک تحقیقی مطالعہ (اگست، ۲۰۱۲ء) ۵۰- خانوادہ  
 قادریہ بدایوں اور خانوادہ علمیہ: تعلقات و روابط (جنوری، ۲۰۱۳ء)  
 ۵۱- قصیدہ بانٹ سعاد: ایک تحقیقی مطالعہ (فروری و مارچ، ۲۰۱۳ء)  
 ۵۲- مولانا عبدالحمید بدایونی اور تحریک تحفظ گنبد خضریٰ (اپریل، ۲۰۱۳ء)  
 ۵۳- شمس مارہرہ اور سراج الہند: علمی و روحانی روابط (مئی، ۲۰۱۳ء)  
 ۵۴- تو کجا بہر تماشہ می روی (نومبر، ۲۰۱۳ء) ۵۵- شرح قصیدتان  
 رائعتان: ایک تنقیدی مطالعہ (اکتوبر تا دسمبر، ۲۰۱۳ء)۔

یہ وہ پیش بہا فکر انگیز و ملت ساز مقالات و نگارشات و منظومات  
 ہیں جنہیں ہماری جماعت میں موضوع قلم و سخن بنانا تو دور کی بات سوچا  
 بھی نہیں جاتا تھا۔ اس سے پہلے تو ہم (باستثنائے بعض) صرف ثبوت  
 میلاد، فاتحہ، قیام، عرس، نذر و نیاز، چادر وغیرہ پر خامہ فرسائی کرتے  
 تھے جو کہ جماعت کا صرف ایک مباحی و استجابی گوشہ تھا نہ کہ فرضی و واجبی  
 ذمہ داری اور اس پر مستزاد یہ کہ ہم اپنی ان مبارک تحریروں کو ہمدوش ثریا  
 گردانتے تھے۔ خدا مولانا اسید الحق قادری کے درجات ہزاروں ہزار

بلند فرمائے کہ انہوں نے ہماری آنکھیں کھول دیں اور ہمیں لکھنے پڑھنے  
 کا صحیح شعور عطا کر دیا۔ ان کے علاوہ مدیر جام نور مولانا خوشتر نورانی کے  
 پیہم اصرار پر علامہ عاصم قادری نے جام نور میں اپریل ۲۰۰۵ء سے دسمبر  
 ۲۰۰۶ء تک ”خامہ تلاشی“ کے عنوان سے جو کالم لکھے اس کی مثال مذہبی  
 صحافت میں عنقا ہے۔ خوشتر صاحب کے بقول:

”اس کالم نے خامہ تلاشی کی فکر و نظر کی برنائی، منفرد اسلوب تحریر،  
 طرافت اور نقد و بحث کے اعلیٰ معیار کی وجہ سے مذہبی صحافت  
 کی تاریخ میں مقبولیت اور اثرات کا نیار یکار ڈ قائم کیا۔“

(ماہ نامہ جام نور، سواں شمارہ، ادارہ، ص: ۸)

”خامہ تلاشی“ کی بے انتہا مقبولیت کے وجوہات بقول حضرت  
 سید محمد اشرف قادری مارہروی، یہ تھے:

” (خامہ تلاشی کا) گہرا علم، وسیع معلومات، سخن فہمی، عمدہ نثر کا  
 استعمال، صحت زبان، منطقی طریقہ کار، طنز کا شائستہ انداز،  
 ظریفانہ ذوق، بے باکی (گستاخی نہیں)، احساس توازن،  
 پاس اعتدال، ”خیال خاطر احباب“..... اور ظرف نگاہ“

(خامہ تلاشی، پشت ورق)

ڈاکٹر فضل الرحمن شرر مصباحی کے زاویہ نظر سے خامہ تلاشی کی  
 بڑی خوبی یہ تھی کہ:

”شعر و ادب کے تعلق سے وہ جو بات و ثوق سے کہہ سکتے ہیں  
 جس کے لیے ان کے پاس ٹھوس دلائل ہیں اکثر اسے بھی وہ  
 اپنی فہم ناقص کے حوالے کر دیتے ہیں، یوں مخاطب یا مشارالیہ  
 کی اصلاح بھی ہو جاتی ہے، قارئین رسالہ کی معلومات میں  
 اضافہ بھی ہو جاتا ہے اور بدگمانی بھی راہ نہیں پاتی۔“

(ماہ نامہ جام نور، سواں شمارہ، ص: ۳۸)

خامہ تلاشی کی مذکورہ تمام خوبیوں کے اثرات کو باشعور اہل قلم نے  
 قبول کیا اور بہت سے اہل قلم ان کے اسلوب نقد کی تقلید کی کوشش کرنے  
 لگے اور اس طرح علمی دنیا میں ایک صحت مند علمی و فکری انقلاب آیا۔

مولانا خوشتر نورانی جام نور کے اس عہد کو ”دور زریں“ قرار دیتے  
 ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کالم کی وجہ سے ”اس کے قارئین کی تعداد میں  
 بے پناہ اضافہ ہوا اور اس کی شہرت ہندو پاک کے وسیع حلقے تک پہنچ

گئی۔“ (ماہ نامہ جام نور، سواں شمارہ، ادارہ، ص: ۸)

علامہ عاصم قادری نے جام نور کے تمام اہم کالمز جیسے ادارہ، پس منظر و پیش منظر، شخصیات اسلام، تحریری مباحثہ، حالات حاضرہ، تذکار، روبرو، جہان ادب، اظہار خیالات، حاصل مطالعہ، قلبی واردات، دیوان عام، منظومات، آپ نے کہا، کو اپنی قیمتی تحریروں سے زینت بخشی اور جام نور کو یہ شرف حاصل رہا کہ علامہ کی تمام تحریریں (دو چار مقالات چھوڑ کر) اولین طور پر اسی میں شائع ہوئیں۔ اصل میں علامہ عاصم قادری جام نور کو اپنا رسالہ سمجھتے تھے اور اس سے اپنوں جیسی محبت کرتے تھے جو کہ ان کے تعمیر پسند ذہن کی دلیل تھی، کیونکہ انہیں جام نور سے اس علمی و فکری انقلاب کی آہٹ محسوس ہو رہی تھی جسے ان کی آنکھیں عملی دنیا میں ہمہ جہت انداز میں دیکھنے کی منتظر تھیں اور جس کی طرف وہ انفرادی طور پر بڑی تیزی سے قدم بڑھا رہے تھے۔

### مدیر جام نور سے تعلقات:

یہ بہت ہوتا ہے کہ دو دیرینہ رفیق کچھ دور چل کر رقیب بن جاتے ہیں اور رقیب بھی ایسے کہ ان کی رقابت کے سامنے عداوت شرمندہ ہو جائے، لیکن رفاقت میں رقابت کا یہ مرض ان افراد کے مابین حائل ہوتا ہے جن کا رشتہ رفاقت خلوص پر مبنی نہ ہو، بلکہ اس کی ترجیحات میں ذاتی مفادات ہوں۔ ظاہر ہے جو دوستی مفادات پر مبنی ہو وہ مفادات کے غائب ہونے سے خود بھی غائب ہو جائے گی، لیکن اسی دنیا میں ذاتی مفادات سے پاک خالص و مخلص دوستوں کی ایک ایسی تعداد بھی ہمیشہ رہی ہے، جن کی دوستی سدا بہار ہوتی ہے، لوگ ان کی دوستی پر رشک کرتے ہیں اور حوالے کے طور پر پیش کرتے ہیں اور یہی دوستیاں کبھی یہ گمان بھی دے جاتی ہیں کہ دوستی ہر رشتے سے بڑھ کر ہے۔ علامہ اسید الحق قادری سے مدیر جام نور کے تعلقات بھی ”خالص دوستانہ“ تھے، اس دوستانہ تعلق میں درج بالا سے یکسر مختلف ایک خاص قسم کی رقابت بھی تھی، لیکن یہ رقابت معاصرانہ تھی، رشک کی حد تک تھی، حسد، کینہ اور بغض جیسی نصیب دشمنیاں بیماریاں اس میں نہ تھیں۔ یہی وہ رقابت ہے جو مذموم نہیں، بلکہ محمود کہلاتی ہے اور اسے رقابت نہیں، بلکہ خوشتر صاحب کے لفظوں میں کمال رفاقت کا نام دیا جاسکتا ہے۔ ان کی یہ ”خالص دوستی“ کیسے اور کب شروع ہوئی اسے مدیر جام نور ہی کے

حسین لب و لہجے میں ملاحظہ کریں:

”۱۹۹۱ء میں میرے دادا محترم (علامہ ارشد القادری) نے مجھے امام علم و فن حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین صاحب سے اکتساب علم کے لیے مدرسہ قادریہ بدایوں بھیجا، اس وقت میری عمر کوئی پندرہ سولہ برس ہوگی، اس بے ریشی کی عمر میں نہ تو خانوادہ عثمانی کی علمی جلالت و شوکت کا اندازہ تھا، نہ مدرسہ قادریہ کی درسگاہی قدامت اور مرکزیت کا علم اور نہ ان دونوں سے تاریخ کے بے رحمانہ سلوک کا سراغ۔ اس عہد ناواقفیت میں پہلی بار اس مدرسے ہی میں اپنی ہی عمر کے ایک وجیہ اور پر وقار نوجوان کو دیکھا، دیکھتا رہ گیا۔ چہرے پر بلا کی جاذبیت نے مجبور کیا کہ اس کا اتنا پتا معلوم کروں، معلوم ہوا کہ یہ حضرت صاحب سجادہ کے فرزند ”اسید الحق“ ہیں، جنہیں پیار سے احباب و اقارب اور مریدین و متوسلین ”بھیا“ کہتے ہیں۔۔۔۔۔ ان کی آنکھوں میں تیرتی ذہانت، چہرے پر پُر وقار تمکنت اور پیشانی سے پھوٹی خاندانی مجد و شرافت کی کرن نے دل میں اسی وقت مجھ سے سرگوشی کی کہ یہ نوجوان آگے چل کر یقیناً ایک نئی تاریخ رقم کرے گا۔“ (خامہ تلاشی، ص: ۷)

خوشتر صاحب کے شخصیت شناس ذہن کا یہ اندازہ سو فی صد درست ثابت ہوا اور یقیناً ان کے اس بلند نصیب ساتھی نے علمی، فکری، قلبی اور عملی میدانوں میں ہر جہت سے ایک نئی پیش رفت کی جس کے نتائج خیر اثرات کسی بھی پیش رفت کے سامنے آتے ہی محسوس کیے گئے اور اب ایک لمبے عرصے تک جماعت کی زلف برہم کو سنوارنے والے تعمیر پسند افراد کے درمیان محسوس کیے جاتے رہیں گے۔ اس کے ساتھ اس بانصیب نے بارگاہ صمدیت سے ایک انوکھی موت حاصل کر کے میدان اجل میں بھی ایک قابل فخر جھنڈا نصب کرنے کا شرف حاصل کیا جو یقیناً لائق صدر رشک ہے۔

مدرسہ قادریہ کے بعد ان دونوں دوستوں کے درمیان تعلیمی انہماک اور معاصرانہ رقابت میں اول آنے کی کوشش میں ایک وقتی عدم ربطگی بھی رہی، لیکن پھر ۲۰۰۳ء میں ماہ نامہ جام نور ہی کے حوالے سے دونوں دوستوں کے پرانے اور دیرینہ تعلقات استوار ہوئے اور اب



ایسے استوار ہوئے کہ پھر عدم ربطگی کو دوبارہ مجال گستاخی نہ ہوئی۔  
یہ دیرینہ رفیق جب مصر سے لوٹے تو خوشتر صاحب کی مسرتوں کی انتہا نہ تھی، جس کا اظہار انہوں نے شمارہ جام نور اکتوبر ۲۰۰۴ء میں کیا۔  
تعلقات کے استوار ہوتے ہی دونوں دوستوں نے سیکڑوں جماعتی و ملی اور علمی مسائل میں افکار و خیالات کے تبادلے کیے، ایک دوسرے کی فکری رہنمائی کی، فکری ہم آہنگی تو پہلے ہی سے تھی اور اب دونوں نے اپنی انفرادیت کے ساتھ جماعت کی تعمیر و ترقی اور اس کی عظمت رفتہ کی بحالی کو اپنی زندگی کا نصب العین بنا لیا، جس کے لیے دونوں نے عملی جہتیں متعین کیں اور ہر جگہ دونوں ایک دوسرے کے دست و بازو بنے نظر آئے۔ اس ہم خیال و دستگیر رفیق کے اچانک چلے جانے سے خوشتر صاحب کو جو تکلیف اور غم لاحق ہوا ہوگا وہ لفظوں میں بیان نہیں کیا جاسکتا، کسی شاعر کے بقول:

جانے کو تو جائے گا جو آیا ہے عدم سے  
افسوس تو اس کا ہے وہ پہلے گئے ہم سے

لیکن شاید مولانا اسید الحق اپنی اس ناگہانی شہادت سے خوشتر صاحب کو یہ کہنا چاہتے ہیں کہ لو دوست میں نے اس پاکیزہ رشتہ رفاقت کو حیات جاوداں بخش دی، جسے اب کسی کی نظر بد نہیں لگ سکتی۔ اب خوشتر صاحب جب تک رہیں گے اس خلد بداماں دوست کی یادوں کی شمع ان کے سینے میں فروزاں رہے گی اور ہزاروں محفلوں خاص طور سے میخانہ جام نور میں گا ہے بگا ہے چراغاں بھی ہوتے رہیں گے۔

**مولانا اسید الحق قادری مدیر جام نور کی نظر میں:**

مدیر جام نور مولانا خوشتر نورانی کی نظر میں علامہ اسید الحق عاصم قادری کا کیا مقام و مرتبہ تھا، وہ انہیں صرف اپنا ہم مرتبہ دوست مانتے تھے، یا ہر جہت سے اپنے سے فزوں تر یا پھر فائق اقران۔ آئیے اس بات کا جائزہ علامہ عاصم قادری کے لیے مولانا خوشتر نورانی کی لکھی تحریروں سے ہی لیتے ہیں۔ جام نور، شمارہ ستمبر ۲۰۰۴ء میں علامہ عاصم قادری سے لیے گئے انٹرویو کے لیے لکھے تعارفی خاکے میں مدیر جام نور نے یوں اعتراف حقیقت کیا ہے:

”ہندوپاک میں خانقاہوں کے علمی و روحانی روایتوں کے دور انحطاط میں موصوف کی بلند پایہ فکر، علمی اٹھان، تحقیقی مزاج اور

قابل تقنید موروثی اوصاف یقیناً آج مسند نشینان خانقاہ کے شہزادوں کے لیے عبرت انگیز بھی ہے اور قابل رشک بھی، جس کا ثبوت آپ نے اپنی عالمانہ تحریروں کے ذریعہ جام نور کے صفحات میں فراہم کر دیا ہے۔ اپنے قلم سے ان کی غیر معمولی صلاحیتوں کو یہ خراج کی رفاقت و محبت کا نتیجہ نہیں بلکہ حقیقت کا ایک برملا اعتراف ہے۔“

کتاب ”خامہ تلاشی“ کے آغاز میں خوشتر صاحب نے ابتدائی کلمات تحریر کیے ہیں جو ”سرگزشت رقابت“ کے عنوان سے ہیں، جس میں وہ لکھتے ہیں:

”۲۰۰۵ء کے اوائل میں جام نور کے ذریعے نئی نسل کی علمی، فکری اور قلمی رہنمائی کے لیے جب میرے ذہن میں ایک نئے کالم ”خامہ تلاشی“ کا پلاٹ تیار ہو رہا تھا تو اس کی انجام دہی کے لیے سب سے مشکل مرحلہ تھا ”شخصیت کا انتخاب“ میں نے سوچا، مذہبی ادب میں ”نقد و نظر“ تلوار کی دھار پر چلنے کا فن ہے، اس کے لیے بصیرت، ظرافت اور گہری نظر کے ساتھ جملہ علوم متداولہ اور زبان و بیان پر درک ہونا چاہیے اور اس دور قحط الرجال میں بظاہر ایسی صفتوں پر مشتمل شخصیت کا ملنا ناممکن نہیں تو بے حد مشکل ضرور ہے۔ اس تعلق سے میں نے بہت غور و فکر کیا، لیکن حیرت ہے کہ جب جب غور کرتا تو گھوم پھر کر ایک ہی شخص ذہن کی اسکرین پر جم جاتا، وہ شخص کوئی اور نہیں اسید الحق تھے۔“

اسی ”سرگزشت رقابت“ میں لکھتے ہیں:

”اب میرے لیے کوئی چارہ نہیں کہ قلم کی امانت اور راست گوئی کا تقاضا ہے کہ ان کی غیر معمولی صلاحیتوں کا خاموشی سے اعتراف کر لیا جائے، لیکن ان کی صلاحیتوں کے اعتراف کے لیے علم و فضل کے ساتھ وسیع الخیالی لازمی ہے جو فی الحال مجھ میں مفقود ہے، اس لیے شاید میں ایسا نہ کر سکوں، پھر بھی ان کی محبت مجھ سے یہ کام کروالے تو یہ ان کی کرامت ہوگی۔ ویسے جس کے علم و فن کی دھوم برصغیر ہندوپاک میں مچی ہو اور جس کی خامہ تلاشی کو اہل علم نے فیضی کی بانگ درا، مشفق خواجہ کے خامہ گوش، ————— بقیہ صفحہ 253 پر ملاحظہ کریں

# کل وقتی شعری مزاج کا جز وقتی شاعر

مولانا اسید الحق قادری اگر مسلسل شعر کہتے رہتے تو یقیناً اپنے عہد کے بڑے شعرا میں ان کا شمار ہوتا

عربی اور فارسی ادب کا مطالعہ تو کیا ہی تھا لیکن اردو ادب پر بھی ان کی گہری نگاہ تھی۔ اردو کے کئی کلاسیکی شعرا کا کلام ان کی نوک زبان پر رہتا تھا۔ حالاں کہ اسید الحق نئی نسل کے نمائندے تھے لیکن جس علمی اور ادبی سرزمین (بدایوں) اور خانقاہ (عالیہ قادریہ، بدایوں) سے ان کا تعلق تھا اس سے بعید از قیاس نہیں کہ انھیں اتنے اشعار کیسے یاد ہو گئے ہوں گے۔ نظامی عروسی سمرقندی نے چہار مقالہ میں شاعری پر گفتگو کرتے ہوئے شاعر ہونے کی جن علامتوں کو گنویا ہے اس میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس وقت تک کسی شخص کو شاعر تسلیم نہیں کیا جاسکتا جب تک اس شخص کو ہر موضوع پر پانچ ہزار شعر یاد نہ ہوں آج اس قاعدے کو پوری طرح نہ صحیح اگر اس طرح بھی منطبق کیا جائے کہ ہر شاعر کو کم سے کم پانچ ہزار شعر یاد ہوں تب ہی کسی کو شاعر تسلیم کیا جائے گا تو بہت کم ایسے شعرا ملیں گے جن پر اس اصول کی تطبیق کھری اترے گی، لیکن اسید صاحب کی شخصیت اس عہد میں میرے علم کے مطابق ان دو چار حضرات میں شمار ہوتی ہے، جسے پانچ ہزار نہیں تو اس کے اریب قریب اشعار تو یاد ہی ہوں گے۔ اس سے ان کی موزوں طبیعت کا علم ہوتا ہے۔ اکثر اوقات وہ شکوہ شکایت بھی شعر یا مصرعوں کے ذریعے کیا کرتے تھے۔ جس دوران دہلی میں مولانا اسید الحق اور مولانا خوشتر نورانی کی علامہ فضل حق خیر آبادی پر کتابوں کی رسم اجرا عمل میں آئی اس کے بعد ان سے چھ سات مہینے تک میری کوئی گفتگو نہ رہ سکی۔ میں اپنے کاموں میں مصروف تھا وہ اپنے کاموں میں کہ اچانک ایک روز انھوں نے فیس بک پر مجھے میسج کیا کہ میں وہی ہوں مومن بتلا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو میں بہت شرمندہ ہوا اور فوراً ان کا حال احوال طلب کیا۔ اس سے سمجھ میں آتا ہے کہ انھیں موضوع کے مطابق کتنے اشعار یاد تھے۔ بہر کیف! مجھے ان کو شاعر ماننے میں کچھ کلام نہیں لیکن شاعری کوئی تمغہ نہیں ہے جسے عطا کر

مولانا اسید الحق قادری کے متعلق یہ بات کم لوگوں کو معلوم ہے کہ انھیں خدا نے شعر کہنے کی صلاحیت بھی عطا کی تھی۔ یہ بات الگ ہے کہ موزوں طبع کے باوجود شعر و شاعری کو انھوں نے کل وقتی مشغلہ نہیں بنایا اور بہت کم شعر کہے، لیکن ان کے جتنے اشعار ہمیں دستیاب ہیں اس سے ان کی شعری صلاحیتوں کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ اسید الحق صاحب کا جتنا کلام اس وقت میرے سامنے ہے اس میں ایک حمد، چار نعتیں، ایک منقبت اور چھ دیگر نظموں کا شمار ہوتا ہے۔ شاعری ان کے معمولات زندگی میں ثانوی حیثیت رکھتی تھی، لیکن اس ثانویت کہ باوجود جتنا کلام وہ زینت قرطاس بنا گئے وہ ایسا انتخاب ہے جو بڑے سے بڑے حمد، نعت اور منقبت نگاروں کے کلیات پر بھاری ہے۔ مجھے حیرت ہوتی ہے کہ یہ کلام بھی انھوں نے اپنے اس عہد میں کہا تھا جس دوران وہ اکتساب علم کر رہے تھے اور ان کا تعلیمی سفر جاری تھا۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد ان کا سارا دھیان دینی علوم اور اپنے اکابرین کی علمی خدمات کی طرف مبذول ہو گیا۔ پھر اس کام میں ایسے مصروف ہوئے کہ شاعری کی جانب توجہ کرنا ہی چھوڑ دی۔ جن لوگوں نے بھی مولانا اسید الحق قادری سے ملاقات کی ہے وہ اس بات کا اعتراف کریں گے کہ مولانا اسید الحق مزاجاً ایک قادر الکلام شاعر معلوم ہوتے تھے۔ خود میں نے کئی بار اس بات کا ذکر ان سے کیا تھا کہ آپ کو شعر کہتے رہنا چاہیے کیوں کہ آپ کو اللہ نے شعر کہنے کی جس صلاحیت سے نوازا ہے آپ اس کا حق ادا کر سکیں، اس کے جواب میں وہ اپنے مخصوص تبسم لگے ساتھ کیا فرماتے تھے، اس بات کے ذکر کی یہاں ضرورت نہیں لیکن یہ بات میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ اسید الحق قادری ایک ایسی شخصیت کا نام تھا جو کل وقتی شعری مزاج کا جز وقتی شاعر کہا جاسکتا ہے۔ مولانا اسید الحق کا علمی اور ادبی مطالعہ بہت وسیع تھا۔ انھوں نے

کے یہ کہہ دیا جائے کہ فلاں صاحب شاعر ہیں کیوں کہ ان کے پاس شعر کہنے کی سند ہے۔ ہر شاعر اپنے کلام سے اس بات کا ثبوت دیتا ہے کہ اس میں شعر کہنے کی کتنی صلاحیت پوشیدہ ہے۔ وہ کس معیار کے اشعار کہہ سکتا ہے، اس کا کلام اپنے بعد آنے والی نسلوں کو اور خود اس کے معاصرین کو کس حد تک متاثر کرتا ہے۔ اسید الحق قادری کی شاعری پر بھی بہت سے سوال قائم ہوتے ہیں مثلاً وہ شاعر تھے تو کس معیار کے اشعار ان کے وہاں پائے جاتے ہیں؟ ان کے اشعار آفاقی تناظر میں شعر کی تعریف سے کتنے قریب ہیں؟ ان کے کلام میں کس جذبے کی مقدار زیادہ ہے؟ اور کیا انھیں ایسا شاعر تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ ان کے کلام سے کسی نوع کا ادبی، علمی، فکری، جذباتی اور مشاہداتی استفادہ کیا جاسکے؟ یا انفرادی طور پر ان کے کلام کی اپنی کوئی اہمیت ہے؟ وغیرہ۔

شعر کو کن بنیادوں پر شعر تسلیم کیا جاسکتا ہے؟ اس پر بہت سے مفکرین اور شعرا نے اپنی آرا درج کی ہیں۔ جن میں اصمعی، ابن رشیق اور ملتن کی آرا میرے نزدیک زیادہ معتبر ہیں۔ اصمعی کہتا ہے:

’شعر وہ ہے جس کے معنی الفاظ سے پہلے ذہن میں آجائیں۔‘  
ابن رشیق فرماتے ہیں: ’شعر وہ ہے کہ جب پڑھا جائے تو ہر شخص کو یہ خیال ہو کہ میں بھی ایسا کہہ سکتا ہوں، مگر جب ویسا کہنے کا ارادہ کیا جائے تو معجز بیان عاجز ہو جائیں۔‘  
اور بقول ملتن:

’شعر وہ ہے، جو سادہ ہو، جوش سے بھرا ہوا ہو اور اصلیت پر مبنی ہو، ان تینوں بنیادوں پر کھرا اترنے کے باوجود بھی اگر شعر، شعر نہیں ہے تو اس کے متعلق کسی اور رائے پر غور کیا جائے گا۔ اس بات کی وضاحت یہاں ضروری ہے کہ جن اشعار میں کسی قسم کا عیب یا قسم موجود ہو یہاں ایسے اشعار کی گفتگو نہیں ہو رہی بلکہ جو اشعار اپنی مبادیاتی سطح سے ہر طور کامیاب ہو کر اس صف میں شامل ہو جائیں جس پر علویت کے ساتھ شعر اور غیر شعر ہونے کی بحث ملحوظ ہو۔ یہاں ایسے اشعار کی بات ہو رہی ہے۔ اب اسید صاحب ان شرائط پر کس حد تک کھرے اترتے ہیں اس کا فیصلہ ان کی شاعری کے مطالعے سے کیا جاسکتا ہے۔ ان کی ایک نظم ’نلہ درز کے چند اشعار ملاحظہ کیجئے جس سے سادہ اسلوب، جوش بیان، اصلیت پسندی، اصمعی کی رائے اور ابن رشیق کے خیال کی

ترجمانی ہوتی ہے۔ اس نظم کا مطلع ہے:

مجھ سے احباب یہ کہتے ہیں قصیدہ لکھو  
عید کا دن ہے مسرت کا ترانہ لکھو  
اب اشعار ملاحظہ کیجئے:

مگر افسوس میں کس دل سے کروں یار کی بات  
کس زباں سے میں کروں زلف طرحدار کی بات  
کس قلم سے لکھوں رعنائی و گلزار کی بات  
کیسے لکھوں گل و بلبل لب و رخسار کی بات  
مجھ کو آتا ہے فلسطین کے بچوں کا خیال  
ان کے سینوں میں اترتے ہوئے نیزوں کا خیال  
نوجواں بیٹوں کو روتی ہوئی ماؤں کا خیال  
خون سے بھیگی ہوئی ان کی رداؤں کا خیال  
غرب اردن کے شہیدوں کا خیال آتا ہے  
کبھی غزہ کے قیدیوں کا خیال آتا ہے  
ان کی مایوس نگاہوں کا خیال آتا ہے  
گر یہ کرتی ہوئی آنکھوں کا خیال آتا ہے  
میرے بغداد پہ چھائے ہیں قضا کے بادل  
ظلم کے جور کے وحشت کے جفا کے بادل  
فقر و افلاس کے فاتے کے وبا کے بادل  
آفت و رنج و مصیبت کے عنا کے بادل  
میرے گجرات میں انسانوں کے کٹتے ہوئے سر  
بے کسوں مفلسوں مجبوروں کے کٹتے ہوئے سر  
بھوک اور پیاس سے بچوں کے بلکنے کا خیال  
خاک اور خون میں لاشوں کے تڑپنے کا خیال  
میرے کشمیر سے رونے کی صدا آتی ہے  
میرے قندھار سے آواز بکا آتی ہے  
میرے کابل میں مکانوں سے دھواں اٹھتا ہے  
میرے ہیشان کی گلیوں میں لہو بہتا ہے  
پھر بھی احباب یہ کہتے ہیں قصیدہ لکھو  
عید کا دن ہے کوئی شوخ سا نغمہ لکھو

ان اشعار کے مطالعے سے خود اندازہ ہو جاتا ہے کہ شاعر نے کس شدید جذبے کو اپنے الفاظ کے ذریعے کامیابی سے بیان کیا ہے۔ ایک عجیب سا تسلسل ہے جو کہیں منقطع نہیں ہوتا، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شاعر کو ان تمام علاقوں میں اور ان تمام بستیوں میں ہونے والے حادثات اپنے گھر میں ہوتے معلوم ہو رہے ہیں۔ ایک گہرا کرب ہے جس میں ڈوب کر وہ ان اشعار تک رسائی حاصل کر رہا ہے۔ اس نظم میں اسید صاحب نے اپنی جو دت طبع سے اس بات کا احساس بھی دلایا ہے کہ شاعر کتنا احساس ہوتا ہے۔ نظم کا کردار جو بنیادی طور پر شاعر ہے اس سے اس کے احباب مطالبہ کر رہے ہیں کہ عید کا موقع ہے اسے اس خوشی کے موقع پر کوئی قصیدہ رقم کرنا چاہیے اس میں بھی کئی پہلو پوشیدہ ہیں کہ شاعر یہ پیغام دے رہا ہے کہ قصیدہ جو شاعری کی ایک صنف ہے اس کا کہنا اس دور میں یا اس عہد میں درست نہیں کیوں کہ ہماری قوم پوری دنیا میں جس ظلم و استبداد کا شکار ہو رہی ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ ہم کچھ عملی کام کریں نہ کہ قصائد اور غزل خوانی میں اپنا وقت ضائع کیا جائے۔

بہر کیف! ہم شاعر کے احساس ہونے کی بات کر رہے تھے۔ ظاہر ہے کہ جو احباب شاعر سے قصیدہ رقم کرنے کو کہہ رہے ہیں وہ خود قصیدہ کہنے کی صلاحیت نہیں رکھتے لہذا وہ غیر شاعر ہیں اور شاعر جو اس بات کی صلاحیت رکھتا ہے وہ شاعر احساس ہے، اسے اپنے لوگوں پر ہونے والے مظالم کا شدت سے احساس ہو رہا ہے اور اپنے دوستوں کو ان کی بے بسی پر شرمندہ کر رہا ہے کہ تم جس دن کو خوشی کا دن سمجھ رہے ہو حقیقتاً وہ غم کا دن ہے کہ ہماری قوم پر ہر طرف سے مصیبت کے بادل چھاتے چلے جا رہے ہیں، جس کا ہم لوگوں کو روائی برابر احساس نہیں۔ یہ وقت اس کا نہیں کہ خوشیاں منائی جائیں یہ تو تدابیر کا وقت ہے، اپنے احتساب کا وقت ہے، جس سے اس بات کا اندازہ لگایا جاسکے کہ آخر ہم اتنے مظالم کا شکار کیوں ہو رہے ہیں۔ یہ اور اسی طرح کے کئی اور پہلو اس نظم میں پوشیدہ ہیں جس کا بغور جائزہ لیا جائے تو اس ایک نظم پر طویل سے طویل تر گفتگو کی جاسکتی ہے۔ ایک اہم بات اور ہے کہ شاعر کی لفظیات پر غور کیا جائے تو سمجھ میں آتا ہے کہ اس کو الفاظ کے برتنے کے فن پر کتنی قدرت حاصل تھی۔ مثلاً زلف طرح دار، رعنائی گلزار، گل و بلبل، لب و رخسار، آفت ورنج و مصیبت اور آواز بکا یہ ایسی تراکیب ہیں جو ہماری خیالات ان پر اترتے ہیں۔

کلاسیکی شاعری میں کثرت سے استعمال ہوتی ہیں اور ہم کئی حوالوں سے ان تراکیب کا مطالعہ کر چکے ہیں۔ پھر بھی اسید صاحب کے کلام میں یہ مختلف انداز میں نہ صحیح تو اتنی بر محل نظر آتی ہیں کہ ایسے الفاظ بھی جن سے نئی شاعری کے خراب ہونے کا خدشہ رہتا ہے اس کے برعکس ان تراکیب کے استعمال سے یہ اشعار بھلے محسوس ہوتے ہیں۔ اسی طرح دوسرے الفاظ بھی اتنے تنوع اور جامعیت کے ساتھ استعمال ہوئے ہیں کہ نظم میں پرفیکشن پیدا ہو گیا ہے۔ ساتھ ہی شاعر نے احوال شہر کو اسی ترتیب سے باندھا ہے جس ترتیب سے ان شہروں کے غموں کا احساس کسی حساس شخص کو منعموم کر سکتا ہے۔ ہم شعری آہنگ کو نظر میں رکھیں تو شاعر نے جس ترتیب سے شہروں کو بیان کیا ہے اس کی حکمت بھی ہماری سمجھ میں آجائے گی۔ مثلاً فلسطین، اردن، غزہ، بغداد، گجرات، کشمیر، قندھار، کابل اور شیشان یہ ترتیب نظم میں اس طرح استعمال ہوئی ہے کہ شعر کا آہنگ اس سے بتدریج بلند ہوتا جا رہا ہے اور ایسے میں جس قسم کے آہنگ کی ضرورت ہوتی ہے یہ اس آہنگ کو پیدا کرنے میں معاون ثابت ہو رہے ہیں۔ دیگر الفاظ پر نظر کیجئے تو آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ کس طرح شاعر اسما اور الفاظ کے اشتراک سے اس نظم میں ایسے کی کیفیت کو بام عروج تک لے جاتا ہے۔ ہر نئے شہر کا نام اس جگہ استعمال میں آیا ہے جس جگہ شاعر کو اس بات کا خطرہ محسوس ہونے لگتا ہے کہ اب واقعے کو بدلنے کی ضرورت ہے ورنہ بحث میں تاثیر قائم نہ رہے گی۔ یہ ہی ایک شاعر کی پہچان ہے کہ وہ اپنے کلام کے ذریعے قاری کو باندھنا جانتا ہے۔ اسے اس بات کا علم ہوتا ہے کہ کس حد تک ایک قاری کا ذہن کسی واقعے سے محفوظ و منغض ہوتا ہے اور کس مقام پہ طبیعت کو تغیر کی ضرورت ہوتی ہے۔ شاعر کا کوئی فعل مصلحت سے خالی نہیں ہوتا لیکن وہ مصلحت اتنی تیزی سے عمل میں آتی ہے کہ کسی کو اس کے شعوری ہونے کا احساس ہی نہیں ہو پاتا۔ یہ سب شاعر کی ذہنی کارکردگیوں اور اس کی ذہنی اہم کی قوت کا کمال ہے اور اسی سے کسی شاعر کے اعلیٰ و ادنیٰ ہونے میں تمیز کیا جاسکتا ہے۔ اسید صاحب کے ذہن پر خیالات کا بہت تیزی سے نزول ہوتا ہے یہ کوئی بڑی بات نہیں۔ بڑی بات یہ ہے کہ وہ اس آمد کو اسی سلیقے سے ترتیب دینے کے فن سے آشنا ہیں جس تیزی سے وہ خیالات ان پر اترتے ہیں۔



یہ بات صرف ان کی نظموں ہی میں نہیں ہے، بلکہ دیگر اصناف میں بھی وہ اسی قدرت کے ساتھ شعر کہتے ہیں۔ زندگی نے اسید صاحب کا ساتھ بہت جلد چھوڑ دیا ورنہ مجھے یقین تھا کہ ایک نہ ایک روز اسید صاحب اس فن کے لیے بھی وقت نکالیں گے اور کے معلوم کتنے اشعار وہ روز کہتے ہوں جسے یہاں وہاں لکھ کر چھوڑ گئے ہوں یا صرف ذہن میں ان اشعار کا نقش محفوظ ہو جو صاحب ذہن کے ساتھ ہمیشہ کے لیے ہم سے دور ہو گیا۔ میں اوپر گنوا چکا ہوں کہ ان کا کتنا کلام مجھ تک پہنچا ہے، لیکن اس قلیل عرصے میں وہ تین اصناف پر طبع آزمائی کر چکے تھے اور ان تینوں اصناف کے ذریعے انہوں نے بامقصد اشعار کا انتخاب ہم تک پہنچایا۔ اسید صاحب کو غزل سے بھی لگاؤ تھا لیکن صرف ایسی غزل جو فنی اعتبار سے مکمل ہو۔ انہیں اپنے سے پیشتر شعرا میں احمد فراز کی بعض غزلوں نے متاثر کیا جن میں سے احمد فراز کی ایک مشہور غزل کی ردیف پر انہوں نے چند نعتیہ اشعار کہے اس میں سے دو شعر ملاحظہ کیجئے:

خرام ناز پہ نبض جہاں ٹھہرتی ہے  
فرشتے عرش کے پہلو بدل کے دیکھتے ہیں  
وہ بخش دیتے ہیں قدموں پہ گرنے والوں کو  
سو ہم بھی قدموں پہ ان کے چل کے دیکھتے ہیں

یہ اشعار اس بات کا ثبوت ہیں کہ اسید صاحب کو نعت و منقبت سے جو لگاؤ تھا وہ دیگر اصناف سے نہ تھا۔ ایک اور منقبت جو استمداد بکھور غوث الثقلین کے عنوان سے انہوں نے کہی، اس میں ایک مقام پر اپنے چار مصروں کے ساتھ شاہ حمزہ یعنی مارہروی کے مشہور شعر کی جو تضمین کی وہ اس خیال کو تقویت پہنچاتی ہے۔ اشعار دیکھئے:

تو بھی گر چاہتا ہے غم کا مداویوں کر  
ایک جملے میں علاج غم فردا یوں کر  
دل بیمار کو اک آن میں اچھا یوں کر  
آ در غوث پہ اور عرض تمنا یوں کر  
غوث اعظم بمن بے سرو ساماں مددے  
قبلہ جاں مددے کعبہ ایماں مددے

اسید الحق قادری کا شعری مزاج ان کے آباد اجداد کی شاعری سے ملتا جلتا ہے۔ وہ اپنے خاندانی بزرگ شعرا کے شعری اسلوب سے ہم آہنگی

میں تیز دھوپ میں سایہ تلاش کرتا ہوں  
سیاہ شب میں اجالا تلاش کرتا ہوں  
نشان پائے مسیحا تلاش کرتا ہوں  
ہلال عید تمنا تلاش کرتا ہوں  
میں زندگی کا قرینہ تلاش کرتا ہوں  
میں اپنی عظمت رفتہ تلاش کرتا ہوں  
دیکھیے کہ شاعر کسی باہری دنیا سے کچھ حاصل کرنے کی خواہش ظاہر نہیں کر رہا ہے اور اسے اس بات کا بھرپور احساس ہے کہ جو عظمت اور جو زندگی کا قرینہ اسے تلاش کرنا ہے وہ اس کا اپنا اثاثہ ہے۔ یہ اظہار ہمیں دھوکے میں ڈال سکتا ہے لیکن یہ کمال شعر ہے کہ ایک ہی مصرع میں شاعر اپنی اس شے کو تلاش کرنے کی بات کر رہا ہے جو خود اس کی اپنی

جس اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کیا ہے وہ ایک بڑے ذہن کی علامت ہے۔ یہاں نظم کے اقتباس سے بات سمجھ میں نہیں آئے گی لہذا پوری نظم ملاحظہ فرمائیں:

مرے عزیز مرے دوست میرے ہم سایہ  
ہمارے بیچ جدائی کو اک صدی گذری  
نہ تم کو مجھ پہ بھروسہ نہ مجھ کو تم پہ یقین  
اسی نفاق و عداوت میں زندگی گذری  
وہ جس کا نقش کف پا ہمارے سینے میں  
اسی کی یاد سے آباد تیرا سینہ ہے  
وہ جس کے فیض سے ہم نے بلندیاں پائیں  
اسی کا نام مبارک ترا وظیفہ ہے  
ہماری کشت پہ برسا ہے جو سحاب کرم  
اسی کے فیض کی بارش تمہارے آنگن میں  
وہ جس کی بو سے معطر مشام جاں ہے مرا  
اسی گلاب کی رنگت تمہارے گلشن میں  
وہ بادہ خانہ جہاں ہم نے مئے گساری کی  
شراب تم بھی اسی میکدے کی پیتے ہو  
ہے جس نگاہ کی مستی ہماری آنکھوں میں  
اسی نگاہ سے مخمور تم بھی رہتے ہو  
جو عندلیب مرے باغ میں چہکتا ہے  
اسی کی نغمہ سرائی ترے گلستاں میں  
وہ شمع جس سے منور ہے طاق دل میری  
اسی کی ضو سے اجالا ترے شبستاں میں  
وہ بجلیاں جو مرے آشیاں کو تکتی ہیں  
وہی حریف تمہارے نگار خانے کی  
تمہارا گلشن صد رنگ جس کی زد پر ہے  
وہی خزاں ہے عدو میرے آشیانے کی  
غرض کہ فرق نہیں کوئی ہم میں بنیادی  
نہ فکر میں نہ عقیدے نہ دین و مذہب میں  
نہ اختلاف خیالات کا نہ مسلک کا

ہے۔ ظاہر ہے کہ عظمت رفتہ کوئی لکڑی کا کھلونا نہیں ہے نہ ہی کوئی ایسی چیز ہے جسے کوئی چراگے۔ وہ تو صرف ایک احساس ہے جو رد عمل کی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے، جس کا حصول شاعر کو ان اعمال کی طرف ڈھکیل رہا ہے جہاں اسے اپنے مقصد میں کامیابی مل سکتی ہے۔ ایک بات اور غور طلب ہے کہ شاعر کو اس بات کا شکوہ نہیں ہے کہ وہ اپنی بے توجہی کی وجہ سے اس عظمت کو کھو چکا ہے بلکہ اسے یہ خیال پریشان کر رہا ہے کہ یہی وہ عمر ہے جس عمر میں اپنے اجداد کے ورثے کو خود میں منتقل کیا جاسکتا ہے۔ یہی وہ زمانہ ہے جس زمانے میں اپنے مشاہدات اور مجاہدات سے اس عظمت کے حصول کی طرف قدم بڑھایا جاسکتا ہے۔ جس میں سخاوت عثمان، حضور غوث اعظم کے فیضان، معین حق کے قلم دان، جناب شیخ کے دامان اور نگاہ مقتدر آقا وغیرہ جیسی بیش قیمتی اشیا محفوظ ہیں، جو اس بات کی منتظر ہیں کہ ان کا وارث انہیں حاصل کر کے زمانے میں اپنی مثال قائم کرے۔ اسید صاحب کی شاعری اتنی جذباتی اور معنی خیز ہے کہ اس پر سیر حاصل گفتگو کی جاسکتی ہے۔ اس کم سے کم کلام میں اتنے پہلو پوشیدہ ہیں جو ایک متلاشی کو حیران کر دیں گے۔ اسید صاحب ایسے شاعر نہیں ہیں جن کی شاعری سے صرف محفوظ ہوا جاسکے یا کسی نوع کی ذہنی آسودگی حاصل کی جاسکے بلکہ ان کے اشعار ذہن کو سوتے سے جگاتے ہیں، فکر کی دعوت دیتے ہیں، جھنجھوڑتے ہیں اور اپنے مقصد زندگی کی طرف مائل کرتے ہیں۔ ان کے کلام سے ایسے لوگ ہرگز محفوظ نہیں ہو سکتے جو شاعری کو صرف تفسیر طبع کا ذریعہ سمجھتے ہیں، اس کے برعکس ان کی شاعری کو ایسے اشخاص اپنی پلکوں پر اٹھاتے پھریں گے جو با مقصد زندگی گزارنا چاہتے ہیں لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ ان کے اشعار کا بغور مطالعہ کیا جائے ان کی زندگی کے ہر پہلو سے آشنا ہوا جائے۔ اس عہد میں انفرادیت کو بہت اہمیت دی جاتی ہے لہذا انفرادی سطح پر اپنے اعمال کا احتساب کرنے والوں اور اجتماعی سطح پر ایک متحرک کی مانند اپنے مزاج کو تشکیل دینے والوں کے نزدیک اس طرح کی شاعری اہم قرار پاتی ہے۔ اپنی ایک چھوٹی سی نظم 'دوستی کا ہاتھ' میں جو پیغام انہوں نے دیا ہے وہ اس بات کا ضامن ہے کہ ایسی شاعری بہت کارآمد ثابت ہو سکتی ہے جو تالیف قلب کا کام انجام دے۔ احمد فراز کے شعر پر ختم ہونے والی اس نظم میں شاعر نے

نہ کوئی فرق ہمارے تمہارے مشرب میں  
اگر یہ سچ ہے تو اے محترم حریف مرے  
کوئی جواز نہیں ہم میں دشمنی کے لیے  
'اگر تمہاری انا ہی کا ہے سوال تو پھر  
چلو میں ہاتھ بڑھاتا ہوں دوستی کے لئے'

میں اس بات سے آشنا ہوں کہ اسید صاحب نے کس اعلیٰ ظرفی  
کا مظاہرہ اس نظم میں کیا ہے لیکن پھر بھی میں اس کے اظہار سے پیغام کو  
محدود نہیں کرنا چاہتا۔ یہ نظم ہر اس شخص ہر اس جماعت اور ہر اس ملک  
کے لیے سبق آموز ہے جو کسی بھی قسم کی عداوت اور نفاق میں مبتلا رہتا  
ہے اور صرف اپنی انا کی بنیاد پر اس لڑائی کو نسل در نسل منتقل کرتا چلا جاتا  
ہے۔ یہ آفاقی تناظر اور آسان زبان میں کہی گئی ایک ایسی نظم ہے جس  
سے ہر رنگ و نسل کے اذہان مستفید ہو سکتے ہیں۔ ایک بات اور غور  
طلب ہے کہ جس شخص کو کسی طرح کا سبق حاصل کرنا ہے یا اپنی زندگی کو  
کسی اصول سے مزین کرنا ہے تو اس کے لیے ایک واقعہ ہی کافی ہے اور  
جسے کسی طرح کی نصیحت درکار نہیں اس کے لیے پند و نصیح کی تمام کتب  
بیکار محض ہیں۔ اسید صاحب کی اس نظم سے جن لوگوں کو سبق حاصل کرنا  
ہے وہ کر لیں گے اور جنہیں نہیں کرنا وہ صرف اسے تنقید کا نشانہ بنا کر  
آگے بڑھ جائیں گے۔

(۲)

میر نے ہر صنف میں شعر کہے ہیں۔ اس لیے بھی انہیں اردو کا بڑا  
شاعر تسلیم کیا جاتا ہے لیکن جن شعرا کے یہاں اس اہتمام کا فقدان ہے۔  
ان میں بھی کسی نہ کسی نوع کی عظمت پوشیدہ ہے۔ ایسے شاعر اپنی اسی  
صنف کے حوالے سے مشہور ہوئے ہیں جس میں انہوں نے کمال  
دکھایا۔ مثلاً انیس کو دنیا مرے کے حوالے سے جانتی ہے۔ سودا کو قصائد  
کے حوالے سے میر حسن کو مثنوی کے حوالے سے اور امجد حیدر آبادی کو  
رباعی کی وجہ سے۔ یہ بات الگ ہے کہ ان شعرا نے من جملہ نہ سہی دیگر  
کچھ اور اصناف میں بھی اشعار کہے ہیں لیکن یہ تمام شعرا کسی ایک صنف  
کے حوالے سے زیادہ مقبول ہیں۔ میر نے بھی اپنی غزل کے ذریعے جو  
شہرت حاصل کی وہ دوسری اصناف سے انہیں حاصل نہ ہو سکی، لیکن نعت  
اور منقبت میں اس قدر شعر بہت کم نظر آتے ہیں۔ نعت کے حوالے

سے اگر محسن کا کوروی کو اردو ادب کی تاریخ سے نکال دیا جائے تو ہمارے  
لیے دوسرا نام تلاش کرنا مشکل ہو جائے گا۔ اس کی کیا وجوہات ہیں اس  
سے قطع نظر یہ بات پورے یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ اردو میں محسن  
کا کوروی کو چھوڑ کر حمد و نعت و منقبت کے حوالے سے بہت شاعری ہوئی  
ہے اور بہت اچھی ہوئی ہے، جس کا مطالعہ کرنے کے بعد سمجھ میں آتا  
ہے کہ جس طرح عشق کے حقیقی جذبے کی بنا غزل اور قصیدہ نہیں کہا  
جاسکتا اسی طرح حمد، نعت اور منقبت بھی نہیں کہی جاسکتی۔ فرق صرف  
اتنا ہے کہ ایک طرف عشق مجازی ہے تو دوسری طرف عشق حقیقی۔ جب  
ہم غزل میں اس تخصیص کے قائل ہیں کہ مجازی کا اطلاق حقیقی کے معنی پر  
بھی کیا جاسکتا ہے تو جو اشعار کلیتاً اس بوقلمونی سے آراستہ ہیں ان کو اتنی  
اہمیت کیوں نہ دی جائے۔ انسان کی ذہنی ودلی وابستگی جس شے سے  
ہوتی ہے وہ اسی کی جانب مائل ہوتا ہے۔ اسید الحق نے جو نعتیہ کلام اپنے  
پچھلے چھوڑا ہے وہ کسی طور ایک اچھے غزل گو یا ایک اچھے نظم نگار سے کم  
رتبہ نہیں۔ یہ ان کے رجحان کی بات ہے کہ انہوں نے اپنی صلاحیت کو  
ایک مقدس ہستی سے منسلک کیا اور اپنے اشعار میں ان کی مدح سرائی کو  
اپنے لیے بہتر جانا۔ صرف اس لیے اگر کسی شاعر کو کلیتاً نظر انداز کر دیا  
جائے کہ اس نے محدود دائرے میں رہ کر شعر کہے ہیں یا کسی فرد واحد  
سے منسلک ہو کر اس فن میں طبع آزمائی کی ہے تو دنیا کی کئی زبانوں میں  
ہونے والی شاعری کا ایک بڑا ذخیرہ بے کار ہو جائے گا جو اس انفرادیت  
کو ملحوظ رکھ کر کہا گیا ہے اور کہا جا رہا ہے۔ ہر محدود نقطہ نظر میں اک  
آفاقیت پوشیدہ ہوتی ہے اور اسید الحق عاصم القادری کی شاعری اسی  
آفاقیت کا خزینہ ہے۔ جو ایک محور تک محیط ہے لیکن اس احاطے میں  
ایسے مذہبی و ثقافتی اصول پوشیدہ ہیں جو انسانی زندگی میں بہت کار آمد  
ثابت ہوئے ہیں۔ ان کے چند نعتیہ اشعار ملاحظہ کیجئے۔ ان اشعار سے  
اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اسید الحق جیسے اذہان جس سمت اپنی فکر کو موڑ  
دیں وہاں کیا کیا گل کھلا سکتے ہیں:

رسول وہ جو رسولوں کا تاجدار ہوا  
وہ جس کا ذکر دوائے دل نگار ہوا  
رسول وہ جسے محبوب کردگار کہیں  
رسول وہ جسے قدرت کا شاہکار کہیں

اس سے کہیں زیادہ اچھے انسان تھے۔ اچھا شعر کہنا اتنا مشکل نہیں ہے جتنا ایک اچھا انسان کہلانا ہے۔ اسید الحق صاحب نے جیسے اشعار کہے ویسے یا اس سے بہتر اشعار کہے جاسکتے ہیں میرا طلسم اس دن ٹوٹے گا جس دن میں ان سے بہتر انسان دیکھوں گا۔ □□□

☆ فورٹھ فلور، فلیٹ نمبر ۳۶۵ رگلی نمبر ۶، ڈاکٹر گلر، اوکھلا، نئی دہلی

## ایک تأثر

(علامہ شیخ اسید الحق قادری رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت پر)

اے شہنشاہ گرامی، مرجبا صد مرجبا  
اہل دل، اہل قلم، اہل وفا صد مرجبا  
تم نقیب وقت تھے، تم قوم کے معمار تھے  
تم تھے دریا علم کا، تم صاحب کردار تھے  
خود نمائی سے، غرور و تمکنت سے دور تھے  
خوش روی، سادہ مزاجی کے لیے مشہور تھے  
تم نے زندہ کی وطن میں وہ فضا وہ دل کشی  
جس نے بخشی قوم کے لرزیدہ ہونٹوں کو ہنسی  
زندگی اب کون ڈھونڈھے گا خس و خاشاک میں  
کون ڈالے گا تبسم دیدہ نم ناک میں  
کوئی شے دین محمد سے سوا پیاری نہ تھی  
حق نوا ایسے کہ اپنی جان کی پروا نہ کی  
تذکرہ پہنچا تمہارا جب زبان عام تک  
حق ہی حق آیا ظفر آغاز سے انجام تک  
تم وہاں پہنچے جہاں ہیں رحمتیں ہی رحمتیں  
ڈھونڈتی پھرتی ہے دنیا جن کے در کی نسبتیں  
سدیت کو ناز ہے تم پر، تمہارے کام پر  
قادریت فخر کرتی ہے تمہارے نام پر

محمد فیروز ظفر بدایونی

فرشوری ٹولہ، بدایوں (یوپی)

☆☆☆

جب تصور میں بسائیں آنکھیں  
ساری دنیا سے اٹھالیں آنکھیں  
خاک طیبہ ہے خبر دار قمر  
اس کی آنکھوں میں جو ڈالی آنکھیں

☆☆☆

سنا ہے لالہ طیبہ کی تازہ کاری کو  
لباس گل سے شگوفے نکل کے دیکھتے ہیں  
خرام ناز پہ نبض جہاں ٹھہرتی ہے  
فرشتے عرش کے پہلو بدل کے دیکھتے ہیں

☆☆☆

تابانی در عدن رخشانی لعل یمن  
دندان انور کی ضیاء بھی نہیں وہ بھی نہیں  
تاج سر کسری کہاں پیشانی زہرہ کہاں  
نعلین پاک مصطفیٰ یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

☆☆☆

بصارت کر رہی ہوگی طواف گنبد خضرا  
بصیرت کی جبین پر عکس روئے مصطفیٰ ہوگا  
بھیری، جامی و قدسی قصائد لکھ رہے ہوں گے  
کوئی حسان نعت سرور دیں پڑھ رہا ہوگا

اسید صاحب اس میدان میں جس شاعر سے سب سے زیادہ متاثر نظر آتے ہیں وہ امام احمد رضا خاں بریلوی کی ذات ہے۔ اس کے علاوہ ان کی کل شاعری لہجے کے مطابق علامہ اقبال اور جوش سے قریب نظر آتی ہے۔ اس بات کو میں اوپر بیان کر چکا ہوں کہ اسید الحق جس عہد میں شعر کہہ رہے تھے وہ ان کا عہد طالب علمی تھا۔ اس عہد میں زیادہ تر لوگ انھیں شعرا سے متاثر ہوتے ہیں۔ لہذا اسید صاحب بھی اسی رنگ میں شعر کہتے نظر آتے ہیں لیکن یہ اشعار تجرباتی نوعیت کے ہیں پھر بھی ان میں اتنا بلند آہنگ پایا جاتا ہے کہ اگر وہ مسلسل شعر کہتے رہتے تو یقیناً اپنے عہد کے بڑے شعرا میں ان کا شمار ہوتا۔ اخیر میں اس بات کا اظہار کرنا بھی میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ مولانا اسید الحق جتنے اچھے شاعر تھے



# مولانا اسید الحق قادری کی مکتوب نگاری

ممتاز ناقد و محقق حضرت مولانا شیخ اسید الحق محمد عاصم قادری عثمانی (۱۹۷۵ء-۲۰۱۳ء) کا تعارف کرانا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ علم و عمل، فہم و شعور، درک و ادراک، طریقہ تزکیہ و تصفیہ قلوب، بصارت و بصیرت کا خزانہ نسلاً بعد نسل سینہ بہ سینہ پہنچ کر ان کے سینے کو گنجینہ علوم و فنون بنا دیا تھا اور اس پر مستزاد ان کا اکتساب تھا اور جب دونوں کا ملن ہوا تو ان کا نشہ دو آتشہ ہو گیا۔

تحقیق، تنقید، ادب، حدیث، فقہ، تفسیر ہر ایک فن پر انہوں نے اپنا ہاتھ آزما یا اور ایسا آزما یا کہ زمانے نے ان کی صلاحیتوں کا اعتراف کیا۔ ان کی تحقیقی و تنقیدی کاوشیں جگ ظاہر ہیں اور عام طور پر ان کی ان اعلیٰ صلاحیتوں سے لوگ واقف ہیں۔ انہوں نے جام نور میں مکمل ایک دہائی تک لکھا اور نہ صرف یہ کہ لکھا بلکہ نئی نسل کو لکھنے کا سلیقہ بھی سکھایا۔ ان کے مضامین، ان کی کتب، ان کی جرح و تعدیل اور تخریج، ان کی تحقیق و تنقید سے استفادہ کیا جاتا رہا ہے۔ عام طور پر وہ ان تحریروں میں طنز و مزاح کا سہارا نہیں لیتے تھے۔ انتہائی سنجیدگی کے ساتھ لکھنے اور پڑھنے والا ان کے مضامین کو پڑھ کر ان کی تنقیدی و تحقیقی جانفشانیوں پر سردھنٹا، لیکن اب تک ان کے خطوط پردہ خفا میں تھے اور ان خطوط سے وہی لوگ واقف تھے، جن کے نام وہ لکھے گئے تھے۔ شیخ ۱۹۹۹ء میں حصول تعلیم کے لیے مصر گئے، یہ وہی زمانہ تھا جب مکتوب نگاری آخری سانس لے رہی تھی۔ میرے خیال میں ۲۰۰۵ء تک خطوط لکھے گئے اس کے بعد موبائل نے مکتوب نگاری کی ضرورت ختم کر دی۔

شیخ اسید الحق محمد عاصم قادری کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ وہ جس کام میں ہاتھ ڈالتے، اسے پوری دلجمعی کے ساتھ کرتے بصورت دیگر بہت خوبصورت انداز میں معذرت کر لیتے اور جس فن پر کام کرتے اس کے تقاضوں کو پورا کرتے۔ شاید یہی وجہ رہی کہ ”خامہ

تلاشی“ پر آئے تو کیا چھوٹا کیا بڑا، کیا کم عمر کیا، ضعیف العمر سب پر تنقیدیں کیں اور خصوصیات بھی بیان کیں۔ اب جن لوگوں کو ان کی تنقید ہضم نہیں ہو سکی یا ان کی خوش فہمی کے برخلاف ان پر تنقید کی گئی تو انہوں نے خامہ تلاشی کے ”خ“ کے نقطے کو نیچے کر کے ناراضگی کا اظہار کیا۔ ان کے سینکڑوں تحقیقی مضامین شائع ہوئے، جنہیں عام طور پر پسند کیا گیا اور ”خیر آبادیات“ لکھ کر تو انہوں نے خود کو ذمہ دار اور سنجیدہ محققین کی فہرست میں ڈال دیا۔

تفسیر، حدیث، تحقیق، تنقید کے ساتھ ساتھ انہوں نے خطوط نگاری کے تقاضوں کو بھی پورا کیا ہے۔ جہاں تکلفات و تصنعات کا شائبہ تک نظر نہیں آتا۔ عام سی تحریر، طنز و مزاح، مجلسی انداز گفتگو، سادہ و پرکار، حسین و رنگین نثر کا نمونہ اور محفلوں کو لالہ زار کر دینے والے خطوط لکھے۔ ان کے تحقیقی و تنقیدی مضامین کا مطالعہ کرنے والوں کو بعض خطوط پڑھ کر یقین نہیں آئے گا کہ شیخ اتنے خوش طبیعت اور مرعباں مرنج فطرت کے مالک تھے۔

ہندوستان کے جس ماحول میں انہوں نے تعلیم حاصل کی تھی وہاں آج بھی فتویٰ نویسی کی زبان عام ہے۔ لیکن انہوں نے خود کو رائج عیوب سے محفوظ رکھتے ہوئے معروضی اور سحر انگیز اسلوب کو اختیار کیا اور مجھے یہ کہنے میں ذرا بھی تامل نہیں ہے کہ انہوں نے خود کو کنویں کا مینڈک بھی نہیں بنایا۔ ”خدا ما صفا ودع ما کدر“ کے تحت انہوں نے تمام تر مسلکی و فکری اور نظریاتی اختلافات کے باوجود ادب برائے زندگی، ادب برائے ادب اور اسلامی ادب کے دعویداروں کو بھی خوب پڑھا بلکہ جام پر جام لٹھھائے اور دوسروں کے بند اور مقید اذہان کو کشادہ کرنے کی بھی خوش کن کوششیں کیں۔

اب تک ان کے جو خطوط یکجا ہو سکے ہیں ان میں خطوط نویسی کی

تمام تر ارفع و اعلیٰ قدریں موجود ہیں اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حضرت شیخ مجدد الف ثانی، حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیری، مرزا اسد اللہ خاں غالب، مولانا ابوالکلام آزاد، رشید حسن خاں اور رشید احمد صدیقی کی ارواح ایک جسم میں حلول کر گئی ہیں اور اس جسم کا ایک جزو ہاتھ جب خط لکھنے کے لیے قلم اٹھاتا ہے تو وہ مجموعہ شریعت و طریقت اور ادب و شعر ہو جاتا ہے۔ ان خطوط میں کہیں تفسیر و حدیث اور تصوف کی بحثیں ہیں تو جا بجا بر محل اشعار بھی بکھرے پڑے ہیں اور کہیں مرزا غالب کا مزاج اور ان کی مجلسی گفتگو نظر آتی ہے تو کہیں آزاد کی طرح عربی و فارسی اشعار اور فارسی تراکیب ذہن و دل کو مسحور کر دیتے ہیں۔ ان خطوط میں رشید احمد صدیقی کا سا مزاجیہ و طنزیہ اسلوب بھی در آیا ہے اور رشید حسن خاں کے محققانہ اسلوب کی جھلک بھی یہاں موجود ہے۔

نذہبی حلقوں میں آج بھی لمبے لمبے القابات کا استعمال عام ہے۔ بڑوں کو جب لکھا جاتا ہے تو آسمان و زمین کے قلابے ملا دیے جاتے ہیں۔ اس کے برعکس شیخ اسید الحق قادری اپنے خطوط بہت ہی عام طریقے پر شروع کرتے ہیں۔ بڑوں کو مکرمی و محترمی اور چھوٹوں کو بھائی تنویر، بھائی فلاں جیسے الفاظ سے یاد کرتے ہیں۔ البتہ بھائی تنویر یا کسی اور بھائی کو یاد کرنے کے بعد وہ باریک اللہ لکم و فیکم و وفقکم لہما۔ کہہ دیرضاه لکھنا نہیں بھولتے۔ اس کے بعد اسلامی طریقے پر سلام لکھتے ہیں اور سلام کے بعد ایک بہت ہی پر معنی اور خدا کی نعمتوں کا ذکر کرنے والا جملہ رقم کرتے ہیں، جس سے احساس ہوتا ہے کہ لکھنے والے خدا کی رحمتوں اور نعمتوں کے اظہار میں رطب اللسان ہیں اور یہ بھی محسوس ہوتا ہے کہ کچھ ایسا بھی ہے، جسے وہ بیان نہ کر کے خدا پر چھوڑ رہے ہیں وہ جملہ یہ ہے ”ہر حال میں خدا کا شکر ہے“۔

ان کے زیادہ تر خطوط وہ ہیں، جنہیں انہوں نے مصر کے دوران قیام لکھا ہے۔ عام طور پر طالب علم ہاسٹل میں جب قیام پذیر ہوتے ہیں تو انہیں اپنے گھر، اپنے خاندان، اپنے محلہ، اپنے شہر کی یادیں بہت ستاتی ہیں، حالانکہ فراغت کے بعد سالوں سال اپنے شہر کی یاد نہیں آتی۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ”ہر حال میں خدا کا شکر ہے“ اس جملے میں ہجر و فراق کی کسک ہے اور کئی جگہ انہوں نے اپنے خطوط میں اپنوں اور اپنے شہر کی یادوں کا ذکر بھی کیا ہے۔

### مولانا قادری:

شیخ اسید الحق محمد عاصم قادری بہت مشہور علمی و فکری نسباً عثمانی اور طریقاً قادری بدایونی خانوادے سے تعلق رکھتے تھے اور ان کے خاندان میں ہندوستان کے سب سے بڑے اور معروف قادری مرکز خانقاہ برکاتیہ، مارہرہ مظہرہ سے سلسلہ قادریہ پہنچا تھا۔ انہیں اپنے والد ماجد تاجدار اہل سنت، سرپا شفقت و محبت حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری مدظلہ العالی سے بیعت واردات اور اجازت و خلافت حاصل تھی، گویا وہ پورے کے پورے قادری تھے مگر نام نہاد قادریوں کی طرح چشتی گستاخ نہیں تھے، بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ وہ اپنے دشمنوں اور اپنے بزرگوں کے دشمنوں کے بھی گستاخ نہیں تھے۔ قادری شرافت و نجابت اور رعب داب ان کے وجود سے جھلکتی تھی۔ سلسلہ قادریہ کے سرخیل و رہنما اور بانی حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر آتے ہی ان کے چہرے کا رنگ بدل جاتا، اس وقت علامہ وقت شیخ اسید الحق کہیں گم ہو جاتا اور باقی جو رہتا وہ صرف اور صرف صوفی اسید الحق ہوتا۔ غنیۃ الطالبین کا سچا پکا عاشق اور طالب علم ہوتا۔ شاید یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے تمام خطوط میں سب سے پہلے بسم اللہ کی جگہ ہوا اللہ لکھتے ہیں۔ اللہ کے صفاتی ناموں میں سے ہے اور اسی اللہ کے ساتھ عبد منسلک ہو کر عبدالقادر بنتا ہے، جو شیخ عبدالقادر جیلانی کا نام ہے۔ اسی طرح کبھی کبھی وہ اپنے خطوط میں رب مقتدر، رب قادر کا بھی استعمال کرتے ہیں۔ تاج الفحول علامہ شاہ عبدالقادر بدایونی اور علامہ عبدالقادر بدایونی رحمۃ اللہ علیہما آپ کے خاندانی بزرگ تھے۔ یہ تصوف کا ارفع ترین مقام ہے کہ اپنے شیوخ کے ذریعے اوپر کی جانب سفر کیا جائے۔ شاید کہیں نہ کہیں یہاں بھی نسبت کی تلاش و جستجو شیخ میں موجود نظر آتی ہے۔

### اسلام و تصوف:

عام طور پر مدرسہ قادریہ بدایوں کے طلبہ خط کے ذریعہ شیخ سے مشورے کیا کرتے تھے، جس کا جواب وہ مصر سے ضرور دیا کرتے تھے۔ لہذا طلبہ کے اکثر خطوط میں اسلام اور تصوف کا ذکر ضرور ہوتا ہے۔ صراط مستقیم پر چلنے اور اسلامی طریقوں کی تعلیم وہ اپنے خطوط کے ذریعے طلبہ کو دیا کرتے تھے۔ چونکہ وہ ہندوستان سے فضیلت کر کے مصر گئے تھے اور وہاں جا کر ان کے مطالعے میں اضافہ اور توازن و اعتدال پیدا

ہوا تھا، جس کا اظہار خطوط کی ہر سطر سے ہوتا ہے، یہ بھی ایک بڑی بات تھی کہ مدرسہ قادریہ، بدایوں کے طلبہ مصر میں موجود شیخ سے مشورے کیا کرتے تھے۔ اس کا صاف مطلب ہے کہ اس وقت بھی درجات عالیہ کے طلبہ کو ان کے علمی و فکری تفوق و برتری اور حسن اخلاق کا بھی احساس تھا۔

### مطالعے کی ترغیب:

شیخ اسید الحق محمد عاصم قادری کے خطوط کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ انہیں دور طالب علمی سے ہی مطالعے کی سخت ترین عادت تھی، وہ خود بہت زیادہ پڑھتے تھے اور مشاہدین بتاتے ہیں کہ مصر میں ان کی قیام گاہ میں بھی کافی قیمتی کتابیں موجود تھیں، جن سے ان کے احباب بھی استفادہ کیا کرتے تھے۔ وہ اپنے خطوط میں بھی مطالعے پر جا بجا زور دیتے ہیں اور ایک ایک موضوع پر کئی کئی کتابوں کا نام درج کرتے ہیں۔ مجھے بھی ان سے اس سلسلے میں کافی استفادہ کا موقع ملا ہے۔ اگر میں کبھی فون کرتا اور کسی موضوع پر کتاب دریافت کرتا تو ایک موضوع پر بیک وقت کئی کتابوں کا نام لیتے اور جب میں کسی کتاب کے بارے میں کہتا کہ یہ کتاب دہلی میں نہیں مل رہی ہے تو وہ کہتے میرے پاس موجود ہے، دیکھتا ہوں آپ تک یہ کتاب کس طرح پہنچ سکتی ہے۔ اگر کسی نادر و نایاب کتاب کی اشاعت عالم عرب سے ہوتی اور اس کی سافٹ فائل ان کے پاس موجود ہوتی یا اس کا لنک انہیں معلوم ہوتا تو وہ فوری اس کا حوالہ دیتے اور کئی بار وہ خود لنک یا سافٹ فائل بھیج دیتے۔ کتاب الشفا کے حوالے سے ان کے خط کا اقتباس دیکھیں:

”یہ پڑھ کر مسرت ہوئی کہ تم نے کتاب الشفا کا مطالعہ شروع کر دیا ہے۔ اس کتاب کے مصنف حضرت امام قاضی عیاض مالکی رحمہ اللہ اپنی صدی کے مجدد تھے اور علم و فضل، ورع و تقویٰ کے علاوہ عشق رسالت مآب کے اعلیٰ مراتب پر فائز تھے۔ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ڈوب کر انہوں نے یہ کتاب لکھی ہے۔ بعض صاحب دل اور اہل کشف بزرگوں نے فرمایا ہے کہ یہ کتاب بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں مقبول ہے، بلکہ بعض خوش نصیبوں کو خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں اس کے مطالعے کی ترغیب دی ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ صدیوں سے اولیا، علما اور عرفا اس کو حرز جاں

بنائے ہوئے ہیں۔ بڑے بڑے علمائے اس کے درس اور اس کی شرح کو اپنی سعادت سمجھا۔ اس کی متعدد شروحات میں علامہ خفاجی کی ”نسیم الریاض“ شرح شفاء قاضی عیاض اور ملا سلطان بن علی قاری کی ”شرح شفاء“ بہت مشہور اور مقبول ہیں۔ حافظ الحدیث امام جلال الدین سیوطی نے ایک مستقل کتاب لکھ کر کتاب الشفاء کی احادیث کی صحت و تخریج پر محققانہ اور محدثانہ بحث کی ہے۔ شہزادہ غوث اعظم حضرت پیر سید مہر علی شاہ صاحب گولڑوی کے حالات میں میں نے کہیں پڑھا تھا کہ وہ سفر و حضر میں دو کتابیں ہمیشہ ساتھ رکھتے تھے ایک تو یہی کتاب الشفاء اور دوسری علامہ شطنونی کی ہجرت الاسرار شریف (یہ کتاب سرکار غوث پاک رومی لہ فدا کے حالات طیبات میں ہے) ہمارے اکابرین کو بھی اس کتاب سے عشق کی حد تک لگاؤ تھا۔ چنانچہ حضور سیف اللہ المسلمول نے اپنی معرکہ آرا کتاب ”المعتقد المعتقد“ میں جا بجا اس کا حوالہ دیا ہے اور قاضی عیاض کا نام محبت اور احترام سے لکھا ہے۔

کتاب الشفاء کے مطالعے سے سب سے پہلا اثر جو قاری کے دل پر پڑتا ہے وہ یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتہ محبت و تعظیم اور جذبہ ادب و احترام میں پختگی آجاتی ہے۔“

### غیر حضانہ دویہ:

شیخ اسید الحق قادری ازہری وسیع القلب اور وسیع الذہن شخصیت کے مالک تھے۔ دیگر مذاہب و مسالک کی کتابوں پر ان کی گہری نظر تھی۔ انہوں نے مطالعے کے معاملے میں کبھی بھی مسلک کو درمیان میں آنے نہیں دیا۔ شاید یہی وجہ رہی کہ محققانہ مزاج رکھنے کے باوجود ان کی تحریریں قارئین کو کبھی خشک محسوس نہیں ہوئیں۔ منفرد اسلوب انہیں جہاں ملا، انہوں نے مطالعہ کیا اور اپنے مسلک کے تحفظات کے باوجود کتابوں اور اسالیب کو سمجھا اور اپنے متعلقین کو بھی سمجھایا۔

حالاں کہ آج بھی سنی مدارس میں رواج عام ہے کہ وہ دیگر مذاہب و مسالک کے مصنفین کی کتابوں کو شجر ممنوعہ سمجھتے ہیں۔ اس کے برعکس انہوں نے خود بھی دوسروں کو پڑھا اور علمی استفادے کے لیے پڑھنے کا مشورہ بھی دیا، شاید اس کے پس پشت جامع ازہر، مصر کا علمی و

تحقیقی ماحول رہا ہو، جسے انہوں نے اپنی زندگی کے لیے حرز جاں بنایا تھا۔ انہوں نے اپنے کئی خطوط میں مدرسہ قادریہ، بدایوں کے طلبہ کو بھی اس کی ترغیب دی مگر ایسے لوگوں کی تمام باتوں کو من و عن قبول کرنے سے اجتناب کرنے کی تنبیہ بھی کی۔

دراصل وہ عقائد کے حوالے سے اپنے متعلقین کو اتنا پختہ دیکھنا چاہتے تھے کہ کسی بھی مصنف کی کتاب کے مطالعے کے باوجود ان کے اپنے نظریات اور مسلکی رجحانات میں تزلزل نہ آنے پائے، جس کی جیتی جاگتی مثال خود ان کی ذات گرامی تھی۔

### مالی معمر تارے پر نظر:

شیخ اسید الحق قادری کو جتنا پڑھنے پڑھانے کا شوق تھا اسی قدر سیروسیاحت اور لائبریریوں کا چکر لگانے کا بھی شوق تھا۔ وہ ہندوستان میں ہوں، مصر میں ہوں، پاکستان میں ہوں، یا کہیں اور ہوں یا اپنے آخری سفر بغداد پر ہوں۔ ہر جگہ وہ لائبریریوں کی تلاش کر لیا کرتے تھے اور اپنے زیادہ تر اوقات لائبریریوں میں صرف کرتے تھے۔ ہندوستان کے کئی شہروں کا سفر تو وہ صرف لائبریریوں سے استفادے کے لیے کیا کرتے تھے۔ اس دوران انہیں تلخ تجربات و مشاہدات بھی پیش آتے تھے، جس پر انہوں نے اپنے کئی خطوط میں رد عمل بھی پیش کیا ہے۔ شیخ کا کوئی ایسا خط نہیں ہے جسے انہوں نے کسی کو تصور میں رکھ کر لکھ دیا ہو اور اس کے نام روانہ نہ کیا ہو، اپنے سفر عمان کے سلسلے میں ایک خط میں انہوں نے لکھا ہے، جس میں مزاح کا پہلو بھی پیدا کر دیا ہے جسے پڑھ کر عالمی فکر پر ایک عام انسان کو حیرت بھی ہوتی ہے اور ان کا جملہ فوری اسے ہنسنے پر بھی مجبور کر دیتا ہے:

”فارسی کی ایک مشہور مثل ہے کہ اے بسا آرزو کہ خاک شدہ، کچھ یہی حال میرے سفر عمان کا بھی ہوا۔ ایک سال سے اس سفر کے خواب دیکھ رہا تھا، مگر سارے خوابوں پر پانی پھر گیا۔ اللہ کے بندوں نے ویزہ ہی نہیں دیا۔ دراصل فلسطین کے پڑوس میں ہونے کی وجہ سے عمان بھی بہت حساس ہے۔ اس لیے ویزہ وغیرہ میں یہ بہت محتاط ہیں اور پھر اللہ کے کرم سے ہمارے روئے زبیا پر ایک عدد ریش مبارک بھی جلوہ گر ہے۔ داڑھی کو طالبان کے ملاؤں نے ایسا بدنام کر دیا ہے کہ لوگ

ہمیں دیکھ کر فوراً یہ سمجھ لیتے ہیں کہ ہم بھی طالبانی قسم کے کوئی مجاہد ہیں اور عمان کے راستہ اسرائیل جانا چاہتے ہیں تاکہ وہاں جا کر آتک پھیلائیں۔

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے“

### شعور مقصد کے ادارک پر زور

ہر باشعور شخص کو موجودہ دنیا کے مسلمانوں کے زوال و انحطاط کی داستانوں پر رونا آتا ہے۔ البتہ ان میں کچھ اس احساس کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور کچھ زوال و انحطاط کے اسباب پر گہرائی کے ساتھ غور و فکر کرتے ہیں۔ گہرائی کے ساتھ غور و فکر کرنے والے بھی بعض دفعہ جذباتی ہو کر کچھ ایسا کرتے ہیں، جو خود ہی مزید زوال کا سبب بن جاتا ہے اور بعض بڑے تحمل اور صبر کے ساتھ زوال کے اسباب کی تلاش کے بعد اس کے تدارک اور علاج کی تلاش میں سرگرداں ہو جاتے ہیں۔ ان میں کم عمری کے باوصف شیخ اسید الحق محمد عاصم قادری بھی ہیں، جنہوں نے زوال کے ادارک کے بعد اپنی سطح تک اس کے تدارک و علاج میں لگ گئے اور تاحیات اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں اللہ فی اللہ لگے رہے۔ عام طور پر بڑی بڑی اسلامی نام کی تحریکیں حصول مقصد کی راہ پر گامزن ہو کر یہ بھول گئیں کہ حصول مقصد سے پہلے بھی ایک مرحلہ ہوتا ہے جس کا حصول، حصول مقصد سے پہلے ضروری ہوتا ہے۔ ہمارے شیخ حصول مقصد سے پہلے شعور مقصد کی بیداری کے لیے تحریک چلانا چاہتے ہیں اور وہ تاکید کرتے ہیں کہ پہلے شعور مقصد کی بیداری کی طرف توجہ مرکوز کی جائے۔ ان بڑی بڑی اور حساس باتوں کو انہوں نے بڑی آسانی کے ساتھ مجلسی انداز گفتگو میں کہی ہیں، جن سے صرف ان کا مخاطب ہی مستفید نہیں ہوگا بلکہ اس زمانے کے تمام مسلمانوں کے لیے وہ باتیں از حد ضروری ہیں۔

”کسی بھی مقصد کے حصول سے پہلے ایک مرحلہ ہوتا ہے جسے ہم شعور مقصد کا مرحلہ کہتے ہیں، مقصد کا حصول بہت حد تک اس کے شعور پر منحصر ہوتا ہے، جسے ہم شعور مقصد کا مرحلہ کہتے ہیں۔ مقصد کا حصول بہت حد تک اس کے شعور پر منحصر ہوتا ہے، اگر مقصد کا صحیح شعور نہ ہو تو حصول مقصد کی سعی اور تک و دو کرنا قوت کا ضیاع اور سعی لا حاصل کی صورت میں سامنے



آتا ہے۔“

اس زمانے کی کسی خانقاہ کا شہزادہ اپنے دور طالب علمی میں اگر اس طرح کی فلسفیانہ باتیں کر رہا ہو تو اس بات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس کی پرواز کیا ہوگی۔

### خود پسندی سے اجتناب اور خود شناسی کا اعتراف:

جس زمانے میں ہم سانس لے رہے ہیں، اس میں عام طور پر خانقاہیں، سجادہ نشینان اور شہزادگان والا شان قوی نفی کے باوجود عملی خود پسندی میں گرفتار ہیں، شاید اسی لیے ایک خانقاہ کے تعلقات دوسری خانقاہ سے بہتر اور خوش گوار نہیں ہیں۔ حالانکہ صوفیائے متقدمین عام طور پر اس مہلک مرض، یعنی خود پسندی سے دور و نفور رہنے کی ہدایتیں دیتے رہتے ہیں اور خود بھی خود پسندی سے اجتناب کر کے عملی ثبوت پیش کیا ہے جب کہ اس وقت منظر نامہ پوری طرح اس کے برعکس نظر آتا ہے اور جب شیوخ کرام ہی خود پسندی سے محفوظ نہیں ہیں تو شہزادگان اور مریدین سے تو اس کی توقع بھی نہیں کی جاسکتی۔ ظاہر ہے کہ ایسی دگرگوں صورت حال میں رسم تصوف تو باقی ہے البتہ روح تصوف کو ہم دفن کر چکے ہیں۔ عام طور پر خود پسندی سے دور رہنے کی تلقین کرنا تو دور کی بات ہے۔ بے شمار شیوخ کرام کو یہ بھی نہیں معلوم کہ خود شناسی نام کی کوئی چیز یا بھی ہے۔ یہاں ایک اقتباس دیکھیں، جو کتاب التصوف، رسالہ قشیر، غنیۃ الطالبین کی عبارت نہیں، حضرت مولانا اسید الحق قادری کے خط کا ایک اقتباس ہے:

”اگر صوفیائے کرام کی تعلیمات کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ ان کے سفر کی پہلی منزل نفس کشی ہوتی ہے۔ نفس کشی کا مفہوم بہت وسیع ہے، اس میں انا کو مارنا، خود پسندی، خود پرستی، خود نمائی کے بتوں کو دفن کرنا وغیرہ سب شامل ہیں۔ خود پسندی خود فریبی کی طرف لے جاتی ہے اور خود فریبی ہلاکت کی طرف۔“

صوفیہ فرماتے ہیں کہ حصول مقصد کے لیے خود شناسی (جس کو ہم شعور مقصد سے تعبیر کرتے ہیں) جتنی ضروری ہے خود پسندی اتنی ہی مضر، صوفیہ کے نظریہ نفس کشی کی جتنی ضرورت ہمیں آج ہے اتنی شاید ماضی میں کبھی نہیں تھی، جب تک انانیت

خود غرضی، خود پسندی اور خود نمائی کے بتوں کو توڑا نہیں جائے گا۔ حصول مقصد کی خواہش ایک مثبت فکر سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھے گی۔“

### خلوص ولہبیت کی دعوت اور مشن کی کامیابی کی نگر:

مولانا شیخ اسید الحق قادری اپنے دیگر معاصرین اور ساتھیوں سے بہت مختلف ممتاز اور منفرد فکر کے مالک تھے۔ ان کا سنہر ا ماضی انہیں مسلسل آواز دے رہا تھا۔ وہ اپنی خانقاہ کے بکھرے ہوئے کاموں اور نادر و نایاب کتابوں کی اشاعت، گم شدہ کڑیوں کے تسلسل اور عظمت رفتہ کی بازیافت کے لیے کوشاں تھے اور بہت حد تک اپنی کوششوں میں کامیاب بھی تھے۔ لوگ جس قدر انہیں فارغ البال سمجھتے تھے، وہ اس سے زیادہ فکر مند رہتے تھے۔ قوم و ملت اور خانقاہوں کے اتحاد کے لیے، دین کی دعوت و اشاعت کے لیے، خانقاہوں کے عملی رویوں کی کامیابی کے لیے وہ پورے خلوص اور للہبیت کے ساتھ کام کرتے تھے اور اپنے متعلقین کو بھی خلوص ولہبیت کی بر ملا دعوت دیتے تھے، جس کا ذکر کئی خطوط میں بھی ملتا ہے۔ ظاہر ہے کہ دور طالب علمی میں اس طرح کی باتیں اور عزائم وہ اپنے بزرگوں اور والد ماجد سے تو نہیں کرتے ہوں گے البتہ دوستوں اور مدرسہ قادریہ کے طلبہ سے ضرور کرتے تھے تاکہ وہ اپنی طرح دیگر قلوب و اذہان کو بھی خلوص ولہبیت اور نیک نیتی کی ترغیب دے سکیں۔ اس کے ساتھ ان کے دل و دماغ میں مستقبل کے بے شمار اور خوش گوار عزائم اور خطوط بھی تھے، جن پر چل کر یقیناً انہیں کامیابی مل رہی تھی، ایک خط میں لکھتے ہیں:

”ہمیں مستقبل میں ان شاء اللہ بہت کچھ کرنا ہے اور موجودہ ڈھرے سے ہٹ کر کرنا ہے اس کے لیے ابھی سے ذہن بنانا ہے اور راہیں ہموار کرنا ہے۔“

اسی طرح وہ خلوص ولہبیت سے عاری کسی کام کو پسند نہیں کرتے تھے بلکہ خلوص ولہبیت سے عاری کام کو نہ کرنا پسند کرتے تھے:

”اگر ان سارے علمی کاموں اور مطالعے وغیرہ کی غرض دنیاوی شہرت و ناموری ہو اور یہ آرزو ہو کہ لوگ ہمیں بھی محقق وغیرہ سمجھیں تو پھر خدا کے واسطے یہ کاوشیں پہلی فرصت میں ترک کر دو۔ اگر یہ ذہنیت پیدا ہوگئی (یا اگر ہے تو ختم نہ کی گئی) تو یہ

سمجھ لو کہ ہمارا مشن شروع ہونے سے پہلے ہی ناکام ہو گیا۔  
اسلام کے ایک سچے خادم کی ذہنیت اور Tendency ہونا  
چاہیے۔“

شیخ کے خطوط میں جا بجا مستحکم عزائم و ارادے اور مشن کا ذکر ملتا  
ہے۔ اس کے علاوہ کئی جگہ عظمت رفتہ کی بازیافت کی باتیں بھی کی گئی  
ہیں۔ نثر میں تو اس طرح کے تذکرے ہیں ہی۔ ان کے ایک خط میں  
انہی کا ایک شعر بھی موجود ہے، جس سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ  
اپنی عظمت رفتہ کی تلاش میں کس قدر سرگرداں تھے:

اب ایک پل کی بھی فرصت نہیں ہے عاصم کو  
وہ اپنی عظمت رفتہ تلاش کرتا ہے

### اشعار کا بر عمل استعمال:

ان کے ہر خط میں ایک آدھ شعر ضرور درج ہوتا ہے۔ وہ بذات  
خود بہت اچھے شاعر تھے۔ اس کے علاوہ شاعری کے عظیم سرمایہ پر بھی  
ان کی گہری نظر تھی۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ اپنی گفتگو میں بھی  
بر عمل اشعار کا استعمال کرتے تھے اور خطوط میں بھی۔ کبھی خط کو پڑھتے  
ہوئے لگتا ہے کہ وہ خود گفتگو کر رہے ہیں اور یہی وہ نازک مرحلہ ہوتا ہے۔  
جب میں سسکیاں لینے پر مجبور ہو جاتا ہوں، اے کاش..... ان کے  
خطوط میں بے شمار ایسے مقامات ہیں، جہاں انہوں نے بر عمل اشعار درج  
کیے ہیں۔ وہ چوں کہ عربی داں، فارسی داں اور اردو داں بھی تھے، تینوں  
زبانوں پر انہیں یکساں انہیں قدرت حاصل تھی۔ اس لیے عربی، فارسی  
اور سب سے زیادہ اردو کے اشعار استعمال ہوئے ہیں۔ اشعار کا ان  
کے پاس ایسا انتخاب تھا، جسے سن کر کوئی بھی دل خوش گوار مسرتوں سے  
ہم کنار ہو جاتا ہے۔

### اپنی شاعری کا ذکر:

خطوط میں انہوں نے جا بجا اپنی شاعری کا بھی ذکر کیا ہے۔ ان  
کی ایسی ایسی پر کیف نظمیں ہیں، جنہیں پڑھ کر قاری سردھنتا ہے لیکن  
اکثر وہ اپنے خطوط میں اپنے شاعر ہونے کی نفی کرتے ہیں اور خود ہی  
کہیں کہیں اپنے اشعار بھی درج کر دیتے ہیں۔ ان خطوط کے مطابق  
امتحانات کے زمانے میں وہ خوب شاعری کرتے تھے اور کئی خطوط میں  
کئی اشعار بھی رقم ہیں۔ بدایوں کے شعر انہیں منظوم خطوط لکھا کرتے

تھے اور وہ اس کا منظوم جواب بھی مہیا کر دیتے تھے۔ خاص طور پر منظوم  
خط کا حوالہ نجمی بدایونی کے نام کے ساتھ آتا ہے۔ کبھی کبھی وہ مزاح اپنی  
شاعری کے تعلق سے کہتے تھے:

”میری شاعری کچھ ”دھوبیانہ“ قسم کی ہے، یعنی جس طرح  
دھوبی کہنے سے کبھی گدھے پر نہیں بیٹھتا اسی طرح مجھ سے بھی  
کسی کی فرمائش پر آج تک ایک شعر نہیں ہوا۔ ویسے مجھ سے  
سہرے کی فرمائش یوں بھی خطرے سے خالی نہیں ہے کہ کہیں  
ذہنی رو بہک جائے اور میں سہرے میں مرثیہ لکھ ڈالوں۔“

لیکن اس اقتباس کو پڑھ کر یہ فیصلہ قطعی طور پر نہیں کیا جانا چاہیے  
کہ وہ شاعری پر قدرت نہیں رکھتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ عام طور پر  
کسی کی فرمائش پر کچھ بھی لکھنا پسند نہیں کرتے تھے۔ ان کا نظریہ تھا کہ  
کسی کی فرمائش پر بہت اچھا نہیں لکھا جاسکتا۔ لکھنا وہ چاہیے جس کی  
طرف اپنی طبیعت مائل ہو۔ انہوں نے کافی اچھی نظمیں لکھی ہیں، تسمین  
کی ہے، منظوم خطوط لکھے ہیں۔ ان کی شاعری یہ ثابت کرنے کے لیے  
کافی ہے کہ وہ شاعری پر بھی قدرت رکھتے تھے۔ بدایوں، بریلی تازے  
کے خاتمے کی کوشش کے طور پر لکھی گئی ان کی نظم کس جذب دروں اور  
جذبات و احساسات قلبی کے ساتھ لکھی گئی ہے اس کا اندازہ وہی لگا سکتا  
ہے، جسے اس تازے کے بارے میں کچھ معلوم ہو اور اس نے وہ نظم  
پڑھ رکھی ہو۔

### طرح و مزاح:

شیخ کی ذات ہمہ جہت اور ہمہ گیر تھی۔ انہوں نے جس طرح  
تفسیر و حدیث، فقہ و فتاویٰ، تاریخ و تدوین، تحقیق و تنقید کے میدان میں  
گھوڑے دوڑائے۔ اسی طرح طنز و مزاح میں بھی ان کا جواب نہیں  
ہے۔ منطق و فلسفہ اور فقہ پڑھ کر انہوں نے خود کو خشک محض نہیں بنایا۔  
ادب کا بھی گہرائی و گیرائی کے ساتھ مطالعہ کیا اور طبیعت میں شوخی و  
مزاح بھی پایا تھا۔ لیکن وہ ہر چیز کے اصل مقام سے بخوبی واقف تھے۔  
طبیعت میں شادابی ہوتی ہے، تو ایک خط میں کئی ایسے مقام آتے ہیں،  
جہاں نہ چاہتے ہوئے بھی قاری کو ہنسا پڑتا ہے۔ ورنہ تو ہر خط میں چند جملے  
ایسے ضرور ہوتے ہیں، جنہیں پڑھ کر قاری کے دل کی کلیاں کھل اٹھیں۔  
مزاح کے چند جملے دیکھیں:

”آپ اور تسنیم میاں یہ اعتراف کر لیں کہ آپ ”دونوں میرے دو سالانہ زرتعاون“ کی جلیبی، سمو سے منگا کر کھا گئے ہیں۔“

”گزشتہ ایک ہفتہ سے کسی فضول اور فالتو قسم کے کام میں وقت ضائع کرنے کو دل چاہ رہا تھا، سو چاہا آپ کو خط ہی لکھ دوں۔“

اسی طرح وہ جب طنز کرتے ہیں تو ان کے مخاطب کے پاس ہنس کر گزرنے اور محسوس کرنے کے علاوہ کچھ بھی ہاتھ میں نہیں ہوتا:

”مجھے یقین ہے کہ آپ نے میرے ہر خط کا جواب نہایت تفصیل کے ساتھ اپنے قلم حق رقم سے رقم فرمایا ہوگا۔ اب یہ میری خوش نصیبی ہے یا آپ کی کہ آپ کے وہ سارے تفصیلی خط ڈاک کی بد نظمی کا شکار ہو کر مجھ تک نہیں پہنچ سکے، جس طرح میرے وہ بے شمار خطوط، جو میں نے لکھے ہی نہیں تھے ڈاک کے حسن انتظام کی وجہ سے آج تک احباب کو نہیں ملے۔“

اس کے علاوہ وہ طنزیہ و مزاحیہ جملے لکھنے کے بعد کہیں کہیں اشعار بھی استعمال کرتے ہیں، جس سے ان جملوں اور شعر دونوں کا لطف دو بالا ہو جاتا ہے۔

### سادگی و پرکاری:

شیخ اسید الحق قادری خطوط نویسی میں اخفائے ذات کے قائل نظر نہیں آتے۔ بے تکلفی اور سادگی و پرکاری ان کے خطوط کی بڑی خصوصیت ہے۔ عربی و فارسی اور اردو تینوں زبانوں پر قدرت و مہارت کے باوجود ان کے خطوط میں بالکل عام فہم اور سامنے کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ البتہ الفاظ کی نشست و برخاست ایسی جاذب نظر ہوتی ہے کہ پڑھ کر مزا بھی آتا ہے اور تقلید کو بھی دل بے قرار ہو جاتا ہے۔ ان کے خطوط میں بڑی سے بڑی علمی و فکری باتیں بھی موجود ہیں اور چھوٹی سے چھوٹی باتیں بھی۔

وہ نام لکھ لکھ کر اپنے انتہائی قریبی لوگوں تک سلام بھی پہنچاتے ہیں۔ بے جا تکلفات کا ان خطوط پر کوئی سایہ نظر نہیں آتا۔ الفاظ کے انتخاب اور مطالب میں وہ کاوش نہیں کرتے۔ بالکل عام فہم اور بول چال کی زبان استعمال کرتے ہیں۔ البتہ جا بجا اردو کے محاورات ضرور استعمال کرتے ہیں، محاوراتی زبان پر انہیں خاصی دسترس حاصل ہے۔ ان کی ذات کے اندر موجود عاجزی و انکساری کی جھلکیاں ان کے خطوط

میں موجود ہیں۔ وہ اپنی شان میں استعمال کیے گئے اشعار و جملے اور کتابوں کے انتساب سے روکتے ہیں اور خط لکھنے والے کو بار بار تلقین کرتے ہیں کہ وہ عام ڈاک سے اپنے خطوط روانہ کیا کرے۔

### خطوط کا آخری حصہ:

شیخ کے خطوط کے تمام حصے اس قابل ہیں کہ ان کا ذکر با تفصیل کیا جائے۔ میں نے ان کے خطوط کی ابتدائی سطروں کا بھی تذکرہ کیا ہے اور یہاں آخری حصے کا ذکر کر رہا ہوں۔ شیخ اپنے خطوط کے آخری حصے میں عام طور پر عام رواج کے مطابق اپنے اقربا کو سلام بھیجتے ہیں اور رب قادر حامی و ناصر یارب مقتدر حامی و ناصر پر اپنے خطوط ختم کر دیتے ہیں اور آخر میں صرف ”اسید الحق“ اور اس کے بعد ”احقر طلبہ مدرسہ قادریہ“ رقم کرتے ہیں۔ یہاں بھی عاجزی و انکساری کی انتہا ہے کہ مدرسہ قادریہ کے مالک ہو کر خود کو ”احقر طلبہ“ لکھ رہے ہیں۔ حالاں کہ اگر وہ کچھ نہ لکھیں پھر بھی کسی کو شلوہ نہیں ہوگا لیکن طلبہ سے ان کا تعلق خاطر اس قدر تھا کہ وہ ہمیشہ خود کو طلبہ کے ساتھ دیکھنا چاہتے تھے۔

### آخری بات:

شیخ اسید الحق محمد عاصم قادری کے خطوط صرف اردو میں ہی نہیں عربی میں بھی موجود ہیں، اور عربی خطوط کے کچھ نمونے میرے پاس بھی موجود ہیں۔ البتہ ان عربی خطوط میں اپنی خانقاہ، اپنے مدرسہ، اپنے بزرگوں کی خدمات وغیرہ پر گفتگو کی گئی ہے یا خط لکھ کر کسی عربی شیخ کو اپنی خانقاہ کے جلسے میں شرکت کی دعوت دی گئی ہے۔ اب تک میرے پاس کوئی ایسا عربی خط نہیں پہنچا، جس سے ان کی داخلی کیفیات کا احساس ہو سکے۔ لہذا میں نے اردو خطوط پر بحث کی ہے۔

مجھے لگتا ہے کہ شیخ کے زیادہ تر خطوط جب یکجا ہو جائیں گے تو یہ خطوط، خطوط نویسی کے آخری دور کے یادگار خطوط ثابت ہوں گے۔ اگر مرزا غالب خطوط نگاری کی ارتقائی تاریخ میں اہمیت رکھتے ہیں تو شیخ اسید الحق قادری خطوط نویسی کے آخری دور کے اہم خطوط نگاروں میں شمار کیے جائیں گے۔



☆ کالی ایڈیٹر: اردو نیوز چینل، دور درشن، نئی دہلی

email: alihqnm@yahoo.com

## مولانا اسید الحق قادری: 'محسن رضویات'

پرائیک ویڈیو خطاب ریکارڈ کروا کر بھی عنایت کیا جو کہ ۲۰ اگست ۲۰۱۱ء کو علامہ کی ویب سائٹ (www.FazleHaq.com) اور فیس بک پیج کے ذریعے نشر کیا گیا۔

وہ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے، وہ حافظ بھی تھے قاری بھی تھے، عالم شریعت بھی اور پیر طریقت بھی، شیخ الحدیث و التفسیر، محدث، محقق، مدقق، مفتی شرع بھی اور مورخ بھی، وہ ادیب بھی تھے اور خطیب بھی، شاعر و ناقد بھی۔ الغرض! وہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے اس مصرع کے مصداق تھے؛

جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دیے ہیں

شیخ صاحب پیکر سوز و گداز، خوش اخلاق، با کردار، منکسر المزاج، منبع صدق و اخلاص، پابھ شریعت، عامل طریقت، حامل زہد و تقویٰ، صاحب فہم و بصیرت اور مدبرانہ اور قائدانہ صلاحیتوں کے مالک تھے۔ ان کا دل جذبہ خدمت دین سے سرشار تھا، یہی درد تھا جو ان کو ہمہ وقت مسلک حقہ اہل سنت کی ترویج کے لیے کوشاں رکھتا تھا۔

قبلہ شیخ صاحب کی شہادت سے لے کر تادم تحریر میں اس معاملے میں نہایت متذبذب رہا کہ آخر کیا لکھوں؛

اُس ایک شخص میں پہاں تھی خوبیاں کیا کیا

ہزار لوگ ملیں گے مگر کہاں وہ شخص

چند دن قبل کسی عاقبت نا اندیش نے شیخ صاحب کو فیس بک پر "مخالف اعلیٰ حضرت" لکھا، شیخ صاحب اپنی حیات میں بھی بعض حاسدین جاہلین کی جانب سے اس پروپیگنڈے کا شکار رہے، ان جاہلوں کے نزدیک بس اعلیٰ حضرت کا نام چپتے رہنا ہی مسلک کی سچی خدمت ہے۔ نہ ان کو اعلیٰ حضرت کی تعلیمات سے کوئی واقفیت ہے اور نہ ہی ان کی کتب سے کچھ سروکار۔ بس "مسلک اعلیٰ حضرت" کی آڑ میں سفیت

شہید بغداد، عالم ربانی حضرت شیخ اسید الحق قادری کا چہلم قریب ہے، مگر ان کی جدائی کا زخم ہنوز تازہ ہے، سوچ و فکر کی قوت قریباً مصلوب ہے۔ ۱۷ جولائی ۲۰۱۱ء سے ان کی شہادت سے ایک روز قبل تک تقریباً روزانہ ایک بار اور کبھی متعدد مرتبہ بذریعہ فیس بک گفتگو کا سلسلہ رہا، کبھی کبھار فون پر بات ہو جاتی اور کبھی کبھار برقی خطوط کے ذریعے بھی متصل رابطہ رہا۔ فیس بک پر ان کے ساتھ برادرانہ رشتہ قائم ہوا، ان کے لطف و عنایات کی بارش فقیر قادری پر بہم برستی رہی۔ تحقیقی کام میں جب جب مجھے کوئی اشکال ہوا، حضرت نے بروقت رہنمائی کا فریضہ نبھایا۔ علمی تعاون کرنے میں اس قدر فراخ دل شخصیت میں نے آج تک نہیں دیکھی، اس تین سالہ رفاقت میں مجھے کبھی بیگانگی کا احساس نہیں ہوا، کتب خانہ قادریہ (بدایوں) سے میں یوں ہی مستفید ہوتا رہا جیسے کہ میرا ذاتی کتب خانہ ہو۔ جب کسی کتاب کی ضرورت پڑی، قبلہ شیخ صاحب نے فوراً ارسال کر دی بلکہ بعض اوقات خود ارشاد فرماتے کہ اس موضوع سے متعلق فلاں فلاں کتب آپ کے پاس ہیں؟ اگر نہیں تو میں بھیج دیتا ہوں۔ اللہ اکبر! علم دوستی اور کشادہ قلبی کا یہ انداز بے شک آپ ہی کا خاصہ تھی۔

مجھے یاد ہے جن دنوں ہم علامہ فضل حق خیر آبادی علیہ الرحمہ پر ویب سائٹ ڈیزائن کر رہے تھے تو ہم نے مواد کی فراہمی کے لیے پاک و ہند کی کئی اہل علم شخصیات سے رابطہ کیا اور تعاون کے خواستگار ہوئے، مگر یہ سب کوششیں تقریباً بے سود رہیں، کسی نے جھاڑا، لتاڑا تو کسی نے وعدہ فردا پر ٹالا، مگر قربان جائے شیخ اسید الحق قادری کے؛ جنہوں نے غیر مشروط تعاون کی حامی بھری بلکہ اس کام کی حوصلہ افزائی فرماتے ہوئے کئی نایاب چیزیں اور قلمی مخطوطے عنایت فرمائے اور ہماری درخواست پر علامہ فضل حق خیر آبادی علیہ الرحمہ کے علم و فضل



کے نیچے ادھیڑ نے پر ہی مدار ہے۔

ہمارے ایک مجلس دوست ڈاکٹر محمد حسین مشاہد رضوی نے اپنی ایک نظم میں قبلہ شیخ صاحب کو ”محسن رضویات“ لکھا ہے، میں یہ سمجھتا ہوں کہ وہ بجا طور پر اس کے حق دار ہیں، ہماری چند سطور آئندہ سے یہ بات بجا طور پر ثابت ہو جائے گی۔ قبلہ شیخ صاحب کتب اعلیٰ حضرت پر اس قدر گہری نظر رکھتے تھے کہ ایک بار فرمایا کہ میں اعلیٰ حضرت کے معاملے میں ڈی لٹ ہوں۔ (پی ایچ ڈی سے آگے کی ڈگری ہے)

جن دنوں راقم الحروف اور مولانا افروز قادری، استاذ زمن مولانا حسن رضا حسن کے مجموعہ رسائل کی ترتیب و تدوین میں مصروف عمل تھے، قبلہ شیخ صاحب نے ذاتی دل چسپی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس قدر دست تعاون دراز کیا کہ مولانا حسن رضا کی بعض ایسی نایاب تصانیف جن کا ہمیں علم بھی نہ تھا، عنایت فرمائیں بلکہ اکثر خود فون کر کے پوچھتے کہ کیا آپ کو مولانا حسن کی فلاں تصنیف کا علم ہے؟ یا آپ کو دستیاب ہوگئی؟ اگر نہیں تو ہمارے کتب خانہ میں موجود ہے، میں بھیج دیتا ہوں۔

رسائل و کلیات حسن کی تدوین و ترتیب اور رضویات سے متعلقہ دیگر تحقیقی کام کے لیے قبلہ شیخ صاحب نے جو کتب مہیا فرمائیں ان کے اسما درج ذیل ہیں:

۱- ندوہ کا تیجہ روداد سوم کا نتیجہ

(بذریعہ برقی مکتوب ۲۳ ستمبر ۲۰۱۱ء)

۲- بے موقع فریاد کے مہذب جواب (دیکھیے حاشیہ: ۱)

۳- ماہ دار رسالہ قہر الدیان علی مرتد بقادیان (اول شمارہ)

(بذریعہ برقی مکتوب، مورخہ ۲۱ ستمبر ۲۰۱۱ء)

۴- مثنوی و مسائل بخشش (دیکھیے حاشیہ: ۲)

۵- سوالات حقائق نما برروس ندوۃ العلماء

(ہم راہ برقی مکتوب مورخہ ۱۲۶ اکتوبر ۲۰۱۱ء) (دیکھیے حاشیہ: ۳)

۶- مولانا حسن رضا کا ایک تعزیتی مکتوب حضرت مولانا عبدالقیوم

قادری بدایونی کی شہادت کے موقع پر

(بذریعہ برقی مکتوب مورخہ ۱۱ مارچ ۲۰۱۲ء)

۷- تحفہ حنفیہ کی فالگز سے قطعہ تاریخ وصال مولانا عبدالقیوم

قادری بدایونی۔

(ہم راہ برقی مکتوب مورخہ ۱۱ مارچ ۲۰۱۲ء) (دیکھیے حاشیہ: ۳)

۸- قصیدہ در مدح شاہ فضل رسول بدایونی علیہ الرحمۃ (ماہ تابان

اوج معرفت، یعنی عرس قادری ۱۳۰۰ھ کی روداد سے)

(برقی مکتوب مورخہ ۱۲۶ اکتوبر ۲۰۱۱ء) (دیکھیے حاشیہ: ۳)

۹- تحفہ حنفیہ کی فالگز سے ندوہ کے متعلق ایک مضمون ”مدائح

صدر ثانی ندوہ مع پرچہ سوالات“ (دیکھیے حاشیہ: ۵)

۱۰- فتاویٰ القدوہ لکشف دافین الندوہ

(برقی مکتوب مورخہ ۱۲۶ اکتوبر ۲۰۱۱ء)

۱۱- تزک مرتضوی کے ناشر مولانا غلام شہر قادری صاحب کے

حالات (ہم راہ برقی مکتوب مورخہ ۱۶ اگست ۲۰۱۲ء) (دیکھیے حاشیہ: ۶)

۱۲- الحسل المصطفیٰ فی عقائد ارباب سید المصطفیٰ (۱۲۹۸ھ)

مصنفہ حضرت ابوالحسن نوری علیہ الرحمۃ مطبوعہ جماعت تجارت متفقہ

اسلامیہ میرٹھ سے مولانا حسن رضا کا قطعہ تاریخ طباعت (فارسی)

(ہم راہ برقی مکتوب مورخہ ۱۶ اگست ۲۰۱۲ء)

۱۳- کشکول فقیر قادری

(ہم راہ برقی مکتوب مورخہ ۱۲۳ اکتوبر ۲۰۱۲ء)

(کتاب کی ترتیب مکمل ہو چکی تھی کہ ایک دوست نے بتایا کہ

کشکول فقیر قادری بھی مولانا حسن کی تصنیف ہے، راقم نے فی الفور شیخ

صاحب سے رابطہ کیا اور انہوں نے پہلی فرصت میں ہی یہ کتاب مجھے

عنایت فرمادی، مفتی عبدالحمین نعمانی صاحب نے اسے مولانا حسن کی

تصنیف لکھا ہے، مگر کتاب دیکھنے سے معلوم ہوا کہ یہ مولانا حسن کی

تصنیف نہیں، بلکہ متفرق شعرا کے کلام کا مجموعہ ہے)

۱۴- قصیدہ معراجیہ پر تفسیر (برقی مکتوب مورخہ ۳ ستمبر ۲۰۱۳ء)

۱۵- دستور العمل مجلس علمائے اہل سنت و مطبع اہل سنت و جماعت

واقع شہر بانس بریلی (ہم راہ مکتوب مورخہ ۱۳ اکتوبر ۲۰۱۳ء)

۱۶- فتح خیبر (ہم راہ برقی مکتوب مورخہ ۱۸ اگست ۲۰۱۱ء)

۱۷- قصیدتان رانحان کے اصل مخطوطہ کا عکس

۱۸- لوامع البہا فی المصر الجمعة الاربع عقبہا

(اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے اس رسالہ کا واحد قلمی نسخہ کتب

خانہ قادریہ بدایوں میں موجود ہے، ہنوز زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوا۔ شیخ

صاحب نے مجھے اس کے دو تین صفحات عنایت فرمائے تھے اور فرمایا تھا کہ میں ان شاء اللہ اس رسالہ کو ترجمہ و تخریج کے ساتھ منظر عام پر لاؤں گا) اس کے علاوہ بھی کئی ایک نادر حوالہ جات عنایت فرمائے اور ہمارے کام کو بہت سراہا۔ رسائل کی ترتیب و تدوین کے دوران بعض مقامات پر شکستہ عبارات اور پیچیدہ ہندی الفاظ کی تصحیح بھی شیخ صاحب نے فرمائی۔

رسائل و کلیات حسن کے آخر میں ہم نے ”جہان حسن“ لانے کا اعلان بھی کیا تھا، جب قبلہ شیخ صاحب کو اس کا علم ہوا تو آپ نے فقیر کے نام اپنے برقی مکتوب (برقی مکتوب ۴ اپریل ۲۰۱۲ء) میں یہ پیغام ارسال فرمایا: ”امید ہے کہ جہان حسن کا کام چل رہا ہوگا، اس سلسلے میں میرے لائق جو بھی خدمت ہو مطلع فرمائیں۔“

مولانا حسن رضا کے کام کے دوران میں بلا جھجک ان سے مختلف کتب و رسائل کا مطالبہ کرتا رہا، اور ضروری معلومات بھی حاصل کرتا رہا اور شیخ صاحب ہمیشہ فراخ دلی اور خندہ پیشانی سے میرے سوالات کا جواب دیتے اور کتب و رسائل و دیگر ضروری حوالہ جات فراہم کرتے رہے۔

شیخ صاحب کی علم دوستی کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ جب فقیر قادری نے اخبار ”الفقیہ“ کے اشاریے پر کام شروع کیا تو شیخ صاحب نے خود فرمایا کہ اس کی کچھ فائلز ہمارے کتب خانہ میں ہیں، میں وہ بھی چیک کروں گا لیکن وہ فائلز اخبار اہل فقہ (امر سر) کی فائلز تھیں۔ فقیر قادری کی درخواست پر انہوں نے اخبار اہل فقہ کے سات سال کی فائلز اور رسالہ تحفہ حنفیہ کی فائلز مجھے عنایت فرمادیں۔

مولانا عبید اللہ کی قادری بدایونی علیہ الرحمہ مصنف ”تنبیہ الغفول عن علم غیب الرسول“ (متونی: ۱۳۱۵ھ) کے وصال پر اعلیٰ حضرت نے عربی میں دو قطعہ توارخ رقم فرمائے تھے، فصیح و بلیغ عربی کے ساتھ ساتھ اعلیٰ حضرت نے ہر مصرع سے سن وصال کا استخراج فرمایا ہے۔ یہ قطعہ مولانا کی کتاب تنبیہ الغفول کے ساتھ ہی شائع ہوئے۔ جب فقیر قادری نے شیخ صاحب کو بتایا کہ ایک صاحب اعلیٰ حضرت کے متفرق قطعہ اور تقارین جمع کر رہے ہیں تو انہوں نے ان قطعہ کو اسکین کروا کر بھیجا۔

سید صابر حسین شاہ بخاری نے اپنی کتاب ”تقارین اعلیٰ حضرت“ میں ان کو شامل کیا یونہی ”فتاویٰ القدوہ“ پر اعلیٰ حضرت کی تقرین بھی شامل

کی۔ میں نے فیس بک پر ”فتاویٰ السنہ لالجام الفتنہ“ کا سرورق لگایا اور ساتھ لکھ دیا کہ اس کے کچھ صفحات فقیر کے پاس نہیں، اس پر شیخ صاحب نے میسج کیا کہ آپ کے پاس جو صفحات نہیں وہ مجھ سے حاصل کر لیں۔

راقم کی درخواست پر ڈاکٹر مشاہد رضوی نے اعلیٰ حضرت کے کلام پر لکھی تضاہین اور طرز رضا کی پیروی (یعنی برزین اعلیٰ حضرت) میں لکھا جانے والے کلام کو جمع کرنا شروع کیا تو شیخ صاحب نے اس کام میں بھی نہایت تعاون فرمایا اور کئی نادر و نایاب تضاہین و کلام عنایت فرمایا۔

معارف رضا کے شمارہ بابت اپریل ۲۰۱۳ء میں ڈاکٹر مسعود صاحب کے مکتوب بنام محمد صادق قصوری شائع ہوئے، ایک مکتوب میں ڈاکٹر صاحب نے صادق قصوری صاحب سے کہا تھا کہ کتب خانہ قادریہ بدایوں میں ایک قلمی کتاب ”مظہر العلماء فی تراجم العلماء و الکملاء“ مؤلفہ محمد حسنین، ہے اگر اس کتاب سے امام احمد رضا کے حالات نقل فرما کر بھیج دیں تو ممنون ہوں گا۔“ (صفحہ: ۴۵) ۲۰ مئی ۲۰۱۳ء کو شیخ صاحب سے ہونے والی گفتگو میں راقم نے اس کتاب کا تقاضا کیا، فرمایا: آپ نے اس کا ذکر کہاں پڑھا؟ میں نے عرض کیا: معارف رضا میں۔ فرمایا: غالباً یہ واحد نسخہ ہے، کمپوز ہو چکا ہے۔ ڈاکٹر ایوب قادری نے تذکرہ علمائے ہند کے مقدمہ میں اس کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ کتاب بدایوں میں موجود ہے۔

میں نے عرض کیا: کیا اس میں اعلیٰ حضرت کا ذکر ہے؟

فرمایا: نہ صرف اعلیٰ حضرت بلکہ تھانوی، گنگوہی، نانوتوی اور

سرسید سب کا ہی ذکر ہے، چھاپنے کی ہمت ہے؟

میں نے عرض کیا کوئی بات نہیں، یوں تو قرآن کریم میں شیطان کا ذکر بھی ملتا ہے۔

فرمایا: آپ کو ان بیچ فائل بھیج دوں؟

میں نے عرض کیا: نیکی اور پوچھ پوچھ؟

فرمایا: مگر پہلے حلف اٹھائیں کہ کسی دوسرے کو فارورڈ نہیں کریں

گے اور نہ ہی پرنٹ نکالیں گے۔ میں نے حامی بھری تو فرمایا: آپ کا

دستر خوان بہت وسیع ہے، اس لیے آپ کو کچھ دیتے ہوئے ڈر لگتا ہے۔

خیر حضرت نے اس کی فائل بھیج دی تھی۔

شیخ صاحب کو اگر کسی کتاب کی تلاش ہوتی تو فقیر کو حکم فرماتے اور

میری ہر ممکن کوشش ہوتی کہ جلد از جلد اس کی تعمیل ہو، چنانچہ مولانا عبدالحامد بدایونی کی کتاب ”نظام عمل“ مولانا غلام قادر بھیروی کا ترجمہ ”بوارق محمدیہ“، امثال القرآن اور دیگر کئی کتب شیخ صاحب کو فقیر نے ارسال کیں۔

شہادت سے تقریباً دو تین ماہ قبل سے بعض معاندین حاسدین کی بے جا مخالفت و الزام تراشیوں کے سبب شیخ صاحب نہایت رنجیدہ و مغموم رہا کرتے تھے، اس عرصے میں میرے ساتھ بھی کچھ خاص بات نہ فرماتے، بس سلام و مزاج پُرسی کے بعد رخصت ہو جاتے، ۲۴ جنوری ۲۰۱۳ کو حضرت نے نہایت افسردگی میں یہ پیسج کیا:

”بغداد کو جاتے ہیں کہ وہاں فریاد کا سننے والا ہے۔“

جب اس قدر دکھی دل کے ساتھ انہوں نے بارگاہِ غوثیت میں التجا کی ہوگی:

لطف فرما کہ ہے طوفان بلا میں کشتی  
آگنی حوصلہ ذوق عمل میں پستی  
آج ویران ہے پھر سے مرے دل کی بستی  
ما گدایم و تو سلطان دو عالم ہستی  
از تو داریم طمع یا شہ جیلاں مددے  
غوث اعظم بمن بے سرو ساماں مددے

(کلام شیخ اسید الحق قادری)

نہ جانے اُن کے قلب حزیں پر کیا کیا کیفیات گزرتی ہوں گی کہ اُن کی یہ التجا باب اجابت میں یوں مقبول ہوگئی کہ سرکارِ غوث اعظم علیہ الرحمہ نے اپنے اس عاشقِ صادق کو ہند کے اس ستم زدہ ماحول میں واپس بھیجنا منظور نہ فرمایا اور اپنے جوار میں آرام کی نیند سلا تا منظور کیا۔ کسی کے حاشیہ خیال میں بھی نہ تھا کہ شیخ اسید الحق قادری عین عالم شباب میں یوں رخصت ہو جائیں گے۔ شیخ صاحب کی اچانک شہادت نے لاکھوں دلوں کو رنج و غم سے نڈھال کر دیا اور حال یہ ہے کہ آج اتنے دن گزر جانے کے باوجود یقین نہیں آ رہا، یونہی لگتا ہے کہ جیسے یہ سب خواب ہو۔ بہر کیف رضائے مولیٰ کے سامنے سر تسلیم خم ہے۔ اللہ کریم اُن کے درجات بلند فرمائے۔ اہل خاندان و دیگر لواحقین، معتقدین، متوسلین اور تمام جماعت کو صبر جمیل عطا فرمائے اور شیخ صاحب

کے مشن کو جاری رکھنے اور پایہ تکمیل تک پہنچانے کی ہمت و توفیق میسر فرمائے۔ بلاشبہ کسی علمی شخصیت کا رخصت ہو جانا ایک عظیم رنج کا سبب ہوتا ہے مگر اس سے بڑھ کر دکھ اس کے مشن کے فوت ہو جانے کا ہے۔ اللہ کریم سے دعا ہے کہ ہمیں شیخ صاحب کے مشن کو جاری رکھنے کی توفیق مرحمت فرمائے اور خانقاہ قادریہ بدایوں سے جس علمی تحریک کا آغاز قبلہ شیخ صاحب نے فرمایا تھا اسے تاصبح قیامت جاری رکھے۔ آمین

آفریں اُن پر محبت ہی رہا جن کا شعار  
نفرتوں کی راہ میں کوہِ گراں ثابت ہوئے  
دیکھنے کو اُن کے اُونچا دیکھنا کتنا پڑا  
کچھ زمیں کے لوگ تھے جو آسماں ثابت ہوئے

### حواشی

قبلہ شیخ صاحب سے مولانا حسن رضا کے مجموعہ تصانیف کے ضمن میں جو خط و کتابت ہوئی وہ ہدیہ قارئین ہے۔ ان شاء اللہ بہت جلد دیگر خطوط بھی پیش کیے جائیں گے۔

(۱) برقی مکتوب مورخہ ۱۲ مارچ ۲۰۱۱ء: (اس مکتوب کے ہم راہ مولانا حسن کی کتاب بے موقع فریاد کے مہذب جواب عنایت فرمائی)  
سلام مسنون! کتاب بھیجنے میں تاخیر ہوئی، اس کے لیے معذرت خواہ ہوں، ذرا مصروف ہو گیا تھا۔

(۲) برقی مکتوب مورخہ ۹ فروری ۲۰۱۱ء: (اس برقی مکتوب کے ہم راہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی ”لظم معطر“ جو کہ وسائل بخشش کے ساتھ شائع ہوئی تھی، اس کا عکس عنایت فرمایا اور تحریر کیا)  
یہ وسائل بخشش کے آخر میں شائع ہوئی ہے۔ میں صرف اتنا ہی لایا تھا، اگر اب وہاں (یعنی خانقاہ صمدیہ پھپھوند، شیخ صاحب کے نانا کی خانقاہ) جانا ہوا تو یاد رکھوں گا [کچھ دن بعد (۱۲ مارچ ۲۰۱۱ء) شیخ صاحب کو وسائل بخشش کا ایک نسخہ اپنے کتب خانہ سے ہی مل گیا چنانچہ شیخ صاحب نے فقیر قادری کو بذریعہ فون اس کی اطلاع دی اور فرمایا کہ وہ یہ نسخہ اسکین کر دیا کر ای میل کر رہے ہیں]

(۳) برقی مکتوب مورخہ ۱۱ مارچ ۲۰۱۲ء:

مکرمی و محترمی! سلام مسنون! مزاج گرامی؟ ”وفد جاز کی رپورٹ“ کا انتظار ہے۔ آپ کے لیے دو تحفے ارسال کر رہا ہوں، مولانا حسن رضا صاحب علیہ الرحمہ کا ایک خط اور ایک قطعہ تاریخ جمادی الثانیہ ۱۴۳۱ھ حکیم عبد القیوم قادری بدایونی

کی وفات کے موقع کے ہیں۔ مولانا عبدالقیوم قادری کی وفات کے موقع پر جتنے تعزیتی خطوط آئے تھے وہ سب ایک رجسٹر میں نقل کر لیے گئے تھے، یہ رجسٹر کتب خانہ قادریہ بدایوں شریف میں محفوظ ہے، اس کے صفحہ ۱۹ پر مولانا حسن کا یہ خط نقل کیا گیا ہے، خط کی کمپوزنگ اور عکس دونوں ارسال خدمت ہیں۔ عکس میں جو تحریر ہے وہ مولانا حسن کی نہیں ہے، بلکہ کسی اور کی ہے جس نے یہ تمام خط رجسٹر میں نقل کیے ہوں گے۔ قطعہ تاریخ ماہنامہ تحفہ حنفیہ سے لیا گیا ہے اس کا کھل حوالہ آخر میں درج ہے۔ والسلام..... اسید الحق قادری (۳) برقی مکتوب مورخہ ۲۶ اکتوبر ۲۰۱۱ء

مکرمی! السلام علیکم..... حضرت مولانا حسن رضا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا وہ قصیدہ حاضر ہے جو آپ نے سیف اللہ المسلمول مولانا شاہ فضل رسول بدایونی قدس سرہ کی مدح میں نظم کیا تھا۔ یہ قصیدہ شاعر نے سیف اللہ المسلمول مولانا شاہ فضل رسول بدایونی قدس سرہ کے سالانہ عرس کے موقع پر ۲ جمادی الثانی سنہ ۱۳۰۰ھ کو درگاہ قادریہ بدایوں شریف میں خود پیش کیا تھا، اس سال عرس میں پیش کردہ تمام نعتیہ اور منقبتیہ کلام اگلے سال کے عرس ۱۳۰۱ھ میں ”ماہ تابان اوج معرفت“ کے تاریخی نام سے شائع کر دیا گیا تھا۔ یہ صفحات اسی کتاب سے لیے گئے ہیں، یاد رہے کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی بھی پابندی سے ہر سال اس عرس میں شرکت فرمایا کرتے تھے، چنانچہ سنہ ۱۳۰۰ھ والے عرس میں بھی آپ شریک تھے اور اس موقع پر آپ نے سیف اللہ المسلمول کی مدح میں دو عربی قصیدے نظم فرمائے تھے، یہ دونوں عربی قصیدے خود اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے قلم سے لکھے ہوئے کتب خانہ قادری میں محفوظ ہیں، ان میں سے ایک قصیدہ (دالیہ) ”ماہ تابان اوج معرفت“ میں شائع کر دیا گیا تھا۔

قصیدہ دالیہ کے آخر میں ایک شعر میں دو تاریخیں برآمد فرمائی ہیں، پہلے مصرع میں صاحب عرس حضرت سیف اللہ المسلمول کی سنہ وفات ۱۲۸۹ھ برآمد ہوتی ہے جب کہ دوسرے مصرع سے عرس کی تاریخ سنہ ۱۳۰۰ھ نکلتی ہے، شعر درج ذیل ہے:

فضل الرسول مؤبد      یا فضل عرس اماجد  
باقی کچھ چیزیں اور ارسال خدمت ہیں، سوالات حقائق نما کا مقدمہ آپ کے حسب خواہش حاضر ہے۔ ندوۃ العلما والے معاملے میں دو فتوے تھے، ایک فتویٰ جس پر علمائے حرمین کی تصدیقات تھیں، اس کا نام فتاویٰ الحرمین برجف ندوۃ المین تھا، جب کہ ایک فتویٰ علمائے ہند کا تھا جس کا نام فتاویٰ القندوہ لکشف دین الندوہ تھا، ثانی الذکر کے مرتب و مؤلف مولانا حسن رضا قادری صاحب تھے، یہ بھی حاضر خدمت ہے۔

طالب دعا: اسید الحق قادری  
(۵) برقی مکتوب مورخہ ۱۵ مارچ ۲۰۱۲ء  
السلام علیکم! محسن کا کوروی کے قصیدہ کا مطلوبہ صفحہ حاضر ہے۔ کلیات محسن میں مولانا حسن رضا صاحب کی کتاب کا قطعہ تاریخ بھی مل گیا، وہ بھی حاضر ہے۔ تحفہ حنفیہ پٹنہ سے مولانا حسن کی ایک تحریر بھی حاضر ہے۔

گر قبول افتدز ہے عز و شرف  
(۶) برقی مکتوب مورخہ ۱۶ اگست ۲۰۱۲ء  
سلام مسنون! مولانا غلام شہر صاحب کے خود نوشت حالات حاضر ہیں۔ ان کی وفات ۱۳۳۶ھ / ۱۹۲۷ء میں ہوئی تھی۔ □□□  
☆ ایم اے علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور (پاکستان)

### بقیہ نسل نو کے سب سے بڑے محسن:

ہم ان کی حیات میں اپنے احباب سے جب بھی ان کا تذکرہ کرتے سب کا متفقہ طور پر فیصلہ یہی ہوتا کہ مولانا اگر اسی طرح کام کرتے رہے تو ان کی فتوحات کی فہرست اتنی طویل ہو جائے گی کہ برصغیر کی تاریخ ان پر بجا طور پر فخر کرے گی۔ اہل علم طبقے کے بعض حضرات شاید اعلانیہ طور پر ان کے بارے میں اعتراف حقیقت کرنے سے پس و پیش کریں لیکن انہیں بھی یہ احساس ضرور ہے کہ مولانا علم و فضل کے روشن ترین چراغ تھے۔ ان کی شہادت سے نہ صرف چراغ گل ہو گیا ہے بلکہ اہل سنت کا بہت بڑا نقصان ہوا ہے۔ لکھنے پڑھنے والے جدید قلم کار ان کے جانے سے خود کو بے آسرا محسوس کر رہے ہیں۔ ہمارے پاس اکابر تو بہت ہیں لیکن نوجوانوں کو ایک نوجوان ہی اچھے ڈھنگ سے سمجھ سکتا ہے۔ مولانا بڑے ضرور تھے لیکن وہ چھوٹوں سے بالکل بے تکلف تھے۔ وہ چھوٹوں کو ان کے چھوٹے پن کا احساس قطعاً نہیں ہونے دیتے تھے۔ یہ ان کا سب سے بڑا کمال تھا اور سب سے عظیم ہونے کا استعارہ۔ دل مضطرب پوچھ رہا ہے کہ کیا اب کوئی دوسرا اسید الحق ہے؟... کوئی ہے؟... اگر ہو تو برائے کرم مجھے خبر ضرور کیجیے گا۔ □□□  
☆ ماہنامہ سنی دعوت اسلامی، ممبئی (مہاراشٹر)



# ایسا بھی اک شخص تھا جو ملا نہیں اور پھڑ گیا

مولانا اُسید الحق قادری بدایونی کا پاکستان کے علمی حلقوں میں کتابی تعارف اور راقم سے ان کے مراسم کی کہانی

تعارف اتنا باکمال تھا کہ لازوال بن گیا جس نے تحقیق و علم کی دُنیا میں ہمیشہ کے لیے آپ کا مرید و مستر شد بنا دیا۔ اس مجموعہ رسائل کو پاکستان میں اتنا پسند کیا گیا کہ چند ہی روز میں ملک کے نظریاتی حلقوں میں یہ مقبول و متداول ہو گیا اور ہم مسلک شائقین ایک دوسرے کو مبارک بادیاں پیش کرتے رہے اور مخالفین سرپٹتے رہ گئے۔ خود راقم نے اپنے نو عمر سے مکتبہ دار الاسلام کے لیے مختلف اوقات میں مجموعی طور پر کم و بیش ۱۰۰ نسخے منگوائے اور علمی حلقوں میں پہنچائے، جس کا اہل علم نے نہایت شان دار خیر مقدم کیا۔ گو کہ اس سے پہلے حضرت کی تالیف ”احادیث قدسیہ“ جمادی الاخریٰ ۱۴۳۱ھ / جون ۲۰۱۰ء میں اسی مکتبہ سے چھپی تھی اور ”جام نور“ میں بھی تواتر کے ساتھ مضامین چھپتے رہتے تھے، لیکن پاکستان کے اکثر علمی حلقوں میں مجموعہ رسائل ہی آپ کے خاندانی اور کتابی تعارف کا سبب بنا، کیوں کہ تب تک نہ تو مذکورہ الصدر کتاب بام عروج کو پہنچ سکی، نہ ہی ”جام نور“ کی یہاں مستقل دست یابی ممکن ہوتی تھی۔ بلاشبہ یہ ایسا تاریخ ساز کام تھا کہ اس نے اہل سنت کے علمی و تحقیقی حلقوں میں اکابر کے درٹے کو اول تا آخر بازیاب کرانے اور اس کی نشاۃ ثانیہ کرنے کی طرح ڈال دی۔

نومبر ۲۰۱۰ء میں مولانا اُسید الحق قادری اور مولانا خوشتر نورانی جب پاکستان کے دورے پر کراچی وارد ہوئے اُس وقت تک چوں کہ دونوں صاحبان سے میری کوئی ذاتی تعلق داری نہیں تھی صرف نام کی حد تک شناسائی اور کام سے کسی قدر واقفیت تھی، اتفاق سے کسی واسطے سے اُن کی آمد کی بروقت اطلاع بھی نہ ہو سکی، بلکہ یہ خبر مجھے اُس وقت موصول ہوئی جب کہ ان حضرات کی ہندوستان واپسی میں ایک یا دو روز باقی تھے۔ لاہور سے فوراً کراچی جانا میرے جیسے بندے کے لیے تقریباً اتنا ہی مشکل ہے جتنا دہلی جانا۔ لہذا اس منصوبے کو بالائے طاق رکھ کر اپنی سی کوشش کر کے رابطہ نمبر حاصل کیا، تاکہ کم از کم فون پہ ہی شرف گفتگو حاصل ہو جائے۔ چنانچہ ایک آدھ دن نمبر حاصل کرنے میں صرف ہو گیا، بقیہ وقت اس سوچ بچار میں بیت گیا کہ کب رابطہ کرنا مناسب ہے؟ اور کیسا انداز گفتگو ان کے شایان شان ہوگا؟ اور کیا بات کرنی موزوں رہے گی؟ اور مقاصد کلام کیا ہیں؟ وغیرہ، ادھر ۹ دسمبر کو دو حضرات کا یہ قافلہ وطن واپس ہوا اور ہم ابھی تک فیصلہ ہی نہ کر پائے۔ دراصل وہ دور میرا نوبالغی کا تھا، معزز لوگوں کے حضور لب کشائی کے آداب ابھی تک میں نے سیکھے نہ تھے، اس لیے یہ جھجک اور ہچکچاہٹ کافی عرصے تک میرے لیے حجاب بنی رہی۔ دھیرے دھیرے یہ منزل طے ہوتی گئی اور آج وہ وقت ہے کہ اس رابطے اور سعی بہیم نے پاک و ہند کی نہ ختم ہونے والی رُکاوٹوں اور دوسری دُنیا کے طویل ترین فاصلوں کو کالعدم ثابت کر دیا ہے۔

راقم کے ذاتی مراسم اسی سال ۲۰۱۱ء کے ماہ اپریل میں اُسٹوار ہوئے جب میں نے پہلی بار حضرت سے تاج اللؤلؤ اکیڈمی کی چند مطبوعہ کتب بہ غرض طباعت منگوانے کے لیے رابطہ کیا تو آپ نے جواباً یہ خط (بہ ذریعہ ای میل) لکھا، جو آپ کے ہاتھ سے ہی ٹائپ کیا ہوا حاضر خدمت ہے:

”مکرمی جناب محمد رضا الحسن صاحب..... السلام علیکم  
آپ کے اشاعتی کام اور دینی جذبے کو دیکھ کر خوشی ہوئی، تاج  
اللؤلؤ اکیڈمی کی فہرست مطبوعات حاضر ہے۔“

مجھے حضرت مولانا اُسید الحق رحمۃ اللہ علیہ کا علمی و تحقیقی حوالے سے صحیح تعارف سال ۲۰۱۱ء میں ہوا جب اُن کا ترجمہ و ترتیب شدہ ”مجموعہ رسائل فضل رسول“ پاکستان میں مکتبہ برکات المدینہ، کراچی سے نومبر ۲۰۱۰ء میں شائع ہوا اور سال ۲۰۱۱ء میں لاہور کی ماریٹوں میں آیا۔ یہ

’تذکرہ فضل رسول اور تاج الفحول: حیات و خدمات‘ کی کمپوزنگ ہمارے پاس نہیں ہے، اگر آپ کہیں تو بذریعہ ڈاک کتاب بھجوا دی جائے، قصیدتان رائعتان اور اکمل التاريخ، ابھی طبع نہیں ہوئی ہیں، ان پر کام چل رہا ہے، ان شاء اللہ رمضان المبارک تک منظر عام پر آجائیں گی، مثنوی غوثیہ کی سافٹ کاپی ارسال کر رہا ہوں، اگر شائع کریں تو اس سے پہلے مجھے مطلع کر دیں۔

رب قدر آپ کی حسنت قبول فرمائے۔

أسید الحق قادری

اُس وقت جن دو کتابوں کی شدید حاجت تھی ان پر ابھی تک کام مکمل نہیں ہوا تھا، پھر جن کتب کی مزید طلب تھی وہ مطبوعہ تو تھیں لیکن ان کی کمپوزنگ موجود نہیں تھی، اور فوری طور پر انھیں ڈاک سے منگوانا کافی بوجھ لگ رہا تھا، لہذا یہ پروگرام ملتوی کر دیا گیا۔ جب کہ مثنوی کی اشاعت کو کسی مناسب موقع کے لیے روک لیا گیا۔

دوسرا رابطہ غلامہ فضل حق خیر آبادی رحمہ اللہ کے ڈیڑھ صد سالہ سنہ شہادت جسے حضرت علامہ ہی سے منسوب کیا گیا، کی تیاریوں کے سلسلے میں ہوا۔ راقم اپنے ادارے سے علامہ خیر آبادی کا رسالہ ”الروض الجود“ مع ترجمہ از حکیم سید محمود احمد برکاتی، شائع کر رہا تھا، اس کی ابتدا میں حالات مصنف شامل کرنے تھے جو میں خود ہی ترتیب دے رہا تھا۔ حضرت خیر آبادی کی تصانیف کے ضمن میں ”امتناع النظر“ کے بعد ایک فتویٰ بابت مولوی حیدر علی ٹونگی کے متعلق خبر ہوئی جس کا کسی ذریعے سے سراغ نہ لگ سکا۔ دراصل یہ فتویٰ ”شفاعتِ مصطفیٰ“ (ترجمہ تحقیق الفتویٰ) کے پاکستانی ایڈیشن میں نہیں ہے، جب کہ انڈین اشاعت میں موجود ہے جو میری رسائی سے باہر تھی۔ علاوہ ازیں ”امتناع النظر“ کے علامہ فضل حق خیر آبادی سے انتساب کے سلسلے میں ایک غلط فہمی پائی جاتی تھی اس کا ازالہ کرنا تھا۔ میری نظر میں اس فتوے کے حصول اور غلط فہمی کے ازالے کے لیے سب سے موزوں حضرت اسید صاحب کی ہستی گرامی تھی۔ راقم نے آپ سے اس مشکل کا ذکر کیا، حضرت کی عنایات کو بھلا کیوں کر بھلایا جاسکتا ہے، آں حضور نے اس فتویٰ کے قلمی نسخہ (جو کتب خانہ قادریہ کی زینت تھا) کی تصاویر ہوا کر مع تفصیلات جو

ان کی زیر تصنیف کتاب ”خیر آبادیات“ میں شامل تھیں، بھیج دیں، ساتھ ہی ”امتناع النظر“ کے حوالے سے بھی مواد بھیج دیا۔ آپ کا وہ مکتوب گرامی درج ذیل ہے:

”جناب..... السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

فتویٰ حاضر خدمت ہے۔ یہ قلمی نسخہ کتب خانہ قادریہ بدایوں شریف میں محفوظ ہے، فتوے کی بعض تفصیلات جو میں نے اپنی کتاب ’خیر آبادیات‘ میں لکھی ہیں، درج ذیل ہیں.....“

اس کے بعد ”خیر آبادیات“ (مسودہ از ص ۱۶۵ تا ص ۱۶۹، مطبوعہ از ص ۱۶۸ تا ۱۷۱) ”فتوے تکفیر“ والی بحث اخیر تک درج ہے۔ اور پھر ”علامہ کی کتاب امتناع النظر کے بارے میں چند گزارشات“ کے عنوان سے ”خیر آبادیات“ (مسودہ از ص ۱۶۱ تا ۱۶۳، مطبوعہ از ص ۱۶۳ تا ۱۶۴) کی ”رسالہ امتناع النظر“ والی مکمل بحث نقل ہے۔

”خیر آبادیات“ کے مندرجات پر چند اشکالات پیش آئے، جس کا حل راقم نے اس خط کے ذریعے استفسار کیا:

السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

حضرت! آپ نے اپنی بے پناہ مصروفیات کے باوجود جس فراخ دلی سے میری گزارش کو اہمیت دی ہے اور اتنی بلدا تے قیمتی مواد کی فراہمی کو ممکن بنایا ہے۔ میں آپ کی اس بندہ نوازی کو کبھی بھول نہیں سکوں گا۔ ہر وقت دُعا گو ہوں کہ اللہ کریم اپنے نیک بندوں کے طفیل آپ کے اخلاصِ عظیم کو آپ کے لیے دنیا و آخرت میں کفارہ تقصیرات بنائے۔

حضرت! ایک بات مجھے کھٹک رہی ہے کہ ”امتناع النظر“ کے متعلق آپ نے لکھا:

”(خارجی دلیل:) یہ رسالہ علامہ کے شاگرد مولانا ہدایت اللہ رامپوری کے نام سے منظر عام پر آیا تھا۔“

۱- کیا امتناع النظر کی کوئی اشاعت مولانا ہدایت اللہ رام پوری کے نام سے بھی ہو چکی ہے؟

۲- سلمہ سیہول صاحبہ نے اپنی کتاب میں امتناع النظر کو ایک جگہ ”علامہ کے ایک شاگرد (نام نہیں دیا)“ کی تصنیف بتایا ہے اور دوسری جگہ ”غالبا مولانا ہدایت اللہ رام پوری“ لکھا

ہے اور اب اُن کا کہنا یہ ہے کہ یہ مولانا ہدایت اللہ کی بھی تصنیف نہیں ہے، بل کہ کسی اور کی ہے (جن کا نام انھیں اُس وقت مستحضر نہیں تھا۔ کہہ رہی تھیں کہ انھوں نے اپنے کاغذات میں لکھ رکھا ہے، فرصت ملنے پر بتادیں گی)۔

اس مقدمہ کے پیش نظر میری گزارش یہ ہے کہ کیا جیسے اس کتاب پر مولانا ہدایت اللہ صاحب کی تصنیف کا شبہ کیا جا رہا ہے، کیا حضرت علامہ کے کسی اور شاگرد کی طرف بھی اس شک کا رخ ہو سکتا ہے؟

۳- ”علامہ کی کتاب امتناع النظیر کے بارے میں چند گزارشات“ والا مضمون جہاں سے شروع ہو رہا ہے وہاں آپ نے یہ لکھا ہے:

”حیدر علی ٹونگی کے سابق الذکر رسالے کے جواب میں خود علامہ نے قلم اٹھایا، اور رسالہ ”امتناع النظیر“ تصنیف کیا۔“ کیا یہ رسالہ یا اس کا نام دریافت ہوا ہے؟

باقی، حضرت آپ نے جو علامہ سید محمد سلیمان اشرف صاحب کے حوالے سے اور کتاب کے اُسلوبی نقطہ نظر سے جو ٹھوس شواہد اکٹھے کیے ہیں، اُن سے اس کتاب کا علامہ فضل حق خیر آبادی کی تصنیف ہونا سو فی صد ثابت ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے علم و عمر میں برکتیں عطا فرمائے۔

آپ کی کتاب ”خیر آبادیات“ انڈیا میں چھپ چکی ہے؟ اور پاکستان میں کب اور کہاں سے چھپے گی؟

جواب کا منتظر

محمد رضا الحسن قادری

آپ نے کمال شفقت فرماتے ہوئے اس کا تفصیلی جواب مرحمت فرمایا:

مکرمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

راقم کے ناقص خیال میں امتناع النظیر کی پہلی اشاعت وہی ہے جو مولانا سید سلیمان اشرف صاحب نے کی ہے، اس سے پہلے اس کی اشاعت کا کوئی ثبوت میری نظر سے نہیں گزرا، میں نے جو یہ لکھا ہے کہ ”منظر عام آیا“ اس سے مراد طباعت

نہیں ہے بلکہ اس زمانے میں کسی کتاب کے منظر عام پر آنے کا مطلب یہی تھا کہ کتاب کے قلمی نسخے منظر عام پر آئے اور اس کی شہرت ہوئی، امتناع النظیر مولانا ہدایت اللہ رامپوری کے علاوہ کسی اور شاگرد کے نام سے منسوب ہوئی تھی اس کا مجھے علم نہیں، اگر محترمہ سلمہ صاحبہ یہ کہہ رہی ہیں تو ضرور ان کے پاس اس کی کوئی مضبوط بنیاد ضرور ہوگی، مگر علامہ کے ہاتھ کا اصل نسخہ مولانا ہدایت اللہ صاحب کے پاس ہونا اس بات کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ یہ مولانا ہدایت اللہ ہی کے نام سے مشتہر ہوئی ہوگی، واللہ اعلم۔

تحقیق الفتویٰ کے جواب میں حیدر علی ٹونگی نے جو رسالہ لکھا تھا وہ آج تک نظر سے نہیں گزرا اور نہ اس کا نام معلوم ہوا، حکیم محمود احمد برکاتی صاحب نے سید حیدر علی ٹونگی کے اس رسالے کا نام ”صیانة الاناس من وسوسة الخناس“ تحریر کیا ہے، ان کے اتباع میں بعد کے بہت سے اہل قلم نے بھی یہی لکھ دیا، مگر یہ درست نہیں ہے، صیانة الاناس علامہ فضل حق کی تحقیق الفتویٰ کے جواب میں نہیں، بلکہ مولانا شاہ فضل رسول بدایونی کی کتاب فصل الخطاب (مقولات عشر) کے جواب میں لکھی گئی تھی، جو فخر المطابع دہلی سے ۱۲۷۰ھ میں شائع ہوئی۔

مولانا شاہ عبدالصمد سہوانی (وفات: ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء) کے ایک بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ سید حیدر علی ٹونگی نے تحقیق الفتویٰ کے جواب میں دو رسالے لکھے تھے، ایک مختصر جس کا جواب بدایوں سے دیا گیا اور دوسرا قدرے تفصیلی جس کا جواب مولانا عبدالحق کانپوری نے دیا، لکھتے ہیں:

بعد مدت دراز مولوی حیدر علی نے ایک رسالہ مختصرہ صغیرہ بنام نہاد جواب تحقیق الفتویٰ کے لکھا کہ وہ رسالہ بتوسط نشی اظہار حسین صاحب سہوانی کے بدایوں میں پہنچا اور جواب اس کا لکھا گیا کہ بتوسط اہل سہوان مولوی حیدر علی کے پاس پہنچا اور انہوں نے جواب اس کا تو نہ لکھا مگر بعد مدت پھر تحقیق الفتویٰ کا جواب کبیر لکھا اور اس میں اکثر اعتراضات مولوی

فضل حق صاحب سے کلام مولوی اسماعیل پر سکوت کیا چند اعتراضوں کا جواب پریشان دیا، مولوی عبدالحق صاحب بن شاہ عبدالرسول صاحب کا پوری تلمیذ مولوی فضل حق صاحب نے اس کا جواب نہایت بسط کے ساتھ لکھا، اس کا جواب بھی مولوی حیدر علی یا ان کے اتباع سے نہ ہو سکا۔

(افادات صمدیہ: ص ۲۰/۱۹)

سید حیدر علی ٹونکی کے رسالہ صغیرہ کے جواب میں بدایوں سے جو رسالہ لکھا گیا تھا اس کا مخطوطہ کتب خانہ قادریہ میں محفوظ ہے، یہ فارسی میں ۴۱/۴۱ اوراق (۸۱ صفحات) کا رسالہ ہے، اس پر مصنف کا نام درج نہیں ہے، اسلوب تحریر سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ رسالہ مولانا شاہ فضل رسول بدایونی کا ہے، اگرچہ رسم الخط آپ کا نہیں ہے، حمد و صلاۃ کے بعد مصنف رسالہ لکھتے ہیں:

ترجمہ: برادر صاحب گرامی مرتبت اعز و ارشد نور العین شیخ اظہار حسین (اسعدہ اللہ فی الدارين)

بعد سلام مسنون، فاضل کامل رأس المدققین سند المحققین لوزعی المعی مولوی حیدر علی راپوری زاد افادۃ کی وہ تحریر خاکسار کو عنایت کی جو اُس فتوے کے رد میں ہے جو امام زماں فرید دوراں الاستاذ المطلق مولوی فضل حق ازداد برکاتہ کی فکر صامت اور ذہن ثاقب کا نتیجہ ہے، جو انہوں نے شفاعت کے بیان میں تقویت الایمان کی ایک عبارت کے متعلق دیا تھا، جو کچھ میری شکستہ خیال میں آیا اس کے اظہار کا اصرار کیا گیا، تو حال یہ ہے کہ مولوی فضل حق صاحب علمی کمالات کی جامعیت اور از اول تا آخر علوم عقلیہ و نقلیہ کے احاطہ میں اس زمانے میں اپنی نظیر نہیں رکھتے الا ماشاء اللہ، جو کچھ میں نے دیکھا اور سنا ہے وہ یہی ہے باقی پوشیدہ باتوں کو تو اللہ ہی جانتا ہے، اُس زمانے میں کہ جب انہوں نے یہ فتویٰ لکھا تھا اس فرقے کے ارکان اور اس طائفے کے اعیان جو اس کے شروع کرنے والے اور بانی مبنی تھے وہ خود موجود تھے، انہوں نے (اس فتوے کی وجہ سے) کیا کیا رنج نہ اٹھائے اور کیا کیا بیچ و تاب نہ

کھایا، اور کتنا جگر خون نہ کیا مگر مقابلے کی تاب نہ لا کر ساکت ہو گئے، الخ۔ (رسالہ تردید حیدر علی ٹونکی قلمی، ص: ۱)

(خیر آبادیات، ص: ۱۶۰/ص: ۱۶۱)

”خیر آبادیات“ ابھی شائع نہیں ہوئی ہے، دو تین حضرات سے اس پر تاثرات لکھوانا ہے، ان کے پاس گئی ہوئی ہے، ان شاء اللہ رمضان کے آخری ہفتے میں آجائے گی، پاکستان میں بھی اشاعت جلد ہی ہوگی۔

دعا میں یاد رکھیں، میں آپ سے واقف نہیں ہوں، محض اسلام و سنت کے رشتے کی وجہ سے یہ تعاون کر رہا ہوں، اس کے بدلے دعائے خیر کے علاوہ آپ سے اور کچھ نہیں چاہتا۔

فقط

اسید الحق قادری

اس آخری پیرے پر غور فرمائیں! خلوص لوجہ اللہ اور درود دین کا

کتنا اُجلا، اعلیٰ اور پیارا نمونہ ہے۔ فجزاہ اللہ تعالیٰ احسن الجزاء یوم الجزاء۔

تیسرا رابطہ آپ کی تازہ طبع یافتہ کتاب ”عربی محاورات“ سے ہوا۔ راقم نے حضرت سے اس کتاب کو پاکستان میں اپنی زیر نگرانی چھپوانے کے لیے لکھا اور ساتھ ہی کتاب کی رائٹنگ کے متعلق پوچھا تو آپ نے کتاب کا مختصر تعارف اور اس پر اہل علم کے تاثرات نقل کر کے بھیج دیے۔ اس کے آخر میں یہ نوٹ بھی تھا:

”اگر آپ کتاب شائع کرنا چاہتے ہیں تو میں خوشی سے اس کی اجازت دیتا ہوں، میرے والد محترم فرماتے ہیں کہ بیٹا، ہم لوگ علم کے خادم ہیں، کتب فروش نہیں، لہذا کتاب کی اشاعت سے مجھے رائٹنگ وغیرہ کی طلب بھی نہیں ہے، اس کتاب سے اگر طلبہ فائدہ اٹھالیں تو یہی میری کمائی ہے، باقی رہا مالی منافع تو گزارش ہے کہ اس کو آئندہ اور کسی مفید کتاب کی اشاعت میں لگا دیں۔“

کتاب میں کسی قسم کا تبدیلی کا آپ کو حق نہیں ہوگا، جس طرح انڈیا میں شائع ہو رہی ہے بالکل ویسا ہی شائع کریں، جام نور کے پاکستانی ایڈیشن میں ہم کتاب کا اشتہار شائع کروادیں



گے۔ اگر آپ تیار ہوں تو میں کتاب آپ کی خدمت میں ارسال کر دوں؟

فقط

اسید الحق قادری

جواباً اس ناچیز نے یہ تریضہ لکھا:

”وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ“

حضرت مولائی شیخ اسید الحق صاحب تحقیق علمہ!

آپ کا نیاز نامہ پڑھ کر قلبی سکینت حاصل ہوئی۔ آپ مجھ ہیچ میرز کے ساتھ جو معاملہ فرماتے ہیں (یقیناً اوروں کے ساتھ بھی آپ کا برتاؤ ایسا ہی ہوتا ہوگا)، واقعی اگر اُس میں للہیت اور آپ کا بڑا اپن شامل نہ ہو تو شاید ایسا ممکن نہ ہو۔ میں ہمہ دم اللہ رب العزت سے آپ کے حق میں خیر کا طالب ہوں۔

آپ نے کتاب کا مختصر تعارف اور مثلاً ایک محاورہ بھی منقول کیا، اس سے کتاب کے اسلوب سے واقفیت تو ہوئی، مگر اس کے محتویات سے دل چسپی پہلے سے زیادہ بڑھ گئی ہے۔ ماشاء اللہ آپ جیسے لوگ جس موضوع کو ہاتھ ڈالیں گے، اُس سے کما حقہ نباہ کریں گے اور سچی بات یہ ہے کہ نتائج ہماری توقعات سے بہت آگے کے ہوتے ہیں۔

آپ نے میری گزارش کی قدر فرمائی اور اس پر مزید کرم کہ رائٹنگ وغیرہ کی قید سے آزاد کر دیا؛ اس فراخ دلی پر میں آپ کا بے حد ممنون ہوں۔ لیکن میں یہ ضرور چاہوں گا کہ آپ جب کبھی پاکستان تشریف لائیں گے تو میں آپ کو آپ کے حسب منشا کچھ نہ کچھ علمی مواد (جو میری استطاعت میں ہو) فراہم کروں جو سب میری بہ خوشی رائٹنگ کے علاوہ ہوگا۔

کتاب میں تبدیلی کے حوالے سے آپ کا فرمانا بالکل جائز ہے کہ متن میں آپ کے علاوہ کوئی شخص آپ کی بلا اجازت تغیر نہیں کر سکتا، لیکن حضرت! آپ نے جو یہ فرمایا ہے کہ ”جس طرح انڈیا میں شائع ہو رہی ہے بالکل ویسا ہی شائع کریں“ اس میں میں چند باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں:

۱۔ میں جو کتابیں اب تک کمپوزنگ میں چھاپ چکا ہوں، ان میں میں نے ہیج سائز، فونٹ سائز، لائن سپیس وغیرہ کی

مقداریں مخصوص کی ہوئی ہیں۔

مثلاً ہیج سائز: 7.25x4.25: فونٹ سائز: 15، لائن سپیس: 21.7 اور انہی کے مطابق سرخیوں کے مختلف سائز مقرر کر رکھے ہیں۔

۲۔ میرے پاس ہوارڈ کمپوزنگ کا پروگرام ہے اُس میں صلی اللہ علیہ وسلم، رحمۃ اللہ علیہ، رضی اللہ عنہ وغیرہ دعائیہ جملے طغروں کی شکل میں ہیں جو جگہ بھی کم گھیرتے ہیں۔

۳۔ مجھے تحریر میں بہ طور خاص املا کی باریکیوں اور محاسن کو اجاگر کرنے کا شوق ہے۔ اُس میں کئی طرح کی چیزیں ہیں۔ مثلاً: چاہئے کو چاہیے، لئے کو لیے، کئے کو کیے وغیرہ.... الفاظ کو الگ الگ کر کے لکھنا۔ جیسے کیونکہ کو کیوں کہ، بزبان کو بہ زبان، ذیشان کو ذی شان وغیرہ.... کئی عام غلطیاں جو اب غلطیاں سمجھی ہی نہیں جاتیں جیسے مع: اس کو عموماً بمع بھی لکھتے ہیں اور خوردنوش: اس کو خوردنوش پڑھتے ہیں۔ اش اش کرنا: اسے عیش عیش کہتے ہیں وغیرہ.... پھر کچھ الفاظ کے املا میں کوتاہی ہوتی ہے جیسے قراءت کو قرأت، مرآت کو مرأت (مرآة الگ ہے) اور اسی طرح توجیہ کو توجیہ اور تشبیہ کو تشبیہ وغیرہ۔

یہ ساری باتیں میں نے وضاحتاً اس لیے لکھ دیں کہ آپ مکمل اطمینان رہے اور یقیناً آپ کی دل چسپی بھی بڑھی ہوگی۔ انب کاموں سے لازماً کتاب کے حسن میں اضافہ ہوگا اور یہ سارا کام میں خود کرتا ہوں۔ یہ بھی پریشانی نہیں ہوتی کہ کسی انٹری کمپوزر کو کام دیا ہے، کہیں وہ خرابی پیدا نہ کرے۔ امید ہے کہ آپ میری اس چھوٹی سی گزارش کو تحسین کی نگاہ سے دیکھیں گے۔ خوشتر نورانی صاحب کی کتاب میں بھی ان تمام امور کا التزام کیا گیا ہے۔

آپ مجھے کتاب بھیج دیں۔ میں تقریباً ایک ڈیڑھ ہفتے میں اپنے جو کام شروع کر رکھے ہیں ان سے فارغ ہو جاؤں گا تو فوراً آپ کی کتاب پر کام شروع کر دوں گا۔ اللہ خیر فرمائے تو اس ماہ کے آخر میں، نہیں تو اگلے مہینے کی ابتدا میں ہی بفضلہ تعالیٰ کتاب چھپ جائے گی۔ نیاز مند

اس کے بعد آپ کا یہ خط ملا:

”محترمی..... السلام علیکم

آپ کا جواب پڑھ لیا، شکریہ، املا کے سلسلے میں جو باتیں آپ نے لکھی ہیں وہ پسند آئیں، ان میں سے اکثر کی پابندی میں خود کرتا ہوں، مثلاً چاہیے، لیے اور کیوں کہ وغیرہ۔ پھر بھی آپ اپنے ذوق کی تسکین کر لیں اور جہاں املا تبدیل کرنا چاہیں کر لیں، مگر عربی عبارتوں کو ویسا ہی رہنے دیں۔

کتاب کا مسودہ حاضر خدمت ہے مگر اس شرط کے ساتھ کہ یہ مسودہ آپ کسی کو میل نہیں کریں گے اور نہ ہی کسی کو کاپی کر کے دیں گے، آپ کو یہ شرط شاید غیر ضروری معلوم ہو مگر مجھے اس سلسلے میں کئی تلخ تجربے ہو چکے ہیں اس لیے احتیاط کرتا ہوں، کتاب کی اشاعت سے قبل میں کسی کو بھی کتاب کا مسودہ نہیں دیتا ہوں۔

کتاب کے آخر میں جو تاج اللحوول اکیڈمی کی مطبوعات کی فہرست ہے اسے نکال دیں، تعارف مصنف اگر باقی رہے تو کوئی حرج نہیں اور اگر چاہیں تو اس کو بھی نکال دیں مجھے اعتراض نہیں ہے۔ اگر آپ چاہیں تو چند سطروں میں ایک ابتدائی پاکستانی ایڈیشن کے لیے لکھ دوں، جس میں آپ کے مکتبے کو کتاب کی اشاعت کی اجازت بھی ہو۔

ڈاکٹر عظیم اشرف جانی صاحب کی تقریظ میں نے کتاب کے بیک ٹائٹل پر دی ہے، آپ بھی ایسا ہی کر سکتے ہیں، اور اگر کوئی دشواری ہو تو ڈاکٹر مصطفیٰ شریف صاحب کی تقریظ کے بعد کتاب میں شامل کر لیں، فہرست میں نام بڑھا دیں۔

جام نور کے آئندہ شمارے میں ہندوستانی اور پاکستانی دونوں ایڈیشنز کا اشتہار دے دیا جائے گا۔

کتاب حاضر ہے، مطالعہ کریں اور اپنی رائے سے نوازیں۔

مخلص

اسید الحق قادری

حضرت نے یہ بھی حکم فرمایا تھا کہ کتاب چھپنے کے بعد پاکستان

میں چند حضرات کو کتاب کا ایک ایک نسخہ بھجوادیا جائے۔

بھم اللہ تعالیٰ ”عربی محاورات“ اس ناچیز کی سعی سے پاکستان میں مکتبہ بہار شریعت، لاہور سے رجب ۱۴۳۳ھ / مئی ۲۰۱۲ء میں چھپی۔ لیکن ناشر کو مذکورہ حضرات تک کتاب پہنچانے کی ہمت و توفیق نہیں ہوئی۔ کتاب کی طباعت کے بعد مصنف سے معلوم ہوا کہ مولانا رابع حسنی ندوی (دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ)، مولانا سعید اعظمی ندوی (مدیر مجلہ ”الہجث الاسلامی“) اور مولانا وثیق ندوی (صدر شعبہ عربی) کتاب کے پہلے ایڈیشن پر تاثرات لکھے تھے جو ابھی تک شائع نہیں ہو سکے۔

دسمبر ۲۰۱۲ء میں ناچیز نے اپنے ادارے سے ”دفاع سیدنا امیر معاویہ“ کے نام سے اکابر علمائے اہل سنت کے رسائل کا مجموعہ چھاپنے کا ارادہ کیا، جس میں شیخ محمد حیات سندھی کا ”رسالہ فی فضل معاویہ“، علامہ عبدالعزیز پرہاروی کا ”الناہیہ عن طعن امیر المؤمنین معاویہ“، مولانا عبدالرشید جھنگوی رحمہم اللہ کا ”حضرت سیدنا امیر معاویہ کے بارے کیے گئے چند سوالات کے جوابات“ اور پیر سائیں غلام رسول قاسمی کا ”صافیہ لما وقع بین علی و معاویہ“ کے علاوہ تاج اللحوول حضرت شاہ عبد القادر بدایونی رحمہم اللہ کا مصنفہ رسالہ ”تصحیح العقیدہ فی باب امیر معاویہ“ بھی شامل ہونا تھا، چنانچہ حضرت الشیخ سے گزارش کی گئی کہ تاج اللحوول اکیڈمی، بدایوں سے اس کی اس رسالے کی جو اشاعت ہوئی ہے اور اُس پر آپ نے پیش لفظ لکھا ہے اُس کی کمپوز ڈ فائل بھیج دی جائے۔ آپ نے اپنی عادت کے مطابق شفقت فرماتے ہوئے وہ فائل بھیج دی جسے مجموعہ رسائل میں شامل کر لیا گیا۔ پانچ رسائل کا یہ مجموعہ راقم کی ترتیب اور کنز العلماء حضرت ڈاکٹر محمد اشرف آصف جلالی صاحب کے تحت الاشراف صفر ۱۴۳۴ھ / جنوری ۲۰۱۳ء میں شائع کیا گیا۔ اس سلسلے کی اگلی جلد ان شاء اللہ اسی سال آرہی ہے جس میں حسب سابق اسلاف علما کے نایاب رسائل شامل ہوں گے۔

سال ۲۰۱۲ء میں دارالاسلام نے اعتقادات اسلام کے سلسلے میں عقائد اسلامیہ سنیہ حنفیہ ماتریدیہ کے متون تحقیق و ترجمہ کے ساتھ شائع کرنے کا وسیع منصوبہ بنایا۔ اس میں کثیر تعداد میں ائمہ اسلام اہل سنت کے مصنفات متون کو شامل کیا گیا۔ انہی دنوں ”فیس بک“ پر حضرت تاج اللحوول کے رسالہ ”احسن الکلام فی تحقیق عقائد الاسلام“

کئی منازل طے کی ہیں۔ اعطاه اللہ مقامہ فی اعلیٰ علیین۔

دریں ایام پاکستان کے کونوں کھدروں میں فرقہ تفضیلیہ کے جراثیم کافی تیزی سے پرورش پارہے ہیں اور کافی ہاتھ پاؤں بھی مار رہے ہیں۔ اپنی شرم ناک سرگرمیوں کے باعث اعتقادی طور پر تو وہ اہل سنت کے لیے نقصان دہ ہیں ہی، مزید یہ کہ وہ اپنے مطلب کے لیے دو نمبر سینوں (اہل سنت و آل جماعت) کو بھی استعمال کر رہے ہیں۔ پچھلے سال ایک تفضیلی ادارے مکتبہ اہل بیت اطہار، لاہور نے ایک برائے نام سنی سید مہر حسین شاہ بخاری کا رسالہ ”القول المقبول

فی مدح اولاد الرسول“ شائع کیا جو عرب کے مشہور شاعر فرزدق کے امام زین العابدین رحمہ اللہ کی شان میں لکھے ہوئے قصیدہ ترجمہ ہے۔ تفضیلی حضرات کو یہ بہت بڑی غلط فہمی ہے کہ وہ اپنے آپ کو اہل

بیت کا اکلوتا وارث سمجھتے ہیں، حالاں کہ ان کے پاس صرف یہی ایک موضوع ہے اور انہیں اُس پر بھی کما حقہ کام کرنے کا سلیقہ نہیں آتا۔

فرزدق تیسری (متونی ۱۱۰ھ) کے اسی قصیدہ میمیہ کی بابت حضرت اُسید الحق رحمہ اللہ کا ایک مضمون ”جام نور“ کے اگست ۲۰۱۲ء کے شمارے میں شائع ہوا تھا۔ راقم نے اس کے لیے حضرت سے رابطہ کیا تو آپ نے اپنا

مضمون ارسال کر دیا۔ جب مضمون میرے پاس پہنچا اور میں نے اُسے پڑھا تو بے حد حیران ہوا کہ اس مختصر سے قصیدے کے بارے میں اتنی کثیر

معلومات! سبحان اللہ! ایسا لگا کہ ”القول المقبول“ کی اس مضمون کے سامنے کچھ حیثیت نہیں ہے، اور پھر تفضیلی حضرات کا اس پر اتنا ناخفت

عقل کے سوا کچھ نہیں ہے۔ یہ مضمون بہ جاے خود ایک کتابچہ تھا، خیال ہوا کہ اسے کتابی صورت میں منظر عام پر لانا چاہیے۔ حضرت عالی مرتبت

مرحوم سے فرمائش کی گئی، ناچیز کے کہنے پر آپ نے اس میں کچھ اضافات فرمائے اور میرے ہی مشورے پر ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی ازہری صاحب سے تقریظ لکھوائی گئی۔ اس صورت حال کا تذکرہ اور خاک سار کے لیے

دعاؤں اور نیک تمناؤں کا اظہار حضرت نے ابتدا سے ہی یوں کیا ہے:

”کچھ ماہ قبل لاہور کے ایک فعال اور بلند حوصلہ نوجوان جناب محمد رضا الحسن قادری (مالک مکتبہ دارالاسلام، لاہور) نے خواہش ظاہر کی کہ وہ مذکورہ مضمون کتابچے کی شکل میں اپنے مکتبے سے شائع کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے بہ خوشی اجازت

مترجمہ مولانا دلشاد احمد قادری بہ نام ”اسلام کے بنیادی عقائد“ مطبوعہ تاج الفحول اکیڈمی کا نائٹل نظر پڑا جو حضرت اُسید الحق مرحوم نے اپنے اکاؤنٹ سے شیئر کیا تھا۔ چنانچہ رابطہ قائم کیا گیا اور اعتقادیات کے مذکورہ منسوبے کا تعارف کرایا گیا اور رسالہ حاصل کرنے کی عرض کی گئی۔ آں جناب نے کرم فرماتے ہوئے رسالہ کی کمپوزنگ ارسال فرمادی۔ حضرت عزوجل کے لطف و کرم سے یہ رسالہ انوار الاسلام، چشتیاں شریف (بہاول نگر) سے ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ / جنوری ۲۰۱۳ء میں قاری محمد عبداللہ ذہبی عرفانی نے بہ تعاون قاری محمد ظفر اقبال مظہری نے شائع کیا۔

پاکستان میں کچھ عرصے سے مولود ناموں کے مجموعے چھپ رہے ہیں۔ اس وقت تک مختلف حضرات کے مرتبہ ایک درجن سے زائد مجموعہ ہائے رسائل چھپ چکے ہیں جن میں سو سے بھی زیادہ میلاد نامے

(بہ شرط سست) محفوظ ہو چکے ہیں۔ چند سال قبل حضرت سیف اللہ اُسید الحق شاہ فضل رسول بدایونی رحمہ اللہ کا ”مولود منظوم“ کے قدیم نسخہ کا

نکس القلم لائبریری کی ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کیا تھا۔ بعد میں تاج الفحول اکیڈمی کی نہرست کو دیکھنے سے پتہ چلا کہ یہ مولود نامہ بدایوں سے

ذوالحجہ ۱۴۳۰ھ / دسمبر ۲۰۰۹ء میں چھپ چکا ہے۔ دو سال پہلے محترم صلاح الدین سعیدی صاحب نے راقم سے منگوانے کا کہا تھا، وہ اپنے

زیر ترتیب مجموعہ رسائل میں اسے شائع کرنا چاہتے تھے، لیکن وقت کی کمی کے باعث ناچیز حاصل نہ کر سکا اور ان کا مجموعہ رسائل بھی چھپ گیا۔

پچھلے سال محترمی میثم عباس رضوی صاحب نے بھی نادرونا یا ب رسائل میلاد ترتیب دیے لیکن ان رسائل کا خصوصی موضوع منکرین میلاد (وہابیہ) پر رد و قدح بھی ہے، چنانچہ حضرت اُسید صاحب سے درخواست کی گئی کہ مولود نامہ مذکور کی فائل ہمیں ای میل کر دیں۔ آپ

نے فائل بھیج دی اور یہ ”میلاد مصطفیٰ قرآن و حدیث کی روشنی میں“ میں شامل ہو کر صفر ۱۴۳۵ھ / دسمبر ۲۰۱۳ء میں شائع ہوا۔

اتنی کتب و رسائل کی اشاعت کے بعد تو تاج الفحول اکیڈمی سے جو بھی نئی کتاب چھپتی ناچیز بلا جھجک فون یا ای میل کے ذریعے حضرت سے رابطہ کرتا اور مطلوبہ کتاب کی منگوا لیا کرتا۔ کئی کتب کی مجلس مشاورت میں حضرت الشیخ مولانا اُسید الحق قادری کا نام شامل رہا۔ آپ کے قیمتی

آرا سے روشنی حاصل کرتے ہوئے دارالاسلام نے کامیابی اور ترقی کی

کے ساتھ مضمون کی سافٹ کاپی بھی ان کی خدمت میں بھیج دی، انہوں نے کہا کہ وہ چاہتے ہیں کہ اس پر گرامی قدر مولانا ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی ازہری سے تقریظ لکھوائیں، میں نے یہ تجویز بھی بہ خوشی منظور کر لی، کیوں کہ عربی شعر و ادب اور اس کی تاریخ مکرئی ممتاز صاحب کا خاص موضوع ہے، وہ میرے دیرینہ کرم فرما ہیں اور ازہر شریف کے رشتے سے میرے سینیر اور بڑے بھائی ہیں۔ رضاء الحسن صاحب نے ممتاز صاحب سے تقریظ حاصل کر کے کتاب اشاعت کے لیے تیار کر لی، لیکن کسی وجہ سے اُس وقت اس کی اشاعت عمل میں نہیں آسکی..... جناب محمد رضاء الحسن صاحب اب دوبارہ مستعد ہو گئے ہیں اور عن قریب یہ کتاب لاہور سے بھی شائع ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔“

الحمد للہ یہ قصیدہ قصیدہ تاج الفحول اکیڈمی بدایوں سے محرم ۱۴۳۵ھ / نومبر ۲۰۱۳ میں اور دار الاسلام لاہور سے موسوم بہ ”مدحت امام زین العابدین رحمہ اللہ“ ربیع الاول ۱۴۳۵ھ / جنوری ۲۰۱۴ء کو چھپ گیا۔

”تذکرہ نوری“: قاضی غلام شہر قادری بدایونی اور ”قصیدتان رائحان“: اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی بھی جیسے ہی شائع ہوئے اور ان دونوں کے سرورق Facebook پر نمودار ہوئے، حضرت سے رابطہ کر کے ان کی ان پیج فائلز منگوائی گئیں، یکے بعد دیگرے ان کی فائلز موصول ہوئیں۔ ان کے ملتے ہی ٹریننگ پیپر پر نکال کر ناشرین کے سپرد کر دیا گیا۔ ان شاء اللہ الرحمن اول الذکر کتاب نوریہ رضویہ پبلشنگ کمپنی (دارالنور)، لاہور اور آخر الذکر کتب خانہ امام احمد رضا، لاہور سے چھپ کر منظر عام پر آنے والی ہیں۔ خدا کرے ان کے اسباب جلد مہیا ہوں۔

سال گزشتہ میں ”اکمل التاریخ“: مولانا ضیاء القادری بدایونی کی باایوں میں اشاعت کی خبر ملی، ناچیز کے پاس اس کے حصہ اول کا قدیم نسخہ وجود تھا جس میں حضرت شاہ فضل رسول بدایونی رحمہ اللہ کے تذکرہ کے ضمن میں ڈیڑھ صدیوں کا تذکرہ بھی آ گیا تھا۔ اس کی اشاعت نو کی خبر سنتے ہی منہ میں پانی بھر آیا۔ فون پر رابطہ کیا اور کتاب کو پاکستان میں اپنے ادارے سے طبع و نشر کرنے کی اجازت چاہی اور فائل بھیجنے کا

تقاضا کیا۔ ارشاد فرمایا کہ مطبوعہ ایڈیشن میں کچھ تصحیحات ہونا باقی ہیں، جیسے ہی کام مکمل ہوگا، کتاب بھیج دی جائے گی۔ ساتھ ہی حضرت نے یہ بھی استفسار فرمایا کہ پاکستان میں اس ضخامت کی کتاب چھاپنے پر کتنی لاگت آتی ہے؟ میں نے عرض کیا کہ حضور! آپ کی کتاب ”عربی محاورات“ جو کہ اس سے نصف ہے اُس پر قریباً ۷۰ یا ۸۰ روپے خرچ آیا تھا، ”اکمل التاریخ“ کا آپ دو گنا کر لیجیے۔ معارفم نے یہ بھی عرض کیا کہ قبلہ! آپ کی جانب سے ہمیں اتنی قیمتی کتاب تحقیق اور کمپوزنگ اور تصحیح کے ساتھ مل رہی ہے، یہ آپ کا ہمارے ساتھ کیا کم تعاون ہے؟ بہ صورت رقم تعاون کی آپ ہرگز زحمت نہ فرمائیے! اس پر آپ نے جو الفاظ فرمائے وہ میرے لیے سرمایہ دنیا و عقبی ہیں۔ فرمانے لگے:

”آپ لوگ اتنے کٹھن حالات میں نایاب علمی کتب کی اشاعت کے لیے کوشش کر رہے ہیں، ایسی کوئی بھی کتاب چھاپنا بہت بڑا امتحان ہوتا ہے اور ان کی نکاسی اس سے بھی زیادہ جان جو کھم کا کام ہے، خصوصاً وہ کتاب جو کسی ایک خانوادے کے تذکرے پر مشتمل ہو، اُس کے قارئین کا حلقہ اور زیادہ محدود ہوتا ہے۔ چوں کہ یہ کتاب ہمارے خاندان کے متعلق لکھی گئی ہے اس لیے اس کی اشاعت میں آپ سے مالی تعاون کرنا ہمارا حق بنتا ہے۔ کراچی میں ہمارے کچھ ارادت مند ارباب ثروت ہیں، اُن سے میں کہوں گا تو وہ آپ سے ربط پیدا کر لیں گے اور آپ اُس ایڈیشن کو چھاپ کر مخصوص تعداد کے وہ نسخے پاکستان کے اہل علم و قلم تک اور لائبریریوں میں نیز مجلات میں تبصرہ کے لیے بھجوادیں گے۔ (بہ لفظ آں بہ قدر حفظ)

ناچیز نے اس فرمان شاہی پر سر تسلیم خم کر دیا۔ کئی ماہ کام کے ختم ہونے کا انتظار کیا۔ اس عرصہ میں جب بھی فون پر یا ای میل پر رابطہ ہوا، راقم استفسار کرتا رہا۔ ۱۴ فروری کو حضرت کی جو آخری ای میل آئی اُس کے الفاظ یہ تھے:

”اکمل التاریخ میں ابھی کچھ کام ہے، فی الحال اُس (قصیدہ مہمیہ) کو شائع فرمائیں“

انہی دنوں بندہ نے ایک صفحہ پر یادداشت کے لیے ”اکمل التاریخ“



کے علاوہ ”حدیث افتراق امت“، ”مولانا فیض احمد بدایونی“ (ڈاکٹر ایوب قادری) پر آپ کا مقدمہ اور تاج الخمول اکیڈمی کی ۲۰۱۰ء کی فہرست کتب کے مطابق زیر طبع کتب ”در بار حق و ہدایت“، مرتبہ: قاضی عبد الوحید فردوسی، ”قول سدید“ (ردِ خلافتِ معاویہ و یزید): مولانا ضیا احمد صدیقی بدایونی اور حضرت سیف اللہ المسلمول کی غیر مطبوعہ کتب کے نام لکھے تھے اور ”مولود منظوم (مع انتخاب نعت و مناقب)“: حضرت سیف اللہ المسلمول، ترتیب و تقدیم: مولانا اُسید الحق قادری، ”دیوان تاج الخمول“ پر فہرست میں ہی نشانات لگائے تھے، ارادہ یہ تھا کہ ان میں سے جو کتب بدایوں میں چھپ چکی ہیں وہ ابھی منگوائی جائیں اور جوں جوں باقی رسائل اور کتابیں چھپتی جائیں تو ان منگوائی جاتی رہیں۔ ادھر ”برکاتِ مارہرہ“: مولوی طفیل احمد صدیقی بدایونی، ”تذکرہ شمس مارہرہ“: مولانا اُسید الحق قادری، ”تنبیہ الخلق“ اور ”آداب السالکین“: حضرت شاہ آل احمد اچھے میاں مارہروی، مجھے خانقاہ قادریہ کے ایڈریس سے ای میل میں آئی تھیں اور فیس بک پر بھی ان کے ٹائٹل دیکھے تھے، ان کے نام بھی راقم نے اسی صفحہ پر نوٹ کر لیے۔ یہ صفحہ میرے کمپیوٹر کے پاس رکھا رہتا اور روزانہ کئی بار اس پر نظر ٹھہرتی اور ہر روز ان کتابوں کے نام کئی مرتبہ میرے ذہن نشین ہوتے رہتے۔ کئی دن بیت چکے تھے کہ حضرت سے بات نہیں ہوئی تھی، سوچا آج فون کر لوں..... پھر سوچا آج نہیں یار، پھر کسی دن سہی..... دوسرے روز خیال آیا..... آج کرنا چاہیے..... اچھا، آج بھی نہیں..... چلو، کوئی بات نہیں..... دو تین دن بعد دل چاہا کہ آج تو رابطہ کرنا ہے..... اور ضرور کرنا ہے..... ٹھیک ہے..... یہ منگل کا دن ہے، عصر کا وقت ہے اور وہ بھی ختم ہونے کو ہے، پتہ نہیں وہاں کیا نام ہو رہا ہوگا، کہیں نماز کا وقت نہ ہو..... اوہ ہو، بھئی! لڑائی تو کرو! کوئی حرج نہیں..... نمبر نکالا، ڈائل کیا، ساتھ ہی منقطع کر دیا..... چلو، چھوڑو، ایک گھنٹے بعد رابطہ کر لینا..... مارکیٹ سے گھر کا رخ کیا..... راستے میں اذانِ مغرب ہوئی..... نماز سے فارغ ہو کر گھر پہنچا..... کھانا کھایا..... اور خیال ہی خیال میں یہ منصوبہ بنا رہا تھا کہ ابھی حضرت کو فون کرنا ہے اور یہ یہ معروضات پیش کرنی ہیں..... ابھی چند لمحے بھی نہ بیتے تھے کہ موبائل پر SMS کی گھنٹی بجی۔ موبائل ہاتھ میں تھا..... میسج کھولا، یہ ہمارے دوست جناب ناقد رضا قادری صاحب کا میسج تھا..... لکھا تھا:

”اہل سنت کا بہت بڑا نقصان.....“

حیرت و استعجاب اور سناٹے کے عالم میں بقیہ میسج پڑھنے کے لیے نیچے کیا تو شیخ اُسید الحق ہی کا نام لکھا تھا۔ آپ کا نام پڑھتے ہی ایسے لگا جیسے میری اپنی جان نکلنے لگی ہو۔ دل سے صدا آنے لگی: کیا ہو گیا؟ خدا خیر کرے! اللہ قدم قدم پر ان کی حفاظت کرے!..... پل بھر میں بہت سے خطرات و حوادثِ دماغ میں چکرانے لگے..... ہاتھ تھرانے لگے، آنکھیں پتھرانے لگیں، دل کا پٹنے لگا..... اسی کیفیت میں بقیہ میسج پڑھنے کے لیے نیچے کیا تو پتہ چلا کہ قضا نے آپ کے لیے شہادت کا فرمان لکھ دیا ہے..... اس الم ناک حادثے کی خبر پڑھ کر کیا بتاؤں کیا حالت رہی..... کئی دن بعد تک یہ معاملہ رہا جیسے حواس ساتھ نہیں دے رہے..... اور آج بھی آپ کی شہادت کا صدمہ زخم تازہ روز کی طرح آپ کی جدائی کا احساس دلاتا رہا ہے..... ہاے پھوٹا نصیب!

میرے گوشہ فکر میں میری جان سے عزیز تر  
ایسا بھی اک شخص تھا جو ملا نہیں اور پھڑ گیا

جب سے ”مجموعہ رسائل فضل رسول“ اور ”خیر آبادیات“ شائع ہوئی ہیں، مارکیٹ میں قریباً روزانہ بلا ناغہ حضرت اُسید الحق مرحوم کا تذکرہ ہوتا تھا، جب بھی کچھ لوگ مل بیٹھ کر اپنی پس ماندگیوں، اور کوتاہیوں کا تذکرہ کر رہے ہوتے اور کبھی ہمیں موقع ہاتھ آجاتا تو ہم وہاں اپنے جن محققین، مفکرین اور علما کا ذکر کر کے فخر و مباہات کرتے اور قلوب کو جلا اور دلوروں کو تازگی بخشتے ان میں صف اول کے دانش وروں میں حضرت سیدی علامہ اُسید الحق رحمہ اللہ کا ذکر خیر بھی ہوتا اور ہر ایک کے دل سے ان کے لیے برکت و نصرت کی دُعائیں نکلتیں اور واقعات اتنے مختصر عرصے میں انہوں نے جتنا واقعہ کام کیا ہے یہ برکت ہی ہے، نصرتِ الہیہ کے بغیر اتنا کام اتنے کم عرصے میں ممکن نہیں۔ کبھی کبھی یہ ناچیز اپنے احباب کے سامنے ناز و تفاخر کے ساتھ کہہ دیا کرتا کہ علامہ اُسید صاحب جتنا کام کر رہے ہیں اُمید ہے کہ وہ اپنی زندگی کے اگلے چند سالوں میں خانوادہ بدایوں کا تمام تر علمی ورثہ زندہ کر ڈالیں گے اور یہ ان کے لیے ناممکن نہیں تھا۔ مگر رب ذوالجلال کی حکمت کے آگے کسی کا بس نہیں چل سکتا۔ خدائے لم یزل اہل سنت کو مرحوم کا سچا وارث اور جانشین عطا فرمائے۔

مجھے اپنی زندگی میں دو شخصیات کی وفات کا سب سے زیادہ دکھ ہوا: ان میں ایک پاکستان کے علامہ جلیل حکیم الامت امام اہل سنت فاتح مناظرہ جھنگ اشرف العلماء شیخ الحدیث حضرت علامہ محمد اشرف سیالوی رحمہ اللہ ہیں جن کا وصال ۱۲ رجب ۱۴۳۳ھ / ۲۳ مئی ۲۰۱۳ء کو ہوا، ان کی مرقد منور ڈیرہ اشرف آباد نزد فرو کہ مضافات سرگودھا میں واقع ہے۔ دوسرے ممتاز ناقد و محقق شہید بغداد عالم ربانی حضرت علامہ شیخ اُسید الحق قادری عثمانی بدایونی رحمہ اللہ ہیں، جن کا مزار اُنوار بغداد معلیٰ میں احاطہ روضہ حضور غوث الاعظم میں ہے۔ ان حضرات سے راقم کی جتنی قربت رہی دین کی حقیقی روح کو سمجھنے کا موقع ملا اور انھی حضرات نے ہی دُنیاوی اقدار سے صحیح معنوں میں رُوشناس بھی کرایا۔ رحمن ان سے راضی ہو اور ہمیشہ ان کو اپنی آغوشِ رحمت میں رکھے۔

حضرت مولانا اُسید الحق قادری مرحوم کی شخصیت کی عظمت ایک تو خود اُن کی خاندانی شہرت کی وجہ سے تھی، دوسرا علم و ادب اور ادب و تحقیق کی دُنیا میں اُنھوں نے اپنی ذاتی صلاحیتوں کے وہ جوہر دکھائے کہ بلا شک بدایوں بل کہ ہند کی تاریخ میں اُنھیں ایک مرجع کی حیثیت حاصل ہوگی۔ اس پر ان کا قلمی سرمایہ شاہد عدل ہے۔ اہل پاکستان پر قرض ہے کہ وہ حضرت شیخ صاحب کی کتب کی از اول تا آخر اشاعت کریں اور تکرار و تسلسل کے ساتھ کرتے رہیں، تاکہ اہل علم اُن کے استفادے سے کسی لمحے بھی محروم نہ رہیں۔ گزشتہ صفحات میں جن کتب کی طباعت کا تذکرہ ہو چکا ان کے علاوہ ”خیر آبادیات“ مکتبہ اعلیٰ حضرت لاہور سے اکتوبر ۲۰۱۱ء میں، ”قرآن کریم کی سائنسی تفسیر: ایک تنقیدی مطالعہ“ مکتبہ برکات المدینہ کراچی سے شوال ۱۴۳۳ھ / ستمبر ۲۰۱۲ء میں، تقدیم بر ”شوارقِ صدیہ ترجمہ و تلخیص بوارقِ محمدیہ“ مطبع اہل سنت و جماعت، لاہور سے ذوالقعدہ ۱۴۳۳ھ / اکتوبر ۲۰۱۲ء میں اور ترجمہ روفاً من مجموعہ ”شیعوں کے عقائد“ میں مکتبہ برکات المدینہ کراچی سے شعبان جولائی ۲۰۰۹ء میں شائع ہوئی۔ ”صحیح البہاری“: مولانا ظفر الدین بہاری کو مولانا محمد حسین عطاری نے اپنے ادارہ دار النعمان، کراچی سے رمضان ۱۴۳۲ھ / اگست ۲۰۱۱ء میں شائع کیا تو اس کے شروع میں شیخ صاحب کی تقریظ بھی شائع کی۔ اس کے علاوہ موصوف ”تحقیق و تفہیم“ اور ”خامہ تلاشی“ کو پاکستان میں شائع کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں، خداوند

قدوس اُنھیں طباعت کے وسائل جلد مہیا فرمائے۔ ان کے علاوہ جو کتب اس وقت تک زیور طباعت سے آراستہ نہیں ہو سکیں، اللہ عزوجل کی مدد و نصرت سے دار الاسلام اُنھیں اسی سال تاج الفحول اکیڈمی بدایوں سے منگوا کر پاکستان میں شائع کرے گا۔ و باللہ التوفیق۔

دوست: حباب تو علمی کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرتے ہی ہیں، وہ بھی کبھی کبھی کسی غرض یا مقصد کے تحت، اور بعض اوقات ان کی جانب سے بھی انقباض ہو جاتا ہے، مگر بغیر شناسائی یا تعارف اور تعلق کے مدد کرنا یقیناً حیرت انگیز اور کسی انسان کی حقیقی عظمت اور بڑے پن کی دلیل ہے۔ مولانا اُسید الحق قادری رحمہ اللہ حقیقت میں بہت بڑے انسان تھے اور اپنے قد سے کہیں زیادہ اونچے اقدار کے مالک تھے۔ جب آپ ۲۰۱۰ء میں پاکستان کے دورے پر آئے تو ہمارے دوست مولانا محمد فاروق قادری (مجھے پرانی کتابوں کی صحیح معرفت ان سے اور چند دوسرے دوستوں سے حاصل ہوئی ہے) نے آپ سے ملاقات کی، اُنھیں ردِ وہابیت کے کچھ قدیم ترین نوادر مطلوب تھے۔ حضرت کے دورہ سے واپسی پر جب میری فاروق بھائی سے بات ہوئی تو ان کے تاثرات کے الفاظ یہ تھے: ”رضا بھائی! وہ بہت بڑے دل کے آدمی ہیں۔“ اور واقعی ہم نے اُنھیں اس سے کہیں بڑے دل والا پایا۔ میں نے اپنی مختصر سی زندگی میں تحقیق اور کتاب کے تعلق سے اتنا فراخ دل انسان کبھی نہیں دیکھا اور شاید کبھی دیکھ بھی نہ سکوں۔ بے لوث خدمتِ علم آپ پر ختم تھی۔ دو واقعات جو میرے سامنے کے ہیں حاضر خدمت کر رہا ہوں:

لاہور سے ایک نوجوان محمد فہد علی رضا (منتظم کتاب محل) نے حضرت سے دورہ پاکستان کے دوران فون پر رابطہ کیا اور حضرت سیف اللہ المسلمول رحمہ اللہ کی کتاب ”البوارق المحمدیہ لرحمہ الشیاطین النجدیہ“ کے قدیم ایڈیشن کی عکسی طباعت کی خواہش کا اظہار کیا، حضرت نے بغیر کسی جان پہچان کے بدایوں پہنچنے پر قدیم نسخہ بھیجنے کی ہامی بھری۔ یقین فرمائیے کہ سفر سے واپسی کے دو یا تین ہفتے میں ہی کتاب کا اصل نسخہ بہ ذریعہ ڈاک اپنے خرچ پر پاکستان بھیج دیا اور نہ کوئی وعدہ لیا، نہ ہی معاہدہ کیا۔ لیکن اس بندہ خدا نے آج لگ بھگ ساڑھے چار سال گزرنے کے بعد بھی اپنا وعدہ نہیں نبھایا اور کتاب کا قیمتی ترین نسخہ یہاں کے ایک عالم مولانا مفتی فضل احمد چشتی صاحب (سندر شریف) کو

مہنگے داموں بیچ دیا۔ راقم نے انھی حضرت کے ایما پر دائر الاسلام سے رجب ۱۴۳۵ھ / مئی ۲۰۱۴ء کو اس تاریخی کتاب کی عکسی اشاعت کر دی ہے۔ کتاب کا ایک نسخہ قدیمہ ادارہ کو مولانا موصوف کے کتب خانہ سے اور دوسرا نسخہ جامعہ نعیمیہ، گڑھی شاہو، لاہور کی لائبریری سے مولانا وسیم رضا سعیدی کے توسط سے دست یاب ہوا ہے۔ ابتدا میں حضرت اُسید الحق قادری مرحوم کا مقدمہ ”بوارق محمدیہ: ایک مطالعہ“ شامل کیا گیا ہے۔

ہمارے ایک کرم فرما حضرت مولانا وارث علی صاحب (مہتمم جامعہ عنایت القرآن والسنة، کاہنہ، لاہور) نے پاکستان میں امام حکمت و کلام حضرت علامہ محمد فضل حق چشتی خیر آبادی رحمہ اللہ کی کتاب ”امتناع النظیر“ کا ترجمہ، الحمد للہ مکمل فرمایا ہے۔ ترجمہ کرتے وقت انھیں کتاب کے مطبوعہ نسخے میں کئی مقامات پر تردد ہوا، ”خیر آبادیات“ کے مطالعہ سے ان پر یہ امر منکشف ہوا کہ کتب خانہ قادریہ بدایوں میں کتاب کا وہ مخطوط موجود ہے جس سے محقق پروفیسر علامہ سید محمد سلیمان اشرف بہاری رحمہ اللہ نے استفادہ کیا تھا، سو چا کہ اُسے دیکھنا چاہیے، شاید یہ پریشانی دور ہو جائے۔ چنانچہ نومبر ۲۰۱۳ء میں حضرت اُسید صاحب مرحوم سے فون پر رابطہ کیا اور مخطوط کے عکس کے حصول کی فرمائش کی گئی۔ چند ہی دن میں آپ نے اُس مکمل مخطوطے کی تصاویر بنا کر راقم کے ای میل ایڈریس پر بھیج دیں۔ دائر الاسلام سے ”امتناع النظیر“ (فارسی) طباعت کے مراحل طے کر رہی ہے، اس میں مخطوط کے نمونہ صفحات شائع کیے جائیں گے۔

اپنے تو پھر اپنے ہوتے ہیں، اجنبیوں اور بیگانوں سے جس کا یہ حسن سلوک ہو اُس کے خلوص دل اور صفائے نیت کا اندازہ کون کر سکتا ہے۔ میرے حسن ظن میں شیخ صاحب اس شعر کا اعلیٰ ترین نمونہ تھے:

دشمن بھی جو چاہے میری چھاؤں میں بیٹھے

میں اک گھنا پیڑ سر راہ گزر ہوں

آپ اپنی تمام تر مصروفیات علی الخصوص تدریس و تحقیق و خانقاہ کے تھکا دینے والے مشاغل کے باوجود متعلقین و مستفیدین کو وقت دینے میں بخل نہیں کیا کرتے تھے۔ جس وقت کوئی بات پوچھی یا چیز طلب کی اسی دن اس کا جواب آجاتا یا اگر وہ مواد موجود ہوتا تو اگلے دن وہ میل باکس میں پہنچ جایا کرتا تھا۔ اس فقیر کو اہل علم و فن کی مشغولیات کا

پوری طرح سے ادراک و احساس ہے، اس لیے ضروری کام پڑنے پر ہی رابطہ کرتا ہوں اور وہ بھی اتنے وقت کے لیے جس سے کہ ان کی بامقصد اور مفید سرگرمیوں میں نخل نہ ہو جاؤں۔ حضرت سے بھی کوشش ہوتی کہ ایسا ہی سلسلہ رہے اور الحمد للہ ایسا ہی ہوا، سوائے ایک مرتبہ کے۔ ہوا یوں کہ ”عربی محاورات“ پریس میں جانے کے لیے تیار تھی، مصنف کی طرف سے پیغام موصول ہوا کہ اگر ممکن ہو تو کتاب روک لی جائے، بعض جگہ تصحیح کرنی ہے! ادھر خود آپ سفر پر روانہ ہو گئے، اس وجہ سے چند دن رابطہ منقطع رہا۔ اب مجھے اس بات کا علم نہیں تھا کہ آپ سفر میں ہیں، اس لیے میں نے اس تصحیح نامے کے لیے کئی میسج کیے اور جواب کا انتظار کرتا رہا، مگر کوئی جواب نہ آیا، اُن دنوں فون پر رابطہ نہیں تھا اس لیے ای میل کے ذریعہ ہی پیغام رسانی ہوتی رہی۔ ادھر ناشر کو کتاب چھاپنے کا جلدی تھی، چنانچہ راقم نے خود ہی پروف پڑھ کر جہاں لفظی اغلاط نظر آئیں درست کر کے کتاب پریس کے حوالے کر دی۔ بعد میں جب آپ سفر سے واپس ہوئے تو آپ نے میری ای میلز کا جواب عطا فرمایا اور میری بے صبری پر ذرا بھی خفگی نہیں فرمائی۔ ادھر اپنا حال سن لیجیے! پچھلے سال عرس قادری پر تاج الحول اکیڈمی اپنی ۱۰۰ مطبوعات کی فہرست شائع کر رہی تھی، جس کے سرورق پر انڈیا اور خاص طور پر پاکستان سے اکیڈمی کی طبع ہونے والی کتب کے ٹائٹلز دیے جانے تھے۔ چوں کہ میری معرفت ابھی تک پاکستان میں صرف ”عربی محاورات“ ہی چھپی تھی لہذا اس کے ٹائٹل کی فائل بھیجے گا مجھے ہی کہا گیا۔ اب معاملہ یہ ہوا کہ ناشر کو کئی بار کہنے کے باوجود اُن سے فائل بھیجنے میں سستی ہو گئی، اس دوران حضرت نے شاید ایک بار پھر یاد دہانی کرائی، لیکن تعمیل ارشاد نہیں ہو سکی۔ آخر کار Facebook سے ایک دھندلی سی تصویر لے کر اس کی صفائی کر کے فہرست میں شائع کر دی گئی۔ کام تو چل گیا، لیکن ناشر اور اس کاہل کی غفلت سے آپ کے حکم کی بجا آوری نہیں ہو سکی۔ اس کے بعد ناچیز نے ایک سے زیادہ مرتبہ معذرت کرنے کی کوشش کی، جسے آپ نے بڑے ہی مشفقانہ انداز میں ٹال دیا اور مجھے شرمندگی کا ذرہ بھر احساس نہیں ہونے دیا۔

محترم مولانا خوشتر نورانی صاحب کی کتاب ”علامہ فضل حق خیر آبادی: چند عنوانات“ چھاپتے ہوئے سینک میں کچھ معمولی سی بے



اشاعت کا شرف (اب تک) اول و آخر راقم کو ہی حاصل ہے۔  
والحمد للہ! خیر، اس ”سانحہ“ کی خبر مولانا سید الحق رحمہ اللہ تک  
غالباً مصنف کی طرف سے بھی گئی اور دیگر ذرائع نے بھی انہیں باخبر  
کر دیا، تو ایک بار فون پر بات چیت کے دوران میں نے اس تفسیر کی  
طرف اشارہ کرتے ہوئے عرض کی کہ قبلہ! آپ ہی کوئی راہ نکالیں!  
آپ نے مسکراتے ہوئے کافی بے تکلفی سے فرمایا کہ ”آپ فکر نہیں  
کریں! خوشتر جذباتی آدمی ہے، میں اسے سمجھا لوں گا۔“ اس کے بعد  
نہ جانے کوئی بات ہوئی یا نہیں۔ لیکن اگر یہ بات آگے نہ بھی بڑھی ہو تو  
مضمون کے اس حصے کو پڑھنے کے بعد ہمیں خوشتر نورانی صاحب جیسے  
عالی فکر، وسیع القلب اور سیر چشم انسان سے یہی توقع ہے کہ وہ اپنے  
ظرف کے مطابق معاملہ فرمائیں اور اس قسم کی چھوٹی باتوں کو علمی رشتوں  
کے درمیان حائل نہیں ہونے دیں گے۔ □□□

تذکرہ مجلہ ”حجۃ الاسلام“ مؤسسہ دارالاسلام، لاہور (پاکستان)

darulislam21@yahoo.com

احتیاطیاں ہوں، اگر اگلا ایڈیشن (راقم کی کوشش ہے کہ آئندہ ایڈیشن  
پاکستان کے کسی انٹرنیشنل ادارے سے شائع ہو، الحمد للہ انڈیا میں بھی یہ  
کتاب حکومت ہند کا ادارہ ’قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان‘ نئی دہلی  
سے چھپ چکی ہے) چھاپنے کا موقع ملا تو ان شاء اللہ ان کی تلافی کی  
جائے گی، لیکن اس کا شاید انہیں اتنا قلق نہ تھا، جتنا کتاب کی پشت پر  
آویزاں حضرت غازی ملک ممتاز حسین قادری حفظہ اللہ اور ان سے  
متعلقہ تصاویر پر رنج ہوا۔ راقم نے معذرت بھی کی اور یقین دلانے کی  
کوشش کی کہ آئندہ ایسی جسارت نہیں ہوگی، مگر طبع ناز میں نے گوارا  
نہیں فرمایا، جس کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ پاکستان میں نورانی  
صاحب کی کتابیں چھپنے کا سلسلہ بند ہو گیا۔ مذکورہ کتاب کے علاوہ  
مصنف کی دوسری کتاب ”دور جدید کے بعض مسلم مسائل: ایک بازوید“  
بھی راقم کی تحریک پر ہمارے دوست حسن محمد زاہد قادری نے واضحی پہلی  
کیشنز لاہور سے شائع کی۔ اس سے قبل اور بعد حضرت کی کوئی کتاب  
پاکستان میں شائع نہیں ہوئی۔ یعنی آں محترم کی کتابوں کی پاکستان میں

**مولانا خوشتر نورانی کی شاہکار علمی و تحقیقی کتاب**

## علامہ فضل حق خیر آبادی: چند عنوانات

(صفحات: ۲۳۸ قیمت: ۹۱/-)

کاتیسرا ایڈیشن

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی (وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند)

سے اضافے کے ساتھ شائع ہو گیا ہے۔

- علامہ فضل حق خیر آبادی اور ۱۸۵۷ء کے معرکے میں ان کے کردار کے بارے میں آپ نے حرف آخر لکھ دیا ہے۔ (پروفیسر شمس الرحمن فاروقی)
- یہ کتاب اس موضوع پر لکھی جانے والی تمام تحریروں میں اپنے معیار تحریر و تحقیق کے لحاظ سے فائق ہے۔ (حکیم سید محمود احمد برکاتی)
- یہ کتاب اتنے غیر جذباتی، معروضی اور تحقیقی اوصاف سے متصف ہے کہ یقیناً اس کا شمار اردو کی اعلیٰ تحقیقی کتب میں کیا جاسکتا ہے۔ (پروفیسر سید حسین الحق)



(۸)

---

# علمی آثار

---

## مولانا اسید الحق قادری

اور

### کتب اسلاف کی تحقیق و اشاعت: ایک تعارف

(سالِ قیام ۱۲۲۸ھ/۱۸۱۳ء بموقع دستار بندی سیف اللہ المسلمول مولانا شاہ فضل رسول قادری) کی علمی و تصنیفی خدمات ہر دور میں سوادِ اعظم اہل سنت کے ذخیرہ کتب میں بیش قیمت اضافہ ثابت ہوتی رہیں، لیکن وہ بیش قیمت تصانیف اپنی پہلی اشاعت کے بعد دوبارہ نہ چھپنے کی وجہ سے عصر حاضر کیاب ہی نہیں بلکہ نایاب ہو چکی تھیں، جن کی دوبارہ اشاعت کا خیال خانوادہ عثمانیہ قادریہ کے متحرک و فعال فاضل، ممتاز ناقد و محقق حضرت مولانا اسید الحق قادری ازہری (ولادت: ۲۳ ربیع الثانی ۱۳۹۵ھ/۶ مئی ۱۹۷۵ء شہادت ۲ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ/۴ مارچ ۲۰۱۴ء) کے دل میں خیال پیدا ہوا۔ اگست ۲۰۰۴ء میں وہ جامعہ ازہر قاہرہ مصر سے تفسیر و فقہ میں تخصص کی تعلیم کے بعد ہندوستان واپس آئے اور ۲۰۰۷ء سے باضابطہ اپنے اکابر و اسلاف کے ورثہ علمی کی اشاعت کی جانب اپنی توجہ مبذول کی۔

محرم ۱۴۲۸ھ/ جنوری ۲۰۰۷ء سے باضابطہ اس کام کا آغاز سیف اللہ المسلمول مولانا شاہ فضل رسول بدایونی کی تصنیف لطیف 'احقاق حق' کی اشاعت سے کیا اور سات سال (جنوری ۲۰۰۷ء تا مارچ ۲۰۱۴ء) کی نہایت مختصر مدت میں مختلف علوم اسلامی اور فنون ادبیہ میں اپنی درجنوں علمی تصانیف کے علاوہ تاج الفحول اکیڈمی بدایوں (سالِ قیام ۱۹۹۱ء) کے زیر اہتمام اپنے اکابر و اسلاف اور علمائے مدرسہ قادریہ کی مختلف علوم و فنون پر مشتمل کتابوں کی جدید ترتیب، ترجمہ، تسہیل، تحقیق، تفسیر، تعلق، تخریج اور تقدیم و تعارف کے ساتھ اشاعت فرمائی، وہ نہایت حیرت انگیز بھی ہے اور قابلِ صداقت بھی۔ اکابر و اسلاف بدایوں کے ورثہ علمی کے تحفظ میں انہوں نے جو قابلِ قدر کارنامہ انجام دیا ہے وہ ہمیشہ ان کی علمی و تحریکی شخصیت کی یاد دلاتی رہے گی۔

'خانوادہ عثمانیہ قادریہ بدایوں برصغیر ہندوپاک کا ایک ممتاز دینی، علمی اور روحانی خانوادہ ہے، جس کی علمی و روحانی تاریخ کا دائرہ صدیوں پر محیط ہے۔ خصوصیت کے ساتھ پچھلے دو سو سال کی تاریخ میں اس عظیم خانوادے میں ایسی ایسی باکمال شخصیات پیدا ہوتی رہی ہیں جن کی علمی، عملی اور تحریکی زندگی آج بھی گم گشتگانِ راہ کے لیے مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اس عظیم خانوادے کے اکابر و اسلاف نے اپنے اپنے عہد میں علم و روحانیت، اصلاحِ فکر و اعتقاد اور زبان و ادب کی خدمت و آب یاری میں جو عہد ساز خدمات و کارنامے انجام دیے ہیں وہ اپنی مثال آپ ہیں، جن کے بارِ احسان سے سوادِ اعظم اہل سنت و جماعت کبھی عہدہ برآ نہیں ہو سکتے۔

عقائد و کلام، تحقیق و افتاء، تصوف و سلوک، تاریخ و سیر، تذکرہ و سوانح، تفسیر و حدیث، رد فریق و احزاب، لسانیات، زبان و ادب غرضیکہ علوم و فنون کے ہر میدان میں انہوں نے اپنی علم و دانش کے چشمہ مصافی سے دنیائے علم و ادب کو خوب خوب سیراب و فیض یاب کیا اور آج بھی اصحابِ علم و فضل اپنے ظرف کے مطابق سیراب ہو رہے ہیں۔

شاہ عین الحق عبدالمجید قادری (ولادت: ۲۹ رمضان المبارک ۱۱۷۷ھ/ اپریل ۱۷۶۲ء - وصال: ۱۷ محرم الحرام ۱۲۶۳ھ) کے ذریعے فیضانِ خانقاہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ کی روشنی سے خانقاہ قادریہ بدایوں کی شکل میں رشد و ہدایت اور روحانیت و طریقت کے جس خانقاہی نظام اور معروف تصنیف 'ہدایت الاسلام' کے ذریعے سلسلہ تحریر و قلم کی جو شاندار روایت قائم ہوئی وہ ہر دور میں جاری رہی۔

**اشاعت جدید کے روح رواں:**

شخصیات خانوادہ قادریہ بدایوں اور علمائے مدرسہ قادریہ بدایوں

## اشاعت جدید کے مقاصد:

اسلاف و اکابر کی اشاعت و تصانیف کے پیچھے ان کے کیا مقاصد کار فرما تھے، اس کی تفصیل ذیل میں خود انھیں کی زبانی ملاحظہ کیجیے:

”عظیم المرتبت اسلاف کے ورثا اور اخلاف کی یہ ذمہ داری بھی ہے اور سعادت بھی کہ وہ اپنے اسلاف کی روایات کو برقرار رکھیں، ان کے آثارِ علمیہ کی حفاظت کریں اور ان کی علمی و فنی خدمات اُجاگر کر کے ان کا فیض اگلی نسلوں تک منتقل کریں۔ ان کتابوں کی جدید اشاعت سعادت مندی کی دلیل اور اسی احساسِ ذمہ داری کا نتیجہ ہے۔“

ان کتابوں کی جدید اشاعت اس بات کا ثبوت بھی ہے کہ فرزندِ ان مدرسہ عالیہ قادریہ اور خادمانِ خانقاہ عالیہ قادریہ آج بھی اپنے اکابر کے مسلک و منہاج پر نہ صرف مضبوطی سے قائم ہیں بلکہ مسلکِ حق کی اشاعت اور باطل افکار کے رد و ابطال کی ذمہ داری بھی بحسن و خوبی انجام دے رہے ہیں۔

آج کفر و ضلالت اور بد عقیدگی و لادینیت نئے نئے پیراہن بدل کر سامنے آرہی ہے، حق و باطل میں امتیاز مشکل ہو رہا ہے، افراط و تفریط کی گرم بازاری ہے، ایسے غیر یقینی حالات میں اپنے اکابر و اسلاف کے فکری اور نظریاتی تسلسل سے منسلک رہنے میں ہی میں سلامتی ہے۔ ان کتابوں کی جدید اشاعت اسی فکری وابستگی اور نظریاتی تسلسل کے استحکام، مضبوطی اور استواری کی جانب ایک ٹھوس اور کامیاب قدم ہے۔“

(بیک ٹائٹل کی تحریر سے ایک اقتباس، کینلاگ ’تاج الفحول اکیڈمی کی ۱۰۰ مطبوعات‘)

## اشاعت جدید: منزل بہ منزل

اسلاف شناسی، ورثہ اسلاف کی حفاظت اور فکر اسلاف سے غیر معمولی وابستگی، مسلکِ حق کی اشاعت اور باطل افکار و عقائد کا رد و ابطال یہ وہ اہم مقاصد تھے جن کے پیش نظر انھوں نے تصانیفِ اسلاف اور ان کی سیرت و سوانح پر مشتمل قدیم و نایاب اور جدید کتابوں کی اشاعت کا بیڑا اٹھایا۔ اس اہم منصوبے کو سلسلہ وار مرحلہ ۲ اشاعت میں تقسیم کیا۔

(۱) ۱۴۳۰ھ/۲۰۱۰ء میں (بموقع پچاس سالہ عہدِ سجادگی شیخ طریقت

تاج دار اہل سنت حضرت شاہ عبدالحمید سالم قادری دام ظلہ العالی) تاج الفحول اکیڈمی کی جانب سے قدیم و جدید پچاس کتابوں کی اشاعت کا اعلان کیا گیا۔ اس پہلے مرحلہ اشاعت میں اسلاف کی درجنوں کتابوں کی اشاعت جدید کی رونمائی ۱۶ محرم الحرام ۱۴۳۱ھ/۴ جنوری ۲۰۱۰ء عرسِ قادری کے مبارک موقع پر جشنِ زریں عہدِ سجادگی کی خوشگوار تقریب ’جشن اشاعت‘ میں کی گئی۔

(۲) پھر دوسرے مرحلہ اشاعت کے طور پر ۱۴۳۳ھ/۲۰۱۳ء میں قدوة الواصلین، زبدۃ العارفین مولانا شاہ مطیع الرسول عبدالمقتدر قادری بدایونی قدس سرہ (وصال: محرم ۱۴۳۳ھ/ دسمبر ۱۹۱۵ء) کے صد سالہ عرس کے موقع پر سومطبوعات تاج الفحول اکیڈمی کا اعلان کیا گیا اور اس مبارک تقریب میں بھی متعدد تصانیفِ اسلاف کی اشاعت جدید اور رونمائی کی گئی۔ اسی دوسرے مرحلہ اشاعت میں ان کے والد گرامی مولانا شیخ عبدالحمید سالم قادری (زیب سجادہ خانقاہ قادریہ بدایونی) نے انھیں اس امر پر آمادہ کیا کہ:

”جب مدرسہ قادریہ سے اسلاف شناسی کی تحریک کا آغاز کیا گیا

ہے تو ہمارے حضرات مشائخِ مارہرہ پر بھی کام ہونا چاہیے۔“

(ابتدائیہ، بقلم مولانا اُسید الحق قادری مشمولہ تذکرہ نوری، مصنفہ

مولانا غلام شہر قادری بدایونی، رجب ۱۴۳۴ھ/ مئی ۲۰۱۳ء، ص ۱۷)

اس لیے انھوں نے اکابرِ مارہرہ کی تصانیف کے علاوہ اکابرینِ مارہرہ کی سیرت و سوانح پر مشتمل قدیم و نایاب کتابوں کی اشاعت کی جانب بھی توجہ دی اور متعدد کتابیں جدید آب و تاب کے ساتھ تاج الفحول اکیڈمی سے شائع کیں۔

(۳) تیسرے مرحلہ اشاعت سال ۱۴۳۵ھ/۲۰۱۴ء کے لیے

اخبارات و رسائل میں ایک جامع اشاعتی منصوبے کا اعلان کیا گیا۔ اس رپورٹ کا ایک اقتباس ذیل میں درج کیا جا رہا ہے جو تصانیفِ اکابر بدایونی کی اشاعت سے متعلق ہے:

”اکیڈمی نے سال ۲۰۱۴ء کے لیے بھی ایک جامع اشاعتی

منصوبہ تیار کیا ہے جس کے تحت نومبر ۲۰۱۴ء میں ہونے والے

عرسِ قادری تک پندرہ کتابیں لانے کا عزم کیا گیا ہے۔ زیر

ترتیب و طباعت کتابوں میں حضرت مولانا فضل رسول

بدایونی کی معرکہ الآرا کتاب 'سیف الجبار' کے علاوہ 'مجموعہ رسائل فضل رسول'، 'مجموعہ رسائل تاج الفحول'، 'نظام عمل' مصنفہ مولانا عبدالمجاہد بدایونی وغیرہ شامل ہیں۔ حافظ عبدالقیوم قادری نے کہا کہ مولانا اُسیدالحق قادری 'سیف الجبار' پر تحقیقی کام کر رہے ہیں۔ ان کی تحقیق و ترتیب اور مبسوط مقدمے کے ساتھ یہ تاریخی اہمیت کی کتاب جلد ہی اکیڈمی شائع کرنے جا رہی ہے۔ میٹنگ کی صدارت تاج الفحول اکیڈمی کے صدر الحاج خواجہ احتشام الدین قادری نے کی۔ مولانا اُسیدالحق قادری، مولانا عطیف قادری، مفتی دلشاد احمد قادری اور مولانا عبدالعلیم مجیدی سمیت اکیڈمی کے اہم اراکین نے شرکت کی۔ (رپورٹ مثبت اور تعمیری کام کرنا وقت کی اہم ضرورت، مطبوعہ متعدد اخبارات و رسائل)

### افراد سازی:

تحریر اسلاف شناسی اور ورثہ اسلاف کی حفاظت کے لیے ایک مضبوط ٹیم کی بھی ضرورت تھی۔ اس تحریک کے روح رواں کو اس امر کا بھی بخوبی ادراک تھا کہ دو سو سال پر محیط اپنے اسلاف کی علمی امانت کو قوم کے سامنے لانے کے لیے انھیں علمی و تحقیقی اور تصنیفی صلاحیتوں سے آراستہ ایک مخلص جماعت کی بھی ضرورت ہے۔ اس لیے انھوں نے علمی و تحقیقی مصروفیات اور تصنیفی و اشاعتی امور پر بھرپور توجہ مرکوز رکھنے کے ساتھ افراد سازی کا بھی خصوصی خیال رکھا۔ چنانچہ انھوں نے اس کے لیے ۲۰۰۵ء سے مدرسہ قادریہ بدایونی میں اپنی درس گاہ علم و فیض بھی آراستہ کی۔ اپنے آبا و اجداد کی علمی یادگار کی عظمت رفتہ کو دوبارہ بحال کرنے کے لیے انھوں نے اپنی پوری توانائی لگادی۔ آپ اس ادارہ کے شیخ الحدیث بھی تھے اور صدر المدرسین بھی۔ ادارہ کے معیار تعلیم کو پختہ اور مثالی بنانے کے لیے طلبہ کے داخلہ کے سلسلے میں یہ ضروری دفعہ بھی رکھی کہ درمیان جماعت میں داخلہ نہیں لیا جائے گا۔ اس کا بڑا فائدہ یہ سامنے آیا کہ اگست ۲۰۰۴ء تا مارچ ۲۰۱۳ء کی نہایت مختصر مدت میں کئی ایک باصلاحیت طلبہ آپ کی درس گاہ سے فارغ ہو کر اسی ادارے میں آپ کی زیر نگرانی تدریس و تصنیف کا اہم فریضہ بحسن و خوبی انجام دینے میں مصروف ہو گئے۔ انھوں نے اپنے مختصر زمانہ

تدریس میں طلبہ مدرسہ قادریہ کی ذہنی و فکری تربیت اور خفیہ صلاحیتوں کو پروان چڑھانے کے لیے متعدد جہات پر اپنی توجہ مبذول کی۔ ایک جانب ان طلبہ کے اندر تحریک و تبلیغ کا جذبہ بیدار کرنے کے لیے مختلف مدارس و جامعات کے ارباب علم و دانش سے استفادہ کا موقع فراہم کیا تو دوسری جانب ان کے اندر تحقیقی، تصنیفی اور علمی ذوق کی استواری کے لیے تربیت تصنیف کا بھی مستقل شعبہ تشکیل دے دیا تھا۔ ان کا معمول تھا کہ وہ ہر سال طلبہ مدرسہ قادریہ کے لیے عرس قادری کے موقع پر سالانہ تحریری و تقریری مسابقت کا اہتمام کرواتے اور اس میں اس میدان کی کسی نہ کسی تجربہ کار شخصیت کو بلا کر ان سے توسیعی خطاب کراتے۔ ایک جگہ اپنے تلامذہ کی تحقیقی صلاحیت کی نشوونما پر اظہار مسرت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

”یہ بات میرے لیے شکر اور مسرت کا باعث ہے کہ مدرسہ قادریہ میں اب ایسے افراد پیدا ہو رہے ہیں جو نہ صرف یہ کہ علمی اور تحقیقی ذوق رکھتے ہیں بلکہ اپنے اسلاف کے علمی سرمایے کی حفاظت اور اس کی اشاعت جدید کا جذبہ بھی رکھتے ہیں۔“ (ابتدائیہ، مسئلہ قیام تعظیسی، مطبوعہ تاج الفحول اکیڈمی بدایونی، طبع جدید جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ / مارچ ۲۰۱۳ء، ص ۱۲)

یہ اقتباس اس حقیقت کو بتانے کے لیے کافی ہے کہ محقق عصر حضرت مولانا اُسیدالحق قادری نے اکابر بدایونی کے ورثہ علمی کے تحفظ و اشاعت کی جو منصوبہ بند اور منظم تحریک اپنے پیچھے چھوڑی ہے، اس کے لیے ایک حد تک افراد بھی تیار کر دیا تھا اس لیے مجھے امید قوی ہے کہ آپ کے شاگردان عزیز اس مشن کی لُک کو کبھی مدہم نہیں ہونے دیں گے بلکہ اس اہم مشن کی تکمیل کے لیے وہ ہر ممکن حد تک کوشاں رہیں گے۔ ان شاء اللہ العزیز۔

طلبہ مدرسہ قادریہ کے اندر تصنیفی ذوق کی استواری میں مولانا اُسیدالحق قادری کے اس وصف خاص کا بھی بے پناہ دخل ہے کہ انھوں نے اپنے عزیز شاگردوں سے تحقیق و ترتیب کتب اسلاف میں اگر تھوڑا بہت بھی علمی کام لیا تو وہ اثاثہ علمی اپنے نام کے بجائے انھیں کے نام سے منظر عام پر لایا تاکہ ان کی حوصلہ افزائی بھی ہو اور ان کے اندر زیادہ سے زیادہ علمی کام کرنے کا جذبہ بیکراں پیدا ہو۔ یہ وہ ممتاز اور نادر صفت



سے جو دیگر حضرات کے لیے بھی نمونہ عمل کی حیثیت رکھتا ہے جو ایسے موقع پر اپنی شہرت و نیک نامی کا تو خیال رکھتے ہیں لیکن طلبہ کی عزت افزائی اور حوصلہ بخشی کے پہلو کو پورے طور سے نظر انداز کر باتے ہیں۔

### اشاعت جدید کی خصوصیات:

مولانا اُسید الحق قادری کی علمی و قلمی قیادت میں اکابر و اسلاف کی تصانیف اور ان کی سیرت و سوانح پر مشتمل قدیم و نایاب کتابوں کی اشاعت جدید کی خصوصیات و امتیازات حسب ذیل ہیں:

● جدید معیار طباعت اور طرزِ املا و کتابت کا پورا پورا خیال رکھا گیا ہے۔

● ہر کتاب میں فہرستِ مشمولات جدید طریقے کے مطابق شروع میں دیا گیا ہے، موضوعاتی فہرست میں فہرستِ مضمون کے سامنے صفحات بھی درج کر دیا گیا ہے، بیشتر کتابوں میں فہرستِ مشمولات مرتب/ مترجم کے قلم سے ہے۔

● ہر کتاب پر شروع میں کتاب اور صاحبِ کتاب کا ایک جامع تعارف شامل اشاعت کیا گیا ہے۔ راقم الحروف کے مطالعہ کے مطابق ہر کتاب اور صاحبِ کتاب کا تعارف مولانا اُسید الحق قادری کے قلم سے تحریر کردہ ہے۔

● کتاب کے تعارف میں طبعِ قدیم کی اشاعتی تفصیلات کے ساتھ سببِ تالیف اور مشمولاتِ کتاب کا تعارف بھی پیش کیا گیا ہے۔

● مصنف کے تعارف میں سیرت و شخصیت کے ساتھ ان کی دینی و علمی خدمات کا معلوماتی تعارف بھی قلم بند کیا گیا ہے۔ قلمی و تصنیفی خدمات کا تعارف بھی بطور خاص کرایا گیا ہے۔

● حوالہ جات کی تخریج و ترتیب میں جدید طریقہ تخریج و ترتیب پر بھرپور دھیان دیا گیا ہے۔

● آیاتِ قرآنیہ کی تخریج میں سورت کا نام اور آیت نمبر درج کیا گیا ہے، کیونکہ آیاتِ قرآنیہ کی تخریج میں موجودہ وقت میں یہی رائج ہے۔

● احادیث کی تخریج میں جدید طریقہ تخریج کے اصول پر عمل کرتے ہوئے کتاب، باب اور حدیث نمبر درج کیا گیا ہے۔

● اصل کتاب میں حوالہ کی عبارتوں کے لیے حاشیہ میں صرف کتاب کا نام اور جلد و صفحہ کی نشاندہی کی گئی ہے، باقی تفصیلات مآخذ و

مراجع کے عنوان سے کتاب کے آخر میں درج کی گئی ہیں۔

● مآخذ و مراجع کی ترتیب میں کتابوں کے نام حروفِ تہجی کے

اعتبار سے درج کی گئی ہیں، جس کی تفصیل یہ ہے: پہلے کتاب کا نام، پھر مصنف (مع سن وصال اگر ضرورت ہو تو) پھر مطبع کا نام، مقامِ طبع پھر سنِ طبع۔ مآخذ و مراجع کی فہرست میں یہی طریقہ رائج بھی ہے۔

● جدید طریقے کے مطابق کاپی رائٹ کے صفحہ میں پہلے کتاب کا نام، پھر اس کے نیچے مصنف کا نام، اس کے بعد سنِ طبعِ اول یا طبعِ قدیم، پھر سنِ طبعِ جدید درج کیا گیا ہے۔

● ہر کتاب یا صاحبِ کتاب کی مناسبت سے کاپی رائٹ کے صفحہ کے بعد ایک علاحدہ صفحہ کسی نہ کسی اہم شخصیت سے منسوب ہے۔ ہر کتاب پر مولانا اُسید الحق قادری کا نام بطور انتساب کردہ درج ہے۔

● اسلاف کی کتابوں کو قدیم 'تاریخی نام' کے بجائے مختصر اور آسان عربی نام سے شائع کیا گیا ہے، نام کے انتخاب میں ان کے قدیم نام کی روح کا خیال رکھا گیا ہے اور مناسب نام تجویز کیا گیا ہے۔

● ہر کتاب کا نائل دیدہ زیب اور طباعت معیاری ہے۔

### مطبوعہ تصانیف و رسائل کی فہرست:

اسلاف و اکابرِ بدایوں کی قدیم و نایاب کتابوں کی اشاعت کا

آغاز یوں تو ۱۹۹۸ء سے ہی حضرت تاج الفحول مولانا شاہ عبدالقادر بدایونی کے عرسِ صد سالہ سے ہو چکا تھا، اس وقت کی دو مطبوعات "تاج

الفحول: حیات و خدمات" اور ماہ نامہ مظہر حق کا تاریخی "تاج الفحول نمبر" اس سیاق میں خاصا اہم ہیں، لیکن وہ حضرت شیخ صاحب کی طالب علمی کا زمانہ تھا، اس اشاعت کا باضابطہ آغاز از ہر شریف سے شیخ صاحب کی

دائیگی کے بعد محرم ۱۴۲۹ھ/ جنوری ۲۰۰۷ء سے ہوا۔ پہلی کتاب 'حقاقِ حق' کے نام سے چھپی جو شاہ فضل رسول بدایونی کی تصنیف ہے۔ ربیع

الثانی ۱۴۳۵ھ/ مارچ ۲۰۱۴ء تک تاج الفحول اکیڈمی کے زیر اہتمام اسلاف کی پچاس کتابیں طبع ہو چکی ہیں، جب کہ اکیڈمی کی مجموعی

مطبوعات سو سے زائد ہیں۔ ہر ایک کتاب کا مختصر تعارف لکھنے سے پہلے

مطبوعہ تصانیف و رسائل کی ایک اجمالی فہرست ذیل میں درج کی جا رہی ہے تاکہ شائع شدہ کتابیں ایک نظر میں سامنے آسکیں، فہرست کی ترتیب سنہ اشاعت کے اعتبار سے درج کی گئی ہے تاکہ سال بہ سال اکیڈمی کی

اس تعلق سے پیش قدمی کا ایک واضح نقشہ بھی سامنے آجائے۔

۱۳۲۸ھ/۲۰۰۷ء کی مطبوعہ کتابیں:

- سیف اللہ المسلمول مولانا شاہ فضل رسول بدایونی
- حرز معظم، سیف اللہ المسلمول مولانا شاہ فضل رسول بدایونی
- فصل الخطاب، سیف اللہ المسلمول مولانا شاہ فضل رسول بدایونی
- اختلافی مسائل پر تاریخی فتویٰ
- سیف اللہ المسلمول مولانا شاہ فضل رسول بدایونی
- مولود منظوم، سیف اللہ المسلمول مولانا شاہ فضل رسول بدایونی
- رد ورفض، تاج الفحول مولانا شاہ عبدالقادر بدایونی
- شارح الصدور فی احکام القبور
- مولانا محمد حبیب الرحمن قادری بدایونی
- الذکر السنیہ فی الرد علی الوہابیہ، حضرت سید احمد بن زینی دحلان
- شافعی مکی، ترجمہ: مولانا محمد حبیب الرحمن قادری بدایونی
- مختصر سیرت خیر البشر، مولانا محمد عبدالہادی ہادی القادری بدایونی
- باقیات ہادی، مولانا محمد عبدالہادی ہادی القادری بدایونی
- خمیازہ حیات، مولانا محمد عبدالہادی ہادی القادری بدایونی
- احوال و مقامات، مولانا محمد عبدالہادی ہادی القادری بدایونی
- ۱۳۳۱ھ/۲۰۱۰ء کی مطبوعہ کتابیں:
- مجموعہ رسائل فضل رسول، سیف اللہ المسلمول مولانا شاہ فضل رسول قادری بدایونی، ترتیب: مولانا اُسید الحق قادری بدایونی
- عظمتِ غوثِ اعظم، مولانا محبت احمد قادری بدایونی
- نگارشات محبت احمد، مولانا محبت احمد قادری بدایونی
- ۱۳۳۲ھ/۲۰۱۱ء کی مطبوعہ کتابیں
- خواجہ غلام نظام الدین قادری: حیات و خدمات
- ترتیب: محمد تنویر خاں قادری بدایونی
- ۱۳۳۳ھ/۲۰۱۲ء کی مطبوعہ کتابیں
- تحقیق التراویح، سید شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی
- وہابی تحریک: تاریخ اور عقائد
- مولانا شاہ فضل رسول قادری بدایونی
- تہکیت النجدی (مسئلہ امتناع نظیر کا تحقیقی جائزہ)
- شیخ لہن تیمیہ کے عقائد و افکار
- حافظ بخاری مولانا سید عبدالصمد چشتی سہوانی

- احقاقِ حق (مسئلہ توسل و استعانت کی تحقیق)
- سیف اللہ المسلمول شاہ فضل رسول قادری بدایونی
- عقیدہ شفاعت کتاب و سنت کی روشنی میں
- سیف اللہ المسلمول شاہ فضل رسول قادری بدایونی
- تذکارِ محبوب (تذکرہ مولانا عبدالقادر بدایونی)
- مولانا عبدالرحیم قادری بدایونی
- جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کا ایک مجاہد: مولانا فیض احمد بدایونی
- پروفیسر محمد ایوب قادری
- ۱۳۲۹ھ/۲۰۰۸ء کی مطبوعہ کتابیں:
- الکلام السدید، تاج الفحول مولانا شاہ عبدالقادر قادری بدایونی
- سنت مصافحہ، تاج الفحول مولانا شاہ عبدالقادر قادری بدایونی
- خطباتِ صدارت عاشق الرسول مولانا شاہ عبدالقادر بدایونی
- مرتب: مولانا اُسید الحق قادری
- مثنویِ غوثیہ، مولانا شاہ عبدالقادر بدایونی
- فلاح دارین، مولانا عبدالماجد قادری بدایونی
- عرس کی شرعی حیثیت، مولانا عبدالماجد قادری بدایونی
- عقائد اہل سنت، مولانا عبدالماجد قادری بدایونی
- دعوتِ عمل، مولانا عبدالماجد قادری بدایونی
- مردے سنتے ہیں، مولانا حکیم محمد عبدالقیوم شہید قادری بدایونی
- مضامین شہید، مولانا حکیم محمد عبدالقیوم شہید قادری بدایونی
- ملت اسلامیہ کا ماضی، حال، مستقبل
- مولانا حکیم محمد عبدالقیوم شہید قادری بدایونی
- احکام قبور، مفتی محمد ابراہیم قادری بدایونی
- ریاض القراءت، مفتی محمد ابراہیم قادری بدایونی
- تذکرہ فضل رسول، مولانا انوار الحق قادری عثمانی بدایونی
- تذکرہ ماجد، مولانا اُسید الحق قادری
- ۱۳۳۰ھ/۲۰۰۹ء کی مطبوعہ کتابیں:
- زیارتِ روضہ رسول

● اسلام کے بنیادی عقائد

● تاج الخمول مولانا شاہ عبدالقادر قادری بدایونی

● شمس الایمان (مسئلہ توسل و استعانت کی تحقیق)

● مولانا محمد محی الدین عثمانی بدایونی

● فلسفہ عبادات اسلامی، مولانا عبدالماجد قادری بدایونی

● قصیدہ بانس سعادت (ترجمہ و تشریح)، مولانا عاصم اقبال مجیدی

● اسلام میں محبت الہی کا تصور، شیخ حازم نائف ابو غزالہ (عمان)

● اردو ترجمہ: مولانا دلشاد احمد قادری

● سیف اللہ المسلمول کا علمی مقام، مولانا عبدالعلیم قادری مجیدی

● تذکرہ خانوادہ قادریہ، مولانا عبدالعلیم قادری مجیدی

● ۱۳۳۳ھ/۲۰۱۳ء کی مطبوعہ کتابیں:

● مسئلہ قیام تعظیسی، مفتی حسین احمد مقتدری بدایونی

● الجواب المشکور، مولانا محمد عبدالماجد قادری بدایونی

● تذکرہ نوری، مولانا غلام شہر قادری بدایونی

● اکابر بدایوں، مولانا احمد حسین قادری گنوری

● ۱۳۳۳ھ/۲۰۱۳ء (ہجرت جشن دو صد سالہ عرب شمس مارہرہ):

● آداب السالکین، شمس مارہرہ آل احمد اچھے میاں مارہروی

● برکات مارہرہ، طفیل احمد صدیقی بدایونی

● تذکرہ شمس مارہرہ، مولانا اسید الحق قادری بدایونی

● ۱۳۳۵ھ/۲۰۱۴ء کی مطبوعہ کتابیں:

● اکمل التاریخ (اول، دوم)، مولانا یعقوب ضیاء القادر بدایونی

● قصیدتان رائعتان، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی

● ۱۳۳۵ھ/۲۰۱۴ء کے ایک جامع اشاعتی منصوبے میں اکابر

بدایوں کی جن کتابوں کی اشاعت کا اعلان ہو چکا تھا وہ یہ ہیں:

● تخصیص الحق، سیف اللہ المسلمول شاہ فضل رسول قادری بدایونی

● سیف الجبار سیف اللہ المسلمول شاہ فضل رسول قادری بدایونی

● تصحیح المسائل، سیف اللہ المسلمول شاہ فضل رسول قادری بدایونی

● مکاتیب فضل رسول

● سیف اللہ المسلمول شاہ فضل رسول قادری بدایونی

● سیف الاسلام، تاج الخمول مولانا عبدالقادر قادری بدایونی

● تحفہ فیض، تاج الخمول مولانا عبدالقادر قادری بدایونی

● خلاصۃ العقائد، مولانا عبدالماجد قادری بدایونی

● عورت اور قرآن، مولانا عبدالماجد قادری بدایونی

● الہدیۃ القادریۃ والمقامات البغدادیۃ، مولانا فیض احمد بدایونی

● صولت قادریہ، مولانا حکیم سراج الحق عثمانی بدایونی

● تنبیہ الجہال بالہام الباسط المتعال، مولانا حافظ بخش قادری

● تنبیہ الغفول عن علم غیب الرسول، مولانا عبید اللہ مکی بدایونی

● صون الایمان عن وساوس قرن الشیطان، مولانا محبت احمد قادری

● مظہر العلماء و تراجم الکلماء، مولانا سید محمد حسین سید پوری بدایونی

● نظام عمل، مولانا عبدالماجد قادری بدایونی

(دیکھیے کیٹلاگ 'تاج الخمول اکیڈمی کی ۱۰۰ مطبوعات'، ص ۸)

۲۰۱۴ء کے جامع اشاعتی منصوبے کے تحت مندرجہ بالا کتابوں

میں سے کتنی کتابیں اب تک پریس کے حوالے کی جا چکی تھیں، راقم

الحروف کو اس کا علم نہیں۔

تعارف تصانیف:

محقق عصر مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری نے اپنے اسلاف کے

جن کتابوں کی اشاعت کا بیڑا اٹھایا تھا۔ وہ متنوع موضوعات پر مشتمل

ہے۔ ذیل میں سن اشاعت کے لحاظ سے ان کتابوں کا تعارف درج

کیا جا رہا ہے۔ تعارف تصانیف کے لئے راقم الحروف نے مندرجہ ذیل

دو مرکزی عنوان کا انتخاب کیا ہے:

(۱) کتب عقائد و کلام: (۲) اسلاف شناسی۔ تاکہ کتابوں کے

تعارف میں آسانی بھی ہو اور محقق عصر کی حسن نظر کا واضح نقشہ بھی

سامنے آجائے۔ ذیل میں پہلے کتب عقائد و کلام کا سلسلہ وار تعارف

کرایا جائے گا پھر اس کے بعد اسلاف شناسی کے تعلق سے مطبوعہ

تصانیف کا تعارف درج کیا جائے گا۔ واضح رہے کہ تعارف کتاب کے

ذیل میں جو اشاعتی تفصیلات اور موضوع کتاب کے تعارف میں مولانا

اسید الحق قادری کی ان تحریروں سے بطور خاص استفادہ کیا گیا ہے جو ہر

کتاب کے شروع میں ابتدائیہ کے تحت انہوں نے تحریر فرمایا ہے۔

کتب عقائد و کلام:

ذیل میں سن اشاعت کے لحاظ سے سلسلہ داران کتابوں کا

تعارف کرایا جا رہا ہے جو عقائد و کلام اور اصلاح فکر و اعتقاد کے موضوعات پر مشتمل ہیں۔ کچھ متفرق موضوعات پر کتابوں کا تعارف بھی اسی عنوان کے ذیل میں شامل کر لیا گیا ہے۔

● **احقاق الحق**: یہ کتاب سیف اللہ المسلمول مولانا شاہ فضل رسول بدایونی کی تصنیف ہے۔ کتاب کا پورا نام 'احقاق الحق و ابطال الباطل' ہے۔ اصل رسالہ فارسی زبان میں ہے۔ مولانا اُسید الحق قادری کے اندازے کے مطابق یہ کتاب ۱۲۶۵ھ کے آس پاس لکھی گئی۔ اس کتاب میں مسئلہ توسل و استعانت پر بے نظیر تحقیقی گفتگو کی گئی ہے اور استعانت کے سلسلے میں شاہ اسماعیل دہلوی صاحب کی بعض عبارتوں کا تحقیقی و علمی جواب دیا گیا ہے۔ تقریباً ۱۲۶۵ھ میں یہ کتاب فارسی زبان میں شائع ہوئی۔

مولانا اُسید الحق قادری نے ڈیڑھ سو سال سے زائد عرصے کے بعد اس کی پہلی اشاعت تاج الفحول اکیڈمی سے محرم ۱۴۲۸ھ/ جنوری ۲۰۰۷ء میں کیا، پھر اسی ادارہ سے دوبارہ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۰ھ/ مئی ۲۰۰۹ء میں اس کی اشاعت عمل میں آئی۔ ابتدائی مولانا اُسید الحق قادری کے قلم سے ہے جس میں کتاب اور مصنف کا مختصر تعارف گرایا گیا ہے۔ تعارف مصنف کے لیے مولانا عبدالحکیم شرف قادری کی ۲۳ صفحات پر مشتمل ایک قیمتی تحریر بھی شامل اشاعت ہے۔ علامہ شرف قادری کی یہ تحریر پہلی بار سیف الجبار (مصنفہ شاہ فضل رسول بدایونی، مطبوعہ مکتبہ رضویہ لاہور ۱۹۷۲ء) بطور مقدمہ شائع ہوئی تھی۔ تاج الفحول اکیڈمی کا نسخہ اصل فارسی کے بجائے پوری کتاب کا اردو ترجمہ ہے اور حوالہ جات کی تخریج و تحقیق سے مزین ہے۔ ترجمہ و ترتیب جدید، تحقیق و تخریج اور حوالہ جات کا اہم کام مولانا اُسید الحق قادری نے انجام دیا ہے۔ بقول مترجم:

”یہ لفظی اور حرفی ترجمہ نہیں ہے بلکہ اگر اس کو تلخیص و اختصار کہا جائے تو شاید زیادہ مناسب ہوگا۔ اس لیے اصل کتاب کی ہر عبارت اور ہر لفظ کا ترجمہ میں پایا جانا ضروری نہیں ہے۔“ (ابتدائیہ، ص ۶)

**عقیدہ شفاعت کتاب وسنت کی روشنی میں:**

یہ کتاب بھی شاہ فضل رسول بدایونی کی تصنیف ہے جو بقول

مرتب مولانا اُسید الحق قادری مصنف کی جانب سے ۱۲۶۸ھ میں تالیف کی گئی۔ شاہ فضل رسول بدایونی نے شاہ اسماعیل دہلوی کی نہایت متنازعہ اور گمراہ کن کتاب ”تقویۃ الایمان“ کے رد بلیغ اور تنقیدی محاسبے کا جو سلسلہ شروع کیا تھا یہ کتاب بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ کتاب کا پورا نام ”فوز المومنین بشفاعۃ الشافعیین“ ہے۔ یہ کتاب پہلی مرتبہ ۱۲۶۸ھ میں مطبع مفید الخلاق دہلی سے شائع ہوئی۔ ۱۳۱۰ھ/ ۱۹۹۸ء میں مفتی عبدالحکیم نوری مصباحی کی تسہیل کے ساتھ ماہ نامہ مظہر حق بدایوں میں اپریل تا اکتوبر ۱۹۹۸ء قسط وار شائع ہوئی۔

۱۴۲۹ھ/ جنوری ۲۰۰۹ء میں یہ کتاب مولانا اُسید الحق قادری کی ترتیب، تسہیل اور تخریج اور حواشی و تعلیقات کے ساتھ آسان عرفی نام ”عقیدہ شفاعت“ کتاب وسنت کی روشنی میں“ کے نام سے منظر عام پر آئی ہے۔ کتاب کی عام افادی پہلو کے پیش نظر اس کا ہندی ایڈیشن بھی تاج الفحول اکیڈمی سے شائع ہو چکا ہے۔ کل صفحات ۱۲۰ ہے۔ آخر میں ایک صفحہ میں طبع اول کے سرورق کا عکس بھی دے دیا گیا جو تحقیق و تدوین کا موجودہ رائج طریقہ ہے ساتھ ہی فہرست مشمولات بھی کتاب کے آخر میں درج کر دیا گیا ہے تاکہ مضامین کتاب سے عام قاری کے لیے استفادہ آسان ہو جائے۔

کتاب، مشمولات کتاب اور اشاعت جدید میں کتاب کی ترتیب و تسہیل اور تخریج و تحقیق کے لیے امور ملحوظہ کی تفصیل پر مشتمل ۳ صفحات میں ایک ابتدائی بھی مرتب کے قلم سے شامل ہے۔ مرتب موصوف نے مشمولات کتاب کا جامع تعارف ان الفاظ میں قلم بند کیا ہے:

”شاہ اسماعیل دہلوی صاحب نے ”تقویۃ الایمان“ میں دوسرے مسائل کے ساتھ شفاعت کے مسئلہ پر بھی بحث کی ہے۔ انہوں نے شفاعت کی تین قسمیں کی ہیں۔ شفاعت بالوجاہت، شفاعت بالمحببت اور شفاعت بالاذن۔ ان میں شاہ صاحب نے اول الذکر دو قسموں کا انکار کیا ہے اور صرف تیسری قسم کو جائز مانا ہے۔ زیر نظر کتاب میں مصنف نے پہلے شفاعت کے سلسلے میں اہل سنت کے موقف کو کتاب وسنت سے ثابت کیا ہے اور اس کے بعد شفاعت کے متعلق ”تقویۃ



الایمان“ کی پوری بحث کا تنقیدی جائزہ لیا ہے۔ شاہ صاحب کے بعض حامیوں نے شفاعت کے مسئلہ میں ان کا دفاع کرتے ہوئے ”تنبیہ الغافلین“ کے نام سے ایک رسالہ شائع کیا تھا۔ ”فوز المؤمنین“ کے مصنف نے آخر میں اس رسالہ کا بھی تنقیدی محاسبہ کیا ہے۔ پوری کتاب مصنف کی تحقیقی گہرائی، وسعت مطالعہ اور تنقیدی بصیرت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔“ (ص ۵، ابتدائیہ)

### الکلام السدید:

رسالے کا پورا نام ’الکلام السدید فی تحریر الاسانید‘ ہے۔ یہ تاریخی نام ہے جس سے اس رسالہ کا سن تالیف ۱۲۹۶ھ برآمد ہوتا ہے۔ یہ رسالہ تاریخ الفحول مولانا شاہ عبدالقادر بدایونی کی تصنیف ہے۔ انھوں نے یہ کتاب اپنے شاگرد رشید مولانا محمد حسن اسرائیلی سنہلی علیہ الرحمہ (متوفی ۱۳۰۵ھ) کی فرمائش پر تحریر کیا تھا۔ اس میں آپ نے اپنی وہ تمام اسناد اور اجازتیں جمع فرمادی ہیں جو آپ کو محدث مکہ حضرت شیخ جمال بن عمر کی سے حاصل تھیں۔ ۱۳۰۸ھ میں اس کتاب کا ایک عربی نسخہ مطبع مجتہائی دہلی سے طبع ہوا۔ ۱۲۹۰ سال بعد اس کا طبع جدید ۱۳۲۹ھ/۲۰۰۸ء میں مطبع تاج الفحول اکیڈمی سے اشاعت پذیر ہوا۔ اصل رسالہ عربی زبان میں ہے، مولانا اسید الحق قادری ازہری نے اس کا اردو ترجمہ کیا ہے اور یہ اردو ترجمہ ہی اکیڈمی سے چھپا ہے۔ تعارف کتاب کے لیے ابتدائیہ اور تعارف مصنف کے لیے ایک مختصر مقدمہ مترجم کے قلم سے ہے، اخیر میں نسخہ مطبوعہ مطبع مجتہائی کا عکس بھی دے دیا گیا ہے۔

### سنت مصافحہ:

یہ کتاب بھی تاج الفحول مولانا شاہ عبدالقادر بدایونی کی تصنیف ہے۔ کتاب کا اصل نام ’مناصحہ فی تحقیق مسائل المصافحہ‘ ہے۔ یہ تاریخی نام ہے جس سے رسالہ کا سن تصنیف ۱۲۹۸ھ برآمد ہوتا ہے۔ اصل رسالہ عربی زبان میں ہے۔ مولانا اسید الحق قادری نے اس کا اردو ترجمہ اور احادیث مبارکہ و اقوال علماء کی تخریج بھی فرمائی ہے۔ آغاز کتاب میں ۶ صفحات پر مشتمل ’ابتدائیہ‘ قلم بند کیا ہے جس میں انھوں نے صاحب کتاب اور کتاب کا مختصر تعارف کرایا ہے۔

مصنف کتاب مقصد تالیف اور مشمولات کتاب کو بتاتے ہوئے لکھتے ہیں:

”میں نے ’مناصحہ فی تحقیق مسائل المصافحہ‘ نامی رسالہ دوستوں اور احباب کی نصیحت اور اسلامی بھائیوں کی اصلاح کے واسطے تحریر کیا ہے، میں بعض لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ وہ مصافحہ کے مسائل میں زبان درازی کرتے ہیں اور لڑائی جھگڑا کر کے شدت اختیار کرتے ہیں، یہاں تک کہ انھوں نے مسائل حزیئہ فرعیہ میں تمام اہل اسلام پر کفر و گمراہی کا حکم لگا دیا ہے اور اپنے وہم و خیال کی پیدا کردہ باطل اور جھوٹی باتوں کو ثابت کرنے میں پوری قوت صرف کر دی۔ میں اللہ رب العزت کی ذات سے امید کرتا ہوں کہ وہ مجھے اہل حق و صلاح کے اقوال میں تطبیق اور مسائل مصافحہ میں تحقیق کی توفیق عطا فرمائے۔“ (ص ۱۱، احکام مصافحہ، تاج الفحول اکیڈمی بدایوں، طبع جدید ۱۳۲۹ھ/۲۰۰۸ء)

### خطبات صدارت:

یہ کتاب مختلف قومی و ملی اجلاس میں حضرت عاشق الرسول مولانا عبدالقدیر قادری بدایونی کے پڑھے گئے خطبات صدارت میں تین خطبہ صدارت کا مجموعہ ہے۔ کتاب میں جن اجلاسوں اور کانفرنسوں کے خطبات صدارت شامل ہیں ان کی تفصیل کچھ اس طرح ہے:

- ۱- خطبہ صدارت موتمر تحفظ حقوق شرعی، منعقدہ ۲۹ رجب ۱۳۵۳ھ/۱۸ نومبر ۱۹۳۳ء، بمقام کانپور
- ۲- خطبہ صدارت مجلس استقبالیہ: اجلاس جمعیتہ علماء ہند، بمقام بدایوں، منعقدہ جمادی الثانی ۱۳۵۳ھ/۱۹-۲۰-۲۱ اکتوبر ۱۹۵۳ء، زیر صدارت امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری
- ۳- خطبہ صدارت آل انڈیا نظام کانفرنس، منعقدہ لاہور، ۱۹۲۶ء ان خطبات صدارت کی ترتیب مولانا اسید الحق قادری نے انجام دی ہے۔ حضرت مفتی اعظم عدالت عالیہ مملکت آصفیہ حیدرآباد کے پچاسویں یوم وصال (۳ شوال ۱۳۲۹ھ/ اکتوبر ۲۰۰۸ء) کے مبارک موقع پر تاج الفحول اکیڈمی بدایوں کے زیر اہتمام کتابی صورت میں اس کی پہلی اشاعت ہوئی ہے۔ شروع میں تین صفحات پر ایک

تعارفی تحریر بھی مرتب نے قلم بند کی ہے، جس میں ان خطباتِ صدارت کا تعارف ساتھ ہی حضرت عاشق الرسول کی سیاسی بصیرت، ملتی قیادت، ملکی اور بین الاقوامی مسائل و تحریکات میں شمولیت اور قائدانہ کردار پر مختصر روشنی ڈالی ہے۔ مرتب موصوف نے خطباتِ صدارت پر اپنے تاثرات کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے:

”ان خطباتِ صدارت سے حضرت عاشق الرسول کی سیاسی بصیرت، دینی حمیت، قوم و ملت کے مسائل و مصائب پر ان کی تڑپ، ملتی زبانوں حانی پر ان کی فکر مندی، ملت کے روشن مستقبل کے لیے ان کے عزائم و جذبات پر بھرپور روشنی پڑتی ہے۔“ (ص ۶، ابتدا سے)

ان خطباتِ صدارت کے علاوہ حضرت عاشق الرسول کی ملتی اور سیاسی فکر و شخصیت کے عمدہ جائزہ پر مشتمل پروفیسر محمد مسعود احمد نقشبندی علیہ الرحمہ کا ایک وقیع مضمون ’مولانا عبدالقادر بدایونی اور سیاست قدیمہ و جدیدہ‘ مطبوعہ قادریہ لاہور، ۱۹۷۸ء بھی شامل اشاعت کیا ہے۔ بطور مقدمہ تیس صفحات میں حضرت عاشق الرسول کے احوال، دینی، ملتی اور ادبی خدمات پر مشتمل ایک جاندار مضمون بھی مرتب موصوف نے تحریر کیا ہے، جو نہایت معلوماتی اور لائق مطالعہ ہے۔

### مثنوی غوثیہ:

یہ کتاب بھی عاشق الرسول مولانا عبدالقادر بدایونی کی تصنیف ہے، جو ۹۵ اشعار پر مشتمل ہے۔ یہ مثنوی مخصوص حالات کے زیر اثر بارگاہِ غوثیت میں استغاثہ و استمداد کے طور پر ۱۳۳۹ھ/۱۹۱۹ء میں نظم کی گئی۔ یہ مثنوی پہلی بار ۱۳۴۰ھ میں مطبع حسینی پریس حیدرآباد سے طبع ہوئی۔ مولانا اسیدالحق قادری کی ترتیب کے ساتھ یہ مثنوی ذی قعدہ ۱۳۴۹ھ/نومبر ۲۰۰۸ء میں ۲۵ صفحات پر مشتمل شائع ہوئی ہے۔ مثنوی کے اشعار کتاب کے ص ۴۱ تا ص ۴۵ پر شامل ہیں۔

عرض مرتب کے تحت مولانا اسیدالحق قادری لکھتے ہیں:

” (اس مثنوی میں) ممدوح سے والہانہ محبت، جذبہ خود سپردگی، ناز و نیاز عشق اور قلبی واردات کا بے ساختہ اظہار اپنی جگہ لیکن اگر محض زبان و بیان کے رُخ سے مثنوی کا جائزہ لیا جائے تو انکشاف ہوگا کہ اس پہلو سے بھی یہ مثنوی اعلیٰ شعری

کمال کا ایک بے داغ نمونہ ہے۔“ (ص ۶، عرض مرتب)

بقول ڈاکٹر فضل الرحمن شرر مصباحی:

”اس کی زبان و بیان کی حلاوت، عالمانہ بصیرت، الفاظ کی شستگی، تراکیب کی برجستگی، صف شعرا میں بھی آپ کو امامت کا حق دار کرتی ہے۔“ (ص ۹، تقریظ)

آغاز کتاب میں مرتب کتاب مولانا اسیدالحق قادری نے عرض مرتب اور صاحب مثنوی کی حیات و شخصیت پر اپنا تحریر کردہ ایک تفصیلی مضمون کے علاوہ ’مثنوی غوثیہ‘ ایک جائزہ کے تحت انہوں نے مثنوی کا تاریخی پس منظر، مثنوی غوثیہ کی تمیحات پر اچھی گفتگو کی ہے۔

### فلاح دارین:

(۲۵۰ احادیث مبارکہ کا مستند مجموعہ): کتاب کے مؤلف نبیہ تاج اللہ مولانا عبدالماجد قادری بدایونی ہیں۔ کتاب کا اصل نام ’فلاح دارین باتباع سید الکوین‘ ہے، جو عقائد، عبادات، اخلاق و آداب، تہذیب نفس، معاملات، مبشرات و منذرات سے متعلق منتخب احادیث کا ایک مستند مجموعہ ہے۔ یہ کتاب ۱۳۴۱ھ/۱۹۲۱ء میں تالیف کی گئی۔ پہلی اشاعت کی تصحیح، کتابت اور نظر ثانی کا کام حضرت مولانا مفتی حبیب الرحمن قادری بدایونی (مدرس مدرسہ قادریہ بدایوں) نے کی۔ زیر نظر اشاعت میں احادیث کی تخریج و تصحیح کا کام نوجوان فاضل مولانا دلشاد احمد قادری نے اپنے استاذ محترم، محقق عصر مولانا اسیدالحق قادری کی زیر نگرانی اور علمی معاونت سے انجام دیا ہے۔ شروع کتاب (ص ۹ تا ۲۷) میں مؤلف کتاب حضرت مولانا عبدالماجد قادری بدایونی کی شخصیت اور خدمات پر ایک تفصیلی مضمون بقلم مولانا اسیدالحق عاصم قادری تعارف مصنف کے بطور شامل ہے۔

اس وقیع تحریر میں انہوں نے مولانا عبدالماجد قادری کے احوال، مدرسہ شمس العلوم کا احیا اور جدید کاری، قومی و سیاسی خدمات، خلافت کمیٹی (۱۹۱۹ء)، جمعیتہ علما ہند، جمعیتہ علما کانپور میں بحیثیت صدر، رکن اساسی اور بائیان شرکت و شمولیت، مذہبی مناظرے، تبلیغی کانفرنس کا انعقاد، جوہر خطابت اور قلمی خدمات کا تفصیلی و تحقیقی ذکر کیا ہے۔

مصنف کتاب کے تعلق سے اپنے تعارفی مضمون میں ایک شبہ کا ازالہ کے عنوان کے تحت مولانا اسیدالحق قادری لکھتے ہیں:

اس سے عام قارئین کے لیے استفادہ کی راہ کو آسان کر دیا ہے۔

### عقائد اہل سنت:

یہ کتاب نبیرہ فضل رسول مولانا محمد عبدالحامد قادری بدایونی (وصال ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء) کی تصنیف ہے۔ 'عقائد اہل سنت' کا اصل نام 'تصحیح العقائد' ہے۔ یہ کتاب ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء میں تالیف کی گئی تھی۔ اب تک ہندو پاک کے متعدد اشاعتی ادارے سے اس کی طباعت ہو چکی ہے۔ پہلی بار یہ کتاب ۱۹۴۴ء میں نظامی پریس بدایوں سے شائع ہوئی۔ ۱۳۹۸ھ/۱۹۵۱ء میں شرکت حنفیہ لاہور، ۹۵-۱۹۹۶ء میں طلبہ جماعت خامسہ جامعہ اشرفیہ مبارکپور، ۲۰۰۰ء میں ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، پاکستان سے اس کی اشاعت عمل میں آئی اور اب ذی قعدہ ۱۴۲۹ھ/ نومبر ۲۰۰۸ء میں تاج اللحول اکیڈمی بدایوں سے جدید آب و تاب کے ساتھ منظر عام پر آئی ہے۔

آغاز کتاب میں ابتدائیہ (۳ صفحات) کے بعد صاحب کتاب مولانا عبدالمجاہد قادری بدایونی کی سیرت و خدمات پر مولانا سید محمد فاروق القادری (پاکستان) کا تفصیلی مضمون شامل اشاعت ہے۔ مولانا فاروق قادری کنسلٹنٹ اسلامک اسٹڈیز نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف پبلک ایڈمنسٹریشن کراچی کا تعارف مصنف پر یہ واقع مضمون کتاب کے ص ۱۱ سے شروع ہو کر ص ۲۸ پر ختم ہوتا ہے۔ اس کے بعد حضرت مولانا عاشق الرسول مفتی عبدالقدیر بدایونی، مفتی محمد ابراہیم قادری مفتی اعظم بمبئی، مفتی محمد قدیر بخش مفتی ریاست جے پور کی تقریظ ہے جو کتاب کی اہمیت کو بتانے کے لیے کافی ہے۔ تخریج و تحقیق کا کام مولانا دلشاد احمد قادری (استاذ مدرسہ قادریہ بدایوں) نے انجام دیا ہے۔ ان کی تحقیقی صلاحیت پر اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے ابتدائیہ میں مولانا اسید الحق قادری تحریر فرماتے ہیں:

”کتاب کی تخریج اور نظر ثانی وغیرہ کا مشکل کام عزیز گرامی مولانا دلشاد احمد قادری (استاذ مدرسہ قادریہ بدایوں) نے انجام دیا ہے۔ مولانا گذشتہ دو سال سے راقم الحروف کے زیر نگرانی تخریج و تحقیق کا کام کر رہے ہیں، پڑھنے پڑھانے کا اچھا ذوق رکھتے ہیں۔ مزاج تحقیقی ہے، محنتی اور جفاکش ہیں۔“ (ص ۹، ابتدائیہ)

”مولانا عبدالمجاہد بدایونی کے بارے میں ایک بات یہ کہی جاتی ہے کہ انھوں نے ایک تقریر میں گاندھی جی کو 'مبعوث من اللہ' کہا تھا یا یہ کہا تھا کہ اللہ نے انھیں مذکر بنا کر بھیجا ہے۔ اس زمانے میں اس بات کا کافی چہرہ اور آج بھی یہ جملہ مولانا بدایونی کی طرف منسوب کر کے وقتاً فوقتاً لکھ دیا جاتا ہے۔ اس زمانے میں جب اس کی شہرت ہوئی تو حلقہ علماء میں ایک بے چینی پھیل گئی۔ بات دارالافتا تک پہنچی اور مولانا عبدالمجاہد بدایونی کے خلاف فتوے صادر کیے گئے۔ لہذا ضروری ہے کہ یہاں اس سلسلے میں وضاحت کر دی جائے تاکہ مولانا بدایونی کے بارے میں کوئی غلط فہمی راہ نہ پاسکے۔“ (ص ۲۳)

پھر مولانا حبیب الرحمن قادری بدایونی کی کتاب 'البیان' میں مولانا بدایونی کے وضاحتی مکتوب کی روشنی میں اس پہلو پر تحقیقی گفتگو قلم بند کرنے کے بعد اخیر میں رقم طراز ہیں:

”مولانا عبدالمجاہد بدایونی کی صفائی اور برأت کے لیے خود ان کی یہ وضاحتیں بہت کافی ہیں، ان کو قبول نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔“ (ایضاً، ص ۲۷)

### عرس کی شرعی حیثیت:

زیر نظر کتاب 'عرس کی شرعی حیثیت' حضرت مولانا عبدالمجاہد قادری بدایونی کے دو رسائل کا مجموعہ ہے: (۱) فتویٰ جواز عرس (۲) القول السدید۔ یہ دونوں رسائل بالترتیب ۱۳۲۹ھ اور ۱۳۳۰ھ میں نظامی پریس بدایوں سے شائع ہوئے تھے۔

زیر نظر کتاب میں پہلا رسالہ ص ۳۰ تا ۵۲ جب کہ دوسرا رسالہ ص ۵۳ تا ۱۳۵ صفحات پر مشتمل ہے۔ شروع میں دونوں رسائل کی فہرست مشمولات ۲ صفحات، اس کے بعد حرف آغاز ۳ صفحات جب کہ صاحب کتاب کی شخصیت اور خدمات پر تفصیلی مضمون ۱۰ تا ۲۹ صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ دونوں تحریر مولانا اسید الحق قادری کے قلم سے ہے۔ حرف آغاز میں دونوں کتابوں کا جامع تعارف ہے۔ کتاب کی ترتیب جدید و تخریج مولانا دلشاد احمد قادری نے آپ کی زیر نگرانی انجام دیا ہے۔ تحقیق و تفسیر مولانا اسید الحق قادری کے قلم کا مرہون منت ہے۔ جدید ترتیب و تخریج اور تفسیر و تعلق نے کتاب کی اہمیت اور قدر و قیمت میں اضافہ کے ساتھ

## دوست عمل:

یہ کتاب بھی نبیرۃ تاج الفحول مولانا محمد عبدالحمید قادری بدایونی کی تصنیف ہے، جو نواب سر نظامت جنگ بہادر وزیر سیاسیات مملکت آصفیہ حیدرآباد کی خواہش و فرمائش پر ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۳ء میں لکھی گئی اور پہلی مرتبہ ۱۳۵۲ھ ہی میں اعظم اسٹیم پریس حیدرآباد دکن سے شائع ہوئی۔ ۱۳۲۹ھ/نومبر ۲۰۰۹ء میں تاج الفحول اکیڈمی سے اس کی جدید اشاعت عمل میں آئی ہے، جو ۷۰ صفحات پر مشتمل ہے۔

آغاز کتاب سے پہلے ابتدائیہ کے تحت کتاب اور صاحب کتاب کا اجمالی تعارف کرایا گیا ہے جو مولانا اُسید الحق قادری کے قلم سے ہے، جب کہ تعارف مصنف کے لیے پروفیسر ڈاکٹر جلال الدین احمد نوری (سابق چیئرمین شعبہ علوم اسلامیہ، کراچی یونیورسٹی، پاکستان) کا جامع مضمون مطبوعہ 'مجلہ نذرانہ عقیدت' بموقع 'مولانا بدایونی کانفرنس ۲۰۰۲ء' شامل اشاعت ہے۔

مختلف عنوانات پر مسلمانوں کی اصلاح کے لیے آیات قرآنی کا ایک خوبصورت انتخاب ہے اور بقول مصنف:

"اگر ان آیات کو ہر مسلمان ترجمہ کے ساتھ یاد کر کے اپنی زندگی کے لمحات میں غور و فکر کرتا رہے کہ میں نے اس لائحہ عمل کے خلاف کس طرح قدم اٹھایا اور کتنا موافق عمل کیا اور مجھے اب کیا کرنا چاہیے تو بلاشبہ ہماری اصلاح ہو جائے گی اور مقاصد جلیلہ میں نمایاں کامیابی نظر آنے لگے گی۔" (ص ۷۰)

## مردے بنتے ہیں:

یہ کتاب مولانا حکیم محمد عبدالقیوم شہید قادری کی تصنیف ہے۔ طبع اول ۱۳۱۸ھ میں مطبع حنفیہ پٹنہ جبکہ طبع جدید ۱۳۲۹ھ/۲۰۰۸ء میں تاج الفحول اکیڈمی بدایوں سے منظر عام پر آیا ہے۔ کتاب کا اصل نام 'سماح الاموات بالا حادیث والآثار' ہے۔ یہ رسالہ سماح اموات اور روحوں سے مدد طلب کرنے پر عدم جواز کے فتویٰ مطبوعہ ماہنامہ 'آثار السنن' پٹنہ، شمارہ ۳ کے جواب میں قلم بند کیا جو پہلے دو قسطوں میں اہل سنت و جماعت کے معروف رسالہ 'ماہنامہ تحفہ حنفیہ' پٹنہ بابت محرم ۱۳۱۸ھ اور بابت صفر ۱۳۱۸ھ میں طبع ہوا۔ پھر اسے قاضی عبدالوحید فردوسی مدیر ماہنامہ 'تحفہ حنفیہ' نے اپنے اشاعتی ادارہ مطبع حنفیہ پٹنہ سے علاحدہ کتابی

شکل میں شائع کیا۔ زیر نظر اشاعت تسہیل و ترتیب جدید اور تخریج و ترجمہ عربی و فارسی عبارات کے بعد شائع ہوئی ہے۔

'حرف آغاز' کے عنوان سے مولانا اُسید الحق قادری نے رسالہ کا تعارف اور سبب تالیف تحریر کیا ہے جو تین صفحات پر مشتمل ہے۔

'تعارف مصنف' کے نام سے ۱۱ صفحات میں مصنف کتاب کے احوال و خدمات پر مشتمل تحریر بھی شامل اشاعت ہے۔ یہ تحریر بھی مولانا اُسید الحق قادری کے قلم سے ہے۔

جدید ترتیب، تسہیل، تخریج حوالہ جات اور ترجمہ عربی و فارسی عبارات مولانا دلشاد احمد قادری کے قلم سے ہے۔ شروع میں فہرست مشمولات کا اضافہ کیا گیا ہے۔

## مضامین شہید:

یہ کتاب جیسا کہ نام سے ظاہر ہے مولانا حکیم محمد عبدالقیوم شہید قادری بدایونی کے مقالات و مضامین کا مجموعہ ہے۔ یہ سبھی تحریریں انھوں نے ۱۳۱۵ھ اور ۱۳۱۸ھ کے درمیانی عرصے میں لکھیں اور ماہ نامہ 'تحفہ حنفیہ' میں اشاعت پذیر ہوئیں۔ شفاعت، علم، حق کی بلندی، شبِ برأت، رمضان المبارک جیسے اہم موضوعات پر مضامین کا یہ گلدستہ عوام و خواص سب کے لیے مفید ہے۔

ان مقالات کی ترتیب و تخریج صاحبزادہ مولانا محمد عطیف قادری نے انجام دی ہے۔ شروع میں دو صفحات میں 'حرف آغاز' کے عنوان سے اس کی تفصیل بھی انھوں نے قلم بند کر دی ہے کہ کتاب میں شامل یہ مضامین کب اور کس پرچے یا مجلہ میں شائع ہوئے۔

صاحب کتاب کے تعارف و شخصیت اور خدمات و کارنامے پر دو اہم تحریریں بھی مرتب موصوف نے شامل اشاعت کی ہیں: (۱) 'تعارف مصنف' بقلم مولانا اُسید الحق محمد عاصم قادری، ص ۱۸ تا ۲۸ (۲) حکیم عبدالقیوم شہید: حیات و شخصیت، بقلم مولانا محمد عبدالحی صدیقی قادری۔ مولانا شہید پر یہ مضمون مرتب نے ماہنامہ 'تحفہ حنفیہ' پٹنہ (جلد ۲، شمارہ ۹-۱۰، بابت رمضان و شوال ۱۳۱۸ھ) سے لیا ہے۔

## طرت اسلامیہ کا ماضی، حال، مستقبل:

یہ کتاب بھی مولانا حکیم محمد عبدالقیوم شہید قادری بدایونی کی ہے۔ یہ کتاب مدرسہ اہل سنت (پٹنہ) کے بانی و مہتمم اور ماہنامہ 'تحفہ حنفیہ' پٹنہ



قادری نے انجام دیا ہے۔ کتاب کے اخیر میں دو صفحات میں مولانا حبیب الرحمن قادری بدایونی اور مفتی محمد عبدالقدیر قادری بدایونی کی تصدیقات بھی ہیں۔

### ریاض القراءت:

یہ کتاب بھی مفتی محمد ابراہیم قادری کی تالیف کردہ ہے جو انہوں نے ۱۳۴۸ھ میں تحریر فرمایا تھا اور اسی سال یہ کتاب امیرالاقبال پریس بدایوں سے اشاعت پذیر ہوا۔ قاری محمد شان رضا قادری (استاذ حفظ و تجوید مدرسہ قادریہ بدایوں) کی ترتیب جدید اور اضافہ مفید کے ساتھ ذی قعدہ ۱۳۴۹ھ/نومبر ۲۰۰۸ء میں تاج اللؤلؤ اکیڈمی بدایوں سے شائع ہوئی ہے۔ یہ رسالہ اپنے اختصار کے باوجود جامع اور علم تجوید و قرأت کے مبتدی طلبہ کے لیے بے حد مفید ہے۔ قاری محمد شان رضا قادری نے مولانا اُسید الحق قادری کی زیر نگرانی بڑی سلیقہ مندی سے رسالہ کے قدیم زبان و اسلوب کی تسہیل، ترتیب جدید اور بعض جگہ مفید چیزوں کا اضافہ کیا ہے جس کی وجہ سے یہ کتاب درسی کتب میں شامل کیے جانے کی مستحق ہو گئی ہے۔ پوری کتاب ۱۸۱۸ اسباق پر مشتمل ہے اور ہر سبق میں فن قرأت کے مبادیات کو بیان کیا گیا ہے۔ امید کی جاتی ہے کہ یہ کتاب فن تجوید کے طلبہ کے لیے بیش قیمت تحفہ ثابت ہوگی۔ شروع کتاب میں ایک صفحہ میں 'ابتدائیہ' ہے جو کتاب کے جامع تعارف پر ہے۔ اس کے بعد 'تعارف مصنف' کے عنوان سے صاحب کتاب کے احوال و آثار پر مشتمل ایک دقیق مضمون بھی مولانا اُسید الحق قادری کے قلم سے زینت کتاب ہے۔

### دیارت روضہ رسول:

یہ کتاب سیف اللہ المسلمول مولانا شاہ فضل رسول قادری بدایونی کی تصنیف ہے۔ کتاب کا اصل نام 'اکمال فی بحث شد الرحال' ہے۔ یہ کتاب کا تاریخی نام ہے جس سے اس کا سن تالیف (۱۲۶۶ھ) برآمد ہوتا ہے۔ اصل رسالہ فارسی زبان میں ہے۔ 'منتہی المقال فی شرح حدیث لاشد الرحال' نامی رسالہ کے مشمولات کے متعلق سات سوالات کا علمی و تحقیقی جواب ہے۔ پہلی بار یہ کتاب ۱۲۶۶ھ میں مطبع الہی سے شائع ہوا تھا۔ ۱۳۳۰ھ/۲۰۰۹ء میں یہ کتاب اپنی پہلی اشاعت کے تقریباً ۱۶۹ سال بعد مولانا اُسید الحق

کے مدبر و منتظم حضرت مولانا قاضی عبدالوحید فردوسی کی فرمائش پر آپ نے قلم بند فرمایا۔ یہ مقالہ پہلے ماہنامہ 'تحفہ حنفیہ' میں قسط وار (جلد ۲، شمارہ ۲ تا شمارہ ۶، جمادی الآخر ۱۳۱۶ھ تا شوال المکرم ۱۳۱۶ھ) شائع ہوا۔ پھر مطبع اہل سنت پٹنہ سے کتابی شکل میں قاضی صاحب کے زیر اہتمام پہلی بار ۱۳۱۶ھ میں شائع ہوا اور پھر اس کے بعد ۱۳۲۹ھ/۲۰۰۸ء میں اس کی جدید اشاعت مولانا اُسید الحق قادری کی ترتیب و تقدیم کے ساتھ تاج اللؤلؤ اکیڈمی سے (۶۸ صفحات) عمل میں آئی۔

یہ کتاب بقول مرتب:

”آج سے تیرہ سو سال پہلے لکھی گئی تھی۔ اس ایک صدی میں کتنے انقلابات آئے، ماہ و سال نے کتنی کروٹیں لیں اور زمانے کے پلوں کے نیچے سے کتنا پانی بہ گیا، اس کے باوجود اس کتاب کی اہمیت و افادیت آج بھی اتنی ہی ہے جتنی اس کے عہد تالیف میں تھی۔ مصنف نے جن خامیوں کو ہمارے زوال کا سبب قرار دیا تھا وہ آج بھی جیوں کی تیوں ہمارے اندر موجود ہیں اور ترقی و عزت کے لیے جن زینوں کی طرف اشارہ کیا گیا تھا وہ آج بھی کسی آنے والے کی راہ تک رہے ہیں۔“

(ص ۸، حرف آغاز)

### احکام قبور:

۳۰ صفحات پر مشتمل اس اہم کتاب کے مصنف مفتی محمد ابراہیم قادری بدایونی ہیں۔ کتاب کا پورا نام 'البناء المتین فی احکام قبور المسلمین' ہے۔ یہ تاریخی نام ہے جس سے رسالہ کا سن تالیف (۱۳۴۳ھ) برآمد ہوتا ہے۔ اسی سال یہ کتاب پہلی بار بدایوں سے طبع ہوئی۔ ۱۳۴۹ھ/۲۰۰۸ء میں تاج اللؤلؤ اکیڈمی بدایوں سے مولانا دلشاد احمد قادری کی تخریج و تحقیق کے ساتھ منظر عام پر آیا ہے۔ مسلمانوں کی قبر کی حرمت اور تعظیم، ایذائے اموات مسلم سے احتراز اور مشائخ و بزرگ اور صالح علما کی قبروں کو پختہ بنائے جانے کے جواز پر یہ ایک جامع رسالہ ہے۔ پوری کتاب مدلل و مستند دلائل و حوالہ جات سے آراستہ ہے۔ زیر نظر اشاعت میں 'ابتدائیہ' کے عنوان سے صاحب کتاب کا بڑا معلوماتی تذکرہ شامل اشاعت ہے جو مولانا اُسید الحق قادری کے قلم حقیقت رقم سے ہے۔ حوالہ جات کی تخریج و تحقیق کا کام مولانا دلشاد احمد

۱۲۷۶ھ/۱۸۶۰ء میں شائع ہوا۔ مولانا اسید الحق قادری نے اسی فارسی والے نسخہ کو اردو ترجمہ و تخریج کے ساتھ رمضان ۱۲۳۰ھ/ ستمبر ۲۰۰۹ء میں تاج الفحول اکیڈمی سے شائع کیا ہے۔ اس ایڈیشن میں پوری کتاب کا سلیبس اردو ترجمہ اور حوالہ جات کی تخریج شامل اشاعت ہے۔ 'حرف آغاز' مترجم کے قلم سے ہے۔ 'تعارف مصنف' کے لیے انھوں نے علامہ شرف قادری کی تحریر کو شامل کیا ہے۔ صفحات کی تعداد ۵۶ ہے۔ 'حرف آغاز' میں پوری کتاب کا ایک جامع تعارف ان الفاظ میں قلم بند کیا گیا ہے:

”رسالہ (کتاب) کو مصنف نے تین فصلوں پر منقسم کیا ہے۔ پہلی فصل میں تبرکاتِ اصلیہ سے خیر و برکت حاصل کرنے کا بیان ہے، جس کے لیے مصنف نے قرآنی آیات، معتبر تفاسیر، صحیح احادیث اور علما کے اقوال سے استدلال کیا ہے۔ رسالہ کے زمانہ تالیف میں جو لوگ تبرکات و آثار کی تعظیم و تکریم اور ان سے خیر و برکت حاصل کرنے کے منکر تھے وہ خاندانی طور پر بھی اور علمی طور پر بھی اپنا شجرہ شاہ ولی اللہ اور ان کے مدرسہ سے جوڑتے تھے، اسی لیے مصنف نے شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کی تفسیر ’فتح العزیز‘ اور ان کے والد مسند الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے ملفوظات و مکتوبات سے خاص طور پر حوالے نقل کیے ہیں۔ اب اگر تبرکات کے سلسلے میں کوئی فتویٰ شرک و بدعت صادر ہوتا ہے تو اس کی زد میں سب سے پہلے خانوادہ شاہ ولی اللہ دہلی آتا ہے۔“

دوسری فصل میں تبرکاتِ مثالیہ غیر منصوصہ کے سلسلے میں بحث کی گئی ہے اور تیسری فصل میں تبرکاتِ مثالیہ مصنوعہ کو معرض بحث میں لایا گیا ہے۔“ (ص ۶، حرف آغاز)

### فصل الخطاب

یہ کتاب بھی مولانا شاہ فضل رسول قادری بدایونی کی تصنیف ہے۔ رسالہ کا پورا نام ’فصل الخطاب بین السننی و بین احزاب عدز الوہاب‘ ہے۔ یہ رسالہ کا تاریخی نام ہے جس سے یہ تالیف (۱۲۶۸ھ) برآمد ہوتا ہے۔ یہ رسالہ پہلی بار ۱۲۶۸ھ میں مطبع مفید الخلاق دہلی سے شائع ہوا۔ ۱۶۲ رسالہ بعد مولانا اسید الحق قادری نے

قادری کے ترجمہ اور ترتیب جدید سے تاج الفحول اکیڈمی بدایوں سے ’زیارتِ روضہ رسول‘ کے عربی نام سے شائع ہوا ہے جو ۵۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ اشاعت فارسی کے بجائے صرف اردو ترجمہ پر مشتمل ہے۔ اس اشاعت میں ’حرف آغاز‘ (۷ صفحات) بقلم مترجم اور ’تعارف مصنف‘ بقلم علامہ عبدالحکیم شرف قادری لاہوری شامل اشاعت ہے۔ کتاب کے سبب تالیف کو بتاتے ہوئے مترجم موصوف ’حرف آغاز‘ کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

”حضرت مولانا مفتی صدرالدین آزرده (م ۱۲۵۸ھ) صدر الصدور دہلی نے ۱۲۶۴ھ میں روضہ رسول کی زیارت کے مسئلہ پر ’منتہی المقال فی شرح حدیث لاتشد الرحال‘ نامی رسالہ تالیف کیا جو اسی سال شائع ہو کر منظر عام پر آیا۔ رسالہ پر استاذ مطلق علامہ فضل حق خیر آبادی اور مفتی سعد اللہ مراد آبادی نے تقریظات تحریر فرمائیں..... منتہی المقال اپنے موضوع پر ایک تحقیقی اور جامع کتاب ہے۔ اس سے مسئلہ زیارت کی تحقیق و وضاحت کے ساتھ مفتی صدر الدین آزرده صاحب کے وسعت مطالعہ، علمی گہرائی اور تحقیقی اسلوب کا پتہ چلتا ہے۔ منتہی المقال کی پہلی اشاعت کے بعد کسی صاحب نے اس کے مباحث کے سلسلے میں سات سوالات لکھ کر سیف اللہ المسلمول کی خدمت میں بھیجے۔ زیر نظر رسالہ دراصل انھیں سات سوالات کے جواب پر مشتمل ہے۔“ (ص ۶، حرف آغاز)

### حرزِ معظم

یہ کتاب بھی سیف اللہ المسلمول مولانا شاہ فضل رسول قادری بدایونی کی تصنیف ہے، آثار و تبرکات سے برکت و تعظیم اس کتاب کا موضوع ہے۔ ’حرزِ معظم‘ کتاب کا تاریخی نام ہے جس سے سن تالیف (۱۲۶۵ھ) برآمد ہوتا ہے۔ یہ کتاب آپ نے اردو زبان میں تصنیف فرمائی۔ پھر آپ کے صاحبزادہ گرامی تاج الفحول مولانا عبدالقادر بدایونی نے حاجی محمد خاں صاحب بہادر کی فرمائش پر اس کا فارسی میں ترجمہ کیا، جو ’مجموعہ رسائل و فرائد‘ کے نام سے شائع ہوا۔ اس مجموعہ میں ’حرزِ معظم‘ کے علاوہ تین رسائل اور ہیں۔ یہ مجموعہ مطبع کوہ نور لاہور سے

رمضان ۱۴۳۰ھ / ستمبر ۲۰۰۹ء میں تسہیل، ترتیب اور تخریج کے ساتھ تاج اللہول اکیڈمی سے شائع کیا، جو ۲۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ اصل رسالہ کی ترتیب بقول مترجم یہ ہے:

”آپ نے (شاہ فضل رسول بدایونی) شاہ اسماعیل دہلوی صاحب کی کتاب تقویۃ الایمان اور صراط مستقیم سے دس اقوال کا انتخاب کیا ہے، اور یہ دکھایا ہے کہ یہ اقوال اہل سنت کے مخالف ہیں اور معتزلہ، خوارج یا شیعہ وغیرہ کے عقائد و نظریات کے موافق ہیں۔ پھر ان عقائد و نظریات کی تردید میں آپ نے علمائے اہل سنت اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی کتب سے استدلال کیا ہے۔ پھر آپ نے اس پوری بحث کو استفتا کی شکل دے کر علما کی رائے طلب کی، اس وقت کے اٹھارہ جلیل القدر علما (جن میں اکثر خانوادہ ولی اللہی کے فیض یافتہ ہیں) نے متفقہ طور پر اس بات کی تائید و تصدیق کی کہ: قائل کی دسوں باتیں باطل ہیں، حق کے مخالف ہیں، ان اقوال کا قائل اور جو شخص ان اقوال کو حق سمجھے سب اہل سنت سے خارج ہیں۔“ (ص ۶، ابتدائیہ)

اس میں بھی تعارف مصنف کے لیے علامہ شرف قادری کا مضمون شامل اشاعت ہے۔ تسہیل کے وقت یہ کوشش کی گئی ہے کہ مصنف کا اسلوب اور لب و لہجہ ممکنہ حد تک برقرار رہے۔ اس لیے عموماً الفاظ کی تقدیم و تاخیر کے علاوہ اور کوئی تصرف نہیں کیا گیا ہے۔ متن میں اردو، عربی، فارسی عبارات کے ترجمے کر دیے گئے ہیں اور حتی الامکان عبارتوں کی تخریج کر دی گئی ہے۔

### اختلافی مسائل پر تاریخی فتویٰ:

یہ کتاب اہل سنت و جماعت کے معمولات و مراسم پر ہندوستان کے آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کے استفتا کا جواب ہے۔ یہ فتویٰ سب سے پہلے مطبع مفید الخلاق دہلی سے ۱۲۶۸ھ میں شائع ہوا، اس کے بعد دوسری بار اسی مطبوعہ نسخہ سے منقول ہو کر ’اکمل التاریخ‘ مصنفہ مولانا ضیاء القادری میں ۱۳۳۳ھ میں طبع ہوا۔ اصل استفتا و فتویٰ فارسی زبان میں ہے۔ سب سے پہلے اس کا اردو ترجمہ ڈاکٹر شیخ علیم الدین قادری قدیری مرید و خادم خاص مولانا عبدالقدیر قادری بدایونی نے

۱۹۷۰-۱۹۸۰ء کے درمیانی برسوں میں کیا اور اپنے ادارہ مدیۃ العلم کلکتہ سے شائع کیا۔ بعد میں یہ ترجمہ ماہ نامہ ’منظہر حق‘ بدایوں اور پاکستان سے شائع ہوا۔ ۳۰-۳۵ سال کے بعد مولانا اُسید الحق قادری کے ترجمہ و ترتیب جدید کے ساتھ رمضان ۱۴۳۰ھ / ستمبر ۲۰۰۹ء میں جدید آب و تاب کے ساتھ تاج اللہول اکیڈمی بدایوں سے منظر عام پر آیا ہے۔ اس تازہ اشاعت میں تعارف مصنف کے لیے علامہ شرف قادری کا وہی مضمون شامل اشاعت ہے جو دیگر کتب سیف اللہ المسلمول پر چھپا ہے۔ ’حرف آغاز‘ مرتب کتاب کے قلم سے ہے جس میں اس کتاب کی تاریخی و علمی اور تحقیقی حیثیت اور اس فتویٰ کے بعض جملے پر مخالفین اہل سنت کے مغالطے اور شبہات کا مسکت جواب بھی دیا گیا ہے۔ کتاب کے نئے ترجمہ کی ضرورت کو بتاتے ہوئے مترجم کتاب تحریر فرماتے ہیں:

”ڈاکٹر (شیخ علیم الدین قادری قدیری) صاحب کا ترجمہ سلیس اور عمدہ تھا مگر اس کو ۳۰-۳۵ برس گزر گئے، لہذا بعض وجوہات کی بنیاد پر از سر نو ترجمہ کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی، راقم الحروف نے اپنی کم علمی کے باوجود فارسی کو اردو کا جامہ پہنانے کی کوشش کی ہے، ساتھ ہی یہ اہتمام بھی کیا گیا ہے کہ مصنف رسالہ نے جہاں علما کی عربی عبارات لکھنے کے بجائے صرف فارسی ترجمہ لکھنے پر اکتفا کیا تھا، اب اصل کتابوں کی طرف رجوع کر کے ساتھ میں عربی عبارات بھی شامل کر دی گئی ہیں اور حتی الامکان آیات، احادیث اور عبارتوں کی تخریج بھی کر دی گئی ہے۔“ (ص ۸، حرف آغاز)

فتویٰ کی تاریخی و علمی حیثیت کے پیش نظر رضا اکیڈمی ممبئی کے زیر اہتمام تاج اللہول اکیڈمی کا یہی ایڈیشن دوبارہ منظر عام پر آچکا ہے۔ مولود محکوم (مع انتخاب نعت و مناقب):

سیف اللہ المسلمول کے شعری کلام کا مجموعہ ہے، جو میلاد نامہ یا مولود اور نعت و مناقب پر مشتمل ہے۔ میلاد نامہ مع قصائد کے نام سے سیف اللہ المسلمول کا مجموعہ کلام ’تذکرہ شعرائے بدایوں‘ کے مطابق ۱۲۹۲ھ رفیق یا در الدولہ ریاست علی خلف الصدق نواب سرفراز الدولہ کی فرمائش پر مطبع سرکار عالی حیدرآباد دکن میں چھپا، جس کا ایک نسخہ

انجمن ترقی اردو (پاکستان) کراچی میں موجود ہے۔ (جلد ۲، ص ۲۲۹)  
تاج الفحول اکیڈمی بدایوں سے مولانا اُسید الحق قادری کی ترتیب سے جو نسخہ ذوالحجہ ۱۴۳۰ھ / دسمبر ۲۰۰۹ء میں سامنے آیا ہے وہ بقول مرتب:

”مولانا عبدالماجد بدایونی کی اجازت و اہتمام اور نواب سید خواجہ غلام محمد عرف حفیظ اللہ خاں بہادر ساکن حیدرآباد کی فرمائش پر مطبع قادری بدایوں سے ۱۳۳۴ھ میں شائع ہوا، جو ۱۲۴ صفحات پر مشتمل تھا اور اس میں مولود منظوم کے علاوہ اردو نعت و مناقب، ۲۶ فارسی غزلیات اور ۱۰ محس شامل تھے۔“ (ص ۹، ابتدائیہ)

نسخہ تاج الفحول اکیڈمی مرتبہ مولانا اُسید الحق قادری ۱۷۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ شروع میں بطور تقدیم سات صفحات پر ایک ابتدائیہ ہے جس میں حضرت سیف اللہ المسلمول کی عربی، فارسی اور اردو میں بہاریہ شاعری نیز نعت و مناقب، نظم نگاری پر بڑی اچھی گفتگو کی گئی ہے۔

### ردِ روافض:

یہ کتاب تاج الفحول حضرت مولانا عبدالقادر قادری بدایونی کی شیعہ و روافض کے رد میں چار رسائل کا مجموعہ ہے۔ یہ چاروں رسائل حضرت تاج الفحول کے شاگرد رشید اور خانوادہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ کے جلیل القدر فرزند حضرت مولانا سید شاہ حیدر حسینی برکاتی مارہروی قدس سرہ کے سوال کے جواب میں تصنیف کیے گئے۔ چاروں رسائل کے نام یہ ہیں: (۱) ردِ روافض (۲) تکملہ ردِ روافض (۳) اظہار الحق (۴) تصحیح العقیدہ فی باب امیر معاویہ۔ مولانا سید شاہ حیدر حسینی برکاتی مارہروی نے اسی زمانے میں ان رسائل کو ترتیب دے کر شائع کروایا۔

پہلا رسالہ معاصر علمائے بدایوں، بریلی، رام پور، مراد آباد، فرنگی محل کی تصدیقات کے ساتھ ۱۳۹۱ھ / ۱۸۷۵ء میں مطبع صبح صادق سینٹاپور سے شائع ہوا۔ دوسرا رسالہ ۱۳۹۲ھ / ۱۸۷۶ء میں اسی ادارے سے منظر عام پر آیا۔ تیسرا رسالہ بھی جمادی الثانی ۱۲۹۳ھ / جولائی ۱۸۷۶ء میں اسی ادارے سے طبع ہوا اور چوتھا رسالہ پہلی مرتبہ مطبع ماہتاب ہند میرٹھ سے مارچ ۱۸۷۶ء میں اشاعت پذیر ہوا۔ بعد میں یہ چوتھا رسالہ مولانا شاہ حسین گردیزی کے اردو ترجمہ کے ساتھ اختلافی

علی و معاویہ کے نام سے محدث سورتی اکیڈمی کراچی سے شائع ہوا، پھر یہی کتاب ۱۹۹۸ء میں تاج الفحول اکیڈمی بدایوں سے طبع ہوا۔ اب یہ چاروں رسائل ایک ساتھ تاج الفحول اکیڈمی بدایوں سے ۱۴۳۰ھ / ۲۰۰۹ء میں ۱۱۶ صفحات پر مشتمل طبع ہوا ہے۔ بحیثیت مرتب حضرت سید شاہ حسین حیدر حسینی مارہروی کا نام باقی رکھا گیا ہے جو اس کے اصل مرتب تھے۔ البتہ شروع کے تینوں رسائل فارسی زبان میں تھے اس لیے اس کا اردو ترجمہ مولانا اُسید الحق قادری نے کر دیا ہے جب کہ آخر الذکر رسالہ کے ساتھ مولانا شاہ حسین گردیزی (پاکستان) کا نام درج ہے جو اس کے اصل مترجم ہیں۔ البتہ مولانا گردیزی نے طوالت کے خوف سے عربی و فارسی عبارتوں کا صرف ترجمہ شامل کیا تھا۔ اس ایڈیشن میں مولانا اُسید الحق قادری نے عربی و فارسی عبارتیں درج کرنے کے ساتھ مولانا گردیزی کے ترجمہ پر نظر ثانی بھی کی ہے اور چاروں رسائل اور اس کے مرتب کے تعارف کے لیے ایک شاندار مقدمہ ’ابتدائیہ‘ کے نام سے تحریر کیا ہے۔ ان ساری خصوصیات کی وجہ سے عام قاری کے لیے کتاب سے استفادہ آسان ہو گیا ہے۔

### شارحہ الصدور:

یہ کتاب مولانا مفتی محمد حبیب الرحمن قادری بدایونی (فاضل مدرسہ قادریہ بدایوں، جمادی الاولیٰ ۱۳۲۶ھ / جولائی ۱۹۰۸ء) کی تصنیف ہے ’شارحہ الصدور فی احکام القبور‘ کتاب کا تاریخی نام ہے، جس سے کتاب کا سن تالیف (۱۳۴۴ھ) برآمد ہوتا ہے۔ ۱۳۴۵ھ میں نعیمی پریس مراد آباد سے اس کی پہلی اشاعت عمل میں آئی۔ اس کا دوسرا نام ’ارغام النجدیہ‘ ہے جس سے اس کا سن طبع برآمد ہوتا ہے۔ ۸۵ سال بعد تاج الفحول اکیڈمی سے اس کی دوبارہ اشاعت ۱۴۳۰ھ / ۲۰۰۹ء میں سامنے آئی ہے۔ عصری تقاضے کے پیش نظر اسلوب بیان کی تسہیل اور حوالہ جات کی تخریج مولانا محمد خالد رضا قادری (شاگرد عزیز مولانا اُسید الحق قادری) نے اپنے استاذ محترم کی نگرانی میں انجام دیا ہے۔ اس کام کی تحسین کرتے ہوئے مولانا اُسید الحق قادری فرماتے ہیں:

”یہ کتاب ان کی پہلی کوشش ہے جس کو انھوں نے کامیابی کے ساتھ مکمل کیا ہے، حتیٰ الامکان کتاب میں موجود آیات و



احادیث اور عربی عبارتوں کی تخریج کردی گئی ہے۔ عربی و فارسی عبارتوں پر نظر ثانی کر کے ان کو آج کے زمانے کے مطابق عام فہم بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ کہیں کہیں مصنف نے کسی عبارت کے چند ابتدائی الفاظ لکھ کر الخ آخرہ سے اس کی طرف اشارہ کیا تھا، ایسے مقامات پر اصل ماخذ کی طرف رجوع کر کے پوری عبارت درج کردی گئی ہے۔“

(ص ۱۵، ابتدائیہ)

اس طبع جدید میں مولانا اُسید الحق قادری نے مصنف کتاب کے تعارف کے لیے دس صفحات میں بطور تقدیم 'ابتدائیہ' قلم بند کیا ہے، جس میں انھوں نے صاحب کتاب کے شخصی تعارف کے ساتھ ان کی علمی، دینی، قومی، ملی اور قلمی خدمات کا ایک بہترین نقشہ کھینچا ہے۔ صاحب کتاب کا تعارف اور مختلف موضوعات پر ان کی گیارہ کتابوں کا وسیع تعارف پہلی بار اسی مقدمہ کے ذریعے سامنے آیا ہے۔

### الدرر المسعہ فی الرّوطل الوہابیہ

یہ کتاب شیخ الاسلام مولانا سید احمد بن زینی دحلان مکی (ولادت ۱۲۳۱ھ مکہ مکرمہ، وصال محرم ۱۴۰۳ھ/۱۸۸۶ء، مدینہ منورہ) کی عربی تصنیف ہے، جس کا اردو ترجمہ مولانا حبیب الرحمن قادری نے شیخ غلام حسین چشتی وزیر آبادی کی فرمائش پر کیا اور انھیں کے صرفہ سے اسلامیہ انسٹیٹیوٹ پریس لاہور سے پہلی بار یہ کتاب چھپی۔ تاج الفحول اکیڈمی سے اس کا طبع جدید ۱۴۳۰ھ/۲۰۰۹ء میں سامنے آیا ہے۔ نظر ثانی کا کام مولانا اُسید الحق قادری نے انجام دیا ہے اور جدید طرز کتابت کے ساتھ بعض جگہ ذیلی عناوین کا اضافہ کر کے کتاب کے حسن میں مزید چار چاند لگا دیا ہے۔ پوری کتاب ۶۷ صفحات پر مشتمل ہے، شروع میں چار صفحات میں 'ابتدائیہ' ہے جس میں صاحب کتاب اور مترجم کتاب کا جامع تعارف تحریر کیا گیا ہے۔ یہ کتاب تحریک و ہابیت کے اصلی روپ کو جاننے کے لیے ایک عربی مصنف کے قلم سے ہے۔ اس لیے کتاب کی اہمیت سے کسی کا انکار ممکن نہیں۔

### مختصر سیرت خیر البشر

یہ کتاب مولانا محمد عبد البہادی قادری بدایونی (ولادت ۱۳۱۳ رجب ۱۳۳۱ھ/۱۹۱۳ء، وصال ۱۱ محرم ۱۴۱۵ھ/۲۲ جون ۱۹۹۴ء) کی

تصنیف ہے۔ یہ پہلی بار ذی الحجہ ۱۴۳۰ھ/دسمبر ۲۰۰۹ء میں مولانا اُسید الحق قادری کی ترتیب کے ساتھ تاج الفحول اکیڈمی سے منظر عام پر آیا ہے۔ اس رسالہ کا نام مولانا اُسید الحق قادری نے خود تجویز فرمایا ہے۔ مرتب موصوف کو رسالہ کا مسودہ بخط مصنف ان کی صاحبزادی بیگم سید اکرام احمد رزاقی (اورنگ آباد) کے ذریعہ دستیاب ہوا۔ سیرت رسول کے موضوع پر نہایت اختصار و جامعیت کے ساتھ یہ ایک اہم کتاب ہے۔ کتاب کے آغاز میں مصنف کا مختصر تعارف اور رسالہ کے مسودہ کی حصول یابی کی تفصیل اور تعارفِ مشمولات پر 'حرف آغاز' کے نام سے دو صفحاتی تحریر بقلم مرتب شامل اشاعت ہے۔

### باقیات ہادی

یہ کتاب مولانا محمد عبد البہادی کے عربی، فارسی اور اردو مقالات و مضامین اور خطوط و مکاتیب کا مجموعہ ہے، جس کی ترتیب پہلی بار مولانا اُسید الحق قادری نے دی ہے۔ ذوالحجہ ۱۴۳۰ھ/دسمبر ۲۰۰۹ء میں تاج الفحول اکیڈمی سے منظر عام پر آئی ہے۔ مشمولات کتاب اس طرح ہے: (الف) مضامین ہادی: اس کے تحت مولانا ہادی کے آٹھ اردو مقالات ہیں۔ (ب) مکاتیب ہادی: اس کے تحت مختلف اہل علم و ادب کے نام خطوط و مکاتیب کا انتخاب ہے۔ (ج) نغان ہادی: اس حصہ میں پہلے عربی، فارسی پھر اردو نعت و مناقب، اس کے بعد ردیف وار غزلیات کا ایک انتخاب شامل ہے۔ (د) مقالات الاموی: اس حصہ میں مولانا ہادی کے ان عربی مضامین کو شامل اشاعت کیا گیا ہے جو 'الاشعہ' میگزین نظام کالج حیدرآباد میں ۶۰ اور ۷۰ کی دہائی میں اشاعت پذیر ہوئے۔ یہ مجموعہ مقالات و کلام ۲۱۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ شروع میں 'حرف آغاز' کے عنوان سے بقلم مرتب ایک مختصر تحریر بھی ہے جس میں مضامین و مشمولات اور صاحب قلم کا تعارف کرایا گیا ہے۔

### غیاظہ حیات

مولانا محمد عبد البہادی بدایونی ہادی القادری کا مجموعہ کلام ہے۔ یہ مجموعہ کلام بقول مولانا اُسید الحق قادری خود مصنف کا مرتب کردہ ہے اور پروفیسر شمیم حنفی کی تقریظ بھی مصنف کی فرمائش پر قلم بند ہوئی، ساتھ میں ایک تفصیلی مقدمہ بھی 'تائیک جھانک' کے عنوان سے مصنف نے قلم بند کیا تھا، لیکن کسی نامعلوم وجہ سے یہ مجموعہ کلام ان کی حیات میں شائع

نہیں ہو سکا۔ کتب خانہ قادریہ میں موجود قلمی بیاض کو پہلی بار رمضان ۱۳۳۰ھ/ ستمبر ۲۰۰۹ء میں تاج الفحول اکیڈمی بدایوں نے شائع کیا۔ اس ایڈیشن میں 'خمیازہ حیات' پر ایک نظر بقلم ڈاکٹر سید سراج الدین اجملی (شعبہ اردو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی) شامل ہے جب کہ دو صفحات میں 'حرف آغاز' کے عنوان سے مجموعہ 'خمیازہ حیات' پر ایک تعارفی تحریر بھی مولانا اُسید الحق قادری کے قلم سے ہے۔

### مجموعہ رسائل فضل رسول:

یہ کتاب سیف اللہ المسلمول مولانا شاہ فضل رسول قادری بدایونی کے درج ذیل پانچ رسائل کا مجموعہ ہے: (۱) رسالہ فضل الخطاب (۲) اختلافی مسائل پر تاریخی فتویٰ (۳) اکمال فی بحث شد الرحال (زیارت روضہ رسول) (۴) رسالہ حرز معظم (۵) فوز المؤمنین بشفاعۃ الشافعیین (عقیدہ شفاعت)۔ یہ مجموعہ رسائل رضا اکیڈمی ممبئی سے ۳۲۰ صفحات پر مشتمل ۱۳۳۱ھ/ ۲۰۱۰ء میں شائع ہوا۔ ترتیب و ترجمہ اور تعارف کتاب و مصنف ہر کتاب کے آغاز میں مولانا اُسید الحق قادری نے تحریر کیا ہے۔ تقریباً شرف ملت حضرت سید شاہ اشرف میاں قادری مارہروی نے رقم فرمایا ہے، جب کہ ۶۵ صفحات پر مشتمل تفصیلی مقدمہ مولانا یسین اختر مصباحی دارالقلم دہلی کے قلم گوہر رقم سے ہے۔ شرف ملت حضرت سید شاہ اشرف میاں قادری مارہروی نے اپنی تقریب اور رئیس التحریر مولانا یسین اختر مصباحی نے مرتب کتاب کو اس علمی اور تحقیقی کام پر پر زور الفاظ میں تحسین کی ہے اور ان کی علمی عظمت اور تحقیقی صلاحیت کا خوب خوب اعتراف کیا ہے۔

'مجموعہ رسائل فضل رسول' کا دوسرا ایڈیشن پاکستان سے مکتبہ برکات المدینہ کراچی اور دارالنعمان کراچی کے اشتراک و اہتمام سے ۱۳۳۱ھ/ نومبر ۲۰۱۰ء میں منظر عام پر آچکا ہے۔

### عظمت غوث اعظم:

یہ کتاب مولانا محبت احمد قادری بدایونی (ولادت: ۱۲۶۶ھ- وصال: ۲۱ ربیع الآخر ۱۳۳۱ھ/ ۱۹۲۲ء) تلمیذ حضرت تاج الفحول شاہ عبدالقادر بدایونی کی تصنیف ہے۔ رسالے کا اصل نام 'الکلام الحق الجلی فی کون اقدام امام الاقطاب علی عنق کل ولی' ہے جس سے رسالے کا سنہ تالیف ۱۲۹۹ھ برآمد ہوتا ہے۔ یہ رسالہ پہلی بار

۱۳۰۰ھ میں مطبع انوار محمدی لکھنؤ سے اصل نام کے ساتھ شائع ہوا۔ رمضان ۱۳۳۱ھ/ ستمبر ۲۰۱۰ء میں یہ کتاب ۱۳۱ رسالے بعد دوبارہ مولانا دلشاد احمد قادری کی ترتیب جدید و تخریج کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔

یہ کتاب ارشاد غوث اعظم 'قدمی ہذہ علی رقبۃ کل ولی اللہ' (میرا قدم تمام اولیاء اللہ کی گردن پر ہے) کے تعلق سے ایک اہم استفادہ کا جواب ہے۔ مصنف نے جواب استفتا کے لیے شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی کتاب 'زبدۃ الاسرار' سے خصوصی استفادہ کیا ہے۔ فتویٰ کی تصدیق و تائید کرنے والے اکابر علماء و مشائخ میں مطبع الرسول مولانا شاہ عبدالمقتدر قادری بدایونی، مولانا حکیم عبدالقیوم شہید قادری بدایونی، مولانا فضل مجید قادری فاروقی اور مولانا حافظ بخش آنولوی کا نام درج ہے۔

### نگارشات محبت احمد:

یہ کتاب بھی مولانا محبت احمد قادری بدایونی کے مضامین و مقالات کا مجموعہ ہے۔ ان مقالات و نگارشات کی حصولیابی اور ترتیب کا اہم کام مولانا اُسید الحق قادری نے انجام دیا ہے۔ رمضان ۱۳۳۱ھ/ اگست ۲۰۱۰ء میں اس کی پہلی اشاعت تاج الفحول اکیڈمی کے زیر اہتمام ہوئی ہے۔ زیر نظر مجموعہ مقالات ۱۴۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ بشمول فہرست مشمولات کے ایک ابتدائیہ ۲ صفحات اور تعارف مصنف پر ایک دقیق مضمون بعنوان 'علامہ محبت احمد بدایونی: حیات و خدمات' ۹ صفحات میں ہے، جو مرتبہ کتاب مولانا اُسید الحق قادری کے قلم سے ہے۔

تعارف مصنف کے تحت مضمون میں انہوں نے صاحب نگارشات کی سیرت و سوانح کے ساتھ ان کی ۱۰ مستقل تصانیف کا نہایت جامع تعارف قلم بند کیا ہے۔ ص ۱۷ تا ص ۱۳ مختلف موضوعات پر صاحب نگارشات کے مقالات کا ایک انتخاب ہے۔ اخیر میں 'مرتب ایک نظر میں' کے زیر عنوان مرتب کے مختصر حالات اور قلمی خدمات کی تفصیل ہے۔

مقالات کا تعارف کراتے ہوئے مرتب کتاب لکھتے ہیں:

"زیر نظر مضامین (دو کے استثناء کے ساتھ) قاضی عبدالوحید فردوسی، مہتمم 'تحفہ حنفیہ' پٹنہ (جو مولانا محبت احمد کے مخلص دوست تھے) کی فرمائش پر آج سے ایک صدی قبل قلم بند کیے گئے تھے، ان مضامین میں زیادہ تر وہ ہیں جو ماہ نامہ 'تحفہ

حنفیہ کی وقتی ضرورتوں کے پیش نظر لکھے گئے ہیں۔ مثلاً مہینوں کے فضائل، دعا اور آداب دعا اور سنت تراویح وغیرہ۔ ندائے یارسول اللہ اور علم غیب سے متعلق مضمون ماہنامہ 'شمس العلوم' بدایوں کے لیے لکھے گئے اور اسی میں شائع بھی ہوئے۔ ان میں کچھ مضامین تحقیقی نوعیت کے ہیں، جو صرف علما کو مخاطب بنا کر لکھے گئے ہیں اور بعض عوام کے لیے لکھے گئے تھے جن میں خطیبانہ اسلوب غالب ہے۔" (ص ۶، ابتدائیہ)

### تحقیق التراویح:

یہ کتاب نور العارفین سید شاہ ابوالحسین احمد نوری قادری مارہروی کی تصنیف ہے۔ 'تحقیق التراویح' یہ کتاب کا تاریخی نام ہے، جس سے سن تالیف ۱۲۹۱ھ (۱۸۷۵ء) برآمد ہوتا ہے۔ پوری کتاب عربی زبان میں تھی جو پہلی بار ذی الحجہ ۱۲۹۱ھ / فروری ۱۸۷۵ء میں مطبع غالب الاخبار سینٹاپور سے شائع ہوئی اور اب دوسری بار ۱۳۳۳ھ / ۲۰۱۲ء میں اس کا اردو ترجمہ بقلم مولانا دلشاد احمد قادری (استاذ مدرسہ قادریہ بدایوں) تاج اللؤلؤ اکیڈمی بدایوں سے منظر عام پر آیا۔ اس اشاعت میں عربی کے بجائے صرف اردو ترجمہ کی اشاعت ہوئی ہے۔

تعارف مصنف کے بطور ڈاکٹر احمد مجتبیٰ صدیقی (جوائنٹ سکریٹری جامعۃ البرکات علی گڑھ) کا ایک قیمتی مضمون بعنوان 'نور العارفین سید شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی قدس سرہ' شامل اشاعت ہے۔ ص ۱۱ پر این ملٹ پروفیسر سید شاہ محمد امین میاں قادری مارہروی سجادہ نشین خانقاہ قادریہ مارہرہ مطہرہ کا ایک پیغام بھی شامل کتاب ہے، جس میں آپ نے تاج اللؤلؤ اکیڈمی بدایوں کے زیر اہتمام 'تحقیق التراویح' کے اردو ترجمہ کی اشاعت پر اظہار مسرت فرمایا ہے اور مولانا اُسید الحق قادری کے علمی و تحقیقی کاموں کو عمدہ پیرایہ بیان میں سراہا ہے۔

### وہابی تحریک: تاریخ اور مقام:

یہ کتاب مولانا شاہ فضل رسول قادری کی تصنیف 'بوارق محمدیہ' (سال تصنیف ۱۲۶۵ھ، سال اشاعت ۱۲۶۶ھ / ۱۸۵۰ء) کے ابتدائی حصے کا ترجمہ ہے جو شوارق صدیہ ترجمہ بوارق محمدیہ کے نام سے ۳۳ صفحات پر مشتمل ۱۳۰۰ھ / ۱۸۸۲ء میں مطبع گلزار محمدی لاہور سے طبع ہوا۔ کتاب کے مترجم قطب لاہور مولانا غلام قادر بھیروی، بھیرہ

پاکستان (ولادت ۱۲۶۵ھ / ۱۸۴۹ء - وصال ۱۹ ربیع الثانی ۱۳۲۷ھ / ۱۰ اپریل ۱۹۰۹ء) ہیں۔ تاج اللؤلؤ اکیڈمی بدایوں سے جمادی الاخریٰ ۱۳۳۳ھ / مئی ۲۰۱۲ء میں ۷۶ صفحات پر مشتمل منظر عام آیا ہے۔ اس کی ترتیب جدید اور تصحیح کا اہم کام مولانا خالد قادری مجیدی (شاگرد رشید مولانا اُسید الحق قادری) نے انجام دیا ہے۔

اس ایڈیشن میں فہرست مشمولات کا اضافہ کیا گیا ہے، ساتھ ہی کتاب کے تعارف پر 'بوارق محمدیہ: ایک تعارف' کے عنوان سے ۲۶ صفحات کی ایک علمی و تحقیقی تحریر بھی کتاب کے آغاز میں ہے جو مولانا اُسید الحق قادری کے گوہر نشاں قلم سے ہے۔ دو صفحات میں 'ابتدائیہ' بھی انھوں نے ہی قلم بند کیا ہے جس میں اس ایڈیشن کی خصوصیات کو تحریر کیا گیا ہے۔ 'بوارق محمدیہ' کی کچھ اہم خصوصیات کی وجہ سے مولانا اُسید الحق قادری اس پر تفصیلی کام کا ارادہ بھی رکھتے تھے، جس کا اظہار کرتے ہوئے انہوں نے اپنے 'ابتدائیہ' میں کیا ہے۔

### حکیم الامدی (مسئلہ امتناع نظیر کا تحقیقی جائزہ):

یہ کتاب سیف اللہ المسلمول مولانا شاہ فضل رسول بدایونی کی تصنیف ہے۔ فارسی زبان میں یہ رسالہ ۱۲۴۳ صفحات پر مشتمل ہے جو مولانا سید حیدر علی ٹونگی کے ایک رسالے (کلام الفاضل الکبیر) کی تردید اور علامہ فضل حق خیر آبادی کے دفاع میں ۱۲۷۸ھ میں لکھا گیا۔ یہ رسالہ اس لحاظ سے نہایت اہمیت کا حامل ہے، تصنیف کے بعد پہلی بار جمادی الاخریٰ ۱۳۳۳ھ / مئی ۲۰۱۲ء میں تاج اللؤلؤ اکیڈمی سے اصل قلمی مخطوطے کا عکس شائع کیا گیا ہے۔ ۲۰۱۱ء تک یہ کتاب مرتب کے دست رس معلومات سے باہر تھی۔ جنوری ۲۰۱۲ء میں کتب خانہ قادریہ کے شعبہ مخطوطات میں ایک مجموعہ رسائل (جس میں سات قلمی رسائل ہیں) میں یہ کتاب انھیں ملی۔ رسالے کی بازیافت کے بعد انھوں نے چاہا کہ تحشیہ اور تخریج کے بعد اسے منظر عام پر لایا جائے مگر بقول ان کے:

"اس رسالے کی بازیافت کا تذکرہ میں نے حضرت مولانا یس اختر مصباحی مدظلہ سے کیا اور اس کی اشاعت کے سلسلے میں مشورہ طلب کیا۔ انھوں نے فرمایا کہ اس کی جدید کمپوزنگ اور ترجمہ و تحشیہ کا کام بعد میں ہوتا رہے گا۔ اگر یہ مخطوطہ خوش خط ہے تو سردست آپ اسی کا عکس شائع کر دیجیے تاکہ یہ محفوظ



ہو جائے۔ میں نے اس مشورے کو قبول کرتے ہوئے اس کی  
عکسی اشاعت کا فیصلہ کیا۔“ (ص ۱۴، تقدیم)

کتاب کی ترتیب مولانا اُسید الحق قادری نے انجام دی ہے اور  
مخطوطے کے تعارف کے لیے نو صفحات پر مشتمل ایک قیمتی مقدمہ بھی قلم  
بند کیا ہے۔ پوری کتاب ۱۲۲ صفحات پر مشتمل ہے۔

**شیخ ابن تیمیہ کے عقائد و افکار: ایک تنقیدی جائزہ:**

یہ کتاب حافظ بخاری مولانا سید شاہ عبدالصمد چشتی سہوانی  
(ولادت: ۱۲۶۹ھ / مئی ۱۸۵۳ء، وصال: ۱۳۲۳ھ / ۱۹۰۵ء) کی تصنیف  
ہے۔ کتاب کا اصل نام 'تبعید الشیاطین بامداد جنود الحق  
المبین' ہے۔ یہ کتاب ۱۲۸۷ھ / ۱۸۷۰ء میں لکھی گئی اور اسی سال اس  
کی پہلی اشاعت انسٹی ٹیوٹ پریس علی گڑھ کے زیر اہتمام متوسط تقطیع  
کے ۶۳ صفحات میں عمل میں آئی۔ دوسری اشاعت بموقع عرس صد  
سالہ حافظ بخاری (۲۰۰۳ء) 'ابن تیمیہ اور علمائے حق' کے نام سے  
'انجمن حافظ بخاری پھونڈ شریف' کے زیر اہتمام ہوئی اور اب تیسری  
اشاعت مولانا دلشاد احمد قادری (استاذ مدرسہ قادریہ بدایوں) کی  
ترتیب جدید، تخریج اور ترجمے کے ساتھ تاج الفحول اکیڈمی بدایوں سے  
شوال ۱۴۳۲ھ / ستمبر ۲۰۱۲ء میں 'شیخ ابن تیمیہ کے عقائد و افکار: ایک  
تنقیدی جائزہ' کے نام سے عمل میں آئی ہے۔ تعارف مصنف کے لیے  
مولانا مجاہد رضا قادری (استاذ مدرسہ قادریہ بدایوں) کا مضمون 'حافظ  
بخاری: حیات و خدمات' (مطبوعہ ماہ نامہ 'جام نور' شمارہ جولائی ۲۰۱۱ء)  
شامل کتاب ہے۔ مولانا اُسید الحق قادری نے بطور تقدیم ۱۱ صفحات پر  
مشتمل ایک شاندار 'ابتدائیہ' بھی لکھا ہے، جس میں انھوں نے کتاب  
اور مصنف کتاب کا دلچسپ اور معلوماتی تعارف کرایا ہے۔ کتاب کا  
انتساب مصنف کتاب کے علمی اور روحانی وارث و جانشین، افتخار اہل  
سنت، فردالوقت حضرت سید شاہ محمد اکبر چشتی مودودی قدس اللہ سرہ و رحمۃ  
اللہ علیہ کے نام کیا گیا ہے۔

**اسلام کے بنیادی عقائد:**

یہ کتاب تاج الفحول مولانا شاہ عبدالقادر قادری بدایونی کی  
تصنیف ہے۔ اصل کتاب عربی زبان میں ہے۔ اصل نام 'احسن  
الکلام فی تحقیق عقائد الاسلام' ہے۔ یہ رسالہ ۱۲۹۷ھ

۸۰-۱۸۷۹ء میں مدارس اسلامیہ کے طلبہ کے نصاب علم عقائد و کلام  
کے پیش نظر تصنیف کی گئی۔ اس وقت یہ بعض مدارس کے نصاب میں بھی  
شامل کی گئی تھی۔

۱۳۰۰ھ میں اس کا اردو ترجمہ تاج الفحول کے ایک شاگرد عزیز  
مولانا غلام سادات صدیقی بدایونی نے کیا جو مطبع شگوفہ فیض سے شائع  
ہوا۔ ۱۳۳۳ سال بعد مولانا دلشاد احمد قادری (استاذ مدرسہ قادریہ  
بدایوں) نے مولانا اُسید الحق قادری کی تحریک و نگرانی میں از سر نو اس کا  
ترجمہ کیا ہے، جو رمضان ۱۴۳۳ھ / اگست ۲۰۱۲ء میں تاج الفحول اکیڈمی  
سے شائع ہوا ہے۔

مولانا اُسید الحق قادری کی تحقیق کے مطابق یہ کتاب مدرسہ اہل  
سنت پٹنہ (قیام ۱۳۱۸ھ) اور مدرسہ شمس العلوم بدایوں کے نصاب میں  
مدتوں شامل رہی۔

مولانا حکیم عبدالماجد قادری بدایونی نے اردو زبان میں 'خلاصۃ  
العقائد' کے نام سے اس کی شرح لکھی، مولانا عبدالماجد کی یہ شرح بھی ایک  
زمانے تک مدرسہ شمس العلوم میں پڑھائی جاتی رہی۔ (ص ۷، ابتدائیہ)  
خوشی کی بات ہے کہ ایک صدی بعد پھر سے اس کتاب کو مدرسہ  
قادریہ بدایوں کے نصاب تعلیم میں مولانا اُسید الحق قادری نے شامل  
فرمادیا ہے، یہ رسالہ جماعت ثانیہ میں پڑھایا جاتا ہے اور زبانی یاد بھی  
کرایا جاتا ہے۔ مولانا اُسید الحق قادری صاحب اس رسالے کی ایک  
جامع شرح لکھنے کا بھی ارادہ رکھتے تھے جو مدرسہ قادریہ کے طلبہ جماعت  
رابعہ یا خامسہ کے نصاب میں شامل ہوتی۔ اب تک وہ کام کس مرحلے  
میں تھا اس کا راقم الجروف کو صحیح علم نہیں ہے۔

**شمس الایمان:**

یہ کتاب مولانا محمد محی الدین عثمانی قادری (ولادت: ۱۷۷۱  
۱۲۳۰ھ / ستمبر ۱۸۲۷ء - وصال ۶ رزی قعدہ ۱۲۷۰ھ / ۱۸۵۳ء ہجرہ ۲۷  
سال) خلف اکبر مولانا شاہ فضل رسول بدایونی کی تصنیف ہے۔ یہ رسالہ  
سراج الایمان مصنفہ مولانا سید سراج احمد سہوانی (ولادت: ۱۲۳۱ھ /  
۱۸۱۶ء - وفات: ۱۲۷۹ھ / ۱۸۶۳ء) کے جواب میں ۱۲۶۶ھ / ۱۸۵۰ء  
میں لکھا گیا جو پہلی بار زلی الحجہ ۱۲۶۶ھ / اکتوبر ۱۸۵۰ء میں مطبع دہلی اردو  
اخبار دہلی سے شائع ہوا۔ ۱۶ سال بعد حافظ عبدالعلیم قادری مجیدی



تعلیق کا فریضہ انجام دیا۔

یہ قصیدہ عربی زبان میں ہے۔ مدرسہ قادریہ بدایوں کے ایک نوجوان فاضل مولانا عاصم اقبال مجیدی (تلمیذ رشید مولانا اُسید الحق قادری) نے اپنے عہد طالب علمی میں اپنے استاذ گرامی کی زیر نگرانی اس کے ترجمہ و تشریح کا علمی کام انجام دیا اور یہ قصیدہ ان کے مشفق استاذ کی نظر ثانی اور ایک قیمتی مقدمے کے ساتھ تاج الفحول اکیڈمی سے ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ / نومبر ۲۰۱۲ء میں ۸۴ صفحات پر مشتمل منظر عام پر آیا۔ مولانا اُسید الحق قادری کا علمی و تحقیقی مقدمہ 'قصیدہ بانٹ سعادت' ایک تعارف ۲۰ صفحات پر محیط ہے، اس میں انھوں نے قصیدہ نگار کا تعارف، قصیدہ کا تاریخی پس منظر، قصیدے کا موضوعاتی جائزہ، قصیدہ کی اہمیت و خصوصیت، قصیدہ کے تعلق سے اہل علم و تاریخ کے بیان کردہ واقعات کا تحقیقی و علمی جائزہ، قصیدہ کی مقبولیت اور اس قصیدے کے تعلق سے عرب دُنیا اور ہندوستانی اہل علم کی شروحات کا تعارفی جائزہ جس میں شرح و تفسیر اور تحقیق و تجزیہ کے ساتھ پیش کیا ہے یہ ان ہی کے قلم اعجاز رقم کا حصہ ہے۔ پہلی بار اُردو زبان میں راقم الحروف کی نگاہ سے اس قصیدے کا اتنا جامع علمی و تحقیقی جائزہ گزرا ہے۔ موصوف کا یہ مقدمہ اصل کتاب کے ص ۲۸ تک ہے، ص ۵۰ سے مولانا عاصم اقبال مجیدی کے قلم سے اس قصیدے کے ترجمہ و تشریح کا آغاز ہوتا ہے جو آخر کتاب ص ۸۲ پر ختم ہوتا ہے۔

### اسلام میں محبتِ الہی کا تصور:

یہ کتاب شیخ حازم نافذ ابو غزالہ (عمان، اُردن) کی شاہ کار عربی تصنیف 'المحبة الالهية في الاسلام' کا اُردو ترجمہ ہے۔ اس کتاب کا اُردو ترجمہ مولانا اُسید الحق قادری کی خواہش و تحریک پر مولانا دلشاد احمد قادری (استاذ مدرسہ قادریہ بدایوں) نے بڑی محنت، مہارت اور خوش اسلوبی سے کیا ہے۔ عربی کتاب کی دوسری اشاعت دارالامام النووی عمان سے ۱۴۱۱ھ / ۱۹۹۱ء میں ہوئی۔ اسی نسخہ کو سامنے رکھ کر مولانا نے ترجمہ کا کام کیا ہے۔ یہ اُردو ترجمہ ۱۴۳۳ھ / ۲۰۱۲ء میں طبع اول کی شکل میں تاج الفحول اکیڈمی بدایوں کے زیر اہتمام اشاعت پذیر ہوا ہے۔ تین صفحات میں مشمولات کتاب کی فہرست ہے، پھر تین صفحات میں مولانا اُسید الحق قادری کا 'ابتدائیہ' ہے، جس میں انھوں نے کتاب اور صاحب

(شاگرد رشید مولانا اُسید الحق قادری) کی ترتیب جدید و تصحیح کے ساتھ جمادی الثانی ۱۴۳۳ھ / مئی ۲۰۱۲ء میں تاج الفحول اکیڈمی سے منظر عام پر آئی ہے۔ کتاب کے آغاز میں بطور تقدیم پانچ صفحات میں مولانا اُسید الحق قادری کے قلم سے 'ابتدائیہ' ہے، جس میں کتاب اور صاحب کتاب کا پہلی بار اتنا بھرپور تعارف کرایا گیا ہے۔ پوری کتاب ۵۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں مسئلہ توسل و استعانت پر علمی و تحقیقی بحث کی گئی ہے۔

### قلمی عباداتِ اسلامی:

یہ کتاب مولانا عبدالماجد قادری بدایونی کی تصنیف ہے جو ۱۳۸۳ھ / ۱۹۶۳ء میں لکھی گئی۔ اس کتاب میں مصنف نے اسلامی عبادات کی حکمتوں اور ان میں پوشیدہ سماجی، معاشرتی اور عمرانی اسرار و مصالح کو اجاگر کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ ۱۳۸۳ھ / ۱۹۶۳ء میں پہلی بار مدینہ پبلشنگ ہاؤس کراچی سے طبع ہوئی۔ پھر بیچ الاول ۱۴۳۱ھ / فروری ۲۰۱۰ء میں اشاعت اول کا عکس جناب ظہور الدین امرتسری نے ادارہ پاکستان شناسی، لاہور پاکستان سے شائع کیا اور اب جمادی الاخریٰ ۱۴۳۳ھ / مئی ۲۰۱۲ء میں تاج الفحول اکیڈمی بدایوں نے اشاعت ثانی کا عکس ایڈیشن شائع کیا ہے، البتہ حالات مصنف کے تعلق سے دوسری اشاعت میں شامل جناب سید ظہور الدین امرتسری کا مضمون اس اشاعت میں کسی وجہ سے شامل اشاعت نہیں ہے۔ ہاں! ذاکر سید محمد قمر علی (پروفیسر شعبہ عربی پنجاب یونیورسٹی) کا مضمون 'مولانا عبدالماجد بدایونی: ایک بالغ نظر مصلح' حسب سابق اس اشاعت میں بھی باقی رکھا گیا ہے، جو مصنف کتاب کی اصلاحی اور دعوتی خدمات پر ایک قیمتی تحریر ہے۔ کتاب کا انتساب ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

### قصیدہ بانٹ سعادت:

شاعر دربار رسالت، صحابی جلیل حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ کا 'قصیدہ بانٹ سعادت' ہمیشہ سے اہل علم و ادب کے درمیان توجہ کا مرکز رہا ہے۔ اس قصیدہ کی تاریخی حیثیت یہ ہے کہ اسے حضرت کعب بن زہیر نے اپنے گناہوں سے معافی کی طلب کے طور پر بارگاہِ رسول میں پیش کیا گیا، جو شرف قبولیت کی دولت سے سرفراز ہوا۔ قبولیت عامہ اور فنی و ادبی خصوصیات کی وجہ سے ہر دور میں اہل علم نے اس کی شرح و

کتاب کا جامع اور بصیرت افروز تعارف تحریر کیا ہے۔ ص ۱۱ سے اصل کتاب کا آغاز ہوتا ہے جس کا اختتام ص ۱۰۴ پر ہوا ہے۔ اس طرح پوری کتاب ۱۰۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ مولانا اُسید الحق قادری نے 'ابتدائیہ' کے اخیر پیرا گراف میں کتاب سے اس توقع کا اظہار کیا ہے کہ یہ کتاب عوام و خواص دونوں کے لیے مفید ثابت ہوگی۔ اس کے ذریعے سے دلوں میں محبت حقیقی کے چراغ روشن ہوں گے۔ اگر سننے میں ایک مرتبہ عشق کی چنگاری بھڑک اٹھے تو اس کو شعلہ جوالہ بنتے دیر نہیں لگتی۔ (ص ۱۰)

### مسئلہ قیام تعظیسی:

یہ کتاب مولانا مفتی حسین احمد مقتدری بدایونی کی تصنیف ہے۔ کتاب کا پورا نام 'تحقیق العلماء الکرام فی مسئلہ استحباب القیام' ہے۔ محفل میلاد کے بعد کھڑے ہو کر صلوٰۃ و سلام پڑھنے کے جواز اور اس تعلق سے مخالفین کے شکوک و شبہات اور الزامات کے ازالہ پر یہ ایک علمی و تحقیقی کتاب ہے۔ ۱۳۳۶ھ/۱۸-۱۹۱۷ء میں یہ کتاب پہلی بار مطبع قادری بدایوں سے ۹۶ صفحات میں چھپی۔ ۹۸ رسالہ کے بعد 'مسئلہ قیام تعظیسی' کے نام سے مولانا خالد قادری مجیدی (استاذ مدرسہ قادریہ بدایوں) کے ترجمہ عربی و فارسی عبارات اور حوالہ جات کی تخریج و تحقیق کے ساتھ تاج الفحول اکیڈمی بدایوں سے جمادی الاولیٰ ۱۳۳۳ھ/ مارچ ۲۰۱۳ء میں دوبارہ شائع ہوئی ہے۔ کتاب کا یہ ایڈیشن ۱۶۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ کتاب اور صاحب کتاب کا جامع تعارف 'ابتدائیہ' کے عنوان سے مولانا اُسید الحق قادری کا تحریر کردہ ہے جو سات صفحات پر مشتمل ہے۔ شروع میں فہرست مشمولات اور اخیر میں مآخذ و مراجع کی ایک جامع فہرست دی گئی ہے۔ مصنف کے معاصر علماء و مشائخ کی تقریفات و تصدیقات سے یہ کتاب مزین ہے۔

### الجواب المشکور:

یہ کتاب مولانا محمد عبدالماجد قادری بدایونی کی دو اہم تحریروں کا مجموعہ ہے: (۱) الجواب المشکور علیٰ أسئلة القبور (۲) جامع فتویٰ (مع تصدیقات علمائے ہندوستان و پاکستان)۔ پہلی کتاب عربی زبان میں جب کہ دوسری کتاب اردو زبان میں ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۱ء میں لکھی گئی اور اسی سال مرکزی انجمن تبلیغ اسلام کراچی سے مولانا محمد محسن فقیہ شافعی (ناظم اعلیٰ جمعیتہ علمائے اسلام) کے زیر اہتمام علاحدہ

علاحدہ طبع ہوئی۔ 'الجواب المشکور' میں عربی زبان میں شاہ سعود کے نام مولانا عبدالماجد قادری کا ایک تفصیلی ناصحانہ و مصلحانہ خط اور شیخ محمود حسین ربیع (اساذ جامعہ ازہر مصر) کا عربی زبان میں شاندار مقدمہ شامل اشاعت تھا۔ ۵۳ رسالہ بعد یہ دونوں کتابیں ایک ساتھ 'الجواب المشکور' کے نام سے تاج الفحول اکیڈمی بدایوں سے مولانا دلشاد احمد قادری کے ترجمہ و ترتیب جدید اور مولانا اُسید الحق قادری کے شان دار معلوماتی و تاریخی مقدمہ کے ساتھ منظر عام پر آیا ہے۔ یہ کتاب ۱۹۵۲ء میں سعودی حکومت کی جانب سے دیگر مقامات مقدمہ کے ساتھ گنبد خضریٰ کو منہدم کرنے کے غلط اور ناپاک عزائم کے خلاف تاریخی فتویٰ کی شکل میں لکھی گئی۔ ترتیب جدید میں فتویٰ کے متن کے لیے 'جامع فتویٰ' کے اصلی متن کو باقی رکھا گیا ہے، ساتھ ہی تصدیقات علماء و مشائخ کے لیے 'جامع فتویٰ' کے متن کو ہی باقی رکھا گیا ہے۔ اس کے علاوہ دیگر مشمولات 'الجواب المشکور' کا اردو ترجمہ شامل اشاعت کیا گیا ہے۔ شروع میں فہرست مشمولات اور اخیر میں تحفظ گنبد خضریٰ (۱۹۵۲ء) کے پس منظر میں مولانا بدایونی کی جانب سے مرکزی انجمن تبلیغ اسلام و جمعیتہ علمائے پاکستان کے زیر اہتمام مطبوعہ حسب ذیل چار رسائل کے نائٹل پیج کا عکس شامل اشاعت ہے۔ (۱) الجواب المشکور عن أسئلة القبور صاحب الفضیلہ مولانا الشیخ محمد عبدالماجد قادری بدایونی (۲) ممالک عربیہ اور ایران کا سفر نامہ۔ مرتبہ مولانا شاہ عبدالماجد قادری بدایونی (۳) مسجد نبوی اور آثار مبارکہ کے تحفظ کا مطالبہ۔ مرتبہ مولانا محمد محسن فقیہ شافعی (۴) جامع فتویٰ۔ مجاہد ملت مولانا شاہ محمد عبدالماجد قادری بدایونی۔

مولانا اُسید الحق قادری کا مقدمہ 'مولانا عبدالماجد بدایونی اور تحریک تحفظ گنبد خضریٰ' جہاں موصوف کی تاریخی معلومات کا شاہکار ہے وہیں مولانا بدایونی کی اس تحریک کے تعلق سے عالمگیر خدمات کا حسین مرقع بھی ہے۔

### آداب السالکین:

یہ کتاب شمس مارہرہ حضرت سید شاہ آل احمد اچھے میاں قادری مارہروی (ولادت: ۲۸ رمضان المبارک ۱۲۶۰ھ، وصال: ۱۷ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ) کی تصنیف ہے۔ آداب سلوک و ذکر و اشغال پر یہ

ایک مختصر مگر جامع رسالہ ہے۔ اصل کتاب فارسی زبان میں ہے جس کا اردو ترجمہ پہلی بار تاج العلماء، مؤرخ خانوادہ برکاتیہ مولانا سید شاہ اولاد رسول محمد میاں قادری مارہروی صاحب 'صح التواریخ' نے کیا۔ اس ترجمہ کی پہلی اشاعت ۱۹۱۵ء میں مطبع ادبی لکھنؤ سے ہوئی، جس میں اردو ترجمہ کے ساتھ اصل فارسی متن کو بھی شامل اشاعت کیا گیا۔ دوسری بار بزم قاسمی برکاتی کا پور کے زیر اہتمام صرف اردو ترجمہ کی اشاعت عمل میں آئی۔

امین ملت حضرت سید شاہ محمد امین میاں قادری (سجادہ نشین خانقاہ قادریہ مارہرہ مطہرہ) نے ۱۹۸۷ء میں اس کا از سر نو ترجمہ کیا اور اس پر ایک شاندار مقدمہ بھی تحریر کیا، جس کی اشاعت ۱۹۸۷ء میں برکاتی پبلشرز کراچی سے ہوئی۔ محرم ۱۴۳۴ھ/۲۰۱۳ء میں بموقع جشن دو سو سالہ حضور شمس مارہرہ تاج الفحول اکیڈمی بدایوں سے ڈاکٹر احمد مجتبیٰ صدیقی کی ترتیب جدید تصحیح کے ساتھ اس کا طبع جدید منظر عام پر آیا ہے۔

### اسلاف شناسی (حصہ الف) اکابرین مارہرہ:

ذیل میں پہلے ان ساری کتابوں کا سن وارتعارف کرایا جا رہا ہے، جو خانقاہ قادریہ عثمانیہ بدایوں کے پیرخانہ مارہرہ شریف کے اکابر و مشائخ اور بزرگان و اسلاف کی حیات و خدمات پر بسلسلہ اسلاف شناسی تاج الفحول اکیڈمی کی جانب سے شائع کیا گیا۔ اس سلسلے میں اسلاف کی نایاب کتابوں کے ساتھ مولانا اسید الحق قادری کی ایک مستقل تصنیف کا بھی تعارفی جائزہ سپرد قلم کیا گیا ہے جو کہ ہمارے موضوع سے متعلق نہیں، لیکن ایسا صرف اس مقصد کے تحت کیا گیا ہے تاکہ بسلسلہ اسلاف شناسی جو کتابیں طبع ہوئیں ان سب کا ایک ساتھ ذکر ہو جائے۔

### تذکرہ نوری:

یہ قاضی غلام شہر قادری بدایونی (وصال: ۱۳۱۶ھ/۱۹۲۷ء) کی تصنیف ہے، جو نور العارفین حضرت سید شاہ ابوالحسن احمد نوری مارہروی کے مرید و خلیفہ تھے۔ کتاب کا اصل نام 'مدارج حضور نور' ہے۔ یہ کتاب کا تاریخی نام ہے جس سے سن تالیف ۱۳۳۳ھ برآمد ہوتا ہے۔ اس کا دوسرا نام 'تنویر العین من کنز مدارج السید ابی الحسن' ہے، جس کے اعداد ۱۳۳۳ھ ہوتے ہیں۔ مولانا اسید الحق قادری کی تحقیق کے مطابق ۱۳۳۳ھ آغاز

تالیف اور ۱۳۳۴ھ تکمیل و طباعت کا سن ہے۔ (ص ۱۹، ابتداء)۔ یہ کتاب خانوادہ قادریہ کے گل سرسبد، نور العارفین حضرت سید شاہ ابوالحسن احمد نوری مارہروی کے حالات طیبات کا مفصل تذکرہ ہے جس کی ترتیب اس طرح ہے کہ کتاب کے آغاز میں مؤلف کے قلم سے ایک طویل مقدمہ ہے، جو ص ۳۲ سے ۱۲۱ صفحات پر محیط ہے۔ اس کے بعد گیارہ ابواب اور ایک خاتمہ ہے، جس میں حضرت نوری میاں کی ولادت سے وقت رحلت تک کے سارے احوال و آثار کو قلم بند کیا گیا ہے۔ اخیر میں 'حالات مؤلف' کے عنوان سے مؤلف نے اپنے احوال بھی قلم بند کیے ہیں جو کتاب کے ص ۲۸۲ سے ۲۹۹ پر مشتمل ہے۔

کتاب کی پہلی اشاعت امیر الاقبال پریس بدایوں سے دو حصے میں ہوئی۔ دوسرا حصہ پروفیسر ایوب قادری کی ترتیب و تقدیم اور حضرت عبد المجید اقبال میاں قادری (برادر اکبر شیخ عبدالحمید سالم القادری زیب سجادہ خانقاہ قادریہ بدایوں) کے پیش لفظ کے ساتھ دارالاشاعت رضویہ لائل پور (پاکستان) سے ۱۹۹۶ء میں ہوئی۔

کتاب کا عربی نام 'تذکرہ نوری' بقول مولانا اسید الحق قادری: پروفیسر ایوب قادری کا تجویز کردہ ہے۔ اسی عربی نام کے ساتھ یہ کتاب رجب ۱۳۳۴ھ/ مئی ۲۰۱۳ء میں مولانا اسید الحق قادری کی ترتیب و تقدیم اور شرف ملت حضرت سید محمد اشرف قادری مارہروی کی تقریظ کے ساتھ تاج الفحول اکیڈمی بدایوں سے اشاعت پذیر ہوئی ہے۔

حضرت سید اشرف میاں قادری کتاب کی استنادی حیثیت کو بتاتے ہوئے ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:

"مارہرہ مطہرہ اور بدایوں شریف کے بزرگوں کے حوالے سے جو مخصوص روایات اس کتاب میں ملتی ہیں ان کو مرشد گرامی تاج العلماء حضرت سید اولاد رسول محمد میاں نے بھی اپنی تاریخی کتاب 'تاریخ خاندان برکات' (مطبوعہ ۱۹۲۷ء) میں مختصراً لکھا ہے اور میں نے اپنے بزرگوں کی زبانی بھی سنا ہے۔ جب یہ بات تصور میں رکھ کر تذکرہ نوری پڑھتا ہوں تو 'تذکرہ نوری' کے استناد کا وزن بڑھ جاتا ہے۔" (ص ۱۵، تقریظ)

اپنی اسی تقریظ میں انھوں نے مولانا اسید الحق قادری کے علمی انداز تحقیق، متوازن فکر، مومنانہ فراست اور علمی تبحر کی تحسین کی ہے۔



تفصیل کے لیے ص ۱۶۵ اور ۱۶۶ کا مطالعہ کیا جانا چاہیے۔

### برکات مارہرہ:

یہ مولوی طفیل احمد متوتی صدیقی بدایونی (وصال: ۱۹۴۴ء) کی تالیف ہے۔ یہ اکابر و مشائخ خانوادہ برکاتیہ کی حیات و خدمات کا ایک اجمالی تذکرہ ہے، جس میں صاحب البرکات حضرت سیدنا شاہ برکت اللہ مارہروی سے حضرت شیخ سیدنا شاہ غلام محی الدین امیر عالم تک گیارہ مشائخ کرام کا مستند تذکرہ ہے۔ شروع میں خانوادہ برکاتیہ کے اجمالی تعارف و تاریخ پر مؤلف کے قلم سے ایک قیمتی مقدمہ اور اخیر میں تبرکات مارہرہ کے عنوان سے خانقاہ برکاتیہ میں موجود آثار و تبرکات کے تعارف اور اعراض کی کیفیت و احوال پر تفصیل سے قیمتی معلومات کو جمع کر دیا گیا ہے۔ یہ کتاب ۱۳۳۱ھ/۱۳۳۲ھ میں تالیف کی گئی اور اسی سال ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۳ء میں مطبع نول کشور لکھنؤ سے شائع ہوئی۔ اپنی پہلی اور آخری اشاعت کے ساتھ ہی یہ کتاب عرصہ دراز سے نایاب تھی جو مکمل ایک صدی بعد ۱۳۳۵ھ/۲۰۱۳ء میں مولانا عبدالعلیم قادری مجیدی (شاگرد رشید مولانا سید الحق قادری) کی ترتیب جدید اور تصحیح کے ساتھ دوبارہ چھپی ہے۔ کل صفحات ۱۷۲ ہیں۔ ص ۱۶ پر کتاب کے طبع اول کا سرورق بھی شامل اشاعت ہے۔ طبع جدید کا 'ابتدائیہ' مولانا سید الحق قادری نے تحریر کیا ہے جس میں کتاب اور صاحب کتاب کا تعارف کرایا گیا ہے۔

### تذکرہ شمس مارہرہ:

یہ کتاب شمس مارہرہ حضرت سید شاہ آل احمد اچھے میاں قادری برکاتی مارہروی (ولادت ۱۱۶۰ھ - وصال ۱۲۳۵ء) کی سیرت و سوانح اور روحانی و علمی خدمات پر مشتمل ہے کتاب کے مصنف مولانا سید الحق قادری ہیں۔ یہ کتاب ۸۸ صفحات پر مشتمل ہے، جو انہوں نے جشن صد سالہ حضرت شمس مارہرہ ۱۳۳۵ھ/۲۰۱۳ء کے موقع سے ترتیب دیا اور تاج الفحول اکیڈمی کے سلسلہ مطبوعات ۱۰۶ کے تحت محرم ۱۳۳۵ھ/۱۵ نومبر ۲۰۱۳ء میں اس کی پہلی اشاعت ہوئی ہے۔ شمس مارہرہ کی سوانح و خدمات پر یہ پہلی مطبوعہ کتاب ہے۔ تجدید نعمت کے طور پر کتاب کے "ابتدائیہ" میں اس کا اظہار کرتے ہوئے مؤلف کتاب لکھتے ہیں:

"یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ خانوادہ برکاتیہ کے دیگر اکابر

اولیا کے مقابلے میں حضرت شمس مارہرہ پر سب سے زیادہ لکھا گیا ہے۔ آپ کی حیات میں آپ کے مریدین و خلفانے اور بعد وصال دیگر اہل ارادت نے آپ کے حالات و سوانح پر متعدد کتابیں ترتیب دیں، جن میں آثار احمدی، ہدایۃ الخلق فارسی (مصنف مولانا شاہ محمد افضل صدیقی بدایونی متوتی ۱۸۴۶ مرید و خلیفہ حضرت شمس مارہرہ) گلشن ابرار اور تنبیہ الخلق (ترجمہ اردو و ہدایت الخلق مولوی مجاہد الدین ذاکر داہونی متوتی ۱۳۳۳ھ) وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ مگر حیرت کی بات ہے کہ ان میں سے کوئی کتاب زیر طبع سے آراستہ نہیں ہو سکی اور بعض کے بارے میں علم نہیں کہ محفوظ بھی ہیں یا دست برد زمانہ کا شکار ہو کر مفقود ہو گئیں۔ مطبوعہ خاندانی تذکروں میں یادگیر اکابر مارہرہ کی سوانح (مثلاً تاریخ خاندان برکات، مدائح حضور نور اور برکات مارہرہ وغیرہ) میں حضرت شمس مارہرہ کا تذکرہ ضرور آیا لیکن میری معلومات کی حد تک حضرت شمس مارہرہ کی کوئی علاحدہ مستقل سوانح شائع نہیں ہوئی۔ اسی کے پیش نظر حضور شمس مارہرہ قدس سرہ کی ایک مفصل سوانح کی تالیف و ترتیب میری برسوں پرانی خواہش تھی مصر کے دوران قیام زمانہ طالب علمی میں نے تصنیف و تالیف کے سلسلے میں اپنے فرائض، حقوق اور قرضوں کی ایک فہرست بنائی تھی جس میں فرض یا قرض کے طور پر "سوانح آل احمد" نامی کتاب کا خاکہ بھی بنایا تھا۔

مجھے اس اعتراف میں کوئی تامل نہیں ہے کہ یہ مختصر تعارف کتاب نہ حضور شمس مارہرہ کی عظیم شخصیت کے شایان شان تعارف کا حق ادا کرتی ہے اور نہ میری دیرینہ آرزو کی تکمیل ہے۔ ہاں! البتہ اس مختصر اور حقیر سی کاوش کو یہ فخر ضرور حاصل ہے کہ گذشتہ دو سو سال میں یہ شمس مارہرہ کی پہلی مطبوعہ سوانح ہے۔ یہ مؤلف کا انکسار و تواضع وار بزرگان مارہرہ سے قلبی و روحانی تعلق کا ایک اظہار ہے ورنہ راقم الحروف کی نگاہ میں موصوف کی یہ تصنیف حضرت شمس مارہرہ کی شخصیت پر نہایت علمی و معلوماتی کتاب ہے۔ خانوادہ عثمانیہ بدایوں و خانوادہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ کے درمیان



اب ۳۹ رسال بعد ۱۳۲۸ھ/۲۰۰۷ء میں اس کا طبع جدید تاج اللہول اکیڈمی سے سامنے آیا ہے۔

مرتب کتاب کو دربار غوثیہ کے صاحب سجادہ و نقیب الاشراف حضرت مولانا سید پیر ابراہیم سیف الدین گیلانی کے بڑے پڑپوتے سیدنا عبدالقادر گیلانی نے 'طاؤس الملائکہ' کا خطاب عطا فرمایا تھا۔ اس کتاب پر مولانا اُسید الحق قادری نے دو صفحات میں معلوماتی ابتدائیہ قلم بند کیا ہے جس میں انہوں نے حضرت عاشق الرسول کے ساتھ مؤلف کتاب کا ایسا جامع تذکرہ تحریر فرمایا ہے جس سے صاحب تذکرہ کے ساتھ مؤلف کتاب کی شخصیت اور خدمات کا بھی ایک واضح نقشہ سامنے آ جاتا ہے۔

### جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کا ایک مجاہد: مولانا فیض احمد بدایونی

یہ کتاب مجاہد انقلاب ۱۸۵۷ء حضرت مولانا فیض احمد بدایونی کی سوانح حیات اور خدمات کا تذکرہ ہے۔ کتاب کے مصنف معروف محقق و ادیب پروفیسر محمد ایوب قادری (ولادت: ۱۹۲۶ء - وصال: ۲۵ نومبر ۱۹۸۳ء) ہیں۔ مصنف کتاب نے نہایت جستجو اور محنت سے مولانا فیض احمد بدایونی کے تعلق سے تاریخی معلومات کو جمع کیا ہے۔ یہ کتاب پہلی بار ۱۸۵۷ء میں پاکستان ہسٹوریکل سوسائٹی پاکستان سے طبع ہوئی۔ زیر نظر اشاعت مولانا اُسید الحق قادری کی ترتیب جدید کے ساتھ (بموقع ڈیڑھ سو سالہ جشن جنگ آزادی ۱۸۵۷ء) ۱۳۲۸ھ/۲۰۰۷ء میں تاج اللہول اکیڈمی بدایوں سے سامنے آئی ہے۔ ترتیب جدید کے ساتھ اس پر ممتاز ناقد و محقق مولانا اُسید الحق قادری نے ۲۱ صفحات پر مشتمل ایک شاندار تحقیقی و علمی مقدمہ بھی تحریر کیا ہے۔ اس مقدمے کے مطالعے سے موصوف کی تاریخی معلومات اور تاریخی حقائق سے آگاہی کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ پروفیسر ایوب قادری علمی و تاریخی دنیا کا ایک معروف نام ہے۔ ان کی رائے سے اختلاف وہی شخص کر سکتا ہے جو تاریخی معلومات و حقائق پر گہری نظر رکھتا ہو۔ علمی و تحقیقی میدان میں اختلاف رائے کا حق ہے لیکن اس کے لیے خالص علمی و ادبی اور تحقیقی اسلوب بھی ہونا چاہیے۔ اگر اس کے برعکس مناظرانہ اور مجادلانہ اسلوب کو اختیار کیا جائے تو وہ علمی دنیا میں لائق التفات نہ ہوگا۔

حضرت شمس مارہر کی روحانی و تذکیری شخصیت پہلی کڑی ہے جن سے خانوادہ عثمانیہ میں سلسلہ قادریہ کا اجرا ہوا۔ اپنے خانوادہ کے اسی روحانی وابستگی کی وجہ سے مصنف کتاب دیگر مشائخ مارہرہ خاص طور سے حضرت شمس مارہرہ سے جوان کی روحانی موروثی وابستگی ہے، اس کے پیش نظر انہوں نے اپنے مذکورہ جذبات کا اظہار کیا ہے۔ ابتدائیہ کے اخیر میں انہوں نے اس عزم کا بھی اظہار کیا ہے کہ: "تاہم آل مجیدی و آل احمدی ہونے کی حیثیت سے ایک مبسوط 'سوانح آل احمد کی تالیف و ترتیب کو میں اب بھی اپنا فرض اور اپنے قلم پر فرض سمجھتا ہوں۔" (ص ۱۰ ایضاً)

میں سمجھتا ہوں کہ مصنف کے شاگردان عزیز میں سے کوئی آپ کے اس عزم کی تکمیل ضرور کریں گے۔

### اسلاف شناسی (حصہ ب) اکابرین بدایوں:

ذیل میں اکابرین بدایوں کی حیات اور خدمات و کارنامے پر مشتمل قدیم و نایاب کتابوں کی اشاعت جدید کے تعارف کے ساتھ فرزند ان مدرسہ قادریہ کی جدید تصانیف و تالیف کا تعارف بھی شامل ہے اور اس میں بھی وہی مقصد پیش نظر ہے کہ 'سلسلہ اسلاف شناسی' مولانا اُسید الحق قادری کی خدمات کا ایک واضح نقشہ سامنے آجائے۔ اس تعلق سے مطبوعات تاج اللہول اکیڈمی (سال قیام ۱۹۹۱ء) و ادارہ مظہر حق بدایوں (سال قیام ۱۹۸۵ء) کی صرف اسلاف و اکابر کے تذکرہ پر مشتمل مطبوعات کا بھی ایک مختصر جائزہ لے لیا گیا ہے۔

### تذکار محبوب:

یہ کتاب مولانا عبدالرحیم قادری کی تالیف ہے۔ کتاب میں سابق مفتی اعظم ریاست حیدرآباد دکن حضرت عاشق الرسول مولانا عبدالقدیر قادری بدایونی (ولادت: ۱۱ شوال ۱۳۱۱ھ/ اپریل ۱۸۹۳ء - وصال: ۱۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۱ھ/ اپریل ۱۹۱۳ء) کے مختصر مگر جامع احوال کا تذکرہ ہے، جوان کے وصال پر ارباب علم و دانش کے تعزیتی مکاتیب و تاثرات اور اخبارات و رسائل میں ان کے سانحہ ارتحال پر مجالس تعزیت و ایصالِ ثواب کی رپورٹ ارباب ادب کی جانب سے ان کی شان میں کہے گئے مناقب، قطعات تاریخ وصال کا ایک حسین مرقع ہے۔ یہ کتاب پہلی بار ۱۳۷۹ھ میں فاطمی پریس بدایوں سے طبع ہوا اور

وقت یہ چاروں حضرات پردہ فرما چکے تھے۔“ (ص ۲۵، مقدمہ)  
 اخیر میں ایوب قادری صاحب کی مولانا فیض احمد عثمانی کے  
 احوال و آثار پر مشتمل اس رسالہ کی تصنیف پر ان کی خدمات کا اعتراف  
 کرتے ہوئے استدراک کے عنوان سے بعض تاریخی تسامحات کی  
 اصلاح بھی کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”ڈاکٹر ایوب قادری کی طرح ان کے رسالہ کا پایہ بھی مسلم  
 ہے تاہم رسالہ میں بعض جگہ کچھ تاریخی تسامحات راہ پا گئے ہیں  
 لیکن ایسے معمولی تسامحات سے محقق کی دیگر تحقیقات کے  
 استناد و اعتبار پر حرف نہیں آتا۔ ڈاکٹر ایوب قادری مرحوم نے  
 رسالہ میں لکھا ہے کہ: مولانا فیض احمد بدایونی کو ان کے  
 ماموں مولانا فضل رسول کی صاحبزادی منسوب تھیں، جن  
 سے صرف ایک صاحبزادے مولانا حکیم سراج الحق تھے۔“

یہ بات درست نہیں ہے، مولانا فیض احمد بدایونی کی شادی  
 مولانا فضل رسول بدایونی کے چچا مولانا محمد شفیع عثمانی کی  
 صاحبزادی سے ہوئی تھی۔ البتہ مولانا فیض احمد کے صاحبزادے  
 حکیم سراج الحق کو مولانا فضل رسول کی صاحبزادی منسوب  
 تھیں۔ (ایضاً، ص ۲۶)

### تذکرہ فضل رسول:

کتاب کا اصل نام ’طوالع الانوار فی محامد اکمل  
 الکاملین الابرار‘ ہے۔ یہ تاریخی نام ہے جس سے کتاب کا سن  
 تالیف (۱۲۹۶ھ) برآمد ہوتا ہے۔ یہ کتاب مولانا انوار الحق قادری  
 عثمانی بدایونی کی تالیف ہے جو پہلی بار صفر ۱۲۹۷ھ/ جنوری ۱۹۸۰ء میں  
 مطبع صبح صادق سیتاپور سے طبع ہوئی۔ سیف اللہ المسلمول حضرت مولانا  
 شاہ فضل رسول بدایونی کی سیرت و سوانح کے سلسلے میں یہ کتاب بنیادی  
 اور اولین ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے، کیوں کہ یہ کتاب صاحب سوانح کی  
 وفات (۱۲۹۸ھ) کے صرف سات سال بعد ۱۲۹۶ھ میں تالیف کی  
 گئی۔ مؤلف کتاب صاحب تذکرہ کے مرید بھی تھے اور بھانجے بھی اس  
 لیے انہوں نے چشم خود عینی حالات و واقعات کا تذکرہ کیا ہے یا ان  
 واقعات کو ہی کتاب میں جگہ دی ہے جو حالات کے عینی شاہدین کی زبانی  
 سنے۔ کتاب میں آٹھ ایسے مکاتیب بھی شامل اشاعت ہیں جو پہلی بار

مرتب موصوف نے پروفیسر ایوب قادری کی کئی فروگزاشتوں پر  
 تنقیدیں بھی کی ہیں لیکن کہیں بھی انہوں نے اپنے اسلوب کو جذبات  
 آمیز نہیں ہونے دیا ہے بلکہ علمی اسلوب میں انہوں نے پروفیسر  
 صاحب کی فروگزاشتوں کی نشاندہی کی ہے اور اس کے تعلق سے تاریخی  
 حوالوں سے اپنی گفتگو کو پیش کیا ہے۔

اس مبسوط مقدمے میں انہوں نے مجاہد آزادی کے تعلق سے  
 ایوب قادری کے دو معروضے اور سخن گستری پر علمی پیرایہ بیان اور لطیف  
 تنقیدی اسلوب میں جو فاضلانہ و محققانہ اور معروضی گفتگو کی ہے وہ  
 پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ ایوب قادری کے دو معروضے یہ ہیں:

(۱) مولانا فیض احمد بدایونی کے خاندان والوں نے ان کے  
 مجاہدانہ کردار پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی اور جہاد آزادی میں ان کی  
 شرکت کا یا تو تذکرہ ہی نہیں کیا یا اگر کیا تو بڑے مبہم انداز میں۔

(۲) مولانا فیض احمد بدایونی کے سال وفات کا تعین نہیں کیا  
 جاسکتا، لیکن بعض تذکرہ نگاروں نے ۱۲۷۳ھ کو ان کا سال وفات تحریر کیا  
 ہے جب کہ بادی النظر میں سال وفات ۱۲۷۳ھ کا تعین ہوتا ہے حالان  
 کہ ۱۲۷۵ھ تک مولانا کا باحیات ہونا یقینی ہے۔

ان دونوں معروضات کا تحقیقی و تنقیدی جواب مقدمے کے ص: ۹  
 تا ص: ۲۵ پر تحریر کرنے کے بعد مقدمہ نگار لکھتے ہیں:

”ہمیں اس بات کا پورا احساس ہے کہ ہماری ان معروضات کو  
 دیکھنے اور اپنی سخن گستری کا دفاع کرنے کے لیے آج ایوب  
 قادری صاحب مرحوم اس دنیا میں موجود نہیں ہیں، تاہم ہمارا  
 ضمیر اس پر مطمئن ہے کہ ہم نے یہ گزارشات نیک نیتی کے  
 ساتھ دلائل کی روشنی میں کی ہیں۔ خدا نخواستہ ڈاکٹر قادری  
 مرحوم کی ذات پر حملہ یا ان کے متعلقین کی دل آزاری مقصود  
 نہیں ہے۔ اگر کسی وفات یافتہ شخص کی رائے سے اختلاف یا  
 اس تحقیق پر تنقید کوئی جرم ہوتا تو قادری مرحوم مولانا عبدالقادر  
 بدایونی، مولانا انوار الحق بدایونی، قاضی معین الدین کیفی اور  
 مولوی رحمن علی کی عبارتوں پر تنقید کر کے اس جرم کے ہرگز  
 مرتکب نہ ہوتے (کہ) جس وقت ڈاکٹر صاحب زیر نظر رسالہ  
 میں ان حضرات کی عبارتوں پر سخن گسترانہ فرما رہے تھے۔ اس

اسی کتاب کی زینت ہیں۔

کتاب عرصہ دراز سے کیاب ہی نہیں بلکہ نایاب ہو چکی تھی، تقریباً ۱۳۰ سال بعد مولانا اُسید الحق قادری کی ترتیب جدید و تسہیل سے محرم ۱۴۲۹ھ/ جنوری ۲۰۰۸ء میں تاج اللؤلؤ اکیڈمی بدایوں سے شائع ہوئی ہے۔

### تذکرہ ماجد:

یہ کتاب نبیرہ فضل رسول، مجاہد آزادی حضرت مولانا حکیم عبدالماجد قادری، عثمانی کی حیات و خدمات پر ارباب علم و دانش کے چند اہم اور واقع مضامین کا مجموعہ ہے، جن کی ترتیب و تقدیم مولانا اُسید الحق قادری نے انجام دی ہے۔ یہ کتاب ۱۳۶ صفحات پر مشتمل ہے اور تاج اللؤلؤ اکیڈمی بدایوں سے رجب ۱۴۲۹ھ/ جولائی ۲۰۰۸ء میں اس کی پہلی اشاعت عمل میں آئی ہے۔ مضمولات کتاب کی تفصیل حسب ذیل ہیں:

(۱) مولانا عبدالماجد بدایونی شخصیت اور خدمات بقلم مولانا اُسید الحق قادری۔

(۲) مولانا عبدالماجد بدایونی کا خاندان۔ یہ تحریر اکمل التواریخ مصنفہ مولانا ضیاء القادری بدایونی اور ”نسب نامہ خاندان عثمانی“ مرتبہ محمد فرید اقبال قادری کی روشنی میں مرتب کیا گیا ہے۔

(۳) تذکرہ طیبہ: یہ تحریر مولانا ضیاء القادری بدایونی کی ہے جو مستقل کتاب کی صورت میں نظامی پریس بدایوں سے شائع ہوئی۔

(۴) مدرسہ شمس العلوم بدایوں۔ یہ تحریر پروفیسر ایوب قادری کی ہے جسے مرتب نے انسائیکلو پیڈیا آف بدایوں جلد چہارم سے لیا ہے۔

(۵) خطیب الامہ مولانا عبدالماجد بدایونی۔ یہ تحریر مولانا سید سلیمان ندوی مشمولہ ”تواریخ وصل و انتقال“ ادبی پریس لکھنؤ ۱۹۳۱ء

(۶) حضرت مولانا عبدالماجد مرحوم کی خطابت۔ تحریر سید حسن ریاض مشمولہ ”تواریخ وصل و انتقال“

(۷) مثنوی مشق تقریر۔ از مولانا ضیاء القادری

(۸) پارہ ہائے جگر (مرثیہ) از مولوی تولا حسین تولا بدایونی

(۹) کلام منظور۔ از مولانا عبدالماجد قادری بدایونی

یہ کتاب مجاہد آزادی مولانا عبدالماجد بدایونی کی شخصیت و خدمات کے تعلق سے تاج اللؤلؤ اکیڈمی کی ایک اہم پیش کش ہے جو

مولانا عبدالماجد بدایونی کے ۱۲۵ ویں یوم ولادت (شعبان ۱۴۲۹ھ) کے موقع پر منعقدہ تاریخی ”جشن ماجد“ میں پیش کیا گیا۔ اسی موقع سے مولانا عبدالماجد پبلک لائبریری کا جشن افتتاح بھی ہوا اور اسی موقع پر نہایت قلیل مدت میں یہ کتاب ترتیب دی گئی۔ کتاب اپنے موضوع پر مختصر ضرور ہے لیکن ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔

اعتراف حقیقت کے طور پر مرتب کتاب لکھتے ہیں:

”یہ کتاب کسی مستقل تحقیقی اور سوانحی کام کے زمرے میں نہیں آتی، محض وقتی ضرورت کو پورا کرنے کی خاطر ترتیب دی گئی ہے۔ ہاں! البتہ مولانا بدایونی پر آئندہ تحقیقی اور تفصیلی کام کرنے والوں کے لیے نشان منزل نہ سہی سراغ راہ تو ضرور فراہم کرتی ہے۔“ (ص: ۸، حرف آغاز)

### احوال و مقامات:

خانوادہ قادریہ بدایوں کی دو عظیم شخصیت مولانا شاہ عبدالمقتدر قادری بدایونی اور عاشق الرسول مولانا عبدالمقتدر قادری بدایونی کی سوانح حیات اور خدمات و کارنامے کا تذکرہ ہے، جو مولانا عبدالہادی قادری کے قلم سے ہے، جسے ۱۹۹۱ء میں قلم بند کیا گیا اور اسی سال بدایوں سے طبع ہوا۔ تاج اللؤلؤ اکیڈمی بدایوں سے ۱۰۰ صفحات پر مشتمل اس کا طبع جدید ذوالحجہ ۱۴۳۰ھ/ دسمبر ۲۰۰۹ء میں مولانا اُسید الحق قادری کی ترتیب جدید و تلخیص کے ساتھ سامنے آیا ہے۔

### خواجہ غلام نظام الدین: حیات و خدمات:

یہ کتاب جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، نواسہ تاج اللؤلؤ، مجاہد سنیف خواجہ غلام نظام الدین قادری بدایونی (ولادت ۱۳۱۶ھ/ ۹۹-۱۸۹۸ء وصال ۱۹/ ۱۹ ذی الحجہ ۱۴۰۵ھ/ ۵ ستمبر ۱۹۸۵ء، عمر ۸۹ سال) کے احوال و آثار اور دینی و ملی خدمات کی سرگذشت ہے۔ اس کتاب کی ترتیب جناب محمد تنویر خاں قادری بدایونی (استاذ مدرسہ قادریہ بدایوں) نے مولانا اُسید الحق قادری کی زیر نگرانی کی ہے۔ محرم ۱۴۳۳ھ/ دسمبر ۲۰۱۱ء میں تاج اللؤلؤ اکیڈمی سے اس کی پہلی طباعت ہوئی۔ کتاب کا انتساب صاحب تذکرہ کے صاحبزادے شیخ طریقت حضرت الحاج خواجہ احتشام الدین قادری بدایونی موجودہ امام حیدر گاہ بدایوں کے نام کیا گیا ہے۔

### سیف اللہ اسلول کاظمی مقام:

یہ کتاب مولانا عبدالعلیم قادری مجیدی (فاضل مدرسہ قادریہ



بدایوں) کی تالیف ہے، جو ایک طویل مقالہ کی شکل میں پہلی بار طلبہ مدرسہ قادریہ بدایوں کے درمیان سالانہ علمی مذاکرے میں ۲۶ جمادی الاخریٰ ۱۳۳۳ھ/۲۶ اپریل ۲۰۱۲ء کو بعنوان 'سیف اللہ المسلمول' ارباب علم و دانش کی نظر میں پیش کیا گیا۔ بعد میں یہی مقالہ کچھ حذف و اضافہ کے ساتھ ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ/نومبر ۲۰۱۲ء میں 'سیف اللہ المسلمول' کا علمی مقام: اولیا، علماء، مؤرخین اور معاصرین کی نظر میں کے نام سے کتابی شکل میں تاج الفحول اکیڈمی بدایوں کے زیر اہتمام اشاعت پذیر ہوا۔

کتاب حسب ذیل مرکزی عنوانات پر مشتمل ہے:

- (۱) سیف اللہ المسلمول: ایک تعارف (۲) سیف اللہ المسلمول بارگاہ رسالت میں (۳) سیف اللہ المسلمول اور علمائے حرین شریفین (۴) سیف اللہ المسلمول بغداد شریف میں (۵) سیف اللہ المسلمول اور فیضانِ چشت (۶) سیف اللہ المسلمول اکابر مارہرہ مطہرہ کی نظر میں (۷) سیف اللہ المسلمول کا مقام ہم عصروں کی نظر میں (۸۰) سیف اللہ المسلمول اور بادشاہ بہادر شاہ ظفر (۹۰) سیف اللہ المسلمول متاخر علماء و مشائخ کی نظر میں (۱۰) سیف اللہ المسلمول مؤرخین کی نظر میں (۱۱) سیف اللہ المسلمول عصر حاضر کے ارباب علم و تحقیق کی نظر میں۔

اس طرح مؤلف کتاب نے سینکڑوں ماخذ و مصادر سے تحقیق و تتبع اور تلاش و جستجو کے بعد ان مرکزی موضوعات کے تحت منتخب اور مستند مواد کو جمع کیا ہے۔ اس راہ میں انھیں کیا کچھ محنت و دقت کا سامنا کرنا پڑا ہوگا، اس سے وہی لوگ صحیح طور سے واقف ہو سکتے ہیں جنہوں نے اس دشت کی سیاحت کی ہے۔

### تذکرہ خانوادہ قادریہ:

یہ کتاب ۱۵۶ صفحات پر مشتمل ہے، خانوادہ عثمانیہ قادریہ بدایوں کی شخصیات پر مشتمل متداول و مستند تذکروں میں شامل مواد و مشمولات کا ایک خوبصورت انتخاب ہے۔

یہ کام مولانا اسید الحق قادری کے ایک چہیتے اور محبوب نظر شاگرد مولانا عبدالعلیم قادری مجیدی نے آپ کی نگرانی و تحریک پر انجام دیا ہے۔ اس کتاب کی افادیت کو بتاتے ہوئے مولانا اسید الحق قادری ابتدائیہ کے تحت لکھتے ہیں:

”علامہ فضل حق خیر آبادی کے سلسلے میں ڈاکٹر معین الدین

عقیل کا ایک مقالہ نظر سے گذرا تھا جس میں انہوں نے ان تمام اہم ماخذ و مراجع کی نشان دہی کر دی تھی جن میں علامہ کا تذکرہ موجود تھا۔ اس کے ریسرچ اسکالرز اور اہل قلم کو سہولت ہوگئی کہ وہ علامہ کے سلسلے میں مواد کی تلاش کے لیے سرگرداں نہیں رہیں گے بلکہ سارا مواد ایک نظر میں ان کے پیش نظر ہوگا۔ اس مقالے کو دیکھ کر خیال آیا کہ اکابر خانوادہ قادریہ کے سلسلے میں بھی اسی قسم کی ایک کتاب مرتب کرادی جائے تاکہ ان حضرات کے متعلق اہل تذکرہ و سیر نے جو کچھ تحریر کیا ہے وہ ایک جگہ جمع ہو جائے اور یہ کتاب آگے آنے والوں کے لیے حوالے کا کام کرے۔ اسی خیال کی عمل شکل اس کتاب کی صورت میں آپ کے پیش نظر ہے۔ (۹ ابتدائیہ) مزید لکھتے ہیں:

”زیر نظر کتاب میں خانوادہ قادریہ کے تمام اہل علم و فضل کے تذکرے کو جمع نہیں کیا گیا ہے بلکہ صرف تیرہویں صدی اور چودہویں صدی کے بعض اکابر کے تذکرے پر اکتفا کیا گیا ہے جن شخصیات کا انتخاب کیا گیا ہے وہ اپنی علمی، دینی اور روحانی خدمات کے سلسلے میں ایک نمایاں مقام رکھتی ہیں۔

ابتدائیہ کے اخیر میں طلبہ مدرسہ قادریہ کی علمی و تحقیقی اور اپنے اسلاف سے وابستگی پر انہوں نے اپنے جن جذبات کا اظہار کیا ہے وہ یہاں کے طلبہ کی روشن مستقبل کا غماز ہے۔ ان دعائیہ کلمات کو آپ بھی پڑھیے، وہ لکھتے ہیں:

”یہ بات میرے لیے انتہائی مسرت اور اطمینان کا باعث ہے کہ مدرسہ قادریہ کے طلبہ کی موجودہ نسل میں بعض طلبہ خصوصیت کے ساتھ علمی و تحقیقی مزاج، تحریر و تصنیف کا ذوق اور مخلصانہ دینی خدمات کا جذبہ رکھتے ہیں۔ اس پر اپنے اکابر و اسلاف سے گہرا رشتہ عقیدت و محبت مستزاد مرتب کتاب عزیز عبد العلیم قادری مجیدی کا شمار بھی موصوف کے روشن اور تاب ناک مستقبل کا متمنی بھی ہوں اور اس کے لیے دعا گو بھی۔ رب قدر و مقتدر دارین کی برکات عطا فرمائے۔ آمین

(ص ۱۲ ابتدائیہ)



## اکابر ہدایوں:

یہ کتاب مولانا محمد حسین قادری گنوری کی ہے جس میں انہوں نے مندرجہ ذیل پانچ اکابر خانوادہ عثمانیہ قادریہ کے احوال و خدمات کو قلم بند کیا ہے:

(۱) شاہ عین الحق عبدالجید قادری بدایونی (۲) سیف اللہ المسلمول مولانا شاہ فضل رسول قادری بدایونی (۳) تاج اللؤلؤ، مظہر حق مولانا شاہ عبدالقادر قادری بدایونی (۴) سرکار صاحب الاقذار مولانا شاہ مطیع الرسول عبدالمتقدر قادری بدایونی (۵) شیخ المشائخ، عاشق الرسول مولانا شاہ عبدالقادر قادری بدایونی۔

یہ کتاب مولف نے بعض مخلص وابستگان خانقاہ کی فرمائش پر ۱۹۸۵ء میں قلم بند کیا تھا جو اسی وقت اکتوبر ۱۹۸۵ء میں ”ادارہ مظہر حق بدایوں“ کے زیر اہتمام اشاعت پذیر ہوا۔ مولانا اسید الحق قادری لکھتے ہیں:

”زیر نظر کتاب مولانا (احمد حسین قادری گنوری) نے خانقاہ قادریہ سے وابستہ مریدین و معتقدین کی فرمائش پر ترتیب دی تھی۔ لہذا اس طبقے کو سامنے رکھ کر مواد اور اسلوب کا انتخاب کیا ہے۔ کتاب کی زبان نہایت سادہ اور عام فہم ہے ساتھ ہی ہر بزرگ کے تذکرہ میں اختصار کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔“

(ص ۱۵/ابتدائیہ)

جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ مارچ ۲۰۱۳ء میں کتاب کا طبع جدید مولانا عاصم اقبال مجیدی (تلیذ عزیز مولانا اسید الحق قادری) کی ترتیب جدید کے ساتھ ۶۰ صفحات پر مشتمل منظر عام پر آئی ہے۔

## اکمل التاریخ:

اکابر خانوادہ عثمانیہ قادریہ بدایوں بالخصوص سیف اللہ المسلمول شاہ فضل رسول بدایونی کی سب سے مفصل اور جامع سوانح حیات اور خدمات کا تذکرہ ہے۔ کتاب دو حصوں میں ہے۔ پہلے حصے میں مولف کتاب مولانا محمد یعقوب حسن ضیاء القادر بدایونی نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ و خانوادہ عثمانیہ کے مورث اعلیٰ قاضی دانیال قطری (قاضی القضاة علاقہ بدایوں بچہ سلطان شمس الدین التمش سے لے کر صاحب تذکرہ کے والد ماجد شاہ عین الحق عبدالجید قادری قدس سرہ تک کے

اکابر خانوادہ عثمانیہ کا جامع تذکرہ تحریر کیا ہے، جب کہ دوسرا حصہ حضرت سیف اللہ المسلمول اور آپ کے سلسلہ اجداد و اخلاف، اساتذہ و تلامذہ، خلفا و مریدین تصانیف و مکاتیب، کرامات و معالجات و ارشاد و معمولات سبھی چیزوں کا احاطہ کرنے کی ایک کامیاب کوشش کی ہے اور دونوں حصوں میں جاہ جا حواشی کے تحت بدایوں کے دیگر نامور علما و فضلا خصوصاً سلسلہ قادریہ سے وابستہ علما و مشائخ کا مختصراً ذکر بھی کیا ہے۔ ان خصوصیات کی وجہ سے یہ کتاب خانوادہ عثمانیہ کے علما و مشائخ خصوصاً سیف اللہ المسلمول کی سیرت و خدمات کے تعلق سے اہل علم و ادب کی تحقیق کے درمیان یہ کتاب ہمیشہ سے ایک مستند ماخذ اور حوالے کی کتاب کے طور پر مقبول رہی۔

یہ کتاب پہلی بار جمادی الاولیٰ ۱۳۳۳ھ مارچ ۱۹۱۶ء میں مطبع قادری مولوی محلہ بدایوں سے مولوی عبدالصمد صاحب سرور مقتدری کے زیر اہتمام باجائز محراب تصنیف مولانا عبدالماجد قادری بدایونی شائع ہوئی۔ طبع اول الگ الگ دو حصوں میں اشاعت پذیر ہوا تھا، اب یہ دونوں حصے ایک ساتھ رمضان ۱۴۳۳ھ جولائی ۲۰۱۳ء میں تاج اللؤلؤ اکیڈمی بدایوں کے زیر اہتمام تقریباً ایک صدی بعد ممتاز محقق و ناقد حضرت مولانا اسید الحق قادری کی ترتیب جدید مختصر ضروری حواشی اور دو قلمضمیمہ کے ساتھ منظر عام پر آئی ہیں۔

کتاب کا پہلا حصہ ص ۲۸ سے ۱۸۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ دوسرا حصہ ص ۱۸۳ سے ۳۷۵ صفحات تک ہے۔ پھر ص ۳۷۷ سے ”ضمیمہ اکمل التاریخ“ مرتبہ اسید الحق قادری کا آغاز ہوتا ہے جو کتاب کے ص ۳۵۸ تک ہے۔ اخیر میں ”مرتبہ ایک نظر میں“ کے زیر عنوان ۲ صفحات میں مرتب کی سوانح اور قلمی خدمات کی فہرست ہے۔ اس کے علاوہ شروع میں ۱۳ صفحات میں فہرست مشمولات ہے اور ۷ صفحات میں مرتبہ کے قلم سے ایک ابتدائی بھی ہے جس میں اکمل التاریخ کا تعارف اور ترتیب جدید میں مرتب کی جانب سے انجام دیے گئے تحقیقی و تدوینی امور کی تفصیلات اور کتاب کی استنادی و تاریخی حیثیت پر مورخین و محققین کی آرا کا ذکر ہے۔

ضمیمہ اکمل التاریخ میں مرتب نے (ص ۳۷۷ تا ۳۹۱) تعارف تصانیف سیف اللہ المسلمول، کے تحت سیف اللہ المسلمول کی ۱۱ کتابوں

کا تحقیقی، علمی اور تاریخی تعارف قلم بند کیا ہے۔ پھر (ص ۳۹۲ تا ۴۰۹) حضرت مولانا عبدالماجد قادری بدایونی سے لے کر خانوادہ عثمانیہ قادریہ کے موجودہ صاحب سجادہ اپنے والد ماجد حضرت شیخ عبدالحمید سالم قادری تک متعدد علماء و مشائخ خانوادہ عثمانیہ قادریہ کا تذکرہ قلم بند کیا ہے۔ ص ۴۱۰ پر شاہ عبدالمتقدر بدایونی کی جانب سے شاہ عبدالقدیر بدایونی کو ملی اجازت و خلافت کی ایک نقل شامل ہے۔ پھر ۴۱۱ تا ۴۲۰ مصنف اکمل التاریخ مولانا یعقوب حسین ضیاء القادری بدایونی کی سوانح حیات اور قلمی خدمات پر تفصیلی تحریر ہے۔ راقم الحروف کے خیال سے ہندوستان میں پہلی بار کسی نے خانوادہ قادریہ کے اس اہم مورخ پر اتنی معلوماتی اور تفصیلی تحریر لکھی ہے۔ اس کے بعد ”اکمل التاریخ پر نقد و نظر: ایک جائزہ“ کے عنوان سے اکمل التاریخ کے بعض مندرجات کے تعلق سے عہد مصنف ہی میں بعض افراد کی جانب سے لکھے گئے کتب و رسائل کا تنقیدی و تحقیقی جائزہ لیا گیا ہے۔ یہ تحریر (۴۲۱ تا ۴۳۳) ۱۳ صفحات پر مشتمل ہے، جو مرتب کی تحقیقی و تنقیدی اور تاریخی بصیرت و معلومات کا شاہکار ہے۔

اس کے بعد اکبر و مشائخ خانوادہ عثمانیہ کے اسناد حدیث، شجرہ طریقت، سلسلہ تلمذ کا بیان ہے جو ص ۴۳۵ تا ۴۴۴ پر مشتمل ہے۔ پھر فرید اقبال قادری ابن حضرت عبدالحمید اقبال قادری کی علم الانساب پر ایک اہم تحریر نسب نامہ خاندان عثمانی بدایون شامل اشاعت ہے جو ص ۴۴۵ سے شروع ہو کر ۴۵۷ پر ختم ہوتا ہے۔ اخیر میں حادثہ جانکاہ کے عنوان سے مولانا محمد یعقوب حسین ضیاء القادری کی ایک تعزیتی تحریر جو شاہ عبدالمتقدر بدایونی کے وصال پر طال پر تحریر کی گئی تھی، شامل اشاعت ہے۔

### قصیدان راکھان (اردو ترجمہ و تشریح):

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی (۱۲۷۲ھ/۱۳۳۰ھ) کے دو عربی قصائد (۱) قصیدہ نونیہ ”مدائح فضل الرسول“، (۲) قصیدہ دالیہ ”حمائد فضل الرسول“ کا مجموعہ ہے جو انہوں نے ۱۳۰۰ھ میں ۳۱۳ اشعار پر مشتمل عربی زبان میں نظم کیا۔ یہ دونوں عربی قصائد آپ نے سیف اللہ المسلمول مولانا شاہ فضل رسول قادری بدایونی اور تاج الفحول مولانا شاہ عبدالقادر قادری بدایونی کی مدح و منقبت میں آج سے ۱۳۵ سال پہلے کہے۔ دونوں قصائد کا عربی متن پہلی بار ۱۳۰۹ھ/۱۹۸۸ء میں

المجمع الاسلامی مبارک پور سے بخط مصنف عکسی طباعت کی صورت میں سامنے آیا اور پھر اس کے بعد متعدد ادارے کی جانب سے یہ اشاعت پذیر ہوا۔ کئی مدارس کے عربی زبان و ادب کی تعلیم کے بطور شامل نصاب بھی ہوا، لیکن اب تک اس کا اردو ترجمہ و تشریح اہل علم پر قرض تھا، جس کی شاندار ادائیگی کا کام خانقاہ قادریہ عثمانیہ کے نامور فرزند حضرت مولانا اسید الحق قادری کی زیر نگرانی عمل میں آیا۔ قصیدے کا اردو ترجمہ و تشریح اور قصیدے پر نہایت علمی و تحقیقی فنی و تاریخی مبسوط تقدیم ”قصیدتان راکھان“ ایک تحقیق مقالہ کے ساتھ پہلی بار تاج الفحول اکیڈمی بدایون کے زیر اہتمام ابھی حال ہی میں ذوالقعدہ ۱۴۳۴ھ/ اکتوبر ۲۰۱۳ء میں منظر عام پر آیا ہے۔

اس کتاب پر شروع میں امین ملت حضرت سید شاہ محمد امین میاں قادری (زیب سجادہ خانقاہ عالیہ برکاتیہ مارہرہ شریف) کی تقریظ مبارک ۴ صفحات پر مشتمل ہے، جو بقول مقدمہ نگار:

”اس قصیدے پر تقریظ لکھنے کے لیے سب سے موزوں ترین شخصیت ہیں کہ ان قصائد کے ممدوح اور شاعر و ناظم دونوں حضرات کی بیعت و ارادت اور عقیدت و محبت کا سلسلہ خانقاہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ سے ملتا ہے۔“

راقم بھی موصوف کے اس اظہار ”منت شناسی“ پر صاد کرتا ہے۔ اس کے بعد مولانا اسید الحق قادری کا ابتدائی ہے جس میں انہوں نے اس قصیدے کے ترجمہ و تشریح کے داعیے اور ترجمہ و تشریح کی خصوصیات پر ۴ صفحات میں اچھی روشنی ڈالی ہے۔

پھر اس کے بعد ص ۱۵ تا ۱۰۰ اکل ۸۵ صفحات میں ان کا طویل تحقیقی مقدمہ ہے۔ اس مقدمے میں انہوں نے تمہید و تعارف، قصیدے کی تالیف و سبب تالیف، قصیدے کا تاریخی نام، اشعار کی تعداد، قصیدے کے مخطوطات و خطی نسخے کا تعارف، مختلف اشاعتیں اور تحقیقی کام، دونوں قصائد کا موضوعاتی جائزہ، قصیدے کی مقبولیت، قصیدے کے اہم پہلو، قصیدے کا عروضی و لسانی جائزہ جیسے اہم مرکزی موضوعات اور اس کے تحت متعدد ذیلی عنادین پر معلومات افزا، بصیرت افروز تحقیقی گفتگو سپرد قرطاس کی ہے۔ اس کے بعد ڈاکٹر عبیدی عراقی (ولادت ۱۹۴۰ء وصال ۱۳۲۸ھ/۲۰۰۷ء) کی عربی زبان میں شرح و تحقیق مطبوعہ

المجمع الرضوی العلیی بغداد ۲۰۰۲ء کا تنقیدی جائزہ قلم بند کیا ہے۔ یہ علمی و تنقیدی جائزہ ص ۵۲ تا ۱۰۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ مقدمے کے سارے مباحث اور گوشے نہایت علمی و تحقیقی اور معلوماتی ہونے کے باوجود مقدمے کا یہ حصہ بطور خاص مطالعہ کیے جانے سے تعلق رکھتا ہے۔ اس گوشے میں مقدمہ نگار نے جس علمی آگاہی اور بصیرت کے ساتھ قصائد امام احمد رضا پر ڈاکٹر عبیدی عراقی صاحب کی تنقید کا علمی تجزیہ و محاسبہ و محاکمہ کیا ہے، وہ انہیں کا حصہ معلوم ہوتا ہے۔

ص ۱۰۱ سے قصیدے کا ترجمہ و تشریح شروع ہوتا ہے۔ ترجمہ و تشریح کا یہ کام مولانا اسید الحق قادری کے ایک عزیز شاگرد مولانا عاصم اقبال قادری مجیدی (استاذ مدرسہ قادریہ بدایوں) نے اپنے استاذ گرامی کے حکم و خواہش پر انجام دیا ہے۔

پہلے قصیدہ نونیہ مدائح فضل الرسول کا ترجمہ و تشریح ہے جو ص ۱۰۳ تا ۲۲۹ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس قصیدے میں اشعار کی تعداد ۲۲۳ ہے۔ اس کے بعد قصیدہ دالیہ حماید فضل الرسول کا ترجمہ و تشریح ص ۲۳۰ سے ۲۵۲ صفحات پر ہے۔ اس قصیدے کے تحت ۷۰ اشعار ہیں۔ اس طرح دونوں قصائد کے کل اشعار کی تعداد ۳۱۲ ہے۔ پھر ۲۵۲ پر کتب خانہ قادریہ بدایوں میں محفوظ واحد مخطوطہ بخط مصنف کے پہلے اور آخری صفحے کا عکس دیا گیا ہے۔

اخیر میں راقم الحروف امین ملت حضرت سید شاہ امین میاں قادری برکاتی برکاتی مدظلہ العالی کی تقریظ سے ایک اقتباس پیش کرنا چاہتا ہے جو درحقیقت جماعت اہل سنت کی شیرازہ بندی کے لیے ان کے مخلصانہ جذبات کی ترجمانی کے ساتھ سبھی غلامان مارہرہ کے لیے ایک اہم پیغام کی حیثیت رکھتا ہے۔ حضرت امین ملت فرماتے ہیں:

”۳۱۳ اشعار پر مشتمل ان قصیدوں میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں محدث بریلوی قدس سرہ نے جامع معقول و منقول سیف اللہ المسلمول حضرت مولانا شاہ فضل رسول قادری برکاتی بدایونی قدس سرہ کی بارگاہ میں جس عقیدت اور محبت کا اظہار فرمایا ہے، اس کا انداز تو قارئین ان قصیدوں کو پڑھ کر ہی لگا سکتے ہیں، میں تو صرف یہ کہوں گا کہ جیسی محبت، عقیدت اور ربط ہمارے ان اکابر کے مابین ہوا کرتا تھا اگر

اس کا عشر عشر بھی ہمیں حاصل ہو جائے تو آج ہماری جماعت کا عالم ہی نرالا ہو۔“ (ص ۷ تقریظ)

### تاج النحول: حیات و خدمات:

یہ کتاب تاج النحول، محبت رسول مولانا شاہ عبدالقادر بدایونی کی سوانح حیات اور خدمات پر مشتمل ہے جو آپ کے صد سالہ عرس کے موقع پر ادارہ مظہر حق بدایوں کے زیر اہتمام اکتوبر ۱۹۹۸ء میں منظر عام پر آئی۔ کتاب کے مولف مفتی عبدالکلیم نوری (سابق مدیر ماہ نامہ مظہر حق بدایوں) ہیں۔ پوری کتاب ۱۲۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ مضمولات کتاب کو مولف نے ۱۶ ابواب میں تقسیم کیا ہے۔

پہلا باب۔ تاج النحول، مولانا شاہ عبدالقادر بدایونی کے خاندانی پس منظر اور ان کے سلسلہ اجداد کے ذکر پر مشتمل ہے۔

دوسرا باب۔ تاج النحول کی حیات کے تحت ولادت، تعلیم و تربیت، اجازت حدیث، بیعت و خلافت، حج و زیارت، سفر آخرت، کرامت، اولاد و اخلاف اور اساتذہ معقولات و منقولات کا خوب صورت ذکر کیا گیا ہے۔

تیسرے باب میں خدمات کے تحت مولف نے حضرت تاج النحول کی تدریسی خدمات، فتویٰ نویسی، دعوت و تبلیغ، سلسلہ بیعت و ارشاد اور مختلف تحریکات میں آپ کے قائدانہ کردار اور آخر میں تصانیف کا تعارف اور آپ کی تصنیفی خدمات کا تفصیلی ذکر کیا گیا ہے۔

باب چہارم شاعری کے تحت۔ حضرت تاج النحول کی شاعرانہ عظمت اور مجموعہ شاعری ”در شہوار عقیدت“ (۱۲۹۹ھ) کا تجزیاتی و تاریخی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ پانچویں باب معاصرین و اکابرین کے تحت مولف کتاب نے حضرت تاج النحول کی علمی عظمت اور قائدانہ حیثیت کے اعتراف پر مشتمل اکابر و معاصرین کے اقوال و ارشادات کو پیش کیا ہے۔ اس باب کے تحت انہوں نے سیف اللہ المسلمول مولانا شاہ فضل رسول بدایونی، مولانا عبدالسیع بیدل رام پوری، قاضی عبدالوہید فردوسی، علامہ فضل حق خیر آبادی، علامہ عبدالحق خیر آبادی، سید شاہ آل رسول احمدی مارہروی، سید شاہ ابوالحسین نوری مارہروی، علامہ خیر الدین دہلوی، مولانا حسن رضا بریلوی کی جانب سے حضرت تاج النحول کی علمی و روحانی شخصیت پر مشتمل اقوال و اعترافات کو معاصر شواہد کی

عصری معیار کے مطابق اسلامی ادب کا اشاعتی مرکز

**ادارہ فکر اسلامی، دہلی**

کی اہم مطبوعات

دور جدید کے بعض مسلم مسائل

## ایک باز دید

از: مولانا خوشتر نورانی، صفحات: 156

علامہ ارشد القادری کے بے لاگ اداروں کا مجموعہ

## فغان درویش

از: مولانا خوشتر نورانی، صفحات: 136

**Islam, Jihad and Terrorism**

By: Khushtar Noorani

Pages: 395,

جہاد اور دہشت گردی، اجتہاد و تقلید اور انقلاب ۱۸۵۷ء پر

## تین علمی و فکری انٹرویوز

از: مولانا خوشتر نورانی، صفحات: 88

ماہنامہ جام نور کا ایک یادگار تنقیدی، علمی و ادبی کالم

## خامہ تلاشی

از: ابو لفیض معینی، صفحات: 200

## تحقیق و تفہیم

از: مولانا سید الحق قادری، صفحات: 276

تقسیم کار: مکتبہ جام نور، دہلی

Phone: 011-23281418, 09313783691

روشنی میں پیش کیا گیا ہے۔

باب ششم کے تحت مصنف کتاب نے تاج الفحول اور امام احمد رضا

بریلوی کے درمیان عقیدت مندانہ اور والہانہ تعلقات کا ذکر کیا ہے۔

مؤلف موصوف نے یہ کتاب بھی شیخ اسید الحق قادری بدایونی

کے خواہش و حکم پر مرتب کی۔ یہ کتاب تاج الفحول کی حیات و خدمات پر

ایک اولین تحقیقی کاوش ہے جس پر مصنف کو راقم الحروف مبارک باد پیش

کرتا ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے تذکرہ و سیرت نگاری کے اصول کو

مد نظر رکھتے ہوئے پوری گفتگو صاحب تذکرہ کے تعلق سے اولیں ماخذ و

نصوص کے آئینے میں کی ہے، جس کی وجہ سے یہ کتاب تاج الفحول کی

حیات و خدمات پر ایک مستند ماخذ کا درجہ رکھتی ہے۔

## تاج الفحول نمبر:

ماہ نامہ مظہر حق بدایوں کا یہ تاریخی و دستاویزی نمبر ہے جو میگزین

سائز کے ۶۷۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ تاج الفحول مولانا شاہ عبدالقادر

بدایونی علیہ الرحمہ کے جشن صد سالہ ۱۹۹۸ء کے موقع پر خانقاہ قادریہ

بدایوں کے زیر اہتمام شعبان تازی قعدہ ۱۴۱۹ھ نومبر تا مارچ ۱۹۹۸ء،

۱۹۹۹ء جلد ۸ شمارہ ۸، ۹، ۱۰، ۱۱ کے بطور منظر عام پر آیا۔

تاریخی نمبر حضرت تاج الفحول کی حیات و خدمات کے مختلف

گوشوں پر برصغیر ہندو پاک کے سینکڑوں مشاہیر ارباب قلم و اہل دانش

کے مقالات، مضامین، تاثرات، منظومات کا مجموعہ ہے، جس کی ترتیب

وادارت مفتی عبدالحکیم نوری و صاحبزادہ گرامی مولانا اسید الحق قادری

نے انجام دی ہے۔ معاون مرتبین کی حیثیت سے مولانا محمد حنیف قادری

آنولوی اور ڈاکٹر شاداب ذکی بدایونی کا نام شامل ہے۔ شروع میں جشن

صد سالہ تاج الفحول ۱۹۹۸ء کی تفصیلی رپورٹ بھی شامل ہے۔

**انتہام:** مولانا شیخ اسید الحق قادری بدایونی علیہ الرحمہ کی علمی اور

اشاعتی خدمات کا تعارف میں اس امید کے مکمل کر رہا ہوں کہ شیخ صاحب

نے جس مشن کو شروع کیا تھا، حضرت قبلہ شیخ عبدالحمید سالم القادری دام

خلہ کے زیر سایہ، ان کے برادران، احباب اور تلامذہ کا کاروان شوق

اسے منزل مقصود تک ضرور پہنچائے گا۔

□□□

☆ ریسرچ اسکالر: جامعہ ہمدرد، ہمدرد نگر، تعلق آباد، نئی دہلی



# مولانا اسید الحق قادری کی تصانیف: ایک تعارف

مولانا بدایونی کے آہوئے قلم سے جو نازہ مشک نکل کر آیا ہے اس کی خوشبو سے اہل علم کے مشام جاں معطر ہو گئے

انداز فکر، معروضی پیش کش اور نکھرے ہوئے اسلوب تحریر کے لیے معروف رہے۔ چنانچہ ان کے آہوئے قلم سے جو نازہ مشک نکل کر آیا ہے اس کی خوشبو سے اہل علم کے مشام جاں معطر ہو گئے۔

ان کی تالیفات کی مختلف نوعیتیں ہیں، بعض تو ان تحقیقی مضامین کا مجموعہ ہیں جو جام نور کے مختلف شماروں میں شائع ہوئے اور پھر بعد میں کچھ حذف و اضافے کے بعد اسے کتابی شکل دے دی گئی۔ بعض وہ تنقیدی تحریریں ہیں جو جام نور دہلی کے مشہور زمانہ کالم ”خامہ تلاشی“ میں شائع ہوئیں جن کی بنا پر جام نور کی مقبولیت کا گراف آسمان چھونے لگا اور بعد میں اس کی علمی، تنقیدی و تربیتی افادیت کی خاطر اسے ”خامہ تلاشی“ کے نام سے ہی کتابی فارم میں طبع کر دیا گیا۔ بعض وہ کتابچے ہیں جو کسی ایک خاص عنوان پر لکھے گئے ہیں اور جو پہلے جام نور یا ان کے علاوہ دوسرے جرائد و مجلات میں تحقیقی اور مفصل مضمون کے طور پر شائع ہوئے اور بعد میں مضامین کی طوالت کے مد نظر حذف و اضافے کے ساتھ مستقل کتابچے کی صورت میں زیور طبع سے آراستہ کیا گیا اور بعض کتابیں وہ ہیں جو درحقیقت تصنیف کا درجہ رکھتی ہیں اور کسی ایک خاص تحقیقی موضوع سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان کی جن تصانیف و تالیفات کے نام مجھے معلوم ہو سکے وہ درج ذیل ہیں:

- (۱) خامہ تلاشی (۲) تحقیق و تفہیم (۳) حدیث افتراق امت: تحقیقی مطالعے کی روشنی میں (۴) فرزدق تمیمی کا قصیدہ مہمیہ: ایک تحقیقی مطالعہ (۵) قرآن کی سائنسی تفسیر: ایک تنقیدی مطالعہ (۶) عربی محاورات مع ترجمہ و تعبیرات (۷) خیر آبادیات (۸) احادیث قدسیہ (۹) تذکرہ ماجد (۱۰) مفتی لطف بدایونی: شخصیت اور شاعری (۱۱) تذکرہ شمس مارہرہ (۱۲) اسلام ایک تعارف۔

ذیل میں مذکورہ بالا کتابوں کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

دنیا میں لاکھوں لوگ پیدا ہوتے ہیں اور رخصت ہو جاتے ہیں اور ان کی موت کا کسی کو افسوس نہیں ہوتا، لیکن اس دنیا میں کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کی اس دنیا سے رخصتی پر ایک عالم میں کہرام مچا ہو جاتا ہے اور وہ غم اس وقت اور بھی جاں کاہ ہوتا ہے جب کہ وفات پانے والے کی شخصیت ایسی ہو کہ اس سے ایک عالم کو ضیاء ملتی ہو، ایک نسل کی علمی و دینی تربیت ہوتی ہو، اس کی ضیاء پاشیوں کو ابھی بام عروج تک پہنچنا باقی ہو اور ملت اسلامیہ کی بڑی امیدیں اور تمنائیں اس سے وابستہ ہوں۔ ان عظیم شخصیات میں ایک شخصیت حضرت علامہ اسید الحق عاصم قادری صاحب کی ہے۔ عین عہد شباب میں ان کی ناگہانی شہادت سے پوری جماعت اہل سنت بلکہ اٹھی اور پوری دنیائے اہل سنت سو گوار ہو گئی۔ یہ تو ایک پہلور ہا لیکن جب ان کے کارناموں پر نظر پڑتی اور ان کی مصنفات و مولفات کا جائزہ لیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اس مختصر سی مدت میں وہ کام کر ڈالا جو دوسرے لوگ طویل عمر پانے کے بعد بھی نہیں کر پاتے، بلکہ اس مختصر سی مدت میں ان کے ذریعے انجام پانے والے کام بھی ان کو اکابر کی صف میں کھڑا کرنے کے لیے کافی ہیں۔ ان کے کام کی جہتیں متنوع اور متعدد ہیں۔ میں ذیل میں صرف ان کی تصانیف کا ایک سرسری جائزہ پیش کرنے کی کوشش کروں گا جس سے معلوم ہو جائے گا کہ علامہ موصوف نے اپنی زندگی کو کس قدر بہتر طریقے سے استعمال کیا اور آئندہ نسلوں کے لیے دینی و علمی خدمات کے باب میں کیسی قابل تقلید مثال قائم کی۔ ان کی تصانیف کی تعداد ایک اندازے کے مطابق کم و بیش ایک درجن ہے۔ ان کی یہ خدمت سب سے زائد خاندانی افاضل کی کتابوں کی تحقیق، تخریج اور مقدمہ نگاری کے علاوہ ہے جسے انہوں نے دس سال کے عرصے میں انجام دیا۔

علامہ اسید الحق قادری روز اول سے ہی اپنے تحقیقی مزاج، مثبت

## (۱) خامہ تلاشی:

یہ کتاب علامہ اسید الحق قادری کے ان تنقیدی و تحقیقی مضامین کا مجموعہ ہے جو جام نور کے سب سے مقبول کالم 'خامہ تلاشی' میں اپریل ۲۰۰۵ء سے لے کر دسمبر ۲۰۰۶ء تک تقریباً پونے دو سال کے عرصے میں شائع ہوئے۔ خامہ تلاشی کا کالم کس قدر اہل علم کے درمیان مقبول ہوا اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس کالم کو فیضی کی بانگ درا، مشفق خواجہ کے خامہ بگوش آزاد کی غبار خاطر اور ظفر علی خان کے مطاببات سے تشبیہ دی گئی۔

یوں تو پہلے سے علامہ اسید الحق کی علیست کا لوہا مانا جاتا تھا لیکن جب اس کالم کے تحت 'ابوالفیض معینی' کے نام سے ان کی تنقیدی تحریریں آئیں جن میں انہوں نے علوم قرآن، علوم حدیث، ادب، بلاغت، عروض اور دوسرے تمام علوم پر ناقدانہ و محققانہ انداز میں اظہار خیال کیا تو اکثریت نے یہ گمان کیا کہ یہ ایک شخص کا کام نہیں ہے بلکہ اس کالم کو لکھنے میں ایک پوری اکیڈمک ٹیم رول ادا کرتی ہے لیکن جب کالم بند ہوا اور یہ سر نہاں فاش ہوا کہ یہ کالم کوئی اور نہیں بلکہ فاضل نوجوان، عبقری زماں حضرت علامہ اسید الحق لکھ رہے ہیں تو لوگ انگشت بدنداں رہ گئے اور لوگ اس شہسوار علوم و معارف کے آگے سجدہ تہیت بجالائے۔

"خامہ تلاشی" کے بند ہو جانے کے بعد تعاقب کے نام سے ایک دوسرا کالم شروع ہوا جو جنوری، فروری صرف دو مہینے تک لکھا گیا اور بعد میں چند وجوہ کی بنا پر اس کا تسلسل ٹوٹ گیا۔

"خامہ تلاشی" کا کالم چوں کہ ایک قلمی نام سے شائع ہو رہا تھا، اس لیے لوگوں کو اسی بات کا بڑا اشتیاق اور تجسس تھا کہ اس کے کالم نگار کون ہیں، چنانچہ جب یہ کالم بند ہوا تو ان سے ایک مفصل انٹرویو کے ذریعے کالم نگار کی رونمائی ہوئی۔

بعد میں "خامہ تلاشی" کے تمام مضامین (اپریل ۲۰۰۵ء، دسمبر ۲۰۰۶ء) اور "تعاقب" کے دو مضمون کو جمع کر کے مدیر ماہ نامہ جام نور کے مقدمے اور کالم نگار کے بارے میں اہل علم کے گراں قدر تاثرات کے ساتھ ادارہ فکر اسلامی دہلی سے شائع کیا گیا۔ کہنے کے لیے یہ صرف مضامین کا مجموعہ ہے لیکن درحقیقت طالبان علوم اور تحقیق و تنقید سے تعلق رکھنے والوں کے لیے یہ دائرہ معارف کی حیثیت رکھنے والا سرمایہ ہے۔

## (۲) تحقیق و تنہیم:

یہ کتاب بھی علامہ اسید الحق کے ان علمی و تحقیقی شہ پاروں کا مجموعہ ہے جو ۲۰۰۳ء سے لے کر دسمبر ۲۰۰۹ء تک جام نور کے صفحات پر شائع ہوئے۔ ان سے صرف چار مضامین ایسے ہیں جو جام نور میں شائع نہیں ہوئے۔ ان مضامین کو موضوع کے لحاظ سے مرتب کر کے شائع کیا گیا ہے۔ جن مضامین کا تعلق تحقیقات سے تھا، ان کو تحقیقات کے عنوان سے جن کا تفہیم حدیث سے تھا ان کو تفہیم حدیث کے سرنامے کے ساتھ، جو اجتہاد و تقلید سے تعلق رکھنے والے تھے ان کو اجتہاد و تقلید کے نام سے، جو تصوف و سلوک کے مباحث پر مشتمل تھے ان کو تصوف و سلوک کے نام سے اور جن کا تعلق مباحث سے تھا ان کو مباحث کی شہ سرخی کے ساتھ شائع کیا گیا ہے۔ کتاب کے چند اہم موضوعات کچھ اس طرح ہیں: نزول کے اعتبار سے قرآن کی آخری آیت، مطہ اہل سنت و جماعت: تاریخی پس منظر اور اشاعتی خدمات، تبرک بالآثار کے خلاف ایک روایت کا علمی جائزہ، متن حدیث کی بازیافت، مصنف ابن ابی شیبہ اور فقہ حنفی، شیخ بہاء الدین شطاری اور سلسلہ شطاریہ، دعوت و تبلیغ کے لیے خانقاہی نظام کتنا مؤثر ہے؟ جماعت اہل سنت کا حقیقی تعارف کیا ہے؟

مؤلف کی دوسری تحریروں کی طرح مؤلف کی دوسری تمام تحریریں علمی و تحقیقی آہنگ اور سادہ و رنگین اسلوب لیے ہوئے ہے۔ کتاب ۲۷۲ صفحات مشتمل ہے اور طباعت کی خدمت ادارہ فکر اسلامی دہلی نے انجام دی ہے۔

## (۳) حدیث انزاق امت: تحقیق مطالعے کی روشنی میں:

علامہ اسید الحق کے قلم سے نکلا ہوا یہ وہ تحقیقی شاہ کار ہے جس کا محرک خود مؤلف کے بقول: فیکلٹی آف اصول الدین جامعہ ازہر کے شعبہ عقیدہ کے استاذ ڈاکٹر محمد احمد المسیر کا ایک رسالہ قضیۃ التکفیر فی الفکر الاسلامی ہے۔ یہ کتاب دراصل ایک مبسوط مقالہ ہے جو جام نور کے صفحات پر چار قسطوں (مئی تا اگست ۲۰۰۵ء) میں شائع ہوا تھا اور پھر بعد میں بعض جزوی ترمیم کے ساتھ اسے تاج الفحول اکیڈمی بدایوں نے کتابی شکل میں شائع کیا۔ کتاب کا موضوع جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے وہ حدیث رسول ﷺ ہے جس میں ۷۳ فرقوں میں امت محمدیہ کے بننے کی بات کہی گئی ہے۔ مؤلف نے اس کتاب میں حدیث

افتراق کے تمام پہلوؤں پر بحث کی ہے، اس کے تمام طرق کا جائزہ لیا ہے، ان کی اسنادی حیثیت کو واضح کیا ہے اور پھر اس سے جو مفہوم نکل کر آتا ہے، اس پر سیر حاصل گفتگو کی ہے۔

امت سے کیا مراد ہے، امت اجابت یا دعوت؟ اور پھر کلہا فی النار سے کیا مراد ہے، خلود فی النار یا د خول فی النار؟ ان تمام موضوعات پر کھل کر بحث کی ہے۔ جدید و قدیم ائمہ اعلام کے اقوال نقل کیے ہیں اور پھر علمی منہج کے مطابق خلاصہ بحث لکھا ہے اور دس نتائج بیان کیے ہیں۔ اسی میں پہلا نتیجہ یہ ہے کہ حدیث افتراق امت ۱۸ جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے مروی ہے اور آخری تین نتائج یہ بیان کیے ہیں کہ حدیث میں کلہا فی النار سے خلود فی النار نہیں بلکہ دخول فی النار مراد ہے۔ اہل قبلہ کی تکفیر کا مسئلہ بہت نازک ہے، لہذا تاویل کر کے تکفیر سے رکنے اور احتیاط کی ضرورت ہے اور فرقہ ناجیہ کے علاوہ باقی فرقے گمراہ اور گمراہ گر ہیں اور ان کا ردو ابطال ضروری ہے۔

اس مقالے کی اہمیت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ ۶۷ صفحات پر مشتمل اس کتاب کی تیاری میں ۵۴ مصادر و مراجع سے استفادہ کیا گیا ہے۔ اس کتاب کے مطالعے کے بعد کوئی بھی قاری ان کی تحقیقی شخصیت کا معترف ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

### (۴) قرآن کریم کی سائنسی تفسیر: ایک تمہیدی مطالعہ:

علامہ اسید الحق کے شذرات الذہب میں ایک شذرہ قرآن کریم کی سائنسی تفسیر بھی ہے۔ یہ کتاب بھی دراصل ان کے تحقیقی مضامین میں سے ایک ہے جو جام نور میں چار قسطوں میں شائع ہوئے اور بعد میں اس مقالے کی اہمیت اور ندرت کی وجہ سے ماہنامہ 'سوائے حجاز' لاہور نے بھی اسے ۲۰۰۷ء کی اشاعت میں شامل کیا اور یہی مقالہ بعد میں تاج اللؤلؤ اکیڈمی بدایوں کی طرف سے کتابی شکل میں بغیر حذف و اضافے کے شائع ہوا۔ مؤلف اس میں حذف و اضافہ کرنا چاہتے تھے، لیکن ان کی گونا گوں مصروفیات ان کی خواہش راہ میں مانع ہوئی اور مقالے کو اپنی سابقہ حالت میں ہی شائع کرنا پڑا۔

اس کتاب میں انہوں نے سائنسی تفسیر کے رجحانات کے پس منظر پر روشنی ڈالی ہے۔ سائنسی تفسیر کے مفہوم کو واضح کیا ہے اور سائنسی تفسیر

کے جواز کے حوالے سے علما کی آرا کو نقل کیا ہے، جو علما سائنسی تفسیر کے مخالف تھے ان کی آرا کو بھی ان کے دلائل سے نقل کیا ہے۔ پھر فریقین کے دلائل کا ناقدانہ اور بصیرت مندانہ تجزیہ کیا ہے، قرآن اور سائنس میں تعارض کی حقیقت پر بحث کی ہے، سائنسی تفسیر کے سلسلے میں ہونے والی بعض بے اعتدالیوں کو واضح کیا ہے، سائنسی تفسیر کے رواج کے اسباب مختصراً ذکر کیا ہے، سائنسی تفسیر کے جواز کے شرائط کو بیان کیا ہے اور پھر اخیر میں غیر مقبول سائنسی تفاسیر کے کچھ نمونے ذکر کیے ہیں، لیکن مقبول سائنسی تفاسیر کے نمونے ذکر نہیں کیے ہیں۔ اس کمی کی انہوں نے خود اپنے پیش لفظ میں بھی صراحت کی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اگر مقبول سائنسی تفاسیر کے نمونے شامل ہو جائے تو موضوع کے ساتھ پورا انصاف ہو جاتا۔ خود مؤلف نے اس پر اظہار افسوس کیا ہے، اس کمی سے قطع نظر کتاب علمی تحقیق اور بحث و تجزیہ کا اعلیٰ نمونہ اور اہل علم و تحقیق کے ذوق کی تسکین کا عمدہ دسترخوان ہے۔ ۵۷ صفحات کی اس کتاب کی تیاری میں ۲۷ مصادر و مراجع سے استفادہ کیا گیا ہے جو اس کتاب کے علمی و تحقیقی ہونے کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

### (۳) فرزدق تمیمی کا قصیدہ میمہ: ایک تحقیقی مطالعہ:

اسید الحق قادری صرف علوم اسلامیہ میں ہی دستگاہ رکھنے والے نہیں تھے بلکہ ادبی ذوق بھی بہت ارفع و اعلیٰ تھا۔ ان کو عربی ادب سے بھی گہرا لگاؤ تھا اور کیوں نہ ہوتا کہ انہوں نے علوم عربیہ و اسلامیہ کے گہوارے جامعہ ازہر مصر کے چشمہ علمی سے اکتساب فیض کیا تھا۔ چنانچہ عربی ادب میں ان کی مہارت کی نمائندہ کتابوں میں ایک کتاب "فرزدق تمیمی کا قصیدہ میمہ: ایک تحقیقی مطالعہ" ہے۔ یہ کتاب بھی دراصل جام نور میں شائع شدہ (اگست ۲۰۱۲ء) ان کے ایک علمی و تحقیقی مضمون کی ترقی یافتہ شکل ہے۔

اس کتاب میں انہوں نے سب سے پہلے قصیدہ میمہ کے حوالے سے تمہیدی و تعارفی تحریر لکھی ہے، پھر امام زین العابدین کا ایک خوب صورت تعارف تاریخی شواہد کے ساتھ پیش کیا ہے اور ان کی عظمت کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے۔ اس کے بعد قصیدہ کہنے والے فرزدق کی زندگی کے گوشوں پر روشنی ڈالی ہے اور خصوصاً قصیدہ میمہ کہنے کی پاداش میں اس کو جو قید و بند کی سزا چھیننی پڑی، اس کا ذکر کیا



ہے اور پھر امام زین العابدین کی شان میں کہے گئے اس قصیدے کی برکت سے فرزدق کی نجات کے حوالے سے علمائے امت نے جو باتیں کہی ہیں، ان کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے بعد فرزدق نے جس اموی بادشاہ کے سامنے یہ قصیدہ کہا تھا اس کے متعلق بھی کچھ سوانحی باتیں لکھی گئی ہیں اور اس کے بعد قصیدہ ہیمیہ کا تحقیقی مطالعہ پیش کیا گیا ہے جس کے ذیل میں یہ بحث بھی آئی ہے کہ یہ قصیدہ درحقیقت فرزدق ہی کا ہے یا کسی اور کا؟ اور یہ کہ یہ قصیدہ امام زین العابدین کی شان میں ہی کہا گیا یا کسی اور کی شان میں؟ ان دونوں پہلو پر تاریخی شواہد کی روشنی میں معروضی گفتگو کی گئی ہے، پھر امت میں اس قصیدے کی مقبولیت کے ضمن اس کے فارسی ترجمے، اس کی تفسیر اور شروع کے حوالے سے بھی گفتگو کی گئی ہے اور جن علمائے اس قصیدے کے حوالے سے کوئی کام کیا تھا ان کا اور ان کے کام کا مختصر تعارف پیش کیا گیا ہے اور اخیر میں مختلف کتابوں سے جمع کر کے قصیدہ ہیمیہ کا متن سلیس اور با محاورہ ترجمے کے ساتھ شامل کیا گیا ہے۔

میرے علم کی حد تک فرزدق کے قصیدہ ہیمیہ کے حوالے سے ایسا کوئی علمی کام اس سے پہلے سامنے نہیں آیا۔ یہ کتاب عربی شعر و ادب سے ذوق رکھنے والوں کے علاوہ اہل بیت سے محبت رکھنے والوں کی بھی روح کی تسکین کا سامان ہے۔

### (۵) احادیث قدسیہ

احادیث قدسیہ، احادیث کے ذخیرے میں ایک الگ شان رکھتی ہیں۔ اسی امتیازی شان کی بنا پر محدثین اور صوفیہ نے احادیث قدسیہ کے مستقل مجموعے ترتیب دیے۔ اردو زبان میں اس حوالے سے نا کے برابر کام ہوا ہے۔ علامہ اسید الحق قادری چوں کہ جامعہ ازہر مصر جس کی حدیث اور علوم حدیث میں بیش بہا خدمات ہیں، وہاں کے ممتاز ہندوستانی فاضل ہیں، اس لیے ان کا یہ حق بھی تھا کہ وہ اس طرح کے موضوعات پر کام کریں اور احادیث کی خدمت انجام دیں۔ چنانچہ انھوں نے احادیث قدسیہ کے نام سے اردو زبان میں ایک مجموعہ ترتیب دیا، اس کی ترتیب میں منہج اور طریقہ کیا رہا، اس کی انھوں نے عرض مرتب کے نام سے لکھی گئی تحریر میں وضاحت کر دی ہے۔

انھوں نے لکھا ہے کہ اس مجموعے کی زیادہ تر احادیث صحت کے اعلیٰ درجے پہ ہیں، عموماً متفق علیہ ہیں یا پھر صحیحین میں سے کسی ایک کی

ہیں، اگر ان کے علاوہ کسی اور کتاب کی ہیں تو پھر صحت کی پوری تحقیق کے بعد ہی اس کو درج کیا گیا ہے۔ ۱۰ سے کم احادیث ایسی ہیں جن کو محدثین نے حسن کہا ہے، البتہ تین حدیثیں ایسی بھی ہیں جن کو بعض تشددین نے ضعیف کہا ہے مگر وہ بھی متابعات و شواہد کی وجہ سے قوی ہیں۔ ۱۳ مختلف عنوانات کے تحت احادیث کو جمع کیا گیا ہے۔ وہ عنوانات یہ ہیں:

عقیدہ ایمان، عظمت پروردگار، رحمت و مغفرت، جنت و دوزخ، عظمت مصطفیٰ، انبیاء و مرسلین، شفاعت، امت محمدیہ کی فضیلت، اولیاء و صالحین کا مرتبہ، شہدا کا مرتبہ اور جہاد کی فضیلت، اعمال صالحہ کی فضیلت، گناہوں کا انجام۔

اس مجموعے میں احادیث کی کل تعداد کتنی ہے، اس کی صراحت نہیں کی گئی ہے، میرے شمار کے مطابق کل ۱۰۲ احادیث ہیں، اگر آئندہ ایڈیشن میں احادیث کی نمبرنگ کر دی جائے تو بہتر ہوگا۔

اصل کتاب کے علاوہ مرتب کی طرف سے عرض مرتب کے علاوہ احادیث قدسیہ کے حوالے سے ایک مبسوط مقدمہ ہے جس میں حدیث کے معنی و مفہوم، قرآن کریم اور احادیث قدسیہ میں فرق، حدیث قدسی کے اقسام، ان کی تعداد، ان کے موضوعات، موضوع احادیث قدسیہ اور موضوع کی بعض اہم کتابوں کو بیان کیا ہے۔ اس کے علاوہ مؤلف کے دوست اور فاضل ازہر مولانا منظر الاسلام ازہری نے احادیث قدسیہ اور صفات باری کے عنوان سے ایک مبسوط علمی مقدمہ لکھا ہے۔ چوں کہ احادیث قدسیہ میں صفات باری کا ذکر بکثرت آیا ہے اور ان صفات کا ذکر کثرت سے آیا ہے، جو تشبیہ کا وہم پیدا کرنے والی ہیں، اس لیے اس مقدمے کا ہونا ضروری تھا۔ انھوں نے پوری علمی تحقیق کے ساتھ صفات باری کے حوالے اہل سنت کے موقف کو واضح کیا ہے اور اہل بدعت کے نظریات کی کمزوریوں کو اجاگر کیا ہے۔ خود مؤلف کے مقدمے اور پھر مولانا منظر الاسلام کے مقدمے کے ساتھ یہ مجموعہ بہت ہی دقیق ہو گیا ہے اور کم از کم ہندوستانی سطح پر احادیث کے ذخیرے میں یقیناً یہ قیمتی اضافہ ہے۔ احادیث کا کوئی بھی طالب علم اس کتاب کے علمی مباحث اور صحیح احادیث قدسیہ کے انتخاب کو دیکھنے کے بعد اس کتاب کی ضرورت و اہمیت کا قائل ہوئے بنا نہیں رہ سکتا۔ اس بیش قیمت کتاب کو جو ۱۷۸ صفحات پر مشتمل ہے، تاج اللؤلؤ اکیڈمی نے شائع کیا ہے۔



## خیر آبادیات:

علامہ اسید الحق قادری نے یوں تو جس موضوع پر بھی قلم اٹھایا، تحقیق کا حق ادا کر دیا، لیکن ان کی تحقیقی کاوشوں میں ان کی یہ کوشش ان کے اعلیٰ تاریخی شعور کی غماز ہے۔ خیر آبادی سلسلہ علم و فضل کے احوال و آثار پر یہ ایک انوکھی کاوش ہے، جس وقت یہ کتاب اہل علم کے درمیان پہنچی، ہاتھوں ہاتھ لی گئی اور اس کتاب کی انفرادیت پر گفتگو شروع ہو گئی اور بڑے بڑے اہل علم و فضل کتاب کی خصوصیتوں کی بنا پر اپنی گرامی قدر آرا سے نوازا۔ کتاب کا انتساب سلسلہ خیر آباد کے عناصر اربعہ علامہ عبدالحق خیر آبادی، مولانا عبدالقادر بدایونی، استاذ الاساتذہ، مولانا ہدایت اللہ رام پوری اور مولانا فیض الحسن سہارنپوری کی طرف کیا گیا ہے۔ مصنف کے ”اظہاریہ“ ”دعائیہ کلمات“ ”خیر آبادیات میری نظر میں“ اور اس طرح کے دوسرے متعلقات کتاب کے علاوہ کتاب میں خیر البلاد خیر آباد، خانوادہ خیر آباد، خانوادہ خیر آباد کی اہل علم خواتین، مدرسہ خیر آباد، خیر آبادی طریقہ درس اور اس کی خصوصیات، خیر آبادی اساتذہ کی شفقت، خیر آبادی تلامذہ کی عقیدت، استاد بھائی کا رشتہ، بدایوں میں سلسلہ خیر آباد، کتب خانہ قادریہ میں خیر آبادی نوادر، فضل حق، فضل رسول اور آزرده، علامہ فضل حق خیر آبادی اور حافظ محمد علی خیر آبادی، علامہ فضل حق خیر آبادی اور شاہ اسماعیل دہلوی، علامہ فضل حق کے بارے میں بعض بے بنیاد روایتیں، علامہ فضل حق خیر آبادی اور سید حیدر علی ٹونگی، علامہ فضل حق خیر آبادی اور مفتی سعد اللہ مراد آبادی، علامہ فضل حق خیر آبادی کے علمی معرکے، مولانا عبدالحق خیر آبادی اور ان کے تلامذہ کے علمی معرکے، لطائف خیر آباد، انڈمان کا ایک سفر، خیر آبادیات پر تحقیقی، تصنیفی اور اشاعتی کام جیسے عنوانات پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے اور پورے تاریخی تسلسل کے واقعات کو تحریر کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ کتاب کے اخیر میں دو ضمیمے بھی شامل اشاعت ہیں، ایک ضمیمہ مولانا فضل رسول بدایونی اور سید حیدر علی کی مناقشات سے متعلق ہے جب کہ دوسرے ضمیمے میں حدود مناظرہ دہلی ہے۔

اظہاریہ میں مولف نے کتاب کی تالیف کے پس منظر اور پھر علمی منہج کے حوالے سے گفتگو کی ہے اور کتاب کی مختلف خصوصیات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ چنانچہ اس کتاب میں کچھ معلومات وہ ہیں جو شاید پہلی بار

منظر پر آئے۔ مثلاً مفتی سعد اللہ مراد آبادی کے ساتھ علامہ فضل حق خیر آبادی کی معرکہ آرائی، علامہ فضل رسول بدایونی اور مفتی صدر الدین آزرده کے باہمی علمی مناقشات کی تفصیلات وغیرہ جو مباحث پرانے ہیں، ان میں بھی اضافے یا پھر نئے انداز ان کو پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے جس کی بنا پر ان قدیم مباحث پر بھی نیا خول چڑھ گیا ہے۔ یہی نہیں بلکہ کتاب کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ پامال شدہ واقعات کے اعادے سے کتاب کو بالکل پاک رکھا گیا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ریسرچ اور تحقیق کے اصول پر یہ کتاب پوری طرح منطبق ہے۔ ریسرچ کا مقصد ہوتا ہے نئے عنوان پر کام کرنا یا پھر پرانے عنوان نئے مباحث کا اضافہ کرنا۔ اس مقصد کی روشنی میں یہ بات پورے وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ یہ کتاب ریسرچ کے دونوں مقاصد کو پوری کرنے والی ہے۔

## عربی محاورات:

علامہ اسید الحق قادری کو علوم عربیہ سے گہرا شغف تھا اور ان کے اس ذوق پر شہادت کے لیے فرزدق تسمی کا قصیدہ میمبہ نامی کتاب ہی کافی ہے۔ ان کے اسی ذوق کی نمائندہ ایک دوسری کتاب بھی ہے جس کا نام ہے عربی محاورات۔

اصل کتاب سے پہلے اظہاریہ ہے جس میں انھوں نے کتاب کی تالیف کا پس منظر بیان کیا ہے اور پھر منہج ترتیب و تالیف پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ اس کے بعد ڈاکٹر ابراہیم محمد ابراہیم صدر شعبہ اردو جامعہ ازہر مصر کی تقریظ ہے جس میں انھوں نے کتاب کی اہمیت و افادیت اور اس کی خصوصیات پر گفتگو کی ہے۔ ان کے علاوہ ڈاکٹر عصام ابو غریبہ پروفیسر قاہرہ یونیورسٹی، قاہرہ مصر کی بھی تقریظ ہے جس میں انھوں نے مولف سے اپنے تعلقات کی شکل کا ذکر کیا ہے اور پھر مولف کی طالب علم کی حیثیت سے اعلیٰ خصوصیات کا تذکرہ کیا ہے اور دعاؤں سے نوازا ہے۔ ان دونوں عالم عرب کے اساتذہ کے علاوہ ڈاکٹر مصطفیٰ شریف صدر شعبہ عربی عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد کی تقریظ بھی شامل ہے۔ اس کے بعد عربی اور اردو محاورات، تحقیق و تجزیہ کے عنوان سے ایک مبسوط مقدمہ ہے جو علمی اور تحقیقی لحاظ سے کتاب کی جان ہے۔ اس مقدمے کو پڑھنے کے بعد عربی اور اردو زبان و ادب کی بلاغتوں اور اس کی نزاکتوں سے ان کی گہری آشنائی کا اندازہ ہوتا ہے اور مقارناتی

ادب پر ان کی دسترس کا ثبوت ملتا ہے۔ ادب مقارن کے دل دادگان لیے یہ مقدمہ لازمی مطالعے کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسی مقدمے کے بعد انھوں نے پوری دیانت داری کے ساتھ اس کی ترتیب میں جن کتابوں سے انھوں نے استفادہ کیا تھا، ان کا ذکر کیا اور منہج پر بھی تفصیل کے ساتھ گفتگو کی ہے۔ اس کے بعد اصل کتاب یعنی عربی محاورات کو ذکر کر کے اردو میں اس کا متبادل ذکر کیا ہے اور اس کا ترجمہ کیا ہے۔

یہ محاورات دو ابواب پر منقسم ہیں؛ پہلے باب میں ان محاورات کو ذکر کیا گیا ہے جن کی ابتدا فعل سے ہوتی ہے جب کہ دوسرے باب میں ان محاورات کو ذکر کیا گیا ہے جو جملہ اسمیہ ہیں یا پھر مرکب ناقص۔ ان محاورات کے مطالعے سے خود میری معلومات میں وسعت پیدا ہوئی اور مجھے یقین ہے کہ عربی زبان و ادب کے اسکالرز و طلبہ اگر اس کتاب کا مطالعہ کر لیں تو ضرور ان کی ادبی و لسانی قوت میں اضافہ ہوگا۔ خود مترجمین کے اندر ترجمہ کی صلاحیتوں میں نکھار پیدا ہوگا۔ انشا کی غلطیوں سے بچیں گے اور ترجمہ کی راہ کی تاریکیوں میں یہ کتاب منارۃ نور ثابت ہوگی۔

### تذکرہ ماجد:

یہ کتاب علامہ اسید الحق قادری کی مولانا عبد الماجد بدایونی پر ایک تحقیقی مقالہ اور دیگر چند اہل علم و تاریخ کے مقالات کا مجموعہ ہے۔ مولانا قادری کا جو مقالہ اس کتاب میں شامل ہے، یہ مقالہ جام نور میں چھپ چکا ہے۔ ان کے علاوہ دیگر اہل علم کے مضامین، ملک کے دیگر معروف جرائد و رسائل اور کتابوں سے ماخوذ ہیں۔ اس کتاب کے ذریعے مولانا عبد الماجد بدایونی کی شخصیت، سیرت اور خدمات علمی و ملی کی واضح تصویر قارئین کے سامنے آتی ہے۔ یہ کتاب پہلی بار تاج الحول اکیڈمی سے ۲۰۰۹ء میں چھپی ہے۔ ۱۲۶ صفحات پر مشتمل ہے۔

### مفتی لطف بدایونی: شخصیت اور شاعری:

مفتی اکرام احمد لطف قادری بدایونی کی شخصیت اور شاعری علامہ اسید کی ایک اہم تالیف ہے، جس میں شخصیت اور شاعری کے ساتھ ساتھ ان کے کلام کا ایک انتخاب بھی شامل اشاعت کر لیا گیا ہے۔ شخصیت و شاعری کے تعلق سے آل احمد سرور، مولانا عبد البہادی قادری، اور ابراہیم علی صدیقی کے تین اہم مضامین بھی شامل کتاب ہیں، جن سے

مفتی لطف بدایونی کی شخصیت اور کمالات شاعری کے اہم پہلو کا انکشاف ہوتا ہے۔ پوری کتاب ۱۲۸ صفحات پر مشتمل ہے جس کی پہلی اشاعت ۲۰۱۰ء میں تاج الحول اکیڈمی بدایوں سے شائع ہوئی۔

### تذکرہ شمس مارہرہ:

شمس مارہرہ حضرت اچھے میاں مارہروی قدس سرہ کی حیات زندگی، افکار اور تعلیمات پر یہ ایک اہم تالیف ہے۔ یہ کتاب علامہ اسید الحق کے دو مقالات کا مجموعہ ہے جو دو الگ الگ رسائل میں شائع ہوئے، لیکن بعد میں یہ دونوں مقالے کتابی صورت میں اہم اضافے کے ساتھ سامنے آئے۔ یہ کتاب شمس مارہرہ کی روحانی و عملی زندگی کو جاننے کے لیے ایک اہم تصنیف کی اہمیت رکھتی ہے۔ ضخامت مختصر ہے، لیکن جامعیت اور معلومات کا شاہکار ہے۔

### اسلام: ایک تعارف:

یہ کتاب علامہ اسید الحق قادری بدایونی نے برادران وطن کی تفہیم اور ذہنی سطح کا خیال کر کے تصنیف کیا۔ اس لیے نہایت سادہ اور آسان زبان میں اسلام اور پیغام اسلام کو پیش کیا گیا ہے۔ ۳۲ صفحات پر مشتمل مختصر ضخامت کی یہ کتاب مبلغین اور داعیان اسلام کے لیے ایک اہم تحفہ ہے جس کے ذریعے وہ اسلام کی اشاعت اور تعارف ہر جگہ اچھے انداز میں انجام دے سکتے ہیں۔ اسی اہمیت و افادیت کے پیش نظر ہندی، انگلش، مراٹھی، گجراتی اور تمل زبانوں میں شائع ہو چکی ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اسے زیادہ سے زیادہ شائع کیا جائے۔

علامہ اسید الحق قادری کی یہ چند اہم علمی و ادبی تحقیقی و تنقیدی کتابیں تھیں جن کا ایک سرسری تعارف پیش کیا گیا ہے۔ یہ ان کی کتابوں کا حقیقی تجزیہ نہیں ہے بلکہ یہ صرف چند نقوش ہیں جن کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ان کی تمام کتابوں کے مطالعے سے بنفس نفیس میں نے خود بہت کچھ سیکھا ہے، استفادہ کیا ہے اور ان کی تصنیفات آئندہ علم و تحقیق سے تعلق رکھنے والوں کو اپنی طرف متوجہ کرتی رہیں گی۔ ان سے خود میرے ذاتی تعلقات تھے۔ وہ ہمارے تمام احباب کے کرم فرما تھے۔ خود صالح تھے اور ہمیشہ صلاح پر ابھارتے تھے۔ خود مثبت اور تعمیری سوچ کے حامل تھے اور ہم لوگوں کو بھی اس کی طرف رہنمائی کرتے تھے۔ □□□

☆ استاذ: جامعہ عارفیہ، سید سراواں، کوشامی، الہ آباد (یوپی)

# عالم ربانی کے مقالات و مضامین: ایک تعارف

شیخ صاحب کے قلمی سفر کے دو دور ہیں۔ دور اول از ابتدا اور مصر جانے سے پہلے ستمبر ۱۹۹۹ء تک ہے۔ دور دوم مصر جانے کے بعد دسمبر ۲۰۱۳ء تک ہے۔ جنوری، فروری ۲۰۱۳ء میں حدیث افتراق امت پر ایک ہم عصر فاضل سے علمی گفتگو کرنے کے لیے ایک خط لکھا تھا باقی وقت کیرالہ، کرناٹک اور بمبئی، پھونڈ شریف کے علمی سیمینار اور گھریلو پروگرام وغیرہ میں گزرا۔ اس کے علاوہ شب و روز کتب اسلاف کی تحقیق و تخریج وغیرہ محبوب مشغلہ تھا اس میں لگے رہے۔ سیف الجبار پر کام مکمل ہو چکا تھا۔ سفر بغداد سے واپسی پر سیف الجبار پر تاریخ و ہابیت سے متعلق تین سو صفحات پر مشتمل مقدمہ لکھنا تھا۔ اس کے علاوہ راقم سطور کی مرتب کردہ کتاب ”تذکرہ مشائخ قادریہ مجددیہ شرافتہ“ پر بھی تصوف کے حوالے سے طویل مقدمہ لکھنے کا ارادہ تھا۔ دور اول کے مقالات سے صرف نظر کرتے ہوئے فی الحال دور ثانی کے مقالات کا تعارف ہدیہ قارئین ہے۔ شیخ صاحب نے زیادہ تر مقالات اپنے دوست مولانا خوشتر نورانی چیف ایڈیٹر ماہ نامہ جام نور دہلی کی فرمائش پر جام نور کے لیے لکھے۔ چند مقالے ایسے ہیں جو کسی دوسرے رسالے کے لیے لکھے۔ چھبیس مقالات کا مجموعہ بنام تحقیق و تفہیم کتابی شکل میں ہمارے سامنے موجود ہے۔ باقی مقالات کی تعداد تیس ہے۔ کل مقالات ہمارے دسترس اور تحقیق کے مطابق ۵۶ ہیں جن کی فہرست یہ ہے۔

- ۱۔ کیا عالم عرب کے دینی جامعات میں صرف عربی زبان پر ہی زور دیا جاتا ہے؟ ۲۹۔ ابوریحان البیرونی ۳۔ علامہ سید محمد علوی مکی مالکی: حیات و خدمات ۴۔ الحاد سے ایمان تک ۵۔ مجاہد آزادی مولانا عبد الماجد بدایونی: حیات و خدمات ۶۔ احادیث قدسیہ: ایک تحقیقی جائزہ ۷۔ نزول کے اعتبار سے قرآن کریم کی آخری آیت ۸۔ خدا کی طرف واپسی ۹۔ عصر حاضر میں مطالعہ سیرت کی معنویت، اہمیت اور جہت

اس دنیا میں لوگ آتے رہتے ہیں اور جاتے رہتے ہیں۔ یہ سلسلہ سیدنا ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام سے جاری ہے اور قیامت تک جاری و ساری رہے گا۔ اب تک لا تعداد انسان دنیا میں آئے اور اپنی حیات مستعار کا محدود وقت گزار کر اس دنیا سے چلے گئے۔ مگر تاریخ اسلام کا نادر نمونہ بننے کی سعادت ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتی۔ یہ خوش بختی اور سعادت جن لوگوں کو نصیب ہوتی ہے حساس اور دردمند دل ان کے دنیا سے چلے جانے کے بعد بھی انہیں یاد رکھتے ہیں اور ان کی کمی ہمیشہ محسوس ہوتی ہے۔ برصغیر کی تاریخ اسلام کے ایسے ہی نمائندہ اور عبقری شخصیات میں ایک اہم نام شہید راہ بغداد، مظہر علوم سیف اللہ المسلول، نبیرہ تاج اللؤلؤ، عالم ربانی حضرت علامہ شیخ اسد الحق قادری ازہری محدث بدایونی بھی ہیں۔

چند سال کے مختصر عرصے میں وہ کر دکھایا جو دوسرے لوگ اپنی تمام عمر میں بھی نہیں کر پاتے ہیں۔ شیخ صاحب کی زندگی ہمہ جہت تھی۔ شیخ صاحب کی زندگی کو میں نے بہت قریب سے دیکھا ہے، آپ وسیع المطالعہ عالم دین، ماہر مدرس، عربی و فارسی اور اردو کے صاحب طرز ادیب، قادر الکلام شاعر، تصوف و سلوک اور روحانیت و معرفت سے سرشار، بیدار مغز، باشعور صوفی غرض یہ کہ ہر حیثیت سے آپ جامع کمالات اور عبقری شخصیت تھے۔ خداوند قدوس نے شیخ صاحب کو تصنیف و تالیف، تحقیق و تخریج، تسہیل و تذہیب، تجزیہ و ترتیب جدید کا زبردست شعور بخشا تھا۔ آپ نے اپنے پیچھے قلمی خدمات کا ایک ذخیرہ چھوڑا ہے۔ آپ کی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ تصانیف ایک درجن سے زائد ہیں اور مدرسہ قادریہ کے اکابر علماء کی سو سے زائد کتب جدید تقاضوں کے مطابق آپ منظر عام پر لائے۔ سردست ہمارا موضوع آپ کی قلمی خدمات کا وہ حصہ ہے جو مقالات کی شکل میں ہے۔



۱۰- تحفظ توحید کے نام پر کتب اسلاف میں تحریف ۱۱- مطبع اہل سنت و جماعت بریلی تاریخی پس منظر اور اشاعتی خدمات ۱۲- کشف الظنون عن اسامی الکتب والفتون ۱۳- عربی محاورات کا تقابلی جائزہ ۱۴- ہم نامی کا مغالطہ ۱۵- تشہد کے سلسلے میں ایک مغالطے کا تحقیقی جائزہ ۱۶- کیا رسول ﷺ امت کے احوال سے باخبر ہیں ۱۷- تبرک بالآثار کے خلاف ایک روایت کا علمی جائزہ ۱۸- متن حدیث کی بازیافت ۱۹- حدیث عمامہ پر ایک شبہ اور اس کا ازالہ ۲۰- فقہ حنفی اور عمل بالحدیث ۲۱- ائمہ مجتہدین پر ترک حدیث کا الزام ۲۲- مصنف ابن ابی شیبہ اور فقہ حنفی ۲۳- علامہ یوسف القرضاوی اور جماعت سلفیہ ۲۴- رفع یدین کے مسئلہ پر ایک دلچسپ مباحثہ ۲۵- کیا موجودہ تصوف خالص اسلامی ہے؟ ۲۶- شیخ بہاء الدین شطاری اور رسالہ شطاریہ ۲۷- خانوادہ برکاتیہ اور فیضان چشت ۲۸- دعوت و تبلیغ کے لئے خانقاہی نظام کتنا مؤثر ہے؟ ۲۹- آج اہل خانقاہ کی نئی نسل تعلیم سے دور کیوں ہے؟ ۳۰- جماعت اہل سنت کا حقیقی تعارف کیا ہے؟ ۳۱- دینی کام کا معنی اور اس کے تقاضے کیا ہیں؟ ۳۲- لبیک اللہ لبیک ۳۳- مولانا ابوالکلام آزاد کا تسامح ۳۴- دہر میں اسم محمد سے اجالا کر دے ۳۵- کچھ لمحے امیر دعوت اسلامی کے ساتھ ۳۶- شمس مارہرہ اور رسالہ آداب السالکین ۳۷- تقریروں میں موضوع روایات: ایک لمحہ فکریہ! ۳۸- فضل حق، فضل رسول اور آزرہ ۳۹- ہم نے دیکھا پاکستان ۴۰- مولانا عبدالحق خیرآبادی اور ان کے تلامذہ کے علمی معرکے ۴۱- خانوادہ خیرآبادی کی اہل علم خواتین ۴۲- علامہ فضل حق خیرآبادی کے بارے میں بعض بے بنیاد روایتیں ۴۳- علامہ فضل حق خیرآبادی کے بارے میں بعض روایات کا تحقیقی جائزہ ۴۴- علامہ فضل حق خیرآبادی اور شاہ اسماعیل دہلوی ۴۵- عربی محاورات و تعبیرات ایک جائزہ ۴۶- سند محکمین مولانا حیدر علی فیض آبادی ۴۷- فرزدق تمیمی کا قصیدہ مہمیہ ایک تحقیقی مطالعہ ۴۸- خانوادہ قادریہ بدایوں اور خانوادہ علمیہ: تعلقات و روابط ۴۹- قصیدہ بانٹ سعاد: ایک مطالعہ ۵۰- مولانا عبدالحامد بدایونی اور تحریک تحفظ گنبد خضرا ۵۱- شمس مارہرہ اور سراج الہند ۵۲- شرح قصیدتان رائعتان: ایک تنقیدی مطالعہ ۵۳- تو کجا بہر تماشا می روی ۵۴- شب جائے کہ من بودم ۵۵- حدیث افتراق امت تحقیقی مطالعہ کی روشنی میں ۵۶- قرآن کریم کی سائنسی تفسیر ایک

تنقیدی مطالعہ-

حضرت علامہ ارشد القادری متوفی ۲۰۰۲ء کے وصال کے بعد ان کے علمی و فکری جانشین مولانا خوشتر نورانی نے جام نور کا احیا کیا اور تقریباً تین سو صفحات پر مشتمل رییس القلم نمبر شائع کیا۔ اس کے بعد ستمبر ۲۰۰۲ء سے ماہ نامہ جام نور تو اتر کے ساتھ مذہبی صحافت کی خدمت کر رہا ہے۔

(۱) کیا عالم عرب کے دینی جامعات میں صرف عربی زبان پر ہی

زور دیا جاتا ہے؟

میری تحقیق کے مطابق ممتاز محقق و ناقد، عالم ربانی حضرت علامہ شیخ اسید الحق قادری نے پہلی بار بزم جام نور میں باضابطہ ستمبر ۲۰۰۳ء میں شرکت کی۔ اس سے قبل منظومات کے کالم میں حاضری درج کرا رہے تھے۔ اس مقالے کا خلاصہ یہ ہے کہ جامعہ ازہر شریف مصر کے نصاب تعلیم اور نظام درس و تدریس اور ہندوستانی نظام و نصاب تعلیم میں کیا بنیادی فرق ہے۔ جامعہ ازہر کے کلیہ اصول الدین کا تعارف مع شعبہ جات پیش کیا ہے اور چند مثالیں بھی دی ہیں۔ اس کو وہی سمجھ سکتا ہے جو محمد و ذہن و فکر کا حامل نہ ہو۔ ہندوستانی اور مصری تعلیم کا خلاصہ بلفظ دیگر یہ ہے کہ ہندوستانی مدارس میں تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ لکیر کے فقیر بن جاتے ہیں۔ برخلاف ازہر شریف کے وہاں کی تعلیم سے جدید تحقیق کا مزاج پیدا ہوتا ہے اور نئے جہان آشکار ہوتے ہیں۔

(۲) ابوریحان البیرونی:

یہ مضمون شخصیات اسلام کے کالم میں جون ۲۰۰۴ء میں جام نور میں شائع ہوا جس میں البیرونی کے حالات زندگی، علوم و فنون اور سات تصانیف کا تفصیلی تعارف پیش کیا ہے۔ اس مقالے کی تیاری میں دائرۃ المعارف الاسلامیہ، مقدمہ تحقیق مالہند اور الوافی بالوفیات سے بھرپور استفادہ کیا ہے۔ تاریخی اور تحقیقی مزاج رکھنے والوں کی رہنمائی کے لیے البیرونی کے تفصیلی حالات جاننے کے لیے دس کتابوں کے نام بھی دیے ہیں۔

(۳) حضرت علامہ سید محمد علوی کی مالکی حیات و خدمات

یہ مضمون جام نور جنوری ۲۰۰۵ء میں شخصیات اسلام کے کالم میں شائع ہوا۔ عالمی شہرت یافتہ عالم دین، ممتاز صوتی، درجنوں کتابوں کے مصنف حضرت علوی صاحب کی حیات و خدمات اور ہمہ جہت شخصیت



پر خامہ فرسائی کی ہے۔ یہ مضمون درحقیقت جدہ سعودی عرب کے ایک اخبار کے مضمون کا اردو ترجمہ ہے۔

### (۴) الحاد سے ایمان تک:

یہ مضمون دو قسطوں میں فروری، مارچ ۲۰۰۵ء میں جام نور میں شائع ہوا تھا۔ اس میں ایک امریکی نو مسلم ڈاکٹر جیفری لینگ کا الحاد سے ایمان یعنی عیسائیت چھوڑ کر اسلام قبول کرنے کی داستان ہے۔ یہ عربی سے اردو ترجمہ ہے۔ اس کے ذیلی عنوانات سے ظاہر ہے کہ اس کا مطالعہ ہر مسلمان کے لئے مفید ہے۔ مثلاً زمانہ الحاد میں ذہنی اور قلبی کیفیات، ملحد اور مومن کی کیفیات میں فرق وغیرہ۔

### (۵) مجاہد آزادی مولانا عبدالماجد عثمانی بدایونی: حیات و خدمات:

جام نور اکتوبر ۲۰۰۸ء میں شخصیات اسلام کے کالم میں شیخ صاحب نے اپنے عثمانی خاندان کے ایک فرزند کی مجاہدانہ کارناموں پر خامہ فرسائی کی ہے۔ اس موضوع پر شیخ صاحب کی مرتب کردہ کتاب ”تذکرہ ماجد“ بھی ہے۔ تفصیلی حالات کے لیے اس کا مطالعہ کریں، جو تاج اللہول اکیڈمی بدایوں کے زیر اہتمام ۲۰۰۸ء میں شائع ہوئی۔

### (۶) احادیث قدسیہ: ایک تحقیقی جائزہ:

یہ تحقیقی مقالہ نومبر ۲۰۰۸ء میں پس منظر کے کالم میں بارہ صفحات پر مشتمل شائع ہوا جس میں حدیث قدسی کا معنی اور تعریف قرآن کریم اور احادیث قدسیہ میں فرق، حدیث قدسی کے اقسام، احادیث قدسیہ کی تعداد، حدیث قدسیہ کے موضوعات، عظمت و تقدیس الہی، اعمال کا ثواب، نیکیوں کی جزا اور احادیث قدسیہ پر بعض اہم کتابیں۔ ان تمام موضوعات پر تفصیلی اور تحقیقی گفتگو کی ہے۔

اس موضوع پر آپ کی ایک مستقل کتاب احادیث قدسیہ بھی موجود ہے۔ یہ چھ مضامین وہ ہیں جو تحقیق و تفہیم میں شامل نہیں ہیں۔ شیخ صاحب کے چھبیس مقالات کا مجموعہ تحقیق و تفہیم ہے۔

### (۷) نزول کے اہل ہمارے قرآن کریم کی آخری آیت:

شیخ صاحب نے اس میں علوم القرآن والحدیث کی چھن کتابوں کے حوالے سے نہایت تحقیقی اور علمی گفتگو کی ہے۔ اس بحث سے کیا فائدہ ہے اس کے ثبوت میں عبدالعظیم زرقانی کی کتاب مناہل العرفان کے حوالے سے تین فوائد نقل کیے ہیں۔ محدثین و مفسرین کے آٹھ اقوال

ہیں کہ کون سی سورت یا آیت آخری ہے۔ ساری روایتیں اور سب کے دلائل نقل کیے ہیں۔ پھر اس میں متضاد روایتوں میں تطبیق پیدا کی ہے۔ آخر میں لکھتے ہیں ”اس سلسلے میں گہرے مطالعے کے بعد ہم بھی اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۲۸۱ و اتقوا ابو مائر جعون فیہ الی اللہ مطلقاً قرآن کی آخری آیت ہے اس آیت کو باعتبار نزول آخری آیت ماننے پر تین اسباب ترجیح بھی ذکر کئے ہیں جو مقالہ نگار کی وسعت علمی پر دال ہے۔“

### (۸) خدا کی طرف واپسی:

یہ مقالہ شیخ صاحب نے ”نیواتج ویزن“ کے لیے لکھا ہے۔ اس میں شیخ صاحب نے انسانیت کی فلاح و بہبود اور ابدی کامیابی کی طرف توجہ دلائی ہے اور ثابت کیا ہے کہ آج کا ترقی یافتہ انسان اسی وقت عزت و اقتدار حاصل کر سکتا ہے جب اس کا رشتہ اس کے معبود سے مضبوط سے مضبوط تر ہوگا۔ اس سلسلے میں آپ لکھتے ہیں:

”عصر حاضر میں انسان کی سب سے بڑی پرالہم اس کی اپنی فطرت سے جنگ ہے۔ یہ اسی جنگ کا نتیجہ ہے کہ مادی طور پر تاریخ انسانی کا سب سے ترقی یافتہ اور طاقتور انسان بے چینی اور بے اطمینانی کا شکار ہے۔“

پھر انسان کو چین و سکون کیسے حاصل ہوگا آپ رقم طراز ہیں: ”مادیت پر مبنی الحادی نظریات کی شکست ہو چکی ہے اور آج کا انسان ایک بار پھر اپنے انہیں فطری تقاضوں کا سرا تلاش کر رہا ہے اور رتیزی کے ساتھ واپس خالق حقیقی کی طرف لوٹ رہا ہے۔ اگر دنیا کا کوئی انسان اسلام قبول کر رہا ہے تو یہ دخول نہیں ہے بلکہ رجوع ہے۔ یہ ہے خدا کی طرف واپسی۔“

### (۹) عصر حاضر میں مطالعہ سیرت کی محتویات، اہمیت اور بہت:

تحقیق و تفہیم میں اس امر کی صراحت نہیں ہے کہ یہ مضمون جام نور یا کسی اور رسالے میں کب شائع ہوا۔ اس مضمون میں اس امر کی طرف توجہ مبذول کرائی گئی ہے کہ سیرت رسول کا مطلب یہ نہیں ہے کہ پیغمبر اسلام کی حیات کو تاریخی تسلسل اور جغرافیائی پس منظر میں سمجھ لیا جائے۔ آپ کی ولادت کب ہوئی، کس طرح پرورش ہوئی، پہلی وحی کب نازل ہوئی، ہجرت کا واقعہ کیا ہے، غزوات کو بحیثیت واقعات پڑھ لیا جائے اور

چند معجزات رٹ لیے جائیں۔ شیخ صاحب رقم طراز ہیں:

”بلکہ سیرت کے معنی و مفہوم کی حدیں اس سے بہت آگے ہیں۔ سیرت قرآنی تعلیمات کی عملی تصویر کا نام ہے۔ اسلامی عقائد، اسلامی اعمال، اسلامی اخلاق، فرد کا نظام حیات، معاشرہ کے مسائل، بین الاقوامی تعلقات و روابط، امن کے تقاضے، جنگی قانون اور اس کے علاوہ انسانیت کی ضروریات کے تمام مسائل اور ان کا حل سیرت رسول ﷺ میں موجود ہے۔ سیرت طیبہ کو اسی وسیع مفہوم میں اسوۂ حسنہ قرار دیا گیا ہے۔“

سیرت رسول ﷺ کے مثبت پہلو پر عصر حاضر کے مطابق تفصیلی گفتگو کی ہے۔ قوم مسلم کو ان بعض حرکات کی طرف بھی توجہ مبذول کرانی ہے جو سیرت رسول ﷺ کے متعلق نہیں ہے اور لوگ اس فعل کو سیرت کا جزء سمجھتے ہیں۔ اس مضمون کا خلاصہ کلام یہ ہے کہ سیرت رسول ﷺ کے تمام پہلوؤں کو اجاگر کیا جائے اور نا آشنا قلوب و اذہان کو سیرت کی نئی دنیا کی سیر کرانی چاہیے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ انسانیت ہر طرح کی کامیابی اور رہنمائی تا قیامت سیرت رسول ﷺ میں مضمر ہے۔

### (۱۰) مختصر توحید کے نام پر کتب اسلاف میں تحریف:

یہ مضمون جام نور دسمبر ۲۰۰۷ء اور جنوری ۲۰۰۸ء میں دو قسطوں میں شائع ہوا۔ شیخ صاحب نے مقالے کے شروع میں لکھا ہے کہ لیبیا کے ایک جلیل القدر عالم اور عظیم شیخ طریقت حضرت سید یوسف عبداللہ الجوراحسینی نے از ہر شریف کے طلبہ کو دوران درس اس طرف توجہ دلائی اس تفصیلی گفتگو کے بعد شیخ صاحب نے کتب اسلاف میں تحریف، تلفیق اور تلبیس کے پانچ مقاصد ذکر کیے ہیں۔ کتب اسلاف میں تحریف کرنا یہ وہابیہ غیر مقلدین کا محبوب مشغلہ ہے جو وہ عبادت سمجھ کر کر رہے ہیں۔ اس مقالے میں صرف سات کتابوں کی مثالوں پر اکتفا کیا ہے۔ اور ان میں جو تحریفات کی گئی ہیں ان کو مع حوالہ دلیل مفصل بیان کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

”امام الہند، حکیم الامت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور ان کے عظیم الشان خانوادے کے علما کی تصنیفات میں جو تحریف، الحاق اور حذف و اضافات کیے گئے ہیں وہ ایسا وسیع موضوع ہے جو مستقل ایک مقالے کا متقاضی ہے۔“

شاہ صاحب کی کتاب تمہمات میں جو تحریف کی گئی ہے تقریباً

نصف دو جن سے زائد مثالیں تحریف کی پیش کی ہیں۔ اس مقالے کی تیاری میں اکیس مراجع و مصادر کا انتخاب کیا گیا ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ شیخ صاحب کا تحقیقی اور علمی معیار کتنا بلند ہے۔ اس مقالے کا اختتام اس پیرا گراف پر ہے:

”یہ صرف چند سرسری اشارے ہیں ورنہ کتب اسلاف میں لفظی اور معنوی تحریف کی اور بھی بہت سی مثالیں ہیں یہ کم مایہ راقم سطور (اسید الحق) کا اس موضوع پر اردو اور عربی دونوں زبانوں میں ایک مفصل کتاب لکھنے کا ارادہ ہے۔ کافی مواد جمع ہو چکا ہے اور ہنوز تلاش و تحقیق جاری ہے۔“

دائے حسرتا! شیخ محترم کا یہ ارادہ پایہ تکمیل تک نہیں پہنچ سکا اور بغداد معلیٰ میں علم و فضل کا آفتاب غروب ہو گیا۔

### (۱۱) مطبع اہل سنت و جماعت بریلی، تاریخی پس منظر اور اشاعتی خدمات:

شیخ صاحب کی وسعت فکر اور وسیع القلمی اور تحقیقی مطالعے پر بار بار بار داد دینے کو دل کرتا ہے۔ مقالہ نگار حضرات عام طور پر ایسے موضوع پر مضمون نہیں لکھتے ہیں شیخ صاحب نے ایک سنی پریس کی تاریخ اور اشاعتی خدمات پر جو تحقیقی مقالہ لکھا ہے وہ نہایت قابل غور ہے اور اس سے جماعت اہل سنت کے لئے بے شمار فوائد اور ہدایات منظر عام پر آرہی ہیں۔ اس مقالے کی ذیلی سرخیاں یہ ہیں مطبع کے قیام کا تاریخی پس منظر، مجلس علمائے اہل سنت کا قیام، ارکان مجلس علمائے اہل سنت، مطبع اہل سنت کا قیام، مطبع اہل سنت کا دستور العمل، مطبع اہل سنت کی خدمات کے چار دور، خلاصہ بحث، آخری بات۔

یہ مقالہ سولہ صفحات پر مشتمل ہے جو جام نور مئی ۲۰۰۹ء میں شائع ہوا۔ اس مقالے سے بڑی بڑی جو چند مفید باتیں سامنے آئیں وہ یہ ہیں کہ علمائے اہل سنت نے کتابیں لکھنے کے ساتھ ساتھ ان کی اشاعت پر بھرپور توجہ دی۔ پچیس علمائے اہل سنت نے مل جل کر یہ مطبع قائم کیا اور رقم پوری نہ ہو سکی تو مولانا شاہ عبدالمتقندر بدایونی نے خطیر رقم چندے میں دی۔ اس کے علاوہ سالانہ چندہ متعین کیا اور اپنے وابستگان سے بھی تعاون کرایا، جس سے یہ مطبع وجود میں آیا۔ اتنا بڑا کام ۱۳۱۳ھ میں علمائے بدایوں اور بریلی دونوں کے باہمی تعاون سے وجود میں آیا۔ اس زمانے میں بھی بریلی میں اذان ثانی باہر ہوتی تھی اور بدایوں میں اندر

ہوتی تھی۔ آخری بات کے عنوان سے مزید تحقیقی کام کرنے والوں کو ابھارنے کے لیے شیخ صاحب لکھتے ہیں:

”مطبوع اہل سنت و جماعت کی زیر خدمات کا سرسری جائزہ آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ اس مطبع کی خدمات اس قابل ہیں کہ اس پر باقاعدہ تحقیق کا کام ہو اور اس کی ایک مفصل تاریخ مرتب ہو کر منظر عام پر آئے۔ سع۔ مرد از غیب بروں آید و کارے بکند

یہ مقالہ ۱۲ کتابوں کے مطالعے کے بعد معرض وجود میں آیا ہے۔

### (۱۲) کشف الظنون عن اسامی الکتب والفتون ایک تحقیقی مطالعہ:

یہ علامہ مصطفیٰ بن عبد اللہ المعروف حاجی خلیفہ یا کاتب چلبی کی کتاب ہے۔ حاجی خلیفہ کی یہ کتاب علمی حلقوں میں اجنبی یا محتاج تعارف نہیں ہے۔ یہ کتاب مختلف علوم و فنون کی تعریف اور ان پر لکھی جانے والی مختلف کتابوں کے تعارف و تذکرہ پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کے تعارف میں شیخ صاحب نے لکھا ہے:

”یہ کتاب گیارہویں صدی ہجری کے وسط میں تالیف کی گئی۔

اس کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ

اس کی تالیف کے فوراً بعد سے ہی اس پر تحقیقی کام کا آغاز ہو گیا

تھا جس کے نتیجے میں عالمی زبانوں میں اس کے ترجمے، ذیول

، شروحات اور مختصرات منظر عام پر آئے۔ کشف الظنون طبع

چہارم کے ناشرین کے اعداد و شمار پر اعتماد کیا جائے تو یہ کتاب

تین سو علوم کی تعریف، پندرہ ہزار کتب کے تعارف اور نو ہزار

پانچ سو مصنفین کے تذکرے پر مشتمل ہے۔“

زیر نظر مقالے میں شیخ صاحب نے اس کا جائزہ لیتے ہوئے اس کی فنی خصوصیات، اس کے قلمی اور مطبوعہ نسخوں، اس کے ترجمے اور مختصرات سمیت مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ اس کے بعد ان تمام امور پر مقالے میں سیر حاصل بحث کی ہے جس سے کشف الظنون کی فنی، علمی اور تحقیقی حیثیت اجاگر ہوتی ہے۔ اس مقالے میں حاجی خلیفہ کی سوانح حیات، تعلیم، درس و تدریس، مطالعہ اور تصنیف و تالیف پر تحقیقی گفتگو کی ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ شیخ صاحب نے نہایت دقیق فکر و نظر سے اس کتاب کے ہر پہلو کا مطالعہ کیا۔ یہ مقالہ سترہ حوالوں سے مزین ہے جو جام نور جون ۲۰۰۸ء میں شائع ہوا ہے۔

### (۱۳) عربی اور اردو محاورات کا قلمی جائزہ:

یہ مضمون جام نور جولائی ۲۰۰۳ء میں شائع ہوا۔ یہ مضمون در حقیقت شیخ صاحب کی ایک مستقل کتاب عربی محاورات مع ترجمہ و تعبیرات کا ایک حصہ ہے۔ یہ ایک نہایت علمی اور فنی موضوع ہے جو مقالہ نگار کے لئے یہ ثابت کر رہا ہے کہ وہ عربی زبان و ادب، صرف و نحو اور عربی و اردو محاورات پر اچھی دسترس رکھتا ہے۔ اس کا تفصیلی تعارف شیخ صاحب کی تصنیفات کے ضمن میں ملاحظہ فرمائیں۔

### (۱۴) ہم نامی کا مغالطہ:

یہ مضمون جام نور اگست ۲۰۰۳ء میں شائع ہوا ہے۔ یہ مضمون اس امر پر شاہد عدل ہے کہ حضرت شیخ علوم الحدیث کی ایک شاخ فن اسماء الرجال سے خاصہ شغف رکھتے ہیں اور انہیں اس پر اچھی مہارت حاصل ہے۔ ہمہ و شامی ایسے وادی پر خار میں قدم نہیں رکھتے۔ اس مقالے میں دس مثالوں سے بیس علما کے نام پیش کیے ہیں کہ یہ ہم نام ہیں۔ ان میں کس طرح فرق کیا جائے گا، اس کا کیا قاعدہ اور اصول ہے، ضمنی طور پر اور چند مثالوں پر گفتگو کی ہے۔

### (۱۵) تشہد کے سلسلے میں ایک مغالطے کا تحقیقی جائزہ:

یہ مضمون جام نور مارچ ۲۰۰۹ء میں شائع ہوا۔ کتب احادیث میں محدثین نے تین طرح تشہد کی تخریج کی ہے۔ تشہد ابن مسعود پر مذہب احناف اور مذہب حنبلی میں عمل ہے۔ تشہد ابن عباس کو اکثر شوافع اور امام لیث بن سعد نے اختیار کیا ہے۔ امام مالک کے مذہب میں تشہد ابن عمر پر عمل ہے۔ تینوں تشہد کا مفہوم اور ترتیب ایک ہی ہے۔ تمام روایتوں میں نبی کریم ﷺ کو سلام کے لئے ندا اور خطاب کا صیغہ السلام علیک یا ایہا النبی استعمال کیا گیا ہے۔ یہ بعض حضرات کی تشویش کا باعث ہے۔

وہابیہ غیر مقلدین اس سلسلے میں دو طرح کے مغالطے دیتے ہیں۔ ایک یہ کہ عہد رسالت میں بصیغہ خطاب نبی پر سلام اس لیے کہتے تھے کہ حضور ﷺ سامنے ہوتے تھے۔ دوسرا مغالطہ یہ دیتے ہیں کہ اس سے سلام علی النبی مقصود نہیں ہے بلکہ واقعہ معراج میں اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کے درمیان ہونے والی گفتگو کی حکایت مراد ہے۔ کتب حدیث اور شروحات حدیث کی انیس کتابوں سے دونوں مغالطوں کا جواب دیا



ہے کہ دونوں مغالطے مثل تار عنکبوت ہوا ہیں اور احادیث کی روشنی میں بالکل غلط ہیں۔ انداز جواب نہایت سلیس، شگفتہ اور سنجیدہ ہے۔ علم حدیث اور مختلف روایتوں میں تطبیق کا اندازہ دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شیخ صاحب کی نظر علوم الحدیث میں بہت گہری ہے۔

### (۱۶) ”کیا رسول اللہ ﷺ کے احوال سے باخبر ہیں؟“

یہ مضمون جام نور اگست ۲۰۰۹ء میں شائع ہوا۔ یہ مضمون حضرت علامہ ڈاکٹر سید محمود السید صبح مصر کے بلند پایہ عالم اور وسیع النظر محدث کی کتاب اخطاء ابن تیمیہ فی حق رسول اللہ و اہل بیتہ کی ایک فصل کا ترجمہ ہے۔ دور حاضر کی ایک نئی پیداوار کہ حضور ﷺ کو قبر انور میں امت کے اعمال و احوال کی خبر نہیں ہے کا علمی ردِ بلیغ ہے۔ مخالف نے ایک حدیث مشکل کو بطور دلیل پیش کیا ہے۔ یہ روایت ایسی دلیلوں اور احادیث کے معارض ہے کہ جو اس روایت سے زیادہ قوی بھی ہیں اور کثیر بھی ہیں، جن میں سے چھ روایات مع سند، جرح و تعدیل اور تخریج کے ساتھ نقل کی ہیں۔ ڈاکٹر محمود صبح لکھتے ہیں:

”آخر میں ہم عرض کریں گے کہ مبتدعین کا یہ گروہ جان بوجہ کر یا لاشعوری طور پر ایسی چیزوں اور دلیلوں کی تلاش میں رہتا ہے جس سے نبی مکرم کے مقام و مرتبہ میں کمی ثابت کی جاسکے اور آپ کو ایک ایسے آدمی کی صورت میں پیش کیا جاسکے جو وفات کے بعد اپنے لیے دوسروں کی دعائے مغفرت کا محتاج ہو اور جو اس کی زیارت کرے تو اس کی زیارت سے زائر کو فائدہ نہ ہو بلکہ زائر کی دعا سے صاحب قبر کو فائدہ ہو۔ معاذ اللہ!“

شیخ صاحب نے اتنی خوش اسلوبی سے ترجمہ کیا ہے کہ اگر وہ شروع میں اس کی وضاحت نہ کرتے تو ترجمہ ہونے کا گمان ہی نہیں ہوتا بلکہ مستقل اردو زبان کا مضمون معلوم ہوتا۔ ایک زبان کو دوسری زبان میں منتقل کرنے کے لیے دونوں زبان کے اسرار و رموز سے واقف ہونا چاہیے اور ترجمہ ایسا ہو کہ اس کے تمام شرائط مکمل ہوں۔ یہ تمام خوبیاں اس ترجمے میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔

### (۱۷) حمزک بالآثار کے خلاف ایک روایت کا طس جاترہ:

یہ مضمون جام نور دسمبر ۲۰۰۵ء میں شائع ہوا اس کا عنوان انبیا و صالحین کے آثار و تبرکات سے برکت حاصل کرنے کے سلسلے میں

ہے۔ مقام حدیبیہ پر سرور کائنات محمد ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ایک درخت کے نیچے بیعت لی تھی۔ اس لیے اس درخت کو ایک تاریخی اہمیت حاصل ہو گئی تھی۔ قرآن کریم میں اس درخت کا تذکرہ کر کے اس کے ذکر کو زندہ جاوید کر دیا۔ اس درخت کے سلسلے میں ایک روایت یہ مشہور ہے کہ بعض لوگ اس سے برکت حاصل کرنے کے لیے اس کے پاس نماز پڑھنے لگے تو امیر المؤمنین حضرت عمر نے لوگوں کو سرزنش کی اور اس درخت کو کٹوا دیا۔ ایک مخصوص طبقہ انبیا و صالحین کے تبرکات و آثار سے برکت نہ حاصل کرنے کے سلسلے میں اس روایت کو نہایت شد و مد کے ساتھ پیش کرتا ہے۔ یہ کام سب سے پہلے حافظ ابن تیمیہ نے کیا۔ شیخ صاحب نے اس کے جواب میں لکھا ہے ابن تیمیہ کی دلیل والی حدیث صحاح ستہ سمیت حدیث کی اکثر مشہور و معتبر کتب میں اس روایت کا کہیں نام و نشان نہیں ہے، بلکہ یہ روایت صحیحین کی روایت کے معارض بھی ہے۔ یہ روایت صرف طبقات ابن سعد اور مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے جو سند کے اعتبار سے حدیث منقطع ہے۔ اس کے برخلاف صحیحین نے متعدد طرق سے جو روایت حدیث کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جس سال اس درخت کے نیچے بیعت لی گئی اس کے اگلے سال صحابہ کرام نے اس کو تلاش کیا مگر نہ پایا۔ حضرت عمر نے فرمایا وہ درخت اللہ کی طرف سے رحمت تھا جو نظروں سے اوجھل کر دیا گیا۔ شیخ صاحب آخر میں لکھتے ہیں:

”ان نکات سے یقینی طور پر یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ جب ایک سال بعد ہی اس درخت کا محل وقوع اختلاف رائے کا شکار ہو گیا اور مصلحت خداوندی کے مطابق نظروں سے اوجھل ہو گیا تو خلافت فاروقی میں اس کو کٹوانے والی بات کیسے صحیح ہو سکتی ہے۔“

اس مقالے میں مراجع اور مصادر کی فہرست بارہ ہے۔

### (۱۸) متن حدیث کی بازیافت:

امام احمد رضا اکیڈمی بریلی شریف کے بانی و صدر مولانا محمد حنیف خاں رضوی بریلوی نے اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں قادری فاضل بریلوی کی تصنیفات سے چار ہزار پانچ سو احادیث و آثار، چھ سو مباحث تفسیریہ اور گیارہ سو افادات رضویہ کی ترتیب، تخریج، ترجمہ اور



ہے۔“ پندرہ مراجع و مصادر اس مقالے کی زینت ہیں۔

### (۲۰) فقہ حنفی اور عمل بالحدیث:

یہ مضمون جام نور اپریل ۲۰۰۷ء میں شائع ہوا۔ اس مقالے کا تعارف یہ ہے کہ جہاں امت مسلمہ کی اکثریت نے امام اعظم کے فضل و کمال کا اعتراف کیا اور ان کے ذریعے تدوین کی گئی فقہ کو حرز جاں بنایا وہیں بعض حضرات ان کے مخالف بھی ہو گئے۔ مقالہ نگار شیخ صاحب نے امام اعظم کے مخالفین کو تین طبقوں میں تقسیم کیا ہے۔ اس کے بعد امام اعظم ابوحنیفہ پر ہمیشہ تعصب و عناد نے لگتے رہنے والے چار الزامات نقل کیے ہیں، جن کا خلاصہ یہ ہے کہ امام اعظم حدیث پر اپنے قیاس کو ترجیح دیتے تھے۔ علم حدیث سے نابلد تھے وغیرہ۔ اس کے جواب میں شیخ صاحب نے تین بنیادی مقدمے نقل کیے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ حدیث کے رد و قبول، تصحیح و تضعیف وغیرہ کے اصول و قواعد امام اعظم کے سو سال بعد ایجاد ہوئے۔ تانیب الخطیب کے حوالے سے آٹھ قواعد نقل کیے ہیں جن کی بنیاد پر امام اعظم ابوحنیفہ نے بہت سی اخبار آحاد پر عمل نہیں کیا۔ اسی طرح ترتیب وار تمام الزامات کا تحقیقی جواب دیا ہے۔ چودھویں صدی کے علوم الحدیث سے نابلد غیر سنجیدہ اور قصد انکار کرنے والے علمائے یہ محض پروپیگنڈہ کر رکھا ہے کہ امام اعظم کا عمل حدیث پر نہیں ہے بلکہ اپنی ذاتی رائے پر ہے۔ بارہ کتابیں مراجع و مصادر کی حیثیت سے زینت مقالہ ہیں۔

### (۲۱) ائمہ مجتہدین پر ترک حدیث کا الزام:

یہ مضمون جام نور اپریل ۲۰۰۶ء میں شائع ہوا۔ عصر حاضر میں ایک مخصوص طبقہ جو عمل بالحدیث کا دعوے دار ہے باقی تمام مسلمانوں کو بالخصوص ائمہ مجتہدین کو تارک حدیث قرار دیتا ہے۔ حافظ ابن تیمیہ کے ایک رسالہ ”دفع الملام عن الائمة الاعلام“ کے حوالے سے ان دس اسباب کو ذکر کیا ہے جن کی وجہ سے ائمہ مجتہدین حدیث کو چھوڑتے ہیں، ترک حدیث کے یہ دس اسباب بیان کرنے کے بعد حافظ ابن تیمیہ نے حقیقت پسندانہ اور بصیرت افروز چند سطور لکھی ہیں جو ان لوگوں کو بغور پڑھنا چاہیے جو اٹھتے بیٹھتے اپنی نادانی، کم علمی اور تعصب و عناد کی بنیاد پر ائمہ مجتہدین پر ترک حدیث اور مخالفت سنت کا الزام لگاتے ہیں۔ شیخ ابن تیمیہ کی وہ سطور یہ ہیں:

فہرست سازی کر کے دس جلدوں میں جامع الاحادیث علمائے ہند کی خدمت حدیث میں پیش کیا۔ جامع الاحادیث میں صرف ایک جگہ ایسی ہے جہاں مولانا محمد حنیف خاں کو اردو حدیث کا عربی متن دستیاب نہ ہو سکا۔ انہوں نے علمی امانت و دیانت کے پیش نظر اس امر کی صراحت بھی کر دی۔ حضرت مولانا شیخ اسید الحق ازہری علیہ الرحمہ کی نظر سے جب یہ عبارت گزری تو تھوڑی سی محنت کے بعد اس حدیث کا متن مل گیا اور جام نور ۲۰۰۵ء میں ”متن حدیث کی بازیافت“ کے نام سے شائع کیا۔

شیخ صاحب کی یہ تحریر مطالعہ کرنے کے بعد مولانا محمد حنیف خاں رضوی نے اپنی وسیع القلمی کا ثبوت دیتے ہوئے اچھے تاثرات کا اظہار فرمایا ہے۔ اسے جام نور دسمبر ۲۰۰۵ء صفحہ ۶۲-۶۳ پر ملاحظہ فرمائیں۔ یہاں پر اس تاثرات کا صرف ایک پیرا گراف ہی قارئین ہے:

”متن حدیث کی بازیافت میں حوالوں کے لیے متعدد کتب احادیث کی نشان دہی بلاشبہ فاضل گرامی شیخ اسید الحق قادری کی تتبع و تلاش اور وسیع مطالعہ کی غماز ہے اور یہ سب کچھ ان کے دوسرے مضامین حدیث افتراق امت اور نزول کے اعتبار سے قرآن کی آخری آیت وغیرہما سے بھی ظاہر ہے۔“

### (۱۹) حدیث عمامہ پر ایک شہ اور اس کا ازالہ:

یہ مضمون جام نور دسمبر ۲۰۰۹ء میں شائع ہوا۔ امام بیہقی نے شعب الایمان میں ایک حدیث مرسل نقل کی ہے: ”اعتمو ا خالفوا علی الامم من قبلکم“ اس کا ترجمہ یہ ہے کہ عمامے باندھو اور اگلی امتوں یعنی یہود و نصاریٰ کی مخالفت کرو، وہ عمامہ نہیں باندھتے۔ فاضل بریلوی نے اس حدیث کو فضائل عمامہ کے باب میں ذکر کیا ہے۔ ایک معاصر فاضل و محقق نے اس ترجمہ کو ”حدیث کی غیر معتبر توجیہ“ قرار دیا ہے۔ غلط فہمی کی اصل وجہ یہ ہے کہ معترض کا علم صرف کمزور ہے اور وہ یہ نہ سمجھ سکے کہ اعتمو کا مصدر اور باب کیا ہے اعتام ہے یا اعتمام؟ فاضل محترم اعتمام سمجھ بیٹھے اور ترجمہ یہ کر ڈالا کہ ”عشا کی نماز کو پہلی تہائی رات میں ادا کرو۔“ شیخ صاحب نے تخریج، علم نحو، علم صرف، علم لغت اور شروحات حدیث کے ذریعے یہ ثابت کر دیا کہ اعتمو، اعتمام سے مشتق ہے نہ کہ اعتام سے۔ دلائل کی روشنی میں تمام پہلوؤں کا جائزہ لیتے ہوئے لکھتے ہیں: ”فتاویٰ رضویہ میں مذکور ترجمہ بالکل درست

”دس اسباب تو بالکل ظاہر ہیں اور ممکن ہے کہ بہت سی احادیث کو ترک کرنے میں مجتہد کے پاس کوئی ایسی دلیل اور حجت ہو جس پر ہم مطلع نہ ہو سکے ہیں۔ اس لیے کہ علم کے مدارج بہت وسیع ہیں اور علما کے باطن میں جو کچھ ہے ہم اس سب پر مطلع نہیں ہیں۔“

شیخ صاحب نے اس مقالے میں بھی حسب عادت وہی سنجیدہ اسلوب اختیار کیا ہے جو ان کے دیگر مقالات میں نظر آتا ہے۔ ائمہ مجتہدین پر ترک حدیث کے الزام کے جوابات حافظ ابن تیمیہ کے رسالے سے اس لیے دیا ہے کہ الزام لگانے والے وہابیہ غیر مقلدین دم نہ مار سکیں۔ یہ مقالہ پندرہ حوالوں سے مزین ہے۔

### (۲۲) مصنف ابن ابی شیبہ اور فقہ حنبلی:

یہ مقالہ جام نور ستمبر ۲۰۰۴ء میں شائع ہوا۔ اس کا تعارف یہ ہے کہ مشہور متقدمین ائمہ حدیث میں امام ابن ابی شیبہ نے احادیث مبارکہ کا ایک عظیم مجموعہ مرتب کیا جو علمی حلقوں میں مصنف ابن ابی شیبہ کے نام سے مشہور ہے۔ علم حدیث کی اصطلاح میں مصنف ایسی کتاب کو کہتے ہیں جس میں احادیث احکام جمع کیے جائیں۔ اس کتاب میں ۱۳۷۹۳۳ احادیث ہیں۔ یہ سات جلدوں میں ہے۔ ساتویں جلد میں اڑتالیس صفحات پر مشتمل ایک مستقل باب امام اعظم ابوحنیفہ کے رد میں مخصوص کیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ امام اعظم نے ایک سو پچیس مسائل فقہیہ میں حدیث کی مخالفت کی ہے۔ امام ابن ابی شیبہ کا یہ انصاف نہیں بلکہ ظلم ہے۔ شیخ صاحب کا اہم قلم الدر المنیفة فی الرد علی ابن ابی شیبہ عن ابی حنیفة، عقود الجمان فی مناقب ابی حنیفة النعمان اور امام کوثری کی النکت الطریفہ کے حوالے سے امام اعظم کے دفاع میں خوب چلا ہے۔ امام ابن ابی شیبہ کا جواب دس وجوہات سے دیا ہے اور پھر ان الفاظ میں اپنا عندیہ رقم کیا ہے:

”ایک سو پچیس مسائل میں امام اعظم سے سہو نہیں ہوا ہے نہ انہوں نے حدیث کو ترک کیا ہے بلکہ امام ابن ابی شیبہ امام اعظم کی دلیل اور اجتہاد تک نہ پہنچ سکے اور امام اعظم پر ترک حدیث اور مخالفت سنت کا الزام لگا دیا۔“

آخر میں شیخ صاحب نے لکھا ہے:

”اس سے پہلے کہ مصنف ابن ابی شیبہ کے اس باب کا کوئی

متعصب اردو میں ترجمہ کرے اس سے پہلے احناف کو چاہیے کہ امام زاہد الکوثری کی کتاب النکت الطریفہ کا اردو میں ترجمہ ہو جانا چاہیے۔“

### (۲۳) علامہ یوسف القرضاوی اور جماعت سلفیہ:

اس مضمون کے تعارف میں شیخ صاحب نے پیش گفتار میں لکھا ہے: علامہ یوسف القرضاوی اور جماعت سلفیہ ”مطبوعہ جام نور فروری ۲۰۰۶ء اور ”جماعت سلفیہ کے لیے لمحہ فکریہ“ ”مطبوعہ جون ۲۰۰۶ء یہ دو الگ الگ مضمون تھے۔ تحقیق و تفہیم میں دونوں کو ملا کر ایک کر دیا گیا ہے۔ ڈاکٹر قرضاوی مصری ثم قطری کا نام عالم اسلام میں محتاج تعارف نہیں ہے۔ پچاس سے زائد کتب کے مصنف ہیں۔ ان کے معتقدین و محبین عرب، افریقہ، امریکہ، انڈونیشیا، بلڈیشیا غرض یہ کہ پوری دنیا میں انہیں مجدد، مجتہد، مفکر، شیخ الاسلام اور امام جیسے بھاری بھرکم القابات و خطابات سے یاد کرتے ہیں۔ مسلکی اعتبار سے ٹھیک اسی فکر و عقیدے کے حامل ہیں جس کو برصغیر میں وہابیت اور غیر مقلدیت کہتے ہیں۔ شیخ صاحب نے قرضاوی صاحب کی سات کتابوں سے موجودہ سلفیوں اور وہابیوں کے بارے میں آرا کا ذکر کیا ہے جو احناف اور غیر مقلدین دونوں کو غیر جانب داری سے مطالعہ کرنا چاہیے اور سلفیوں کو اپنا عقیدہ و ایمان ٹھیک کرنا چاہیے۔ وہ تمام عیوب و نقائص اور خرابیاں جو برصغیر کے سلفی حنفیوں کے متعلق ذکر کرتے ہیں وہ سب قرضاوی صاحب نے لکھ کر وہابیوں کو دعوت انصاف دی ہے کہ خود تمہارا دامن اسی طرح کی خرابیوں سے داغدار ہے۔“

### (۲۴) رفع یدین کے مسئلے پر ایک دلچسپ مباحثہ:

جام نور جنوری ۲۰۰۶ء میں یہ دلچسپ مقالہ اشاعت پذیر ہوا۔ موضوع مقالہ یہ ہے کہ نماز میں کتنی بار رفع یدین ہے۔ متعدد روایات کو یکجا کرنے کے بعد کل سات صورتیں بنتی ہیں۔ امام اعظم اور امام مالک کے مذہب میں صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین ہے۔ شافعی اور حنبلی مذہب میں تین مرتبہ رفع یدین ہے۔ ان ائمہ میں سے کسی پر ترک حدیث اور مخالفت سنت کا الزام نہیں لگایا جاسکتا۔ یہ مضمون اسی موضوع پر امام زاہد الکوثری اور ایک شدت پسند سلفی عالم سے دلچسپ مباحثے کا خلاصہ ہے جس میں امام کوثری نے اس کو خاموش کر دیا اور ثابت کر دیا

کہ صحیح معنی میں ہم مقلدینِ عامل بالحدیث ہیں اور سلفی مخالف حدیث ہیں۔ اس عربی کے دلچسپ مباحثہ کو شیخ صاحب نے تمام نزاکتوں اور خوبیوں کے ساتھ اردو کا جامہ پہنایا ہے۔

### (۲۵) کیا موجودہ تصوف خالص اسلامی ہے:

ذیلی سرخی یہ ہے ”صاحب نظر کی تحقیق پر صاحب دل کی تنقید“ مقالے کے شروع میں شیخ صاحب نے تصوف پر بطور تمہید خامہ فرسائی کی ہے۔ یہ حضرت شیخ صاحب کا کوئی ذاتی مضمون نہیں ہے بلکہ دبستان بدایوں کے ایک علمی فرزند پروفیسر ضیا احمد صدیقی بدایونی نے لگ بھگ ۶۵ سال قبل تصوف کے موضوع پر ۲۲ صفحات پر مشتمل ایک علمی تحقیقی مقالہ لکھا تھا جس میں کچھ مسائل تصوف، محل نظر اور قابل توجہ تھے۔ شیخ صاحب کے دادا مفتی عبدالقدیر بدایونی نے تصوف و صوفیہ کا دفاع کرتے ہوئے ایک علمی اور سنجیدہ تحریر سپرد قلم کی تھی جو کسی رسالے میں شائع نہیں ہوئی تھی۔ حضرت شیخ صاحب نے متکلم فیہ مقامات کے ساتھ مفتی عبدالقدیر بدایونی کی تحریر کو لاحق کر کے مضمون کی شکل دے کر پانچ نومبر ۲۰۰۷ء میں شائع کیا۔ اس مضمون کے مطالعہ سے یہ اندازہ کرنا لوگی دشوار نہیں کہ شیخ صاحب ایک عظیم محدث اور بلند پایہ مفسر ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے جد امجد کی طرح صاحب دل، صوفی عالم دین بھی تھے۔

### (۲۶) شیخ بہاء الدین شطاری اور رسالہ شطاریہ:

شیخ صاحب نے یہ مضمون جام نور دہلی کے لیے نہیں بلکہ ماہ نامہ تصوف ملی کلکتہ نومبر ۲۰۰۵ء کے لیے لکھا ہے۔ شیخ صاحب کا یہ مقالہ آپ کے صوفی ہونے کا ثبوت ہے۔ اس مقالے کی تمہید میں شیخ شطاری کا تعارف لکھا ہے اور آپ کی ایک تصنیف رسالہ شطاریہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ آج تک اس رسالہ کی زیارت نہ ہو سکی اور نہ کہیں موجود ہونے کا علم ہوا ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اخبار الاخبار میں رسالہ شطاریہ کے چند مفید اقتباسات لکھے ہیں۔ انہی کی تلخیص اور ترجمہ حضرت شیخ صاحب نے سپرد قلم کیا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ خدا تک رسائی کے تین طریقے ہیں طریقہ شطاریہ کے دس اصول ہیں۔ اسے ذکر کی تین قسمیں ہیں سلسلہ شطاریہ میں کشف ارواح کے دو طریقے ہیں۔ اس کے علاوہ بھی تصوف و سلوک کے دیگر اصول و قواعد

پر روشنی ڈالی ہے۔ اس مضمون کا آخری حصہ یہ ہے: ”بعض لوگوں نے کہا ہے کہ فکر ذکر سے افضل ہے اس لیے کہ فکر شغل باطن ہے، ذکر شغل ظاہری ہے، فکر پر خدا کے علاوہ غیر مطلع بھی نہیں ہوتا، ذکر میں ریاکاری ہو سکتی ہے، فکر میں نہیں ہو سکتی۔“

### (۲۷) خانوادہ برکاتیہ اور فیضانِ چشت:

حسب سابق یہ مقالہ بھی جام نور دہلی کے لیے نہیں بلکہ خانقاہ برکاتیہ مارہرہ کے سالانہ مجلہ اہل سنت کی آواز ۲۰۰۸ء کے لیے لکھا ہے۔ اس میں بلگرام اور مارہرہ کا صوفیانہ تعارف قلم بند کیا ہے۔ مقالے کا لب لباب یہ ہے کہ بظاہر یا مشہور نامارہرہ کا سلسلہ طریقت قادری ہے مگر ہمیشہ سے خانوادہ برکاتیہ میں فیضانِ چشت بھی جاری و ساری ہے۔ خانوادہ برکات کے سلسلہ چشتیہ قدیم اور جدیدہ دونوں کا تعارف کرایا ہے۔ آخر میں شیخ صاحب لکھتے ہیں:

”خانوادہ برکاتیہ کے صوفیہ مشائخ ہمیشہ اپنی اس قدیم نسبت چشتیت پر فخر کرتے رہے ہیں اور خانوادہ سے جاری کرنے والی اجازتوں اور خلافتوں کے ذریعہ فیضانِ چشت کو عام کرتے رہے ہیں اور آج بھی یہ سلسلہ خیر و برکت جاری ہے۔“

### (۲۸) دعوت و تبلیغ کے لئے خانقاہی نظام کتنا موثر ہے؟

یہ مقالہ تحقیق و تفہیم کی قسم سوم مباحثہ سے ہے۔ جام نور دہلی کے مستقل کالم تحریری مباحثہ میں مدیر اعلیٰ جام نور دہلی کے سوالات کے اس مضمون میں جوابات ہیں۔ ماضی میں خانقاہوں کے قیام کا مقصد، ماضی میں تبلیغ اسلام اور اصلاح معاشرہ میں خانقاہوں کا کردار، موجودہ دور میں دعوت و تبلیغ کے پس منظر میں خانقاہوں کی افادیت اور موجودہ خانقاہی رسوم و روایات کا تصوف سے تعلق پر نہایت دیانتداری سے گفتگو کی ہے۔ یہاں پر قابل غور مسئلہ یہ ہے کہ خانقاہی نظام پر شیخ صاحب نے خامہ فرسائی کی ہے جو بذات خود ایک پیرزادہ اور خانقاہی شہزادے ہیں۔ یقیناً یہ دل گردے کا کام ہے جو حضرت شیخ نے اپنے اہم قلم سے انجام دیا ہے۔ اس کے بعد ہندوستان کی خانقاہوں اور مصری خانقاہوں کا تقابل پیش کیا ہے۔ دونوں جگہ کی خانقاہوں میں وہی فرق ہے جو ایک چلتے پھرتے انسان اور ایک بے جان مردہ جسم میں ہوتا



ہے اور آٹھ نمونے بطور مثال پیش کیے ہیں۔ جام نور کا یہ مباحثہ بشکل مضمون بار بار شائع ہونا چاہیے۔

### (۲۹) آج اہل خانہ کی نئی نسل تعلیم سے دور کیوں ہے؟

یہ مضمون جام نور دسمبر ۲۰۰۲ء میں شائع ہوا۔ برصغیر میں خانقاہی شہزادوں کی صورت حال اظہر من الشمس ہے جن وجوہات کی بنیاد پر، لاپرواہی کی بنا پر اور خانقاہی بے اعتمادیوں کی وجہ سے خانقاہی شہزادے تعلیم سے دور رہتے ہیں۔ شیخ صاحب نے اس طرح کے تمام امور کا بالتفصیل ذکر کیا ہے۔

مثلاً مکتب کی کرامت سے زیادہ فیضانِ نظر پر تکیہ کرنا، والدین کی لوحِ دل بالکل صاف و شفاف ہونا، اساتذہ کا پیرزادہ کے والد سے بیعت ہونا، جاہل اور غالی مریدین کا شہزادوں کی جی حضوری کرنا، صاحبِ دولت و ثروت مریدین کا شہزادوں کے اشارہ ابرو پر گھومنا اور ان کی جیبیں گرم رکھنا وغیرہ وغیرہ۔ خانقاہی شہزادوں کا مزاج کیسا ہوتا ہے؟ وہ تعلیم و تربیت کے لیے کیسا نظام چاہتے ہیں؟ اس کو شیخ صاحب بخوبی سمجھتے تھے۔ اس سلسلے میں آپ کا دل کتنا حساس اور دردمند تھا مندرجہ ذیل تحریر سے اندازہ لگائیے، لکھتے ہیں:

”ویسے میرا ارادہ ہے کہ مدرسہ عالیہ قادریہ بدایوں شریف میں خانقاہی شہزادوں کے لیے ان کے مزاج کے مطابق ایک الگ شعبہ قائم کیا جائے جس میں نہ صرف ان پر خصوصی توجہ کی جائے بلکہ ان کو خانقاہی اخلاق و آداب سے مزین کرنے کے لیے سنجیدہ اور مخلصانہ کوششیں کی جائیں۔“

### (۳۰) جماعت اہل سنت کا حقیقی تعارف کیا ہے؟

یہ ایک تحریری مباحثہ ہے جس میں چھ بنیادی نکات پر گفتگو کی گئی ہے۔ برصغیر میں جماعت اہل سنت کے تعارف سلسلے میں جو بے احتیاطی اور بے اعتمادیاں بڑھتی جاتی ہیں ان کا بھی مفصل ذکر کیا ہے۔ تعارف کے سلسلے میں بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ ہر زمانے میں جب کسی جماعت نے سوادِ اعظم کے جن عقائد سے اختلاف کیا وہی عقائد اس دور میں جماعت اہل سنت کا امتیاز اور اہل سنت کی علامت قرار پائے۔ شیخ صاحب نے اس سلسلے میں مختلف ادوار کی علامتی فہرست نقل کی ہے۔ یہ ایک نہایت محتاط، سنجیدہ اور چشم کشا تحریر ہے جو عوام و خواص دونوں کے

لیے لائق مطالعہ ہے۔ یہ جام نور میں ۲۰۰۶ء میں شائع ہوا ہے۔

### (۳۱) دینی کام کا معنی اور اس کے تقاضے کیا ہیں؟

یہ جام نور میں تحریری مباحثہ کے کالم میں شائع شدہ مضمون ہے اور تحقیق و تفہیم کا آخری مضمون ہے جو جولائی ۲۰۰۹ء میں شائع ہوا۔ شیخ صاحب کی نظر میں دینی کام کا مفہوم یہ ہے کہ ہر وہ کام جس سے دین کی تبلیغ و اشاعت مقصود ہو۔ جماعت صحابہ کے احوال و آثار کا جائزہ لینے کے بعد حقیقت سامنے آتی ہے کہ اس جماعت کے ہر فرد نے اپنے ذوق اور رجحان کے پیش نظر دین کی تبلیغ و اشاعت کے لیے الگ الگ قسم کے میدان کا انتخاب کیا۔ شیخ صاحب کا خلاصہ کلام یہ ہے کہ مسلمان اسلام کی تبلیغ کے لیے جس شعبہ میں کام کریں وہ دینی کام ہے۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دوسروں کے ہر نیک کام کا انکار کر دیا جائے کہ یہ دین کا کام نہیں ہے۔ اس مضمون میں اس طرح کی متعدد مثالیں پیش کی ہیں۔

### (۳۲) لبیک اللہ لبیک:

یہ مضمون فروری ۲۰۰۹ء میں جام نور میں مہمان ادارہ کی حیثیت سے شائع ہوا۔ عالم ربانی حضرت مولانا شیخ اسید الحق قادری ۲۰۰۸ء میں حج بیت اللہ کی زیارت سے مشرف ہوئے جو تجربات، مشاہدات سامنے آئے اور سفر حج کی آسانی اور وسائل کی فراوانی اور جدید سہولیات کے نام پر حج کی جو برکتیں کم ہو رہی ہیں ان حالات کو دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ اب حج و عمرہ رفتہ رفتہ عبادت سے زیادہ ایک فیشن، تفریح اور سیر و سیاحت بنتا جا رہا ہے۔ یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ آج کے حاجی اور آج سے پچاس سال پہلے کے حاجی میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

### (۳۳) مولانا ابوالکلام آزاد کا تسامح:

یہ مضمون اکتوبر ۲۰۰۹ء میں جام نور میں شائع ہوا۔ شیخ صاحب کے دادا کے دادا مولانا شاہ فضل رسول عثمانی بدایونی کی شخصیت محتاج تعارف نہیں ہے۔ باطل افکار و نظریات اور بد عقیدگی کے مقابلے میں آپ کا جہاد بالقلم اسلامیان ہند پر ایک عظیم احسان ہے۔ اس سلسلے میں آپ کی تصنیفات، اولین ماخذ اور درجہ استناد کی حیثیت رکھتی ہیں۔ آپ نے ردِ وہابیہ میں ایک کتاب البوارق المحمدیہ لرحم الشیاطین النجدیہ ۱۲۶۵ھ میں تصنیف کی۔ اس کتاب کا دوسرا نام سوط



الرحمن علیٰ قرن الشیطان ہے۔ مولانا ابولکلام آزاد نے اپنی مشہور زمانہ کتاب ”تذکرہ“ میں سوط الرحمن کی بعض عبارتوں پر تنقید بلکہ تضحیک کی ہے۔ اس کتاب میں علامہ فضل رسول بدایونی نے باطل افکار و نظریات کے ترجمان ابن تیمیہ، ابن حزم اور ابن قیم کا ردِ بلیغ کیا ہے جو مولانا آزاد کی طبع نازک پر گراں گزرا اور سوط الرحمن میں کتابت کی ایک غلطی جس سے عبارت میں تقدیم و تاخیر کے باعث مفہوم برعکس ہو رہا تھا۔ اس عبارت کو تحتہ مشق بنا کر تضحیک کر ڈالی جو مولانا آزاد جیسے وسیع المطالعہ اور آزاد خیال مفکر کے شایان شان نہیں تھا۔ شیخ صاحب نے نہایت علمی تاریخی اور محققانہ انداز میں مولانا آزاد کی تنقید اور تضحیک کی خبر لی ہے اور ثابت کیا ہے کہ مولانا آزاد کی تمام بوالعجبیوں اور مویشگانہ کی عمارت صرف تسامح یا غلط فہمی پر ہے۔

### (۳۳) دہر میں اسم محمد سے اجالا کر دے:

یہ مضمون جام نور اپریل ۲۰۱۰ء میں بحیثیت مہمان ادارہ کے شائع ہوا۔ اس میں خانقاہ قادریہ بدایوں شریف کے زیر اہتمام ہونے والے مختلف پروگرام مثلاً یکم ربیع الاول سے بارہ ربیع الاول تک شہر کے بارہ پروگرام غیر مسلموں میں دعوت اسلام، کالج اور اسکولوں میں تبلیغ وغیرہ جلووں کا تذکرہ ہے۔ اس موقع پر شیخ صاحب کے مرتب کردہ مختلف کتابچے، پمفلٹ اور فولڈر بدایوں میں تقسیم ہوئے اس کے بعد سے آج تک ان کی تعلیم پورے ملک میں جاری ہے۔ اس میں ایک پمفلٹ ”عید میلاد النبی اس طرح منائیں“ بھی ہے۔ اس میں دس اصول ایسے ہیں جو اس موقع پر افراط و تفریط سے بچنے کے لیے ایک اپیل آئیڈیل ہے۔

### (۳۵) کچھ لمحے امیر دعوت اسلامی کے ساتھ:

اگست ۲۰۰۹ء میں شیخ صاحب پندرہ روزہ پاکستان کے دورے پر گئے۔ کراچی میں مولانا الیاس قادری بانی دعوت اسلامی سے بھی ملاقات ہوئی جس میں امیر دعوت اسلامی نے شیخ صاحب کا بہت ادب و احترام کیا۔ پورے مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ امیر دعوت اسلامی اخلاق و کردار کے پیکر ہیں۔ جام نور مئی ۲۰۱۰ء میں یہ مضمون شائع ہوا۔

### (۳۶) شمس مارہرہ اور رسالہ آداب السالکین:

یہ مضمون جام نور ۲۰۱۰ء میں شائع ہوا۔ شمس مارہرہ کی ایک

مستقل سوانح حیات شیخ صاحب نے ”تذکرہ شمس مارہرہ“ کے نام سے مرتب کی ہے اور الگ سے اس میں شمس مارہرہ کی سوانح حیات پر جامع اور مختصر گفتگو کی ہے اور اس کے بعد رسالہ آداب السالکین کا تعارف ہے۔ یہ رسالہ تین ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلا باب آداب کے بیان میں، اس میں ۱۲ آداب ہیں۔ دوسرا باب ذکر کی ترتیب اور تیسرا باب دفع خطرات کے بیان میں ہے۔ مستقل رسالہ آداب السالکین بھی شائع ہوا۔ شیخ صاحب کی تصنیفات اور تاج الفحول اکیڈمی کی مطبوعات کے ضمن میں اس پر تفصیلی تعارف ملاحظہ فرمائیں۔

### (۳۷) تقریروں میں موضوع روایات ایک لمحہ نگری:

شیخ صاحب کا یہ مضمون جام نور اکتوبر، نومبر ۲۰۱۰ء دو قسطوں میں شائع ہوا۔ ہندوستان کے اکثر مدارس میں علوم حدیث کے نام پر صرف ایک کتاب شرح نخبۃ الفکر داخل درس ہے۔ اس لیے عام طور پر علماء احادیث کی تصحیح و تضعیف، تردید و قبول اور موضوع وغیرہ کو نہیں سمجھ پاتے۔ اسی وجہ سے بے شمار میڈان انڈیا حدیثوں کی بھرمار شیخ پر شعلہ بیانی کے ساتھ ہوتی رہتی ہے۔ جب دو چار اسٹیجیوں پر شیخ صاحب اس طرح کی صورت حال سے دوچار ہوئے تو یہ مضمون سپردِ قلم کیا۔ جیسے ہی مقررین کی عدالت میں پہنچا تو بیشتر، پیشہ ور خطبا کو بے روزگار ہونے کا ڈر ستانے لگا۔ نذرانہ وصولی کی خاطر من گھڑت احادیث کا سہارا لیتے ہیں۔ پہلی قسط کی اشاعت کے بعد لوگوں نے اپنی بے چینی کا اظہار شروع کر دیا۔ دوسری اور آخری قسط کے بعد دسمبر ۲۰۱۰ء اور جنوری ۲۰۱۱ء میں اظہار خیالات کا کالم اسی کی نظر ہو گیا۔ اس مضمون کی اشاعت سے وہ لوگ زیادہ چراغ پا ہوئے جن کے علم حدیث کا مبلغ صرف تقریر اور خطبات کی کتابوں تک محدود ہے مگر کسی نے بھی علوم الحدیث کی روشنی میں واضح، مدلل اور سنجیدہ مضمون نہیں لکھا۔ شیخ صاحب نے بارہا کہا کہ میرے اس مضمون یا کسی اور مضمون پر کسی صاحب علم کو اعتراض ہو تو اصول و قواعد کی روشنی میں ثابت کریں قبول حق میں مجھے کوئی پس و پیش نہیں ہے۔ رجوع کرنا میرے لیے باعثِ فخر ہے مگر کوئی سامنے نہیں آیا۔

### (۳۸) فضل حق، فضل رسول اور آزرہ:

یہ مضمون جام نور ۲۰۱۰ء میں شائع ہوا۔ اس مضمون میں تیرہویں صدی ہجری کی تین عبقری شخصیات استاذ مطلق علامہ فضل حق خیر آبادی

(ولادت ۱۲۱۲ھ، وفات ۱۲۷۸ھ) سیف اللہ المسلمول مولانا شاہ فضل رسول بدایونی (ولادت ۱۲۱۳ھ، وفات ۱۲۸۹ھ) صدر الصدور مفتی صدر الدین آزرده دہلوی (ولادت ۱۲۰۲ھ، وفات ۱۲۸۵ھ) کے آپس میں روابط، محبت و الفت کا تذکرہ ہے۔ کئی امور ایسے قدر مشترک تھے جو باہم یگانگت اور رشتہ خلوص و محبت کی بنیاد بنے۔ شیخ صاحب نے اس طریقے کے پانچ امور کا ذکر کیا ہے جو ان تینوں کو مزاج و مذاق مسلکی میلان، ابدی رجحان، سیاسی خیالات اور اتحاد و یگانگت کے ایک مرکزی نقطہ پر جمع کر دیتے ہیں۔ یہی نقطہ اتحاد ان تینوں حضرات میں محبت، خلوص، بے تکلف دوستانہ مراسم، ایک دوسرے کا پاس و لحاظ، قدر و منزلت، قدر شناسی اور قدر دانی کی بنیاد ہے۔ فاضل مقالہ نگار نے چھبیس مراجع و مصادر کے حوالے سے نہایت تحقیقی، تاریخی اور مسلکی گفتگو کی ہے۔ یہ مضمون شیخ صاحب کی ایک تاریخی تحقیقی کتاب ”خیر آبادیات“ کا ایک باب ہے۔

### (۳۹) ہم نے دیکھا پاکستان:

مدیر اعلیٰ ماہ نامہ جام نور مولانا خوشتر نورانی اور شیخ صاحب ۲۲ نومبر ۲۰۱۰ء کو پاکستان کے بیس روزہ دورے پر گئے، جو بہت معلوماتی اور قیمتی سفر ہے، جس میں پاکستان کے مدارس، خانقاہیں، لائبریریاں اور علماء و مشائخ کا جامع تعارف بھی ہے اور علمی گفتگو کی تفصیل بھی ہے، جو فقط ایک سفر نامہ ہی نہیں بلکہ معلومات کا ایک خزانہ ہے۔ یہ سفر نامہ مئی ۲۰۱۱ء میں بحیثیت مہمان ادارہ شائع ہوا۔ اسی شمارے میں خانقاہ قادریہ بدایوں شریف کے زیر اہتمام شیخ اسید الحق قادری کے زیر قیادت بدایوں شریف میں ہونے والے شانتی سمیلن کی رپورٹ بھی شائع ہوئی۔ ”شانتی سمیلن“ کے ذریعے برادران وطن کے درمیان بھائی چارے کو عام کرنے کی جو پہل کی گئی ہے یہ موجودہ دور میں اسلام کی بہترین خدمت ہے۔

### (۴۰) مولانا عبدالحق خیر آبادی اور ان کے تلامذہ کے علمی معرکے:

یہ مضمون جام نور جون ۲۰۱۱ء میں شائع ہوا۔ مولانا عبدالحق خیر آبادی کی علمی تحقیق پر بعض معاصرین نے اپنی تحقیق پیش کی تو مولانا عبدالحق خیر آبادی کے تلامذہ میدان تحقیق و مناظرہ اور مباحثہ میں کود پڑے اور اپنے استاذ کا خوب دفاع کیا۔

### (۳۱) خانوادہ خیر آبادی کی اہل علم خواتین:

یہ مضمون جام نور جولائی ۲۰۱۱ء میں شائع ہوا۔ اس مضمون میں علامہ فضل حق خیر آبادی کے خانوادے کی تین صاحب علم و فضل خواتین کا تذکرہ ہے۔ ۱۔ بی بی سعید النساء خیر آبادی ۲۔ بی بی ہاجرہ خاتون خیر آبادی ۳۔ بی بی رقیہ بنت عبدالحق خیر آبادی۔

### (۳۲) علامہ فضل حق خیر آبادی کے بارے میں بعض بے بنیاد روایات:

جس طرح متعصبین و مخالفین اور حاسدین دیگر علمائے اہل سنت کو بدنام کرنے کے لیے ہمیشہ بے بنیاد الزامات لگاتے رہتے ہیں، اسی طرح علامہ فضل حق خیر آبادی کے ساتھ ہوا۔ ان بے بنیاد روایتوں میں ۱۔ مولوی عبد اللہ خاں کاندھلوی سے مناظرہ ۲۔ شاہ اسماعیل دہلوی اور علامہ کا تحریری مناظرہ ۳۔ علامہ فضل حق کی رد و ہابیہ سے توبہ وغیرہ ہیں۔ یہ مضمون اگست ۲۰۱۱ء میں شائع ہوا۔

### (۳۳) علامہ فضل حق خیر آبادی کے بارے میں بعض روایات کا تحقیقی جائزہ:

یہ مضمون جام نور ستمبر ۲۰۱۱ء میں شائع ہوا اس میں چند بے بنیاد الزامات اور روایات کا علمی اور تحقیقی جائزہ پیش کر کے ان بے بنیاد الزامات کا بطلان ثابت کیا گیا ہے۔ مثلاً مولوی امیر احمد سہوانی اور مسئلہ امکان نظیر، مولوی سید سراج احمد سہوانی سے مباحثہ وغیرہ۔

### (۳۴) علامہ فضل حق خیر آبادی اور شاہ اسماعیل دہلوی:

اس مضمون میں ان تمام احوال و کوائف کا ذکر ہے جو علامہ خیر آبادی نے شاہ اسماعیل دہلوی کے باطل افکار و نظریات کے ردِ بلغ میں کیا ہے۔ یہ مضمون اگست ۲۰۱۱ء جام نور میں شائع ہوا۔ مقالہ نمبر ۳۸ اور ۴۰ سے ۴۴ تک۔ چھ مقالات کا علمی تعارف اور ان پر تفصیلی گفتگو شیخ صاحب کی تحقیقی اور تاریخی کتاب ”خیر آبادیات“ کے تعارف میں ملاحظہ فرمائیں۔

### (۳۵) عربی محاورات و تعبیرات ایک جائزہ:

عالم ربانی حضرت شیخ صاحب علیہ الرحمہ نے عربی اور اردو محاورات کے موضوع پر ایک تحقیقی مفید اور معلومات افزا کتاب ”عربی محاورات مع ترجمہ و تعبیرات“ کے عنوان سے ترتیب دی ہے۔ یہ مضمون درحقیقت اسی کتاب کے مقدمے کی ایک فصل ہے، جس میں محاورے کی لغوی و اصطلاحی تعریف، ماخذ، محل استعمال اور حدود پر نہایت علمی گفتگو کی ہے۔ یہ مضمون جام نور میں نومبر ۲۰۱۱ء میں شائع ہوا جو صرف

شیخ صاحب کا ہی حصہ ہے۔ اس کتاب پر مزید تعارف شیخ صاحب کی تصنیفات کے تعارف میں ملاحظہ فرمائیں۔

### (۳۶) سنداً متکلمین مولانا حیدر علی فیض آبادی: حیات و خدمات:

یہ مضمون جام نور جون ۲۰۱۲ء میں شائع ہوا۔ جماعت اہل سنت کے بے دار مغز اور حساس علمائے چند سال پیشتر تحریک اسلاف شناسی شروع کی تھی جس کے پلیٹ فارم سے بے شمار اسلاف و اکابر کی حیات و خدمات، کارنامے، علمی تحقیقی کام منظر عام پر آئے اور عظیم الشان اساطین امت سے اس صدی کے عوام و خواص بالخصوص علمائے اہل سنت و شناس ہوئے۔ اس سلسلے میں ملت کا ترجمان ماہ نامہ ”جام نور“ کی خدمات قابل قدر اور تاریخی ہیں۔ اس مضمون میں شیخ صاحب نے تیرہویں صدی ہجری کی عبقری شخصیت رئیس المناظرین، سنداً متکلمین، صاحب تصانیف کثیرہ مولانا حیدر علی فیض آبادی (وفات ۱۸۸۱ء) کا سوانحی خاکہ، معاصرین کی آراء، علامہ فضل حق خیر آبادی سے روابط، مسئلہ امتناع نظیر اور امکان کذب، مولانا شاہ فضل رسول بدایونی سے روابط اور ان کی کتاب فصل الخطاب پر تصدیق وغیرہ عنوانات پر شیخ صاحب نے سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ اس کے بعد مولانا فیض آبادی کی تصانیف کا تعارف کرایا ہے۔ مولانا فیض آبادی نے تصانیف کا ایک بہت بڑا ذخیرہ اپنے پیچھے چھوڑا جو ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ غدر میں تلف ہو گیا۔ شیخ صاحب کی دسترس میں آپ کی چودہ کتابیں آئیں جن کا تعارف زینت مقالہ ہے۔ آخر میں شاہ اسماعیل دہلوی کی تحریک اور اس پر مولانا فیض آبادی کی تردید پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔ چوبیس کتب کی مراجعت اور مطالعہ سے یہ تحقیقی مقالہ منظر عام پر آیا۔

### (۳۷) فرزدق تمیمی کا قصیدہ مہمہ: ایک تحقیقی مطالعہ:

یہ مضمون جام نور اگست ۲۰۱۲ء میں شائع ہوا۔ اموی خلیفہ عبد الملک بن مروان کا بیٹا اور ولی عہد سلطنت ہشام بن عبد الملک ملک شام سے سفر حج پر آیا۔ اس کو کسی نے اہمیت نہیں دی اور حرم شریف میں جب اس کی موجودگی میں امام زین العابدین آئے تو لوگوں نے انہیں اہمیت دی اور ادب و احترام سے پیش آئے یہ دیکھ کر ہشام کو شرمندگی ہوئی دوستوں کے دریافت کرنے پر تجاہل عارفانہ سے بولا میں نہیں جانتا یہ کون ہے۔ اس سفر حج میں عہد اموی کا مشہور شاعر ابو فراس ہمام بن

غالب فرزدق تمیمی بھی تھا۔ ہشام کا یہ جواب سن کر اس کی رگ حمیت بھڑک اٹھی اور اس نے امام زین العابدین کی شان میں فی البدیہہ ایک فصیح و بلیغ قصیدہ نظم کر کے برجستہ سنا دیا۔ اس قصیدہ کی تحقیق میں اختلاف ہے کہ اس میں کتنے اشعار ہیں۔ ایک تاریخی اختلاف یہ بھی ہے کہ فرزدق نے یہ قصیدہ امام زین العابدین کی شان میں کہا ہے یا امام حسین کی شان میں۔ شیخ صاحب نے تاریخی، تحقیقی اور علمی جہت سے اشعار کے تعداد کی تحقیق ۳۰ کی ہے۔ شاعر فرزدق اور مدوح امام زین العابدین کو ثابت کیا ہے۔ اس کے علاوہ امام زین العابدین، شاعر فرزدق، ہشام کا تعارف، قصیدہ کے انتساب کا قضیہ، قصیدہ کا منظوم فارسی ترجمہ، قصیدہ مہمہ کی شروحات، خمیس اور بعض دیگر پہلوؤں کے ساتھ ساتھ قصیدہ مہمہ کا متن مع ترجمہ پر خوب خامہ فرسائی کی ہے۔ اس قصیدہ پر علمی تحقیقی کام دیکھ کر شیخ صاحب کی وسعت مطالعہ اور علم و ادب سے گہری دلچسپی کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ مارہرہ سے نکلنے والے سالانہ مجلہ اہل سنت کی آواز میں بھی ۲۰۱۲ء میں یہ مضمون مزید اضافے کے ساتھ شائع ہو چکا ہے۔

عرس قادری ۱۳۳۵ھ میں ۲۸ صفحات پر مشتمل کتابی شکل میں بھی شائع ہو چکا ہے۔ اس کا مطالعہ عربی زبان و ادب کے شائقین کے علم میں اضافے کا سبب ہوگا۔

### (۳۸) خانوادہ قادریہ بدایونی اور خانوادہ عظیمیہ: تعلقات و روابط:

شیخ صاحب کا یہ مضمون جام نور اکتوبر ۲۰۱۲ء اور جنوری ۲۰۱۳ء دو قسطوں میں شائع ہوا۔ یہ بالکل نیا موضوع ہے اور بہت اہم ہے۔ موجودہ نسل کے لیے بیسویں صدی کے نصف اول کی قومی و ملی سیاست اور آزادی کے بعد عالمی منظر نامے پر علمائے اہل سنت کے قائدانہ کردار کے چند اہم گوشے سامنے آ رہے ہیں۔ خانوادہ عظیمیہ سے مبلغ اسلام مولانا شاہ عبد العظیم صدیقی میرٹھی، مولانا مختار احمد میرٹھی، مولانا نذیر احمد بخندہ، قائد اہل سنت مولانا شاہ احمد نورانی اور مولانا محمد جیلانی صدیقی مراد ہیں۔ خانوادہ قادریہ سے مولانا عبد الماجد بدایونی، مولانا عبد القدیر بدایونی اور مولانا عبد الحمید بدایونی مراد ہیں۔ ان دونوں خانوادوں نے ملکی، ملی، مذہبی، دینی اور مسلکی محازوں پر شانہ بشانہ کام کیا۔

تحریک خلافت کی متحدہ جدوجہد، اجلاس موتمر اسلامی کانپور،



آل انڈیا سنی کانفرنس، دارالمبلغین بدایوں شریف کا قیام، سنی کانفرنس اجیر شریف و کراچی، وفد حجاز ۱۹۳۶ء، قیام پاکستان اور ہجرت، پاکستان کا اسلامی دستور، جمعیتہ علمائے پاکستان، ۱۹۵۷ء کا دورہ روس، جنت المعلیٰ اور جنت البقیع کی حفاظت و صیانت کی تحریک وغیرہ پر حضرت شیخ صاحب نے نہایت تاریخی اور تحقیقی گفتگو کر کے تحریک اسلاف شناسی کا حق ادا کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔

### (۴۹) قصیدہ بانٹ سعاد: ایک مطالعہ:

یہ مضمون فروری، مارچ ۲۰۱۳ء دو قسطوں میں بیس صفحات پر شائع ہوا۔ صحابی رسول حضرت کعب بن زہیر جو شعراے مخضرم سے ہیں، کا نظم کردہ اور حضور ﷺ کا پسند فرمودہ ہے۔ مولانا عاصم اقبال مجیدی بدایونی نے اس قصیدہ کا اردو ترجمہ و تشریح کیا ہے۔ زیر نظر مضمون شیخ صاحب نے بطور مقدمہ سپرد قلم کیا ہے۔ مضمون نہایت علمی اور تحقیقی ہے، جو موضوع کے تمام ضروری گوشوں مثلاً عرضی، ادبی، لسانی، بلاغی، نحو و صرف کے متعلق تمام بحث کا احاطہ کر رہا ہے۔ اسی اہمیت کے پیش نظر شیخ صاحب نے اس مقالے کو جام نور کے صفحات کی زینت بنایا۔ تفصیل کے لیے تاج اللؤلؤ اکیڈمی کی مطبوعات کے تعارف میں ملاحظہ فرمائیں۔

### (۵۰) مولانا عبدالماجد بدایونی اور تحریک تحفظ گنبد معری:

یہ مضمون جام نور اپریل ۲۰۱۳ء میں شائع ہوا۔ خانوادہ قادریہ عثمانیہ بدایوں شریف نے ہر دور میں اچھے افراد قوم و ملت کو دیے ہیں مگر گذشتہ دو صدیوں میں اس خانوادے کی جن عظیم شخصیات نے علمی، عملی، تحریری، تقریری، قومی، ملی ہر محاذ پر خدمات انجام دی ہیں، ان میں ایک بڑا نام مجاہد آزادی مولانا عبدالماجد بدایونی کا بھی ہے۔ زیر نظر مضمون میں ان کی ایک تحریک تحفظ گنبد خضرا بھی ہے۔ مقالے کی ابتدا میں سوانحی خاکہ اس کے بعد سترہ تصنیفات کی فہرست پھر تحریک تحفظ گنبد خضرا کا تعارف ہے۔ اس مقالے کے عناصر یہ ہیں وفد حجاز ۱۹۵۲ء، شیخ محمد سرور الصبان نائب وزیر مالیات سعودیہ، مفتی اعظم مصر شیخ حسین مخلوف، مفتی اعظم شام شیخ سعید رمضان بوطی سے ملاقات، شیخ صالح قزاز انچارج محکمہ تعمیرات سے میٹنگ، ترکی کے وفد سے ملاقات، شیخ صالح سے مفتی اعظم مصر کا مذاکرہ، اراکین وفد کی وزیر مالیات سے

ملاقات، ولی عہد مملکت شہزادہ سعود بن عبدالعزیز سے ملاقات، نجدی امیر کے دربار میں بدایونی فقیر کا اعلان حق، امیر سعود بن عبدالعزیز کے نام مولانا بدایونی کا تار وغیرہ۔ اس طریقے کے اور دیگر عنوانات پر شیخ صاحب نے تاریخی اعتبار سے نہایت علمی اور سنجیدہ گفتگو کی ہے۔ حاصل کلام حضرت مولانا ضیاء الدین قادری مہاجر مدنی نے فرمایا ”امت مسلمہ پر یہ مولانا عبدالماجد بدایونی کا یہ احسان ہے کہ ان کی بروقت مداخلت اور پر زور تحریک کے نتیجے میں سعودی حکومت گنبد خضرا کے انہدام سے باز رہی۔ اگر مولانا بدایونی تحریک تحفظ گنبد خضرا نہ چلاتے تو خدا جانے کیا صورت حال ہوتی۔“

### (۵۱) شمس مارہرہ اور سراج الہند:

یہ مضمون جام نور مئی ۲۰۱۳ء میں شائع ہوا۔ خانوادہ ولی اللہی میں شاہ ولی اللہ کے بعد ان کے صاحبزادے سراج الہند شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی شخصیت مرکزی اہمیت کی حامل ہے۔ اسی طرح خانوادہ برکات میں شمس مارہرہ حضور اچھے میاں کی ذات گرامی کو ارباب نظر اور اصحاب دل نے فخر خاندان برکات تسلیم کیا ہے۔ یہ بھی عجیب حسن اتفاق ہے کہ یہ دونوں فخر خاندان کے چشم و چراغ ایک ہی زمانے کے ہیں۔ شیخ صاحب نے دونوں بزرگوں کے تعلق سے نہایت شرح و بسط کے ساتھ علمی تاریخی اور محبت والی گفتگو کی ہے جس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ ولی راوی می شناسد۔ اس مقالے کے عناصر یہ ہیں: مجلس عزیزی میں تذکرہ شمس مارہرہ، مجلس شمس مارہرہ میں تذکرہ عزیزی، مریدین شمس مارہرہ درس گاہ عزیزی میں اور اس کے علاوہ تمام حالات و واقعات جن سے دو خانوادوں کے درمیان محبت اور تعلقات ظاہر ہوتے ہیں۔ خانقاہ عالیہ قادریہ بدایوں شریف کے زیر اہتمام عرس قادری ۲۰۱۳ء میں جشن دو سو سالہ شمس مارہرہ کے موقع پر شیخ صاحب کی ۸۸ صفحات کی کتاب شائع ہو چکی ہے۔ یہ اسی کی ایک فصل ہے جس میں خانقاہ برکات تہ مارہرہ اور خانقاہ قادریہ بدایوں کے مابین محبت و عقیدت اور ادب و احترام کے جلوے نظر آتے ہیں۔ شائقین تصوف اس کا مطالعہ کریں۔

### (۵۲) شرح قصیدتان راکستان ایک تنقیدی مطالعہ:

یہ تحقیقی، تنقیدی اور علمی مقالہ جام نور اکتوبر، نومبر، دسمبر ۲۰۱۳ء میں تین قسطوں میں شائع ہوا ہے۔ شیخ صاحب کے جد امجد مولانا شاہ



فضل رسول قادری عثمانی بدایونی کی مدح و منقبت میں اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی نے تین سو تیرہ اشعار پر مشتمل عربی زبان میں دو فصیح و بلیغ قصیدے نظم کیے تھے جو عقیدت و محبت اور زبان و بیان دونوں جہتوں سے بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ پہلے قصیدے میں دو سو تینتالیس اشعار ہیں۔ اس کا تاریخی نام مدائح فضل الرسول ہے۔ دوسرے قصیدے میں ستر اشعار ہیں۔ اس کا تاریخی نام حمایہ فضل الرسول ہے۔ یہ قصائد علمی حلقوں میں قصیدتان رائعتان کے نام سے مشہور ہیں۔ حضرت شیخ صاحب کے تلمیذ رشید مولانا عاصم اقبال مجیدی بدایونی نے ان اہم تاریخی قصائد کا ترجمہ و تشریح کی ہے۔ شیخ صاحب نے پچاس صفحات پر مشتمل تفصیلی مقدمہ لکھا ہے جس میں عربی زبان و ادب اور نظم عربی کے تمام پہلوؤں کا علمی، تحقیقی، فنی، لسانی، عروضی اور بلاغی جائزہ لیا گیا ہے۔ مقدمے میں فاضل بغداد ڈاکٹر رشید عبیدی کی شرح و تحقیق میں تسامحات کی بھی سنجیدگی سے خبر لی گئی ہے۔ مقدمے کا یہ حصہ مقدمے کی جان ہے جس کو افادہ عام کے لیے جام نور کے صفحات کی زینت بنایا گیا ہے۔ عربی زبان و ادب سے دلچسپی رکھنے والے شائقین علماء، طلبہ اور عربی ادب کو دعوت عام ہے کہ ہر جہت سے اس کا مطالعہ کریں اور شیخ صاحب کی علمی وسعت کا اندازہ لگائیں۔

قصیدتان رائعتان ۲۵۶ صفحات پر مشتمل کتابی شکل میں موجود ہے۔  
(۵۳) تو کجا بہر تماشای روی:

یہ مضمون نومبر ۲۰۱۳ء میں شائع ہوا۔ امام علم و فن حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی علیہ الرحمہ کی وفات پر ایک سو گوار تحریر ہے جو انہوں نے خواجہ صاحب کی تدفین میں شرکت سے واپسی پر لکھی۔ اس میں خواجہ صاحب کی حیات کے تعلق سے کسی موضوع پر گفتگو نہیں ہے بلکہ غم و اندوہ کے الم میں خالص ایک تعزیتی تحریر ہے۔ شیخ صاحب اپنے استاذ محترم خواجہ صاحب کی ایک سوانح حیات مرتب کر رہے تھے جو غالباً پایہ تکمیل کو نہ پہنچ سکی۔ مردے از غیب بروں آید و کارے بکند

(۵۴) شب جائے کہ من بودم:

جام نور جنوری ۲۰۰۸ء میں شائع ہوا۔ ۲۰۰۷ء عرس قاسمی مارہرہ میں شیخ صاحب کی دوسری حاضری کے موقع پر خصوصی تحریر ہے جس کو مدیر اعلیٰ جام نور نے مہمان ادارہ کے بطور شائع کیا ہے۔ اردو زبان و

ادب کے تعلق سے یہ ایک عظیم شاہ کار ہے جس سے متعدد پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے۔ مثلاً بدایوں مارہرہ کے صدیوں پرانے رشتوں کی منظر نگاری، ارباب خانقاہ قادریہ بدایوں کس حیثیت سے خانقاہ برکاتیہ مارہرہ حاضر ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی بے شمار خصوصیات ہیں جو اس مقالے سے اظہر من الشمس ہیں۔ اہل بدایوں اپنی عزت و عظمت، شہرت و رفعت، معرفت و ولایت وغیرہ سب کچھ مارہرہ کارہین منت تصور فرماتے ہیں۔

(۵۵) حدیث انتراق امت احمق علی مطالعہ کی روشنی میں:

مئی تا اگست ۲۰۰۵ء جام نور میں چار قسطوں میں اس مقالے کو شائع کیا۔ اس کی اشاعت پر کرم فرماؤں نے نہایت تشویش کا اظہار کیا۔ علم و فضل، تحقیق و تدقیق اور علوم الحدیث سے نا بلند حضرات، بخاری اور مسلم کا لفظی ترجمہ کرنے والے شیخ الحدیث، اندھی تقلید میں گرفتار بے حوصل مولوی حضرات کی پوری برادری بے چین ہو گئی۔ بزعم خویش تحقیق و تدقیق اور علم و ادب کی نئی راہوں کا دروازہ بند کرنے والے بلبلا اٹھے۔ علوم القرآن اور علوم الحدیث کی روشنی میں کوئی مدلل و مفصل اور واضح اور اطمینان بخش تحریر نہ لکھ سکے۔ بہت سے لوگوں نے اس میدان میں پنجہ آزمائی کی اور اپنی موروثی روش کے مطابق نہایت غیر سنجیدہ اور انسانیت سے گری ہوئی باتیں کہیں اور لکھیں، جس کو مہذب، دانشور اور اہل علم و ادب کا طبقہ یا ایک انصاف پسند انسان پسند نہیں کرتا۔ بہر حال بہت لے دے مچی اب بھی کچھ یاران طریقت سعی نامحود میں مبتلا ہیں۔ شیخ صاحب نے حرف آغاز میں لکھا ہے:

”اگر کوئی سنجیدہ اور علمی تنقید سامنے آتی ہے تو مجھے مقالے پر نظر ثانی کرنے اور غلطی واضح ہونے کی صورت میں اپنی خطا کے اعتراف اور قبول حق میں کوئی تاثر نہیں ہوگا۔“

شیخ صاحب کے مقالات میں سب سے زیادہ بے چینی اسی مقالے پر ہوئی۔ یہ مقالہ نومبر ۲۰۰۸ء میں چوراسی صفحات پر مشتمل کتابی شکل میں بھی شائع ہوا۔ اس موضوع پر مزید تعارف شیخ صاحب کی تصنیفات کے تعارف میں ملاحظہ فرمائیں۔

(۵۶) قرآن کریم کی سائنسی تفسیر: ایک تحقیری مطالعہ:

خالص علمی، تحقیقی مقالہ اگست تا نومبر ۲۰۰۶ء ماہ نامہ جام نور میں

ماہنامہ جام نور کے تاریخی انٹرویوز کا مجموعہ

# روبرو

(۳ جلدیں)

شائع ہو چکا ہے

ترتیب: خوشتر نورانی

ناشر: ادارہ فکر اسلامی، دہلی

معاصر مذہبی، مسلکی، ملی، علمی، ادبی، تعلیمی، سیاسی، سماجی اور صوفی مسائل پر مشاہیر وقت کے افکار و خیالات کے اس دستاویز کو درجہ ذیل تین جلدوں میں تقسیم کیا گیا ہے:

پہلی جلد: علما و مشائخ پر مشتمل ہے

صفحات: 364، قیمت: 160/-

دوسری جلد: ادبا، شعرا اور ناقدین ادب پر مشتمل ہے

صفحات: 306، قیمت: 140/-

تیسری جلد: ملی، سیاسی، تعلیمی، تحریکی اور صحافتی شخصیات پر مشتمل ہے۔

صفحات: 306، قیمت: 140/-

ادارہ فکر اسلامی دہلی کی طرف سے شائع شدہ تقریباً ہزار صفحات پر پھیلے اس علمی، فکری اور تاریخی دستاویز کے لیے مکتبہ جام نور دہلی سے رابطہ کریں۔

Phone: 011-23281418, 09313783691

شائع ہوا۔ یہ مضمون از ہر شریف مصر میں کلیہ اصول الدین شعبہ تفسیر کے سال سوم میں لکھا گیا مقالہ ہے جو دراصل عربی میں لکھا تھا۔ شیخ صاحب نے بقلم خود اردو کا جامہ پہنایا اور اردو رسائل و جرائد میں شائع کیا جو ۲۰۰۸ء میں ۶۳ صفحات پر مشتمل کتابی شکل میں شائع ہوا۔ برصغیر کے مدارس میں اصول تفسیر کی کتابیں داخل نصاب نہیں ہیں (اب چند سالوں سے) اس لیے علما، طلبہ کے لیے یہ موضوع جدید تھا۔ شائقین کے لیے تعجب اور دلچسپی کا باعث تھا۔ علم و ادب اور تحقیق و مطالعہ کے شائقین نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ حسب سابق از ہری بدایونی تحقیق ہونے کے ناطے ایک مخصوص طبقے نے اظہار تشویش کیا۔ کرنا بھی چاہیے، اس لیے کہ یہ ان کا موروثی حق ہے۔ ان کے نزدیک جدید تحقیق کے نام پر ہر حرف غلط ہے۔ مگر ان کی طرف کسی نے کوئی توجہ نہ کی اور نہ کسی نے ان کی سنی۔ اس لیے کف دست مل کر کنویں کے مینڈک کی طرح اپنی اپنی خواب گاہوں میں واپس ہو گئے۔

اس موضوع کے ساتھ شیخ صاحب نے تحقیقی اعتبار سے کتنا انصاف کیا ہے اور کیا نیا پیش کیا ہے، اس کے لیے اس کتاب کا مطالعہ کریں جو تاج الفحول اکیڈمی بدایوں کے زیر اہتمام ۲۰۰۸ء میں شائع ہوئی۔ تاج الفحول اکیڈمی بدایوں شریف کی جملہ مطبوعات مکتبہ جام نور دہلی اور خواجہ بک ڈپو دہلی سے طلب کریں۔

حضرت شیخ اسید الحق قادری کے ۵۶ مقالات کا تعارف حاضر خدمت ہے جو بے شمار مصروفیات اور ذمہ داریوں کو نبھانے کے ساتھ ساتھ نہایت کم وقت میں لکھا گیا ہے۔ اگر قارئین کو پسند آئے تو اللہ و رسول کا فضل و احسان اور حضور غوث اعظم کا فیضان ہے۔ اگر پسند نہ آئے تو یہ میری علمی بے مائیگی ہے۔

اللہ تعالیٰ عالم ربانی اور شہید راہ بغداد کے درجات بلند فرمائے۔ ان کے چھوڑے ہوئے مشن کی تکمیل کے لیے غیب سے اسباب مہیا فرمائے۔ مولانا محمد عتیف میاں قادری اور محمد عزام میاں قادری کو شیخ صاحب کا سچا علمی جانشین بنائے۔ آمین

□□□

☆ پرنسپل دارالعلوم فیضان شاہ نقلین، قصبہ گکراہ ضلع بدایوں (یوپی)

# عربی محاورات مع ترجمہ و تعبیرات: ایک مطالعہ

مدارس اور جامعات کے عربی شعبہ جات میں اس کتاب کو شامل نصاب کیا جانا چاہیے

کس قدر ظلم ڈھایا کرتے ہو  
یہ جو تم بھول جایا کرتے ہو  
(۳۱ جولائی ۲۰۱۳ء شام ۶ بج کر ۳۶ منٹ)  
مرحوم سیل فون پر ٹیکسٹ کی صورت میں اپنی محبت آمیز سخن فہمی  
سے میرے ذہن کی ہول ناک تاریکی میں چراغ سا روشن کر دیتے تھے۔  
۱۹ مئی ۲۰۱۳ء کی رات کے سات بج کر باون منٹ پر انہوں نے یہ شعر  
ٹیکسٹ کیا تھا جسے جواباً انھیں کو واپس روانہ کرنے کو جی چاہتا ہے۔ کاش  
یہ ممکن ہوتا۔

کبھی کبھی سفر زندگی سے تھک کر ہم  
ترے خیال کے سائے میں بیٹھ جاتے ہیں  
اور یہ شعر تو اب ایسا لگتا ہے انہی کے لیے کہا گیا تھا جو ان کے ہم  
سے اچانک پھڑ جانے کے بعد اپنی معنویت کو پوری طرح اجاگر کر رہا ہے:  
یہ اپنے چاہنے والوں کا حال کرتے ہو  
کمال کرتے ہو صاحب کمال کرتے ہو  
(یکم دسمبر ۲۰۱۳ء)

مولانا اسید الحق قادری سے پہلی اور آخری مرتبہ ممبئی یونیورسٹی کے  
شعبہ عربی کے منعقدہ سیمینار بہ عنوان ”عربی اور اردو کے لسانی و ادبی  
روابط“ میں شرف ملاقات حاصل ہوا تھا۔ یہ دور روزہ سیمینار ۲۷/۲۸ فروری  
۲۰۱۳ء کو منعقد ہوا تھا۔ میں ان کی علیست کا تو قائل تھا ہی ملاقات  
کے بعد ان کی طبعی شائستگی اور حسن اخلاق کا بھی معترف ہو گیا۔ ان کے  
طرز عمل اور انداز گفتگو سے متانت اور وضع قطع سے رکھ رکھاؤ اور سلیقہ  
مندى ٹپکتی تھی۔ وہ مولویانہ کھرے پن سے عاری ایک شگفتہ مزاج عالم  
نظر آئے۔ راقم الحروف نے سیمینار کے ”کلیدی خطبے“ میں اپنی بساط بھر  
موضوع سے انصاف کرنے کی سعی نا تمام کے ساتھ شرکائے مذاکرہ سے

ٹھیک سے یاد نہیں آرہا ہے کہ محبت مکرم مولانا اسید الحق قادری  
بدایونی سے رشتہ مودت کی بنیاد کیسے اور کب پڑی۔ غالباً مرحوم نے اپنی  
گراں قدر تصنیف ”عربی محاورات مع ترجمہ و تعبیرات“ سے نوازا تھا  
جس میں دیگر ماخذ کے ساتھ میرے ڈاکٹریٹ کے مقالے ”اردو کہاوتیں  
اور ان کے سماجی و لسانی پہلو“ کے حوالے سے محاورے کی تعریف متعین  
کی گئی تھی اور اس کے خصائص کو اجاگر کیا تھا۔ کہاوتوں اور محاوروں پر  
مبسوط و منضبط کام نسبتاً کم ہوا ہے، اس لیے مجھے ان کی یہ علمی کاوش مفید و  
ممتاز لگی اور میں نے کتاب میں درج سیل فون نمبر پر ان سے رابطہ کر کے  
ان کے کام کو سراہا۔ اس وقت مرحوم نے خود میرے کام کی اس منکسرانہ  
انداز سے تحسین کی کہ مجھے حجاب آنے لگا۔ گفتگو اگرچہ فون پر ہو رہی تھی  
مگر ان کے لہجے اور لفظوں کے انتخاب سے یہ احساس ہو رہا تھا کہ اس  
میں اردو والوں کا نام نہاد انکسار نہیں قائل کا اخلاص شامل ہے۔

مرحوم کی ایک اور کتاب ”خامہ تلاشی“ بھی موصول ہوئی تھی جس  
پر ممبئی یونیورسٹی کے شعبہ اردو سے ایم فل کر رہے ایک قدرے سمجھ دار  
طالب علم سید عبداللہ علوی سے میں نے تبصرہ کروا کے ”سہ ماہی ترسیل“  
میں اسے شائع کیا۔

اور ”ترسیل“ ان کے نام جاری بھی کرایا تھا کہ اس تبصرے کے  
علاوہ ترسیل کے دیگر مشمولات ان کی نظر سے گزرتے رہیں۔ ایک آدھ  
بار ایسا بھی ہوا کہ اعزازی طور پر مرسلہ شماروں سے متعلق پتوں کی  
فہرست میں ان کا نام نہیں ملا تو میں نے پرچہ ملنے کی تصدیق کرانے کے  
لیے انہیں SMS کیا اور پتے میں کوئی غلطی بھی ہو تو اس کی اصلاح کی  
درخواست کی۔ جواب میں پرچہ ملنے کی رسید آئی۔ کوئی ایک ماہ بعد ان کا  
ایک اور ایس ایم ایس آیا جو غالباً اگلا پرچہ نہ ملنے کی شکایت کا پر لطف  
اظہار تھا:

یہ توقع بھی وابستہ کی کہ وہ اردو کے تعلق سے مرہبانہ رویہ اختیار کرنے کے بہ جائے اسے ایک خود مکلفی زبان کی حیثیت سے دیکھیں اور عربی عناصر و الفاظ کے تلفظ، املا، معنی اور محل استعمال کے اعتبار سے اسے عربی کی دست نگر نہ سمجھیں۔ بعض مقالات کی پیش کش کے دوران اردو کے ایک مستقل زبان ہونے کے ناطے اسے اپنی لسانی ترجیحات و امتیازات کو اختیار کرنے اور ان پر عمل کرنے کی آزادی پر گرما گرم بحث بھی ہوئی۔ پہلے دن کے اجلاسوں کے اختتام پر لوگ چھوٹے چھوٹے گروہوں میں بٹ گئے اور کچھ شعبہ اردو یا اپنی اپنی قیام گاہ کو روانہ ہو گئے۔ میں بھی شعبہ اردو کی طرف جا رہا تھا کہ راستے میں اسید الحق صاحب چند شرکا کے ساتھ جاتے ہوئے نظر آئے۔ میں نے رک کر سب کو سیمینار کی کامیابی کے لیے مبارک باد دیتے ہوئے ازراہ تفسیر کہا ”ایک دل چسپ بات یہ ہوئی کہ اردو اور عربی والوں میں علمی مچھیا بھی ہو گیا۔“ اس پر مرحوم نے جو قبہ لگایا، وہ ان کی خوش دلی و خوش مذاقی پر دلالت کرتا تھا اور اب تک کانوں میں گونجتا محسوس ہوتا ہے۔

مرگِ ناگہانی نے مولانا کی راہ کھوئی نہ کی ہوتی تو ان کی ذات سے علم و ادب اور مذہب و ملت کی گراں مایہ خدمات کا ظہور ہوتا۔ اگرچہ ان کا چھوڑا ہوا علمی سرمایہ بھی ان کے نام اور ان کی یاد سے ہمارے سینوں کو پُر نور رکھے گا مگر ان کا شعلہ مستعجل ہونا بھی ہمارے دلوں کو ان کی آخری دھڑکنوں تک مسو ستار ہے گا۔

ہاں اے فلک پیر، جواں تھا ابھی عارف

کیا تیرا بگڑتا جو نہ مرتا کوئی دن اور

برقی پیغامات کا ذکر آ گیا ہے تو ایک آخری پیغام کی بابت بھی دو باتیں کر لوں جو مرحوم کی سناؤنی کے طور پر عزیز ی تالیف حیدر نے ارسال کیا تھا۔ پڑھتے ہی دل پر ایسی چوٹ لگی جیسے کسی قریبی عزیز کے اٹھ جانے کا صدمہ پہنچا ہو۔ اپنے جوان بھائی کے خالی گھر کی تنہائی میں ہارٹ ایک کے بعد اپنوں سے دور ہونے والی ناگہانی موت کے صدمے سے اب تک باہر نہیں آسکا ہوں۔ اسید الحق مرحوم کے انتقال کی خبر نے اس غم کو تازہ کر دیا اور میں نے جو اب یہ پیغام نائپ کیا جو قلب مضطر کا ترجمان تھا:

”یہ سال کی پہلی سب سے اندوہ ناک خبر ہے۔ ایک حلیم الطبع

عالم کی رحلت علم و اخلاق دونوں کا نقصان ہے۔ اللہ ان کے درجات عالی کرے۔“ (۴ مارچ ۲۰۱۴ء)

میری ناہنجار طبیعت کا احوال یہ ہے کہ گھنٹوں کا کام دنوں میں، دنوں کا ہفتوں میں اور ہفتوں کا مہینوں میں انجام پاتا ہے اور جو کام موقوف ہو جاتے ہیں وہ ایک ایسا گلدستہ طاق نسیاں ہو کے رہ جاتے ہیں جس کے مرجھائے ہوئے پھول کتابوں تو کجا صندوقچوں میں بھی جگہ نہیں پاتے۔ مگر عزیز ی تالیف حیدر کے محبت آمیز اصرار اور مرحوم کی موہنی یادوں کے سحر نے ایسا باندھ لیا کہ سب کام چھوڑ چھاڑ کر اس تحریر کی تکمیل میں لگ گیا ہوں۔

وقت کی کمی اور قلم کی کوتاہی (آج مارچ کی ستائیسویں ہے اور مجھے کل تک اپنی یہ تحریر اسکین کرا کے ای میل کرانی ہے۔ نظر ثانی اور تہیض کا بھی وقت نہیں ہے، اس لیے ہاتھ اور قلم سنبھال کے لکھنے کی کشاکش میں مبتلا ہوں) کے پیش نظر مرحوم کی ”وقیع تصنیف“ عربی محاورات مع ترجمہ و تعبیرات“ کا مبسوط جائزہ لینے سے قاصر ہوں لیکن وعدے کی پابندی اور مرحوم کے دام محبت کی گرفتاری کا تقاضا ہے کہ اپنے تاثرات قلم بند کرنے کی سعادت سے محروم نہ رہوں۔ لیکن اپنے ناقص معروضات پیش کرنے سے قبل اس کتاب کے تقریظ نگار صدر شعبہ عربی عثمانیہ یونیورسٹی ڈاکٹر محمد مصطفیٰ شریف کی عالمانہ تحریر کے دو مختصر اقتباسات نقل کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ ان سے کتاب اور صاحب کتاب کا جامع تعارف سامنے آتا ہے اور راقم الحروف کے جذبات و احساسات کی بھی عکاسی ہوتی ہے:

”زیر نظر کتاب ایک ایسے ہی عالم کے نوک قلم سے معرض وجود میں آئی ہے جو الحمد للہ! بہ یک وقت دونوں زبانوں پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ مزید یہ کہ صوفی بھی ہیں عالم بھی، ادیب بھی ہیں ناقد بھی، مترجم بھی ہیں مؤلف بھی اور ماہر لسانیات بھی۔ اردو نے تو انہی کے خانوادوں میں انگڑائیاں لی ہیں، عربی ادب کی آخری پناہ گاہ (جامع ازہر) میں ان کا قیام اور وہاں کے عبقری اساتذہ سے ان کا استفادہ اس پر مستزاد۔“

”مولانا موصوف سے میری پہلی ملاقات شعبہ عربی، جامعہ عثمانیہ میں ہوئی۔ نورانی متمبسم چہرہ اور اندازِ تکلم ان کی خاندانی



اور ذاتی علمی وجاہت کی گواہی دے رہا تھا۔ عربی زبان اور بالخصوص محاورات کے سلسلے میں ان کی گفتگو سے اندازہ ہوا کہ وہ صرف اسید الحق ہی نہیں بلکہ اسد الادب بھی ہیں۔“

زیر نظر کتاب کے مقدمے میں مصنف نے محاورہ کیا ہے اور اس کی درست و جامع تعریف کیا ہو سکتی ہے، اس پر سیر حاصل بحث کی ہے اور متعدد مصادر سے استفادہ کرتے ہوئے ’فرہنگ آصفیہ‘ اور ’فیروز اللغات‘ میں درج تعریفوں سے اختلاف بھی کیا ہے اور محاورہ، ضرب المثل میں ہونے والے خلط بحث پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ کتاب کے موضوع سے انصاف کرنے کی خاطر انہوں نے عربی مصادر کے حوالے بھی درج کیے ہیں اور قاری کی سہولت کی خاطر عربی اقتباسات کا سلیبس اردو ترجمہ بھی درج کیا ہے۔

عربی محاوروں کے تعلق سے ان کی یہ تحقیق ہمارے علم میں اضافے کا باعث ہے کہ محققوں نے انہیں چار زمروں میں تقسیم کیا ہے: (۱) قرآنی محاورے (۲) قدیم محاورے (۳) جدید محاورے (۴) معرب محاورے۔ ان چاروں اقسام پر مولانا اسید الحق نے سیر حاصل روشنی ڈالتے ہوئے جو مثالیں درج کی ہیں وہ ان کی عربی دانی، قرآن فہمی، وسعت علمی اور اپنے موضوع پر مکمل گرفت کی عکاسی کرتی ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ مولانا اسید الحق مصر میں اپنی طالب علمی کے زمانے سے اس موضوع کے بحر میں اس قدر گرفتار ہو گئے تھے کہ درسی وغیر درسی کتب، اخبارات و رسائل یہاں تک کہ اساتذہ و طلبہ کی گفتگو میں بھی عربی محاوروں کی جستجو کرنے اور انہیں حافظے یا نوٹ بک میں محفوظ کرنے کے عمل میں سرگرم رہا کرتے تھے۔ اپنے اس تاثر کی تائید میں انہیں کے ایک مشاہدے سے آپ کو رو برکراؤں تو بہتر ہوگا۔ فرماتے ہیں:

”۲۰۰۳ء میں عراق پر قبضے کے بعد امریکی فوجیوں نے ابو غریب نامی جیل میں عراقی فوجیوں کو قید کر دیا۔ اسی درمیان ابو غریب جیل سے ایسی ویڈیو سامنے آئیں جن میں امریکی فوجیوں کو عراقیوں پر انسانیت سوز مظالم کرتے ہوئے دکھایا گیا تھا۔ بین الاقوامی میڈیا میں اس کا بہت چرچا رہا۔ اس زمانے میں مصری دارالافتا میں تربیت افتا کا کورس کر رہا تھا۔ ڈاکٹر احمد کمال اصول فقہ کا درس دیتے تھے۔ دوران درس

انہوں نے کوئی واقعہ سنایا جس میں کسی شخص پر بہت مظالم کیے گئے تھے۔ اس کی تعبیر کے لیے انہوں نے کہا کہانہ جسہ فی سجن ابو غریب یعنی گویا کہ اسے ابو غریب جیل میں قید کر دیا گیا ہو۔ اس وقت تو بات ہنسی میں آئی گئی ہو گئی مگر چند ماہ بعد میں نے یہی محاورہ اسی معنی میں مصر کے موقر روزنامے ’الاہرام‘ میں پڑھا۔“

اپنے موضوع سے اس قدر جذباتی لگاؤ اور ذہنی وابستگی کی مثال آج ہمارے طلبہ تو کجا اساتذہ میں بھی خال خال ہی ملے گی۔ اس خوبی کے علاوہ مصنف کے علمی انکسار اور تحقیق دیانت داری کا ذکر بھی ضروری ہے جس کا اظہار ”کچھ کتاب کی ترتیب کے بارے میں“ کے زیر عنوان شامل کی گئی تحریر سے ہوتا ہے۔ اس میں انہوں نے محاورات کے مآخذ تو درج کیے ہیں ہی، ان سے متعلق مثالوں کے تعلق سے یہ وضاحت بھی کر دی ہے کہ بعض مثالیں شعبہ اردو، جامعہ ازہر کے استاد ڈاکٹر ابراہیم نے نظر ثانی کے دوران لکھی تھیں لیکن ”تسوید و تمییز کے مراحل کے دوران سب مثالیں آپس میں گڈمڈ ہو گئیں، اب یہ نشان وہی مشکل ہے کہ ڈاکٹر ابراہیم صاحب کی لکھی ہوئی مثالیں کون کون سی ہیں ورنہ میں اس کا حوالہ ضرور دے دیتا۔“

آگے اس حقیقت کا بھی اعتراف کیا ہے کہ بیس پچیس مقامات پر مختلف ادبا کی کتابوں سے محاورات پر مشتمل عبارتیں نوٹ کر کے شامل کی گئی ہیں لیکن حوالہ اس لیے نہیں دیا جاسکا کہ نوٹ کرتے وقت کتاب ترتیب دیئے کا خیال ذہن میں نہیں تھا لہذا مصنف اور کتاب کا نام نوٹ نہیں کیا جاسکا۔ چنانچہ اگر کسی کو میری درج کردہ مثال کسی ادیب کی کتاب میں مل جائے تو اس کو سرقہ نہ سمجھا جائے۔

زیر نظر کتاب دو حصوں میں منقسم ہے۔ (۱) مقدمہ اور (۲) فرہنگ امثال۔ دونوں حصوں میں مصنف کی علمی جستجو، تحقیقی نظر اور باریک بین نگاہ کا سحر قاری کو ہمہ وقت باندھے رکھتا ہے۔ محاورات کی تاریخی و سماجی پس منظر اور ان پر تہذیب و تمدن کے اثر سے متعلق مدلل گفتگو کے علاوہ عربی اردو محاورات کا تقابلی جائزہ اور با محاورہ ترجمے میں احتیاط کے ذیلی عنوانات کے تحت کی گئی بحث اور اس میں پیش کردہ مثالوں سے عربی وارو کے طلبہ..... بقیہ صفحہ 131 پر ملاحظہ کریں

## مقدمہ قصیدتان رائعتان پر ایک نظر

اور غم کا اظہار کیا جائے کم ہے لیکن قدرت نے اس زخم کے لیے ایک ایسا مرہم شفا بھی عطا کر دیا ہے جو ہرزہ غم کا تریاق ہے۔ جہاں رحلت، وفات اور انتقال کے تصور نے ہمیں نڈھال کر دیا ہے، وہیں شہادت کے لیے وعدہ الہیہ کا خوشگوار تصور تسکین قلب کا سامان فراہم کر رہا ہے۔ شہادت ایک ایسا راستہ ہے جو کہیں سے کج مچ نہیں ہے، سیدھا جنت الفردوس کو جاتا ہے، پھر سرکارِ غوثیت کے احاطے میں موفون ہونے کا شرف نوز علی نور:

ایں دولت سرمد ہمہ کس راند ہند

فاضل بدایونی نے چند ماہ پیشتر مجھ سے فون پر کہا تھا کہ انھوں نے سیدنا اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دو قصیدے مدائح فضل الرسول اور حمائد فضل الرسول کا تحقیقی جائزہ لیا ہے، اسے ایک نظر دیکھ لیجئے تاکہ طباعت کا عمل شروع کیا جائے، چند روز کے بعد خواجہ بکڈ پو سے مسودہ کا پرنٹ آؤٹ مجھے ملا اور یہ پیغام بھی کہ اس کی طباعت آپ کے دیکھ لینے کے بعد ہی ہوگی، میں اپنے سرکاری اور غیر سرکاری مصروفیات کی وجہ سے مواد کا مطالعہ نہ کر سکا، تاہم فون کے ذریعے خیالات کا تبادلہ ہوتا رہا، میری تاثراتی تحریر بروقت نہ پہنچ سکی، وقتاً فوقتاً ٹیلی فونی رابطہ کو غنیمت سمجھ لیا گیا اور تحقیقی جائزہ مترجم قصائد کے ساتھ شائع ہو گیا۔

امام احمد رضا کے دونوں قصائد جو حضرت سیف اللہ المسلمول مولانا شیخ فضل رسول رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مدح میں کہے گئے ہیں، قصائد کے نام ”مدائح فضل الرسول“ اور ”حمائد فضل الرسول“ حضرت امام کے رکھے ہوئے ہیں، جن سے ۱۳۰۰ھ برآمد ہوتا ہے لیکن دونوں قصائد کے مجموعے کا نام ”قصیدتان رائعتان“ حضرت امام کا رکھا ہوا نہیں ہے، قیاس کہتا ہے کہ اگر وہ اس مجموعے کا نام رکھتے تو اس سے بھی

یہ مختصر تحریر گرامی منزلت، شیخ علام مولانا اسید الحق قادری کی خواہش کی تکمیل کی کوشش ہے، جس کا اظہار موصوف نے بغداد معلیٰ کی حاضری سے پہلے فون پر ایس ایم ایس کے ذریعے اور خواجہ بکڈ پو، دہلی کے مولانا غلام حسن کے توسط سے کیا تھا۔

فضیلۃ الشیخ علامہ اسید بدایونی علیہ الرحمہ ہمارے درمیان نہ رہے، مذہبی، علمی اور شعری و فنی دنیا ایک عظیم سپوت سے محروم ہو گئی، مرحوم نے چالیس برس سے کم عمر میں قوم و ملت کے لیے جو جواہر پارے چھوڑے ہیں اس سے یہ اندازہ کرنا کچھ دشوار نہیں کہ اس بطل جلیل کی طبع رواں چالیس کی عمر پار کر کے معمورہ علم و فن کو کیسے کیسے گلہائے رنگ رنگ سے آباد کرتی۔

حیف!

خوش دز شید و لے دولت مستعجل بود

میں حیران ہوں، بغداد معلیٰ کی حاضری میں یہ حادثہ پیش آیا، وہی سرکارِ غوثیت جس کے بارے میں سیدی امام احمد رضا فرماتے ہیں:

عطفًا عطفًا عطفوف عبدالقادر

رافا رافا رافا رؤف عبدالقادر

اے آنکہ بدست تست تصریف امور

اصرف عنا الصروف عبدالقادر

یہ سب کچھ محو اثبات پر تصرف کرنے والے آقا کے نور نظر کے سامنے ہوا، دہشت گرد اپنے منصوبے میں کامیاب رہے، یہ خدائی بھید ہے، ہماری فہم سے ماورا ہے، بہت ننھا کاتنے سے دماغ پھٹ جائے گا، کیا معلوم شیخ بدایونی نے بارگاہِ غوثیت میں کیا استغاثہ کیا تھا۔

شیخ بدایونی کی رحلت نہ صرف خانوادہ عثمانی بدایونی کے لیے بلکہ پوری دنیائے علم و حکمت کے لیے ایک عظیم المیہ ہے اور اس پر جتنا رنج

تاریخ نظم برآمد ہوتی، تاہم یہ نام بہت اچھا تجویز ہوا ہے۔ تجویز کنندہ کے باشد، سب سے پہلے میں حضرت امام احمد رضا رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کی بارگاہ میں نذرانہ عقیدت پیش کرتا ہوں کہ آپ نے دونوں قصائد کے لیے جس بحر کا انتخاب کیا ہے یہ خالص تازی الاصل ہے، اہل فارس اور اہل ہند کے طبائع سے اس کے زحافی اوزان کی موزونیت میل نہیں کھاتی، مگر عرب شعر کا کلام اس بحر کے اسی زحافی وزن میں سب سے زیادہ دیکھا گیا ہے۔

پہلا قصیدہ جو بحر کامل میں ہے اس کے تعلق سے فاضل بدایونی رقم طراز ہیں:

”بحر کامل میں چھ تفعیلات ہوتے ہیں۔ تین پہلے شطر میں اور

تین دوسرے شطر میں اس کا پورا وزن یوں ہے:

مُتَّفَاعِلُنْ / مُتَّفَاعِلُنْ / مُتَّفَاعِلُنْ  
مُتَّفَاعِلُنْ / مُتَّفَاعِلُنْ / مُتَّفَاعِلُنْ

پہلے شطر کا آخری تفعیلہ عروض کہلاتا ہے اور دوسرے شطر کا آخری تفعیلہ ضرب کہلاتا ہے۔“

اسی کے ساتھ فاضل راقم نے ایک نکتہ کی طرف توجہ دلائی ہے کہ:

”بحر جز اور بحر کامل میں نہایت باریک فرق ہے کیونکہ بحر جز میں مندرجہ ذیل چھ تفعیلات ہوتے ہیں:

مُسْتَفْعِلُنْ / مُسْتَفْعِلُنْ / مُسْتَفْعِلُنْ  
مُسْتَفْعِلُنْ / مُسْتَفْعِلُنْ / مُسْتَفْعِلُنْ

اس باریک فرق کی وضاحت یہ ہے کہ بحر کامل کے رکن متفاعلن کا حرف ثانی ساکن ہو جانے کی صورت میں مُتَّفَاعِلُنْ، مُتَّفَاعِلُنْ ہو جاتا ہے، جسے اہل عروض معروف عروضی وزن مُسْتَفْعِلُنْ سے بدل دیتے ہیں۔ یہ زحافی صورت جس کا اصطلاحی نام ”زحاف اضمار“ ہے، بحر کامل میں عام ہے، اس بحر میں اگر کوئی تفعیلہ مُسْتَفْعِلُنْ پر تقطیع ہو تو نہ صرف جائز ہے بلکہ دیگر زحافات کے بالمقابل مستحسن ہے، لیکن بحر جز کے جو تفعیلات ہیں ان میں سے کوئی تفعیلہ متفاعلن پر تقطیع نہیں ہوگا۔

فاضل بریلوی کا قصیدہ نونیہ بحر کامل میں ہے، اس کی ضرب میں ایک اور زحاف کو راہ ملی ہے جو اہل عرب میں نہایت مطبوع ہے لیکن فارسی اور اردو میں یہ زحافی شکل غیر مطبوع ہے، عروض کی کتابوں میں

جو اشعار لکھے گئے ہیں وہ محض تفہیم کے لیے ہیں، کوئی باضابطہ قصیدہ راقم الحروف کی نظر سے نہیں گزرا ہے۔ فاضل بدایونی نے اس قصیدہ کا اصل وزن واضح کرتے ہوئے بطور مثال ایک شعر کی تقطیع کی ہے، کیونکہ پورا قصیدہ (باستثنائے چند دیگر زحافات) اسی وزن پر تقطیع ہوتا ہے۔

تَبْكِي دَمْنِ / وَ تَقُولُ فِي / اسْجَاعِهَا

مُتَّفَاعِلُنْ / مُتَّفَاعِلُنْ / مُتَّفَاعِلُنْ

اللَّهُ يَضُّ / حَلْكَ سِنِّ مَنْ / ابْكَانِي

مُتَّفَاعِلُنْ / مُتَّفَاعِلُنْ / مُتَّفَاعِلُنْ

جائزہ نگار نے واضح کر دیا ہے کہ پہلے شعر کی ضرب میں (یعنی ”رن الحمام الخ“ میں) زحاف اضمار قطع واقع ہے، یہ تمہیما ہے لیکن اگر عروضیوں کے تعامل کے پیش نظر اضمار کی صورت میں مُتَّفَاعِلُنْ کو مُسْتَفْعِلُنْ اور مُتَّفَاعِلُنْ کو مُسْتَفْعِلُنْ لکھا جاتا تو درست ہوتا۔

جیسا کہ عرض کیا گیا بحر کامل سالم میں زحاف اضمار عرب شعرا میں عام ہے اور ان کے طبائع کہیں سے بھی اس کی موزونیت میں کھٹک محسوس نہیں کرتے لیکن فارسی اور اردو شعرا کے طبائع میں اس کی موزونیت غنائیت کو کسی حد تک متاثر ضرور کرتی ہے، مثلاً یہ شعر:

نہ ہوئی کبھی مجھ سے خطانہ ہوا کرو مجھ پر خفا

نہ دیا کرو تم گالیاں نہ کیا کرو مجھ پر جفا

پہلا مصرعہ متفاعلن متفاعلن متفاعلن متفاعلن پر اور دوسرا مصرعہ بھی متفاعلن متفاعلن متفاعلن متفاعلن پر تقطیع ہوتا ہے جو کسی

طرح بھی غلط نہیں ہے، لیکن غور کیجیے تو ایسا لگتا ہے کہ ایک نبض تو اتر کے ساتھ چلتے چلتے دو مقامات پر سکون کا وقفہ قدرے بڑھا کر آگے بڑھ رہی ہے، طبائع اور مزاج کے اسی اختلاف کی وجہ سے عربی بحر کے

بہت سے مزاحف اوزان، فارسی اور اردو میں مستعمل نہیں ہیں۔ بحر کامل کا یہ قصیدہ نونیہ اپنے زحاف اضمار قطع کی وجہ سے فارسی اور اردو میں غیر مطبوع ہے اور عربی میں شائع و ذائع ہے۔ جیسا کہ سطور بالا میں

”باستثنائے چند“ سے اشارہ کیا گیا، قصیدے کی ہر ضرب مُتَّفَاعِلُنْ

(مفعولن) پر قطع نہیں ہوتی بلکہ بہت سی ضربیں مُتَّفَاعِلُنْ کے وزن پر ہیں

بلکہ رکن مُتَّفَاعِلُنْ میں جب زحاف قطع آتا ہے تو وہ اصلاً مُتَّفَاعِلُنْ ہی

ہوتا ہے، کیوں کہ رکن کے آخر سے و تہ مجموع کے ایک حرف متحرک کو

ساقط کرنے سے یہ زحاف پیدا ہوتا ہے۔ یہاں متفاعلن کے علن کا عین متحرک ساقط کرنے سے مُتفاعِلن کی شکل بنی، جسے فِعْلَانُن سے تبدیل کیا گیا۔ اب اس مقطوع کو جب مضمر بنایا گیا، یعنی دوسرے متحرک حرف کو ساکن کیا گیا تو فِعْلَانُن ہوا جس کی تبدیل شدہ شکل مفعولن ہے۔ اب اگر پورا قصیدہ نوئیہ کو ملاحظہ کیا جائے تو ہر شعر کی ضرب یا تَوْفِعْلَانُن سے تَفْطِیح ہوگی یا مفعولن سے اور یہ زحافات قصائد عرب میں شائع و ذائع ہیں۔

جیسا کہ عرض کیا گیا تازیوں کے یہاں بحر کامل مسدس ہے لیکن فارسی اور اردو میں الم عروض نے اسے مثنیٰ بھی بنا لیا ہے اور زحاف اضمار ہر ایک کے یہاں جائز ہے۔ قصائد عرب میں تو مجھے ایک قصیدہ بھی ایسا نظر نہیں آیا جس میں زحاف اضمار نہ پایا جاتا ہو۔ مثال کے طور پر مثنیٰ کا مطلع ہی بحر کامل مضمر سے شروع ہوتا ہے:

بِالانمی کف الملام عن الذی

اضناه طول سقامه و شقانه

اس کے بعد ہر دو تین شعر کے بعد زحاف مضمر نظر آتا ہے۔ اس ضمن میں فاضل بریلوی کے کمال فن کو ہدیہ عقیدت پیش کرتا ہوں کہ جہاں عربی دواوین میں بحر کامل کا کوئی قصیدہ اس زحاف سے خالی نہیں ہے، وہیں اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے دو نعتیہ کلام جو حدائق بخشش حصہ اول و دوم میں ہیں ان میں سے ایک نعت شریف ۱۶ اشعار پر اور دوسری ۲۷ اشعار پر مشتمل ہے۔ دونوں بحر کامل سالم مثنیٰ میں ہیں اور ۴۳ مصاربع میں سے ایک مصرع میں بھی زحاف اضمار واقع نہیں ہوا ہے۔ ان میں سے ایک نعت کا مطلع ہے:

وہ کمال حسن حضور ہے کہ گمان نقص جہاں نہیں

یہی پھول خار سے دور ہے یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

اور دوسری نعت کا مطلع ہے:

نظراک چمن سے دو چار ہے نہ چمن چمن بھی نثار ہے

عجب اس کے گل کی بہار ہے کہ بہار بلبل زار ہے

بحر کامل سالم مثنیٰ کی دونوں نعتوں میں سارے الفاظ پورے تو اتر کے ساتھ آگے کی طرف رواں دواں ہیں۔

فاضل بدایونی کے تحقیقی جائزے کا وہ حصہ نہایت دقیق ہے جس

میں زیر نظر قصائد پر نحو و لغت یا عروض و قوافی کی جہت سے فاضل بغداد ڈاکٹر رشید عبیدی کی بعض تنقیدات کا جواب دیا ہے۔

فاضل بدایونی نے فاضل بغدادی کے تعارف میں لکھا ہے کہ موصوف نے جامعہ بغداد سے بی اے، جامعہ القاہرہ ازہر سے ایم فل اور وہیں سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی ہے اور فنون ادبیہ کی مختلف شاخوں پر کم و بیش ۵۰۰ تحقیقی مقالات اور مضامین قلم بند کیے۔ تین شعری دیوان اپنی یادگار چھوڑے، یہ اپنی جگہ، لیکن فاضل بغدادی کی تنقیدات اور فاضل بدایونی کے جوابات کو دیکھتے ہوئے قارئین کو یہ فیصلہ کرنے میں تاثر نہیں ہوگا کہ میدان علم و تحقیق کا معرکہ سر کرنے والا کوئی اور نہیں بلکہ خانوداہ عثمانی بدایوں شریف کے علوم و معارف کی آغوش کا پروردہ ہے جسے فضیلۃ الشیخ اسید بدایونی کہتے ہیں۔

۲۰۱۳ء

یہاں طول کلام سے بچتے ہوئے ایک مثال پراکتفا کرتا ہوں۔

ڈاکٹر عبیدی سے ایک عجیب فنی و عروضی مغالطہ ہوا، انھوں نے

درج ذیل شعر میں العینان کو عین کا تثنیہ قرار دیا:

تسفی فتسفی ثم تسفی بالعنا

و تفلق الاکباد والعینان

ڈاکٹر عبیدی نے عینان کو تثنیہ قرار دینے کے باوجود لہجات عرب کا سہارا لیتے ہوئے اور فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے حسن ظن قائم رکھتے ہوئے دفع دخل مقدر کیا ہے۔ تاویل بعید کی ضرورت یوں ہوئی کہ العینان حالت جری میں ہے، الف کے ساتھ لکھنا خلاف قاعدہ ہے۔ فاضل بدایونی نے اس پر حیرت کا اظہار کیا ہے کہ جب خود فاضل بریلوی نے العینان کی یا پرز بر لگایا ہے تو پھر اس کو عین کا تثنیہ قرار دینے کی طرف ناقد کی توجہ منعطف ہوئی ہی نہیں چاہیے تھی۔ اس کے بعد العینان کی لغوی تحقیق کر کے اور خود مصنف قصیدہ کی مرقومہ عبارت نقل کر کے، مسئلہ بے غبار کر دیا ہے۔ یہاں میں ایک نکتے کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہوں کہ ڈاکٹر عبیدی جیسے عالم و فاضل اور زبان و لغت پر گہری نظر رکھنے والے کو یہ دھوکا کیسے ہوا اور مصنف قصیدہ نے جو العینان کی یا پرز بر لگایا ہے اس کے باوجود انھوں نے العینان کو ساکن کیوں پڑھا؟ ڈاکٹر عبیدی کی علمی استعداد کو نگاہ میں رکھتے ہوئے یہ سوال از خود قائم



ہوتا ہے۔ میرے خیال میں مصنف قصیدہ کا حاشیہ یا بین السطور ڈاکٹر صاحب کے پیش نظر تھا، ان کی نظر عینان کے زبر پر بھی پڑی ہوگی، مگر وہ اس غلط فہمی کا شکار ہو گئے کہ شاید یہ زبر سہو کا تب ہے، اس غلط فہمی کی بنیاد یہ ہو سکتی ہے کہ زیر نظر شعر میں العینان میں ع ی ن تینوں متحرک واقع ہوئے ہیں، جب کہ اس قصیدے کے آگے پیچھے کے اشعار میں تینوں متحرک نہیں ہیں۔ بہ الفاظ دیگر، دیگر اشعار کی ضرب مفعولن سے تقطیع ہو رہی ہے۔ العینان کی کی اس تقطیع میں فٹ نہیں ہو رہی ہے۔ غالباً اسی تصور نے ڈاکٹر عبیدی کو اسے صیغہ تشنیہ قرار دینے پر مجبور کیا۔ پھر بھی انھوں نے حسن ظن قائم رکھا اور لہجات عرب کے سہارے مصرع کو غیر موزوں قرار دینے سے احتراز کیا۔

میں نے پچھلی سطور میں اسی نکتے کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اس قصیدے کی ضرب میں مفعولن اور فعلاتن دونوں زحافوں سے کام لیا گیا ہے اور دونوں یکساں جائز اور شائع و ذائع ہیں بلکہ زحاف قطع جس سے متفاعلن سیدھا فعلاتن ہوتا ہے، بلا واسطہ ہے اور مفعولن کا زحاف متفاعلن میں خزل و تسکین سے حاصل ہوتا ہے اور شعر زیر نظر کی ضرب میں یہی فعلاتن (تحرکات ثلاثہ) واقع ہے۔

جیسے علامہ شیخ عبداللہ بن محمد صالح خزرجی کے درج ذیل شعر میں:

و حباہ من جم الفضائل والمکا  
رم ماتکل بوصفہ الشفتان  
اس کا مطلع یہ ہے:

حمدا لفاتح جملة الانسان  
شرفا بطه المصطفى العدنان

پہلے شعر کی ضرب فعلاتن کے وزن پر ہے اور مطلع میں عروض و ضرب دونوں مفعولن کے وزن پر ہے۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے یہ دونوں قصائد شعری و فنی اعتبار سے شاہکار ہیں اور فاضل بدایونی نے جو تحقیقی تجزیہ پیش کیا ہے یہ داد و تحسین سے بے نیاز ہے۔

آخر میں عرض ہے کہ مولانا شیخ اسید الحق ہمارے درمیان نہ رہے ان سے عراق کی حاضری سے پہلے فون پر خیالات کا تبادلہ ہوتا رہا، بعض امور کی طرف میں نے انھیں متوجہ کیا تھا، تحقیقی تجزیہ کے ساتھ قصیدتان

رائستان کی اشاعت ہو چکی تھی، آئندہ اشاعت میں کچھ ترمیمات کا ارادہ ظاہر کیا تھا، اگر وہ ہمارے درمیان ہوتے تو مجھے یہاں لکھنے کی ضرورت نہ ہوتی مولانا نے جس حذف و ترمیم کا مشورہ قبول کیا تھا ان میں سے یہ بھی تھا۔

(۱) اشعار کی تقطیع ہمیشہ معروف وزن کے ساتھ کی جاتی ہے جب زحافات سے رکن میں تبدیلی ہوتی ہے تو ہمیشہ ان ٹکڑوں کو معروف وزن میں تبدیل کر لیا جاتا ہے، مثلاً مفاعیلین پر جب خرم کا عمل ہوگا یعنی وند مجموع کا پہلا حرف گر جائے گا تو ماقمی فاعیلین ہوگا، اسے مفعولن سے بدلا جائے گا، یونہی متفاعلن پر جب اضمار کا عمل ہوگا تو یہ مُتفاعلن ہو جائے گا اسے مستفعلن سے بدل دیا جائے گا۔ وغیرہ

(۲) تحقیقی جائزے میں بحر کامل مجزوی کی وضاحت یوں کی گئی ہے کہ ”ہر شطر میں تین کی بجائے صرف دو تفعیلات ہی ہوں“ یہاں تک تو صحیح ہے لیکن اس کے بعد کی عبارت ”یعنی عروض اور ضرب دونوں حذف کر دیے جائیں“ صحیح نہیں ہے، کیونکہ ایک شعر کی تشکیل صدر و ابتدا اور عروض و ضرب سے ہوتی ہے، اس کے درمیان کے تفعیلات حشو کہلاتے ہیں، اس لیے کوئی شعر صدر و ابتدا اور عروض و ضرب کے بغیر شعر ہی نہیں ہو سکتا۔ بہ الفاظ دیگر ایک شعر میں کم سے کم چار رکن کا ہونا ضروری ہے۔ دور کن مصرع اولیٰ میں اور دور کن مصرع ثانی میں۔

پہلے مصرعے کے دور کن یہ ہیں، صدر و عروض، پہلا رکن صدر کہلاتا ہے اور دوسرا رکن عروض۔ اسی طرح دوسرے مصرعے کے دور کن یہ ہیں، ابتدا و ضرب، اس دوسرے مصرعے کے پہلے رکن کو ابتدا اور دوسرے رکن کو ضرب کہتے ہیں، اس کے درمیان کے جتنے ارکان ہیں وہ نسب کے سب حشو کہلاتے ہیں۔

(۳) بحر کامل میں زحاف و قص کو تجزیہ نگار نے عیب قرار دیا ہے۔ یہ صحیح نہیں ہے، کوئی زحاف معیوب نہیں ہوتا، بلکہ یہ بحر کے مختلف اوزان کی تشکیل میں حصہ دار ہوتے ہیں۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ فاضل بریلوی کے ان دو قصائد میں سے کسی میں یہ زحاف واقع نہیں ہوا ہے، یہ اس لیے نہیں کہ عیب ہے بلکہ اس لیے کہ اس زحاف کا یہ محل نہیں ہے۔

□□□

☆ 181-T، سیکنڈ فلور، ماڈل بستی، جمیلیان روڈ، نئی دہلی

## احادیث قدسیہ: ایک جائزہ

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا۔ (الحشر: ۷) رسول تمہیں جو بھی حکم دیں اس پر عمل کرو اور جس سے منع کریں رک جاؤ۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً (سنن الترمذی) کوئی ایک بات ہی سہی، لوگوں تک میری طرف سے پہنچاؤ۔

قرآن وحی متلو ہے جب کہ سنت وحی غیر متلو، ان کی خدمت ہی اصل میں اسلام کی خدمت ہے، ان کے پیغام کو عام کرنا، ان سے مسائل استنباط کرنا، ان کو بعینہ صورت میں امت تک پہنچانا، ان کی شرح و معانی بیان کرنا، یہ سب خدمات کی مختلف شکلیں ہیں۔ اخلاص کے ساتھ ساری خدمات اللہ کی بارگاہ میں مقبول ہیں۔

مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری علیہ الرحمہ نے موجودہ عام روش سے اوپر اٹھ کر اسلام اور سنت کی عظیم خدمات انجام دیں۔ مولانا کی خدمات جن فنون میں خاص کر نمایاں رہیں، ان میں حدیث و علوم حدیث بھی ہیں۔ انہوں نے اس فن کے جملہ شعبہ جات پر خامہ فرسائی کی ہے۔ ان ہی خدمات کی ایک کڑی ”احادیث قدسیہ“ بھی ہے۔

یہ کتاب دو گراں قدر مقدمے اور تقریباً سوا احادیث قدسیہ پر مشتمل ایک سوا سی صفحات کو محیط ہے۔ مقدمہ سے پہلے مصنف علیہ الرحمہ نے ۳ صفحات پر ”عرض مرتب“ کے نام سے ایک تحریر قلم بند فرمائی ہے، جس میں لکھا کہ ایک عرصے سے حدیث پاک کی کسی خدمت کی خواہش تھی جس کا تکملہ بتوفیق الہی اس مجموعہ احادیث قدسیہ کی شکل میں سامنے آیا۔ اس کے بعد آپ نے اس مجموعے کی ترتیب و تدوین میں درپیش دشواریوں کا ذکر کیا اور ترتیب میں اپنے طریقہ کار، اسلوب اور منہج کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔

کتاب ابواب فقہیہ کے موافق مرتب ہے اور اس میں مذکور احادیث میں دو دو صفتیں جمع ہیں۔ پہلی یہ کہ ساری احادیث، قدسیہ ہیں، دوسری یہ کہ سب حدیثیں مقبول یعنی صحیح و حسن ہیں لہذا نہ ہوں کہ لغیرہ۔

یہاں اس بات کی طرف قارئین کی توجہ مبذول کرانا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ آج حدیث سے دل چسپی رکھنے والوں کا ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو احادیث ضعیفہ کو موضوع کے خانے میں ڈال دیتا ہے۔ ان احادیث کو شجرہ ممنوعہ قرار دیتا ہے اور ان پر عمل کرنا ناجائز و حرام تصور کرتا ہے، جب کہ یہ تصور بالکل غلط ہے۔ لوگوں کو احادیث اور ان پر عمل سے دور کرنے کی ایک سازش ہے، اللہ ہمیں ایسے لوگوں سے محفوظ رکھے۔

احادیث ضعیفہ سے متعلق متقدمین و متاخرین علما کا ایک اجماعی

موقف یہ ہے کہ فرض و واجب اور حرام امور احادیث ضعیفہ سے ثابت نہیں ہوتے، البتہ یہ احادیث فضائل و مکروہات میں مقبول ہیں۔ ہاں! سخت ترین ضعیف احادیث کے سلسلے میں بعض محدثین کا موقف اور بھی سخت ہے لیکن کسی نے بھی موضوع احادیث کی طرح ان کو کالعدم قرار نہیں دیا ہے۔ اس پر تفصیلی مطالعے کے لیے محمود سعید مدوح کی کتاب

”التعريف باوهام من قسم السنن الى صحيح و ضعيف“ (جلد ۱) دیکھی جاسکتی ہے۔ اسی طرح ”كشف اللثام عن الاحاديث الضعيفة في الاحكام المعمول بها عند الانمة الاعلام“ از سعید بن عبدالقادر بھی آنکھیں کھولنے کے لیے کافی ہے۔

میں نے یہ گفتگو اس لیے کی تاکہ احادیث صحیحہ کا مطالعہ کرنے والے قارئین اس طرح کے نلجان میں مبتلا نہ ہوں کہ احادیث ضعیفہ کا ذخیرہ لغو و بے اصل ہے۔

”عرض مرتب“ کے بعد دو مقدمے ہیں۔ پہلا مقدمہ مصنف

نے خود تحریر کیا ہے جس کا عنوان ”احادیث قدسیہ؛ ایک تفصیلی مطالعہ“ دیا جاسکتا ہے جب کہ دوسرا مقدمہ مصنف کے رفیق دیرینہ مولانا منظر الاسلام ازہری نے سپرد قسط کیا ہے، جو اصل میں صفات باری تعالیٰ، تشبیہ اور علما کی آرا پر ایک طویل مقالہ ہے جس کا عنوان ”احادیث قدسیہ اور صفات باری“ دیا گیا ہے۔ پہلا مقدمہ درج ذیل چند ذیلی سرخیوں کے تحت لکھا گیا ہے جن سے مقدمے کی افادیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے:

**حدیث قدسی کا معنی اور تعریف:** اس کے تحت متعدد علما کے اقوال نقل کیے گئے ہیں جو مفہوم و معنی کے اعتبار سے ایک ہی ہیں، اگرچہ ان کے الفاظ و تعبیرات مختلف ہیں، یعنی حدیث قدسی وہ ہے جس کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ تعالیٰ سے روایت کریں۔

یہاں پر ایک شبہ کا ذکر کیا گیا ہے، پھر اس کا ازالہ کیا گیا ہے۔ شبہ یہ ہے کہ جب تمام احادیث رسول بھی اللہ ہی کی جانب سے ہیں تو پھر صرف احادیث قدسیہ ہی کو وحی الہی سے ماخوذ قرار دینا کہاں تک درست ہے؟ اس کے جواب میں کہا گیا ہے کہ یہ درست ہے کہ احادیث قدسیہ اور غیر قدسیہ دونوں منجانب اللہ ہوتی ہیں، لیکن باقی حدیثوں کے مقابلے میں احادیث قدسیہ اس لیے ممتاز ہوتی ہیں کہ ان کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہوتی ہے۔ (ص: ۱۵)

یہاں پر عام قارئین کے ذہن میں ایک دوسرا خطرہ گزر سکتا ہے، جس کا ذکر کر کے تدارک کرنا زیادہ مناسب لگتا ہے۔ وہ خطرہ یہ ہے کہ احادیث قدسیہ دوسری احادیث کے مقابلے میں زیادہ قوی اور اعلیٰ و افضل ہیں، لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے، کیونکہ تمام احادیث اللہ ہی کی جانب سے ہیں، فرق صرف نام میں ہے کہ ایک کو صراحتاً یا اشارتاً نام لے کر اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے جب کہ دوسرے میں ایسا نہیں ہوتا۔ اسی لیے دونوں کے درجات میں کوئی فرق نہیں۔

**قرآن کریم اور احادیث قدسیہ میں فرق:** اس کے تحت بڑی ہی جامعیت کے ساتھ اصولی و فروعی فرق کی ایک فہرست شمار کرائی گئی ہے۔

**حدیث قدسی کی اقسام:** اس کے تحت اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب قول و فعل کا صراحتاً و کنایہ اور ضمنی ذکر کے اعتبار سے اقسام کو بڑی ہی خوبی کے ساتھ مع مثال بیان کیا گیا ہے۔

**احادیث قدسیہ کی تعداد:** اس بارے میں یہ تحریر ہے کہ اس کی

تعداد بہت ہی کم ہیں جو ۸۵۳ سے زائد نہیں ہیں اور سند کی صحت پر بحث کی جائے تو یہ تعداد بہت ہی کم رہ جاتی ہیں۔

**احادیث قدسیہ کے موضوعات:** اس حوالے سے ایک سرسری جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ ان موضوعات میں کوئی شرعی قوانین یا حرام و حلال وغیرہ کا ذکر نہیں ہے۔ خاص بات یہ ہے کہ اس ضمن میں ۱۵ احادیث قدسیہ کا ذکر کیا گیا ہے۔

اس کے بعد ایک سرخی ”موضوع احادیث قدسیہ“ کے نام سے قائم کی گئی ہے۔ اس ضمن میں یہ بات لکھی گئی ہے کہ:

”جن اسباب کی خاطر حدیثیں وضع کی گئیں ان میں ایک سبب ترغیب و ترہیب بھی تھا.... جب حدیثیں گڑھنے کا چلن شروع ہوا تو احادیث قدسیہ بھی اس سے محفوظ نہیں رہیں اور لوگوں نے بہت سی حدیثیں گڑھ کر احادیث قدسیہ کے نام سے پھیلا دیں۔“ (ص: ۳۹)

یہ اتفاق کہیے کہ مصنف نے مثال میں تین احادیث قدسیہ ذکر کیں اور تینوں حدیثیں صوفیہ کے یہاں مقبول ہیں جب کہ مؤلف کا گھرانہ خود ہندوستان میں ایک ممتاز صوفیانہ گھرانہ ہے، نیز علمی، تحقیقی، تنقیدی اور تصنیفی و تالیفی میدان میں بھی اس گھرانے کا ملک گیر نہیں عالم گیر شہرہ ہے۔ اسی لیے مؤلف کو اس پر خطر راہ سے بچنے کے لیے ایک نوٹ لکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ آپ لکھتے ہیں:

”ضمنی طور پر یہ اشارہ کرنا بھی ضروری ہے کہ یہاں گفتگو بطریق محدثین ہو رہی ہے، فی الحال صوفیا اور ان کا معیار رد و قبول کے سلسلے میں صوفیائے کرام کا اپنا ایک الگ مزاج و مذاق ہے۔ جس طرح یہ ضروری نہیں کہ صوفیا کی صحیح قرار دی ہوئی حدیث محدثین اور ناقدین فن کے نزدیک بھی صحیح ہو، اسی طرح یہ بھی ضروری نہیں کہ محدثین نے جس حدیث کو موضوع قرار دیا ہو وہ صوفیا کے نزدیک بھی موضوع ہو۔ وللناس فیما یعشقون مذاہب۔“ (ص: ۴۱)

ایک محقق اس طرح کی باتیں کہہ کر اپنا دامن بچا سکتا ہے، لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مجھ جیسا ایک ادنیٰ طالب علم، خطبا اور عام مسلمین ان احادیث کے متعلق کیا رویہ اختیار کریں؟ کیا ان احادیث کو

موضوع سمجھ کر رد کر دیں یا بلا چون و چرا ان کو قبول کر لیں؟

میرا خیال یہ ہے کہ ان احادیث سے متعلق درمیان کا راستہ اختیار کیا جائے تو مناسب ہوگا وہ یہ کہ تحریر و تقریر میں استدلال کے وقت صرف آیات قرآنیہ اور احادیث صحیحہ پر اکتفا کیا جائے، کیوں کہ ہمارے قارئین و سامعین میں ہر مذہب و مسلک کے لوگ ہوتے ہیں، صرف صوفی یا تصوف سے محبت کرنے والے لوگ نہیں ہوتے۔ کلموا الناس علی قدر عقولہم لیکن دوسری جانب صوفیہ کی بیان کردہ احادیث کو کبھی بھی رد نہ کیا جائے بلکہ تصوف، زہد اور تزکیہ کی محفلوں میں اپنے مخاطب کا لحاظ رکھتے ہوئے انہیں ضرور بیان کیا جائے۔

رہی بات تحقیق کی تو اس ضمن میں ہم دو طرح کی باتیں کر سکتے ہیں: ایک یہ کہ جس طرح ہم صوفیہ کے بہت سارے اقوال و اشعار سے ان کی تاویل و تشریح میں پڑے بغیر حظ اٹھاتے ہیں اور آیات متشابہات کی طرح یہ کہہ کر اپنا دامن چھڑا لیتے ہیں کہ اس کے صحیح معنی و مصداق کو وہی لوگ جانیں، ٹھیک اسی طرح ہمیں ان احادیث سے استفادہ کرنا چاہیے اور رہی بات اس کے ثابت ہونے یا نہ ہونے کی تو وہ صوفیہ جانیں۔ دوسری یہ کہ جس طرح صوفیہ کے منہج پر کلام کیا جاسکتا ہے، اسی طرح محدثین کے منہج پر بھی گفتگو ہو سکتی ہے۔ راقم الحروف نے اس موضوع پر خضر راہ کے شمارہ اگست ۲۰۱۳ء سے مئی ۲۰۱۴ء تک (جنوری کے علاوہ) متعدد عنوانات کے تحت ایک تفصیلی بحث کی ہے جس کو اہل تنقید و تحقیق پڑھ سکتے ہیں۔ اس بحث کو آگے بڑھا سکتے ہیں اور نئی راہیں تلاش کر سکتے ہیں۔

اس مقدمے کی آخری بحث "احادیث قدسیہ پر بعض اہم کتابیں" کے عنوان سے کی گئی ہے جس میں احادیث قدسیہ پر لکھی گئی چند نمایاں کتابوں پر ایک جامع تعارف و تبصرہ کیا گیا ہے۔ یہ پورا مقدمہ آسان اور علمی اسلوب میں مواد سے پر ہے، علما و طلبہ سب کے لیے لائق مطالعہ ہے۔

اس کتاب پر ایک دوسرا مقدمہ مولانا منظر الاسلام ازہری نے تحریر کیا ہے، یہ مقدمہ کیا ہے، دراصل ایک پیچیدہ کلامی مسئلے پر صحیح موقف پیش کرنے کی کوشش ہے۔ بہت سارے اسکالرز کے فکری قبلے کی سمت درست کرنے کی تگ و دو ہے۔

قرآن و احادیث خاص کر احادیث قدسیہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ کے لیے ایسے تعبیرات و الفاظ استعمال کیے گئے ہیں جس سے عام مخلوق سے مشابہت کا گمان ہوتا ہے جیسے ید، قدم، نزول وغیرہ، جب کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ اس سے منزہ و پاک ہے کہ وہ کسی مخلوق کے مشابہ ہو۔ اس مسئلے کو مسئلہ تشبیہ کہا جاتا ہے اور ان الفاظ و تعبیرات کو متشابہات سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں مولانا منظر الاسلام نے چار نظریات بیان کیے ہیں:

(۱) تفویض: اس نظریے کو سلف کا عقیدہ کہا جاتا ہے، یعنی ان آیتوں اور حدیثوں کا معنی اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔

(۲) تاویل: ان آیتوں اور حدیثوں کا صحیح علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، تاہم الفاظ و قرائن اگر اجازت دیں تو ان کا ایسا معنی بیان کیا جاسکتا ہے، جو شریعت کی روح کے مطابق ہونے کے ساتھ ساتھ عقل سلیم کے موافق ہو۔ یہ نظریہ علمائے متکلمین میں اشاعرہ و ماتریدہ کا ہے۔

(۳) تجسیم و تشبیہ: ان الفاظ و تعبیرات متشابہہ کو اپنے معنی حقیقی پر ہی محمول کیا جائے، اس کے ماننے والوں کو مشبیہ اور مجسمہ کہا جاتا ہے۔ (۴) اثبات، مخالف تاویل: ان الفاظ و تعبیرات متشابہہ کو ثابت مانا جائے یعنی جہاں ید ہے وہاں ید ہی مانا جائے مگر وہ انسانی ید کی طرح نہیں۔ یہ لوگ کسی بھی طرح کی تاویل کے مخالف ہیں۔ اس نظریے کے متبع بعض محدثین اور شیخ ابن تیمیہ ہیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ یہی نظریہ اسلاف و متقدمین کا ہے۔

ان دونوں مقدمے کے بعد صفحہ ۸۷ سے اصل کتاب شروع ہوتی ہے۔ یہ کتاب ۱۳ عنوانات، ۱۰۱ آرٹیکلز اور تکرار کے ساتھ ۱۰۴ احادیث پر مشتمل ہے، ترتیب اچھی ہے، ترجمہ تشریحی اور عام فہم ہے، حوالے میں جلد، صفحہ یا رقم کی جگہ باب اور فصل کا انتخاب بھی بہت پسند آیا، یہ علمی طرز ہے، خاص کر اس زمانے میں جب کہ روزانہ ان کتابوں کے نئے ایڈیشن شائع ہو رہے ہیں۔ احادیث کی عربی عبارتوں پر اعراب لگا ہونا تو طلبہ اور عوام سب تلاوت حدیث کے ثواب سے بھی محروم نہ ہوتے۔

□□□

☆ استاذ جامعہ عارفیہ، سید سراواں، کوشامی، الدآباد (یوپی)

© اپریل ۲۰۱۳ ©

67

© عالم ربانی نمبر ©



# فرزدق تمیمی کا قصیدہ میمہ: ایک جائزہ

ہر دل عزیز و اعظ و خطیب، بہترین عالم و فاضل اور عمدہ محقق و ناقد غرض کہ بے پناہ خوبیوں اور صلاحیتوں کے جامع تھے۔ زیر مطالعہ کتاب دراصل ماہ نامہ ”جام نور“ دہلی (اگست ۲۰۱۲ء) اور سال نامہ ”اہل سنت کی آواز“ (خصوصی شمار) میں شائع شدہ ان کے مضامین کا عمدہ مجموعہ اور کچھ معلومات کا اضافہ ہے۔

## پس مہر اور خواب کی تعبیر:

مولانا اسید الحق قادری بدایونی شہید نے قیام از ہر کے دوران ایک تقریب میں ڈاکٹر فواد شاہ مصری کے خطاب میں قصیدہ میمہ کے چند اشعار کو سنا، جس سے آپ کے اندر ایک عجیب کیفیت طاری ہوئی۔ اس قصیدے سے آپ کی یہ پہلی واقفیت تھی۔ چونکہ حضرت امام زین العابدین سے آپ کو غیر معمولی عقیدت و محبت تھی، اس لیے یہ اشعار فوراً ذہن نشین ہو گئے اور پھر کئی تقریری محافل میں ان کو والہانہ انداز میں پڑھتے رہے؛ لیکن عرس قادری (۱۴۳۳ھ/۲۰۱۱ء) کے موقع پر آپ نے دوران خطاب یہ اشعار پڑھے اور پھر کچھ ہی دنوں کے بعد آپ نے ایک خواب دیکھا، جس کی تعبیر غور کرنے کے بعد اس قصیدے کا ترجمہ و تحقیق کی صورت میں عمل میں آئی۔

## قصیدہ میمہ کی تلاش و تحقیق:

شیخ موصوف کا تحقیقی ذوق اور علمی مذاق چوں کہ اعلیٰ تھا، اس لیے آپ کو قصیدہ میمہ کی تلاش و جستجو کی فکر دامن گیر ہوئی اور جلد ہی اس میں کامیابی بھی حاصل ہوئی اور کتب خانہ قادریہ بدایونیوں سے مکمل قصیدہ اور اس سے متعلق ضروری چیزیں فراہم ہو گئیں۔

## اشاعت و مقبولیت:

آپ نے عربی زبان پر مشتمل قصیدہ میمہ کا سلیس اور ہا محاورہ اردو زبان میں ترجمہ کیا اور پھر اسے حرکات و سکنات کا بھی جامہ پہنایا

**نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم** سے محبت اصل ایمان اور مدار نجات ہے اور اہل بیت اطہار سے محبت و عقیدت دینی و دنیاوی دونوں زندگیوں میں سعادت مندی و فیروز بختی کا واضح اشاریہ۔ اولاد اطہار میں ایک بابرکات شخصیت حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہے جن کی ذات ستودہ صفات سے نسل حسینی کی افزائش و ترقی ہوئی اور پوری دنیا میں پھیلی بڑھی۔

قصیدہ میمہ ایک مدحیہ قصیدہ ہے جسے عہد بنو امیہ کے ممتاز شاعر ابو فراس فرزدق تمیمی نے حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات و شخصیت، صفات و کمالات، محامد و محاسن، اخلاق و عادات اور ان کی خاندانی نجابت و شرافت کو بڑی مہارت و عمدگی کے ساتھ منظوم شکل میں پیش کیا ہے اور گلستان نبوت کے اس گل سرسبد کی جامع کمالات و برکات ذات کا بہترین نقشہ کھینچا ہے، جو یقیناً زین السجاد حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذاتی و خاندانی کمالات سے والہانہ عقیدت و محبت کا زبردست اشاریہ اور ایک بیش قیمتی سرمایہ ہے، یہ قصیدہ اہل علم و ادب کے نزدیک بڑی اہمیت و مقبولیت کا حامل ہے، یہی وجہ ہے کہ قصیدہ میمہ سے ظاہری و باطنی حظ اٹھانے نیز اس کے فیضان و برکات کو عام کرنے کے لیے بلا کسی تفریق اہل سنت و اہل تشیع کے علماء و محققین اور ادبا و شعرا نے کافی کوششیں کی ہیں جن کے ضمن میں مختلف زبانوں میں اس کے متعدد شروح، تراجم اور تخریصات وغیرہ معرض وجود میں آئے۔

زیر نظر کتاب اسی سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے، جو حضرت شیخ اسید الحق قادری بدایونی علیہ الرحمہ کی قابل قدر تصانیف و تحقیقات میں سے ایک اہم تصنیف و تحقیق ہے، موصوف نوجوان علماء و محققین میں امتیازی شان و حیثیت کے حامل تھے۔ آپ بیک وقت بے مثال حافظ و قاری،

اور کچھ ضروری چیزوں کو مضمون کی صورت عطا کر کے قارئین کی آسانی کے لیے اسے اور دل کش اور دل چسپ بنا دیا۔ سب سے پہلے یہ مضمون ماہ نامہ جام نور دہلی سے شائع ہوا اور پھر سال نامہ ”اہل سنت کی آواز“ ماہرہ (خصوصی شمار) میں حضرت زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حیات و شخصیت پہ لکھے گئے مقالے کو بھی اس میں شامل کر دیا جس سے قصیدہ مسمیہ کی اہمیت دو بالا ہو گئی اور حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حیات و مناقب پر ایک مستقل کتاب وجود میں آگئی۔ چنانچہ کتاب کی اہمیت و افادیت کے پیش نظر رضاء الحسن لاہوری نے مکتبہ الاسلام لاہور سے شائع کیا، اس کے بعد تیسری بار اس کی اشاعت حال ہی میں ۲۰۱۳ء میں تاج الفحول اکیڈمی بدایوں سے شائع ہوئی ہے۔ اس طرح سے مضمون کا بار بار اشاعت پذیر ہونا دراصل اس کی افادیت اور مقبولیت کا واضح ثبوت اور شیخ موصوف کی علمی و تحقیقی صلاحیت کی قدر شناسی ہے۔

### تعارف و تبصرہ:

زیر نظر کتاب کل ۲۸ صفحات پر محیط ہے۔ شروع میں دو صفحات پر مولانا سید الحق قادری کے قلم سے ”ابتدائیہ“ ہے، پھر ڈاکٹر ممتاز احمد سدید کی ایک مختصر اور معلوماتی ”تقریظ“ ہے، جس میں انہوں نے فرزدق کے جذبہ خلوص کی ترجمانی کرتے ہوئے قصیدہ مسمیہ کی اہمیت و افادیت پر بہترین روشنی ڈالی ہے۔ اس کے بعد ”تعارف و تمہید“ کے عنوان سے مصنف کی ایک مختصر تعارفی تحریر ہے۔ اس کے بعد انہوں نے حضرت امام زین العابدین کی زندگی کے ضروری اور اہم گوشوں کو ۱۱ صفحات میں جمع کر دیا ہے، جو انتہائی گراں قدر، تحقیقی اور معلوماتی ہے۔ قارئین کے افادے کے لیے چند چیزوں کو بطور اختصار پیش کیا جا رہا ہے، ملاحظہ ہو:

”شب بیداری، عبادت گزاری اور سجدہ ریزی میں امتیازی مقام حاصل کرنے کی وجہ سے آپ ”زین العابدین“ اور ”زین السجاد“ کے لقب سے یاد کیے گئے۔ آپ کی والدہ مورخین کے مطابق بادشاہ فارس یزدجرد کی تیسری صاحبزادی تھیں، والدہ کا نام سلامہ یا سلافہ یا غزالہ ہے“ (ص: ۱۳)

حضرت امام حسن کے تین صاحبزادوں کا نام علی ہے، تینوں

میں امتیاز کے لیے علی اکبر، علی اوسط اور علی اصغر کہا جاتا ہے اور امام زین العابدین علی اوسط ہیں۔“ (ص: ۱۳)

اسی طرح مصنف نے میدان کربلا میں حضرت امام زین العابدین کی عدم شہادت کے حوالے سے ایک لطیف امر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

”سانحہ کربلا کے وقت آپ کا بیمار ہو جانا اور جنگ میں شرکت نہ کرنا اس میں اللہ تعالیٰ کی عظیم مصلحت اور حکمت تھی؛ کیوں کہ امام حسین کے صاحبزادوں میں صرف آپ ہی باقی رہے اور اور نسل حسینی آپ ہی کے ذریعے آگے بڑھی، اگر خدا نخواستہ سرزمین کربلا میں آپ شہید ہو گئے ہوتے تو حضرت امام حسین کا سلسلہ اولاد منقطع ہو جاتا“ (ص: ۱۳-۱۵)

اس کے بعد فرزدق تمیمی کی شخصیت کا تعارف ہے۔ فرزدق کی عظمت کے اظہار کے لیے نحو یوں کا درج ذیل قول نقل کیا ہے کہ ”اگر فرزدق کی شاعری نہ ہوتی تو عربی زبان کا تہائی حصہ تلف ہو جاتا۔“ لیکن اس کے باوجود فرزدق کی اخلاقی پستی اور نازیبا کردار و عمل کے بارے میں اکثر مورخین کا اتفاق ہے، چنانچہ اس امر کی طرف اشارہ کرتے مصنف رقم طراز ہیں:

”تقریباً سبھی مورخین کا اتفاق ہے کہ ”وہ ایک برا شخص تھا۔ اس کے اخلاق گھٹیا تھے۔ فسق و فجور کا عادی اور عیاشی کا دل دادہ تھا۔“ (ص: ۲۳)

لیکن آپ نے مذکورہ قول پہ جو تبصرہ پیش کیا ہے، بلاشبہ وہ آپ کی انسانی اقدار کی پاس داری، عمدہ خانقاہی تربیت کی غمازی اور صوفیانہ مزاج کی صحیح عکاسی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ”آدمی عملی طور پر کتنا ہی برا کیوں نہ ہو مگر کبھی بھی اس کے اندر ایمانی اور اسلامی حمیت بیدار ہو ہی جاتی ہے“ (ص: ۲۳)

### قصیدہ گوئی کا سبب:

قصیدہ مسمیہ نظم کرنے کا سبب فرزدق کے اندر اہل بیت سے کمال عقیدت اور حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بے پایاں محبت ہے۔ بنو امیہ کے عہد حکومت میں فرزند ان توحید مختلف دیار و اصرار سے حج بیت اللہ کے لیے جس سال جمع ہوئے تھے اسی سال

خلیفۃ المسلمین کا فرزند ہشام بن عبد الملک، عہد اموی کا ممتاز شاعر فرزدق تميمی اور گلستان نبوت کا گل سرسبد حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضر ہوئے تھے۔ ہشام بن عبد الملک اپنی شاہ زادگی کے نشے میں چور اور دنیاوی کروفر میں مغرور ہو کر بہ آسانی حجر اسود کو بوسہ دینے کے لیے آگے بڑھا؛ لیکن لوگوں نے انہیں کوئی اہمیت ہی نہیں دی، جس سے انہیں خفت و سبکی محسوس ہوئی اور پھر کچھ دیر بعد از دہام میں دھکے کھانے کی وجہ سے حجر اسود کو بوسہ دینے کا ارادہ ترک کر دیا اور خود ہی مطاف کے کنارے پر آ کر کھڑا ہو گیا۔ اسی درمیان جب حضرت امام عالی مقام کے لخت جگر حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحن کعبہ میں قدم رنجہ ہوئے تو بھیڑ فوراً ختم ہو گئی اور آپ نے اطمینان و سکون کے ساتھ حجر اسود کو بوسہ دے کر طواف کا آغاز کیا اور جس طرف سے بھی گزرتے، لوگ ادباً و احتراماً ہٹ جاتے۔ ہشام کے ہمراہ لوگوں کے لیے یہ منظر انتہائی حیرت انگیز تھا۔ ان میں سے کسی نے بادشاہ ہشام سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ تو انہوں نے حضرت امام کو جاننے کے باوجود تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہوئے توہین آمیز لہجے میں کہا کہ ”میں نہیں جانتا کہ یہ کون ہے؟“ ہشام کے قریب ہی فرزدق تميمی کھڑا تھا جو عہد بنو امیہ کا ایک ممتاز اور قد آور شاعر تھا، اس کو حضرت امام کی اہانت برداشت نہیں ہوئی اور کہا کہ ”میں جانتا ہوں“ شامی شخص نے کہا ”بتاؤ کون ہے؟“ چنانچہ انہوں نے حضرت امام زین العابدین کی شان و برکت اور ان کی خاندانی شرافت و بزرگی کو اپنی فن کارانہ صلاحیت سے برجستہ ایک مدحیہ قصیدہ ۳۰ اشعار پر مشتمل نظم کر دیا، جو آج اہل بیت اطہار سے محبت رکھنے والے اور شعر و ادب سے تعلق رکھنے والے دونوں کے یہاں بے حد مقبول و محترم ہے۔ قصیدہ سمیہ کی ابتدا اس شعر سے ہوتی ہے:

هذا الذي تعرف البطحاء و طائمه  
و البيت يعرفه و الحل و الحرم  
اور انتہا اس شعر پر ہوتی ہے:

يستدفع الشر و البلوى بحبهم  
و يستزيد به الاحسان و الكرم  
فرزدق کے تعارف کے بعد ہشام بن عبد الملک کا ذکر ہے، جو

ابو الولید ہشام اموی خلیفہ عبد الملک بن مروان کا بیٹا تھا۔ یہ انتہائی ذہین و ذریک تھا اور اہل علم کی صحبت پسند کرتا تھا۔ اپنے بھائی عبد الملک کی وفات کے بعد تقریباً ۳۳ رسال کی عمر میں تخت خلافت پر بیٹھا اور ۱۹ برس ۷ یا ۸ ماہ حکومت کی۔ قیصریہ الروم، حجرہ اور حرسہ کو فتح کیا اور ۱۲۵ھ میں اس نے وفات پائی۔

### قصیدہ سمیہ کا حقیقی جائزہ:

شارح و محقق نے قصیدہ سمیہ کی بیش بہا معلومات اور اس میں واقع اختلافات کا زبردست انکشاف کیا ہے اور دلائل و براہین سے بحث و تحقیق کر کے اس کا علمی و تحقیقی جائزہ لیا ہے۔

### اختلاف کی نوعیت:

قصیدہ سمیہ کے بارے میں ارباب علم و ادب اور اصحاب تاریخ و سیرت کے مابین واقع اختلافات و روایات کی نوعیتیں مختلف ہیں، جن میں قصیدے کا متن، قصیدے کا شاعر، اشعار کی تعداد و ترتیب وغیرہ شامل ہیں، چنانچہ حضرت مصنف نے ان کو اجمالی طور پر واضح فرمایا ہے۔ لکھتے ہیں:

”یہ اختلاف قصیدے کے شاعر اور ممدوح دونوں کے بارے میں ہے، جن لوگوں نے اس کو ثابت مانا ہے، ان میں اکثر اہل علم کا ماننا ہے کہ یہ قصیدہ فرزدق کا ہے جو امام زین العابدین کی شان میں کہا گیا تھا، بعض حضرات نے قصیدے کی نسبت حزین کنانی کی جانب کی ہے، مگر قصیدے کا ممدوح امام زین العابدین ہی کو قرار دیا ہے۔ بعض حضرات نے اس قصیدے کے دو شعروں کو حزین کی جانب منسوب کر کے ان کا ممدوح عبد اللہ بن عبد الملک کو قرار دیا ہے، بعض حضرات نے قصیدے کے شاعر کی حیثیت سے تو فرزدق کا ذکر کیا ہے مگر قصیدے کا ممدوح امام زین العابدین کی بجائے ان کے والد امام حسین کو قرار دیا ہے۔ بعض روایتوں کے مطابق یہ قصیدہ جریر کا ہے، بعض نے کہا کہ یہ قصیدہ کثیر کا ہے جو اس نے امام زین العابدین کے صاحبزادے امام محمد باقر کی شان میں کہا تھا۔“ (ص: ۲۸)

اس کے بعد شیخ موصوف نے ۱۳ اقوال کو معتبر و مستند کتابوں کے

حوالے سے پیش کیا ہے اور پھر ان سے کچھ اہم نتائج و ثمرات کو اخذ کیا ہے اور ٹھوس دلائل کی روشنی میں اس کو چھ گردپوں میں تقسیم کیا ہے۔ قارئین کی معلومات میں اضافے کی غرض سے پیش خدمت ہیں، ملاحظہ ہو:

**الف:** محدثین، مؤرخین اور ادبا کی ایک بڑی جماعت (جس میں حافظ ابن کثیر جیسے محتاط مورخ اور حضرت شیخ محقق جیسے محقق شامل ہیں) نے قصیدے کے شاعر کی حیثیت سے فردزق اور ممدوح کی حیثیت سے امام زین العابدین کو تسلیم کر کے اس واقعے کو کثرت سے نقل کیا ہے۔

**ب:** امام طبرانی کی جس روایت سے قصیدے کے ممدوح امام حسین قرار پاتے ہیں، اس روایت پر حافظ ابن کثیر اور شیخ محقق کی تنقید بر محل اور معقول ہے۔

**ج:** المصعب زبیری، آمدی، ابن تیمیہ اور ابوالفرج اصفہانی نے حنین کی طرف پورا قصیدہ منسوب نہیں کیا بلکہ صرف دو اشعار کا انتساب کیا ہے، اس قصیدے کے باقی اشعار کو فردزق سے منسوب کرنے پر کوئی اثر نہیں پڑتا، زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ دونوں شعر فردزق کے قصیدے کے نہیں ہیں، غلطی سے اس میں درج ہو گئے ہیں، جیسا کہ ابوالفرج اصفہانی کا موقف ہے۔

**د:** یہاں یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ یہ کوئی احادیث مبارکہ یا حلال و حرام کا معاملہ نہیں ہے، جس کے لیے روایت و درایت کا وہ سخت معیار برتا جائے جو احادیث رسول ﷺ کے رد و قبول میں برتا جاتا ہے، یہ ایک تاریخی واقعہ ہے جس کا تعلق تاریخ ادبیات سے بھی ہے۔ اگر عام تاریخی واقعات اور ادبی شہ پاروں کے رد و قبول میں بھی روایت و درایت کا وہی سخت معیار برتا جائے تو تاریخ اور ادب دونوں کا قافیہ تنگ ہو جائے گا۔

**ه:** قصیدے کے متن، اشعار کی ترتیب اور تعداد میں اختلاف روایت کو اس کے خلاف دلیل نہیں بنایا جاسکتا؛ کیوں کہ ایسا اختلاف روایت صرف اسی قصیدے میں نہیں ہے بلکہ ادب جاہلی اور ادب اسلامی دونوں کے بہترین شعری اور نثری شہ پاروں میں اس قسم کا اختلاف روایت موجود ہے، جو ماہرین

کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں ہے۔

**و:** قصیدے کی زبان، اسلوب، آہنگ، فکر اور پرواز خیال کوئی بھی چیز ایسی نہیں ہے جو فردزق کی دیگر شعری کاوشوں سے ہم آہنگ نہ ہو۔ (ص: ۳۳)

مذکورہ تحریرات و بیانات سے اہل علم بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ آپ کو تحقیقی ذوق اور کثرت مطالعہ کس قدر حاصل تھا۔

آپ نے قصیدہ میمییہ سے متعلق دیگر ضروری چیزوں کی بھی دریافت کی ہے، چنانچہ آپ نے قصیدہ میمییہ کا منظوم ترجمہ اور اس کی تخریص و شروع کی تحقیق کر کے ان کا سراغ لگایا ہے۔ چنانچہ آپ نے مولانا عبدالرحمن جامی کی ’سلسلۃ الذہب‘ جو بطور مثنوی ۶۸ اشعار پر مبنی قصیدہ میمییہ کا منظوم فارسی ترجمہ ہے، کی تحقیق کی ہے اور ساتھ ہی آغاز بزرگ طہرانی کی کتاب ’الذریعة الی تصانیف الشیعة‘ میں قصیدہ میمییہ کی تخریص کرنے والے پانچ درج ذیل شیعہ شعرا کا تذکرہ کیا ہے:

(۱) الشیخ محمد بن اسماعیل ابن خلفہ

(۲) السید ابوالفتح نصر اللہ بن الحسین الموسوی الحارثی

(۳) السید راضی بن السید صالح قزوینی النجفی

(۴) مصفی بن الجواد الخالصی

(۵) الشیخ درویش علی البغدادی۔

اس کے بعد آپ نے ایک کتاب ’’کتاب خانہ شیعہ‘‘ کے حوالے سے قصیدہ میمییہ کی درج ذیل شروع کا سراغ لگایا ہے:

(۱) شرح قصیدۃ الفرزدقۃ المیمیۃ: مرزا ابوالحسین بن حسین

جیلانی (۲) شرح قصیدۃ الفرزدق: سید علی خان مدنی (۳) شرح قصیدۃ

الفرزدق: فاضل علی رضا تیمان الملک رضائی (۴) شرح قصیدۃ

الفرزدق: ملا علی قاریوز آبادی قزوینی (۵) شرح قصیدۃ الفرزدق: قاسم

رسائی بن حسین مشہدی (۶) شرح قصیدۃ الفرزدق: مرزا محمد بن سلیمان

تنکا بنی (۷) شرح قصیدۃ الفرزدق: محمد شفیع بن محمد علی استرآبادی (۸)

شرح قصیدۃ الفرزدق: محمد بن طاہر ساوی۔

قصیدہ کے اشعار مرویہ کی تعداد کے بارے میں بہت اختلاف

ہے، آپ نے اس کا بھرپور جائزہ لیتے ہوئے فرمایا ہے کہ:



”جن حضرات نے قصیدہ نقل کیا ہے، ان کی نقل میں اشعار کی تعداد اور ترتیب دونوں کے بارے میں اختلاف ہے، یافعی نے مرآة البیان میں ۲۵/ ابن خلکان نے وفیات الاعیان میں ۲۷/ اور ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں ۲۸/ اشعار درج کیے ہیں، جب کہ دیوان فرزدق میں ۲۷/ اور مولانا جمیل احمد بلگرامی کی شرح ”درنضید“ میں ۲۹/ اشعار ہیں۔“ (ص: ۳۸)

اس کے بعد آپ فرماتے ہیں:

”ان تمام کتابوں میں وارد اشعار کو یکجا کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قصیدے کے اشعار مرویہ کی مجموعی تعداد ۳۰ ہے، سب سے زیادہ (۲۹) اشعار درنضید میں ہیں، لہذا ہم اسی کو اصل بنا کر اس میں درج کردہ متن اور ترتیب کے مطابق یہاں قصیدہ درج کر رہے ہیں۔ مختلف کتب میں منقول قصیدے کے متن میں بھی بعض جگہ اختلاف ہے مگر یہ اختلاف صرف چند اشعار کے چند الفاظ میں ہے اور یہ اختلاف بھی اکثر جگہ ہم معنی الفاظ کی حد تک ہے۔ اس سے شعر کے عمومی معنی و مفہوم پر کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔“

زیر نظر کتاب اگرچہ ایک مختصر معلومات پر مشتمل ہے تاہم یہ اپنی جامعیت و معنویت میں انتہائی اہم اور قابل مطالعہ ہے، حق یہ ہے کہ انہوں نے اپنی عربی دانی، ترجمہ نگاری اور تحقیقی صلاحیت کا بھرپور مظاہرہ کیا ہے۔ تحقیق و تنقید کے معاملے میں انصاف و دیانت کے دامن کو نہیں چھوڑا ہے اور نہ ہی کسی ناقد و محقق کو یوں ہی نظر انداز کر دیا ہے۔ خود اپنے ہی امر میں اصول تحقیق میں یہ کس قدر محتاط ہیں، اس کا اندازہ اس اقتباس سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے:

”اصول تحقیق کا تقاضا ہے کہ ترجمے کے ذیل میں ان وجوہ بلاغت اور اسرار معانی کی طرف بھی اشارہ کیا جائے مگر یہ طول عمل بھی ہے اور ایک اردو داں قاری کے لیے غیر ضروری بھی، اس لیے ہم یہاں اس سے صرف نظر کر رہے ہیں۔“ (ص: ۳۸)

حقیقی دیانت و خصوصیت:

آپ نے قصیدہ سمیہ سے متعلق ضروری حوالے نقل کرنے اور

دلائل کا انبار لگانے کے باوجود برملا یہ اعتراف کیا ہے:

”مندرجہ بالا شروع و تخمیسات میں سے کسی تک ہماری رسائی نہیں ہو سکی، لہذا ان پر کوئی تبصرہ یا ان کا کوئی تعارف پیش نہیں کیا جاسکتا۔ درج بالا کتب کے علاوہ اس سلسلے کی تین کاوشیں ہماری دسترس میں آئی ہیں۔“

اس ضمن میں انہوں نے

(۱) شرح قصیدہ سمیہ از مولانا جمیل احمد بلگرامی

(۲) خمیس قطب الدین فی مدح سیدنا زین العابدین

(۳) خمیس المقبول فی مدح ابن الرسول

کا ذکر کیا ہے اور ساتھ ہی ان پر جامع و مختصر انداز میں اچھوتا تبصرہ

بھی کیا ہے، یہ تینوں کتابیں کتب خانہ قادریہ بدایوں میں موجود ہیں۔

**قصیدہ سمیہ کی عروضی حیثیت:**

آپ کو عروض و قوافی پہ بھی بڑی گہری نظر تھی۔ قصیدہ سمیہ کا عروضی جائزہ لیتے ہوئے فرماتے ہیں:

”عروضی حیثیت سے یہ قصیدہ بحر بسیط میں ہے، عربی قصیدے

کے جو عناصر ترکیبی ہیں یعنی تشبیب، گریز و عادیہ وغیرہ وہ اس میں

نہیں ہیں؛ کیوں کہ یہ ایک خاص موقع پر برجتہ کہا گیا تھا اور

اس وقت صرف مدح مقصود تھی۔ اس لیے اس میں تشبیب

وغیرہ نظم نہیں کی گئی، ایسے قصیدوں کو اصطلاح میں ”مقتضب“

کہتے ہیں۔“ (ص: ۳۸)

حاصل یہ ہے کہ زیر نظر کتاب ”فرزدق تسمی کا قصیدہ سمیہ: ایک

تحقیقی مطالعہ“ جہاں علم و تحقیق اور زبان و بیان کے اعتبار سے اہم،

قارئین کے لیے قصیدہ سمیہ کے معانی و حقائق سے استفادے کا ذوق

پیدا کرنے میں موثر اور اہل بیت اطہار سے غایت عقیدت کا درس و

پیغام ہے، وہیں یہ علمی و تحقیقی اسلوب، عمدہ پیرایہ بیان اور شستہ اور

آسان زبان میں گراں قدر پیش کش ہے، جس سے یقیناً مصنف کے

عربی زبان و ادب پر عبور، علوم مختلفہ پر نظر، ترجمہ نگاری پر ید طولیٰ اور

تحقیق و تلاش کا خاص ملکہ اور کثرت مطالعہ وغیرہ خوبیاں صفحات میں

نمایاں ہیں۔ □□□

☆ پرنسپل: الجلسۃ الاسلامیہ، جیت پور، نئی دہلی

(۹)

اظہارِ فہم

# مجالس تعزیت

شہید بغداد کے ایصالِ ثواب اور اظہارِ غم کے لیے منعقد مجالس کی فہرست

شہید بغداد، مقبول بارگاہِ غوثیت حضرت العلام شیخ اسید الحق محمد عاصم قادری رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت پر ملک و بیرون ملک ایک کھرام پاپا ہو گیا جس نے جہاں سنا، سراپا حیرت و غم بن گیا، سب اپنے اپنے طور پر شہید مرحوم کے لیے دعائے رحمت و غفران کرنے لگے اور پھر ہر ادارے، مدرسے اور خانقاہ میں تعزیت اور ایصالِ ثواب کی محفلیں منعقد ہونے لگیں اور اخبارات میں تعزیتی خبریں شائع ہونے لگیں، اس حوالے سے کچھ اہم تعزیتی مجلسوں کی فہرست ہم یہاں شائع کر رہے ہیں۔ آنے والے شمارے میں ان کی تفصیلی رپورٹ شائع ہوگی۔ واضح رہے کہ تعزیتی مجلسوں کی جو خبریں ہم تک پہنچ سکی ہیں، یقیناً ان کے علاوہ بہت سی خبریں ایسی ہوں گی جو ہم تک نہیں پہنچ سکی ہیں۔ ہم شہید بغداد کے تمام نمبین کے شکر گزار ہیں۔ (ادارہ)

ادارہ/مسجد/خانقاہ/مجمع	مقام	اہم شرکا
الاتحاد نو جوانان کمیٹی	گنجر یا، مغربی بنگال	مولانا شہباز عالم، مولانا شمس آغاز شمش اور مولانا حفیظ الدین ودیگر
جامعہ مرکز الثقافتہ السنیہ جامعہ غوثیہ رضویہ مرکز سنی دعوت اسلامی جماعت اسلامی ہند	کالی کٹ (کیرالہ) سہارنپور (یوپی) مالیگاؤں فیروز آباد	تمام اراکین مرکز حکیم سید محمد احمد (بانی جامعہ) و اساتذہ مولانا سید امین القادری مولانا انعام اللہ اصلاحی، حامد علی فلاحی اور ڈاکٹر اتحاد عالم ودیگر
آستانہ شرافتیہ تاج الفحول اکیڈمی	بریلی کیلاش نگر (دہلی)	الحاج ممتاز میاں و وابستگان مولانا یعقوب علی قادری، مولانا غلام حسن، ساجد حسین قادری
ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل	کراچی (پاکستان)	سید وجاہت رسول قادری، پروفیسر دلاور خان، ڈاکٹر مجید اللہ قادری، سید سلوٹ رسول قادری
خانقاہ اصدقیہ ہیڈ کوارٹر ورلڈ اسلامک سنٹر جامعہ اسلامیہ خانقاہ اشرفیہ حسنیہ سرکار کلاں شاخ دہلی الجامعۃ الاشرفیہ	خسر پور کولکاتہ اوکسفورڈ یونیورسٹی (انگلینڈ) میراروڈ ایسٹ، تھانہ (مہاراشٹر) بلہ ہاؤس (دہلی) مبارک پور، اعظم گڑھ (یوپی)	حضرت مشاہد اصدق اراکین مولانا اختر علی واجد القادری، محمد نذیر احمد رضوی حضرت سید محمود اشرف اشرفی (سجادہ نشین) جملہ اساتذہ و طلبہ

سید شاہ مشاہد اللہ حسنی، مولانا سید مشاد پاشا مولانا سید حامد حسین حسان فاروقی، خواجہ شاہ محمد شجاع الدین افتخاری سید قمر شاہ شاہجہاں پوری، قاری حبیب اختر شاہدی، مولانا غلام قادر، مولانا قاری شفیق سید شاہ رفیق اللہ حسنی، ڈاکٹر سید شاہ مخدوم محی الدین قادری، مولانا سید شاہ توفیق اللہ حسنی، مولانا شاہ فصیح الدین نظامی مولانا محبوب عالم اشرفی مولانا شیخ عبدالرحمن ازہری مولانا خالد رشید فرنگی محلی حضرت شیخ راشد علی مینائی مفتی محمد رضا مصباحی، مولانا غلام رسول دہلوی، مولانا محمد عرفان ازہری واساتذہ پروفیسر خواجہ اکرام الدین ڈاکٹر کلیم اللہ، ڈاکٹر شاہد اختر و دیگر اراکین مولانا محمد مجاہد حسین حبیبی جملہ اراکین جملہ اراکین حضرت سید محمد اشرف کچھوچھوی تمام اساتذہ و طلبہ مولانا امیر خسرو و اراکین کمیٹی مولانا محمد ابراہیم شافعی مفتی سید رضوان رفاعی، مولانا رحمت اللہ مصباحی، مفتی محمد مشتاق قادری مفتی محمد مشتاق قادری، مولانا قاری اظہر قادری قاری غفران مفتی محمد رضوان رفاعی مولانا ایوب اشرفی حضرت سید محبوب میاں قادری	حیدرآباد (دکن) کانپور حیدرآباد (دکن) حیدرآباد (دکن) لکھنؤ لکھنؤ ڈاکرنگر، اوکھلا (نئی دہلی) جسولہ (نئی دہلی) کولکاتہ کولکاتہ کولکاتہ نئی دہلی شاہی مسجد، ناسک (مہاراشٹر) منڈی بازار، ورنگل (آندھرا پردیش) وڑالہ، ناسک (مہاراشٹر) ناسک (مہاراشٹر) قسمت باغ، ناسک (مہاراشٹر) ٹائیکوڑی پورہ، ناسک (مہاراشٹر) کونئی پورہ، ناسک (مہاراشٹر) بولٹن (انگلینڈ) سنگم نیر ضلع احمد نگر (مہاراشٹر)	مرکزی مجلس قادریہ بزم ادب تنظیم عاشقان مصطفیٰ دارالعلوم امام احمد رضا فرنگی محل دارالعلوم شاہ مینا جامعہ حضرت نظام الدین اولیا قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان آل انڈیا تبلیغ سیرت مغربی بنگال تاج الخول اکیڈمی شاخ کولکاتہ انجمن خدام قادری آل انڈیا علماء و مشائخ بورڈ جامعہ اہلسنت صادق العلوم تنظیم پاسبان سنت غوثیہ مسجد کھڑکالی مسجد شاہجہانی مسجد اجمیری مسجد مسجد کونئی پورہ محدث اعظم مشن قادری مسجد
---	---	---



مسجد لکھنؤ پورہ  
قادری کمیٹی  
دارالقلم، قادری مسجد

سنگم نیر ضلع احمد نگر (مہاراشٹر)  
سیون پور ضلع کاس گنج  
ذاکر نگر اوکھلا (نئی دہلی)

حضرت سید محبوب میاں قادری  
مولانا محمد یاسر خان قادری  
مولانا یسین اختر مصباحی، مولانا ضیاء الدین  
خان مصباحی، مولانا ارشاد عالم نعمانی واساتذہ

مولانا غلام احمد قادری وارا کین  
مولانا مبشر قادری وارا کین

مولانا انور قادری

ارا کین

مولانا عارف اشرفی

ارا کین

ارا کین

مولانا انور سہیل

حافظ ادیس قادری

ارا کین

ارا کین

ارا کین

ارا کین

مولانا محمد ایوب اشرفی

ارا کین

ارا کین

ارا کین

ارا کین

ارا کین

ارا کین

ارا کین

مولانا نسیم خان، مولانا نظام الدین

مولانا سید عبدالعلیم ودیگر

حافظ کریم الدین قادری ودیگر

ارا کین

اشتیاق ایوبی

پونہ

کھڑکی (پونہ)

پونہ

پونہ

پونہ

کوئٹہ وا (پونہ)

کیمپ (کوئٹہ وا)

پونہ

پونہ

پونہ

پونہ

پونہ

پونہ

کوئٹہ وا (پونہ)

پونہ

پونہ

پونہ

پونہ

ایم جی روڈ (پونہ)

پونہ

پمیری (پونہ)

رشید پورہ (اورنگ آباد)

دولت آباد (اورنگ آباد)

رحمانیہ کالونی (اورنگ آباد)

پٹنہ (بہار)

نئی دہلی

روشن مسجد

جامع مسجد

منوشاہ مسجد

منشیان مسجد

بارہ امام مسجد

جامع مسجد

جامعہ القریش مسجد

قمر الدین مسجد

بھنڈار شاہ مسجد

باباجان درگاہ

باقر قصاب مسجد

کیلا مسجد

باغبان مسجد

جامعہ اشرفیہ

علاء الدین مسجد

سٹی جامع مسجد

موڈی خانہ مسجد

اہل بیت مسجد

جامع مسجد

پنشین والا مسجد

جامعہ القریش مسجد

دارالعلوم غوث الوری

درگاہ حضرت بہاء الدین شطاری

درگاہ والی مسجد

قومی تنظیم

خانقاہ چشتیہ فریدیہ اسعدیہ

مولانا عبدالحمید نعمانی، مولانا غلام مصطفیٰ  
رضوی، حافظ انیس الرحمن رضوی وغیرہ  
محمد عارف برکاتی

مالگاؤں

نوری مشن

جامع مسجد بہار شریعت  
کراچی (پاکستان)

مدارس البرکات

لوہیا نگر، دہرادون (یو کے)  
سیتا مڑھی (بہار)

رضا جامع مسجد  
رضا اسلامک مشن آف بہار

سید اشرف حسین قادری  
مولانا نسیم احمد مصباحی، مولانا حشمت امجدی  
پوکھر یروی، مفتی کلیم احمد مصباحی ودیگر  
مولانا سید غلام الصمد میاں چشتی، مفتی انفاس  
الحسن چشتی، مولانا ساجد مصباحی،

پھوونڈ شریف، ایٹھ (یو پی)

جامعہ صدیہ

مولانا غلام جیلانی مصباحی ودیگر  
مولانا شبیر اشرفی، مولانا مقصود قادری، حافظ  
انوار اللہ قادری، غلام محمد خان قادری ودیگر  
حضرت سید شاہ عارفین اصدق،  
مولانا شہباز اصدق ودیگر

منماڑ (مہاراشٹر)

قریش مسجد

سہرام (بہار)

خانقاہ عوشیہ اصدقیہ

مفتی محمد شہروز مصباحی، مولانا عبدالمطلب،  
مولانا عبدالحمید ودیگر  
مفتی ثار احمد، مفتی غلام غوث ازہری،  
مولانا یعقوب علی ودیگر  
اراکین

امرت نگر، تھانے (مہاراشٹر)

مدرسہ فیضان رضا

لال مسجد حسن پور، امر وہہ (یو پی)

دارالعلوم محمدیہ

بنگلور

سنی دعوت اسلامی

بدایوں

دارالعلوم شاہ ولایت

کورہی، ہاندہ (یو پی)

دارالعلوم عوشیہ رضویہ

یاقوت پورہ (حیدرآباد)

دارالعلوم امام احمد رضا

سید سراواں، الہ آباد (یو پی)

جامعہ عارفیہ

قاری عبدالرسول قاسمی برکاتی  
مولانا نذیر حیات قادری، تبارک حسین فاروقی  
خواجہ معز الدین اشرفی،  
مولانا محبوب عالم اشرفی ودیگر  
حضرت شیخ ابوسعید احسان اللہ چشتی،  
مولانا ضیاء الرحمن علمگی، مولانا ذیشان مصباحی،  
مولانا مجیب الرحمن علمگی ودیگر

نئی دہلی

مسجد فتح پوری

لونی (نئی دہلی)

مدرسہ مظہر العلوم

کھگوسرائے، سنہیل (یو پی)

سنی اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن

پورنیہ (بہار)

ادارۃ قاضی شہر

مفتی مکرم احمد نقشبندی  
مفتی مکرم احمد نقشبندی  
محمد علی ارمان رضا، محمد شارب فائز علی ودیگر

کچھلا روڈ، بدایوں (یو پی)

سرائے ترین، سنہیل (یو پی)

شاستری پارک (نئی دہلی)

نکرا، بدایوں (یو پی)

نکرا، بدایوں (یو پی)

بریلی (یو پی)

کڑہ، شاہجہانپور (یو پی)

نصیر پور، اشرف نگر (یو پی)

سر سید نگر، مراد آباد (یو پی)

الہ آباد

ساگر (ایم پی)

مشرقی دہلی

کبیر نگر، (نئی دہلی)

بھرت وہار (نئی دہلی)

راہپور (یو پی)

راؤ دہلی (ہریانہ)

بغلہ ہاؤس (نئی دہلی)

اجیر شریف (راجستھان)

جوہرباغ (علی گڑھ)

نئی دہلی

بلگرام (یو پی)

پہلی بھیت (یو پی)

پہلی بھیت (یو پی)

جمعیتہ الاممہ

مسلم اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن

بلند مسجد

خانقاہ شاہ درگاہی محبوب الہی زیارت شریف

خانقاہ شرافتیہ

نوری فاؤنڈیشن

خانقاہ حسینہ کلیمیہ

صابرہ اردو گرس کالج

تنظیم عوام اہل سنت

دائرہ شاہ اجمل

ڈاکٹر ہری گور سنٹرل یونیورسٹی

جامعہ امام اعظم نعیمیہ

رضائے مصطفیٰ موسائٹی

رضا جامع مسجد و مدرسہ اہل سنت

جامعہ حمیدیہ اظہر العلوم

مرکز اہل سنت مسجد شیخان ہاڑہ

مسجد خلیل اللہ

خانقاہ چشتیہ فخریہ گردیزیہ

مدرسہ فیضان مصطفیٰ

مجلس برکات دفتر دہلی

دارالعلوم واحدیہ طیبیہ

خانقاہ عثمانیہ قدیریہ

درہار حضرت اللہ میاں

الرضا اسلامک جونیئر ہائی اسکول  
مدرسہ رضویہ غوث العلوم  
بزم قاسمی برکاتی

کریم گنج، پبلی بھیت (یو پی)  
وارث نگر، بارہ بنکی (یو پی)  
چمن گنج، کانپور (یو پی)

صابر علی رضوی  
حافظ شبیر رضا قادری، مولانا حنیف قادری  
حضرت رفیق ملت، مولانا حنیف برکاتی، عتیق  
احمد برکاتی و دیگر

مدرسہ عربیہ سعید العلوم

لکشمی پور، مہاراج گنج (یو پی)

مولانا محمد صدر الدین مصباحی، مولانا نور الہدی  
مصباحی، مولانا سید علی نظامی

دارالعلوم غوثیہ

پیر وائلکو، مہاراج گنج (یو پی)

مولانا محبوب احمد، مولانا نور اللہ قادری  
اراکین

دارالعلوم امام احمد رضا  
دارالعلوم شاہ اعلیٰ قدرتیہ

بندیشر پور، مہاراج نگر (یو پی)

مفتی حبیب الرحمن شاہدی  
مولانا اشتیاق احمد، قاری مستقیم قادری

دارالعلوم حنفیہ امام احمد رضا  
تاج الفحول اکیڈمی شاخ جنر

جاج منو (یو پی)

مولانا ناہید رضا، مولانا صادق الاسلام  
مولانا رضوان قادری

مسجد القریش

خلیل پورہ جنر ضلع پونہ (مہاراشٹر)

حضرت سید معین میاں اشرفی

ناگد دیوی اسٹریٹ ممبئی ۳ (مہاراشٹر)

اراکین

جنر ضلع پونہ (مہاراشٹر)

اراکین

ناگپاڑہ، ممبئی (مہاراشٹر)

اراکین

وکرولی، ممبئی (مہاراشٹر)

اراکین

جنر ضلع پونہ (مہاراشٹر)

اراکین

جنر ضلع پونہ (مہاراشٹر)

اراکین

جنر ضلع پونہ (مہاراشٹر)

اراکین

جنر ضلع پونہ (مہاراشٹر)

اراکین

جنر ضلع پونہ (مہاراشٹر)

اراکین

جنر ضلع پونہ (مہاراشٹر)

حافظ محسن قادری

جنر ضلع پونہ (مہاراشٹر)

حافظ اسد قادری، حافظ شاہد قادری

جنر ضلع پونہ (مہاراشٹر)

مولانا اختر قادری، الحاج تسنیم حسن قادری،

بدایوں (یو پی)

حافظ طاہر حسین قادری و دیگر

سوگھ، بدایوں (یو پی)

سید سرور علی، سید تنویر علی، سید مظاہر علی و دیگر

سنجھل ضلع مراد آباد (یو پی)

حافظ اقرار، مولانا مبشر، مولانا محمد علی خان

چندوسی ضلع سنجھل (یو پی)

حافظ عظمت، حافظ ہارون

پورنیہ (بہار)

مولانا سیف رضا صدیقی

سری ہاٹ، پورنیہ (بہار)

مولانا شمس تبریز، حافظ شفیع احمد

سید منور علی اردو ہائی اسکول

بشیریہ لائبریری چندوسی

آستانہ عالیہ قادریہ بشیریہ

دارالعلوم ابو ہریرہ للبنات

دارالعلوم انوار مصطفیٰ



خانقاہ و امتیہ نشاطیہ

شہادت گنج بریلی

اسلم میاں و امتی، ظفر بیگ، محمود و امتی،

اسلم و امتی، دانش و امتی

ڈاکٹر مجاہد رضا، نجم الحسن قادری، مجتہد رضا

مولانا دلشاد احمد و مولانا حنیف قادری،

سید عزام قادری، حاجی جلال الدین

مولانا دلشاد احمد و حافظ حشمت قادری

قاری ضیاء الدین برکاتی، حافظ محمد اویس

برکاتی، مولانا محمد یوسف برکاتی

مولانا عبدالشکور، قاری محمد اشرفی، حافظ علی حسین

اشرفی، حافظ ضمیر قریشی، مولانا عرفان وغیرہ

حافظ محمد طاہر حسین، محمد یامین، حبیب احمد

اراکین

اراکین

اراکین

اراکین

اراکین

اراکین

مفتی محمد زبیر صدیقی و دیگر

مولانا فروغ القادری

محترم جناب بشارت صدیقی

حضرت سید معین میاں اشرفی،

ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی، مولانا ممتاز عالم مصباحی،

ڈاکٹر محبت الحق قادری و دیگر

شیخ حازم نائف ابو غزالہ (مفتی اعظم جارڈن)

مفتی مطیع الرحمن مظفر رضوی، مولانا مسعود احمد

پروفیسر سید طلحہ رضوی برقی و دیگر

مولانا انصار رضا و اراکین

اراکین و اساتذہ

قاری عبدالوکیل

پنجابیان چوراہا پبلی بحیثیت

آنولہ ضلع بریلی (یوپی)

آنولہ ضلع بریلی (یوپی)

قصبہ سکندرہ راؤ

بدھ بازار

گھنٹہ گھر بدایوں (یوپی)

محلہ ناہر خاں سرائے، بدایوں (یوپی)

علی پور، بدایوں (یوپی)

محلہ سو تھہ، بدایوں (یوپی)

گنور، بدایوں (یوپی)

پکھری روڈ ایولہ (مہاراشٹر)

ایولہ (مہاراشٹر)

آزادنگر، پورنیہ (بہار)

گلاسگو (انگلینڈ)

جدہ (سعودی عرب)

ناسک (مہاراشٹر)

گھوسی، منو (یوپی)

جارڈن (عمان)

شام پور، اتر دیناج پور (بنگال)

شاہ ٹولی، دانا پور (بہار)

نئی دہلی

نئی دہلی

کے نگر بلاک (بہار)

□□□

فلاح عام اسلامک اسکول

مدرسہ عطائے فضل رسول

مدرسہ طیب العلوم قادریہ حمیدیہ

مدرسہ امین البرکات نورانی مسجد

مدرسہ شرافت العلوم

مدرسہ شمس العلوم

آل انڈیہ فنکارا کیڈمی

تکیہ والی مسجد

مسجد بروالی

جامع مسجد

آسنہ مسجد

بیڑ والی مسجد

محمدیہ عربک کالج

ورلڈ اسلامک مشن

محبان محدث اعظم ہند

رسول باغ

دارالعلوم شمس العلوم

دارالقرآن (خانقاہ)

جامعہ نوریہ

خانقاہ نظامیہ چشتیہ

غریب نواز فاؤنڈیشن

مدرسہ رضاء العلوم

مدرسہ حیات العلوم

# تعزیتی فون / ایس ایم ایس

عالم ربانی کی شہادت پر موصول ہونے والے چند اہم فون اور ایس ایم ایس

شہید بغداد، مقبول بارگاہ غوثیت حضرت العلام شیخ اسید الحق محمد عاصم قادری رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت پر ملک و بیرون ملک ایک کھرام بپا ہو گیا، جس نے جہاں سنا، سراپا حیرت و غم بن گیا اور پھر شہید بغداد کے والد گرامی تاجدار اہل سنت حضرت مولانا شاہ عبدالحمید محمد سالم القادری، ان کے اہل خانہ اور راقم کے غم کے مداوے کے لیے ملک و بیرون ہر طرف سے تعزیتی فون اور ایس ایم ایس آنے لگے۔ یاد رہے جانے والے چند اہم تعزیت کرنے والوں کی فہرست ذیل میں دی جا رہی ہے۔ ان کے علاوہ ہم ان تمام حضرات کے بھی ممنون ہیں، جنہوں نے اس دل خراش سانحے پر فون یا ایس ایم ایس کیے اور ہمارے غموں کو بانٹنے کی کوشش کی۔ اللہ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ (ادارہ)

- شہزادہ غوث اعظم حضرت سید پیر ہاشم الگیلانی (بغداد شریف، عراق)
- حضرت سید عمار احمد احمدی عرف نیر میاں (سجادہ نشین خانقاہ شیخ العالم ردولی شریف)
- شہزادہ غوث اعظم حضرت سید عدنان توفیق الگیلانی (بغداد شریف، عراق)
- حضرت سید شاہ ثقلین میاں قادری مجددی (سجادہ نشین: خانقاہ شرافتیہ، بریلی)
- شہزادہ غوث اعظم حضرت سید سلمان الگیلانی (دہلی)
- حضرت سید شاہ گلزار میاں قادری (سجادہ نشین: خانقاہ اسماعیلیہ، مسولی شریف)
- امین ملت حضرت پروفیسر سید امین میاں قادری برکاتی (سجادہ نشین: خانقاہ برکاتیہ، مارہرہ مطہرہ)
- حضرت سید اولیا حسینی پاشا قادری (قادری چمن، حیدرآباد، دکن)
- شرف ملت حضرت سید اشرف قادری برکاتی (چیف انکم ٹیکس کمشنر، کولکاتا، بنگال)
- مولانا غلام عبدالقادر علوی (سجادہ نشین: خانقاہ یار علویہ، براؤں شریف)
- رفیق ملت حضرت سید نجیب میاں قادری برکاتی (سجادہ نشین: مسند نوریہ، خانقاہ برکاتیہ، مارہرہ مطہرہ)
- حضرت مولانا سید بسطین حیدر قادری برکاتی (خانقاہ برکاتیہ، بڑی سرکار، مارہرہ مطہرہ)
- شیخ الاسلام حضرت علامہ سید محمد مدنی میاں اشرفی (سجادہ نشین: آستانہ محدث اعظم ہند، کچھوچھو شریف)
- حضرت سید شاہد میاں (خانقاہ قادریہ، جیٹھا شریف)
- پروفیسر سید طلحہ رضوی برق (سجادہ نشین: خانقاہ نظامیہ چشتیہ، دانا پور، پٹنہ، بہار)
- حضرت سید آل علی تمیمی (ساڈھورا شریف)
- مولانا راشد رضا آسوی (سجادہ نشین: خانقاہ ابوالعلائیہ، اتروالہ، بلرام پور)
- مفتی مطیع الرحمن مضطر پورنوی (بانی: جامعہ نوریہ، شام پور، اتر دیناج پور، بنگال)
- حضرت سید شاہ آیت اللہ قادری (صاحب سجادہ خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف)

- مولانا ملک الظفر سہراہی  
(مہتمم: مدرسہ خیریہ نظامیہ، سہرام، بہار)
- مولانا حنیف قادری نوری  
(صدر: امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی)
- حضرت سید معین الدین اشرف اشرفی البیلانی  
(مہتمم)
- حضرت سید خالد اشرف اشرفی  
(مہتمم)
- حضرت سید فرید اشرف اشرفی  
(مہتمم)
- حضرت سید نظام اشرف اشرفی  
(خطیب و امام: زکریا مسجد، ممبئی)
- حضرت سید معین اشرف اشرفی  
(مہتمم)
- مولانا فیضان اشرف اشرفی  
(خطیب و امام: مولوی خیر الدین مسجد، ممبئی)
- مولانا سید جامی اشرف  
(خانقاہ اشرفیہ، کھمبات، گجرات)
- ڈاکٹر شکیل احمد اعظمی  
(کریم الدین پور، گھوسی، مٹو)
- مولانا جلال رضا ازہری  
(قاہرہ، مصر)
- ڈاکٹر نوشاد عالم چشتی  
(علی گڑھ)
- انجینئر سید فضل اللہ چشتی  
(نی دہلی)
- احمد جاوید  
(ایڈیٹر انچارج: روزنامہ انقلاب، بہار)
- ڈاکٹر عبدالسلام جیلانی  
(استاذ: شعبہ تاریخ، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ)

- مولانا یسین اختر مصباحی  
(بانی: دارالقلم، اوکھلا، نئی دہلی)
- مفتی آل مصطفیٰ مصباحی  
(استاذ: جامعہ امجدیہ رضویہ، گھوسی مٹو)
- مولانا کوب نورانی اوکاڑوی  
(سولجر بازار، کراچی پاکستان)
- ڈاکٹر شعائر اللہ خان وجیہی  
(ایڈیٹر: ماہنامہ ضیائے وجیہ، رام پور)
- سید صبیح الدین صبیح رحمانی  
(مدیر: نعت رنگ، کراچی، پاکستان)
- ڈاکٹر غلام زرقانی  
(ڈائریکٹر: حجاز فاؤنڈیشن، ہیوسٹن، امریکا)
- مولانا منظر الاسلام ازہری  
(ڈائریکٹر: البیچ انسٹی ٹیوٹ، نارتھ کیرولینا، امریکا)
- مولانا مبارک حسین مصباحی  
(مدیر: ماہنامہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ)
- مولانا سید نور الدین اصدق  
(مدیر: ماہنامہ جام شہود، پکی تالاب، بہار شریف)
- مولانا سید کاظم پاشا قادری  
(قادری چمن، حیدرآباد، دکن)
- مولانا نفیس احمد مصباحی  
(استاذ: الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ)
- مولانا محمود احمد رفاقتی  
(خانقاہ اشرفیہ، مظفر پور، بہار)
- مولانا سید قاسم اشرف کچھوچھوی  
(کچھوچھو شریف)
- حضرت سید محمد عربی میاں  
(کچھوچھو شریف)
- مولانا شاکر نوری  
(امیر: سنی دعوت اسلامی، ممبئی)

- مولانا عارف اقبال مصباحی (مہتمم: دارالعلوم تاج الشریعہ، مدھوبنی، بہار)
- مولانا فیضان الرحمن سجانی (مہتمم: الجامعۃ الواجدیہ، دربھنگہ، بہار)
- مولانا مبشر رضا قادری (احمد آباد گجرات)
- ڈاکٹر فہیم عثمان صدیقی (کوآرڈی نیٹر: البرکات ایجوکیشنل سوسائٹی، علی گڑھ)
- ڈاکٹر احمد مجتبیٰ صدیقی (جوائنٹ سکریٹری: البرکات ایجوکیشنل سوسائٹی، علی گڑھ)
- مولانا معین اختر اعظمی (استاذ: دارالعلوم فیض الرسول، براؤں شریف)
- ڈاکٹر سجاد عالم مصباحی (استاذ: پریسڈینسی یونیورسٹی، کولکاتہ)
- مولانا ذیشان احمد مصباحی (استاذ: جامعہ عارفیہ، سید سراواں، الہ آباد)
- مولانا اشرف الکوثر مصباحی (ریسرچ اسکالر: جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی)
- مولانا انیس احمد اشرفی (ممبئی)
- مولانا جاوید اختر مصباحی (گلبرگہ)
- مولانا عابد رضا مصباحی (جمشید پور)
- حافظ شمس الحق رضوی (رضا ہوزری، لدھیانہ، پنجاب)
- مولانا ابرار قیصر فیضی (مہتمم: دارالعلوم محبوب سجانی، جکسلائی، جمشید پور)
- مولانا رستم علی رضوی (تنجاور، تمل ناڈو)
- مولانا وقار احمد ندوی
- (پٹنہ)
- مولانا منظر محسن (خطیب و امام: قادری مسجد، اوکھلا، دہلی)
- عارف اقبال (ایڈیٹر: اردو بک ریویو، دریا گنج، نئی دہلی)
- سید نورین علی حق (کاپی ایڈیٹر: اردو نیوز چینل، دوردرشن، نئی دہلی)
- پروفیسر خواجہ اکرام الدین (ڈائریکٹر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی)
- مفتی محمد ایوب اشرفی (بولٹن، انگلینڈ)
- مولانا غلام صدیقی رشیدی (دھبباد، جھارکھنڈ)
- مولانا محمد منیر ازہری (جامعہ ازہر، قاہرہ، مصر)
- مولانا ابرار احمد امجدی (دارالعلوم امجدیہ ارشد العلوم، اوجھانگ، ہستی)
- مولانا خولجہ ساجد عالم مصباحی (استاذ: مدرسہ لطیفیہ، رحمن پور، کٹیاریا)
- پروفیسر اختر الواسع (چیف کوشنر، اقلیتی لسانیات، حکومت ہند، نئی دہلی)
- بشارت صدیقی (جدہ، سعودیہ عربیہ)
- قاضی خطیب عالم (استاذ: دارالعلوم وارثیہ، لکھنؤ)
- مولانا عبید اللہ خان اعظمی (سابق ممبر پارلیمنٹ، نئی دہلی)
- مولانا وقار المصطفیٰ امجدی (کولکاتا، بنگال)
- مولانا آصف علوی ازہری

- مولانا عارف اقبال مصباحی (مہتمم: دارالعلوم تاج الشریعہ، مدھوبنی، بہار)
- مولانا فیضان الرحمن سجانی (مہتمم: الجامعۃ الواجدیہ، دربھنگہ، بہار)
- مولانا مبشر رضا قادری (احمد آباد گجرات)
- ڈاکٹر فہیم عثمان صدیقی (کوآرڈی نیٹر: البرکات ایجوکیشنل سوسائٹی، علی گڑھ)
- ڈاکٹر احمد مجتبیٰ صدیقی (جوائنٹ سکریٹری: البرکات ایجوکیشنل سوسائٹی، علی گڑھ)
- مولانا معین اختر اعظمی (استاذ: دارالعلوم فیض الرسول، براؤں شریف)
- ڈاکٹر سجاد عالم مصباحی (استاذ: پریسڈینسی یونیورسٹی، کولکاتہ)
- مولانا ذیشان احمد مصباحی (استاذ: جامعہ عارفیہ، سید سراواں، الہ آباد)
- مولانا اشرف الکوثر مصباحی (ریسرچ اسکالر: جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی)
- مولانا انیس احمد اشرفی (ممبئی)
- مولانا جاوید اختر مصباحی (گلبرگہ)
- مولانا عابد رضا مصباحی (جمشید پور)
- حافظ شمس الحق رضوی (رضا ہوزری، لدھیانہ، پنجاب)
- مولانا ابرار قیصر فیضی (مہتمم: دارالعلوم محبوب سجانی، جکسلائی، جمشید پور)
- مولانا رستم علی رضوی (تنجاور، تمل ناڈو)
- مولانا وقار احمد ندوی



(نائب مہتمم: دارالعلوم فیض الرسول، براؤں شریف)

● مولانا اشتیاق

(افریقہ)

● مولانا عبدالعلیم

(نیپال)

● مولانا غلام غوث علوی

(مہتمم: دارالعلوم مسکینیہ، دھوراجی، گجرات)

● الحاج محمد سعید نوری

(جنرل سیکریٹری: رضا اکیڈمی، ممبئی)

● حافظ محمد آصف مجددی

(پاکستان)

● مولانا سید ممشاد پاشا قادری

(حیدرآباد)

● مولانا محمد راغب مصباحی

(جامعہ ازہر، قاہرہ، مصر)

● صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری

(صدر: ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی، پاکستان)

● بیرسٹر اسد الدین اویسی

(ممبر آف پارلیمنٹ، حیدرآباد، دکن)

● مولانا حبیب احمد

(رام پور، یوپی)

● مولانا قاری جنید

(استاذ: جامعہ قادریہ، ممبئی)

● مولانا خورشید عالم

(خطیب و امام، قصائی محلہ، ممبئی)

● مولانا ذکوان ندوی

(نئی دہلی)

● ڈاکٹر سید علیم اشرف جانی

(استاذ: شعبہ عربی، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد)

● پروفیسر یونس اجاسکر

(استاذ: ممبئی یونیورسٹی، ممبئی)

● پروفیسر فاروق احمد صدیقی

(سابق صدر: شعبہ اردو، بہار یونیورسٹی، مظفر پور، بہار)

● سید تالیف حیدر

(نئی دہلی)

● مولانا ارشاد عالم نعمانی

(ریسرچ اسکالر: جامعہ ہمدرد، نئی دہلی)

● مولانا صدر الوری مصباحی

(استاذ: ماہنامہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ)

● مولانا ممتاز احمد سدیدی

(اسٹنٹ پروفیسر: منہاج یونیورسٹی، لاہور، پاکستان)

● محمد ثاقب رضا قادری

(لاہور، پاکستان)

● ڈاکٹر فضل الرحمن شرر مصباحی

(جمیلیان روڈ، نئی دہلی)

● مولانا قمر احمد اشرفی

(ناظم: جامعہ اشرف، کچھوچھ شریف)

● ڈاکٹر فضل مصباحی

(استاذ: شعبہ اردو، ڈاکٹر ہری سنگھ گور یونیورسٹی، ساگر)

● محمد یامین انصاری

(نیوز ایڈیٹر: روزنامہ انقلاب، نئی دہلی)

● مولانا حافظ یعقوب علی خاں

(خطیب و امام: مسجد خلیل اللہ، بلہ ہاؤس، نئی دہلی)

● مولانا سید سیف الدین اصدق

(ڈائریکٹر: پیغام اسلام، حسینی مسجد، ڈاکٹر نگر، جمشید پور)

● ڈاکٹر حفیظ الرحمن

(نئی دہلی)

□□□

(۱۰)

---

# حدیث دل

---

# حدیث دل

عالم ربانی مولانا شیخ اسدالحق محمد عامر قادری کا منتخب کلام

شہید بغداد، عالم ربانی شیخ اسدالحق قادری بدایونی محدث، مفسر، محقق، خطیب، مصنف اور مدرس ہونے کے ساتھ ساتھ ایک منفرد لب و لہجے کے بہترین شاعر بھی تھے۔ علامہ بدایونی نے ضمنی حیثیت سے شاعری کی ہے، تاہم جتنی بھی کی ہے وہ دنیائے شعر و سخن میں ایک قیمتی اضافہ ہے۔ یہاں ان کے کلام کا انتخاب پیش کیا جا رہا ہے تاکہ ارباب علم و ادب ان کی اس حیثیت سے بھی متعارف ہو سکیں اور ان کی شاعری کی قدر و قیمت کا تعین ہو سکے۔ (ادارہ)

## حمد یہ نعت

پھر اپنے دامن الفاظ کو رفو کر لوں  
تصورات و خیالات باوقار کروں  
کہ مجھ کو رب تعالیٰ کی حمد لکھنا ہے  
بنا کے اس کو رؤوف و رحیم بھیجا ہے  
وہ جس کا ذکر دوائے دلِ فگار ہوا  
رسول وہ جسے قدرت کا شاہکار کہیں  
نگار خانہ قدرت اسی کے صدقے میں  
کھلا ہے باب شفاعت اسی کے صدقے میں  
وہی تو پردہ کشائے تجلیات ہوا  
وہ جس کے تابع فرماں ہیں قدسیانِ فلک  
سحر نے جس کے تبسم سے روشنی پائی

میں پہلے کوثر و تسنیم سے وضو کر لوں  
میں اپنی فکر رسا کو ادب شعار کروں  
قلم کو سرحد ادراک سے گزرنا ہے  
وہ رب کہ جس نے رسول کریم بھیجا ہے  
رسول وہ جو رسولوں کا تاجدار ہوا  
رسول وہ جسے محبوب کردگار کہیں  
بہار گلشن جنت اسی کے صدقے میں  
بنائے قصر ولایت اسی کے صدقے میں  
وہ جس کا مصحف رخ پر تو صفات ہوا  
وہ جس کی گرد سواری ہے کہکشانِ فلک  
وہ جس کے لب سے گلابوں نے ناز کی پائی

اسی رسول کے خالق کی حمد لکھتا ہوں

میں اپنی زیت کے خاکے میں رنگ بھرتا ہوں

□□□

## نعت رسول ﷺ

جب تصور میں بسالیں آنکھیں      ساری دنیا سے اٹھالیں آنکھیں  
 عرش پر ان کی سواری آئی      حور و غلاماں نے بچھالیں آنکھیں  
 قدسیوں نے پئے دیدار نبی      آب کوثر سے کھجکالیں آنکھیں  
 دیکھ کر تائش پائے انور      ماہ و اختر نے چرائیں آنکھیں  
 بحرِ رحمت میں تلاطم آیا      جب ذرا ہم نے بھگالیں آنکھیں  
 خاک طیبہ ہے خردار قمر      اس کی آنکھوں میں جو ڈالیں آنکھیں  
 اسے اجل شوق سے آجا ہم نے      سبز گنبد پہ جمالیں آنکھیں  
 حشر میں سامنے ان کے عاصم  
 شرم عصیاں سے جھکالیں آنکھیں



سنا ہے لالہ طیبہ کی تازہ کاری کو      لباس گل سے شگوفے نکل کے دیکھتے ہیں  
 سنا ہے طیبہ کے ذرات ایسے روشن ہیں      کہ مہر و ماہ انہیں آنکھ مل کے دیکھتے ہیں  
 خرام ناز پہ مہض جہاں ٹھہرتی ہے      فرشتے عرش کے پہلو بدل کے دیکھتے ہیں  
 وہ بخش دیتے ہیں قدموں پہ گرنے والوں کو      سوہم بھی قدموں پہ ان کے محل کے دیکھتے ہیں  
 اُسید پلے پہ دیوانِ نعت رکھ دیجے  
 جو اپنے نیک عمل آپ ہلکے دیکھتے ہیں







ہاں حسنِ روئے مصطفیٰ یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں  
گر وہ نہ ہوں جلوہ نما یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں  
کاشانہ خیرالوریٰ یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں  
دندانِ انور کی ضیا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں  
نعلینِ پاکِ مصطفیٰ یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں  
بس آپ اور عرشِ علیٰ یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں  
تم نے کہا انسی لہا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں  
فکرِ الم خوفِ بلا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

زُبح مہر ہے یا مہ لقا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں  
حسنِ دبستانِ جناں نیرنگی کون و مکاں  
ہے گلشنِ خلد بریں یا مسکنِ روح الامیں  
تابانی دُڑِ عدنِ رخشانی لعلِ یمن  
تاجِ سرِ کسریٰ کہاں پیشانی زہرہ کہاں  
برقِ جلالِ کبریا وہ لن ترانی کی صدا  
اوروں نے جب نفسی کہا اذہب الیٰ غیبری کہا  
مستِ مئے بغداد ہم ہے غوثِ اعظم کا کرم

ہادی سا استاذِ زمن، منظور سا شیریں سخن

تو عاصمِ مدحت سرا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

طرزِ رضا کی پیروی عاصم یہ تیری شاعری

حسنِ سخن، فکرِ رسا، یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں





جہاں پر عاشقوں کا آج کل میلا لگا ہوگا  
پر روح الامیں جاروبِ روضہ بن گیا ہوگا  
جدید وقت بھی پاسِ نفس کر کے کھڑا ہوگا  
کسی کا بختِ خوابیدہ جگایا جا رہا ہوگا  
دریدہ دامنِ وحشت کو اپنے ہی رہا ہوگا  
بصیرت کی جبیں پر عکسِ روئے مصطفیٰ ہوگا  
قمر سرکار کے تلووں کا صدقہ مانگتا ہوگا  
ادھر بیت الشرف والوں کا صدقہ بٹ رہا ہوگا  
کوئی حسانِ نعتِ سرور دیں پڑھ رہا ہوگا  
کسی ماتھے سے عرقِ انفعالی بہ رہا ہوگا  
کسی کو جذبِ الفت ان کی جانب کھینچتا ہوگا  
امامت کا، ولایت کا خزانہ بٹ رہا ہوگا

تمنا تھی کہ ہم بھی روضہ سرکار پر جاتے  
فرشتے عرش سے بہرِ سلامی آرہے ہوں گے  
ادبِ گاہست زیرِ آسماں از عرشِ نازک تر  
کسی کے بخت کی زلفیں سنواری جا رہی ہوں گی  
کوئی دیوانہ سرکارِ نوکِ خارِ طیبہ سے  
بصارت کر رہی ہوگی طوافِ گنبدِ خضرا  
کلس کے نور سے تاروں نے دامن بھر لیے ہوں گے  
ادھر آقا نواسوں کا اتارا بانٹتے ہوں گے  
بوصیری، جامی و قدسی قصائد لکھ رہے ہوں گے  
کسی کی آنکھ میں اشکِ ندامت کی لڑی ہوگی  
کوئی سرمہ بناتا ہوگا خاکِ راہِ طیبہ کو  
صداقت کا، عدالت کا، سخاوت کا، شجاعت کا

گنہگاروں، سیہ کاروں، خطا کاروں کا طیبہ میں  
شفاعت کی سند لینے کو میلا لگ گیا ہوگا  
اگر سرکارِ طیبہ میں ہمیں بھی یاد فرماتے  
ہمیں بھی عفو و بخشش کی ضمانت مل گئی ہوتی  
ہمارا خواب، مگر شرمندہ تعبیر ہو جاتا  
حقیقت میں ہماری زندگی بھی زندگی ہوتی





دل پریشان ہے کیا ہوتا ہے  
وقت کھیلوں میں گنویا سارا  
کچھ بھی نامہ میں نہیں حسن عمل  
شب تیرہ ہے مسافر تنہا  
ٹوٹی کشتی ہے شکستہ پتوار  
اے گدائے در غوث الاعظم  
تیرا حامی ترا ناصر ترا غوث  
لا تخف انی عزوم قاتل  
غم کے سورج کی تپش لاکھ سہی  
خواجہ ہند ہے والی تیرا  
آل احمد کی نگاہِ رحمت  
غم کا طوفان ہے کیا ہوتا ہے  
اب پشیمان ہے کیا ہوتا ہے  
سر پہ میزان ہے کیا ہوتا ہے  
راہ انجان ہے کیا ہوتا ہے  
موج طوفان ہے کیا ہوتا ہے  
کیوں پریشان ہے کیا ہوتا ہے  
شاہ جیلان ہے کیا ہوتا ہے  
ان کا فرمان ہے کیا ہوتا ہے  
ان کا دامان ہے کیا ہوتا ہے  
پھر بھی حیران ہے کیا ہوتا ہے  
تجھ پہ ہر آن ہے کیا ہوتا ہے  
غوث اعظم کی غلامی عاصم  
اپنی پہچان ہے کیا ہوتا ہے

□□□

## میں اپنی عظمت رفتہ تلاش کرتا ہوں

میں تیز دھوپ میں سایہ تلاش کرتا ہوں      سیاہ شب میں اجالا تلاش کرتا ہوں  
نشانِ پائے مسیحا تلاش کرتا ہوں      ہلالِ عیدِ تمنا تلاش کرتا ہوں  
میں زندگی کا قرینہ تلاش کرتا ہوں

میں اپنی عظمت رفتہ تلاش کرتا ہوں  
سخائے حضرت عثمانؓ چاہیے مجھ کو      حضورِ غوثؑ کا فیضان چاہیے مجھ کو  
معینِ حقؑ کا قلم دان چاہیے مجھ کو      جنابِ شیخؑ کا دامن چاہیے مجھ کو  
نگاہِ مقدرؑ کا تلاش کرتا ہوں

میں اپنی عظمت رفتہ تلاش کرتا ہوں  
مجیدیؑ کی ہمتی کردار کی ضرورت ہے      معینیؑ کی حکمتِ گفتار کی ضرورت ہے  
فقیرِ شکوٹ کے افکار کی ضرورت ہے      جبیں کو سجدہ سرکارؑ کی ضرورت ہے  
میں علمِ قادریؑ دو لہا تلاش کرتا ہوں

میں اپنی عظمت رفتہ تلاش کرتا ہوں  
شہیدؑ راہِ وفا جیسی زندگانی ہو      زباں میں حضرت منظورؑ کی روانی ہو  
شعور و فکر میں حامدؑ کی ترجمانی ہو      وظیفہ صبح و مسامیرا نعتِ خوانی ہو  
میں سوزِ ہادیؑ شیدا تلاش کرتا ہوں

میں اپنی عظمت رفتہ تلاش کرتا ہوں  
پھر اپنے گم شدہ معیار کی طلب ہے مجھے      پھر اپنے گرمی بازار کی طلب ہے مجھے  
ہے ست قافلہ رفتار کی طلب ہے مجھے      نظر کی، علم کی، کردار کی طلب ہے مجھے  
میں افتخارِ گزشتہ تلاش کرتا ہوں

میں اپنی عظمت رفتہ تلاش کرتا ہوں  
ہمارے بحر کی موجوں میں پھر تلاطم ہو      گل مراد کے ہونٹوں پہ پھر تبسم ہو  
سکوتِ لالہ و گلِ محو صد تکلم ہو      چمن میں ہلبلی شیدا کا پھر ترنم ہو



بہار گلشن کہنہ تلاش کرتا ہوں

میں اپنی عظمت رفتہ تلاش کرتا ہوں

نشاط پھر سے دل بے قرار پر آئے چمن یہ اپنی پرانی بہار پر آئے

یہاں کا ہر گل و غنچہ نکھار پر آئے یہ شمس لوٹ کر نصف النہار پر آئے

افق پہ صبح تجلی تلاش کرتا ہوں

میں اپنی عظمت رفتہ تلاش کرتا ہوں

مری زمین کا ہر ذرہ آفتاب بنے شب فراق کا ہر داغ ماہتاب بنے

شراب خانہ یعنی ہلیمیں پھر شراب بنے اسید لشکرِ باطل پہ اک عذاب بنے

حضور مست اللہ کا نیزہ تلاش کرتا ہوں

میں اپنی عظمت رفتہ تلاش کرتا ہوں

- ۱- عثمان:
  - ۲- حضور غوث:
  - ۳- معین الحق:
  - ۴- جناب شیخ:
  - ۵- مقتدر آقا:
  - ۶- مجیدی:
  - ۷- معینی:
  - ۸- فقیر غوث:
  - ۹- سجدہ سرکار:
  - ۱۰- قادری دولہا:
  - ۱۱- شہید راہ وفا:
  - ۱۲- حضرت منظور:
  - ۱۳- حامد:
  - ۱۴- ہادی:
  - ۱۵- عینی:
  - ۱۶- مست:
- حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ  
حضرت غوث اعظم  
حضور سیف اللہ المسلمول علامہ فضل رسول بدایونی  
حضور تاجدار اہل سنت حضرت شیخ عبد الحمید سالم القادری دامت برکاتہم  
حضرت شاہ عبدالمقندر  
حضرت شاہ عین الحق عبدالمجید  
معین الحق حضور سیف اللہ المسلمول  
حضرت تاج الخمول شاہ عبد القادر  
حضرت عبدالمقندر سرکار صاحب الاقدا رکاوصال سجدہ میں ہوا  
حضور عاشق الرسول حضرت مولانا عبد القدر قادری دولہا  
حضرت مولانا عبد القیوم عثمانی  
حضرت مولانا عبد الماجد بدایونی  
حضرت مولانا عبد الحامد بدایونی  
حضرت مولانا عبد الہادی قادری  
حضور شاہ عین الحق  
حضرت علامہ فضل رسول بدایونی

□□□

## دیداک حقیقت تھی

زاہد و صوفی و میخوار جہاں باہم تھے  
چھیڑخوباں سے چلی جانے کا سامان بھی تھا  
ان کے الطاف و عنایت پہ نظر ہوتی تھی  
سننے تھے جام بکف نعمہ کوکو بیٹھے  
ڈوبے رہتے تھے سدا بادہ و پیمانے میں  
ہائے وہ توبہ شکن ان کے اشارے وہ ادا  
لب خنداں کے تصدق تو تکلم پہ نثار  
روئے تاباں کی چمک رشکِ قمر ہوتی تھی  
عشقِ آوارہ کی وہ شوخ نگاہیں توبہ  
اور کبھی ذکر و فاؤں کا ہوا کرتا تھا  
مست ساقی تھا کہ بس پینے پلانے پہ مصر  
لب پہ توبہ کی صدا ہاتھ میں پیمانہ بھی  
جسم میں جان کا آنا تھا یہ جانا کیا تھا  
نہ کسی قسم کا غم تھا نہ کوئی تھی مشکل  
زندگی کیا کئے فرعون کی تربت کے قریب  
قد و گیسو سے چلے دار و رن تک پہنچے  
اب نہ وہ رات گئے بزمِ خرابات رہی  
اب نہ وہ جلوہ جانانہ سر بام ہی ہے  
اب نہ وہ پر ہیں نہ وہ طاقت پرواز رہی  
اب نہ وہ بادہ گساری نہ وہ پیمانے ہیں  
تو ہمیں گردشِ دوراں یہ کہاں لائی ہے  
روئے جاناں کے نظارے کہاں مینا کیسا  
”کچھ مزہ ہے تو یہی خونِ جگر پینے میں“

وہ بھی کیا دن تھے کہ جب اپنے وطن میں ہم تھے  
روبرو پر مغاں مائل احسان بھی تھا  
محفلِ بادہ کشی شام و سحر ہوتی تھی  
روئے جانا کو تکا کرتے تھے کیسو بیٹھے  
صبح گلشن میں تھی اور شام تھی میخانے میں  
وہ تبسم وہ تکلم وہ نظارے وہ ادا  
جان و دل اپنے تھے اک موجِ تبسم پہ نثار  
رشتے کیسو کبھی ہٹتے تو سحر ہوتی تھی  
حسنِ رعنا کے وہ انداز و ادائیں توبہ  
تذکرہ ان کی اداؤں کا ہوا کرتا تھا  
شیخ صاحب تھے ہمیں توبہ کرانے پہ مصر  
الغرض ذیر بھی تھا مسجد و میخانہ بھی  
ہائے کیا وقت تھا کیا رت تھی زمانہ کیا تھا  
غم جاناں غمِ دوراں غمِ فردا غمِ دل  
پھر سے افریقہ کے صحرا میں لے آیا ہے نصیب  
آج ہم پھر اسی زندانِ کہن تک پہنچے  
اب نہ وہ شام ڈھلے ان سے ملاقات رہی  
اب نہ وہ صبح نہ وہ رات نہ وہ شام ہی ہے  
اب نہ چلمن کے سرکنے کی وہ آواز رہی  
اب نہ وہ شمعِ فروزاں نہ وہ پروانے ہیں  
اب تو بس ہم ہیں اور اک گوشہ تہائی ہے  
فصلِ گل کیسی بھلا موسمِ صہبا کیسا  
لطف ہاتی نہ رہا اب تو کوئی جینے میں

آس اک ان سے ملاقات کی ہاں باقی ہے  
اسی اُمید پہ بس جسم میں جاں باقی ہے  
اب نہ وہ لطف نہ وہ کیف نہ وہ مستی ہے  
اب نہ وہ فصلِ بہاری نہ وہ سرمستی ہے

## نالہ درد

عید کا دن ہے مسرت کا ترانہ لکھو  
 نکبت و نور کے پیکر کا سراپا لکھو  
 اک غزل بلبل شیدا کے ترنم پہ لکھو  
 مثنوی کوئی درخشانی انجم پہ لکھو  
 ذکر گلشن کا کرو گل کی حکایت لکھو  
 تیج ابرو کو لکھو قد کو قیامت لکھو  
 زلف شب رنگ کی ہو گیسوئے خم دار کی ہو  
 غیر کا ذکر نہ ہو بات فقط یار کی ہو  
 کس زباں سے میں کروں زلفِ طرحدار کی بات  
 کیسے لکھوں گل و بلبل لب و رخسار کی بات  
 ان کے سینوں میں اترتے ہوئے نیزوں کا خیال  
 خون سے بھیگی ہوئی ان کی رداؤں کا خیال  
 کبھی غزہ کے قیہوں کا خیال آتا ہے  
 گریہ کرتی ہوئی آنکھوں کا خیال آتا ہے  
 ظلم کے جور کے وحشت کے جفا کے بادل  
 آفت و رنج و مصیبت کے عنا کے بادل  
 بے کسوں مفلسوں مجبوروں کے کلتے ہوئے سر  
 خاک اور خون میں لاشوں کے تڑپنے کا خیال  
 میرے قدحار سے آوازِ بکا آتی ہے  
 میرے شیشان کی گلیوں میں لہو بہتا ہے  
 عید کا دن ہے کوئی شوخ سا نغمہ لکھوں  
 قدس میں بہتے ہوئے خون شہیداں کی قسم  
 اپنی خود داری کو سولی پہ چڑھا دوں تو لکھوں  
 اپنے احساس کی دولت کو لٹا دوں تو لکھوں

مجھ سے احباب یہ کہتے ہیں قصیدہ لکھو  
 آج کچھ تذکرہ جانِ تمنا لکھو  
 اک قصیدہ گل رنگیں کے تبسم پہ لکھو  
 نظم اک نازکی و شوخی ہم دم پہ لکھو  
 ایک افسانہ بعنوان مسرت لکھو  
 یار کے جسم شفق رنگ کی مدحت لکھو  
 آج کچھ بات لب و کاکل و رخسار کی ہو  
 شیشہ و ساغر و مینا سے و میخوار کی ہو  
 مگر افسوس میں کس دل سے کروں یار کی بات  
 کس قلم سے لکھوں رعنائی گلزار کی بات  
 مجھ کو آتا ہے فلسطین کے بچوں کا خیال  
 نوجواں بیٹوں کو روتی ہوئی ماؤں کا خیال  
 غرب اردن کے شہیدوں کا خیال آتا ہے  
 ان کی مایوس نگاہوں کا خیال آتا ہے  
 میرے بغداد پہ چھائے ہیں قضا کے بادل  
 فقر و افلاس کے فاقہ کے وبا کے بادل  
 میرے گجرات میں انسانوں کے کلتے ہوئے سر  
 بھوک اور پیاس سے بچوں کے بلکنے کا خیال  
 میرے کشمیر سے رونے کی صدا آتی ہے  
 میرے کابل میں مکانوں سے دھواں اٹھتا ہے  
 پھر بھی احباب یہ کہتے ہیں قصیدہ لکھوں  
 کوئی نغمہ نہیں لکھ پاؤں گا یزداں کی قسم  
 ہاں حمیت کو اگر اپنی مٹا دوں تو لکھوں  
 اپنی غیرت کو اگر آگ لگا دوں تو لکھوں

”جوئے خوں می چکد از حسرت دیرینہ ما“

می تہد نالہ بہ نشر کدہ سینہ ما“

## دوستی کا ہاتھ

مرے عزیز مرے دوست میرے ہم سایہ  
 نہ تم کو مجھ پہ بھروسہ نہ مجھ کو تم پہ یقین  
 وہ جس کا نقش کف پا ہمارے سینے میں  
 وہ جس کے فیض سے ہم نے بلندیاں پائیں  
 ہماری کشت پر برسا ہے جو سحاب کرم  
 وہ جس کی بو سے معطر مشام جاں ہے مرا  
 وہ بادہ خانہ جہاں ہم نے مے گساری کی  
 ہے جس نگاہ کی مستی ہماری آنکھوں میں  
 جو عندلیب مرے باغ میں چہکتا ہے  
 وہ شمع جس سے منور ہے طاق دل میری  
 وہ بجلیاں جو مرے آشیاں کو تکتی ہیں  
 تمہارا گلشن صدرنگ جس کی زد پر ہے  
 غرض کہ فرق نہیں کوئی ہم میں بنیادی  
 نہ اختلاف خیالات کا نہ مسلک کا  
 اگر یہ سچ ہے تو اے محترم حریف مرے

ہمارے بیچ جدائی کو اک صدی گزری  
 اسی نفاق و عداوت میں زندگی گزری  
 اسی کی یاد سے آباد تیرا سینہ ہے  
 اسی کا نام مبارک ترا وظیفہ ہے  
 اسی کے فیض کی بارش تمہارے آنگن میں  
 اسی گلاب کی رنگت تمہارے گلشن میں  
 شراب تم بھی اسی میکدہ کی پیتے ہو  
 اسی نگاہ سے مخمور تم بھی رہتے ہو  
 اسی کی نغمہ سرائی ترے گلستاں میں  
 اسی کی ضو سے اجالا ترے شبستاں میں  
 وہی حریف تمہارے نگار خانے کی  
 وہی خزاں ہے عدو میرے آشیانے کی  
 نہ فکر میں نہ عقیدے نہ دین و مذہب میں  
 نہ کوئی فرق ہمارے تمہارے مشرب میں  
 کوئی جواز نہیں ہم میں دشمنی کے لیے

”اگر تمہاری انا ہی کا ہے سوال تو پھر  
 چلو میں ہاتھ بڑھاتا ہوں دوستی کے لیے“ (۱)

۱- آخری شعر احمد فراز کا ہے۔ (اسید الحق)

□□□



## ساقی نامہ

سال بھ بعد در پیر خرابات کھلا  
حلقہ سسلہ گردش حالات کھلا  
یعنی رندوں کے لیے قبلہ حاجات کھلا

سمت مارہرہ سے اٹھا ہے سحاب بغداد  
آگیا دور میں پھر جام شراب بغداد

جام دے جام تجھے روز ہستی کی قسم  
بادہ و بادہ کش و بادہ گساری کی قسم  
مست چشم شہ بغداد کی مستی کی قسم

آئے گردش میں ذرا جام شراب بغداد  
ساغر چشت میں بھر دے مئے ناب بغداد

لب جاں بخش سے پیانہ لگا کر دے دے  
پنی جھٹی ذرا ساغر میں ملا کر دے دے  
خوش کوثر سے کوئی بوند منگا کر دے دے

ساعت دور مئے و جام ابھی گزری ہے  
تشنہ کاموں کو یہ لگتا ہے صدی گزری ہے

چشم بے نور کو انوار بصیرت دے دے  
قلب صد چاک کو صہبائے محبت دے دے  
طالب دید کو اک جام زیارت دے دے

آج باقی نہ رہے حسرت و ارماں ساقی  
کاسہ زیست میں بھر دے مئے عرفاں ساقی

□□□



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
 جمهورية مصر العربية  
 وزارة التعليم

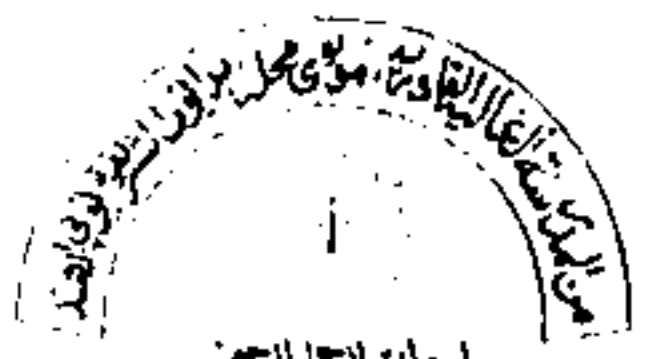
بسمه الاعلان عن اعلان لجنة الامتحان لنتيجة امتحان البكالوريا في مادة اللغة العربية في  
 العتبة المصرية في ١٩ من ايام الامتحان، والنتيجة هي كالتالي:   
 لمرور على احوالهم وبيان نتائج الامتحان في اللغة العربية وبيان نسبة النجاح في  
 امتحان اللغة العربية في الامتحان العام في مصر في ١٩ من ايام الامتحان في  
 الوزارة في القاهرة في ١٩ من ايام الامتحان في الوزارة في القاهرة في ١٩ من ايام الامتحان في  
 وزارة التعليم في القاهرة في ١٩ من ايام الامتحان في الوزارة في القاهرة في ١٩ من ايام الامتحان في

الاسم: .....  
 التوليد: .....  
 الترتيب: .....  
 سنة التكميل: .....  
 التاريخ: .....  
 خاتم الوزارة: .....

عكس سند

الاجازة العالية، شعبة تفسير وعلوم قرآن  
 جامعة الازهر الشريف، مصر

رقم السند: ..... شهادة التكميل رقم الختام: ١١٦



بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله القادر القمقن، القدير والصابر على سيرة محمد بن عبد الله بن عبد

الله وآله واصحابه الذين بهم الاقتداء

الاسم: ..... بن .....

التوليد: .....

الترتيب: .....

سنة التكميل: ..... درجة النجاح: .....

التاريخ: ..... مدير الاصل: رئيس الامانة

خاتم الوزارة: .....

عكس سند فضيلت من جانب مدرسة قادريه، بدايول شريف  
 نوٹ: اس پر نقيب الاشراف حضرت سيد احمد ظفر انبيا اني  
 (سجادہ و متولی: آستانہ غوث اعظم) کے دستخط ہیں۔



کتابخانه اسلامیہ دارالعلوم دیوبند

بسم اللہ الرحمن الرحیم  
میں نے اس کتاب کو لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ اس میں جو باتیں لکھی ہیں وہ سب سچ اور درست ہوں اور ان کو پڑھنے والے کو فائدہ پہنچانے کے لیے لکھی ہیں۔

اس کتاب میں جو باتیں لکھی ہیں وہ سب سچ اور درست ہوں اور ان کو پڑھنے والے کو فائدہ پہنچانے کے لیے لکھی ہیں۔

اس کتاب میں جو باتیں لکھی ہیں وہ سب سچ اور درست ہوں اور ان کو پڑھنے والے کو فائدہ پہنچانے کے لیے لکھی ہیں۔

اس کتاب میں جو باتیں لکھی ہیں وہ سب سچ اور درست ہوں اور ان کو پڑھنے والے کو فائدہ پہنچانے کے لیے لکھی ہیں۔

اس کتاب میں جو باتیں لکھی ہیں وہ سب سچ اور درست ہوں اور ان کو پڑھنے والے کو فائدہ پہنچانے کے لیے لکھی ہیں۔

اس کتاب میں جو باتیں لکھی ہیں وہ سب سچ اور درست ہوں اور ان کو پڑھنے والے کو فائدہ پہنچانے کے لیے لکھی ہیں۔

اس کتاب میں جو باتیں لکھی ہیں وہ سب سچ اور درست ہوں اور ان کو پڑھنے والے کو فائدہ پہنچانے کے لیے لکھی ہیں۔

اس کتاب میں جو باتیں لکھی ہیں وہ سب سچ اور درست ہوں اور ان کو پڑھنے والے کو فائدہ پہنچانے کے لیے لکھی ہیں۔

اس کتاب میں جو باتیں لکھی ہیں وہ سب سچ اور درست ہوں اور ان کو پڑھنے والے کو فائدہ پہنچانے کے لیے لکھی ہیں۔

اس کتاب میں جو باتیں لکھی ہیں وہ سب سچ اور درست ہوں اور ان کو پڑھنے والے کو فائدہ پہنچانے کے لیے لکھی ہیں۔

اس کتاب میں جو باتیں لکھی ہیں وہ سب سچ اور درست ہوں اور ان کو پڑھنے والے کو فائدہ پہنچانے کے لیے لکھی ہیں۔



عکس اسناد علوم و حدیث  
من جانب: اکابر شیوخ عرب



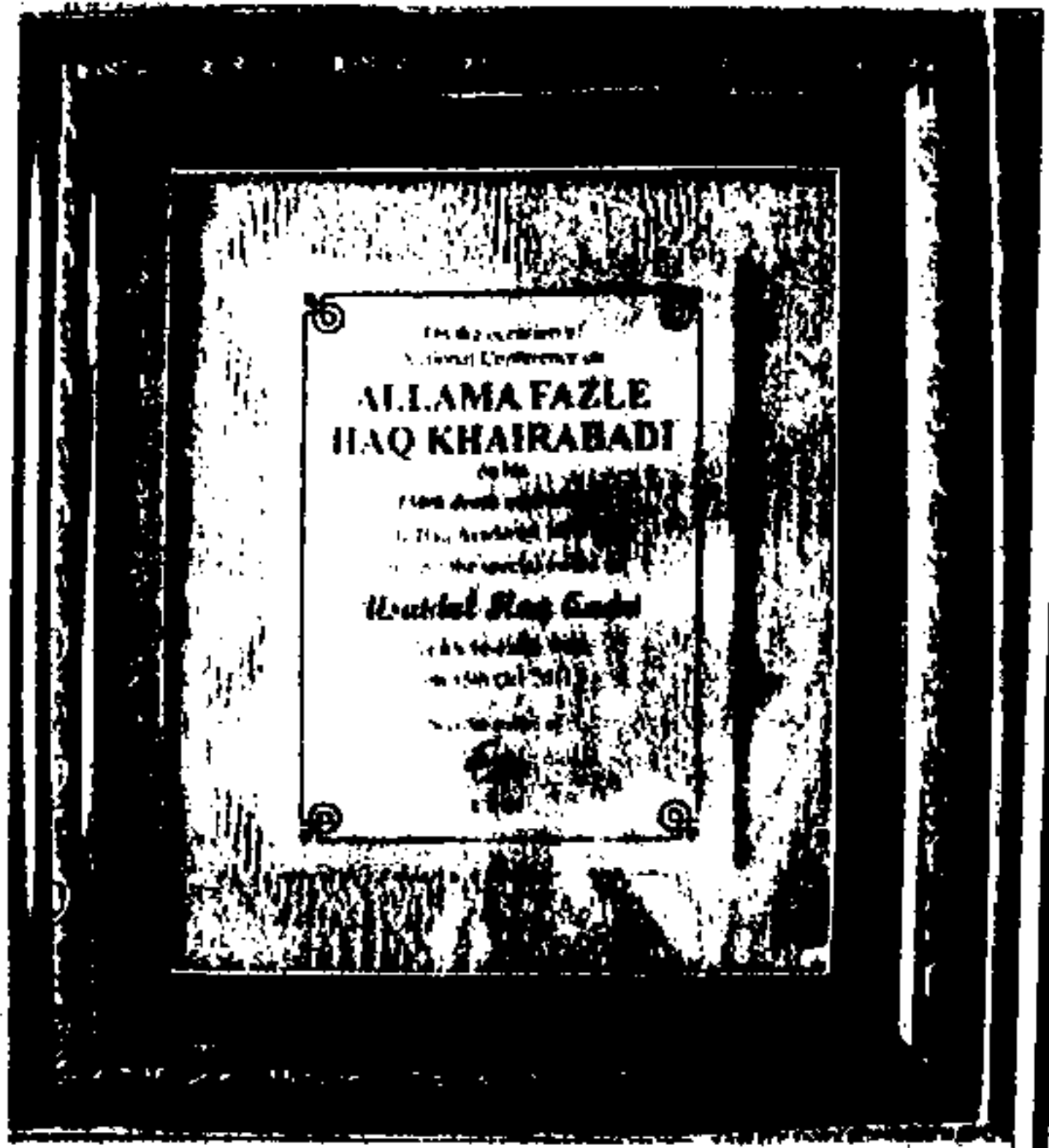
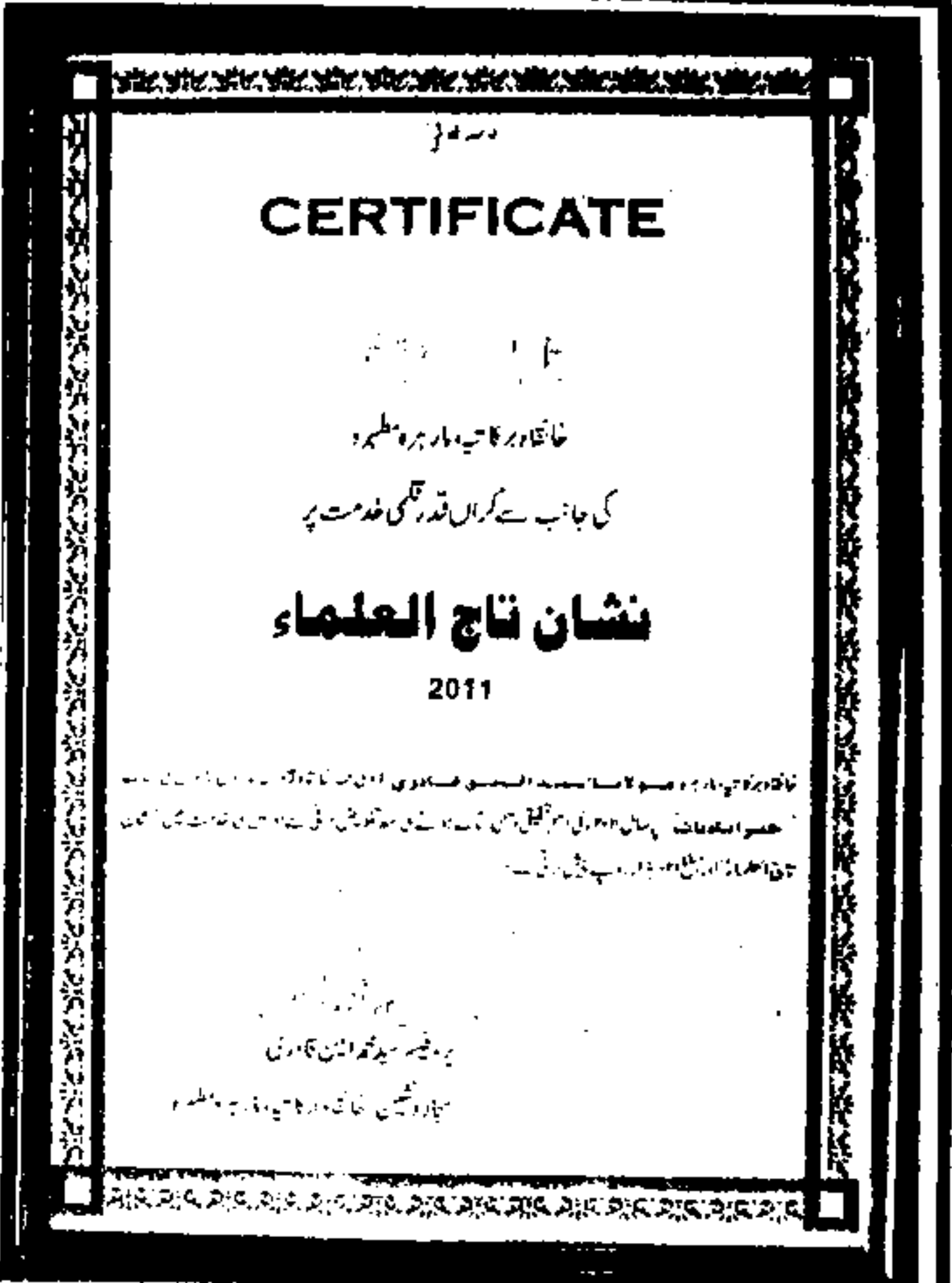
بسم اللہ الرحمن الرحیم  
میں نے اس کتاب کو لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ اس میں جو باتیں لکھی ہیں وہ سب سچ اور درست ہوں اور ان کو پڑھنے والے کو فائدہ پہنچانے کے لیے لکھی ہیں۔



بسم اللہ الرحمن الرحیم  
میں نے اس کتاب کو لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ اس میں جو باتیں لکھی ہیں وہ سب سچ اور درست ہوں اور ان کو پڑھنے والے کو فائدہ پہنچانے کے لیے لکھی ہیں۔

اس کتاب میں جو باتیں لکھی ہیں وہ سب سچ اور درست ہوں اور ان کو پڑھنے والے کو فائدہ پہنچانے کے لیے لکھی ہیں۔

عالم ربانی کو علمی و تحقیقی کتاب ”خیر آبادیات“ کی تصنیف پر  
خانقاہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ کی جانب سے ملنے والے ایوارڈ  
اور توصیف نامے کا عکس۔



فضل حق اکیڈمی دہلی اور بینائی ویلفیئر ٹرسٹ کی جانب سے  
”خیر آبادیات“ کی تصنیف پر یہ اعزاز دیا گیا





**International Seminar on  
"Reflection of Indian Culture & Civilization in Travelogues"**  
12-14 March, 2012

Centre of Indian Languages  
School of Language, Literature and Culture Studies  
Jawaharlal Nehru University, New Delhi - 110 067, INDIA

**Certificate of Participation**

This is to certify that Mr. Usaidul Haq Badi, Khanyah  
Badia, Badli has participated in the International Seminar on  
Reflection of Indian Culture & Civilization in Travelogues hosted by the Centre of Indian  
Languages, School of Language, Literature and Culture Studies, Jawaharlal Nehru University,  
New Delhi, India, from 12 to 14 March 2012, with a plenary presentation entitled Sufism  
and the message of love & peace

Dr. Khwaja Mohi-ud-Din  
Director of Studies



**DEPARTMENT OF ARABIC**  
**UNIVERSITY OF MUMBAI**

Two Day  
**NATIONAL SEMINAR**  
**CERTIFICATE**

This is to certify that Prof. / Dr. / Mr. / Mrs. / Ms.  
Usaidul Haq Badi  
Badia, Badli University / College  
has attended / presented a paper / participated in the  
SEMINAR on "LINGUISTIC & LITERARY RELATIONS  
BETWEEN ARABIC & URDU" organized by  
DEPARTMENT OF ARABIC, UNIVERSITY OF MUMBAI,  
on 22<sup>nd</sup> & 23<sup>rd</sup> FEBRUARY, 2012.

*[Signature]*  
Director of Studies

**University of Mumbai**



**DEPARTMENT OF ARABIC**

Arabic Branch, Central Zone, Vajrapur Campus,  
Lokacruz (E), Mumbai - 400 086

This is to certify that Mr. Usaidul Haq Badi  
of Badli, Badli participated  
and presented the paper on the National Seminar  
on "Arabic & Urdu: Linguistic & Literary Relations"  
organized  
by the Department of Arabic, University of Mumbai,  
on 22 & 23 February 2012

Member  
Dated 24 Feb 2012

*[Signature]*  
Secretary of the  
Seminar

*[Signature]*  
Director of the  
Seminar



سورج ہوں زندگی کی رمتق چھوڑ جاؤں گا  
میں ڈوب بھی گیا تو شفق چھوڑ جاؤں گا

1975 - 2014